عمران سیریز

ڈاکٹر بلیک

ارشاد العصر جعفری

محترم قارئین۔

سلام مسنون

میرا نیا ناول ''ڈاکٹر بلیک'' آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ اس ناول میں آپ بیک وقت دو عالمی مجرموں سے ملیں گے جو ذہانت، چالاکی اور طاقت میں بے مثال ہیں۔ ان میں ایک مجرم ڈاکٹر بلیک تو انسانی تاریخ کا سفاک ترین بھی ہے۔ ڈاکٹر بلیک ایک عظیم سائنس دان ہے اور اس سائنس دان نے پوری دنیا کو بدحواس کر دیا ہے۔ ڈاکٹر بلیک ایک ایسا سفاک درندہ تھا جس نے لمحوں میں کروڑوں انسانوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا تھا۔ ایکریمیا، باچان اور دیگر ممالک میں خون کے دریا بہا دیئے ہیں لیکن اس تک رسائی کسی کے بس میں نہیں تھی۔ اس ظالم درندے نے پاکیشیا کو بھی اپنی تباہی کی لسٹ میں شامل کر لیا اور پوری دنیا کو سرسلطان کے قتل کا منظر بھی دکھا دیا اور پاکیشیا میں ایٹم بم بھی نصب کر دیا۔

میں تو پیش لفظ میں ہی تفصیل بتانے بیٹھ گیا۔ اگر میں نے انہی صفحات میں آپ کو سب کچھ بتا دیا تو پھر آپ کو ناول پڑھنے کی ضرورت تو نہیں رہے گی لہٰذا اس کردار کے بارے میں مزید تفصیل آپ کو کتاب کے اگلے صفحوں پر ہی ملے گی۔ میں یہاں صرف اتنا ہی کہوں گا کہ یہ ناول آپ کے اعلیٰ ذوق کے عین مطابق ہے اور یقیناً آپ کو پسند آئے گا اور یہ تو آپ جانتے ہی ہیں کہ میں نے

ہمیشہ یہی کوشش کی ہے کہ میں جو کچھ لکھوں آپ کو پسند آئے۔ آپ کی پسند اور ناپسند کا اندازہ مجھے آپ کے خطوط سے بھی ہوتا ہے۔ اس تیز ترین اور مہنگائی کے دور میں خط لکھنا بالکل ہی ختم ہو چکا ہے لیکن علی عمران کے شیدائی ایسے ہیں جو اس دور میں بھی خط لکھتے ہیں۔ اپنی پسند اور ناپسند کا اظہار کرتے ہیں اور اپنے مشوروں سے نوازتے ہیں۔ اس بات کا اعتراف تو میں کئی بار کر چکا ہوں کہ قارئین کے خط ہی مجھے لکھنے کا حوصلہ دیتے ہیں۔ امید ہے کہ آپ ہمیشہ کی طرح میری حوصلہ افزائی کرتے رہیں گے۔ انشاء اللہ اگلے ناول میں پھر ملاقات ہوگی۔

والسلام

ارشاد العصر جعفری

علی عمران اور پاکیشیا سیکرٹ سروس کا ہنگامہ خیز ایڈونچر

مکمل ناول

شاکس پلان

مصنف ارشاد العصر جعفری

ارسلان پبلی کیشنز اوقاف بلڈنگ پاک گیٹ ملتان
Mob
0333-6106573
0336-3644440
0336-3644441
Ph 061-4018666
E.Mail.Address arsalan.publications@gmail.com

رات نصف سے زیادہ بیت چکی تھی۔ سارا ماحول گہری تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا۔ اس گہری تاریکی میں ایک آدمی ایک کھڑکی پر جھکا ہوا تھا۔ اس آدمی نے سر پر گردن تک سیاہ نقاب اوڑھا ہوا تھا اور اس کا باقی جسم بھی سیاہ لبادے میں چھپا ہوا تھا اس لئے وہ آدمی تاریکی کا ہی جزو دکھائی دے رہا تھا۔

کھڑکی پر جھک کر اس آدمی نے شیشے پر ایک جگہ ٹیپ چپکائی اور پھر گلاس کٹر سے شیشے پر ایک چوکور لکیر ڈال کر انگوٹھے سے شیشے کو دبایا تو شیشے کا چور حصہ کٹ کر لٹکنے لگا۔ چونکہ وہ ٹیپ سے چپکا ہوا تھا اس لئے نیچے نہ گرا اور نقاب پوش چاہتا بھی یہی تھا کہ کٹ جانے والا شیشے کا ٹکڑا فرش پر نہ گرے۔ جیسے ہی شیشہ کٹا نقاب پوش نے ہاتھ اندر ڈال کر چٹخنی کھولی اور کھڑکی کا ایک پٹ کھول کر اندر داخل ہو گیا۔ اسے اس کارروائی میں بمشکل پانچ سیکنڈ لگے تھے۔ اندر کمرے میں باہر سے زیادہ اندھیرا تھا۔ اسے محسوس ہو رہا

تھا جیسے وہ اندھیری قبر میں اتر آیا ہو۔

اندر کمرے میں داخل ہوتے ہی اس نے اپنی جیب میں ہاتھ ڈالنا چاہا۔ شاید اس کی جیب میں ٹارچ تھی لیکن اس سے پہلے کہ اس کا ہاتھ جیب میں جاتا ایک جھماکا ہوا اور کمرہ روشن ہو گیا۔ ایک لمحے کے لئے نقاب پوش کی آنکھیں چندھیا گئیں لیکن اگلے ہی لمحے اس نے خود کو سنبھالا اور چاروں طرف نظر دوڑائی۔ کمرے میں ایک جہازی سائز بیڈ موجود تھا لیکن اس وقت بیڈ خالی تھا۔ کمرے کے ایک کونے میں ایک ٹیبل اور ایک کرسی رکھی ہوئی تھی۔ ٹیبل پر منرل واٹر کی ایک بوتل، ایک گلاس اور دو تین کتابیں رکھی ہوئی تھیں۔ ایک لیپ ٹاپ بیڈ پر پڑا ہوا تھا جو اس وقت آف تھا۔ کمرہ اس وقت کسی بھی انسانی وجود سے یکسر خالی تھا۔ نقاب پوش نے ایک سیکنڈ سے بھی کم وقت میں کمرے کا جائزہ لیا اور پھر وہ تیزی سے دروازے کی طرف بڑھا۔ پھر وہ دروازے کے قریب پہنچ کر رک گیا۔ دروازے کی دائیں طرف دیوار میں ایک بڑا فریم لگا ہوا تھا۔ اس فریم میں سر سلطان کی ایک ہنستی مسکراتی تصویر دکھائی دے رہی تھی۔ نقاب پوش نے تصویر اتار کر بیڈ پر پھینک دی۔ تصویر ایک بڑے اور موٹے کیل سے لٹکی ہوئی تھی۔ تصویر کے اترتے ہی وہ کیل عیاں ہو گیا تھا۔ نقاب پوش نے اس کیل کو تین بار اپنے انگوٹھے سے دبایا۔ جیسے ہی کیل پر اس کے انگوٹھے کا دباؤ تیسری بار پڑا بائیں دیوار میں ایک خلا پیدا ہو گیا۔ ایسے محسوس ہو رہا تھا جیسے

پہلے یہاں ایک چھوٹا سا دروازہ لگایا گیا تھا اور اب وہ دروازہ اتار دیا گیا ہو۔ نقاب پوش نے اس خلا میں جھانکا۔ وہاں سیڑھیاں تھیں جو نیچے جا رہی تھیں۔ وہاں بھی روشنی موجود تھی۔ نقاب پوش نے سیڑھیوں پر قدم رکھا اور ساتھ ہی اس کا ہاتھ جیب میں گیا۔ اس کا ہاتھ جیب سے باہر آیا تو اس میں ایک مشین پسٹل موجود تھا۔ اس نے مشین پسٹل کے دستے کو مضبوطی سے پکڑ لیا اور سیڑھیاں اترنے لگا۔ وہ تیزی سے لیکن احتیاط سے نیچے اترنے لگا۔ اس کے سیڑھیاں اترنے سے آواز بالکل پیدا نہیں ہو رہی تھی۔ تقریباً گیارہ بارہ سیڑھیاں تھیں جو نقاب پوش نے محض چند سیکنڈوں میں عبور کر لی تھیں۔ پھر جیسے ہی وہ تہہ خانے میں پہنچا اس نے سر سلطان کو دیکھا۔ وہ تہہ خانے میں اس کے سامنے کھڑے تھے۔ ان کی آنکھوں میں نفرت اور طنز کے ملے جلے تاثرات تھے۔ ان کے ایک ہاتھ میں ریوالور تھا جس کا رخ نقاب پوش کی طرف تھا۔ نقاب پوش کو دیکھتے ہی سر سلطان نے ٹریگر دبا دیا۔ دھماکا تو نہ ہوا کیونکہ ریوالور پر سائیلنسر فٹ تھا البتہ سرخ شعلہ سا نکل کر نقاب پوش کی طرف بڑھا لیکن نقاب پوش کی نظریں سر سلطان کی انگلی پر تھیں اس لئے جیسے ہی سر سلطان نے ٹریگر دبایا نقاب پوش فرش پر بیٹھ گیا اور شعلہ اس کے اوپر سے گزر گیا۔ پھر اس سے پہلے کہ سر سلطان دوبارہ ٹریگر دباتے نقاب پوش کا ہاتھ سیدھا ہوا صرف ٹریگر دبنے کی آواز سنائی دی اور سر سلطان کے حلق سے ایک دلدوز چیخ بلند ہوئی۔

گولی ان کی پسلی توڑتی ہوئی ان کے دل میں جا لگی تھی۔ ریوالور ان کے ہاتھ سے نیچے جا گرا اور وہ ریت کی خالی ہوتی ہوئی بوری کی مانند فرش پر گرتے چلے گئے۔ ابھی انہوں نے تڑپنا شروع ہی کیا تھا کہ نقاب پوش ان کے قریب پہنچ گیا۔ اب اس کے ہاتھ میں خنجر اور آنکھوں میں وحشت دکھائی دے رہی تھی۔ وہ سرسلطان کے تڑپتے ہوئے جسم پر سوار ہو گیا۔ اس نے اپنا گھٹنا سرسلطان کے سینے پر رکھا۔ اب سرسلطان کا جسم تڑپ بھی نہیں سکتا تھا۔ نقاب پوش نے ایک ہاتھ سرسلطان کے سر پر رکھا اور دوسرے ہاتھ میں تھاما ہوا خنجر سرسلطان کی گردن پر چلا دیا۔ سرسلطان کی شہ رگ کٹ گئی اور گردن سے خون کا فوارہ ابل پڑا۔ اس خون سے نقاب پوش کے ہاتھ اور سیاہ لبادہ رنگین ہو گئے۔ نقاب پوش نے شہ رگ کٹنے پر ہی اکتفا نہ کیا بلکہ وہ مردہ سرسلطان کی گردن پر تیز تیز خنجر چلانے لگا۔ اس کے انداز میں وحشت، بربریت اور جنونیت تھی۔ ایسے لگ رہا تھا جیسے نقاب پوش اپنی کسی پرانی دشمنی کی آگ میں پاگل ہو گیا تھا اور یہ آگ سرسلطان کی ہلاکت سے بھی سرد نہیں ہوئی تھی۔ چند ہی لمحوں میں سرسلطان کا سر تن سے جدا ہو گیا۔ نقاب پوش نے سرسلطان کے بریدہ سر کو بالوں سے پکڑا اور پھر وہ کھڑا ہو گیا۔ کھڑے ہونے کے بعد اس نے سرسلطان کا سر دور اچھال دیا اور خود سیڑھیوں کی طرف بڑھا لیکن ابھی وہ سیڑھیوں کے قریب نہیں پہنچا تھا کہ سیڑھیوں میں چار آدمی دکھائی دیئے۔ پھر اس سے پہلے

کہ وہ سنبھلتا بیک وقت چار مشین گنوں نے شعلے اگلے اور درجنوں گولیاں نقاب پوش کے سینے، منہ اور سر سے ٹکرائیں۔ اس کی بھی ایک چیخ بلند ہوئی اور وہ زمین پر گر کر مرغ بسمل کی مانند تڑپنے لگا۔

اس کے ساتھ ہی منظر ساکن ہو گیا اور سکرین پر ایک تاریخ اور وقت ابھر آیا جبکہ ہال میں بیٹھے ہوئے افراد نے گہرے سانس لئے۔ یہ درمیانے سائز کا ہال تھا اور اس میں بیس کے قریب افراد بیٹھے تھے۔ ان کے سامنے ایک بڑی میز تھی اور اس میز پر ایک ٹی وی رکھا ہوا تھا۔ ٹی وی سکرین کے آف ہوتے ہی ہال میں بیٹھے ہوئے افراد سوچنے لگے کہ انہوں نے ٹی وی پر کس کے قتل کا منظر دیکھا ہے کیونکہ ہال میں بیٹھے ہوئے افراد میں سے کوئی بھی قتل ہونے والی شخصیت کے بارے میں نہیں جانتا تھا۔

”ممبرز۔ میری فیوچر مشین نے جس شخصیت کی موت کا منظر کیچ کیا ہے اسے دنیا سرسلطان کے نام سے جانتی ہے اور یہ ایشیائی ملک پاکیشیا کا سیکرٹری خارجہ ہے۔ یہ دنیا کی اہم شخصیات میں سے ایک ہے۔ دنیا کے اکثر ممالک میں اسے عزت کی نظر سے دیکھا جاتا ہے چونکہ فیوچر مشین نے اس کی موت کا وقت بتا دیا ہے لہٰذا اب پاکیشیا بھی ہماری لسٹ میں شامل ہو گیا ہے“...... ہال میں بیٹھے ہوئے افراد نے ایک غراہٹ سے مشابہہ آواز سنی۔ یہ ڈاکٹر بلیک کی آواز تھی جو ریڈ نائٹ تنظیم کا سربراہ تھا اور ہال میں بیٹھے ہوئے افراد تنظیم کے سینئر ارکان تھے۔ ڈاکٹر بلیک کی آواز سن کر وہ

یکدم چوکس ہو گئے تھے۔ ڈاکٹر بلیک بات کرتے کرتے چند لمحوں کے رکا تھا اور پھر اس کی بارعب آواز دوبارہ ہال میں گونجنے لگی۔

''ممبرز۔ تمہیں معلوم ہے کہ میری ایجاد کردہ فیوچر مشین ایک انقلابی اور کرشماتی ایجاد ہے۔ یہ ایجاد ایسی ہے جس کی وجہ سے بہت جلد یہ دنیا میری محکوم ہو جائے گی۔ دنیا پر قبضہ کرنے کے لئے ہمیں انہیں حکم نہیں دینا پڑے گا بلکہ وہ خود ہم سے درخواست کریں گے، روئیں گے، گڑگڑائیں گے، چیخیں گے، چلائیں گے۔ اب یہ میری مرضی ہو گی کہ میں ان کے گڑگڑانے، رونے پیٹنے پر توجہ دوں یا نہ دوں۔ مثال کے طور پر اس شخصیت کو لے لو جس کی موت کا منظر تم نے ابھی دیکھا ہے۔ اس عظیم شخصیت کی ڈیٹ آف ڈیتھ اور ٹائم آف ڈیتھ نوٹ کر لیا ہے۔ اب ہم حکومت پاکیشیا کو اس کی موت کی تاریخ اور وقت سے آگاہ کریں گے اور ان سے کہیں گے کہ وہ اگر سر سلطان کو بچا سکتے ہیں تو بچا لیں لیکن اب دنیا کی کوئی بھی طاقت اسے موت سے نہیں بچا سکے گی کیونکہ اس کی موت کا فیصلہ میں نہیں کیا بلکہ کاتب تقدیر نے کیا ہے اور میرا یقین کامل ہے کہ انسان کی موت کا جو وقت متعین ہے۔ انسان نے بہرحال اس وقت پر مرنا ہے''...... ڈاکٹر بلیک نے مسلسل بولتے ہوئے کہا اور پھر سانس لینے کے لئے رکا۔ ہال میں بیٹھے ہوئے افراد خاموش ہی بیٹھے رہے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ ڈاکٹر بلیک کی بات ابھی مکمل نہیں ہوئی۔

''ممبرز۔ میں جن شخصیات کی موت کا اعلان کروں گا۔ ان کے ملک کے دارالحکومت یا کسی اور اہم شہر میں ایٹم بم فٹ کرا دوں گا اور یہ ایٹم بم بھی ڈیتھ فورس فٹ کرے گی اور تم لوگ جانتے ہو کہ ڈیتھ فورس جیتے جاگتے انسانوں پر مشتمل نہیں ہے بلکہ چھوٹے چھوٹے روبوٹس پر مشتمل ہے۔ جنہیں میں ٹائم مشین کے ذریعے منٹوں میں دنیا کے ایک کونے سے دوسرے کونے تک پہنچا سکتا ہوں۔ یہ ڈیتھ فورس میرے حکم کی پابند ہے۔ ہاں۔ تو میں تمہیں بتا رہا تھا کہ میں جن شخصیات کا ڈیتھ ٹائم ڈیکلیئر کروں گا اس کے ملک کے دارالحکومت میں کسی جگہ ٹائم بم بھی فٹ کر دوں گا اور اس ملک کی حکومت کو بتا دوں گا کہ اگر تم نے اپنی شخصیت کو بچا لیا تو ایٹم بم ناکارہ کر دیا جائے گا اور اگر تم اپنی شخصیت کو نہ بچا سکے تو اس شخصیت کے مرنے کے تیس گھنٹے بعد ایٹم بم پھٹ جائے گا اور اس ملک کا دارالحکومت تباہ ہو جائے گا اور یہ تیس گھنٹے بھی انہیں اس لئے دیئے جائیں گے کہ اگر وہ ایٹم بم تلاش کر کے اسے ناکارہ کرنا چاہیں تو کر لیں''...... ڈاکٹر بلیک نے تکبر بھرے لہجے میں کہا اور پھر اس نے طویل قہقہہ لگایا۔

''وہ گڑگڑائیں گے''...... تحقیر میں ڈوبے ہوئے قہقہے کے بعد ڈاکٹر بلیک نے دوبارہ بولنا شروع کیا۔

''فریاد کریں گے، آہ وزاری کریں گے، التجائیں کریں گے، اپنے ملک کے کروڑوں افراد کی زندگی کی بھیک مانگیں گے۔ اب

میری مرضی ہو گی کہ میں انہیں بھیک دوں یا نہیں اور سنو ممبرز۔ میں نے تمہیں ہال میں اس لئے بلایا ہے کہ ہمارا مشن مکمل طور پر تیار ہو گیا ہے۔ اب ہم کل سے آپریشن شروع کر رہے ہیں۔ تم میں سے اگر کسی کے ذہن میں کوئی سوال ہو تو تمہیں اجازت ہے تم مجھ سے سوال پوچھ سکتے ہو''...... ڈاکٹر بلیک نے نخوت بھرے لہجے میں کہا۔

''باس۔ اگر کسی ملک نے اپنی شخصیت کو بچا لیا تو''...... ایک آدمی نے اپنی جگہ پر کھڑے ہو کر کہا۔

''تمہارے سر میں دماغ ہے یا بھوسہ بھرا ہوا ہے ایڈیٹ''۔ ڈاکٹر بلیک نے پھنکارتے ہوئے کہا تو وہ آدمی کانپنے لگا۔

''احمق۔ مستقبل میں جو کچھ ہونے والا ہے کیا ہم اسے روک سکتے ہیں۔ یاد رکھو۔ جس طرح ہم ماضی کے حالات ذرہ برابر بھی تبدیل نہیں کر سکتے اسی طرح مستقبل کے حالات کو بھی نہیں ہلا سکتے۔ جو کچھ تقدیر میں لکھا جا چکا ہے وہ ہو کر رہے گا''...... ڈاکٹر بلیک نے غراتے ہوئے کہا۔ پھر اس نے ایک ہنکارہ بھرا اور دوبارہ گویا ہوا۔

''بفرض محال اگر مجھ سے کسی غلطی کی بنا پر میری بتائی گئی شخصیت مرنے سے بچ گئی تو میں جو وعدہ کرتا ہوں اسے پورا بھی کرتا ہوں اور آئندہ بھی ایسا ہی ہو گا۔ بچ جانے والی شخصیت کا ملک تباہی سے بچ جائے گا۔ چاہے اس کے لئے مجھے اپنی جان کی قربانی ہی کیوں نہ دینی پڑے''...... ڈاکٹر بلیک نے پرعزم لہجے میں اعلان

کرتے ہوئے کہا۔

''لیکن باس۔ یہ تنظیم۔ آپ''...... ایک اور آدمی بوکھلا کر بولا۔ اس سے اصل مقصد ہی ادا نہیں ہو سکا۔

''مسٹر لوکارٹ۔ میں تمہارا مقصد سمجھتا ہوں لیکن یاد رکھو اگر ایسا وقت آ گیا تو میں اپنے وعدے کو نبھانا ضروری سمجھوں گا اور یہ بات تم سب اچھی طرح جانتے ہو کہ میں نے اپنے اصولوں پر اپنے بیٹے کو قربان کر دیا تھا اور اب بھی میں اپنے وعدے پر اور اپنے اصولوں پر سب کچھ قربان کر سکتا ہوں۔ خود کو بھی اور اس تنظیم کو بھی''...... ڈاکٹر بلیک نے ٹھوس لہجے میں کہا۔ پھر وہ خاموش ہو گیا۔ چند لمحے خاموش رہنے کے بعد اس نے دوبارہ بولنا شروع کیا۔

''تمہیں یہ یقین رکھنا چاہئے کہ اگر میں اپنی زندگی کو شرط کی بھٹی میں جھونک رہا ہوں تو مجھے اس بات کا سو فیصد یقین ہے کہ اس میں میری زندگی کو کوئی خطرہ نہیں اور کامیابی صرف میری ہو گی''...... ڈاکٹر بلیک کے ان الفاظ نے ہال میں بیٹھے ہوئے افراد کے جسموں میں زندگی کی نئی لہر دوڑا دی۔

''باس۔ ہمیں یقین ہے کہ ہماری تنظیم یہ گریٹ کامیابی حاصل کرے گی اور پوری دنیا ہماری محکوم ہو جائے گی''...... ایک اور آدمی نے کرسی سے اٹھتے ہوئے مؤدبانہ لہجے میں کہا۔

''کسی کے ذہن میں کوئی اور سوال ہو تو وہ پوچھ سکتا ہے''۔ ڈاکٹر بلیک نے پوچھا لیکن سب خاموش رہے۔

"اوکے۔ آج کی میٹنگ برخاست کی جاتی ہے"...... ڈاکٹر بلیک نے کہا تو وہ سب کرسیوں سے اٹھ کھڑے ہوئے اور پھر دروازے کی طرف بڑھے اور ایک ایک کر کے ہال سے باہر نکلتے چلے گئے۔ ڈاکٹر بلیک ایک کمرے میں ریوالونگ چیئر پر بیٹھا تھا۔ اس کے سامنے ٹی وی رکھا ہوا تھا اور اس ٹی وی پر ہال کا منظر دکھائی دے رہا تھا۔ میٹنگ برخاست ہونے کے بعد جب تمام افراد ہال سے نکل گئے تو وہ بھی اپنی جگہ سے اٹھا اور دروازے سے باہر آ گیا۔ باہر ایک لمبی راہداری تھی۔ راہداری کو عبور کرنے کے بعد وہ آخر میں پہنچ گیا جہاں ایک سپاٹ دیوار تھی۔ اس کا ہاتھ جیب میں گیا اور جب ہاتھ باہر آیا تو اس میں ایک عجیب و غریب ریوالور دکھائی دے رہا تھا۔ ڈاکٹر بلیک نے ریوالور کا رخ دیوار کی طرف کر کے بٹن دبا دیا۔ بٹن کے دبتے ہی ریوالور سے سبز رنگ کی شعاع نکلی اور دیوار سے ٹکرائی۔ شعاع دیوار سے جس جگہ ٹکرائی تھی وہاں ایک گول سرخ رنگ کا دھبہ پیدا ہو گیا۔ اس دھبے کو دیکھ کر ڈاکٹر بلیک کی آنکھوں میں حیرت کے تاثرات پیدا ہوئے۔ پھر حیرت کی بجائے اس کی آنکھوں میں غصے کے تاثرات پیدا ہوئے اور غصے کی وجہ سے اس کا چہرہ بھی سرخ ہوتا چلا گیا۔ اس کے منہ سے بھیڑیئے جیسی غراہٹ نکلی اور پھر وہ تیزی سے پلٹا اور بھاگنے کے سے انداز میں چلتا ہوا ایک دروازے کے قریب پہنچ کر رکا۔ اس نے دروازہ کھولا اور پھر کمرے میں داخل ہو گیا۔ کمرے کے ایک

کونے میں ایک اور دروازہ دکھائی دے رہا تھا۔ ڈاکٹر بلیک تیزی سے اس دروازے کی طرف بڑھا۔ اس دروازے کی دوسری جانب سیڑھیاں تھیں جو نیچے جا رہی تھیں۔ ڈاکٹر بلیک نے تیزی سے سیڑھیاں عبور کیں اور تہہ خانے میں پہنچ گیا۔ تہہ خانے میں ایک دیوار پر ایک بہت بڑی سکرین لگی ہوئی تھی اور اس کے سامنے بٹنوں کا ایک جال سا بچھا ہوا تھا۔ ڈاکٹر بلیک نے غصے سے کانپتے ہوئے چند بٹن پریس کر دیئے۔ دیکھتے ہی دیکھتے سکرین آن ہو گئی۔ ڈاکٹر بلیک نے ایک اور بٹن دبایا تو منظر بدلنے لگے اور پھر ایک ایسا منظر نظر آیا جس پر نظر پڑتے ہی ڈاکٹر بلیک کی حالت غصے سے غیر ہونے لگی اور پھر اس کا ہاتھ مختلف بٹنوں پر جا پڑا اور سکرین پر جھپاکے ہونے لگے۔

"آج موت تمہارا مقدر ہے"...... ڈاکٹر بلیک نے چنگھاڑتے ہوئے کہا اور اس کی آنکھوں سے شعلے سے نکلنے لگے۔

کافرستان کا سیکرٹری دفاع جگن ناتھ اپنے آفس میں بیٹھا ایک فائل دیکھ رہا تھا کہ انٹرکام کی گھنٹی بجنے لگی۔

''لیس''...... اس نے انٹرکام کا رسیور اٹھا کر کان سے لگایا اور بارعب لہجے میں بولا۔

''سر۔ سپیشل سروس کے چیف اپنے کسی مہمان کے ساتھ تشریف لائے ہیں''...... دوسری طرف سے سیکرٹری نے بتایا۔

''اوکے۔ بھجوا دو انہیں''...... جگن ناتھ نے خشک لہجے میں کہا اور پھر اس نے رسیور کریڈل پر رکھ دیا۔

چند لمحوں بعد اس کے آفس کا دروازہ کھلا اور کافرستانی سپیشل سروس کا چیف ارجن ایک غیر ملکی آدمی کے ساتھ اندر داخل ہوا۔ جگن ناتھ نے غیر ملکی کا جائزہ لیا۔ اس کی آنکھوں میں ذہانت اور سفاکی واضح طور پر دکھائی دے رہی تھی۔ وہ چہرے کے خدو خال سے ہی ایک ظالم انسان دکھائی دے رہا تھا۔

''نمستے مہاراج''...... ارجن نے ٹیبل کے قریب آ کر جگن ناتھ کو پرنام کرتے ہوئے کہا۔ غیر ملکی نے ہاتھ کے اشارے سے سلام کیا اس کے انداز میں تکبر اور نخوت دکھائی دے رہی تھی۔

''نمستے''...... جگن ناتھ نے مصافحے کے بعد ان دونوں سے کہا تو وہ کرسیوں پر بیٹھ گئے۔

''شکریہ سر''...... کرسیوں پر بیٹھنے کے بعد ارجن نے جگن ناتھ سے کہا تو اس نے صرف سر ہلا دیا۔

''سر۔ یہ ڈیتھ ماسٹر ہیں۔ ڈیتھ لائن کے چیف''...... ارجن نے اپنے ساتھ والے کا تعارف کراتے ہوئے کہا۔

''اوہ۔ ڈیتھ لائن۔ ہم نے تو اس کی بہت شہرت سنی ہے''۔ جگن ناتھ نے چونکتے ہوئے کہا۔

''لیس سر۔ ڈیتھ لائن جرائم کی دنیا کا ایک انمول نام ہے۔ کسی حکومت کا تختہ الٹنا ہو، کسی عالمی شخصیت کو قتل کرانا ہو، حکومتوں کے راز چرانے ہوں، کوئی چیز ایک ملک سے دوسرے ملک پہنچانی ہو، اسلحہ یا منشیات کی ڈیلنگ کرنی ہو، ڈیتھ لائن ہر کام انتہائی راز داری اور سرعت سے کرتی ہے کہ کسی کو کانوں کان خبر نہیں ہوتی۔ ان کا نام کامیابی کی ضمانت ہے''...... ارجن نے عالمی مجرم تنظیم ڈیتھ لائن کی تعریف کے پل باندھتے ہوئے کہا تو جگن ناتھ نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

''ہاں۔ ہم نے ڈیتھ لائن کے بارے میں ایسا ہی سنا ہے۔

"تھینک یو مسٹر ڈیتھ ماسٹر کہ آپ ہماری دعوت پر یہاں آئے"۔ جگن ناتھ نے پہلے ارجن سے اور پھر ڈیتھ ماسٹر سے کہا تو ڈیتھ ماسٹر کے چہرے پر مسکراہٹ آ گئی۔

"آپ کی اس تعریف کا شکریہ جگن ناتھ صاحب۔ آپ یہ بتائیں کہ آپ ہم سے کیا کام لینا چاہتے ہیں"...... ڈیتھ ماسٹر نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ہم نے پاکیشیا سے ایک فائل حاصل کرنی ہے"...... جگن ناتھ نے ڈیتھ ماسٹر کو غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"فائل تو ہم لا دیں گے لیکن یہ بتائیں کہ صرف ایک فائل کے لئے آپ ہماری خدمات کیوں حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ آپ کے پاس دنیا کے بہترین ایجنٹس اور خطرناک ترین ایجنسیاں ہیں"۔ ڈیتھ ماسٹر نے کہا۔

"پاکیشیا کی ایجنسیوں کے افراد رات کے کھانے میں کیا لیتے ہیں۔ صبح کا ناشتہ کس چیز سے کرتے ہیں۔ سگریٹ کون سی پیتے ہیں۔ ہمیں ان کے ایک ایک پل کی رپورٹ ملتی ہے۔ اسی طرح ہمارے سیکرٹ ایجنٹوں کی پل پل کی خبریں انہیں مل جاتی ہیں اور آج کل دونوں طرف سے دوستی، دوستی کا شور مچایا جا رہا ہے۔ اس لئے ہم چاہتے ہیں کہ ہم ایسی لاٹھی استعمال کریں کہ وہ ٹوٹے بھی نہ اور سانپ بھی مر جائے"...... جگن ناتھ نے کہا تو بات ڈیتھ ماسٹر کی سمجھ میں آ گئی اور اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"ہونہہ۔ اب آپ اس فائل کے بارے میں بتائیں"...... ڈیتھ ماسٹر نے کہا۔

"فائل کا نام ہے آئی ٹن۔ یہ پاکیشیا کی ایٹمک انرجی سے متعلق ہے"...... جگن ناتھ نے کہا۔

"اوکے۔ آپ سمجھیں کہ فائل آپ کے پاس پہنچ گئی۔ اب معاوضے کی بات کریں"...... ڈیتھ ماسٹر نے کہا۔

"ہم آپ کو اس کام کا ایک کروڑ ڈالرز دیں گے"...... جگن ناتھ نے ڈیتھ ماسٹر کو معاوضہ بتایا۔

"سوری۔ ڈیتھ لائن اتنے معمولی معاوضے نہیں لیا کرتی۔ آپ کوئی اور تنظیم دیکھ لیں۔ آپ کا کام دو چار لاکھ ڈالرز میں بھی ہو جائے گا"...... ڈیتھ ماسٹر نے خشک لہجے میں کہا اور اس کے ساتھ ہی وہ اٹھنے لگا۔

"آپ بیٹھیں مسٹر ڈیتھ ماسٹر اور بتائیں کہ آپ کیا معاوضہ طلب کرتے ہیں"...... جگن ناتھ نے کہا۔

"دس کروڑ ڈالرز اور اخراجات کی مد میں مزید دو کروڑ ڈالرز اور وہ بھی ایڈوانس اور اگر اخراجات بڑھ گئے تو وہ اخراجات بھی آپ کو ادا کرنے ہوں گے"...... ڈیتھ ماسٹر نے کہا۔

"اتنے اخراجات ہو جائیں گے"...... جگن ناتھ نے حیران ہو کر کہا تو ڈیتھ ماسٹر کے چہرے پر طنزیہ مسکراہٹ آ گئی۔

"شاید آپ کو معلوم نہیں کہ پاکیشیا میں آج کل پیسے کے حصول

کے لئے دوڑ لگی ہوئی ہے۔ ہر بندہ زیادہ سے زیادہ پیسہ سمیٹ لینا چاہتا ہے۔ فائل کے بارے میں معلومات حاصل کرنے اور فائل تک پہنچنے کے لئے ہمیں پیسے کا بے دریغ استعمال کرنا ہو گا اور جو رقم میں نے بتائی ہے وہ بہت معمولی ہے''...... ڈیتھ ماسٹر نے کہا۔

''ہونہہ۔ چلئے اخراجات کے لئے تو یہ رقم مناسب ہے لیکن معاوضہ آپ نے دس کروڑ زیادہ طلب کیا ہے''...... جگن ناتھ چونکہ بنیا تھا اس لئے وہ کم سے کم رقم خرچ کرنا چاہتا تھا۔

''جگن ناتھ۔ اگر مجھے یہ مشن کافرستان میں کرنا ہوتا تو میں اس کا معاوضہ ایک کروڑ ہی لیتا لیکن یہ مشن ہے پاکیشیا میں۔ اور پاکیشیا میں رہتا ہے ایک بھوت، جس کا نام ہے علی عمران۔ اس عمران کے پاکیشیا میں بھوتوں کا ایک پورا ٹولہ موجود ہے جسے پاکیشیا سیکرٹ سروس کہتے ہیں ان کی وجہ سے پاکیشیا میں کوئی مشن آسان نہیں ہوتا''...... ڈیتھ ماسٹر نے طنزیہ لہجے میں کہا۔ اس کی بات سن کر جگن ناتھ اور ارجن دونوں کے چہرے غصے سے سرخ ہو گئے۔ لیکن دونوں ہی برداشت کر گئے کیونکہ انہوں نے ڈیتھ ماسٹر سے کام لینا تھا اور انہیں صدر صاحب سے ہدایت یہی ملی تھی کہ یہ کام کسی غیر ملکی پرائیویٹ تنظیم سے کرایا جائے۔ اگر انہیں یہ ہدایت نہ ملی ہوتی تو ارجن نے تو لازماً ڈیتھ ماسٹر کو اس بات پر جوتے مار کر بھگا دینا تھا۔ اس نے واشگاف لفظوں میں انہیں نااہل قرار دیا تھا اور پاکیشیا سیکرٹ سروس کی تعریف کی تھی۔

''تمہاری یہ سوچ کسی طرح بھی درست نہیں ہے ڈیتھ ماسٹر مجبوری کی وجہ سے ہم یہ کام خود نہیں کر رہے۔ برسوں سے کافرستان اور پاکیشیا میں دشمنی چلی آ رہی ہے اور اس وقت دوستی، دوستی کا کھیل کھیلا جا رہا ہے۔ ہماری معمولی سی کسی غفلت کی وجہ سے یہ کھیل خراب ہو سکتا ہے۔ اس لئے ہم خود اس پر کام نہیں کرنا چاہتے ورنہ پاکیشیا سیکرٹ سروس تو ہمارے قدموں کی مٹی کے برابر بھی نہیں ہے''...... ارجن نے سخت لہجے میں کہا۔

''او کے۔ آپ کی مجبوریاں ہوں گی۔ ہمیں تو بہرحال اپنے کام سے غرض ہے۔ ہمیں جب ہماری پسند کا معاوضہ مل جاتا ہے تو پھر ہم کام پارٹی کی مرضی کا کرتے ہیں۔ اب آگے آپ کی مرضی ہے کہ آپ ہمیں کام دیں یا نہ دیں''...... ڈیتھ ماسٹر نے اس مرتبہ نرم لہجے کہا۔ اس نے بارہ کروڑ ڈالرز سے زیادہ رقم طلب کی تھی اور اسے یقین تھا کہ اسے یہ رقم مل جائے گی اور وہ اس رقم کو کھونا نہیں چاہتا تھا۔

''او کے۔ ہم آپ کو بارہ کروڑ ڈالرز دینے کو تیار ہیں۔ نصف رقم ایڈوانس اور باقی رقم کام مکمل ہو جانے کے بعد''...... جگن ناتھ نے بھی نرم لہجے میں کہا۔

''نصف رقم لینا میرے اصول کے خلاف ہے۔ میں تمام رقم پیشگی لیا کرتا ہوں۔ ہاں اگر مزید اخراجات ہو گئے تو پھر فائل آپ کے حوالے کرنے سے پہلے آپ سے وہ رقم لے لوں گا''...... ڈیتھ

ماسٹر نے کہا۔

''اور اگر تم مشن میں ناکام ہو گئے تو پھر ہم کیا کریں گے''۔ جگن ناتھ نے کہا۔

''تم نے ڈیتھ لائن کا نام سنا ہے جگن ناتھ۔ یہ ایسی تنظیم ہے جس کا نام سن کر ایکریمیا، کرانس، گریٹ لینڈ، روسیاہ اور دیگر بڑی طاقتوں کے ایوانوں میں زلزلہ آ جاتا ہے۔ ڈیتھ لائن آج تک اپنے کسی مشن میں ناکام نہیں ہوئی۔ اس کے باوجود تم تسلی رکھو۔ اگر میں اس مشن میں ناکام ہو گیا تو تمہیں دوگنی رقم واپس کروں گا''...... ڈیتھ ماسٹر نے اس مرتبہ سرد لہجے میں کہا۔

''اوکے۔ میں تمہیں بارہ کروڑ ڈالرز کا چیک لکھ دیتا ہوں لیکن ایک بات کا خیال رہے کہ کسی بھی موقع پر کافرستان کا نام سامنے نہیں ہونا چاہئے اور یہ کام نہایت ہی سیکرٹ انداز میں ہونا چاہئے''...... جگن ناتھ نے کہا۔

''ہم پروفیشنل لوگ ہیں۔ اگر ہم اپنے پروفیشن کی ڈیمانڈ کا خیال نہیں رکھیں گے تو اپنے پروفیشن کو کس طرح جاری رکھ سکیں گے''...... ڈیتھ ماسٹر نے خشک لہجے میں کہا تو جگن ناتھ نے مطمئن انداز میں سر ہلا دیا۔ پھر اس نے اپنی میز کی دراز کھولی اور اس میں سے چیک بک نکال لی۔ اس کے بعد اس نے چیک پر اندراجات کئے اور چیک پھاڑ کر ڈیتھ ماسٹر کی طرف بڑھایا۔ ڈیتھ ماسٹر نے چیک لے کر تین چار بار اسے اچھی طرح چیک کیا اور پھر چیک

جیب میں رکھ لیا۔

''ایک ہفتے کے اندر فائل آئی ٹن آپ کے پاس پہنچ جائے گی''...... ڈیتھ ماسٹر نے جگن ناتھ سے کہا۔

''ہمیں آپ کی کارکردگی پر ناز ہو گا''...... جگن ناتھ نے مسکراتے ہوئے لہجے میں کہا۔

''اوکے۔ تھینک یو''...... ڈیتھ ماسٹر نے جگن ناتھ کا شکریہ ادا کیا اور اس کے بعد وہ کھڑا ہو گیا اور مطمئن انداز میں چلتے ہوئے کمرے سے باہر نکلتا چلا گیا۔

سیکورٹی گارڈ نے انتہائی مؤدبانہ انداز میں سلام کیا اور پھر اس نے دروازہ کھول دیا۔ عمران نے بڑے ادب سے اس کے سلام کا جواب دیا پھر اس نے جیب میں ہاتھ ڈال کر چیونگم کا ایک پیکٹ نکالا۔ چیونگم نکال کر اس نے منہ میں ڈالی اور خالی ریپر سیکورٹی گارڈ کے ہاتھ پر رکھا اور پھر ہال میں داخل ہو گیا۔ سیکورٹی گارڈ پھٹی پھٹی آنکھوں سے دیکھنے لگا۔ وہ زیادہ دیر تک حیران بھی نہ رہ سکا کیونکہ کچھ اور لوگ دروازے کی طرف بڑھ رہے تھے اور اسے ان کے لئے دروازہ کھولنا تھا۔

عمران اس وقت اپنے مخصوص ٹیکنی کلر لباس میں تھا اور آج اس نے یہ لباس کافی دنوں بعد زیب تن کیا تھا۔ سیکرٹ سروس کے پاس کوئی کیس نہ تھا اور کتابوں کا مطالعہ کر کے آج وہ بور ہو گیا تھا۔ انٹرنیشنل سائنس میگزین کو وہ دو نئے مضمون لکھ کر بھیج چکا تھا اور اب جبکہ کوئی مصروفیت نہیں تھی تو اس نے ہوٹلنگ کرنے کا فیصلہ کیا اور

اپنا مخصوص لباس پہنا کیونکہ وہ تفریح کے موڈ میں تھا۔ ہوٹلنگ کا فیصلہ کر کے وہ ڈان ہوٹل آ گیا۔ ڈان ہوٹل کا شمار دارالحکومت کے بہترین ہوٹلوں میں ہوتا تھا۔

ہال میں داخل ہونے کے بعد وہ ایک جگہ رک گیا اور آنکھیں مٹکا مٹکا کر ہال کا جائزہ لینے لگا۔ اس وقت اس کے چہرے پر حماقت چھما چھم برس رہی تھی۔ ہال کا مکمل جائزہ لینے کے بعد وہ ایک خالی میز کی طرف بڑھا اور پھر اس نے میز پر ہی بیٹھنے کی کوشش کی لیکن قریب کھڑے ویٹر نے اسے میز پر بیٹھنے سے روکا اور اسے کرسی پر بیٹھنے میں مدد دی۔ کرسی پر بیٹھنے کے بعد وہ اداس بکری کی طرح جگالی کرنے لگا۔ جگالی کرتے کرتے اس نے اپنا ایک ہاتھ میز پر دے مارا۔ فوراً ہی ویٹر اس کے قریب آ گیا۔

"یس سر"...... ویٹر نے مؤدبانہ لہجے میں کہا لیکن عمران اس طرح خاموش بیٹھا رہا جیسے اس نے کچھ سنا ہی نہ ہو۔

"یس سر"...... ویٹر نے اس مرتبہ کچھ بلند آواز میں کہا۔ شاید اس کا خیال تھا کہ یہ نوجوان کچھ اونچا سنتا ہے۔ ویٹر کی تیز آواز سن کر عمران یکدم ہڑبڑا گیا جس کی وجہ سے کرسی کا توازن بگڑ گیا اور عمران کرسی سمیت فرش پر گر گیا۔ اس کے گرنے سے ہال میں اچھی خاصی آواز پیدا ہوئی اور وہاں موجود لوگوں نے اس کی طرف دیکھا جبکہ ویٹر کے چہرے پر پریشانی کے تاثرات پیدا ہوئے اور وہ عمران کو اٹھانے کے لئے جھکا۔

"ہائے ظالم۔ مار دیا۔ کیا اس ہوٹل میں کسٹومار کے ساتھ یہی سلوک ہوتا ہے"...... عمران نے کراہتے ہوئے کہا اور اٹھنے کی کوشش کرنے لگا لیکن اٹھتے اٹھتے وہ ایک بار پھر گر گیا۔ ویٹر کی پریشانی میں اور زیادہ اضافہ ہو گیا۔ پریشان ہونے کے ساتھ ساتھ وہ خجل بھی نظر آنے لگا۔

"سوری سر۔ سوری۔ پلیز معاف کر دیجئے"...... ویٹر نے عمران سے معذرت کرتے ہوئے کہا۔ ساتھ ہی اس نے مضبوطی سے عمران کا بازو پکڑا اور اسے اٹھایا۔ عمران ہائے ہائے کرتا ہوا اٹھا اور پھر کرسی پر بیٹھ گیا۔

"ہائے بڑھاپا۔ ہڈیاں درد کر رہی ہیں"...... عمران نے کراہتے ہوئے کہا۔ ویٹر نے حیرت سے عمران کی طرف دیکھا۔

"بڑھاپا"...... ویٹر بڑبڑایا۔ اسے تو یہ بندہ ابھی کالج بوائے دکھائی دے رہا تھا۔ اس کے چہرے پر موجود معصومیت بتا رہی تھی کہ اس نوجوان کو ابھی زمانے کی ہوا ہی نہیں لگی اور یہاں یہ اپنے بڑھاپے کا رونا رو رہا تھا۔

"لازماً اس نوجوان کا دماغ کھسکا ہوا ہے"...... ویٹر نے دل میں سوچا لیکن وہ عمران سے کچھ کہہ نہیں سکتا تھا۔ اسے اپنی سروس میں بہت سے تجربات ہوئے تھے۔ بظاہر غریب اور مفلس نظر آنے والے کروڑ پتی نکلتے تھے اور بعض اوقات بادشاہ دکھائی دینے والے مفلس نکلتے تھے اور یہ ان کی سروس کا حصہ تھا کہ وہ سب سے

احترام سے پیش آئیں۔

"سوری سر۔ میری وجہ سے آپ گرے۔ معاف کر دیجئے"۔ ویٹر نے ایک بار پھر معذرت کرتے ہوئے کہا۔

"اچھا۔ یہ بتاؤ کہ تم نے میرے قریب آ کر مجھے کیوں ڈرایا"۔ عمران نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔

"سر۔ آپ نے مجھے خود طلب کیا تھا"...... ویٹر نے مؤدبانہ لہجے میں کہا۔

"اچھا۔ تم حسین و جمیل لڑکی ہو کہ میں تمہیں طلب کروں گا"۔ عمران نے اسے گھورتے ہوئے کہا تو ویٹر بے چارہ کھسیانا ہو گیا اور پھر اس نے وہاں سے کھسک جانے میں ہی اپنی عافیت جانی۔

عمران کو تنگ کرنے کے لئے ایک اچھا شکار ملا تھا لیکن جب ویٹر بھاگ گیا تو عمران اس طرح ہاتھ ملنے لگا جیسے شکار کے بھاگنے پر شکاری ہاتھ ملتا رہ جاتا ہے۔ وہ چند لمحے تک ہاتھ ملتا اور منہ بناتا رہا پھر پہلے کی طرح جگالی کرنے لگا۔ چیونگم بھی آج اس نے بڑے عرصے بعد استعمال کی تھی۔

"ایکسکوزمی"...... وہ سر جھکا کر جگالی کر رہا تھا کہ اسے ایک مترنم سی آواز سنائی دی۔ وہ ایک بار پھر ہڑبڑا گیا۔ کرسی کا توازن اس بار بھی بگڑا لیکن اس بار وہ گرنے سے محفوظ رہا۔ سنبھلنے کے بعد اس نے سامنے دیکھا۔ سامنے دیکھ کر اس کی آنکھوں میں وہ چمک آ گئی جو کسی نوجوان کی آنکھوں میں لڑکیوں کو دیکھ کر آتی ہے۔ اس

کے سامنے تین خوبصورت اور نوجوان لڑکیاں کھڑی تھیں۔

''کیا ہم آپ کے ساتھ بیٹھنے کا اعزاز حاصل کر سکتی ہیں''۔ ان میں سے ایک لڑکی نے شوخ سے لہجے میں کہا پھر عمران کی طرف سے اجازت ملنے سے پیشتر ہی وہ تینوں خالی کرسیوں پر بیٹھ گئیں۔

''کمال ہے آپ میرا نام تک جانتی ہیں لیکن مجھے لگتا ہے کہ میں نے کبھی آپ کو دیکھا ہی نہیں''...... عمران نے طوطے کی طرح آنکھیں مٹکا مٹکا کر انہیں دیکھتے ہوئے کہا۔

''ہم آپ کا نام جانتی ہیں؟۔ کیا نام ہے آپ کا''...... دوسری لڑکی نے حیرت بھرے لہجے میں کہا۔

''ابھی انہوں نے محبت بھرے انداز میں اپنی سریلی آواز میں میرا نام لیا ہے۔ اعزاز''...... عمران نے شرماتے ہوئے کہا۔

''اوہ۔ یس یس''...... لڑکی نے کہا اور پھر اس نے مسکرا کر دوسری لڑکیوں کی طرف دیکھا۔ یہ تینوں لڑکیاں عمران کی قریبی ٹیبل پر بیٹھی ہوئی تھیں۔ عمران کا چہرہ، عمران کا لباس اور ویٹر کے ساتھ باتیں سن کر وہ عمران کی ٹیبل پر آ گئی تھیں۔ ان کے ہاتھ مفت کی تفریح آ رہی تھی۔

''ہاں۔ واقعی آپ ہمیں بھول چکے ہیں۔ خیر بھول گئے ہیں تو ہم اپنا تعارف دوبارہ کرا دیتی ہیں۔ میرا نام نشاء ہے۔ یہ زارا ہے اور یہ انجلینا ہے۔ ہم مقامی یونیورسٹی میں پڑھتی ہیں۔ انجلینا غیر ملکی ہے۔ یونیورسٹی ہاسٹل میں رہتی ہے اور یونیورسٹی کی ہونہار طالبہ

ہے۔ چونکہ اسے یہاں رہتے ہوئے دو سال ہو گئے ہیں اس لئے یہ ہماری زبان بھی بول لیتی ہے''...... ایک لڑکی نے تعارف کراتے ہوئے کہا۔

''بس بڑھاپے کی وجہ سے میں تمہیں بھول گیا۔ تم سے میری ملاقات ضرور ہوئی ہو گی''...... عمران نے کہا۔

''ایسا نہ کہیں اعزاز صاحب۔ ہم تو یونیورسٹی کی طالبہ ہیں لیکن آپ تو کالج بوائے لگتے ہیں۔ اچھا ان باتوں کو چھوڑیں اور یہ بتائیں کہ آپ کیا پینا پسند کریں گے''...... زارا نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''دودھ۔ نہیں نہیں سوڈا واٹر ٹھیک رہے گا۔ اوکے۔ سوڈا واٹر منگوا لیں''...... عمران نے کہا۔

''جی۔ سوڈا واٹر''...... زارا نے حیرت بھرے لہجے میں کہا پھر حیرت کی جگہ اس کے چہرے پر مسکراہٹ آ گئی۔

''لگتا ہے آپ اس صدی سے تعلق نہیں رکھتے''...... زارا نے مسکراتے ہوئے کہا تو عمران آنکھیں گھما گھما کر دیکھنے لگا جیسے اسے ان لڑکیوں کے مسکرانے کی وجہ سمجھ نہ آ رہی ہو۔

''اچھا اعزاز صاحب۔ یہ بتائیے کہ آپ کس کالج میں پڑھتے ہیں''...... اس مرتبہ انجلینا نے پوچھا۔

''میں پڑھتا نہیں ہوں محترمات۔ میں پڑھاتا ہوں۔ کنگ آرٹس کالج میں''...... عمران نے کہا تو لڑکیوں نے اسے اس انداز میں

دیکھا جیسے انہیں عمران کی بات پر یقین نہ آیا ہو۔

"نہیں۔ہم یہ بات نہیں مان سکتیں"...... نشاء نے انکار کی صورت میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔

"اب میں تمہیں کیسے یقین دلا سکتا ہوں"...... عمران نے بے چارگی سے کہا اور ایک بار پھر جگالی کرنے لگا۔

"اچھا۔ آپ کون سا سبجیکٹ پڑھاتے ہیں کنگ آرٹس کالج میں"...... زارا نے پوچھا۔

"پامسٹری"...... عمران نے جواب دیا تو تینوں لڑکیوں نے چونک کر عمران کو دیکھا۔

"ہائیں۔ آپ پامسٹ ہیں"...... نشاء نے یقین نہ آنے والے انداز میں کہا۔ باقی دونوں بھی حیران تھیں۔

"ہاں۔ میرا مکمل نام پروفیسر اعزاز جنگ آزادی ہے"۔ عمران نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ عمران کا مکمل نام سن کر تینوں لڑکیوں کے چہروں پر مسکراہٹ آ گئی۔

"جی۔ تو پروفیسر جنگ آزادی صاحب۔ آپ نے کتنی جنگیں لڑی ہیں اور کتنے اعزاز حاصل کئے ہیں"...... زارا نے پوچھا۔

"آپ۔ آپ"...... عمران کا لہجہ رندھ گیا اور اس کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو گرنے لگے۔

"آپ بھی دوسروں کی طرح میرا مذاق اڑا رہی ہیں"۔ عمران نے ہچکیاں بھرتے ہوئے کہا تو تینوں لڑکیاں گھبرا گئیں۔ وہ ایک

ہوٹل کے ہال میں بیٹھی ہوئی تھیں اور عمران کے رونے پر وہ تماشہ بن سکتی تھیں۔ بہت ہی عجیب نوجوان سے ان کا واسطہ پڑ گیا تھا۔ عمران کا رونا بڑھ گیا تھا اور وہ سوچ رہی تھیں کہ اسے کیسے ہینڈل کیا جائے جبکہ عمران کا رونا لحہ بہ لحہ تیز ہوتا جا رہا تھا۔

"ارے۔ کتنا پیارا نام ہے اعزاز جنگ آزادی"...... انجلینا نے عمران کو بہلانے کی خاطر کہا۔

"ہاں۔ جس طرح نام پیارا ہے۔ اس طرح پروفیسر صاحب بھی بہت پیارے اور کیوٹ ہیں"...... نشاء نے کہا۔ اب عمران کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آ گئی پھر عمران چونک پڑا۔ ایک باوردی ڈرائیور ان کی میز کی طرف آ رہا تھا عمران اس ڈرائیور کو جانتا تھا۔ یہ ڈرائیور مشتاق احمد کا سرکاری ڈرائیور تھا اور مشتاق احمد سائنس ڈیپارٹمنٹ میں آفس سپرنٹنڈنٹ تھے۔ میز کے قریب آ کر ڈرائیور نے سلام کیا اور نشاء سے مخاطب ہوا۔

"مس۔ کار پہنچ چکی ہے"...... اس کا لہجہ نہایت ہی مؤدبانہ تھا۔

"او کے۔ تم باہر رکو۔ ہم آتی ہیں"...... نشاء نے کہا تو ڈرائیور مڑا اور پھر وہاں سے چلا گیا جبکہ نشاء نے ویٹر کو بلایا۔

"چار پیگ وہسکی لے آؤ"...... نشاء نے ویٹر کو آرڈر دیتے ہوئے کہا۔

"ارے نہیں نہیں۔ اماں بی کو پتہ چل گیا کہ میں نے وہسکی پی ہے تو وہ اپنی جوتی سے میرا سر گنجا کر دیں گی"...... عمران نے یکدم

ہی بوکھلائے ہوئے لہجے میں کہا تو وہ تینوں لڑکیاں ایک بار پھر حیران ہو گئیں جبکہ ویٹر بھی رُک گیا۔

''اوکے۔ چار کولڈ ڈرنکس لے آؤ''...... چند لمحے حیران رہنے کے بعد نشاء نے آرڈر تبدیل کرتے ہوئے کہا۔

''نہیں۔ چائے''...... عمران نے کہا۔

''جی بہت بہتر''...... ویٹر نے مؤدبانہ لہجے میں کہا اور پھر وہ واپس چلا گیا۔

''جی۔ پروفیسر جنگ آزادی صاحب۔ آپ بتا رہے تھے کہ آپ پامسٹ ہیں''...... زارا نے کہا۔

''مارچ پاسٹ۔ یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں مس زارا''...... عمران نے حیرت بھری آواز میں کہا۔

''جنگ آزادی ہونے کی وجہ سے مارچ پاسٹ یاد آ رہا ہے''۔ نشاء نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

''شکر ہے کہ تم یاد نہیں آ رہی ہو۔ ورنہ تو میرا اللہ حافظ تھا''۔ عمران نے چھت کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''وہاٹ''...... نشاء نے غصیلے لہجے میں کہا۔

''نشاء صاحبہ تو بہت غصے میں ہیں۔ کیا یہ اپنے شوہر سے لڑ کر آئی ہیں''...... عمران نے زارا اور انجلینا سے کہا۔

''کیا۔ میرا شوہر۔ وہ''...... نشاء یکدم بوکھلا کر بولی لیکن پھر فوراً ہی خاموش ہو گئی لیکن اس کی بوکھلاہٹ سے عمران کو اندازہ ہو گیا

کہ دال میں کچھ کالا ضرور ہے۔

''تم دنیا بھر سے چھپا سکتی ہو لیکن مجھ سے نہیں۔ میں تو ماتھا دیکھ کر ہی جان لیتا ہوں۔ آخر میرا نام پروفیسر اعزاز جنگ آزادی ہے اور میں پامسٹری کا پروفیسر ہوں''...... عمران نے فخریہ لہجے میں کہا۔

''اوہ۔ نشاء۔ تم نے خفیہ شادی کی ہوئی ہے۔ ہمیں بھی نہیں بتایا''...... زارا نے حیرت بھرے لہجے میں کہا۔

''وہ۔ وہ۔ دراصل''...... نشاء بری طرح بوکھلا چکی تھی۔ وہ کچھ کہہ ہی نہ سکی۔ عمران نے تو ویسے ہی مذاق میں ایک بات کہہ دی تھی اور اس کی وہ بات سچ ثابت ہو گئی تھی۔

''لیکن نشاء۔ تمہیں خفیہ شادی کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ تمہارے والدین تو کافی آزاد خیال ہیں''...... انجلینا نے بھی حیرت بھرے انداز میں کہا۔

''نہیں۔ میری شادی کی معاملے میں وہ آزاد خیال نہیں ہیں۔ اسی لئے مجھے مجبوراً یہ قدم اٹھانا پڑا''...... نشاء نے دھیمی آواز میں اور سر جھکاتے ہوئے کہا۔

''چلیئے پروفیسر صاحب۔ اب آپ میرے بارے میں بھی کچھ بتائیے''...... انجلینا نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''دکھایئے اپنا ہاتھ''...... عمران نے کہا اور پھر اس نے انجلینا کا ہاتھ پکڑ لیا۔ جیسے ہی عمران نے انجلینا کا ہاتھ پکڑا عمران کی کلائی

پر بندھی ہوئی گھڑی میں ایک سبز نقطہ روشن ہو گیا۔ جسے صرف عمران ہی دیکھ سکا۔ عمران انجلینا کو دیکھ کر اس کی قومیت کے بارے میں جان چکا تھا۔ اس لئے اس نے اس قومیت کی مخصوص عادات و اطوار اور خفیہ خصوصیات کو مدنظر رکھتے ہوئے چند باتیں بتائیں تو انجلینا حیران ہو گئی۔

''واؤ۔ پروفیسر اعزاز جنگ آزادی۔ آپ تو گریٹ پاسٹ ہیں''...... انجلینا نے کہا۔ وہ عمران سے بہت متاثر ہو گئی تھی۔

'' لیکن لوگ مجھے گریٹ کیا بوتلوں کا کریٹ بھی نہیں سمجھتے''۔ عمران نے یکدم ہی دکھی ہوتے ہوئے کہا۔

''اوہ۔ اوہ۔ وہ کیوں''...... انجلینا نے عمران کو دکھی ہوتے دیکھا تو فوراً جذبات میں آ کر بولی۔

''اگر لوگ مجھے گریٹ سمجھتے تو میری اب تک شادی نہ ہو چکی ہوتی''...... عمران نے حسرت بھرے لہجے میں کہا۔

''آپ اداس نہ ہوں پروفیسر۔ آپ کی شادی ضرور ہو گی اور جس لڑکی سے آپ کی شادی ہو گی وہ بہت ہی خوش قسمت ہو گی۔ رئیلی یو آر ویری گریٹ''...... انجلینا نے بدستور جذباتی لہجے میں کہا۔

''تھینک یو۔ کیا وہ خوش قسمت لڑکی آپ بننا پسند کریں گی''۔ عمران نے پر امید نظروں سے انجلینا کو دیکھتے ہوئے کہا۔ انجلینا اس کی بات سن کر یکدم خاموش ہو گئی۔ نشاء اور زارا نے حیرت سے پہلے عمران کو اور پھر انجلینا کو دیکھا اور پھر وہ سوچنے لگیں کہ انجلینا

نجانے عمران کو کیا جواب دیتی ہے۔

''یس پروفیسر اعزاز۔ میں آپ سے شادی کرنے کے لئے تیار ہوں''...... کچھ دیر کی خاموشی کے بعد انجلینا نے کہا تو عمران خوشی سے اچھل پڑا۔ اس طرح اچھلنے کی وجہ سے اس کا توازن بگڑا اور وہ کرسی سمیت نیچے گر گیا۔ گرنے سے بچنے کے لئے اس نے انجلینا کی کرسی کو پکڑنا چاہا۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ انجلینا بھی کرسی سمیت نیچے آ گری۔ صرف ایک دو سیکنڈوں میں ہی عمران نے انجلینا کا ہینڈ بیگ کھولا اور اس میں موجود چیزوں کو ٹٹولا اور اس کی لپ اسٹک عمران کی جیب میں منتقل ہو گئی۔ ان دونوں کو گرتے دیکھ کر دو تین ویٹر ان کی طرف دوڑے تا کہ اٹھنے میں ان کی مدد کریں۔ نشاء اور زارا بھی اپنی کرسیوں سے اٹھ کھڑی ہوئی تھیں اور ان کے چہروں پر خجالت سی ابھر آئی تھی۔ ایک ویٹر عمران کو اور دوسرا انجلینا کو اٹھانے لگا۔

''خبردار۔ خبردار۔ ہماری ہونے والی وائف کو ہاتھ نہ لگانا۔ اب یہ ہماری عزت ہے اور ہم برداشت نہیں کر سکتے کہ کسی غیر مرد کے ہاتھ ہماری عزت کی طرف بڑھیں''...... عمران نے اس ویٹر کو ڈانٹتے ہوئے کہا جو انجلینا کو اٹھنے میں مدد دے رہا تھا۔ عمران کی بات سن کر وہ بے چارہ اچانک رک گیا اور اس کے چہرے پر شرمساری کے تاثرات آ گئے۔

''بھئی لڑکیو۔ تم اپنی فرینڈ اور ہماری ہونے والی بیوی کو

اٹھاؤ''...... عمران نے نشاء اور زارا سے کہا لیکن اس کی نوبت نہیں آئی تھی کیونکہ اس دوران انجلینا خود ہی اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔

''ہائے لڑکیو۔ مجھے تو اٹھاؤ۔ ہائے یہ بڑھاپا''...... اس مرتبہ عمران نے کراہتے ہوئے کہا تو تینوں لڑکیوں نے اس کی طرف ہاتھ بڑھانے چاہئے لیکن وہ کرسیوں کا سہارہ لے کر خود ہی کھڑا ہو گیا اور پھر کراہتا ہوا وہ کرسی پر بیٹھ گیا۔

''اوکے پروفیسر صاحب۔ ہمیں اجازت دیجئے۔ پھر ملاقات ہو گی''...... نشاء نے عمران سے کہا۔ وہ اب عمران کے ساتھ بیٹھے ہوئے شرمندگی محسوس کر رہی تھی اس لئے اس نے اب اٹھ جانا ہی بہتر سمجھا۔

''ہاں۔ میں درد کی دوا دیکھتا ہوں۔ تم ذرا چائے منگوا لو۔ پھر چلی جانا''...... عمران نے کہا اور پھر اس نے جیب میں ہاتھ ڈالا۔

''ہاں ہاں۔ نشاء۔ ابھی تم بیٹھو۔ ابھی تو میرے اور پروفیسر صاحب کے درمیان شادی کے معاملات طے ہونے ہیں''۔ انجلینا نے کہا تو نشاء نے زبردستی مسکرانے کی کوشش کی۔ عمران نے اس دوران جیب میں رکھے سیل فون کا بٹن پریس کر دیا اور پھر جیب سے پین کلر ٹیبلٹ نکال لی۔

''انجلینا غیر ملکی لڑکی ہے اور ٹھیک کہہ رہی ہے کہ ابھی ہمارے درمیان شادی کے معاملات طے پانے باقی ہیں۔ اب ہم ڈان ہوٹل میں بیٹھے ہیں یہیں شادی تو نہیں کر سکتے نا''...... عمران نے

انجلینا کو محبت بھری نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

''ہاں ہاں نشاء۔ بہتر ہے کہ یہ شادی کے معاملات طے کر لیں۔ ہمارے لئے یہ خوشی کی بات ہے کہ انجلینا کسی پاکیشیائی نوجوان سے شادی کر لے اور پھر پروفیسر اعزاز جنگ آزادی جیسا بھولا نوجوان انجلینا کو پوری دنیا میں نہیں ملے گا''...... زارا نے کہا تو نشاء کے چہرے پر ایک بار پھر مسکراہٹ آ گئی۔ اسی دوران ویٹر نے انہیں چائے سرو کر دی۔ وہ چائے پی رہے تھے کہ عمران نے خاور کو ہال میں داخل ہوتے دیکھا۔ ہال میں داخل ہونے کے بعد وہ ایک میز کی طرف بڑھ گیا تھا۔

''انجلینا۔ اگر تم اجازت دو تو میں کل اپنے بزرگوں سمیت تمہارے ہاسٹل آ جاؤں۔ میرے بزرگ تمہارے رشتے کے لئے ہاسٹل وارڈن کے سامنے اپنا دامن پھیلائیں گے''...... عمران نے انجلینا سے کہا۔

''رشتے کے لئے ہاسٹل وارڈن کے سامنے دامن پھیلائیں گے۔ میں سمجھی نہیں''...... انجلینا نے حیران ہو کر کہا۔

''اعزاز صاحب۔ آپ اور آپ کے بزرگوں کو ہاسٹل وارڈن کی ضرورت نہیں ہے۔ انجلینا خود مختار ہے۔ بس آپ اپنے بزرگوں کو تیار کریں اس کے بعد نکاح کی تاریخ مقرر کریں اور ہمیں فون کر دیں۔ ہم انجلینا کو تیار کر کے آپ کے بتائے ہوئے میرج کلب میں پہنچ جائیں گے''...... زارا نے کہا۔

''اچھا۔ شادی کرنا اتنا آسان ہے۔ میں ایسے ہی پریشان ہو رہا تھا''...... عمران نے خوش ہوتے ہوئے کہا۔

''جی ہاں۔ ہمارے ملک کو چھوڑ کر باقی تمام ممالک میں شادی کرنا بہت آسان ہے۔ میرا سیل نمبر نوٹ کر لیں اور جب آپ کی طرف سے تیاری مکمل ہو جائے تو ہمیں فون کر لیں''...... زارا نے کہا اور ساتھ ہی اس نے اپنا سیل نمبر بھی بتا دیا۔ نشاء کی نسبت وہ زیادہ اس رشتے پر خوش نظر آ رہی تھی۔

''مجھے پھر اجازت دو۔ مجھے تو شادی کی تیاری کے لئے کئی دن لگ سکتے ہیں''...... عمران نے کہا اور پھر وہ کرسی سے اٹھ کھڑا ہوا۔ اس نے محبت بھرے انداز میں انجلینا کو دیکھا لیکن اگلے ہی لمحے اس نے شرما کر اپنا ہاتھ اپنے منہ پر رکھ لیا اور پھر شرمائے شرمائے انداز میں گیٹ کی طرف بڑھا۔ اس کے اس انداز پر تینوں لڑکیاں کھلکھلا کر ہنس پڑیں۔

عمران ہال سے باہر آ کر پارکنگ کی طرف بڑھا اور پھر تھوڑی دیر بعد اس کی کار مین روڈ پر تھی۔ مین روڈ پر آتے ہی اس نے جیب میں ہاتھ ڈال کر انجلینا کی لپ اسٹک نکالی اور اس کا معائنہ کرنے لگا۔ اچانک ہی لپ اسٹک سے ٹوں ٹوں کی آواز نکلنے لگی۔ یہ ٹرانسمیٹر کی مخصوص آواز تھی اور اس آواز کو سن کر عمران کے چہرے پر مسکراہٹ آ گئی۔ عمران نے لپ اسٹک کو ایک جگہ سے دبایا تو ٹوں ٹوں کی آواز بند ہو گئی۔

''عمران۔ تم نے مجھ سے ٹکرا کر زندگی کی بھیانک ترین غلطی کی ہے۔ اوور''...... دوسری طرف سے ایک کرخت آواز سنائی دی۔

''بھائی جی تم کون ہو۔ میں تو یہ لپ اسٹک اپنی ہونے والی بیوی کے پرس سے لایا ہوں تاکہ سہاگ رات کو اس جیسی لپ اسٹک کا بنڈل اسے گفٹ دے سکوں لیکن اگر لپ اسٹک کو ہونٹوں سے لگانا بھیانک ترین غلطی ہے تو میں اسے ضائع کر دیتا ہوں۔ تم ناراض کیوں ہوتے ہو۔ اوور''...... عمران نے بدحواس ہو کر کہا۔

''لپ اسٹک کے ضائع ہوتے ہی تمہاری سانسیں بھی ضائع ہو جائیں گی مسٹر علی عمران اور لپ اسٹک تم کیوں ضائع کرو گے میں خود اسے ضائع کر رہا ہوں۔ اوور اینڈ آل''...... دوسری طرف سے بدستور کرخت لہجے میں کہا گیا اور اس کے ساتھ ہی لپ اسٹک ہلکی سی گرم ہوئی اور پھر ایک ہلکے سے دھماکے سے پھٹ گئی۔ لپ اسٹک کے پھٹتے ہی کار میں دھواں پھیل گیا اور عمران کی آنکھوں میں اندھیرا سا پھیلنے لگا۔ اس کے ساتھ ہی عمران پر کھانسی کا بھی دورہ پڑ گیا اس کا سر بری طرح چکرانے لگا۔ پھر اچانک ہی اس کے سامنے ایک ہیوی ٹرک نمودار ہوا۔ عمران پر کھانسی کا دورہ پڑا ہوا تھا اور اس کی آنکھوں میں دھند سی چھائی ہوئی تھی اس کے باوجود اس نے بچنے کی لاشعوری کوشش کی لیکن اس کی کوشش بار آور ثابت نہ ہوئی۔ ایک زور دار دھاکا ہوا اور کار ٹرک سے ٹکرا کر دور تک اڑتی چلی گئی۔

پوری دنیا میں آج کل ایک جوش پایا جاتا تھا۔ پوری دنیا کے امن پسند لوگ سرلوکارٹ کے ہمنوا تھے جنہوں نے امن اور دوستی کا نعرہ لگایا تھا۔ مختلف ممالک کے دورے کئے تھے اور تمام بڑی طاقتوں کو امن کے لئے کام کرنے پر قائل کیا تھا۔ اقوام متحدہ نے سرلوکارٹ کی کاوشوں کو سراہا تھا۔

آج سرلوکارٹ اقوام متحدہ کے پلیٹ فارم سے دنیا بھر کے افراد سے خطاب کرنے والے تھے۔ دنیا بھر کا الیکٹرانک میڈیا ان کے اس خطاب کو براہ راست ٹیلی کاسٹ کر رہا تھا۔ ان کے خطاب سے پہلے دنیا بھر کے اربوں انسان اپنے کام کاج چھوڑ کر ٹی وی سیٹوں کے سامنے بیٹھ گئے تھے۔ وہ سمجھتے تھے کہ ان کے کام کاج سے زیادہ اہم امن ہے۔ اگر دنیا میں امن اور سکون ہو گا تو کام کاج بہتر ہو گا لیکن اگر دنیا میں امن سلامتی نہیں ہو گی تو کاروبار ٹھپ ہو جائیں گے۔ سرلوکارٹ کی کاوشوں اور کارنامے کی وجہ

سے دنیا بھر کے اربوں انسان ان کے مداح بن چکے تھے اور وہ ایک عالمی ہیرو کا درجہ حاصل کر چکے تھے۔ اب لوگ اپنے اس ہیرو کی تقریر سننے کے لئے بے چین تھے۔ پھر لوگوں کے انتظار کی گھڑیاں ختم ہوئیں۔ امن ٹی وی چینل کی خوبصورت اناؤنسر کا مسکراتا ہوا چہرہ دکھائی دیا۔ امن ٹی وی کی یہ نشریات دنیا کے تمام ٹی وی چینل دکھا رہے تھے۔ اناؤنسر نے اعلان کیا۔

''عالمی امن کانفرنس کے سربراہ سرلوکارٹ دنیا بھر کے امن پسند لوگوں سے خطاب کرنے والے ہیں''...... ٹی وی اناؤنسر نے مسکراتے ہوئے کہا اور پھر وہ سکرین سے غائب ہو گئی اور اس کی جگہ سرلوکارٹ دکھائی دینے لگے ان کی شخصیت اتنی باوقار اور سحر انگیز تھی کہ انہیں دیکھنے والے ان سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔

''عزیز دوستو۔ آپ جانتے ہیں کہ جنگوں نے ہمیشہ انسانیت کو نقصان پہنچایا۔ جنگوں سے انسان کو سوائے تباہی و بربادی کے کچھ نہیں ملتا جبکہ امن انسان کو ترقی کی معراج پر پہنچا دیتا ہے۔ صحت، تندرستی امن ہی کی مرہون منت ہے''...... سرلوکارٹ کا خطاب شروع ہوا۔ ان کی آواز بھی دلوں کو مسخر کر لینے والی تھی۔ جو شخص بھی ان کی باتوں کو سن رہا تھا اس کے دل پر اثر ہو رہا تھا۔ ان کا خطاب ابھی جاری تھا کہ سکرین پر ایک جھماکا سا ہوا اور پھر سکرین پر بجلیاں سی کوندنے لگیں۔ چند لمحوں بعد منظر صاف ہوا تو سکرین سے سرلوکارٹ غائب تھے اور ان کی جگہ ایک کھوپڑی دکھائی دنے

رہی تھی۔ جس کے دائیں بائیں خون میں ڈوبی ہوئی دو ہڈیاں بھی موجود تھیں۔ لوگ اس صورت حال کے لئے قطعاً تیار نہیں تھے۔ اس لئے دنیا بھر کے لوگ ششدر رہ گئے۔ ٹی وی سکرین پر کھوپڑی اور ہڈیاں دیکھ کر کچھ لوگ تو خوفزدہ بھی ہو گئے۔ انہیں آنے والے خطرے کی بو محسوس ہو گئی۔ پھر اس سے پہلے کہ یہ لوگ حیرت کے حصار سے باہر نکلتے اور اس واقعے پر تبصرے شروع ہوتے ٹی وی پر ایک بھیانک اور خونخوار آواز سنائی دی۔

''اس دنیا کے باسیو۔ ڈاکٹر بلیک تم سے مخاطب ہے۔ سنو اور غور سے سنو کہ میں نے ایک ایسی طاقت حاصل کر لی ہے جس سے میں اس دنیا پر قیامت برپا کر دوں گا لیکن اس مین بھی میری کچھ شرائط ہوں گی کیونکہ میں بھی امن کا اتنا ہی قائل ہوں جتنا سرلوکارٹ ہے۔ بہرحال میں تمہیں آگاہ کرنا چاہتا ہوں کہ میں نے فی الحال چند ملکوں کے عظیم رہنماؤں کی موت کا وقت فکس کیا ہے اور میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ جو وقت میں کسی رہنما کی موت کا بتا رہا ہوں اسے اسی وقت پر موت ضرور آئے گی۔ کوئی اپنی اس شخصیت کو بچانا چاہے تو میری طرف سے کوئی رکاوٹ نہیں ڈالی جائے گی۔ ہاں اگر میرے بتائے ہوئے وقت کے مطابق کسی رہنما کو موت نہ آئی تو میں وعدہ کرتا ہوں کہ میں اپنی تنظیم ریڈ نائٹ کا خاتمہ کر دوں گا اور خود کو اس ملک کے حوالے کر دوں گا جس ملک نے اپنی شخصیت کو بچا لیا ہو گا۔ میں اس ملک کا وفادار بن جاؤں

گا۔ میرا ہر لمحہ، ہر ساعت اور ہر گھڑی اس ملک کی عظمت کے چراغ جلانے میں صرف ہو گا۔ میں اپنی سائنسی قابلیت سے اس ملک کو ترقی کے عروج پر پہنچا دوں گا اور اگر وہ ملک مجھے پھانسی پر چڑھانا چاہے گا تو میں ہنسی خوشی موت کو گلے لگا لوں گا اور اگر کوئی ملک میری ٹارگٹ کردہ شخصیت کو مرنے سے نہیں بچا سکے گا تو میں اس ملک کے کسی بھی اہم شہر یا دارالحکومت کو ایٹم بم سے اڑا دوں گا۔ ہاں ایٹم بم کو تلاش کرنے اور ناکارہ کرنے کے لئے بھی اس ملک کو تیس گھنٹے کا وقت دوں گا۔ لوگو۔ مجھے تو یقین ہے تم بھی یقین کر لو کہ میرے چیلنج کا کوئی توڑ نہیں ہے۔ دریا الٹا چل سکتا ہے، سورج مشرق کی بجائے مغرب سے طلوع ہو سکتا ہے لیکن میرے بتائے آدمی کو موت سے کوئی نہیں بچا سکتا۔ اب میں ان لوگوں کے نام بتا رہا ہوں جو جام اجل پینے کے لئے تیار ہیں۔

نمبر ایک۔ جنرل ڈی سوزا آف ایکریمیا۔ آج سے ٹھیک تین دن بعد شام سات بجے اور ایکریمیا کی ریاست فلوایا۔

نمبر دو۔ راکوموتو۔ وزیراعظم آف باچان۔ جنرل ڈی سوزا سے تین دن بعد صبح نو بج کر ایک منٹ۔ شہر ناکیو۔

نمبر تین۔ راگا چیف۔ سابق صدر آف روسیاہ۔ آٹھ مارچ رات گیارہ بج کر پچاس منٹ پر۔ ریاست جائنہ

نمبر چار۔ سر سلطان آف پاکیشیا فارن سیکرٹری۔ پندرہ مارچ رات گیارہ بج کر بیس منٹ پر۔ دارالحکومت۔

نمبر پانچ۔ ژالی کانت۔ سابق چانسلر آف کرانس یونیورسٹی کرانس۔ سولہ مارچ چھ بج کر تین منٹ۔ دارالحکومت۔

نمبر چھ۔ جنرل شکتی رام آف کافرستان۔ اٹھارہ مارچ دن ایک بج کر دس منٹ۔ دارالحکومت۔

ان کے علاوہ دوسرے سربراہ میرے دوسرے اعلان کا بے چینی سے انتظار کریں۔ میں ناانصافی کسی کے ساتھ بھی نہیں کروں گا۔ دنیا کے تمام ممالک کے ساتھ یکساں سلوک کروں گا لیکن میں نے گروپ بنا دیئے ہیں۔ پہلے گروپ میں یہ ملک آتے ہیں۔ اوکے ڈیئرز۔ تم سے دوسری ملاقات ان ملکوں کی تباہی کے بعد ہو گی"۔ کرخت اور خونخوار آواز یکدم خاموش ہو گئی۔ آواز بند ہوئی تو ایسے محسوس ہوا جیسے ساری دنیا سکوت میں ڈوبی ہوئی ہو۔

"پیارے بدنصیب لوگو۔ اب گورنمنٹ آف ایکریمیا کا فرض ہے کہ وہ اپنے ایک جنرل کو بچا لے تاکہ اس کے کروڑوں افراد بھی موت سے بچ سکیں۔ میں نے ایکریمیا میں نصب ایٹم بم کا بٹن بھی دبا دیا ہے۔ ایٹم بم کی گھڑی حرکت میں آ گئی ہے۔ ہاں میرا وعدہ ہے کہ اگر ایکریمی حکومت نے اپنے جنرل کو بچا لیا تو میں ایکریمیا کا وفا دار بن جاؤں گا اور ایکریمیا کی ریاست فلوایا بھی تباہی سے بچ جائے گی۔ ریاست فلوایا میں ایک کروڑ انسان بستے ہیں۔ گورنمنٹ آف ایکریمیا کو چاہیے کہ وہ اپنے ان ایک کروڑ افراد کو بچانے کے انتظامات کرے۔ اوکے۔ بائے بائے"...... اس

کے بعد کھوپڑی اور ہڈیاں سکرین سے غائب ہو گئیں۔ ٹی وی سکرین پر ایک بار پھر جھماکے ہونے لگے۔ کچھ دیر بعد سکرین کلیئر ہوئی اور اناؤنسر دکھائی دی جو کافی بدحواس دکھائی دے رہی تھی۔

"لیڈیز اینڈ جینٹس۔ نامعلوم طریقے سے ہمارا نشریاتی نظام روک دیا گیا تھا۔ اب ہمارا نظام بحال ہوا ہے تو آپ سرلوکارٹ کی باقی ماندہ تقریر سنیں"...... اناؤنسر یہ کہہ کر خاموش ہو گئی اور اگلے لمحے سرلوکارٹ دکھائی دیئے۔

"ڈیئر سسٹرز اینڈ برادرز۔ ہم قیام امن کے لئے کوشاں ہیں اور رہیں گے۔ اس کے لئے ہمیں دنیا بھر کے لوگوں کی حمایت حاصل ہے۔ اب اس موضوع پر ہم بعد میں گفتگو کریں گے۔ پہلے اس نئی آفت سے مقابلہ ضروری ہے جس کی لپیٹ میں تمام دنیا آنے والی ہے"...... سرلوکارٹ نے یہ کہہ کر اپنی تقریر ختم کر دی۔ اس کے بعد ٹی وی سکرین پر امن کے لئے تیار کیا گیا خصوصی نغمہ پیش کیا جانے لگا۔ دوسری طرف دنیا بھر کے لوگ گہری سوچوں میں ڈوب گئے تھے۔ اس اچانک اور بدحواس کر دینے والی سچوئیشن نے سب کے ذہن مفلوج کر دیئے تھے۔ دنیا بھر کی حکومتوں کے ایوانوں میں زلزلہ آ گیا۔ دنیا بھر میں موت کی سی تاریکی چھانے لگی۔ لوگ مختلف گروپس میں تقسیم ہو گئے۔ ایک گروپ کا خیال تھا کہ ڈاکٹر بلیک ایک دیوانہ اور خبطی انسان ہے۔ اس نے ایک ہوائی اڑائی ہے۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ ایک انسان چند دنوں میں ہی کروڑوں انسانوں کو

موت کے گھاٹ اتار دے۔ دوسرے گروپ کا خیال تھا کہ جو آدمی سائنس میں اتنا ترقی یافتہ ہے کہ جدید نشریاتی نظام پر قبضہ کرسکتا ہے تو وہ اور بھی بہت کچھ کرنے کی صلاحیت رکھتا ہوگا۔ تیسرا گروہ ایسا بھی تھا جس کا خیال تھا کہ ڈاکٹر بلیک کسی دوسرے سیارے کی مخلوق ہے اور وہ زمینی آبادی کو ختم کر کے زمین پر قبضہ کرنا چاہتے تھے لیکن یہ سب قیاس ہی تھے اور مختلف باتیں ہو رہی تھیں۔ کوئی مدلل بات کسی انسان کے پاس نہیں تھی۔

دوسری طرف جن لوگوں کی موت کی خبر ڈاکٹر بلیک نے دی تھی وہ انتہائی گھبراہٹ کا شکار ہو چکے تھے کیونکہ وہ بھی سمجھ رہے تھے کہ یہ کسی کی خالی خولی دھمکی نہیں ہوسکتی۔ خالی دھمکیاں دینے والا کبھی اس طرح سائنس سسٹم کو قبضے میں نہیں لے سکتا۔ نجانے ڈاکٹر بلیک سائنس میں کس قدر ترقی یافتہ تھا۔ وہ انہیں کسی سائنسی حربے سے ہی موت کے گھاٹ اتار سکتا تھا۔ انہوں نے اپنی حکومتوں سے فوری رابطے کئے تھے تاکہ حکومتیں ان کی زندگی بچانے کے لئے فوری اقدامات کریں اور ان ملکوں نے جو ڈاکٹر بلیک کی دھمکی میں شامل تھے۔ اپنی اپنی شخصیت کو بچانے کے لئے انتظامات شروع کر دیئے تھے۔ ڈاکٹر بلیک کی دھمکی سے پوری دنیا میں ایک ہنگامہ سا ہو گیا تھا۔

پاکیشیا کے لوگوں نے بھی ڈاکٹر بلیک کی اس خونی دھمکی کو سنا تھا۔ جو لوگ ڈاکٹر بلیک کو بہت بڑی بلا سمجھ رہے تھے اور ان کا

خیال تھا کہ ڈاکٹر بلیک نے جو دھمکی دی ہے وہ اس پر عمل بھی کرے گا۔ ان لوگوں کے مطابق سرسلطان کی زندگی کا چراغ اب ٹمٹما رہا تھا۔ جو ڈاکٹر بلیک کے بتائے گئے وقت پر بجھ جانا تھا لیکن سرسلطان اس کے لئے پریشان نہیں تھے۔ وہ پختہ ایمان کے انسان تھے۔ ان کا یقین کامل تھا کہ موت کا ایک وقت مقرر ہے جو کوئی بھی ادھر ادھر نہیں کرسکتا۔ اگر ان کی موت لکھی ہے تو کوئی ٹال نہیں سکتا اور اگر ابھی ان کی زندگی باقی ہے تو پھر ایک لاکھ ڈاکٹر بلیک بھی کوشش کر لیں تو ان کی زندگی کا خاتمہ نہیں کر سکتے۔ پھر انہیں اس بات پر بھی یقین تھا کہ جس طرح عمران نے اب تک ہزاروں مجرموں کی گردنیں توڑی ہیں اسی طرح وہ اس ڈاکٹر بلیک کی گردن بھی توڑ دے گا۔ اللہ تعالیٰ نے پاکیشیا کو عمران جیسا فرزند عطا کیا ہے اور اسے اس طرح صلاحیتوں اور خوبیوں سے نوازا ہے کہ ذہین سے ذہین مجرم بھی اس کے سامنے بے نقاب ہو جاتے ہیں۔ انہیں یقین تھا کہ اللہ تعالیٰ اب بھی پاکیشیا کو عزت سے نوازے گا اور ڈاکٹر بلیک کا انجام عمران کے ہاتھوں میں ہی ہوگا۔ سوچوں کے سلسلے کے بعد ان کے دل سے عمران کے لئے دعائیں نکلنے لگیں۔

یہ ایک بڑے سائز کا کمرہ تھا۔ جس کے ایک کونے میں ریوالونگ چیئر اور اس کے سامنے ایک بڑی سی ٹیبل رکھی ہوئی تھی۔ کمرے میں قدرے اندھیرا تھا۔ ریوالونگ چیئر پر ڈیتھ ماسٹر بیٹھا ہوا تھا۔ اس کے سامنے ٹیبل پر ایک ٹیلی فون سیٹ، ایک ٹی وی سکرین، ایک کمپیوٹر اور ایک لانگ رینج ٹرانسمیٹر رکھا ہوا تھا۔ ڈیتھ ماسٹر کمپیوٹر پر ایک فائل دیکھ رہا تھا کہ ٹیلی فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ اس نے کمپیوٹر سکرین سے نظریں ہٹائیں اور ہاتھ بڑھا کر ٹیلی فون کا رسیور اٹھا لیا۔

''ڈیتھ ماسٹر اسپیکنگ''...... اس نے رسیور کان سے لگاتے ہوئے بھیڑیئے کی آواز میں غراتے ہوئے کہا۔

''باس۔ زیرو ون بول رہا ہوں''...... دوسری طرف سے ایک مؤدبانہ آواز سنائی دی۔

''یس۔ رپورٹ''...... ڈیتھ ماسٹر نے بدستور غراتے ہوئے کہا۔

''باس۔ علی عمران زیرو فائیو تک پہنچ گیا ہے''...... دوسری طرف سے زیرو ون نے کہا تو ڈیتھ ماسٹر حقیقتاً کرسی سے اچھل پڑا اور اس کی آنکھیں حیرت سے پھیلتی چلی گئیں۔

''کیسے زیرو ون۔ اسے تو ہم نے یورنیورسٹی کی ایک اسٹوڈنٹ کی جگہ ایڈجسٹ کیا تھا''...... ڈیتھ ماسٹر نے حیرت بھرے لہجے میں کہا۔

''یس باس۔ زیرو فائیو انجلینا کا کردار خوب نبھا رہی تھی۔ ہم نے ایک دو روز میں سائنس آفس کے سپرنٹنڈنٹ تک پہنچ جانا تھا لیکن اس شیطان عمران کو نجانے کیسے علم ہو گیا۔ میں آپ کو زیرو فائیو اور عمران کی ملاقات کی ویڈیو کمپیوٹر پر بھیج رہا ہوں۔ آپ پہلے وہ دیکھ لیں''...... دوسری طرف سے زیرو ون نے کہا۔

''او کے۔ جلدی سے بھیجو''...... ڈیتھ ماسٹر نے کہا اور اس کے بعد اس نے رسیور کریڈل پر رکھ دیا۔ چند سیکنڈ بعد کمپیوٹر کی سکرین پر ایک ہلکی سی بیل بجی تو اس نے تیزی سے بٹن دبانے شروع کر دیئے۔ تین چار سیکنڈ کے بعد کمپیوٹر اسکرین پر ایک منظر ابھر آیا۔ یہ ایک ہوٹل کا منظر تھا۔ اس منظر میں تین لڑکیاں ایک بیوقوف سے نوجوان کے ساتھ بیٹھی ہوئی تھیں۔ ان تین لڑکیوں میں سے ایک انجلینا تھی جو دراصل زیرو فائیو تھی۔ اصل انجلینا کو انہوں نے غائب کر دیا تھا اور اس بیوقوف سے نوجوان کو ڈیتھ ماسٹر اچھی طرح جانتا تھا۔ یہ علی عمران تھا جو دنیا میں خطرناک سیکرٹ ایجنٹ سمجھا جاتا تھا۔

ڈیتھ ماسٹر جب کسی ملک میں کسی مشن پر جاتا تھا تو وہ مشن کی تکمیل کا کوئی ایک طریقہ نہیں اپناتا تھا بلکہ وہ مختلف طریقے اختیار کرتا تھا اور کسی ایک طریقے سے اسے کامیابی بھی حاصل ہو جاتی تھی۔ پاکیشیا آنے سے پہلے اس نے کافی معلومات حاصل کیں۔ پھر پاکیشیا آ کر بھی اس نے پہلے جائزہ لیا، معلومات حاصل کیں تو اسے یہ بھی معلوم ہوا کہ سائنس آفس کے آفس سپرنٹنڈنٹ مشتاق احمد کی ایک بیٹی مقامی یونیورسٹی میں پڑھتی ہے اور اس کے ساتھ ایک غیر ملکی لڑکی انجلینا بھی پڑھ رہی تھی۔ مشتاق احمد ان کے مشن میں ان کی مدد کر سکتا تھا۔ اس لئے ڈیتھ ماسٹر نے انجلینا کو اغوا کرایا اور اس کی جگہ اپنی ایک کارکن زیرو فائیو کو یونیورسٹی بھیج دیا جبکہ فائل کے حصول کے لئے وہ دیگر ذرائع اور طریقے بھی استعمال کر رہا تھا۔ زیرو ون کی طرف سے بھیجی گئی ویڈیو اس نے دو منٹ میں ہی دیکھ لی اس ویڈیو میں ڈیتھ ماسٹر نے دیکھ لیا تھا کہ عمران نے زیرو فائیو کا ٹرانسمیٹر اڑا لیا ہے۔ جس کا پتا زیرو فائیو کو نہیں لگا۔ ڈیتھ ماسٹر نے کمپیوٹر کے کی بورڈ پر دو تین بٹن اور پریس کئے تو کمپیوٹر سکرین پر ایک اور منظر ابھر آیا۔ اس منظر میں عمران ایک کار میں سوار دکھائی دے رہا تھا۔

''عمران۔ تم نے زیرو فائیو کا ٹرانسمیٹر چرا کر اپنی موت کا اپنے ہاتھوں سے اہتمام کیا ہے''...... ڈیتھ ماسٹر نے طنزیہ لہجے میں کہا اور پھر اس نے ایک اور بٹن دبایا۔ اب وہ عمران سے بات کر سکتا

تھا۔ اس نے عمران سے باتیں شروع کر دیں اور اسے دھمکیاں دینے لگا جواب میں عمران صرف معصومیت کا اظہار کر رہا تھا۔ کچھ دیر تک باتیں کرنے کے بعد ڈیتھ ماسٹر نے ایک اور بٹن دبایا اور اس کے ساتھ ہی منظر غائب ہو گیا اور ڈیتھ ماسٹر کے چہرے پر خونی مسکراہٹ نمودار ہوئی کیونکہ وہ جانتا تھا کہ اب ٹرانسمیٹر پھٹ گیا ہو گا اور عمران بے ہوش ہو گیا ہو گا اور لازمی بات تھی کہ اس کے بے ہوش ہوتے ہی اس کی کار نے کسی حادثے کا ہی شکار ہو جانا تھا۔

جگواش اس وقت اپنے آفس میں بیٹھا ہوا تھا۔ وہ ڈاکٹر بلیک کا نائب تھا اس لئے ریڈ نائٹ کا سیکنڈ چیف تھا۔ ڈاکٹر بلیک کے اس خطاب کی فلم دیکھ رہا تھا جو اس نے دنیا بھر کے لوگوں سے کیا تھا کہ دروازے پر دستک ہوئی اور ساتھ ہی دروازہ تھوڑا سا کھلا۔

''یس کم اِن''...... جگواش نے بلند اور سخت آواز میں کہا تو دروازہ کھلا اور رچی کمرے میں داخل ہوا۔ رچی، جگواش کا نائب تھا جگواش کے قریب پہنچ کر اس نے مؤدبانہ انداز میں اسے سلام کیا لیکن جگواش نے اس کے سلام کا جواب دینا گوارہ نہ کیا۔ اس نے رچی کے چہرے کی طرف دیکھا۔

''رچی۔ کوئی خاص بات ہے جو تم کہنا چاہتے ہو''...... جگواش نے اسے غور سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''یس باس۔ ایک بات نے بہت ہی پریشان کیا ہوا ہے۔ وہ آپ سے ڈسکس کرنا چاہتا ہوں''...... رچی نے کہا۔ جگواش چند

لمحوں تک تو اسے غور سے دیکھتا رہا پھر اس نے کرسی کی طرف اشارہ کیا۔

''بیٹھ جاؤ رچی اور اطمینان سے بات کرو''...... جگواش نے اسے اپنے سامنے بیٹھنے کی اجازت دیتے ہوئے کہا۔

''تھینک یو باس''...... رچی نے جگواش کا شکریہ ادا کیا اور پھر وہ کرسی پر بیٹھ گیا۔

''ہاں بولو۔ کس بات نے تمہیں پریشان کیا ہوا ہے''...... جگواش نے اس سے پوچھا۔

''باس۔ ہماری گفتگو باہر تو نہیں جائے گی نا''...... رچی نے مؤدبانہ لہجے میں پوچھا۔

''نہیں۔ میرے کمرے میں ہونے والی گفتگو باہر نہیں جا سکتی۔ یہ بات تم اچھی طرح جانتے ہو''...... جگواش نے کہا تو رچی نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

''باس۔ یہ درست ہے کہ ریڈ نائٹ کی بنیاد ڈاکٹر بلیک نے رکھی تھی لیکن اس کی تکمیل میں بہت سے افراد کا ہاتھ ہے۔ اسے چلانے کے لئے بورڈ آف گورنر ہے۔ پہلے جو ممبران اس بورڈ کے عہدیدار تھے تنظیم کی تکمیل اور عروج کے بعد یکے بعد دیگرے مختلف حادثات کا شکار ہو کر مرتے چلے گئے اور ان کی جگہ تنظیم میں سے دیگر ممبر ترقی کر کے بورڈ آف گورنر کے ممبران بنتے چلے گئے لیکن سابقہ ممبران کے پاس بہت سے اختیارات تھے اور اب جو ممبران

ہیں وہ برائے نام ہیں۔ اسی لئے عام خیال یہی ہے کہ تنظیم کے ان افراد کو ڈاکٹر بلیک نے ہلاک کیا ہے تا کہ وہ تن تنہا تنظیم کا مالک بن جائے اور اب حقیقت میں ہے بھی ایسا۔ ہم کٹھ پتلیاں ہیں۔ ڈاکٹر بلیک ہمیں اپنی انگلیوں پر جس طرح نچانا چاہتا ہے ہم اسی طرح ناچنے پر مجبور ہیں کیونکہ ایک تو ہمارے پاس اختیارات کچھ نہیں اور دوسری بات یہ کہ ہم ذہنی طور پر ڈاکٹر بلیک سے خوفزدہ ہیں۔ ہماری معمولی سی غفلت اور کوتاہی پر وہ ہمیں عبرتناک موت سے ہمکنار کر سکتا ہے''...... رچی نے مسلسل بولتے ہوئے کہا اور پھر وہ سانس لینے کے لئے رکا۔

''ہاں۔ یہ باتیں تو تنظیم کا ہر آدمی جانتا ہے۔ تم یہ باتیں کیوں کر رہے ہو''...... جگواش نے غصے سے کہا۔

''باس۔ آپ نے ڈاکٹر کا رویہ بھی دیکھا ہے اور اب دنیا بھر سے اس نے جو خطاب کیا ہے اس سے بھی آپ نے اندازہ لگایا ہو گا کہ ڈاکٹر بلیک دنیا پر تنظیم کی حکومت نہیں بلکہ تن تنہا اپنی حکومت قائم کرنا چاہتا ہے''...... رچی نے کہا۔

''ہاں۔ بالکل ایسا ہے اور یہ اس کا حق بھی ہے کیونکہ اس سلسلے میں جو ورک بھی ہوا ہے ڈاکٹر بلیک نے ہی کیا ہے۔ تمام سائنسی ایجادات اسی کی ہیں اور یہ بھی سچ ہے کہ اس تنظیم میں ہم اس کے مہرے ہیں۔ مالک اور چیف وہی ہے''...... جگواش نے کہا۔

''آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں باس۔ لیکن ڈاکٹر بلیک کا کہنا ہے کہ

اگر اس کی کسی غلطی کی وجہ سے کوئی شخصیت مرنے سے بچ گئی تو وہ خود کو اور تنظیم کو اس ملک کے حوالے کر دے گا اور باس ڈاکٹر بلیک انسان ہے۔ انسان سے غلطی ہو سکتی ہے اور انسان کی ایجادات میں بھی غلطیاں ہوتی ہیں۔ یوں اس کی غلطی کی سزا پوری تنظیم کو ملنی ہے''...... رچی نے کہا تو جگواش سوچنے لگا۔

''ہونہہ۔ بات تو تمہاری بالکل درست ہے۔ ڈاکٹر بلیک نے دنیا والوں سے جو وعدہ کیا ہے وہ ضرور پورا کرے گا کیونکہ ڈاکٹر بلیک وعدے کا بہت پابند ہے''...... جگواش نے سوچ میں ڈوبے لہجے میں کہا۔

''باس۔ اگر ہم میں سے کوئی غلطی کرتا ہے تو سزا صرف اسے ہی ملتی ہے تو ڈاکٹر بلیک کی غلطی کی سزا ہم سب کو کیوں ملے''۔ رچی نے کہا تو جگواش نے اثبات میں سر ہلایا۔

''تم ٹھیک کہہ رہے ہو لیکن اب تم فکر مت کرو۔ اگر ایسی نوبت آئی تو ڈاکٹر بلیک کی غلطی کی سزا صرف ڈاکٹر بلیک کو ملے گی۔ ہم نہ تنظیم کو خطرے میں ڈالیں گے اور نہ ہی تنظیم کے کسی اور فرد کو''...... رچی کی باتیں سن کر جگواش کی آنکھوں میں ایک خاص چمک پیدا ہو گئی تھی۔ اس نے رچی کو تسلی دیتے ہوئے کہا۔

''باس۔ ڈاکٹر بلیک اپنے تمام سسٹم کو ڈیتھ روم سے ہی کنٹرول کرتا رہتا ہے نا''...... رچی نے پوچھا۔

''ہاں۔ ڈیتھ روم اس کی کل کائنات ہے۔ وہ سائنسی ایجادات

کی ایک ایسی دنیا ہے جو عجائبات کی دنیا کہلائی جا سکتی ہے“۔ جگواش نے کہا۔

”باس۔ ڈاکٹر بلیک اسی کمرے سے تنظیم کو کنٹرول کرتا ہے۔ اسی کمرے میں بیٹھ کر اس نے دنیا بھر کے ٹی وی چینلز کی نشریات پر قابو پایا ہے۔ اس کمرے میں بیٹھ کر وہ ایٹم بم کنٹرول کرتا ہے۔ اسی کمرے میں بیٹھ کر اس نے فیوچر مشین پر دنیا کی اہم شخصیات کے منظر دیکھے اور محفوظ کئے ہیں اور آئندہ بھی وہ اس مشین سے فوائد حاصل کرے گا۔ اسی کمرے میں بیٹھ کر وہ دنیا بھر پر حکومت بھی کرے گا“...... رچی نے کہا۔

”ہاں۔ تم بالکل ٹھیک کہہ رہے ہو۔ وہ کمرہ ڈاکٹر بلیک کی کل کائنات ہے“...... جگواش نے کہا۔

”کبھی آپ اس ڈیتھ روم میں گئے ہیں باس“...... رچی نے کہا تو جگواش چونک پڑا۔

”نہیں رچی۔ تم جانتے ہو کہ اس کمرے میں ڈاکٹر بلیک کے علاوہ کوئی نہیں جا سکتا۔ یہ اس کا ایک اصول ہے اور جو اس کا اصول توڑتا ہے ڈاکٹر بلیک اس کی زندگی کے سانسوں کی ڈوری توڑ دیتا ہے۔ خود ڈاکٹر بلیک کے سگے بیٹے نے یہ اصول توڑا تھا تو ڈاکٹر بلیک نے اسے بھی موت کی سزا دے دی تھی“...... جگواش نے تیز لہجے میں کہا تو رچی کے چہرے پر طنزیہ مسکراہٹ آ گئی۔

”باس۔ اگر آپ ڈیتھ روم کو سمجھ لیں تو دنیا کے حکمران آپ

اور نائب حکمران میں ہو سکتا ہوں اور ہماری تنظیم کو کوئی خطرہ نہیں ہو سکتا۔ دنیا کی حکمران تنظیم کو بھلا کس سے کیا خطرہ ہو سکتا ہے اور پھر وعدے کی پابندی، اصولوں کی پابندی۔ یہ باتیں ڈاکٹر بلیک ہی کر سکتا ہے۔ ہم کسی کے وعدے اور اصول کے پابند نہیں ہیں۔ ہم اپنا کام نکلوانے کے لئے وعدہ تو کر سکتے ہیں لیکن وعدہ نبھانا ہمارے لئے ضروری نہیں ہے“...... رچی نے کہا تو جگواش پھر گہری سوچ میں پڑ گیا۔

”تم ٹھیک کہہ رہے ہو رچی۔ ہم نے تنظیم کو بچانا ہے اور تنظیم کے مشن بھی پورے کرنے ہیں۔ او کے۔ تم اب جاؤ میں سوچتا ہوں کہ ڈاکٹر بلیک کا کیا کیا جائے۔ وہ تو جب چاہے سکیننگ مشین لگا کر ہمارے دماغ بھی چیک کر سکتا ہے“...... جگواش نے کہا۔

”او کے باس۔ میں اب جاتا ہوں۔ آپ نے اس مسئلے پر ضرور کچھ کرنا ہے“...... رچی نے کرسی سے اٹھتے ہوئے کہا۔ جگواس نے اثبات میں سر ہلایا تو رچی کمرے سے باہر نکلتا چلا گیا۔

”رچی۔ اگر مجھے ڈاکٹر بلیک کو ہلاک کرنا پڑا تو تجھے بھی ساتھ ہی مرنا ہو گا ورنہ تیری آنکھیں بتا رہی ہیں کہ ریڈ نائٹ کا مالک تو بننا چاہ رہا ہے“...... جگواش نے بڑبڑاتے ہوئے کہا اور پھر اس نے اپنی آنکھیں بند کر لیں۔ کچھ دیر تک سوچنے کے بعد اس نے اپنی آنکھیں کھولیں۔

”اس وقت ڈاکٹر بلیک ممبران سے میٹنگ کر رہا ہے۔ موقع اچھا

ہے۔ میں ریڈیائی لہریں آن کر کے ڈیتھ روم کا ایک چکر لگا لوں''۔ جگواش نے بڑبڑاتے ہوئے کہا پھر اس نے کمپیوٹر کے کی بورڈ پر چند بٹن پریس کئے۔ ممبران ہال میں موجود تھے اور ٹی وی سکرین پر سرسلطان کی موت کا منظر دکھائی دے رہا تھا۔ جگواش جلدی سے اٹھا اور تیز تیز قدموں کے ساتھ چلتا ہوا گیلری میں ایک طرف بڑھنے لگا۔ چلتے چلتے وہ ایک کمرے کے دروازے پر رک گیا۔ دروازہ کھول کر وہ کمرے میں داخل ہو گیا۔ یہ کمرہ آٹو کنٹرول روم تھا۔ اس کمرے میں چند مشینیں فٹ تھیں جن کے اوپر سکرینیں لگی تھیں اور سامنے بٹنوں کے جال تھے۔ وہ ایک مشین کی طرف بڑھا تو اس کا دل تیزی سے دھڑکنے لگا۔ وہ ڈیتھ روم کی لہریں آف کرنا چاہتا تھا۔ اس کے کیمرے بھی آف کرنا چاہتا تھا تاکہ ڈاکٹر بلیک کو معلوم نہ ہو کہ اس کمرے میں کوئی آیا ہے۔ اس نے دھڑکتے دل کے ساتھ ایک مشین کے چند بٹن پریس کئے اور پھر کنٹرول روم سے باہر آ گیا۔ کنٹرول روم سے باہر آ کر اس نے اپنے ہاتھ سے ماتھے پر آیا ہوا پسینہ صاف کیا۔ رچی نے اسے ایک عجیب سا خواب دکھایا تھا اور اب وہ اس خواب کی تعبیر پانا چاہتا تھا۔ اسے یہ بھی معلوم تھا کہ اس کی معمولی سی غفلت اور کوتاہی اسے موت سے ہمکنار کر دے گی۔ ڈیتھ روم میں سب کا داخلہ سختی سے ممنوع تھا۔ خلاف ورزی کرنے والے کو ہر حال میں اذیت ناک موت کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔ ڈاکٹر بلیک کا ایک ہی بیٹا تھا جس

نے ڈیتھ روم میں داخل ہونے کی غلطی کی تھی اور ڈاکٹر بلیک نے اسے گولی مار دی تھی۔ جب ڈاکٹر بلیک اپنے سگے بیٹے کو گولی مار سکتا تھا تو جگواش کی اس کے سامنے کوئی حیثیت ہی نہیں تھی لیکن اس کے باوجود تنظیم کو بچانے اور دنیا پر حکومت کرنے کے لئے اسے رسک لینا تھا۔ کوشش اس نے کر لی تھی کہ ڈاکٹر بلیک کو اس کے ڈیتھ روم میں جانے کا علم نہ ہو۔ کنٹرول روم سے باہر آ کر وہ گیلری میں آگے بڑھنے لگا۔ گیلری کے آخر میں پہنچ کر وہ رک گیا۔ دیوار پر اس نے ایک جگہ ہاتھ رکھا اور پھر اس جگہ پر دباؤ ڈالا تو وہ جگہ آٹومیٹک کنٹرول دروازے کی طرح کھلتی چلی گئی۔ جگواش کے چہرے پر خوشی اور تجسس کے تاثرات پیدا ہو گئے۔ وہ تیزی سے اندر داخل ہو گیا۔ یہ ایک انتہائی وسیع وعریض کمرہ تھا جس میں لاتعداد چھوٹی بڑی مشینیں رکھی ہوئی تھیں۔ ان مشینوں کے اوپر سکرینیں دکھائی دے رہی تھیں۔ مشینوں کے سامنے لاتعداد بٹن اور ہینڈل تھے۔ اتنی ساری مشینوں کو دیکھ کر جگواش کا سر چکرانے لگا۔ وہ کسی ایک سکرین کے سسٹم کے بارے میں بھی نہیں جانتا تھا۔

''مجھے پہلے ان مشینوں کی فائل تلاش کرنی پڑے گی''۔ جگواش نے خود کلامی کرتے ہوئے کہا اور پھر وہ جہازی سائز ٹیبل کی طرف بڑھا۔ اس نے ٹیبل کی دراز کھول کر تلاشی لی لیکن دراز میں اسے کوئی فائل دکھائی نہ دی۔ پھر اس نے گھڑی کی طرف دیکھا اور چونک پڑا۔ ڈاکٹر بلیک کی ممبران کے ساتھ میٹنگ کا وقت ختم ہو رہا

تھا اور اب یہاں مزید رکنا سو فیصد خطرہ تھا اس لئے وہ تیزی سے واپس مڑا اور ڈیتھ روم سے باہر آ گیا۔ پھر وہ بھاگتے ہوئے کنٹرول روم میں آیا۔ جس مشین کے بٹن اس نے پہلے پریس کئے تھے اس مشین کے بٹن اس نے دوبارہ پریس کئے اور پھر دوڑتے ہوئے وہ واپس اپنے کمرے میں پہنچا اور اپنی کرسی پر بیٹھ کر گہرے گہرے سانس لینے لگا۔ اسے محسوس ہو رہا تھا جیسے اس نے میلوں کا سفر دوڑ کر کیا ہو۔ اس کے سانس کو اعتدال میں آتے ہوئے کچھ وقت لگ گیا۔ جیسے ہی اس کا سانس بحال ہوا اسے کھٹاک کی ایک آواز سنائی دی اور وہ اچھل پڑا۔ اچانک چھت سے ایک پنجرہ اس پر آ گرا تھا اور وہ شیر کی طرح اس پنجرے میں بند ہو گیا تھا۔ اب اس کے چہرے پر موت کی زردی چھا گئی تھی۔ لہریں اور کیمرے آف کرنے کے باوجود بھی ڈاکٹر بلیک کو معلوم ہو گیا تھا کہ ڈیتھ روم میں کون داخل ہوا ہے۔ اب جگواش کو اپنی موت چند قدموں کے فاصلے پر کھڑی صاف دکھائی دے رہی تھی۔ ڈاکٹر بلیک سے کسی رحم کی توقع کرنا عبث تھا۔

ڈاکٹر بلیک تہہ خانے سے نکل کر اپنے آفس میں آ گیا۔ اس کا چہرہ پکے ہوئے ٹماٹر کی طرح سرخ ہو رہا تھا۔ چہرے کے عضلات پھڑک رہے تھے۔ آنکھوں سے چنگاریاں نکل رہی تھیں۔ اپنے آفس میں آ کر وہ اپنی کرسی پر بیٹھا اور اس کے بعد اس نے مائیک اٹھایا اور سامنے لگے بہت سے بٹنوں میں سے ایک بٹن دبایا۔

”تمام ممبرز دو منٹ کے اندر اندر میٹنگ ہال میں پہنچ جائیں“...... ڈاکٹر بلیک نے پھنکارتی ہوئی آواز میں کہا۔ اس کے بعد اس نے مائیک واپس میز پر رکھا اور بٹن ایک بار پھر پریس کر دیا۔ بٹن پریس کرنے کے بعد اس نے کمپیوٹر کے ”کی بورڈ“ پر لگے دو تین بٹن پریس کئے تو سکرین پر ہال کا منظر ابھر آیا۔ ابھی کوئی ممبر ہال میں نہیں پہنچا تھا۔ پھر دیکھتے ہی دیکھتے ممبرز ہال میں آنے لگے اور دو منٹ کے اندر اندر تمام ممبرز ہال میں پہنچ گئے۔ جب سب ممبرز ہال میں جمع ہو چکے تو ڈاکٹر بلیک نے ”کی بورڈ“ کے دو

بٹن اور پریس کئے اور مائیک اٹھا کر اپنے منہ کے قریب کیا۔

''سی ون۔ کیا تم تک میری آواز پہنچ رہی ہے''...... ڈاکٹر بلیک نے غراتی ہوئی آواز میں کہا۔

''لیس ڈاکٹر بلیک۔ میں آپ کی آواز سن رہا ہوں''...... کمپیوٹر پر ایک مشینی آواز ابھری۔

''سی ون۔ جگواش اپنے کمرے میں جنگلے میں قید ہے۔ تم اپنی ڈیتھ فورس کے سی ٹو، سی تھری، سی فور اور سی فائیو کو بھیجو۔ وہ جگواش کو پنجرے سمیت میٹنگ ہال میں پہنچا دیں''...... ڈاکٹر بلیک نے سخت لہجے میں کہا۔

''حکم کی تعمیل ہو گی ڈاکٹر بلیک''...... کمپیوٹر پر ایک بار پھر مشینی آواز ابھری تو ڈاکٹر بلیک نے ایک بٹن دبا دیا۔ اس کے بعد اس نے مائیک رکھ دیا اور سکرین کو غور سے دیکھنے لگے۔ تقریباً نصف منٹ کے بعد اس کے تیار کردہ چار روبوٹس جگواش کے کمرے میں داخل ہوئے۔ جگواش جو پنجرے میں قید تھا۔ ان روبوٹس کو دیکھ کر اس کا چہرہ تاریک ہو گیا۔ روبوٹس نے پنجرہ اٹھایا اور پھر وہ میٹنگ ہال میں پہنچ گئے۔ میٹنگ ہال میں موجود تمام ممبرز جگواش کو پنجرے میں بند دیکھ کر حیران رہ گئے۔ انہیں معلوم ہو گیا کہ جگواش نے ڈاکٹر سے غداری کی ہے اور اب سب کے سامنے اسے سزائے موت دی جائے گی۔

''ممبرز۔ تم سمجھ ہی چکے ہو کہ تم جگواش کا آخری دیدار کر رہے

ہو''...... ڈاکٹر بلیک نے ایک بار پھر مائیک اٹھا کر منہ سے لگاتے ہوئے کہا۔ اس سے پہلے اس نے ایک بٹن بھی پریس کر دیا تھا۔

''رحم۔ باس رحم۔ مجھے معاف کر دو۔ مجھے موقع دو''......جگواش نے رحم کی بھیک مانگتے ہوئے کہا۔

''رحم۔ ہاہاہا''...... ڈاکٹر بلیک نے کہا اور پھر اس نے ایک طویل قہقہہ لگایا۔

''رحم۔ جگواش۔ تمہیں معلوم ہے کہ اصول توڑنے پر میں نے اپنے اکلوتے بیٹے کو موت کے حوالے کر دیا تھا۔ تمہاری کیا حیثیت ہے''......طویل قہقہہ لگانے کے بعد ڈاکٹر بلیک نے بھیڑیئے کی مانند غراتے ہوئے کہا۔

''باس۔ صرف ایک موقع۔ صرف ایک بار معاف کر دیں''۔ جگواش نے ہاتھ باندھتے ہوئے کہا۔

''جگواش''...... ڈاکٹر بلیک نے حلق کے بل چیختے ہوئے کہا تو میٹنگ ہال میں موجود افراد کانپ کر رہ گئے۔

''ریڈ نائٹ کا ایک عام کارکن بھی اتنا بزدل نہیں ہوتا کہ موت کو سامنے دیکھ کر اس طرح گڑگڑانے لگے اور تم تو ریڈ نائٹ کے سکینڈ باس ہو۔ مجھے دکھ ہو رہا ہے کہ موت کو سامنے دیکھ کر تم اس طرح کانپ رہے ہو''......ڈاکٹر بلیک نے سانپ کی مانند پھنکارتے ہوئے کہا تو جگواش کی کپکپاہٹ میں اضافہ ہو گیا۔ موت کو سامنے دیکھ کر اسے خود پر اختیار ہی نہیں رہا تھا۔ موت کا کھیل جگواش کو

بہت پسند تھا اس نے اب تک سینکڑوں انسانوں کو موت کے گھاٹ اتارا تھا۔ ان انسانوں میں اکثریت ایسے لوگوں کی تھی جنہوں نے اپنی زندگی کے لئے اس سے فریادیں کی تھیں، اس کے سامنے گڑگڑائے تھے، اس کے سامنے ہاتھ باندھے تھے، روئے تھے، چلائے تھے، لیکن جگواش پر ان کے رونے پیٹنے کا کوئی اثر نہیں ہوتا تھا۔ وہ ان لمحات کو انجوائے کرتا تھا جب کوئی آدمی رو رو کر اس سے زندگی کی بھیک مانگتا تھا تو اسے خوشی محسوس ہوتی تھی۔ اس کی نس نس میں طمانیت دوڑ جاتی تھی اور وہ زیادہ سفاکانہ طریقے سے اس انسان کو قتل کرتا تھا۔ اب اپنی موت کو سامنے دیکھ کر بہت سے چہرے اس کی آنکھوں کے سامنے آ گئے تھے۔ اس کا حلق اس قدر خشک ہو گیا تھا کہ اب اس کے منہ سے کوئی لفظ نہیں نکل رہا تھا۔ موت کو سامنے دیکھ کر وہ خود غرض ہو گیا تھا وہ ڈاکٹر بلیک کو بتانا چاہتا تھا کہ اس نے یہ غداری رچی کی باتوں میں آ کر کی ہے۔ وہ اپنے ساتھ ساتھ رچی کی بھی موت چاہتا تھا۔ یہ حقیقت ہی تھی کہ اس نے رچی کی باتوں میں آ کر ڈاکٹر بلیک سے غداری کی تھی لیکن اب اس کی زبان حرکت ہی نہیں کر رہی تھی۔ اس نے بولنے کی بہت کوشش کی لیکن وہ بول نہ سکا تو اس نے ممبرز کی طرف دیکھا۔ ان ممبرز میں رچی موجود تھا۔ جس کے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ تھی۔

”بولو جگواش۔ بولو۔ تم کچھ کہنا چاہتے ہو۔ جو کچھ کہنا ہے کہہ

ڈالو کیونکہ اب تمہاری زندگی کی گھڑی کے آخری سیکنڈ چل رہے ہیں۔ چند سیکنڈوں کے بعد تمہاری زندگی کی گھڑی ہمیشہ کے لئے رکنے والی ہے“...... ڈاکٹر بلیک نے طنزیہ ہنسی ہنستے ہوئے کہا پھر اس نے قہقہہ بھی لگایا۔ جگواش کا منہ کھلا لیکن اس کے حلق سے کوئی آواز نہ نکل سکی۔

”ممبرز۔ اب تم غداری کا انجام اپنی آنکھوں سے دیکھو گے۔ یہ انجام تمہارے لئے عبرت اور نصیحت ہو گا۔ اگر کوئی اور غداری کی کوشش کرے گا تو اس کا انجام بھی اسی طرح عبرتناک ہو گا“۔ قہقہہ کے بعد ڈاکٹر بلیک نے غراتے ہوئے کہا۔ پھر اس نے کمپیوٹر کے ”کی بورڈ“ کے چند بٹن پریس کئے اور دوبارہ سکرین کی طرف دیکھنے لگا۔ ہال میں جہاں پنجرہ موجود تھا وہاں چھت سے ایک چھوٹا سا نیلے رنگ کا شعلہ برآمد ہوا۔ سب ممبرز اس شعلے کو دیکھنے لگے۔ ان سب کی آنکھوں میں خوف امڈ آیا تھا۔ شعلہ پنجرے کی چھت کو کراس کرتا ہوا جگواش کے جسم سے آ ٹکرایا۔ جیسے ہی وہ جگواش سے ٹکرایا۔ بھک کی آواز سنائی دی۔ بالکل ایسے جیسے یکدم آگ بھڑک اٹھی ہو اور واقعی یکدم ہی آگ بھڑک اٹھی تھی اور اگلے ہی لمحے جگواش شعلوں میں گھرا ہوا نظر آیا۔ ابھی چند لمحے پہلے اس کا حلق خشک ہو گیا تھا اور اس کے منہ سے کوئی لفظ نہیں نکل رہا تھا لیکن اب وہ فلک شگاف چیخیں مار رہا تھا۔ اس کی دردناک و اذیت ناک چیخیں ریڈ نائٹ کے ممبرز کو خوفزدہ کر رہی تھیں اور وہ سوچ

رہے تھے کہ وہ ڈاکٹر بلیک سے غداری کا کبھی تصور بھی نہیں کریں گے۔ جگواش ادھر ادھر بھاگ کر خود کو شعلوں سے بچانا چاہتا تھا لیکن وہ پنجرے میں بند تھا لہٰذا بھاگ بھی نہیں سکتا تھا۔

اس کا سارا بدن نیلے شعلوں میں گھر گیا تھا اور اس کی چیخیں دل دہلا رہی تھیں۔ پھر اس کی چیخیں معدوم ہونے لگیں۔ معدوم ہوتے ہوتے اس کی چیخیں ختم ہو گئیں۔ ساتھ ہی اس کا وجود بھی مٹ گیا۔ اس کی ہڈیاں تک راکھ میں تبدیل ہو چکی تھیں۔ فرش پر جہاں پنجرہ رکھا ہوا تھا وہاں تھوڑی سی راکھ نظر آ رہی تھی۔ ریڈ نائٹ کے تمام ممبرز اپنی اپنی جگہوں پر دم سادھے بیٹھے تھے۔ جب جگواش راکھ میں تبدیل ہو چکا تو روبوٹس آگے بڑھے۔ انہوں نے خالی پنجرہ اٹھایا اور میٹنگ ہال سے باہر نکل گئے۔

"ممبرز۔ تم لوگوں نے ایک غدار کا انجام دیکھ لیا۔ مجھے یقین ہے کہ آئندہ کوئی بھی سانپ کے بل میں ہاتھ ڈالنے کی کوشش نہیں کرے گا اور نہ ہی کوئی بچھو کا زہر نکالنے کی جرأت کرے گا"۔ ڈاکٹر بلیک نے سرد لہجے میں کہا۔ وہ چند لمحوں کے لئے خاموش ہوا اور ممبرز کے چہروں کا جائزہ لینے لگا۔ ان سب کے چہروں پر ڈاکٹر بلیک کی دہشت دکھائی دے رہی تھی اور یہ دہشت دیکھ کر ڈاکٹر بلیک کے چہرے پر مسکراہٹ آ گئی۔

"جگواش میرا اسسٹنٹ اور ریڈ نائٹ کا سیکنڈ باس تھا۔ جگواش کا اسسٹنٹ رچی ہے۔ اب ترتیب کے اعتبار سے رچی میرا

اسسٹنٹ اور ریڈ نائٹ کا سیکنڈ باس ہو گا۔ رچی۔ تمہیں مبارک ہو۔ تم فوراً میرے کمرے میں پہنچو"...... ڈاکٹر بلیک نے اس مرتبہ نرم آواز میں کہا اور پھر اس نے مائیک میز پر رکھا اور کی بورڈ پر لگے بٹنوں میں سے ایک بٹن پریس کر دیا۔ اس دوران وہ سکرین کی طرف دیکھتا رہا تھا۔ اس کا حکم سنتے ہی رچی فوراً اپنی جگہ سے اٹھا اور میٹنگ ہال سے باہر نکل گیا تھا۔ اس کے بعد باقی ممبرز بھی کرسیوں سے اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔ ان سب کو اٹھتے دیکھ کر ڈاکٹر بلیک نے میٹنگ ہال کا منظر آف کر دیا۔ کچھ دیر کے بعد اس کے دروازے پر ہلکی سی دستک ہوئی۔

"یس۔ کم ان"...... ڈاکٹر بلیک نے سانپ کی مانند پھنکارتے ہوئے کہا تو دروازہ کھلا اور رچی کا چہرہ دکھائی دیا۔ وہ مؤدبانہ انداز میں چلتا ہوا ڈاکٹر بلیک کی میز کے قریب پہنچا اور مؤدبانہ انداز میں اس کے سامنے کھڑا ہو گیا۔

"رچی۔ اب تم ریڈ نائٹ کے سیکنڈ چیف ہو اور تم نے اس عہدے کے لئے حلف دینا ہے"...... ڈاکٹر بلیک نے کہا۔

"یس باس۔ میں حلف کے لئے تیار ہوں"...... رچی نے مؤدبانہ لہجے میں کہا۔ پھر ڈاکٹر بلیک نے اس سے حلف لیا۔

"تمہارے بعد روتھ کا نمبر ہے لہٰذا روتھ تمہارا اسسٹنٹ ہے۔ جگواش کے کیا کیا فرائض تھے تم ان سے واقف ہو گے۔ اب وہ فرائض تم نے سرانجام دینے ہیں اور تمہارے ذمے جو کام تھے وہ تم

نے اب روتھ سے لینے ہیں۔ یہ تمام ممبرز کی ایک ایک درجے ترقی ہوگئی ہے تم نے ان سب کو ترقی کا نوٹیفکیشن جاری کرنا ہے اور عام ارکان میں سے جو سب سے سینئیر ہو اسے ممبر بنانا ہے''...... ڈاکٹر بلیک نے کہا۔

''یس باس''...... آپ کے احکامات کی تعمیل ہو گی''...... رچی نے مؤدبانہ لہجے میں کہا۔

''اوکے۔ اب تم جا سکتے ہو''...... ڈاکٹر بلیک نے تحکمانہ لہجے میں کہا تو رچی اس کے کمرے سے نکلتا چلا گیا۔

کار میں پھیلنے والا دھواں بہت ہی زود اثر تھا حالانکہ عمران نے سانس بھی روک لیا تھا اس کے باوجود اس کی آنکھوں کے سامنے دھند سی چھا رہی تھی۔ پھر دھندلائی ہوئی آنکھوں سے اس نے ٹرک کو دیکھ لیا جو نہایت تیزی سے کار کے سامنے آ گیا تھا اور حادثے میں صرف ایک سیکنڈ کا وقت رہ گیا تھا۔ لہٰذا عمران نے ایک سیکنڈ کے بھی ہزارویں حصے میں کار کا دروازہ کھولا اور کار سے باہر چھلانگ لگا دی۔ چھلانگ لگانے کے بعد ابھی وہ فضاء میں ہی تھا کہ اسے خوفناک دھماکے کی آواز سنائی دی۔ یہ دھماکا کار اور ٹرک کے ٹکرانے سے ہوا تھا۔ اس دوران عمران زمین پر جا گرا اور دور تک قلابازیاں کھاتا چلا گیا۔ قلابازیاں کھانے کے بعد جب وہ رکا تو اس نے کار کی طرف دیکھا۔ کار کے پرخچے اڑ گئے تھے اور اسے آگ لگی ہوئی تھی۔ ٹرک بھی بری طرح تباہ ہو گیا تھا۔ عمران کار اور ٹرک کے قریب آیا اور اس نے ٹرک کا معائنہ کیا۔ ٹرک ڈرائیور

تڑپ رہا تھا۔ پھر اس سے پہلے کہ عمران اس کی کوئی مدد کرتا اس نے دم توڑ دیا۔ اسے مرتا دیکھ کر عمران آگے بڑھا۔ اب تک کوئی گاڑی وہاں سے نہیں گزری تھی۔ چھ سات منٹ پیدل چلنے کے بعد عمران کو ایک ٹیکسی دکھائی دی تو عمران نے اسے رکنے کا اشارہ کیا تو ٹیکسی اس کے قریب آ کر رک گئی۔ عمران ٹیکسی میں بیٹھا اور اس نے ڈرائیور کو کنگ روڈ چلنے کے لئے کہا۔ اس کے بعد اس نے آنکھیں بند کر لیں اور سوچوں میں گم ہو گیا۔ وہ آج کے واقعات کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ دارالحکومت میں مجرموں کا کوئی گروپ موجود تھا۔ عمران اور اس کے ساتھی ان کی موجودگی سے لاعلم تھے۔

''صاحب۔ کنگ روڈ آ گیا ہے''...... وہ سوچوں میں ڈوبا ہوا تھا کہ اسے ڈرائیور کی آواز سنائی دی۔ وہ چونکا۔

''اوکے۔ ایک سائیڈ پر اتار دو''...... عمران نے کہا تو ڈرائیور نے ٹیکسی ایک سائیڈ پر روک لی۔ عمران نے اسے کرایہ دیا اور پھر وہ ٹیکسی سے اتر کر اپنے فلیٹ میں آ گیا۔ وہ فلیٹ میں داخل ہوا تو اسے سلیمان کی آواز سنائی دی۔ سلیمان بلند آواز میں بول رہا تھا جس سے عمران سمجھ گیا کہ سلیمان فون پر کسی سے باتیں کر رہا ہے۔ عمران دبے پاؤں وہاں پہنچا تو سلیمان نے اسے دیکھ لیا۔ عمران کو دیکھ کر سلیمان نے رسیور رکھنے کی کوشش کی لیکن عمران نے اس سے رسیور جھپٹ لیا اور کان سے لگا لیا۔ سلیمان منہ بناتا ہوا وہاں سے

نو دو گیارہ ہو گیا۔

''جناب۔ آپ اس قدر وجیہہ اور دل کش ہیں کہ دل چاہتا ہے آپ کو من میں بسا لوں''...... دوسری طرف سے ایک نسوانی آواز سنائی دی۔ آواز نہایت ہی خوبصورت تھی اور آواز سے محسوس ہو رہا تھا کہ اتنی خوبصورت آواز کی مالکہ خود بھی انتہائی خوبصورت ہو گی۔

''لیکن آپ کا من اتنا بڑا تو نہیں کہ میں اس میں سما جاؤں''۔ عمران نے بوکھلا کر سلیمان کی آواز میں کہا۔ عمران کی بات سن کر دوسری طرف سے ہنسی کی آواز سنائی دی۔ ہنسی میں بھی بہت مٹھاس تھی۔

''سلیمان صاحب۔ آپ خود تو دلکش ہیں ہی مگر باتیں بھی نہایت دلچسپ کرتے ہیں''...... دوسری طرف سے لڑکی نے کہا۔

''تھینک یو۔ تھینک یو۔ اچھا یہ تو بتاؤ کہ تمہاری عمر کتنی ہے''۔ عمران نے شوخ سے لہجے میں کہا۔

''مجھے کیا معلوم۔ البتہ ممی اور ڈیڈی مجھے سولہ سال کی کہتے ہیں''......لڑکی کی شرماتی ہوئی آواز سنائی دی۔

''آج کے دور میں اور اتنی شرمائی ہوئی آواز۔ حیرت ہے''۔ عمران نے بڑبڑاتے ہوئے کہا۔

''جی۔ کیا کہا آپ نے۔ ذرا بلند آواز میں بولیں مجھے سنائی نہیں دیا کہ آپ نے کیا کہا ہے''......لڑکی نے کہا۔

''میں نے یہ کہا ہے کہ آپ سترہ سال کی کیوں نہیں ہیں''۔

عمران نے اس سے پوچھا۔

''جج۔ جج۔ جی۔ کیا کہا آپ نے''...... لڑکی نے یکدم ہی ہکلاتے ہوئے پوچھا۔

''میں نے آپ سے یہ پوچھا ہے کہ آپ مجھے دل و جان سے چاہتی ہیں نا''...... عمران نے کہا۔

''نہیں۔ آپ نے کوئی اور بات کی ہے۔ عمر کے بارے میں کچھ کہا ہے''...... دوسری طرف سے لڑکی نے کہا۔

''میری اس بات کا مطلب یہی ہے کہ آپ مجھ سے کس قدر محبت کرتی ہیں''...... عمران نے کہا۔

''یہ تو پوچھنے والی بات نہیں ہے سلیمان صاحب۔ میں بے انتہا محبت کرتی ہوں۔ اگر محبت کی پیمائش کرنے والا کوئی آلہ ہوتا تو پھر شاید میں بتا سکتی کہ میں کس قدر محبت کرتی ہوں۔ اب تو میں آپ سے صرف یہی کہہ سکتی ہوں کہ میں آپ سے دل و جان سے پیار کرتی ہوں''...... دوسری طرف سے لڑکی نے مخمور لہجے میں کہا۔

''بس پھر ٹھیک ہے۔ میں اس بڑھیا کو طلاق دے دیتا ہوں۔ اب روز روز نخرے کرنے لگ گئی ہے''...... عمران نے جوشیلے لہجے میں کہا۔

''بڑھیا۔ طلاق۔ میں کچھ سمجھی نہیں سلیمان صاحب''...... دوسری طرف سے لڑکی حیرت کے جھٹکے کھا کر بولی۔

''چھوڑو ان باتوں کو۔ اب ہمارے راستے میں کوئی رکاوٹ نہیں

رہے گی۔ میں نے اپنے لڑکے کی شادی تو پہلے ہی کر دی تھی۔ شادی کے بعد وہ مردود ایکریمیا بھاگ گیا۔ اب رہ گئی وہ بڑھیا تو میں تمہیں گواہ بنا کر اسے ابھی طلاق دے دیتا ہوں۔ اے بڑھیا ادھر آ۔ میں نے تجھے طلاق دی۔ میں نے تجھے طلاق دی۔ میں نے تجھے طلاق دی۔ لو جی اب ہمارے ہنی مون منانے میں کوئی بھی رکاوٹ نہیں بنے گا۔ کیوں ڈارلنگ۔ اب تم بتاؤ کہ میں سہرا باندھ کر کب تمہارے گھر آ جاؤں اور اگر تمہارے گھر والے راضی نہ ہوں تو پھر ہم کورٹ میرج کر لیتے ہیں۔ آج کل کورٹ میرج کرنے والوں کو بہت قانونی تحفظ فراہم کیا جا رہا ہے''...... عمران کی زبان رواں ہوئی تو پھر چلتی ہی چلی گئی۔

''یہ۔ یہ تم کیسی باتیں کر رہے ہو۔ تم نے تو کہا تھا کہ تم کنوارے ہو۔ تم نے مجھے دھوکا دیا ہے۔ فریب کیا ہے میرے ساتھ۔ تم نے تو اپنی عمر پچیس سال بتائی تھی۔ فراڈیئے''...... دوسری طرف سے لڑکی کی رندھی ہوئی آواز سنائی دی۔

''یہ تمہارا قصور ہے ڈارلنگ۔ تم محبت میں اتنی آگے نکل گئی تھیں کہ میں تمہارا دل نہیں توڑ سکتا تھا لیکن اب جبکہ ہم شادی کا فیصلہ کر رہے ہیں تو سچ بولنا ضروری ہے''...... عمران نے کہا۔

''نہیں۔ تم جھوٹ بول رہے ہو۔ تمہاری عمر اتنی نہیں ہے''۔ لڑکی نے یقین نہ کرتے ہوئے کہا۔

''اگر تمہیں یقین نہیں ہے تو میرے گھر کے قریب جو جنزل

سٹور ہے اس کے مالک سے پوچھ سکتی ہو کہ ہیئر کلر کا میرا ماہانہ خرچہ کیا ہے۔ میں اسی سے ہیئر کلر ادھار لیتا ہوں“...... عمران نے کہا۔

”چکر باز، لوفر، لفنگے، دغا باز، تم نے اب تک مجھے دھوکے میں رکھا اور اب ایک اور دھوکا کرنا چاہتے ہو“...... دوسری طرف سے لڑکی نے گالیوں کی بوچھاڑ کرتے ہوئے کہا تو عمران کے چہرے پر مسکراہٹ آ گئی۔

”دھوکا نہیں شادی کرنا چاہتا ہوں اور کیا ہوا کہ میری عمر پچپن کی ہے۔ دل تو میرا ابھی بچپن کا ہے۔ امنگیں جوان ہیں اور پھر میں تمہیں یہ بھی یقین دلاتا ہوں کہ میرے ہیئر کلر کا خرچہ تمہارے حساب میں درج نہیں ہو گا۔ ہاں تم نے یہ بھی بتایا تھا کہ تم ملازمت کرتی ہو۔ بھلا کہاں کا بتایا تھا“...... عمران نے کہا۔

”فراڈی، جعلساز، دھوکے باز“...... لڑکی ابھی اور بھی گالیاں سناتی کہ عمران نے اسے ٹوک دیا۔

”بس بس۔ تین بیٹوں کے نام کافی ہیں۔ زیادہ بچے اچھے نہیں لگتے۔ بے چارے فیملی پلاننگ والے کیا کہیں گے ہاں۔ اگر تم اصرار کر ہی رہی ہو تو ایک عدد لڑکی کا نام ہی بتا دو۔ بھئی لڑکوں کے ساتھ ساتھ لڑکی کا ہونا بھی ضروری ہے۔ لڑکی کے بغیر گھر میں رونق نہیں ہوتی“...... عمران نے جلدی جلدی بولتے ہوئے کہا۔

”شٹ اپ“...... دوسری طرف سے لڑکی نے غراتی ہوئی آواز

میں کہا تو عمران کی مسکراہٹ میں اضافہ ہو گیا۔

”لیکن یہ تو مغربی نام ہے اور مغربی نام تو مجھے سخت نا پسند ہیں۔ کیا تمہارے ذہن میں کوئی مشرقی نام نہیں آ رہا“...... عمران نے کہا تو دوسری طرف سے رسیور پٹخ دیا گیا۔ سلسلہ منقطع ہوا تو عمران نے بھی مسکراتے ہوئے رسیور کریڈل پر رکھ دیا۔

”سلیمان“...... رسیور رکھنے کے بعد عمران نے سلیمان کو آواز دی تو وہ دروازے کی اوٹ سے باہر نکل آیا۔

”اب تم نے چھپ چھپ میری باتیں بھی سننا شروع کر دی ہیں“...... عمران نے سخت لہجے میں کہا۔

”کسی سے فون کا رسیور چھین کر اس کی آواز میں باتیں کرنا کیا اخلاق کے دائرے میں آتا ہے“...... سلیمان نے منہ بناتے ہوئے کہا۔

”ہائیں۔ تو یہ فون تمہارے لئے تھا“...... عمران نے انجان بنتے ہوئے اور حیرت کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

”بس صاحب بس۔ آپ نے میری زندگی آگ کی مانند کر دی ہے“...... سلیمان نے مایوس آواز میں کہا۔

”تو پھر جاؤ۔ اس آگ پر پانی ڈالو۔ مرغ کی طرح کھڑے اذانیں کیوں دے رہے ہو“...... عمران نے منہ بنا کر کہا۔

”جیلسی کی بھی حد ہوتی ہے صاحب۔ شادی کے لئے آپ سے تو کوئی لڑکی پرپوز نہیں ہوتی اور میں جسے پرپوز کرتا ہوں آپ

اسے بھگا دیتے ہیں۔ آپ تو خود بھی کنوارے مرنا چاہتے ہیں اور ساتھ ہی مجھے بھی کنوارہ مارنا چاہتے ہیں''...... سلیمان نے بھی اس مرتبہ منہ بنا کر کہا۔

''ہونہہ۔ واقعی تمہاری شادی کی عمر نکلتی جا رہی ہے۔ اب تمہاری شادی ہو جانی چاہئے''...... عمران نے اسے غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔

''میری عمر کو کیا ہو گیا ہے صاحب۔ آپ سے بس دو چار مہینے ہی بڑا ہوں''...... سلیمان نے بدستور منہ بنا کر کہا۔

''اگر تو مجھ سے دو چار مہینے بڑا ہے تو پھر تیری شادی میری شادی سے دو چار مہینے پہلے ہو گی۔ اب کچن میں جا اور میرے لئے چائے بنا کر لا''...... عمران نے کہا۔

''چائے نہیں بن سکتی''...... سلیمان نے کہا۔

''کیوں۔ کیا تمہارے ہاتھوں پر مہندی لگی ہوئی ہے''...... عمران نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔

''نہیں لیکن اب مارکیٹ والوں نے کنواروں کو ادھار دینا بند کر دیا ہے۔ انہوں نے اپنی دکانوں پر بڑے بڑے پینا فلیکس لگوا لئے ہیں کہ یہاں کنواروں کو ادھار نہیں دیا جاتا اور یہ بات صرف مارکیٹ والے ہی نہیں بلکہ پوری دنیا کے لوگ جانتے ہیں کہ آپ اور آپ کا باورچی کنوارے ہیں''...... سلیمان نے کہا۔

''ہمارے کنوارے پن سے ادھار کا کیا تعلق''...... عمران نے

حیرت بھرے لہجے میں کہا۔

''دکانداروں کا کہنا ہے کہ بہت زیادہ تعلق ہے۔ کنوارہ جب ادھار لیتا ہے تو اسے واپس کرنے کی پرواہ نہیں کرتا جبکہ شادی شدہ سب سے پہلے ادھار چکاتا ہے تاکہ اسے ادھار ملتا رہے۔ اگر اسے ادھار نہیں ملے گا تو اس کی بیگم اسے گھر میں نہیں گھسنے دے گی۔ پھر کنوارے کی زندگی میں کوئی ربط نہیں ہوتا جبکہ شادی شدہ مرد کی زندگی میں ربط پیدا ہو جاتا ہے۔ کنوارہ ادھار لے کر بھی اکڑ اکڑ کر چلتا ہے جبکہ شادی شدہ کو اس کی بیوی گیدڑ بنا دیتی ہے اور وہ بے چارہ بھیگی بلی بنا پھرتا ہے''...... سلیمان نے کنوارے اور شادی شدہ میں فرق بتاتے ہوئے کہا۔

''گیدڑ اور بھیگی بلی۔ یہ تم نے کیسی مثالیں دی ہیں''...... عمران نے ایک بار پھر حیرت بھرے لہجے میں کہا۔

''وہ مثالیں دی ہیں جو شادی شدہ پر فٹ آتی ہیں''...... سلیمان نے روانی میں کہا۔

''یعنی شادی شدہ بندہ گیدڑ بھی ہوتا ہے اور بھیگی بلی بھی۔ اس کے باوجود تم شادی کرنا چاہتے ہو۔ یعنی تم شیر کی نہیں گیدڑ کی سی زندگی گزارنا چاہتے ہو''...... عمران نے کہا۔

''ایسی شیر جیسی زندگی کا کیا فائدہ کہ دکاندار چائے کی پتی اور چینی بھی ادھار نہ دیں اور انسان چائے کے لئے ترستا رہے''۔ سلیمان نے منہ بنا کر کہا اور کچن کی طرف بڑھ گیا جبکہ عمران کے

چہرے پر مسکراہٹ آ گئی۔ سلیمان کے کمرے سے باہر جانے کے بعد عمران ٹیلی فون کی طرف بڑھا۔ وہ بلیک زیرو سے خاور کی رپورٹ لینا چاہتا تھا لیکن اس سے پہلے کہ وہ رسیور اٹھاتا ٹیلی فون کی گھنٹی بج اٹھی۔

"یس۔ علی عمران ایم ایس سی۔ ڈی ایس سی (آکسن) اسپیکنگ"...... عمران نے اپنے مخصوص لہجے میں کہا۔

"عمران۔ میں ڈیتھ ماسٹر بول رہا ہوں۔ ڈیتھ ماسٹر کا مطلب جانتے ہو نا"...... ایک کرخت آواز سنائی دی۔

"یار۔ آپس کی بات ہے۔ یہ جو ڈگریوں کی لمبی قطار ہے نا میرے نام کے ساتھ۔ یہ میں نے بس رعب کے لئے لگائی ہوئی ہے۔ اب ڈیتھ کا کیا ہے اور ماسٹر کیا ہے۔ مجھے کیا معلوم"۔ عمران نے شوخ سے لہجے میں کہا۔ ویسے وہ اس آواز کو پہچان گیا تھا۔ کار میں ٹرانسمیٹر پر اس نے یہی آواز سنی تھی اور ویسے بھی وہ ڈیتھ ماسٹر کے بارے میں اچھی طرح جانتا تھا۔ ڈیتھ ماسٹر عالمی مجرم تنظیم ڈیتھ لائن کا سربراہ تھا اور اس کے بارے میں کہا جاتا تھا کہ وہ انتہائی سفاک اور درندہ صفت انسان ہے۔

"عمران۔ تمہاری یہ ساری شوخیاں تم سمیت ختم ہونے والی ہیں۔ میں تمہارے خاتمے کا مشن لے کر ہی آیا ہوں۔ کچھ دیر پہلے تم خوش قسمتی سے بچ گئے ہو لیکن یہ خوش قسمتی ہر وقت تمہارے ساتھ نہیں رہے گی"...... دوسری طرف سے ڈیتھ ماسٹر کی غراتی ہوئی

آواز سنائی دی۔

"ڈیتھ ماسٹر۔ جب گیدڑ کی موت آتی ہے تو وہ شہر کا رخ کرتا ہے۔ اس طرح جب کسی مجرم کی موت آتی ہے تو وہ پاکیشیا کا رخ کرتا ہے۔ اب تم پاکیشیا آ گئے ہو تو یہاں سے جا نہیں سکو گے"۔ عمران نے اس مرتبہ بدلے ہوئے لہجے میں کہا۔ اس کے اس لہجے میں درندوں کی سی غراہٹ عود آئی تھی۔

"تم اپنی خیر مناؤ عمران۔ میری صورت میں صرف تمہاری ہی نہیں بلکہ ایکسٹو کی موت بھی پاکیشیا میں آ گئی ہے اور اس موت سے بچنا تمہارے بس کی بات نہیں ہے"...... ڈیتھ ماسٹر کی طنزیہ آواز سنائی دی۔

"تم جیسے ہزاروں کیڑے مکوڑے ایکسٹو کے معمولی کارکنوں کے ہاتھوں جہنم رسید ہو چکے ہیں۔ تمہارا انجام بھی ان سے مختلف نہیں ہو گا"...... عمران نے بدستور غراتے ہوئے کہا۔

"میں چڑیوں کی جرأت پر صرف قہقہے ہی لگایا کرتا ہوں۔ ہاہاہا"...... دوسری طرف سے ڈیتھ ماسٹر نے کہا پھر اس کا فلک شگاف قہقہہ سنائی دیا اور اس کے بعد رابطہ منقطع ہو گیا۔ عمران نے بھی رسیور کریڈل پر رکھ دیا۔

خاور نے ان تینوں لڑکیوں کو اٹھتے اور پھر گیٹ کی طرف بڑھتے دیکھا۔ جب وہ گیٹ سے باہر نکل گئیں تو وہ بھی اٹھ کھڑا ہوا۔ اس نے کافی کے کپ کے نیچے ہی ایک بڑا نوٹ رکھ دیا کیونکہ اس کے پاس اتنا وقت نہیں تھا کہ وہ ویٹر کو بلا کر یا کاؤنٹر پر جا کر بل ادا کرتا۔ وہ باہر آیا تو مقامی لڑکیاں ایک کار میں سوار ہو رہی تھیں جبکہ غیر ملکی لڑکی دوسری کار کا گیٹ کھول رہی تھی۔ عمران نے موبائل فون پر اسے کال دی تھی لیکن جب خاور نے کال سنی تو عمران نے اس سے بات نہیں کی بلکہ اسے عمران اور لڑکیوں کی گفتگو سنائی دی۔ اس گفتگو میں عمران نے ڈان ہوٹل کا نام لیا تو وہ سمجھ گیا کہ اسے فوری طور پر ڈان ہوٹل پہنچنا ہے۔ لہٰذا وہ آندھی اور طوفان کی مانند ڈان ہوٹل پہنچ گیا۔ جب تک کال چلتی رہی تھی خاور کال سنتا رہا تھا۔ اس کال میں ہی عمران نے اسے اشارہ دے دیا تھا کہ اس نے غیر ملکی لڑکی انجلینا کا تعاقب کرنا ہے۔

پھر عمران تو اٹھ کر چلا گیا لیکن لڑکیاں مزید کچھ دیر تک وہیں بیٹھی رہیں۔ ان کے انداز سے ایسے لگ رہا تھا جیسے وہ کسی اہم مسئلے پر بات چیت کر رہی ہوں پھر وہ اٹھیں اور ہال سے باہر آ گئیں۔ خاور بھی ان کے پیچھے باہر آ گیا۔ اس نے مقامی لڑکیوں کو نظر انداز کر دیا اور غیر ملکی لڑکی کا تعاقب کرنے لگا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ کیا کوئی نیا کیس شروع ہو گیا ہے اور یہ کہ غیر ملکی لڑکی انجلینا کون ہے جس کے تعاقب کا عمران نے حکم دیا ہے۔ مختلف سڑکوں سے گزرنے کے بعد کار ایک نیلے رنگ کی بلڈنگ کے گیٹ پر رکی۔ خاور نے اس سے کچھ فاصلے پر کار روک لی۔ پھر اس بلڈنگ کا گیٹ کھلا تو انجلینا کی کار اندر داخل ہو گئی۔ اب خاور سوچنے لگا کہ وہ کیا کرے۔ بلڈنگ کے اندر جائے یا باہر رک کر لڑکی کے واپس آنے کا انتظار کرے۔ پھر اس نے سوچا کہ پہلے وہ جولیا کو رپورٹ دے دے۔ گو کہ اسے اس غیر ملکی لڑکی کے تعاقب کا حکم عمران نے دیا تھا لیکن رپورٹ وہ پہلے جولیا کو دینا چاہتا تھا اور جولیا سے مزید ہدایات لینا چاہتا تھا۔ اس نے اپنا مخصوص سیل فون سیٹ جیب سے نکالا اور جولیا کے نمبرز پریس کر دیئے۔

"یس۔ جولیا اسپیکنگ"...... کال رسیو ہونے کے بعد جولیا کی آواز سنائی دی۔

"مس جولیا۔ میں خاور بول رہا ہوں"...... خاور نے کہا۔

"ہاں خاور۔ کیسے ہو تم۔ بہت دنوں بعد تم نے فون کیا ہے۔

کہاں ہوتم''...... جولیا کی آواز سنائی دی۔

''مس جولیا۔ اس وقت تو میں ایک غیر ملکی لڑکی انجلینا کا تعاقب کر رہا ہوں''...... خاور نے کہا۔

''ارے۔تم نے کب سے غیر ملکی لڑکیوں کا پیچھا کرنا شروع کیا ہے''...... جولیا کی شوخ آواز سنائی دی۔

''میں خود پیچھا نہیں کر رہا مس جولیا۔ مجھے اس کام کا حکم عمران صاحب نے دیا ہے''...... خاور نے ہنستے ہوئے کہا۔

''اچھا۔کیا سلسلہ ہے یہ''...... جولیا نے پوچھا۔ جس کا مطلب تھا کہ جولیا کو ابھی کچھ معلوم نہیں تھا۔ خاور نے اسے تفصیل بتا دی کہ عمران نے اسے کس طرح انجلینا کے تعاقب کا حکم دیا ہے۔

''ضرور کوئی نیا چکر شروع ہو گیا ہے لیکن ابھی عمران بھی کنفرم نہیں ہے کہ کیا چکر ہے اس لئے اس نے ابھی چیف کو رپورٹ نہیں دی۔ میں عمران سے بات کرتی ہوں۔تم کچھ دیر باہر ہی لڑکی کا انتظار کرو اور اگر کچھ دیر تک لڑکی باہر نہ آئے تو پھر عمران سے ہدایات لے لینا''...... جولیا نے کہا۔

''اوکے مس جولیا۔تھینک یو اینڈ اللہ حافظ''...... خاور نے کہا اور پھر اس نے کال منقطع کر دی۔ اس کے بعد اس نے بلڈنگ کی طرف دیکھا۔ گیٹ بدستور بند تھا۔ خاور انتظار کرنے لگا۔ اسے انتظار کرتے ہوئے ابھی زیادہ وقت نہیں ہوا تھا کہ بلڈنگ کا گیٹ کھلا اور انجلینا کی کار گیٹ سے باہر آ گئی۔ کار مین روڈ پر آ کر ایک

طرف بڑھی تو خاور ایک بار پھر اس کا تعاقب کرنے لگا۔ کچھ دیر بعد خاور نے انجلینا کی کار کو شہر سے باہر جانے والی سڑک پر مڑتے دیکھا۔ انجلینا کو اپنے تعاقب کا احساس ہو گیا تھا یا اسے اس طرف ہی جانا تھا اس کا اندازہ خاور کو نہیں ہو رہا تھا۔ لہٰذا خاور نے تعاقب جاری رکھا۔ وجہ جو بھی تھی سامنے آ جانی تھی۔ انجلینا کی سفید ٹیوٹا کرولا تیزی سے شالما پہاڑی کی طرف بڑھ رہی تھی۔ خاور نے کار کا فاصلہ بہت بڑھا دیا تھا کیونکہ ٹریفک اب بہت کم تھی اور اگر انجلینا اس تعاقب سے بے خبر تھی تو اسے بے خبر ہی رہنا چاہئے تھا۔ دونوں کاروں کی رفتار کافی بڑھ چکی تھی پھر ایک وقت ایسا بھی آیا کہ اس طویل اور کشادہ سڑک پر صرف دو کاریں ہی رہ گئیں۔ انجلینا کی کار آگے تھی اور خاور کی کار کافی فاصلے پر اس کے پیچھے تھی۔

کچھ دیر بعد شالما پہاڑی کا ویران اور سنسان علاقہ آ گیا۔ انجلینا کی کار ایک موڑ مڑ گئی تھی۔ جب خاور کی کار اس موڑ پر پہنچی تو اس نے بریک لگائی۔ اسے دور دور تک انجلینا کی کار دکھائی نہیں دے رہی تھی۔ خاور کے ہونٹ سکڑ گئے اور وہ اپنی کار سے نیچے اتر آیا آگے راستہ اونچا نیچا تھا۔ وہ اس راستے کا جائزہ لینے کے لئے چند قدم آگے بڑھا۔ اس نے سامنے دور دور تک نظر دوڑائی لیکن انجلینا کار سمیت گدھے کے سر سے سینگ کی مانند غائب ہو چکی تھی۔ اچھی طرح جائزہ لینے کے بعد خاور کار کی جانب واپس مڑا اور جیسے

ہی وہ واپس مڑا یکدم اچھل پڑا۔ اس کی کار کے قریب پانچ افراد کھڑے تھے اور ان پانچوں کے پاس مشین گنیں تھیں ،اور ان سب مشین گنوں کا رخ خاور کی طرف تھا۔

''اپنے ہاتھ اپنے سر پر رکھ لو مسٹر ورنہ تمہارا سارا جسم روشندان بن جائے گا''...... ان میں سے ایک آدمی نے کرخت لہجے میں کہا۔ وہ پانچوں مقامی دکھائی دے رہے تھے لیکن بولنے کی آواز اور لہجے نے بتا دیا تھا کہ وہ مقامی نہیں ہیں جس کا واضح مطلب تھا کہ وہ پانچوں میک اپ میں تھے۔ اس آدمی کے حکم پر خاور نے اپنے ہاتھ اپنے سر پر رکھ لئے۔

''نمبر سکسٹین۔ اس کی تلاشی لو''...... جس آدمی نے خاور کو ہاتھ اٹھانے کا حکم دیا تھا اسی نے اپنے ایک آدمی کو حکم دیا تو وہ آدمی آگے بڑھا اور خاور کے قریب آ گیا۔ قریب آ کر اس نے خاور کی تلاشی لینے کی کوشش کی لیکن خاور نے یکدم اس کی گردن میں ہاتھ ڈالا اور اسے ڈھال بنانا چاہا لیکن اس سے پیشتر ہی پہاڑی علاقے میں فائرنگ کی تیز آواز گونجی اور اس آدمی کی بھی ایک تیز چیخ پہاڑیوں سے ٹکرانے لگی جسے خاور نے ڈھال بنانا چاہا تھا۔ نمبر سکسٹین کے اپنے ہی انچارج نے اس پر مشین گن کا فائر کھول دیا تھا۔ چیخ کے ساتھ ہی نمبر سکسٹین تڑپنے لگا۔ خاور نے یکدم ہی تڑپتے ہوئے نمبر سکسٹین کو اٹھایا اور باقی افراد کی طرف اچھال دیا۔ نمبر سکسٹین توپ سے نکلے ہوئے گولے کی مانند ان چاروں پر جا

گرا۔ انہیں خاور سے اس عمل کی توقع ہرگز نہیں تھی لہٰذا جیسے ہی نمبر سکسٹین ان سے ٹکرایا تو وہ بوکھلا گئے۔ خاور نے ایک لانگ جمپ لگایا اور کسی پرندے کی طرح اڑتا ہوا ایک ابھری ہوئی چٹان کی دوسری جانب جا گرا۔ نیچے گرتے ہی خاور نے جیب سے اپنا مشین پسٹل نکال لیا اور چٹان سے ظاہر ہو کر فائر کر دیا۔ اس کے مشین پسٹل سے بیک وقت کئی گولیاں نکلیں۔ جس سے ایک بار پھر پہاڑی فضاء گونج اٹھی اور ان چاروں میں سے ایک آدمی کی دلدوز چیخ بھی بلند ہوئی اور وہ وہیں ڈھیر ہو گیا۔ پانچ آدمیوں میں سے اب تین آدمی بچ گئے تھے۔ ان تینوں نے چٹانوں کے پیچھے جمپ لگائے اور وہ چٹانوں کے پیچھے چھپ گئے۔ اب ان میں اور خاور کے درمیان فائرنگ کا باقاعدہ تبادلہ ہونے لگا۔ خاور تربیت یافتہ سیکرٹ ایجنٹ تھا تو کم وہ بھی دکھائی نہیں دے رہے تھے۔ وہ بھی بہت ہی محتاط فائرنگ کر رہے تھے۔ خاور جس چٹان کے پیچھے چھپا ہوا تھا اچانک اس کے ابھرے ہوئے حصے پر زبردست فائرنگ ہوئی جس سے چٹان کے سنگریز ٹوٹ کر ادھر ادھر گرے۔ چند سنگریز خاور کو بھی آ لگے۔ خاور کو یوں محسوس ہوا جیسے اس کے جسم سے موٹی سوئیاں ٹکرائی ہوں اور اسے زخمی کر گئی ہوں۔ اس نے ایک بار پھر لانگ جمپ لگایا اور اڑتا ہوا دوسری چٹان کے قریب جا گرا۔ اس کے جمپ لگاتے ہی مشین گنوں نے شعلے اگلے اور یہ شعلے خاور کے اردگرد سے گزر گئے۔ پھر اس سے پہلے کہ اس پر دوسری بوچھاڑ

ہوتی وہ دوسری پہاڑی کے عقب میں پہنچ چکا تھا۔ اس پہاڑی کے عقب میں پہنچ کر وہ اس پہاڑی کی طرف دیکھ رہا تھا جس کے پیچھے اس کے دشمن چھپے ہوئے تھے کہ اسے خطرے کا احساس ہوا۔ اس نے تیزی سے گردن گھما کر دیکھا لیکن اسے دیر ہو چکی تھی۔ مشین گن کا بٹ اس کے سر پر پڑا اور اس کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا سا چھا گیا۔ دوسری ضرب نے اسے دنیا و مافیہا سے بالکل ہی غافل کر دیا۔ اس کے ہاتھ پاؤں ڈھیلے پڑ گئے۔ اس کے ہاتھ سے مشین پسٹل نکل کر نیچے جا گرا۔

آج ایکریمیا میں افراتفری پھیلی ہوئی تھی۔ ہر چہرے پر موت کی زردی دکھائی دے رہی تھی۔ ریاست فلوایا تو ڈاکٹر بلیک کے اعلان کرتے ہی خالی ہونا شروع ہو گئی تھی حالانکہ حکومت بار بار اعلان کرا رہی تھی اور شہریوں کو پرسکون رہنے کی تلقین کر رہی تھی لیکن عوام کا سکون تو ڈاکٹر بلیک کی تقریر کے ساتھ ہی اڑ گیا تھا۔ ایکریمیا کی عوام کی اکثریت کا خیال تھا کہ ڈاکٹر بلیک نے جو اعلان کیا ہے وہ اسے عملی جامہ ضرور پہنائے گا۔ ان کی فلموں میں دکھایا جاتا تھا کہ سائنسی ایجادات سے فلم کا ہیرو کس طرح ناممکنات کو ممکنات میں بدل دیتا تھا تو ڈاکٹر بلیک بھی کوئی سٹھیایا ہوا سائنس دان ہی تھا جس نے لازماً کوئی ایسی طاقت حاصل کر لی تھی جس کی مدد سے وہ کروڑوں افراد کو لقمۂ اجل بنا سکتا تھا۔ اس لئے حکومت کی طرف سے بار بار تسلیاں دینے اور پرسکون رہنے کی تلقین کے باوجود کوئی شخص بھی پرسکون نہیں تھا۔ ایسے لگتا تھا جیسے انہیں اپنی

حکومت پر اعتماد ہی نہ ہو۔

ریاست فلوایا میں اب بہت ہی کم لوگ رہ گئے تھے۔ ریاست فلویا قبرستان کا منظر پیش کر رہی تھی۔ انسان تو انسان، جانور اور پرندے بھی اس ریاست سے ہجرت کر گئے تھے۔ ریاست میں فوج گشت کر رہی تھی یا ماہرین کی ایک ٹیم جو ایٹم بم کی تلاش میں مگن تھی۔ عوام میں سے چند لوگ ایسے تھے جنہوں نے ہجرت نہیں کی تھی۔ یہ گنتی کے وہ لوگ تھے جنہیں اپنی حکومت پر یقین تھا کہ ان کی حکومت یہ انہونی نہیں ہونے دے گی۔

حکومت ایکریمیا نے جنرل ڈی سوزا کی حفاظت کے تمام انتظامات کر لئے تھے۔ ان انتظامات کے ساتھ ساتھ حکومت ایکریمیا نے اپنے سائنس دانوں اور ماہرین کی مدد سے اس جگہ کو تلاش کرنے کی کوشش کی تھی جہاں سے ڈاکٹر بلیک نے سیٹلائٹ سسٹم پر قبضہ کر کے خطاب کیا تھا لیکن ایکریمیا کے تمام سائنس دان، ماہرین اور مشینری یکسر ناکام رہے تھے اور اس ناکامی نے انہیں پریشان کر دیا تھا لیکن اس کے باوجود وہ اپنی عوام کو تسلی ہی دے رہے تھے اور اپنی کوششوں میں مسلسل مصروف تھے۔

حکومت نے جنرل ڈی سوزا کی حفاظت کے لئے سائنسی انتظامات کئے تھے۔ اسے جس بلڈنگ میں رکھا گیا تھا وہاں ایک مکھی بھی پر نہیں مار سکتی تھی۔ ماہر ڈاکٹرز کی ایک ٹیم اس بلڈنگ میں موجود تھی۔ بلڈنگ کو سینکڑوں کمانڈوز نے گھیر رکھا تھا۔ جنرل ڈی

سوزا کے تمام طبی ٹیسٹ کئے گئے تھے۔ ٹیسٹ کے مطابق وہ بالکل ٹھیک تھے۔ انہیں جو کھانا پیش کیا گیا تھا وہ بھی لیبارٹری ٹیسٹڈ تھا۔ ان تمام انتظامات کے بعد حکومت ایکریمیا کو یقین تھا کہ ڈاکٹر بلیک، جنرل ڈی سوزا کا بال بھی بیکا نہیں کر سکے گا۔ ان تمام انتظامات کی تفصیل بھی حکومت نے میڈیا کو دے دی تھی اور جب میڈیا نے یہ تفصیلات جاری کیں تو دنیا بھر کے لوگوں نے اطمینان کا سانس لیا۔ ان سب کو یقین ہو گیا کہ ڈاکٹر بلیک ناکام رہے گا۔ ایسے انتظامات کے بعد ڈاکٹر بلیک کا کامیاب ہونا ناممکنات میں سے تھا۔

ڈاکٹر بلیک کے دیئے گئے وقت سے تین گھنٹے پہلے ڈاکٹرز کی ٹیم نے جنرل ڈی سوزا کا ایک بار پھر معائنہ کیا۔ وہ مکمل طور پر صحت مند اور تندرست تھا۔ حکومت نے اس کی حفاظت کے لئے جو انتظامات کئے تھے وہ ان انتظامات سے مطمئن بھی تھا۔ اس لئے اس کے چہرے پر پریشانی کے تاثرات بھی نہیں تھے۔ وہ کافی مسرور دکھائی دے رہا تھا۔ ڈاکٹرز کے معائنے کے بعد اسے ریڈیائی الیکٹرک روم میں بند کر دیا گیا۔ اس روم میں تین سکرینیں لگی ہوئی تھیں جو آٹو کنٹرول تھیں۔ روم میں کیمرے بھی لگے ہوئے تھے۔ یوں جنرل ڈی سوزا کی ایک ایک حرکت مین کنٹرول روم میں بیٹھے افراد دیکھ رہے تھے۔

ریڈیائی الیکٹرک روم کا کنٹرول جنرل ڈی سوزا کے پاس تھا اور

مین کنٹرول روم میں چار کرنل بیٹھے ہوئے تھے۔ اب اس ریڈیائی روم میں نہ کوئی داخل ہو سکتا تھا اور نہ ہی کوئی روم سے باہر آ سکتا تھا۔ جب تک جنرل ڈی سوزا ریڈیائی سسٹم آف نہ کر دے اور اب ریڈیائی سسٹم کو بھی آف کرنا جنرل سوزا کے اختیار میں نہیں تھا۔ اس کے سوئچ پینل کو ایک تجوری میں رکھ دیا گیا تھا اور تجوری کی چابی دوسرے کمرے میں بیٹھے ہوئے ایک جنرل کے پاس تھی۔ اس طرح سے کوئی بھی اپنی مرضی سے اب اس ریڈیائی کنٹرول روم کو نہیں کھول سکتا تھا۔

جنرل ڈی سوزا کے کھانے کے لئے پھل اور پینے کے لئے شراب ٹیسٹ کے بعد جنرل کے ساتھ ہی کمرے میں پہنچا دی گئی تھی۔ اس کے کھانے کے لئے پھلوں اور شراب کا معائنہ ڈاکٹرز کے پینل نے کیا تھا اور رپورٹ پر تمام ڈاکٹرز نے دستخط کئے تھے۔ اب ڈاکٹر بلیک کا بتایا گیا وقت بہت ہی قریب تھا۔ سب ایک ایک لمحہ گن رہے تھے اور ایک ایک لمحہ انہیں ایک صدی کے برابر لگ رہا تھا۔

مین کنٹرول روم میں بیٹھے ہوئے افراد نے پلیٹ کھسکنے کی آواز سنی تو سب نے چونک کر سکرین کی طرف دیکھا۔ سکرین جنرل ڈی سوزا کی ایک ایک حرکت دکھا رہی تھی۔ جنرل ڈی سوزا کے چہرے پر تشویش تھی نہ خوف بلکہ وہ مطمئن اور مسرور دکھائی دے رہا تھا۔ اس نے پلیٹ اپنی طرف کھسکائی تھی پھر پلیٹ میں چاول اور شوربہ

ڈالا اور چاول کھانے لگا۔ چاول کھانے کے بعد جنرل ڈی سوزا نے پلیٹ ایک طرف رکھی اور گلاس میں شراب ڈال کر گھونٹ گھونٹ پینے لگا۔ شراب پینے کے بعد اس نے جیب میں سگار کے لئے ہاتھ ڈالا۔ یہ اس کی عادت ہی تھی کہ وہ کھانے کے بعد شراب پیتا تھا اور شراب کے بعد سگار۔ لیکن اس وقت اس کی جیب میں سگار نہیں تھا۔ کسی خیال کے پیش نظر اس سے سگار لے لیا گیا تھا۔ سگار کو جیب میں نہ پا کر اس نے سر کو ہلکا سا جھٹکا دیا۔ پھر کمرے میں ادھر ادھر نظریں دوڑائیں اور اس کے بعد وہ آرام کرسی کی طرف بڑھا۔

وہ آرام کرسی پر لیٹ گیا اور سوچنے لگا کہ زندگی اور موت میں کتنا فرق ہے۔ کتنے بڑے بڑے لوگ گمنامی کی موت مارے جاتے ہیں اور کئی ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں جن کی موت انہیں ہیرو بنا دیتی ہے۔ ڈاکٹر بلیک نے موت کے لئے اس کا نام لیا تھا۔ ڈاکٹر بلیک خود تو اپنے مقصد میں ناکام ہو رہا تھا لیکن جنرل ڈی سوزا کو اس نے گمنامی کے عمیق گڑھوں سے نکال کر شہرت کی بلندیوں پر پہنچا دیا تھا۔ پچھلے چند دنوں سے وہ عالمی میڈیا کی شہ سرخی بن گیا تھا۔ دنیا بھر کے اخبارات نے اس کی تصاویر شائع کی تھیں۔ اس پر تبصرے کئے تھے اور اس پر مضامین لکھے تھے۔ الیکٹرانگ میڈیا بھی دن رات سکرین پر اسے ہی دکھا رہا تھا۔ اسے ایسی شہرت ملی تھی جس کا وہ کبھی تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔ پھر جنرل

ڈی سوزا سوچنے لگا کہ اگر ڈاکٹر بلیک نے اس کی موت کے ساتھ کروڑوں لوگوں کی موت کی دھمکی نہ دی ہوتی تو شاید اس کو بچانے کے اس قدر انتظامات نہ کئے جاتے۔ صرف ایک دو ڈاکٹر اور دو تین فوجی اس کے لئے کافی سمجھے جاتے لیکن اب اس کی زندگی سے کروڑوں لوگوں کی زندگیاں وابستہ تھیں اس لئے حکومت نے اس کی زندگی بچانے کے لئے غیر معمولی انتظامات کئے تھے۔

جنرل ڈی سوزا انہی سوچوں میں گم تھا کہ اچانک اس کے پیٹ میں درد اٹھا۔ اس نے اپنے سینے پر ہاتھ پھیرا۔ درد پسلیوں کے قریب دائیں جانب ہو رہا تھا۔ اس نے درد برداشت کرنے کی کوشش کی لیکن درد بڑھتا ہی چلا گیا اور اس قدر بڑھا کہ اس کی برداشت سے باہر ہو گیا۔ اس کے چہرے سے وحشت عیاں ہونے لگی اور پھر وہ ایک چیخ مار کر رہ گیا۔

کنٹرول روم میں بیٹھے ہوئے افراد نے اس کی یہ حالت دیکھی تو وہ یکدم گھبرا گئے۔ پلک جھپکتے ہی خطرے کی گھنٹیاں بجنے لگیں اور ہر طرف ایک کہرام بپا ہو گیا۔ فوراً ہی تمام ڈاکٹرز، سائنس دان، ایجنٹس اور حکومت کی اعلیٰ شخصیات کنٹرول روم میں جمع ہو گئیں اور فیصلہ کیا گیا کہ کچھ دیر کے لئے ریڈیائی سسٹم جام کر دیا جائے تاکہ وہ سب کمرے میں داخل ہو سکیں اور جنرل ڈی سوزا کو بروقت طبی امداد دی جا سکے۔ لہٰذا اس فیصلے پر فوراً ہی عمل کیا گیا۔

ڈاکٹرز فوراً ہی جنرل ڈی سوزا کے پاس پہنچے جو اس وقت تک

بے ہوش ہو چکا تھا۔ معائنے کے بعد تمام ڈاکٹرز کے ہونٹ دائرے کی مانند سکڑ گئے۔ یہ اب قسمت کا ہی کھیل تھا کہ ہر طرح سے صحت مند اور توانا جنرل ڈی سوزا کا اپنڈکس پھٹ گیا تھا۔ آنت کے پھٹ جانے کی وجہ سے زہر اس کے جسم میں پھیل رہا تھا اور یہ پھیلتا ہوا زہر اس کی زندگی کے چراغ کو گل کر رہا تھا۔

اس بلڈنگ میں ہمہ قسم کے آپریشن کا بھی بندوبست کیا گیا تھا۔ ڈاکٹرز کے گروپ میں سرجن بھی شامل تھے لہٰذا جنرل ڈی سوزا کو فوراً ہی آپریشن روم کی طرف لے جایا جانے لگا۔ موت کا فرشتہ آپریشن روم کے دروازے پر ہی کھڑا تھا اس لئے جیسے ہی جنرل ڈی سوزا آپریشن روم کے دروازے پر پہنچا موت کے فرشتے نے اسے جکڑ لیا اور اس کی روح کو اس کے جسم سے کھینچ لیا۔ جنرل ڈی سوزا نے آخری ہچکی لی۔ اس کا سر ایک بار بلند ہوا اور پھر جب اس کا سر نیچے ہوا تو اس کی آنکھیں بے نور ہو چکی تھیں۔ سب کی نظریں بے اختیار گھڑی کی طرف گئیں۔

یہ وہی وقت تھا جس کا اعلان ڈاکٹر بلیک نے کیا تھا۔ وہاں موجود سب افراد کے چہرے دہشت و وحشت کی زیادتی کی وجہ سے بگڑ گئے۔ خوف ان کے لہو میں شامل ہو کر ان کی رگوں میں دوڑنے لگا۔ اگر جنرل ڈی سوزا، ڈاکٹر بلیک کے بتائے وقت کے مطابق مر گیا تھا تو اس کا مطلب ہے کہ اب ایکریمیا میں موت کا بازار گرم ہو جائے گا۔ ایکریمیا کی گلیوں اور بازاروں میں موت

رقص کرتی نظر آئے گی۔ ہر طرف لاشیں ہی لاشیں ہوں گی اور ان لاشوں کے درمیان ڈاکٹر بلیک کے قہقہے گونجیں گے۔ ڈاکٹر بلیک جو یقیناً شیطان کا ساتھی تھا کروڑوں لوگوں کو موت کے حوالے کر دے گا۔ وہاں موجود لوگ چشم تصور سے دیکھنے لگے کہ ایکریمیا شعلوں میں ڈوبا ہوا تھا اور ان شعلوں میں فلک شگاف دھماکے زندگی کو مٹا رہے تھے۔

ڈاکٹر بلیک اس وقت اپنے مخصوص کمرے میں بیٹھا ہوا تھا۔ اس کمرے کو اس نے ڈیتھ روم کا نام دیا ہوا تھا۔ یہ بہت بڑا کمرہ تھا جس میں لاتعداد مشینیں تھیں۔ ڈاکٹر بلیک کی زندگی کا ایک بڑا حصہ اس کمرے کی نذر ہو گیا تھا۔ یہ کمرہ نہیں بلکہ سائنس کی ایک مکمل دنیا تھا۔ اس کمرے میں بیٹھ کر ڈاکٹر بلیک اپنی ساری کارروائیاں کرتا تھا اور یہی وہ کمرہ تھا جس میں کسی اور کو آنے کی اجازت نہیں تھی۔

تمام مشینوں کے سامنے بیٹھنے کے لئے کرسیاں رکھی ہوئی تھیں۔ ان مشینوں کو آپریٹ کرنے والا کوئی نہیں تھا کیونکہ یہ سب آٹو تھیں۔ ڈاکٹر بلیک اس وقت ایک مشین کے سامنے بیٹھا ہوا تھا اور اس کا چہرہ اس قدر بگڑا ہوا تھا کہ وہ کسی طور بھی انسان دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ وہ اس وقت ایک ایسا بھیڑیا نظر آ رہا تھا جو بھیڑوں کے ریوڑ کو تہس نہس کرنے کا ارادہ کئے ہوئے ہو۔ اس کی آنکھوں

کی سرخی اس کی بربریت کا اعلان کر رہی تھی۔ وہ جس مشین کے سامنے بیٹھا ہوا تھا اس مشین کی سکرین روشن تھی۔ بٹن پینل پر درجنوں بٹن تھے۔ سکرین پر نظر آنے والی تحریر کو پڑھتے ہوئے ڈاکٹر بلیک مشین کے بٹن دبا رہا تھا۔ چند بٹنوں کو دبانے کے بعد اس نے مشین کے کونے میں لگا ہوا رسیور نیچے کیا۔ اس کے چند لمحوں بعد کمرے میں رکھے ہوئے ٹی وی سیٹ پر نظر آنے والی نشریات رک گئیں اور ٹی وی سکرین پر ایک کھوپڑی اور دو ہڈیاں نظر آنے لگیں۔ ڈاکٹر بلیک نے دنیا کے سب سے معروف اور مقبول ٹی وی چینل کی نشریات پر قبضہ کر لیا تھا۔ اب وہ اس چینل کے ذریعے دنیا بھر کے لوگوں سے مخاطب ہو سکتا تھا۔ ٹی وی سکرین پر ایک نظر ڈالنے کے بعد ڈاکٹر بلیک نے سفید رنگ کا ایک بٹن پریس کیا اور پھر وہ کرخت لہجے میں بولا۔

”لیڈیز اینڈ جینٹس۔ تم نے دیکھ لیا کہ میرے بتائے ہوئے وقت کے مطابق موت کی ظالم اور تند و تیز آندھی نے جنرل ڈی سوزا کی زندگی کے چراغ کو گل کر دیا۔ حالانکہ اس کی حفاظت کے انتظامات دنیا کی سب سے بڑی سپر پاور نے کئے تھے اور یقیناً ان انتظامات میں کوئی کمی یا خامی نہیں تھی لیکن تمہیں یاد رکھنا چاہئے کہ ڈاکٹر بلیک کا وعدہ اٹل وعدہ ہے جو کبھی ٹل نہیں سکتا اور میں نے تم سے وعدہ کیا تھا کہ اگر حکومت ایکریمیا نے جنرل ڈی سوزا کو مرنے سے بچا لیا تو ٹھیک ورنہ اس کی ریاست فلوایا جو اس کے

دارالحکومت کے قریب تر ہے کو صفحۂ ہستی سے مٹا دیا جائے گا۔ میرا ایک وعدہ تو پورا ہو چکا۔ جنرل ڈی سوزا زندگی سے ناطہ توڑ چکا ہے اور اب سے ٹھیک انتیس گھنٹے بعد فلوایا پر قیامت ٹوٹ پڑے گی لیکن فلوایا خالی ہو چکا ہے تو اس کے صفحۂ ہستی سے مٹنے سے کوئی خاص فرق نہیں پڑنا جبکہ مجھے ایکریمیا سے کم از کم ایک کروڑ انسانوں کی قربانی چاہئے تو ٹھیک ہے فلوایا خالی ہو گیا ہے تو ہوتا رہے۔ ایکریمیا کا دارالحکومت تو ہے نا۔ دارالحکومت کے ساتھ ساتھ دوسرے شہر بھی ہیں نا۔ مجھے تو ایک کروڑ انسانوں کی لاشیں دیکھنی ہیں وہ لاشیں دارالحکومت اور اردگرد کے شہروں میں بھی دیکھی جا سکتی ہیں۔ اب دنیا صرف انتیس گھنٹے انتظار کرے۔ انتیس گھنٹے بعد ایکریمیا ایک کروڑ انسانوں کی قربانی دیتا ہوا دکھائی دے گا۔ فلوایا اور دارالحکومت کی بلند و بالا عمارتیں زمین بوس ہو کر کھنڈرات میں تبدیل ہو جائیں گی۔ صرف اٹھائیس گھنٹے پچاس منٹ بعد ایکریمیا میں موت کا رقص ہو گا اور تم لوگ یہ دلچسپ مناظر لائیو دیکھ سکو گے۔ پیپلز۔ تم خوش نصیب لوگ ہو کہ میری آواز دوبارہ بھی سنو گے لیکن ایکریمیا کے ان ایک کروڑ بدنصیب لوگوں کے بارے میں سوچو جو اب دوبارہ میری آواز نہیں سن سکیں گے۔ اوکے۔ گڈ بائی“...... ڈاکٹر بلیک نے مسلسل بولتے ہوئے کہا اور پھر آخر میں اس نے قہقہہ بھی بلند کیا۔ یقیناً اس کا قہقہہ موت کے قہقہے جیسا ہی تھا۔ ڈاکٹر بلیک نے مشین کا لیور اوپر اٹھایا اور پھر چند بٹن پریس

کئے۔ جیسے ہی بٹن پریس ہوئے ٹی وی سکرین سے کھوپڑی اور ہڈیاں غائب ہوگئیں اور ٹی وی چینل کی نشریات بحال ہوگئیں۔

ڈاکٹر بلیک کی سرخ آنکھوں میں خونی چمک پیدا ہو چکی تھی۔ وہ خونی مسکراہٹ چہرے پر لا کر ٹی وی سکرین کی طرف دیکھنے لگا۔ ٹی وی سکرین پر ایکریمی دارالحکومت کے لائیو مناظر دکھائے جا رہے تھے۔ وہاں قیامت کا سماں پیدا ہو چکا تھا۔ فلوایا کے زیادہ تر لوگ فلوایا چھوڑ کر دارالحکومت میں آ گئے تھے لیکن اب ڈاکٹر بلیک کے خطاب نے ان کے اوسان خطا کر دیئے تھے۔ لوگ دارالحکومت سے نکلنا چاہتے تھے لیکن اتنی تعداد میں گاڑیاں موجود نہ تھیں کہ دارالحکومت سے کروڑوں لوگوں کو دور دراز منتقل کر دیا جائے۔ پرائیویٹ گاڑیاں رکھنے والے افراد اپنی اپنی گاڑیوں پر نکلنے کی کوشش کر رہے تھے اور افراتفری کا شکار ہو رہے تھے جس کی وجہ سے چند منٹوں میں ہی سینکڑوں حادثات ہو گئے اور سڑکیں بلاک ہوگئیں۔ اب وہاں امدادی کارروائیاں بھی نہیں ہوسکتی تھیں کیونکہ ہر آدمی ہی دارالحکومت سے نکل جانا چاہتا تھا لیکن اب دارالحکومت سے نکلنا آسان نہیں رہا تھا۔

حکومت ٹی وی چینلز اور ریڈیو کے ذریعے مسلسل عوام سے اپیل کر رہی تھی کہ عوام پرسکون رہیں۔ ڈاکٹر بلیک کی بات پوری نہیں ہو گئی۔ افراتفری کی وجہ سے بہت نقصان ہو رہا تھا۔ حادثات کا شکار ہو کر گاڑیاں تباہ ہو گئی تھیں اور سینکڑوں افراد پیدل ہی بھاگ

پڑے تھے۔ اس طرح بھاگنے سے دارالحکومت میں اور زیادہ دہشت پھیل گئی تھی۔ کئی افراد نیچے گرے تھے اور انہیں دوبارہ اٹھنا نصیب نہیں ہوا تھا۔ بھاگنے والوں نے انہیں اپنے قدموں میں روند دیا تھا۔ پوری عوام کے چہرے دہشت و خوف سے زرد ہو چکے تھے اور یہ مناظر لائیو دیکھ کر ڈاکٹر بلیک مکروہ انداز میں مسکرا رہا تھا۔ قہقہے لگا رہا تھا۔ خونی اور شیطانی قہقہے۔

''بھاگ رہے ہو موت سے بھاگ رہے ہو۔ بھلا موت سے بھی کوئی بھاگ سکتا ہے۔ ہاہاہا''...... ڈاکٹر بلیک نے ان مناظر کو دیکھا اور پھر وہ قہقہے لگانے لگا۔ وہ کافی دیر تک پاگلوں کی طرح قہقہے لگاتا رہا۔ ڈاکٹر بلیک کے قہقہے تھمے تو اس نے ایک بار پھر ٹی وی سکرین کی طرف دیکھا۔ اب ایکریمیا کے دارالحکومت میں ہیلی کاپٹر گشت کرتے دکھائی دے رہے تھے۔ دارالحکومت کی فضائی نگرانی شروع کر دی گئی تھی۔

دوسری طرف ایٹم بم تلاش کرنے والے ماہرین کی کئی ٹیمیں مصروف عمل ہو چکی تھیں۔ وہ ایٹم بم کو تلاش کر کے ناکارہ کر سکتے تھے لیکن وہ اس جگہ کے بارے میں نہیں جانتے تھے جہاں ایٹم بم نصب کیا گیا تھا۔ بس وہ اپنی کوششیں کر رہے تھے لیکن وہ بھی مایوسی کا شکار ہو چکے تھے۔ جیسے جیسے وقت گزر رہا تھا ویسے ویسے ماہرین کی پریشانیوں میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ حکومت نے ان ماہرین کو بچانے کے خصوصی انتظامات کئے تھے۔ ڈاکٹر بلیک کے

بتائے ہوئے وقت سے ایک گھنٹے پہلے ہی ان ماہرین کو ہیلی کاپٹرز میں بٹھا کر دور لے جایا جانا تھا۔

یہ تو خصوصی انتظامات تھے جو خاص افراد کے لئے تھے لیکن عام افراد کو بچانے کے لئے وسیع انتظامات کی ضرورت تھی اور اتنے بڑے پیمانے پر انتظامات کرنا حکومت کے بس میں نہیں تھا۔ حکومتی ارکان کے دماغ ماؤف ہو چکے تھے۔ حکومتی مشینری جام ہو گئی تھی۔ ایکریمیا میں اس وقت قیامت کا منظر دکھائی دے رہا تھا۔ ڈاکٹر بلیک کافی دیر تک یہ مناظر دیکھتا رہا پھر اس نے دو بٹن اور پریس کئے۔ ان بٹنوں کے پریس ہوتے ہی ٹی وی سکرین پر ایک گھڑی دکھائی دینے لگی۔ یہ گھڑی ایٹم بم سے منسلک تھی۔ اس پر تیس گھنٹے فکس کئے گئے تھے جو نفی ہو رہے تھے۔ اب تک تین گھنٹے نفی ہو چکے تھے۔ یہ گھڑی جی اے ٹی وی چینل کی نشریات کے دوران نظر آنے لگی تھی اور چونکہ دنیا بھر کے ٹی وی چینل اس وقت جی اے ٹی وی کی نشریات دکھا رہے تھے اس لئے یہ گھڑی پوری دنیا میں نظر آ رہی تھی۔ جی اے ٹی وی نے خصوصی انتظامات کئے تھے۔ سیٹلائٹ کے ذریعے فلوایا اور دارالحکومت کے مناظر واضح دکھا رہے تھے۔

ڈاکٹر بلیک کافی دیر تک وہاں بیٹھا رہا پھر وہ وہاں سے اٹھا۔ وہ اپنے مختلف کمروں میں گھومتا رہا۔ مشینوں کو چیک کرتا رہا پھر سو گیا۔ پھر وہ دوبارہ مخصوص کمرے میں داخل ہوا تو ایٹم بم پھٹنے میں

صرف آدھا گھنٹہ باقی تھا۔ اس نے ٹی وی سکرین کو دیکھا تو اس کے چہرے پر زہریلی مسکراہٹ آ گئی۔ ٹی وی سکرین پر اب بھی فلوایا اور ایکریمی دارالحکومت کے مناظر دکھائی دے رہے تھے۔ فلوایا تو قبرستان کا سا منظر پیش کر رہا تھا البتہ دارالحکومت میں لوگوں کا اژدھام تھا لیکن ان لوگوں کے چہرے موت کے خوف کی وجہ سے سفید پڑ چکے تھے۔ کئی لوگوں نے خندقیں کھود لی تھیں اور وہ ان میں پناہ لئے ہوئے تھے۔ کئی لوگ زمین پر لیٹے ہوئے تھے۔ بہت سے لوگ ایسے بھی تھے جو ابھی تک بدحواسی کے عالم میں بھاگتے ہوئے دکھائی دے رہے تھے۔ وہ چند میٹرز تک ایک طرف بھاگتے، پھر رک کر ادھر ادھر دیکھتے۔ اس کے بعد واپس بھاگتے ہوئے آتے۔ لگتا تھا کہ موت کی دہشت نے انہیں پاگل کر دیا ہو۔

’’ہاہاہا۔ چوہے، موت سے خوفزدہ ہو کر کس طرح دوڑ رہے ہیں۔ اوئے۔ اس طرح دوڑنے سے کیا موت تم پر ترس کھا کر تمہیں چھوڑ دے گی۔ نہیں چھوڑے گی۔ موت کا ظالم شکنجہ تمہاری گردنیں دبانے کے لئے بالکل تیار ہے۔ اب صرف چند منٹ باقی ہیں۔ صرف چند منٹ۔ چوہو۔ بھاگو دوڑو اور زیادہ تیز بھاگو اور تیز، اور تیز۔ ہاہاہا‘‘...... ڈاکٹر بلیک نے تیز لہجے میں کہا اور پھر وہ ہذیانی انداز میں قہقہے لگانے لگا۔ اسے موت سے پہلے کا یہ منظر بہت ہی اچھا لگ رہا تھا وہ اس منظر کو انجوائے کر رہا تھا۔ تیس گھنٹے پورے ہونے والے تھے۔ ٹی وی سکرین پر گھڑی کے ساتھ

ہی ایک سرخ رنگ کا بلب نمودار ہو گیا تھا۔ یہ بلب تیزی سے جل بجھ رہا تھا۔ اچانک ہی ڈاکٹر بلیک کا چہرہ پتھروں کی مانند سخت ہو گیا۔ اس کی آنکھوں کی سرخی میں اضافہ ہو گیا۔ اس کی آنکھوں سے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے وہاں دو سرخ بلب روشن ہو گئے ہوں۔ تباہی، قیامت خیز تباہی۔ اب منٹوں کی نہیں بلکہ سیکنڈوں کی دوری پر تھی۔ پھر جیسے ہی تیس گھنٹے پورے ہوئے ٹی وی سکرین پر یکا یک آگ کا ایک طوفان سا اٹھتا ہوا دکھائی دیا اور آناً فاناً کالے دھوئیں نے ہر چیز کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ ڈاکٹر بلیک قہقہے لگانے لگا۔ خون میں ڈوبے ہوئے قہقہے۔ بھیانک موت کے بھیانک قہقہے۔

عمران نے کار سرسلطان کی سرکاری کوٹھی کے گیٹ پر روکی۔ گیٹ پر ایک سیکورٹی گارڈ کھڑا تھا۔ اسے دیکھ کر عمران کار سے نیچے اترا۔ یہ سیکورٹی گارڈ نیا تھا اور عمران سے واقف نہیں تھا۔ سیکورٹی گارڈ کو ہدایت کی گئی تھی کہ کوٹھی پر جو بھی ملاقاتی آئے اس کے ساتھ مؤدبانہ انداز میں گفتگو کی جائے اس لئے جیسے ہی عمران کار سے نیچے اترا سیکورٹی گارڈ نے مؤدبانہ انداز میں اسے سلام کیا۔ عمران نے اس کے سلام کے جواب میں خالصتاً لکھنوی انداز اپنایا۔ وہ ہاتھ ہلا ہلا کر اور سر جھکا جھکا کر سیکورٹی گارڈ کو آداب کرنے لگا۔ سیکورٹی گارڈ کو سرسلطان کے کسی ملاقاتی سے اس انداز کی قطعاً امید نہیں تھی اس لئے وہ یکدم پریشان ہو گیا اور حیران و پریشان نظروں سے عمران کو دیکھنے لگا۔

”محترم جناب اعلیٰ حضرت اعلیٰ افسر صاحب۔ آپ کے مزاج گرامی کیسے ہیں“...... عمران نے لکھنوی لب و لہجے میں کہا تو بے

چارہ سیکورٹی گارڈ اور زیادہ پریشان ہو گیا۔

''سر۔ آپ''...... پریشانی کی وجہ سے وہ بے چارہ اپنی بات بھی پوری نہیں کر سکا۔

''اعلیٰ حضرت۔ سر تو آپ ہیں۔ ہم تو قدم ہیں بلکہ قدموں کی دھول ہیں''...... عمران نے عاجزانہ لہجے میں کہا پھر اس نے جیب سے چیونگم کا ایک پیکٹ نکالا۔ ریپر کھول کر چیونگم منہ میں ڈالا اور خالی ریپر سیکورٹی گارڈ کے ہاتھ میں دے دیا۔ عمران کی اس حرکت نے اس بے چارے کو اور زیادہ پریشان کر دیا۔

''جناب۔ آپ کون ہیں اور آپ کو کس سے ملنا ہے''۔ سیکورٹی گارڈ نے پریشان لہجے میں کہا۔

''جو صاحب اس بنگلے میں رہتے ہیں ہمیں ان سے ہی ملنا ہے۔ بھلا کیا نام ہے ان صاحب کا''...... عمران نے کہا تو سیکورٹی گارڈ سمجھ گیا کہ یہ نوجوان سرسلطان کا ملنے والا نہیں ہے بلکہ کوئی ایسا احمق ہے جسے کسی نے بے وقوف بنا کر یہاں بھیج دیا ہے اس لئے اس نے اب سخت لہجہ اپنانے کا فیصلہ کیا۔

''یہ بنگلہ جس صاحب کا بھی ہے لیکن تم اس میں داخل نہیں ہو سکتے۔ چلو بھاگو یہاں سے''...... سیکورٹی گارڈ نے سخت لہجے میں کہا تو عمران اسے اس طرح دیکھنے لگا جیسے اسے سیکورٹی گارڈ کے رویئے کی تبدیلی پر حیرت ہو رہی ہو۔

''لل۔ لل۔ لیکن۔ سس۔ سس۔ سر''...... عمران نے حیرت کی

شدت سے ہکلاتے ہوئے کہا۔

''لیکن ویکن کچھ نہیں ہے۔ بھاگو یہاں سے ورنہ گولی مار دوں گا''...... سیکورٹی گارڈ نے اور زیادہ سخت لہجے میں کہا۔

''بلال خان۔ کیا بات ہے۔ کس سے الجھ رہے ہو''...... عمران کو بابا کرم دین کی آواز سنائی دی۔ بابا کرم دین سرسلطان کے پرانے ملازم تھے۔ اس آواز کے ساتھ ہی گیٹ کی ذیلی کھڑکی کھلی اور بابا کرم دین کا چہرہ دکھائی دیا۔

''بابا۔ یہ۔ یہ''...... سیکورٹی گارڈ جس کا نام بابا کرم دین نے بلال خان لیا تھا، نے عمران کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا لیکن اس کی بات مکمل ہونے سے پہلے بابا کرم دین نے عمران کو دیکھ لیا اور اس نے بلال خان کی بات مکمل نہ ہونے دی۔

''السلام علیکم۔ چھوٹے صاحب۔ آپ یہاں کیوں کھڑے ہیں۔ بڑے صاحب بہت بے چینی سے آپ کا انتظار کر رہے ہیں اور بلال خان۔ میں نے تم سے کہا تھا کہ جیسے ہی چھوٹے صاحب آئیں تم نے انہیں فوراً اندر بھیجنا ہے۔ تم نے انہیں یہاں گیٹ پر روکا ہوا ہے اور ان سے تم کس لہجے میں بات کر رہے تھے''...... بابا کرم دین نے پہلے عمران سے اور پھر سیکورٹی گارڈ سے کہا تو وہ یکدم بوکھلا گیا۔

''اوہ۔ اوہ۔ یہ چھوٹے صاحب ہیں۔ لیکن۔ لیکن''...... بلال خان نے اس مرتبہ گھبرائے ہوئے لہجے میں کہا۔

''اب منہ کیا دیکھ رہے ہو۔ گیٹ کھولو تاکہ چھوٹے صاحب اندر آسکیں''...... بابا کرم دین نے بدستور سخت لہجے میں کہا تو بلال خان اور زیادہ پریشان ہو گیا۔ اس نے فوراً ہی گیٹ کھول دیا۔

''سس۔ سس۔ سوری سر۔ آیئے سر۔ تشریف لایئے''...... اس نے گھبرائے ہوئے لہجے میں عمران سے کہا۔

''لیکن میرا نام سس سس۔ سوری سر تو نہیں ہے''...... عمران نے حیرت بھرے لہجے میں کہا۔

''چھوٹے صاحب۔ جلدی آیئے۔ بڑے صاحب انتہائی بے چینی سے آپ کا انتظار کر رہے ہیں''...... اس سے پہلے کہ بلال خان عمران کی بات کے جواب میں کچھ کہتا بابا کرم دین نے منت بھرے لہجے میں عمران سے کہا۔

''ہائیں۔ کیا اب سلطان بھی بے چین ہونے لگے ہیں''۔ عمران نے بابا کرم دین سے بھی حیرت بھرے لہجے میں کہا۔

''آیئے چھوٹے صاحب آیئے۔ بلال خان۔ تم صاحب کی گاڑی اندر لے آؤ''...... بابا کرم دین نے پہلے عمران سے اور پھر سیکورٹی گارڈ سے کہا اور اس کے ساتھ ہی وہ مڑا اور آگے بڑھنے لگا۔ سیکورٹی گارڈ بلال خان بے چارہ ہونق بنا کھڑا تھا۔ عمران نے جیب سے چیونگم کا ایک پیکٹ اور نکالا۔ ریپر اتار کر اس نے چیونگم منہ میں ڈالا اور ریپر سیکورٹی گارڈ کے ہاتھ میں دے دیا اور پھر وہ بابا کرم دین کے پیچھے دوڑا۔ بے چارے سیکورٹی گارڈ کی حالت

دیکھنے والی تھی۔

''بڑے صاحب ریڈنگ روم میں ہیں۔ آپ وہیں تشریف لے جایئے''...... بابا کرم دین نے کہا تو عمران نے اثبات میں سر ہلایا اور پھر وہ سر سلطان کے ریڈنگ روم میں پہنچ گیا۔ سر سلطان کرسی پر بیٹھے تھے اور ان کی آنکھیں بند تھیں۔ ان کے چہرے سے صاف محسوس ہو رہا تھا کہ وہ سوچوں میں گم ہیں۔ عمران ریڈنگ روم میں داخل ہوا تو سر سلطان کو محسوس ہو گیا۔ انہوں نے آنکھیں کھول کر عمران کی طرف دیکھا اور ان کے چہرے پر مسکراہٹ آ گئی۔

''السلام علیکم''...... عمران نے سلام کیا تو سر سلطان نے اس کے سلام کا جواب دیا۔

''بیٹھو عمران بیٹے''...... سر سلطان نے کہا تو عمران دوسری کرسی پر بیٹھ گیا۔

''تم ڈاکٹر بلیک کو جانتے ہو''...... عمران کے کرسی پر بیٹھ جانے کے بعد سر سلطان نے گفتگو کا آغاز کرتے ہوئے کہا۔

''جی ہاں۔ ڈاکٹر بلیک ایک ایسا سائنس دان ہے جس کا ذہنی توازن بگڑ گیا ہے۔ اس نے ایکریمیا کے کروڑوں معصوم اور بے گناہ افراد کو موت کے گھاٹ اتار دیا ہے اور اس نے آپ کو بھی موت کی دھمکی دی ہوئی ہے اور اگر اس کے بتائے ہوئے وقت کے مطابق خدانخواستہ آپ کی موت واقع ہو گئی تو پاکیشیا کے بھی کروڑوں لوگ بے گناہ مارے جائیں گے لیکن کیا آپ اس کی

دھمکی کی وجہ سے پریشان ہیں''...... عمران نے سنجیدہ لہجے میں کہا۔
اسی وقت کمرے کا دروازہ کھلا اور بابا کرم دین چائے کے برتن
لئے اندر داخل ہوا۔

''نہیں۔ میں موت سے خوفزدہ نہیں ہوں۔ الحمدللہ۔ میں
مسلمان ہوں اور موت و حیات پر میرا ایمان ہے۔ جو رات میں
نے قبر میں گزارنی ہے وہ میں باہر نہیں گزار سکتا۔ دنیا بھر کی تمام
طاقتیں مل کر مجھے بچانے کی جس قدر چاہیں کوشش کر لیں۔ اسی
طرح اگر ابھی میری موت کا وقت نہیں آیا تو ایک ڈاکٹر بلیک کیا
اس جیسے ایک لاکھ ڈاکٹر بلیک بھی آ جائیں تو وہ میرا کچھ نہیں بگاڑ
سکتے۔ میرا اللہ سب سے بڑا اور سب سے طاقتور ہے۔ زندگی دینے
والا اور زندگی واپس لینے والا صرف وہی ہے''...... سر سلطان نے
مضبوط لہجے میں کہا تو عمران کے چہرے پر مسکراہٹ آ گئی۔ بابا کرم
دین اس دوران ان کے سامنے چائے رکھ کر باہر چلا گیا۔

''آپ کے خیالات سن کر مجھے خوشی ہو رہی ہے''...... عمران
نے مسکراتے ہوئے کہا اور چائے کا کپ اٹھا لیا۔

''یہ صرف میرا ہی عقیدہ نہیں ہے عمران بیٹے بلکہ یہ ہر مسلمان کا
عقیدہ ہے اور اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو اس عقیدے پر قائم و دائم
رکھے''...... سر سلطان نے دعائیہ انداز میں کہا۔

''آمین''...... عمران نے فوراً ہی کہا۔

''عمران بیٹے۔ جرائم دنیا بھر میں ہوتے ہیں اور دنیا بھر میں

ان جرائم کا سدباب بھی کیا جاتا ہے اور مجرموں کو ان کے کئے کی
سزائیں بھی دی جاتی ہیں۔ ڈاکٹر بلیک بھی ایک مجرم ہے۔ وہ
کروڑوں انسانوں کا قاتل ہے۔ تم نے اس کے بارے میں کیا
سوچا ہے''...... سر سلطان نے سنجیدہ لہجے میں کہا۔

''ابھی تو میں نے کچھ نہیں سوچا اور میں اس وقت تک کچھ سوچ
بھی نہیں سکتا جب تک دو تین سگریٹ نہ پی لوں لیکن میں سگریٹ
تو لایا ہی نہیں۔ خیر آپ کی بڑی ٹیبل کی دراز میں جو سگریٹ رکھے
ہیں میں ان میں سے ایک سگریٹ لے لیتا ہوں اور اس کے بعد
ڈاکٹر بلیک کے بارے میں سوچتا ہوں''...... عمران نے کہا تو
سر سلطان کا منہ حیرت سے کھل گیا۔ وہ جانتے تھے کہ عمران سگریٹ
نہیں پیتا اور نہ ہی ان کی ٹیبل کی دراز میں سگریٹ موجود ہیں
کیونکہ وہ خود بھی سموکر نہیں تھے۔ پھر انہوں نے کچھ کہنا چاہا لیکن
ان کے کہنے سے پہلے ہی عمران کرسی سے اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ وہ
انتہائی تیزی سے ٹیبل کی طرف بڑھا۔ پھر جیسے ہی وہ ٹیبل کے
قریب پہنچا وہ بجلی کی سی تیزی سے حرکت میں آیا اس نے ایک
جھٹکے سے کھڑکی کھولی اور پھر ایک آدمی اڑتا ہوا کمرے میں آ گرا۔
آدمی کھڑکی سے کان لگائے کھڑا تھا۔ عمران نے اسے گردن سے
پکڑ کر اندر کھینچ لیا تھا۔ جیسے ہی وہ قالین پر آ کر گرا اس نے اٹھنے
کی کوشش کی لیکن عمران نے اس کی پسلیوں میں ٹھوکر رسید کر دی۔
اس کے منہ سے ایک چیخ بلند ہوئی۔ عمران نے ایک ہی لمحے میں

اس کا جائزہ لے لیا تھا۔ وہ ملازم ٹائپ آدمی تھا۔ اسے ٹھوکر مارنے کے بعد عمران واپس کرسی پر بیٹھ گیا لیکن اب اس کے ہاتھ میں ریوالور تھا۔ سرسلطان اس سچوئیشن پر انتہائی حیران تھے۔

"اپنے ہاتھ سر پر رکھ لو اور خاموشی سے کھڑے ہو جاؤ۔ اگر تم نے کوئی حرکت کرنے کی کوشش کی تو اس ریوالور کی ساری گولیاں تمہارے ماتھے میں گھس جائیں گی"...... عمران نے کرخت لہجے میں کہا تو اس آدمی نے عمران کے کہنے پر عمل کیا۔

"انکل۔ کون ہے یہ"...... عمران نے سرسلطان سے پوچھا جن کے چہرے پر ابھی تک حیرت کے تاثرات موجود تھے۔

"یہ۔ یہ کمال ہے۔ ملازم ہے ہمارا"...... سرسلطان نے کہا۔

"کب سے ملازم ہے یہ۔ میں نے تو اسے پہلے کبھی نہیں دیکھا"...... اس مرتبہ عمران نے حیران ہو کر کہا۔

"یہ آج ہی آیا ہے۔ ہمارے دفتر میں ایک اردلی تھا۔ پچھلے سال اس کا انتقال ہو گیا تھا۔ یہ اس کا بیٹا ہے۔ اس نے آ کر بتایا کہ ان کے حالات بہت خراب ہیں لہٰذا میں اسے دفتر میں ملازم رکھ لوں۔ دفتر میں ابھی کوئی سیٹ نہیں تھی اس لئے اسے کوٹھی پر رکھ لیا"...... سرسلطان نے کہا۔

"ہاں تو مسٹر کمال۔ اب تم بتاؤ کہ تم ہماری باتیں کس خوشی میں سن رہے تھے"...... عمران نے ملازم سے پوچھا۔

"نہیں صاحب۔ آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے۔ میں آپ کی باتیں

نہیں سن رہا تھا"...... کمال نے کہا۔

"اچھا اچھا۔ تمہارے کان میں خارش ہو رہی تھی اور تم کھڑکی سے کان کھجا رہے تھے"...... عمران نے سر ہلاتے ہوئے کہا تو کمال نے اسے حیرت سے دیکھا۔ پہلے عمران کا لہجہ کرخت تھا اور اب وہ میٹھے انداز میں بات کر رہا تھا اور کمال کو اسی بات پر حیرت ہو رہی تھی۔

"نن۔ نن۔ نہیں صاحب۔ ایسی بھی کوئی بات نہیں ہے"۔ کمال نے کہا تو عمران کرسی سے کھڑا ہو گیا۔

"پھر کیا تم کڑک ہو گئے تھے اور کھڑکی کے پاس انڈا دینے گئے تھے"...... عمران نے ایک مرتبہ پھر سخت لہجے میں کہا۔

"نہیں صاحب۔ یہ بات بھی نہیں ہے۔ میں تو وہاں صفائی کرنے گیا تھا۔ کھڑکی پر پنسل سے کوئی نشان بنا ہوا تھا میں اسے صاف کر رہا تھا اور آپ نجانے کیا سمجھ بیٹھے"...... کمال نے اس مرتبہ منہ بنا کر کہا جیسے ہی اس کی بات مکمل ہوئی عمران کا بازو گھوما اور کمرہ چٹاخ کی آواز سے گونج اٹھا۔ عمران نے پوری قوت سے کمال کے منہ پر تھپڑ مارا تھا۔ تھپڑ کھا کر وہ لڑکھڑا گیا۔ اس کا ہونٹ اور گال پھٹ گیا اور وہاں سے خون رسنے لگا۔

"جلدی بولو ورنہ تمہاری لاش کا بھی نام و نشان نہیں ملے گا"...... عمران نے اتنے سرد لہجے میں کہا کہ سرسلطان کو اپنے جسم میں سردی کی لہر دوڑتی ہوئی محسوس ہوئی۔

''میں کچھ نہیں جانتا۔ مجھے کچھ نہیں معلوم۔ میں تو یہاں ملازمت کرنے آیا ہوں اور آپ نجانے کیا سمجھ رہے ہیں۔ کاش میں آتا ہی نہ۔ میں کہاں آ کر پھنس گیا ہوں''...... کمال نے اس مرتبہ روتے ہوئے کہا۔ اس کو روتے ہوئے دیکھ کر سرسلطان کا دل پسیج گیا جبکہ عمران نے اس کے منہ پر ایک مکا رسید کر دیا۔ مکا کھا کر وہ نیچے گر گیا۔ سرسلطان عمران کو منع کرنا چاہتے تھے لیکن اس وقت عمران کے چہرے پر جو تاثرات تھے انہیں دیکھ کر وہ ہمت ہی نہیں کر پائے کہ عمران کو روکیں۔ کمال نیچے گرا تو عمران نے آگے بڑھ کر اس کی پسلیوں میں ٹھوکر مارنی چاہی جیسے ہی عمران کی لات حرکت میں آئی کمال نے عمران کا پاؤں پکڑ کر گھما دیا۔ جس سے عمران توازن برقرار نہ رکھ سکا۔ اسے امید ہی نہیں تھی کہ یہ ملازم ٹائپ کمال یہ حرکت کرے گا۔ لہٰذا توازن بگڑنے کی وجہ سے وہ فرش پر گر گیا۔ کمال فوری طور پر اٹھا اور اس نے دروازے کی طرف دوڑ لگائی۔ عمران نے لیٹے لیٹے ہی جمپ لگایا اور کسی پرندے کی مانند اڑتا ہوا کمال پر جا گرا جو دروازے کے بالکل قریب پہنچ گیا تھا۔ عمران اسے ساتھ لیتا ہوا فرش پر آ گرا۔ اسے نیچے گراتے ہی عمران نے اس کی پسلیوں اور منہ پر مکوں کی بارش کر دی۔ اس کی چیخیں بلند ہونے لگیں چونکہ وہ تربیت یافتہ ایجنٹ نہیں تھا اس لئے عمران اسے ہلکے مکے مار رہا تھا ورنہ تو وہ عمران کا ایک مکا بھی برداشت نہیں کرسکتا تھا۔ چند مکے مارنے کے بعد عمران کھڑا ہو گیا

اور اس نے کمال کا گریبان پکڑ کر اسے بھی کھڑا کر دیا۔

''بولو۔ میرے سوالوں کے جواب دو گے''...... عمران نے کرخت لہجے میں اس سے کہا۔

''مجھے کچھ معلوم ہو گا تو میں جواب دوں گا نا۔ تم مجھے نجانے کیا سمجھ کے مارے جا رہے ہو''...... کمال نے ہچکیاں لے کر روتے ہوئے کہا تو عمران اس کی اداکاری پر عش عش کر اٹھا۔ وہ سمجھ رہا تھا کہ کمال کے کس بل نکل گئے ہوں گے لیکن وہ عمران کی توقع سے کہیں زیادہ سخت جان ثابت ہوا تھا۔

''عمران بیٹے۔ ہوسکتا ہے کہ یہ ٹھیک کہہ رہا ہو۔ جو کچھ تم اسے سمجھ رہے ہو یہ وہ نہ ہو''...... کمال کے بری طرح رونے سے متاثر ہو کر سرسلطان نے کہا تو عمران کے چہرے پر طنزیہ مسکراہٹ آ گئی۔

''یہ ابھی بولے گا اور فرفر بولے گا۔ میری نرمی کی وجہ سے اس نے ابھی تک زبان نہیں کھولی''...... عمران نے طنزاً کہا۔ اس کے ساتھ ہی اس کے ہاتھ میں ایک بار پھر ریوالور نظر آنے لگا۔ عمران نے ریوالور اپنی انگلی پر گھمایا اور کمال کی آنکھوں میں دیکھا۔ ریوالور دیکھ کر وہ کچھ خوفزدہ سا ہو گیا تھا۔ پھر عمران نے ریوالور کا رخ اس کی طرف کر کے ٹریگر دبا دیا۔ ایک خوفناک دھماکہ ہوا کمال کی چیخ بلند ہوئی اور وہ الٹ کر گر گیا۔ گولی نے صرف اس کے کان کی لو اڑائی تھی۔

''اٹھ کر کھڑے ہو جاؤ کمال۔ میں نے تمہارے کان کا کچھ حصہ اڑایا ہے۔ میں چاہتا تو تمہاری کھوپڑی بھی اڑ جاتی''۔ عمران نے غراتے ہوئے کہا۔ کمال اٹھ کر کھڑا ہو گیا اور خود کو ایسے دیکھنے لگا جیسے اسے اپنے زندہ بچ جانے کا یقین نہ ہو رہا ہو۔

''اب جو گولی چلے گی وہ تمہاری کھوپڑی کے پرخچے اڑا دے گی۔ میں تین تک گنوں گا۔ تین کے بعد گولی چل جائے گی''۔ عمران نے بدستور غراتے ہوئے کہا۔ کمال اب کافی خوفزدہ ہو گیا تھا۔ خوف کی وجہ سے اس کے چہرے پر پسینہ آ گیا تھا۔

''ایک۔ دو''...... عمران نے گنتی شروع کی۔

''بب۔ بب۔ بتاتا ہوں۔ بتاتا ہوں''...... دو سنتے ہی کمال نے چیخ کر کہا۔

''ہاں بولو۔ تم ہماری باتیں سن رہے تھے''...... عمران نے ایک بار پھر کرخت لہجے میں کہا۔

''ہاں۔ میں کھڑکی سے لگا تم لوگوں کی باتیں سن رہا تھا''۔ کمال نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کہا تو سرسلطان نے ہونٹ بھینچ لئے۔ وہ سادہ سے انسان تھے۔ کمال کو روتے دیکھ کر متاثر ہو گئے تھے۔

''کیوں''...... عمران نے سخت لہجے میں کہا۔

''میں تمہارے ہر سوال کا جواب دینے کے لئے تیار ہوں لیکن مجھے سگریٹ کی شدید طلب ہو رہی ہے۔ اگر تم اجازت دو تو میں دو

چار کش سگریٹ کے لے لوں''...... کمال نے منت بھرے لہجے میں کہا۔

''او کے''...... عمران نے کہا تو کمال نے جیب میں ہاتھ ڈال کر سگریٹ کا ایک پیکٹ نکالا اور اس میں سے ایک سگریٹ منتخب کر کے ہونٹوں میں دبا لی۔

''ماچس نہیں ہے میرے پاس۔ کیا تم مجھے ماچس دو گے''۔ کمال نے سگریٹ کا فلٹر دانتوں سے چباتے ہوئے کہا۔

''ہم سگریٹ نہیں پیتے اس لئے ماچس ہمارے پاس بھی نہیں ہے''...... عمران نے اسے غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔ پھر اسی لمحے وہ بری طرح چونکا۔ اس نے کمال کو لہراتے ہوئے دیکھا۔ کمال دائیں بائیں لہرایا اور پھر وہ نیچے گرتا چلا گیا۔ عمران تیزی سے اس کے قریب پہنچا۔ وہ آخری سانسیں لے رہا تھا۔ اس کا چہرہ نیلا پڑتا جا رہا تھا۔ پھر دیکھتے ہی دیکھتے اس نے ہچکی لی اور اس کی آنکھیں بے نور ہوتی چلی گئیں۔

''یہ۔ یہ کیسے مر گیا ہے عمران بیٹے''...... سرسلطان نے حیرت بھرے لہجے میں پوچھا۔

''سریع الاثر زہر سے جو اس کے سگریٹ میں تھا۔ مجھے تو یہ موت کے خوف سے سہما ہوا لگ رہا تھا لیکن اس نے خودکشی کر لی ہے۔ کمال ہے''...... عمران نے حیرت بھرے لہجے میں کہا۔

''اس کا خیال ہو گا کہ تم اسے اذیت ناک موت مارو گے اس

لئے اس نے آسان موت کا انتخاب کیا''...... سر سلطان نے کہا تو عمران نے اثبات میں سر ہلایا۔

''کیا یہ ڈاکٹر بلیک کا آدمی ہو سکتا ہے۔ نہیں۔ ڈی سوزا کی موت سے یہ ظاہر ہو رہا ہے کہ ڈاکٹر بلیک اپنی سائنسی ایجادات سے تو کام لے رہا ہے لیکن اس نے کہیں کسی انسان سے کام نہیں لیا۔ پھر یہ کس کا آدمی ہو سکتا ہے''...... عمران نے سوچتے ہوئے اور بڑبڑاتے ہوئے کہا۔ اس کی یہ بڑبڑاہٹ سر سلطان نے بھی سن لی۔

''اگر یہ ڈاکٹر بلیک کا آدمی نہیں ہے تو پھر یہ ڈیتھ ماسٹر کا آدمی ہو گا''...... سر سلطان نے کہا تو عمران چونک پڑا۔

''ڈیتھ ماسٹر کا۔ لیکن ڈیتھ ماسٹر کا آپ سے کیا رشتہ ہے''۔ عمران نے حیرت بھرے لہجے میں کہا۔

''ڈیتھ ماسٹر سے رشتہ۔ میرا بھلا اس سے کیا رشتہ ہو سکتا ہے''...... سر سلطان نے غصیلے لہجے میں کہا۔

''میرا مطلب یہ ہے کہ آپ کا اس سے کیا تعلق ہے۔ آپ یہ نام کیسے جانتے ہیں''...... عمران نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''کل رات کوٹھی پر ایک آدمی مجھ سے ملنے آیا تھا۔ میں اس سے ملا تو اس نے مجھ سے کہا کہ اسے فائل آئی ٹن کی ضرورت ہے لہٰذا میں اسے فائل آئی ٹن اور اس کی ڈی کوڈ فائل اسے دے دوں اس کے عوض وہ مجھے دو کروڑ ڈالرز دینے پر تیار تھا۔ میں نے سختی سے انکار کیا تو اس نے بتایا کہ وہ ڈیتھ ماسٹر کا آدمی ہے اور اگر

میں نے دو کروڑ ڈالرز کے عوض یہ دونوں فائلیں اس کے حوالے نہ کیں تو وہ مجھے اور میرے اہل خانہ کو ہلاک کر دے گا اور فائلیں کسی اور ذریعے سے حاصل کر لے گا''...... سر سلطان نے کہا۔

''ہونہہ۔ تو ڈیتھ ماسٹر کا اصل مشن آئی ٹن فائل حاصل کرنا ہے''...... عمران نے ہنکارہ بھرتے ہوئے کہا۔

''کون ہے یہ ڈیتھ ماسٹر''...... اب سر سلطان نے پوچھا۔

''مجرموں کی ایک عالمی تنظیم ہے ڈیتھ لائن۔ یہ مجرم تنظیم ہر قسم کے جرائم میں ملوث ہے لیکن اونچے پیمانے پر۔ اس ڈیتھ لائن کے چیف کا نام ڈیتھ ماسٹر ہے''...... عمران نے کہا۔

''فائل آئی ٹن سیکرٹ ریکارڈ روم میں ہے اور ڈی کوڈ فائل دانش منزل میں ہے اس لئے فائل کو تو کوئی خطرہ نہیں ہے''۔ سر سلطان نے کہا۔

''فائل کو کوئی خطرہ نہیں لیکن آنٹی کو شدید خطرہ ہے۔ آپ انہیں گاؤں بھجوا دیں''...... عمران نے سنجیدہ لہجے میں کہا۔

''یعنی میں ایک مجرم سے خوفزدہ ہو جاؤں''...... سر سلطان نے غصیلے لہجے میں کہا۔

''نہیں۔ ڈر خوف کی وجہ سے نہیں بلکہ مصلحت کی وجہ سے''۔ عمران نے بدستور سنجیدہ لہجے میں کہا۔

''اگر تمہیں یہ اندیشہ ہو کہ میں کہیں تمہاری آنٹی کی وجہ سے مجبور نہ ہو جاؤں تو تمہارا اندیشہ غلط ہے۔ مجھے اپنی اور تمہاری آنٹی

کی جان عزیز نہیں ہے اپنے ملک کی حرمت عزیز ہے''۔ سرسلطان نے کہا۔

''میں یہ بات اچھی طرح جانتا ہوں لیکن میں درخواست کر رہا ہوں اور اگر آپ مجھے اپنا بیٹا سمجھتے ہیں تو میری اس بات کو ضرور مانیں گے''...... عمران نے کہا تو سرسلطان سوچنے لگے۔

''اوکے۔ تم اتنا اصرار کر رہے ہو تو اس کی بھی وجہ ہو گی''۔ سرسلطان نے دھیمے لہجے میں کہا۔

''تھینک یو انکل۔ یہ ڈیتھ ماسٹر اپنا مقصد حاصل کرنے کے لئے بیک وقت کئی ذرائع اور طریقے استعمال کرتا ہے اور اس کا کوئی نہ کوئی طریقہ کامیاب ہو ہی جاتا ہے۔ یہاں بھی وہ اپنے طریقہ کار کے مطابق مختلف ذرائع سے اس فائل کے حصول کے لئے کوشاں ہے''...... عمران نے کہا۔

''اور کیا کچھ کر رہا ہے یہ ڈیتھ ماسٹر''...... سرسلطان نے پوچھا۔

''اس کے آدمی سائنس ڈیپارٹمنٹ کے آفس سپرنٹنڈنٹ مشتاق احمد کو کور کئے ہوئے تھے اور یہ اتفاق ہے کہ وہ میری نظروں میں آ گئے لیکن مجھے ان کا مقصد معلوم نہیں تھا۔ ان کا مقصد آپ سے معلوم ہو گیا''...... عمران نے کہا۔

''ڈیتھ ماسٹر اور اس کی تنظیم اس وقت پاکیشیا میں موجود ہے اور مجھے یقین ہے کہ تم انہیں گھیر بھی لو گے۔ ڈیتھ ماسٹر کا انجام اسے پاکیشیا میں کھینچ کے لایا ہے لیکن ڈاکٹر بلیک کے بارے میں تم

نے کیا سوچا ہے''...... سرسلطان نے کہا۔

''میں نے اس کے بارے میں کیا سوچنا ہے۔ بڑی طاقتیں اس کے بارے میں نہ صرف سوچ رہی ہیں بلکہ اس کے خلاف حرکت میں بھی آ چکی ہیں۔ ایک آدھ دن میں وہ بھی اپنے انجام کو پہنچ جائے گا''...... عمران نے لاپرواہی سے کہا۔

''اگر تم اس کے خلاف ایکشن لیتے تو میں مطمئن ہو جاتا''۔ سرسلطان نے کہا۔

''ڈاکٹر بلیک کے خلاف کام کرنے کے لئے مجھے پاکیشیا سے باہر جانا پڑے گا جبکہ اس وقت حالات ایسے نہیں ہیں کہ میں ملک سے باہر جاؤں۔ اگر میں ملک سے باہر چلا جاؤں تو اس کا فائدہ ڈیتھ لائن کو ہو گا''...... عمران نے کہا تو سرسلطان نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

''دنیا کی بڑی طاقتوں نے ڈاکٹر بلیک کی تلاش کے لئے بہت سے سپر ایجنٹوں کو متحرک کیا ہے لیکن انہوں نے پاکیشیا سیکرٹ سروس کو نظر انداز کر دیا ہے حالانکہ پاکیشیا سیکرٹ سروس نے متعدد بار ان پر اپنی برتری ثابت کی ہے اور ایسے مشترکہ مشنز میں ان کے ایجنٹوں سے بہتر کارکردگی کا مظاہرہ کیا ہے''...... سرسلطان نے کہا۔

''اس میں ناراض ہونے والی کوئی بات نہیں ہے۔ اس مرتبہ انہیں ہماری ضرورت محسوس نہیں ہوئی ہو گی۔ جب انہیں ضرورت محسوس ہوئی تو وہ لازماً ہمیں بلائیں گے''...... عمران نے کہا پھر اس

سے پہلے کہ سرسلطان، عمران کی بات کا جواب دیتے ٹیلی فون کی گھنٹی بج اٹھی۔ سرسلطان چونکے اور پھر وہ ٹیلی فون سیٹ کی طرف بڑھے۔

’’یس۔ سلطان اسپیکنگ‘‘...... سرسلطان نے رسیور کان سے لگاتے ہوئے بارعب لہجے میں کہا۔

’’سرسلطان۔ میں تمہاری موت ڈیتھ ماسٹر بول رہا ہوں‘‘۔ دوسری طرف سے غراتی ہوئی آواز سنائی دی تو سرسلطان بری طرح چونکے اور اس کے ساتھ ہی انہوں نے لاؤڈر کا بٹن بھی پریس کر دیا۔

’’ڈیتھ ماسٹر۔ کس لئے فون کیا ہے تم نے‘‘...... سرسلطان نے سخت لہجے میں کہا۔

’’تمہاری کوٹھی پر میرا ایک آدمی مرا ہے۔ اس کے بدلے میں یہاں لاشوں کے انبار لگا دوں گا اور سنو سرسلطان۔ ڈاکٹر بلیک تمہیں مارے یا نہ مارے میں تمہیں لازماً ہلاک کر دوں گا۔ ڈیتھ ماسٹر کی طاقت کے سامنے ڈاکٹر بلیک کی طاقت کچھ بھی نہیں‘‘...... دوسری طرف سے ڈیتھ ماسٹر کی غراتی ہوئی آواز سنائی دی۔

’’شٹ اپ۔ حقیر کیڑے۔ تمہاری موت ہی تمہیں پاکیشیا میں لائی ہے۔ اگر تمہیں اپنی جان عزیز ہے تو اب بھی وقت ہے جان بچا کر بھاگ جاؤ کیونکہ ابھی ایکسٹو نے تمہاری طرف نظر اٹھا کر نہیں دیکھا اگر ایکسٹو تمہاری طرف متوجہ ہو گیا تو پھر تمہیں بھاگنے

کا موقع بھی نہیں ملے گا‘‘...... سرسلطان نے غصیلے لہجے میں کہا۔

’’ہاہاہا۔ ایکسٹو۔ کیا پدی اور کیا پدی کا شوربہ۔ مسٹر سرسلطان۔ تمہیں ڈیتھ ماسٹر کی قوت کا اندازہ نہیں ہے۔ تم ڈیتھ ماسٹر کے بارے میں ایکسٹو سے ہی پوچھ لینا۔ میرا نام سنتے ہی تمہارا ایکسٹو تھر تھر کانپنے لگے گا اور سنو سرسلطان۔ میں تمہیں زندگی بچانے کا ایک موقع دیتا ہوں۔ تم فائل آئی ٹن چوبیس گھنٹوں کے اندر اندر میرے حوالے کر دو ورنہ ڈاکٹر بلیک کے بتائے ہوئے وقت کے مطابق میں تمہیں موت کے حوالے کر دوں گا‘‘...... دوسری طرف سے ڈیتھ ماسٹر کی کرخت آواز سنائی دی۔

’’شٹ اپ‘‘...... سرسلطان نے غصے سے کہا لیکن دوسری طرف سے کال منقطع ہو چکی تھی۔ سرسلطان نے بھی رسیور رکھ دیا۔ عمران آگے بڑھا اور اس نے رسیو کال میموری چیک کی۔ سرسلطان کو یہ کال سیٹلائٹ سیل فون سے کی گئی تھی اور نمبرز ایکریمیا کی ایک کمپنی کے تھے جو اپنے کسٹمرز کو انتہائی محفوظ نمبرز مہیا کرتی تھی۔ لہٰذا اس کال سے یہ معلوم نہیں کیا جا سکتا تھا کہ کال کہاں سے کی جا رہی ہے۔

’’انکل۔ اب آپ کو پریشان ہونے اور گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے۔ آپ صاف صاف بچ گئے‘‘...... عمران نے کہا۔

’’کیا مطلب ہے تمہارا۔ میں تمہاری بات نہیں سمجھا‘‘۔ سرسلطان نے حیران ہو کر کہا۔

''جس طرح دو ملاؤں میں مرغی حرام کی مثال مشہور ہے۔ اسی طرح دو مجرموں میں آپ بھی حرام ہو گئے''...... عمران نے کہا۔

''کیا''...... سرسلطان نے عمران کو گھورتے ہوئے کہا۔

''سوری سوری۔ آپ تو حلال ہیں اور دونوں مجرم آپ کو حلال کرنا چاہتے ہیں''...... عمران نے بوکھلا کر کہا۔

''پوری دنیا اس وقت کرب وغم میں ڈوبی ہوئی ہے اور تم پٹڑی سے اتر رہے ہو''...... سرسلطان نے کہا۔

''آپ فکر نہ کریں۔ میں اپنے ایک آدمی کی ڈیوٹی یہاں لگا دوں گا۔ وہ آپ کے سائے کی حفاظت کرے گا''...... عمران نے شوخ لہجے میں کہا تو سرسلطان نے اسے گھور کر دیکھا۔

''مم۔ مم۔ میرا مطلب ہے کہ وہ آپ کی حفاظت کرے گا۔ آپ پریشان نہ ہوں''...... عمران نے ہکلاتے ہوئے کہا۔

''میں ہرگز پریشان نہیں ہوں۔ مجھے یقین ہے یہ مجرم بھی اپنے انجام کو پہنچ جائے گا''...... سرسلطان نے کہا۔

''جب آپ کو یقین ہے تو پھر انشاء اللہ ایسا ہی ہو گا۔ میں اپنا ایک ساتھی یہاں بھیج دیتا ہوں۔ وہ یہاں حالات کا جائزہ لیتا رہے گا''...... عمران نے کہا اور اٹھنے لگا۔

''اس لاش کا کیا کرنا ہے''...... سرسلطان نے پوچھا۔

''انٹیلی جنس کے حوالے کر دیں اور انہیں بتا بھی دیں کہ یہ آپ کی جاسوسی کر رہا تھا اور سیکرٹ سروس کے ممبر کے ہاتھوں پکڑے

جانے کے بعد اس نے خودکشی کر لی ہے''...... عمران نے کہا تو سرسلطان نے اثبات کے انداز میں سر ہلا دیا پھر عمران نے الوداعی کلمات کہے اور اس کے بعد وہ گیٹ پر آ گیا۔ گیٹ کے قریب ہی اس کی کار کھڑی تھی۔ وہ کار میں بیٹھا تو سیکورٹی گارڈ نے گیٹ کھول دیا۔ عمران کی کار گیٹ سے باہر آئی تو سیکورٹی گارڈ نے اسے سلام کیا۔ عمران نے اسے سلام کا جواب دیا اور سیکورٹی گارڈ کو قریب بلایا۔ جب سیکورٹی گارڈ عمران کے قریب آیا تو اس نے جیب سے چیونگم کا ایک پیکٹ نکالا اور چوکیدار کے ہاتھ پر رکھ دیا۔

''لو کھاؤ۔ ہمارے ساتھ رہو گے تو موجاں کرو گے''...... عمران نے کہا اور پھر اس نے کار آگے بڑھا دی جبکہ بے چارہ سیکورٹی گارڈ حیران و پریشان کھڑا رہ گیا۔ اس نے ایسا عجیب و غریب کردار پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ عمران کی کار تیز رفتاری سے دانش منزل کی طرف بڑھ رہی تھی کہ اسے اپنے تعاقب کا احساس ہو گیا۔ تعاقب کا احساس ہوتے ہی عمران نے کار دوسری سڑک پر ڈال دی۔ نیلے رنگ کی ٹیوٹا بھی مڑ گئی جس سے عمران کنفرم ہو گیا۔ اس نے کار کی رفتار بڑھائی اور پھر پندرہ منٹ بعد وہ ایسی سڑک پر پہنچ گیا جو شہر سے باہر جاتی تھی۔ نیلی ٹیوٹا اب بھی اس کے پیچھے تھی۔ اس سڑک پر ٹریفک بہت کم رہ گئی تھی۔ مزید چار پانچ منٹ گزرنے کے بعد سڑک پر اب صرف یہی دو کاریں نظر آ رہی تھیں۔ پھر اچانک ہی عمران کو بریک لگانے پڑے کیونکہ سڑک پر ایک ٹرک

اس طرح کھڑا تھا کہ کار وہاں سے نہیں گزر سکتی تھی۔ عمران نے ٹرک کے قریب ہی کار روک لی اور کار سے نیچے اتر آیا۔

’’ٹرک والے کہاں گئے سب بھئی‘‘...... عمران نے بلند آواز میں کہا تو اسی وقت مختلف درختوں کے پیچھے سے نو، دس آدمی باہر نکل آئے وہ سب مشین گنوں سے مسلح تھے اور ان سب کی مشین گنوں کے رخ عمران کی طرف تھے اور ان کے چہروں پر کرختگی کے تاثرات تھے۔ اسی لمحے نیلی ٹیوٹا بھی وہاں پہنچ گئی۔ اس میں سے بھی تین افراد باہر نکلے۔ ان کے ہاتھوں میں ریوالور تھے۔

’’چلو مسٹر عمران۔ کار میں بیٹھ جاؤ‘‘...... کار میں سے اترنے والوں میں سے ایک نے سخت لہجے میں کہا۔

’’کک۔ کک۔ کیا۔ تم مجھے کڈنیپ کر رہے ہو‘‘...... عمران نے خوفزدہ لہجے میں کہا۔

’’ہاں۔ جلدی کرو۔ باتوں میں وقت ضائع مت کرو‘‘...... اسی آدمی نے تیز لہجے میں کہا۔

’’بھائی جی۔ تمہیں اغوا کرنے کی جلدی تو ہوگی لیکن مجھے اغوا ہونے کی کوئی جلدی نہیں ہے‘‘...... عمران نے معصوم سے لہجے میں کہا۔

’’شٹ اپ۔ فضول باتیں نہ کرو ورنہ ان سب مشین گنوں کی گولیاں تمہارے جسم کو شہد کے چھتے میں تبدیل کر دیں گی‘‘...... اس آدمی نے انتہائی کرخت لہجے میں کہا۔

’’تم تو بہت ہی خوفناک باتیں کر رہے ہو بھائی جی‘‘...... عمران نے کہا اور پھر وہ نیلی ٹیوٹا کی طرف بڑھا۔ کار کے قریب پہنچ کر اس نے کار کا جائزہ لیا۔ کار خالی تھی۔

’’چلو۔ پچھلی سیٹ پر بیٹھ جاؤ‘‘...... اسی آدمی نے تحکمانہ لہجے میں عمران سے کہا۔

’’نہیں جناب۔ پہلے آپ‘‘...... عمران نے انتہائی اخلاق بھرے لہجے میں اس سے کہا۔

’’شٹ اپ۔ تمہیں جو حکم دیا جا رہا ہے۔ تم اس پر عمل کرو۔ ورنہ تمہیں بھون دیا جائے گا‘‘...... اس آدمی نے کرخت لہجے میں کہا۔

’’عجیب لوگ ہو۔ اس قدر اخلاق پر بھی غصے ہو جاتے ہو‘‘۔ عمران نے منہ بنا کر کہا اور پھر کار کی پچھلی سیٹ پر بیٹھ گیا۔

’’چلو۔ اب تو تم لوگ بھی کار میں بیٹھ جاؤ‘‘...... کار میں بیٹھنے کے بعد عمران نے مسلح افراد سے کہا مگر ان میں ایک آدمی بھی کار میں نہ بیٹھا۔ وہ سب ٹرک کی طرف بڑھتے چلے گئے۔ پھر وہ سبھی ٹرک میں سوار ہوئے اور ٹرک حرکت میں آ گیا۔ وہ سیدھا ہوا اور پھر کار کے قریب سے گزرتا چلا گیا۔

’’ارے بھائیو۔ تم مجھے کار میں بٹھا کر خود کہاں جا رہے ہو‘‘...... عمران نے بلند آواز میں کہا لیکن اس کی بات جیسے کسی نے سنی ہی نہ ہو۔

"عجیب لوگ ہیں۔ ایک کار سے اتار کر مجھے دوسری کار میں بٹھا دیا ہے اور خود چلے گئے ہیں"...... عمران نے بڑبڑاتے ہوئے کہا اور پھر اس نے کار کا دروازہ کھولنا چاہا لیکن اس سے کار کا دروازہ نہ کھلا۔

"ہائیں۔ اس دروازے کو کیا ہو گیا ہے۔ یہ کیوں نہیں کھل رہا"...... عمران نے بدستور بڑبڑاتے ہوئے کہا۔ اس نے ایک بار پھر کوشش کی اور ناکامی پر وہ دوسرے دروازے کی طرف بڑھا۔ دوسرا دروازہ بھی نہ کھلا تو وہ فرنٹ سیٹ پر آ گیا۔ یہاں بھی اس نے دونوں دروازوں پر زور لگایا لیکن یہ دروازے بھی نہ کھلے۔

"حیرت ہے بھائی۔ یہ دروازے کیوں جام ہو گئے ہیں" عمران نے خود کلامی کرتے ہوئے کہا اور اس کے ساتھ ہی وہ حیرت سے اچھل پڑا۔ کیونکہ کار میں ایک قہقہہ گونجا تھا اور اس نے اس قہقہے کو پہچان لیا تھا۔ یہ قہقہہ ڈیتھ ماسٹر کا تھا۔

"عمران۔ تم چوہے دان میں پھنس چکے ہو اور یہ تو تمہیں معلوم ہی ہو گا کہ جس وقت چوہے کی موت آتی ہے تو وہ چوہے دان میں پھنستا ہے"...... قہقہے کے بعد ڈیتھ ماسٹر کی آواز سنائی دی۔

"بب۔ بب بڑے بھائی۔ تت تم نے اس کار کے دروازے کیسے جام کر دیئے ہیں۔ کیا تم نے کوئی جادو کیا ہے"...... عمران نے حیران و پریشان لہجے میں کہا تو ڈیتھ ماسٹر کا ایک اور قہقہہ سنائی دیا۔

"یہ جادو نہیں ہے عمران سائنس ہے اور تم تو خود سائنس دان ہو۔ چلو اگر تم سائنس دان ہو تو پھر اس کار کا کنٹرول حاصل کرو اور اس سے باہر نکلو ورنہ یہ کار تمہیں کسی گہری کھائی میں گرا کر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے دنیا والوں کی نظروں سے دور کر دے گی اور بے چارہ تمہارا ایکسٹو تمہاری لاش ہی تلاش کرتا رہ جائے گا"...... ڈیتھ ماسٹر کی طنزیہ آواز سنائی دی اور اس کے ساتھ ہی کار اسٹارٹ ہو گئی سٹارٹ ہونے کے بعد کار آگے بڑھنے لگی۔ عمران نے اس کا اسٹیئرنگ کنٹرول کرنا چاہا لیکن بے سود۔ اسٹیئرنگ بالکل فری تھا۔ عمران نے اس کے بریک پر پاؤں رکھا لیکن بریک بھی بالکل فری تھا۔ عمران نے اگنیشن دیکھا۔ اگنیشن میں چابی نہیں تھی جبکہ کار کی رفتار آہستہ آہستہ تیز ہوتی جا رہی تھی۔ تھوڑی ہی دیر میں کار پہاڑی علاقے میں پہنچ گئی تھی اور اس کی رفتار اتنی تیز ہو چکی تھی کہ پہاڑ انتہائی تیزی سے پیچھے بھاگتے ہوئے محسوس ہو رہے تھے۔ یہ سڑک بھی کافی تنگ تھی۔ پھر اچانک ہی سامنے ایک موڑ آ گیا۔ کار نہ تو رکی اور نہ ہی آہستہ ہوئی۔ صاف محسوس ہو رہا تھا کہ کار اس موڑ پر پہاڑ سے ٹکرا جائے گی۔ کار پلک جھپکتے ہی موڑ پر پہنچ گئی۔ کار کا پہاڑ سے ٹکرانا لازمی تھا۔ بچنے کی کوئی صورت نظر نہیں آ رہی تھی۔ عمران نے اپنی آنکھیں بند کر لیں۔ جیسے ہی عمران نے آنکھیں بند کیں۔ اسے ڈیتھ ماسٹر کا قہقہہ سنائی دیا۔ عمران نے آنکھیں کھولیں تو کار اچانک مڑ گئی۔ کار نے باحفاظت موڑ کاٹ لیا تھا۔

عمران نے ایک گہرا سانس لیا۔

''عمران۔ ابھی سے گھبرا گئے۔ گھبراؤ نہیں یہ کار کسی پہاڑی سے نہیں ٹکرائے گی بلکہ کسی ایسی کھائی میں گرے گی جو ہزاروں فٹ گہری ہو گی۔ راستے میں سینکڑوں نوکیلے پتھر ہوں گے۔ کھائی کی تہہ میں پہنچنے سے پہلے ہی ان پتھروں سے ٹکرا کر کار اور تمہارے سینکڑوں ٹکڑے ہو جائیں گے اور تمہارا ایک ٹکڑا بھی کسی کے ہاتھ نہیں لگ سکے گا۔ کوئی نہیں جان سکے گا کہ تمہارا کیا انجام ہوا''۔

ڈیتھ ماسٹر کی غراتی ہوئی آواز سنائی دی تو فوراً ہی عمران نے اپنی جیب میں ہاتھ ڈالا اور مشین پسٹل نکال لیا۔ اس نے کار کی کھڑکی پر فائر کر دیا۔ کئی گولیاں شیشے سے ٹکرائیں لیکن شیشے کو خراش تک نہ آئی۔ شیشہ بلٹ پروف تھا۔ یہ دیکھ کر عمران نے ایک طویل سانس لیا جبکہ ڈیتھ ماسٹر کا ایک اور قہقہہ سنائی دیا۔

''عمران۔ اگر تم مجھ سے زندگی کی بھیک مانگو تو ہو سکتا ہے میں تم پر ترس کھاتے ہوئے تمہیں زندگی بھیک میں دے دوں''۔ قہقہے کے بعد ڈیتھ ماسٹر کی تکبر میں ڈوبی ہوئی آواز سنائی دی۔

''میں تم پر اور تمہاری بھیک پر لعنت بھیجتا ہوں''...... عمران نے منہ بناتے ہوئے کہا۔

''پھر ایک سودا کر لیتے ہیں''...... ڈیتھ ماسٹر نے کہا۔

''کیسا سودا''...... عمران نے پوچھا۔

''عمران۔ میں جانتا ہوں کہ تم زبان کے پکے ہو۔ جو وعدہ

کرتے ہو پورا کرتے ہو۔ تم اگر مجھ سے وعدہ کرو کہ تم آئی ٹن فائل اور اس کی کوڈ فائل مجھے لا دو گے تو میں تمہیں چھوڑ دیتا ہوں''...... ڈیتھ ماسٹر نے کہا۔

''یہ بھی ممکن نہیں ہے ڈیتھ ماسٹر اور سنو اگر مجھے تم جیسے لوگوں کے ہاتھوں مرنا ہوتا تو میں کب کا مر چکا ہوتا۔ تم سے بڑے بڑے مجرم میری موت کی حسرت دل میں لئے آئے اور فنا ہو گئے اور وہ مجرم جرم کی دنیا کے ایسے ایسے بھیڑیئے تھے کہ تم تو ان کے سامنے کتے کے پلے نظر آتے ہو''...... عمران نے غراتے ہوئے کہا۔

''شٹ اپ۔ اپنی زبان کو لگام دو''...... ڈیتھ ماسٹر نے اتنے زور سے چیخ کر کہا کہ پھر اسے کھانسی کا دورہ پڑ گیا۔ وہ کچھ دیر تک کھانستا رہا پھر اس کی غراتی ہوئی آواز سنائی دی۔

''میں نے تو چاہا تھا کہ تمہیں چھوڑ دوں لیکن تمہیں اپنی زندگی عزیز نہیں ہے تو میں کیا کروں''...... ڈیتھ ماسٹر نے کہا اور اس کے بعد اس کی آواز بند ہو گئی۔ عمران نے دائیں بائیں نظر دوڑائی۔ دونوں اطراف میں گہری کھائیاں تھیں اور عمران کے اندازے کے مطابق کار اس وقت ایک سو پچاس کی رفتار سے چل رہی تھی۔ عمران نے ایک بار پھر کار کے شیشے پر فائرنگ کی لیکن نتیجہ پہلے جیسا برآمد ہوا۔ پھر عمران نے دروازے کے لاک پر گولیوں کی بوچھاڑ کر دی۔ اسی لمحے عمران کی نظر سامنے اٹھی۔ سامنے ایک خطرناک پہاڑی موڑ تھا اور اس کے اردگرد گہری کھائیاں تھیں۔ اگر

کار پہاڑ سے ٹکرا جاتی تو یقیناً کسی گہری کھائی میں گر جاتی۔ نیچے کھائیاں عمران اور کار دونوں کا سرمہ بنانے کے لئے بے تاب کھڑی تھیں اور پھر ایک برق سی چمکی۔ ایک خوفناک دھماکا ہوا اور کار پہاڑ سے ٹکرانے کے بعد فٹ بال کی مانند فضاء میں بلند ہوئی اور پھر نیچے موجود ہزاروں فٹ گہرے گڑھوں میں گرتی چلی گئی۔ جو اژدھے کی مانند منہ کھولے اسے نگلنے کے لئے تیار کھڑے تھے۔

پورے باچان کو گہرے سناٹے نے نگل لیا تھا۔ باچان کے مشرق سے مغرب اور شمال سے جنوب تک موت کے سیاہ بادل چھا گئے تھے۔ ڈاکٹر بلیک نے راکوموتو کے لئے موت کا جو وقت بتایا تھا اس میں اب صرف ایک گھنٹہ باقی رہ گیا تھا یعنی ڈاکٹر بلیک کے مطابق باچان کے وزیراعظم راکوموتو کی زندگی کا سفر اب تمام ہونے والا تھا۔

وزیراعظم راکوموتو انتہائی نفیس انسان تھے۔ انتہائی محبِّ وطن اور عوام سے پیار کرنے والے تھے۔ اپنے دور اقتدار میں انہوں نے باچان کی ترقی کے لئے دن رات کام کیا تھا۔ وہ دنیا کے چند اچھے حکمرانوں میں شمار کئے جاتے تھے۔ دنیا بھر کے رہنماؤں سے ان کے اچھے تعلقات تھے۔ باچانی عوام بھی اپنے وزیراعظم سے بہت محبت کرتی تھی۔ یہ عوام کی پسند ہی تھی کہ وہ تین بار وزیراعظم بن چکے تھے اور باچانی عوام انہیں تاحیات وزیراعظم دیکھنا چاہتی تھی۔

باچان کو اس سے قبل راکو موتو جیسا رہنما نصیب نہیں ہوا تھا اس لئے باچانی عوام اور ان کا دل ایک ساتھ دھڑکتا تھا۔ اس وقت عوام کی زبان تو خاموش ہو چکی تھی لیکن ان کے دل سے اپنے وزیراعظم کے لئے دعائیں نکل رہی تھیں۔ وزیراعظم کی موت کے ساتھ ساتھ عوام کو اپنے سروں پر بھی موت کے پروں کی سنسناہٹ محسوس ہو رہی تھی۔ ڈاکٹر بلیک نے اپنی دھمکی پر ضرور عمل کرنا تھا۔ وزیراعظم کے ساتھ ساتھ اس نے کروڑوں بیگناہ افراد کو بھی موت کی نیند سلا دینا تھا اور اس سلسلے میں اس نے کسی قسم کی رعایت نہیں کرنی تھی۔ ایکریمیا کی مثال ان کے سامنے تھی۔

ڈاکٹر بلیک نے جس وحشت اور بربریت کا مظاہرہ کیا تھا اس سے قبل انسانی تاریخ میں اس کی مثال نہیں ملتی تھی۔ اس نے لمحوں میں کروڑوں بیگناہ اور معصوم لوگوں کو لقمۂ اجل بنا دیا تھا۔ ان کروڑوں انسانوں میں بوڑھے، جوان، مرد، عورتیں اور بچے سب شامل تھے۔ ننھے ننھے معصوم بچوں کی صورتیں بھی اسے درندگی سے باز نہیں رکھ سکی تھیں۔ نجانے وہ انسان بھی تھا کہ نہیں۔ اس نے ایکریمیا میں خون کا سیلاب بہا دیا تھا۔ اس کے ایٹم بم سے جو تباہی و بربادی ہوئی تھی وہ تو ہو چکی تھی۔ اب ایکریمیا میں تابکاری اثرات پھیل رہے تھے اور ایکریمیا مشکلات میں پھنس چکا تھا۔ اس کی معیشت بالکل تباہ ہو گئی تھی اور ایک کروڑ سے زائد افراد کی ہلاکت کی وجہ سے نظام زندگی ایسا درہم برہم ہو گیا تھا کہ اب کئی

سالوں تک ایکریمیا سنبھل نہیں سکتا تھا اور اب باچان بھی اس سچوئیشن سے دو چار ہو چکا تھا۔

باچانی حکومت چاہتی تھی کہ وہ ڈاکٹر بلیک سے رابطہ کرے۔ اس سلسلے میں حکومت نے پرنٹ میڈیا اور الیکٹرانک میڈیا کا سہارا لیا تھا اور ڈاکٹر بلیک سے بار بار کہا تھا کہ اگر اس کے مطالبات ہیں تو وہ حکومت باچان کو پیش کرے۔ حکومت باچان اس کے مطالبات پر غور کرے گی لیکن ڈاکٹر بلیک کی طرف سے خاموشی تھی۔

حکومت باچان نے دنیا بھر کے ماہرین کے مشورے سے پرائم منسٹر راکو موتو کے لئے حفاظتی اقدامات کئے تھے۔ باچانی حکومت اپنی معیشت اور کروڑوں بے گناہ افراد کو صرف اسی صورت بچا سکتی تھی جب وہ راکو موتو کو بچا لیتی تھی۔ کروڑوں افراد کی زندگیاں پرائم منسٹر کی زندگی سے مشروط ہو چکی تھیں۔ باچانی حکومت نے ڈاکٹر بلیک کو ٹریس کرنے کی بھی بہت کوشش کی تھی لیکن ڈاکٹر بلیک ٹریس نہیں ہوا تھا۔ سپر پاورز کے کئی ذہین اور قابل سائنس دان بھی باچان پہنچے ہوئے تھے جنہوں نے راکو موتو کی حفاظت کا پلان بنایا تھا اور وہ انتظامات سے مطمئن بھی تھے۔ انہیں یقین تھا کہ اس بار ڈاکٹر بلیک شکست کھائے گا لیکن اس یقین کے باوجود سب کے دلوں کی دھڑکنیں گھڑی کی ٹک ٹک کے ساتھ حرکت کر رہی تھیں۔ راکو موتو کی موت کا بتایا گیا وقت قریب سے قریب تر ہوتا جا رہا تھا۔

پرائم منسٹر راکو موتو کے لئے ایک خصوصی گولہ بنایا گیا تھا جس میں انہیں بند کر دیا گیا تھا۔ اس گولے پر ایٹم بم بھی اثر نہیں کر سکتا تھا۔ راکو موتو کو ہمہ قسمی خوراک سے روک دیا گیا تھا۔ انہیں طاقت کے ایسے انجکشن لگائے گئے تھے جو کئی گھنٹوں تک ان کی غذا کی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے کافی تھے۔ ان انجکشنوں کی وجہ سے کئی گھنٹوں تک انہیں بھوک پیاس محسوس نہیں ہونی تھی۔ انجکشنوں کو ماہر ڈاکٹرز کی ٹیم نے اوکے کیا تھا۔

راکو موتو کے لئے جو گولہ تیار کیا گیا تھا اس میں کوئی رخنہ نہیں تھا جس کی وجہ سے گولے میں ہوا بھی داخل نہیں ہو سکتی تھی۔ گولے میں آکسیجن کے سلنڈر رکھ دیئے گئے تھے اور راکو موتو کو یہ آکسیجن مہیا کی جا رہی تھی۔ ماہرین کے مشورے پر انہیں طویل بے ہوشی کا انجکشن بھی لگا دیا تھا تاکہ ان کے ذہن میں معمولی سی پریشانی اور موت کا خوف بھی پیدا نہ ہو۔ راکو موتو کے کئی بار معائنے کے بعد انہیں گولے میں رکھا گیا تھا۔ گولے میں گیس سلنڈر کے علاوہ کیمرے اور انتہائی حساس مائیک بھی فٹ تھے جو بے ہوش راکو موتو کو دکھا رہے تھے اور ان کی سانس کی آواز بھی اس قدر بلند سنائی دے رہی تھی کہ بہرہ آدمی بھی اسے با آسانی سن سکتا تھا اور اس سسٹم کو ٹی وی نشریات سے منسلک کر دیا گیا تھا۔ دنیا بھر کے لوگ راکو موتو کو لائیو دیکھ رہے تھے۔ ان کے چہرے کی سرخی اور سانسوں کی آواز دنیا بھر کے لوگوں کو مطمئن کر رہی تھی۔ انتظامات

کی جو تفصیل ٹی وی پر بتائی جا رہی تھی اسے سن کر لوگوں کی اکثریت مطمئن تھی۔ یہ انتظامات ایسے تھے کہ ایک چیونٹی بھی راکو موتو تک نہیں پہنچ سکتی تھی۔ چیونٹی تو چیونٹی ہوا کی رسائی بھی راکو موتو تک ممکن نہیں تھی جبکہ لوگوں کے دوسرے گروہ کا خیال تھا کہ ڈاکٹر بلیک اب بھی کامیاب رہے گا۔ ڈی سوزا کی مثال ان کے سامنے تھی۔ اسے بچانے کے لئے ایکریمین حکومت نے سرتوڑ کوشش کی تھی اور ڈی سوزا کو بچانے کیلئے فول پروف انتظامات کئے تھے لیکن اس کے باوجود بھی ڈاکٹر بلیک کامیاب رہا تھا۔ جس کمرے میں گولہ رکھا گیا تھا۔ اس کمرے کو چاروں طرف سے باچان سیکرٹ سروس کے اراکین نے گھیرا ہوا تھا۔ چھت پر بھی سیکرٹ سروس کے ممبران موجود تھے۔ پھر اس پوری بلڈنگ کو انٹرنیشنل آرمی نے گھیرا ہوا تھا۔ آرمی کے سینکڑوں جوان دور دور تک پھیلے ہوئے تھے۔ اس کے علاوہ باچان کی دیگر فعال اور تیز طرار ایجنسیاں بھی یہاں موجود تھیں۔ اس بلڈنگ تک آنے والے تمام زمینی اور فضائی راستے بند کر دیئے گئے تھے۔ اب اگر ایک چڑیا بھی اس بلڈنگ کی طرف آتی تو بلڈنگ سے بہت پہلے ماری جاتی۔ یہ ایسے انتظامات تھے جن کی وجہ سے لوگوں کی اکثریت مطمئن اور سرور تھی۔ باچان سیکرٹ سروس کے چیف اور دیگر اعلیٰ حکام اسی بلڈنگ کے ایک اور کمرے میں بیٹھے ہوئے تھے۔ ان کے سامنے سکرین روشن تھی۔ سکرین پر راکو موتو دکھائی دے رہے تھے۔

باچانی حکام، عوام کے ساتھ ساتھ دنیا بھر کے لوگ اب کافی حد تک مطمئن ہو گئے تھے۔ دنیا بھر کے لوگ اپنے کام کاج چھوڑ کر ٹی وی سکرینوں کے سامنے بیٹھے ہوئے تھے۔ اب چونکہ ڈاکٹر بلیک کے بتائے ہوئے وقت میں صرف چار منٹ باقی تھے اور راکو موتو بالکل ٹھیک تھے اس لئے سب لوگ مطمئن ہو گئے تھے۔ چار منٹوں میں کسی تندرست و توانا انسان کا مرنا کافی محال تھا۔ جس طرح کئی گھنٹے گزر گئے تھے اسی طرح یہ چار منٹ بھی گزر جانے تھے۔ لوگ خوش تھے کہ باچان نے ڈاکٹر بلیک کو شکست دے دی۔ چار منٹوں میں سے دو منٹ مزید گزر گئے اور دنیا بھر کے لوگ سوچ رہے تھے کہ ڈاکٹر بلیک کی ناکامی پر وہ اٹھ کر ناچنا شروع کر دیں کہ اچانک ہی وہ اچھل پڑے اور ان کے چہرے خوف سے سیاہ ہوتے چلے گئے۔ کنٹرول روم میں بیٹھی ہوئی باچانی شخصیات بے چین ہو کر کھڑی ہو گئیں اور بے اختیار ان کی چیخیں بلند ہونے لگیں۔ کمپیوٹر سکرین پر نیلی لائنیں مٹ رہی تھیں۔ متعدد لکیروں کی بجائے اب ایک لائن تھی جو بڑھتی اور گھٹتی ہوئی دکھائی دے رہی تھی۔ پرائم منسٹر راکو موتو کا سینہ پھول اور پچک رہا تھا۔ ان کا منہ بار بار کھل رہا تھا اور بند ہو رہا تھا۔ یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ سانس نہ لے پا رہے ہوں۔

پرائم منسٹر راکو موتو کی اس حالت سے دنیا بھر میں ایک طوفان نے جنم لے لیا۔ ایک زلزلہ آ گیا۔ لوگوں کے روشن چہرے تاریک

ہونے لگے۔ کھوپڑیاں گویا بھک سے اڑنے لگیں اور دماغ آتش فشاں پہاڑوں میں تبدیل ہونے لگے۔ ایک ایسا سیلاب آ گیا تھا جس میں سب کچھ بہہ جانا تھا۔ تباہی، بربادی ، موت، خون کا سمندر اور ہر طرف بکھری لاشیں۔ چشم تصور سے ہی یہ منظر دیکھ کر دنیا بھر کے لوگوں کی چیخیں بلند ہو رہی تھیں۔

ماہرین اور سائنس دان تیزی سے اٹھ کر کمپیوٹر کی طرف بڑھے۔ وہ اس حد تک بدحواس ہو چکے تھے کہ ایک دوسرے سے ٹکرا گئے۔ ان کے ہاتھ، پاؤں اور جسم اس طرح کانپ رہے تھے جیسے وہ ملیریا کے مریض ہوں اور ان کا ملیریا آخری اسٹیج پر پہنچ گیا ہو۔ باچانی سیکرٹ سروس کے چیف نے کمپیوٹر کے ''کی بورڈ'' پر دو تین بٹن پریس کئے تو فوراً ہی اسکرین پر ''نو برتھینک'' کے الفاظ چمکنے لگے۔

''اوہ۔ اوہ۔ آکسیجن نہیں پہنچ رہی۔ مم۔ مگر۔ کک۔ کیوں''۔ باچانی سیکرٹ سروس کے چیف نے بوکھلائے ہوئے لہجے میں کہا۔ باچانی سیکرٹ سروس کے چیف مضبوط اعصاب کے مالک تھے۔ اپنی پروفیشنل لائف میں وہ سینکڑوں مرتبہ موت کے منہ سے نکل آئے تھے اور کبھی نہیں گھبرائے تھے۔ وہ دنیا کے ٹاپ سیکرٹ سروس ایجنٹوں میں سے تھے۔ خوف اور دہشت ان کے قریب نہیں پھٹک سکتی تھی لیکن اس وقت سچویشن ایسی ہو گئی تھی کہ ان کی تمام تر تربیت دھری کی دھری رہ گئی تھی۔ کروڑوں بے گناہ اور معصوم

انسانوں کی موت کے تصور نے انہیں بھی بدحواس اور دہشت زدہ کر دیا تھا۔ پھر اس سے قبل کہ وہ یا دیگر ماہرین و سائنس دان، پرائم منسٹر راکو موتو کے لئے کچھ کرتے ایک تیز زور دار سانس کی ڈوبی ہوئی لہر سنائی دی اور ایک زور دار ہچکی کے ساتھ آواز آنا بند ہو گئی سکرین پر راکو موتو بے سدھ پڑے ہوئے تھے۔ ان کے سینے میں سانس کا زیروبم دم توڑ چکا تھا۔ ان کے چہرے پر موت کی زردی چھا چکی تھی۔ کئی لوگوں نے لاشعوری طور پر اپنی گھڑیوں کی طرف دیکھا۔ یہ وہی وقت تھا جس کا اعلان ڈاکٹر بلیک نے کیا تھا۔ ڈاکٹر بلیک ایک بار پھر کامیاب ہو گیا تھا۔

پورے باچان میں یکدم شور برپا ہو گیا۔ لوگ چیخ و پکار کرنے لگے۔ عورتیں اپنے معصوم اور چھوٹے بچوں کو اپنے سینے سے لگائے روتے پیٹتے سڑکوں پر آ گئیں۔ انہیں یقین ہو گیا تھا کہ ان میں اور ان کے پیاروں کے درمیان جدائی کا وقت آ گیا ہے۔ موت انہیں ان کے پیاروں سے جدا کرنے والی ہے۔ کچھ لوگوں پر موت کی ایسی دہشت طاری ہو گئی تھی کہ وہ اپنے پیاروں کو ہی بھول گئے تھے۔ وہ اندھا دھند اور دیوانہ وار بھاگ کھڑے ہوئے تھے۔ بچے، بوڑھے، جوان، عورتیں، مرد ہر کوئی رو رہا تھا، چیخ رہا تھا، چلا رہا تھا اور باچانی دارالحکومت سے نکل جانا چاہتا تھا۔

دوسری طرف ڈاکٹرز، سائنس دان اور دیگر اعلیٰ حکام اس کمرے میں داخل ہوئے جس میں گولہ رکھا گیا تھا۔ گولے کو کھولا

گیا اور سب آکسیجن سلنڈر کی طرف بڑھے۔ جو خالی ہو چکا تھا جبکہ اس سلنڈر نے ابھی دو گھنٹے مزید آکسیجن فراہم کرنی تھی۔ آکسیجن کا معائنہ کرنے پر ان کے جبڑے بھینچ گئے اور آنکھوں میں خون چھلک آیا۔ آکسیجن سلنڈر لیک ہو گیا تھا اور اس سے آکسیجن خارج ہوتی رہی تھی۔ جس آکسیجن نے چار گھنٹوں میں ختم ہونا تھا۔ وہ دو گھنٹوں میں ہی ختم ہو گئی تھی۔ ڈاکٹر، سائنس دان اور دیگر ماہرین نے اپنی تمام تر توجہ گولے، کمرے اور پرائم منسٹر راکو موتو پر صرف کر دی تھی لیکن گیس سلنڈر کا معائنہ باریک بینی سے نہیں کیا گیا تھا۔

کوئی تصور بھی نہیں کر سکتا تھا کہ گیس سلنڈر لیک بھی ہو سکتا ہے۔ ان کا تو خیال تھا کہ ڈاکٹر بلیک کسی سائنسی حربے سے راکو موتو کی موت کا سامان کرے گا اور اس کے سائنسی حربے کو ناکام بنانے کے لئے سائنس دانوں نے انتظام کئے تھے لیکن ڈاکٹر بلیک نے تو کچھ بھی نہیں کیا تھا۔ اپنے پرائم منسٹر راکو موتو کو انہوں نے اپنے ہاتھوں سے موت کے حوالے کر دیا تھا اور اب وہ رو رہے تھے، چیخ رہے تھے جبکہ دوسرے ممالک سے آئے ہوئے سائنس دان اور دیگر ماہرین اب باچان سے نکل جانے کا سوچ رہے تھے کیونکہ تیس گھنٹوں کے بعد باچان میں قیامت آنے والی تھی۔ پھر اچانک ہی ٹی وی سکرین پر کھوپڑی اور دو ہڈیاں نمودار ہو گئیں۔

''لوگو۔ تم نے دیکھ لیا کہ پرائم منسٹر راکو موتو بھی موت کی

ٹھنڈی، یخ بستہ وادی میں اتر گیا ہے اور ساری دنیا جانتی ہے کہ موت کی وادی ایسی ہے جہاں کوئی ایک بار چلا جائے تو واپس نہیں آتا۔ لوگو۔ تم یہ بھی جانتے ہو کہ باچانی حکومت نے راکو موتو کو بچانے کے لئے انتہائی جدید سائنسی انتظامات کئے تھے اور ان انتظامات میں باچانی حکومت کو عالمی سائنس دانوں اور ماہرین کی معاونت بھی حاصل تھی لیکن افسوس کہ راکو موتو کو کوئی بھی نہیں بچا سکا اور کوئی بچا بھی نہیں سکتا تھا کیونکہ میری طاقت لازوال و بے مثال ہے۔ تم دوسرے سیاروں کی مخلوقات کی مدد لے لو تو تب بھی ڈاکٹر بلیک کی لازوال طاقت کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ ڈاکٹر بلیک کی طاقت ایک آندھی ہے اور تم خس و خاشاک۔ ڈاکٹر بلیک کی طاقت ایسا سیلاب ہے جس کے سامنے تم بند نہیں باندھ سکتے۔ ہاہاہا''۔ ٹی وی سکرین پر کھوپڑی اور ہڈیوں کے نمودار ہونے کے چند لمحوں بعد ڈاکٹر بلیک کی نخوت میں ڈوبی ہوئی آواز سنائی دی اور پھر اس کا طاغوتی قہقہہ بلند ہوا۔

''ڈیئر پیپلز۔ باچانی حکومت راکو موتو کو بچانے میں ناکام رہی ہے''...... ڈاکٹر بلیک نے دوبارہ بولنا شروع کیا۔

''اب میرا حق بنتا ہے کہ میں باچان کے ایک کروڑ افراد کی جانوں کا نذرانہ لوں لیکن دارالحکومت کی نصف آبادی تو پہلے ہی دارالحکومت خالی کر چکی ہے اور اگلے تیس گھنٹوں میں باقی لوگ بھی فرار ہو جائیں گے جبکہ میں نے تو لازماً ایک کروڑ جانوں کا نذرانہ

لینا ہے۔ اس لئے میرا فیصلہ ہے کہ میں پورے باچان سے یہ نذرانہ لوں گا۔ ہر شہر اور ہر قصبے سے قربانی کے لئے آدمی چنوں گا۔ کم از کم ایک کروڑ افراد تیار رہیں اور ایک دوسرے سے الوداعی ملاقات کر لیں۔ نہ جانے کس کی قربانی قبول کر لی جائے اس کے علاوہ میں یہ بھی جانتا ہوں کہ تم لوگ مجھ سے بات چیت کے خواہش مند ہو۔ مجھ پر دباؤ ڈالنا چاہتے ہو اور مجھ سے یہ فیصلہ تبدیل کرانا چاہتے ہو۔ میں تمہاری بات چیت والی خواہش پوری کر دیتا ہوں۔ میں ان سربراہوں سے ملاقات کے لئے تیار ہوں جو مجھ سے ملاقات کے خواہش مند ہیں۔ باچان کی تباہی کے ایک گھنٹے بعد نائس لینڈ کے گورنمنٹ ہاؤس میں، میں سربراہوں سے ملاقات کروں گا۔

ہماری یہ ملاقات ٹی وی کے ذریعے ہو گی۔ وہاں جو ٹی وی سیٹ موجود ہو گا۔ اس کے ذریعے آپ کی اور میری گفتگو ہو سکے گی۔ اوکے۔ وش یو گڈ لک اینڈ گڈ بائی''...... اس کے ساتھ ہی ڈاکٹر بلیک کی آواز آنا بند ہو گئی۔ ٹی وی اسکرین سے کھوپڑی اور ہڈیاں غائب ہو گئیں اور پھر ٹھیک تیس گھنٹے بعد باچان کئی ساعت شکن دھماکوں سے لرز اٹھا۔ بلند و بالا بلڈنگز تنکوں کی مانند فضاؤں میں اڑتی ہوئی دکھائی دیں۔ تاحد نظر کٹے پھٹے انسانی اعضا نظر آنے لگے۔ انسانی خون اس طرح بہنے لگا جس طرح ندی نالے بہتے ہیں۔ باچان کے دارالحکومت میں صرف بلڈنگز تباہ ہوئی تھیں۔ کیونکہ

پورا دارالحکومت انسانوں سے خالی ہو گیا تھا۔ یہاں تک کہ حکومت نے ضروری مشینری اور ریکارڈ بھی دوسرے شہر شفٹ کر دیا تھا۔ دارالحکومت کے علاوہ سات دیگر شہروں اور قصبات میں دھماکے ہوئے تھے اور ایک کروڑ سے زائد افراد ان دھماکوں کی نذر ہو گئے تھے۔ دنیا بھر کا الیکٹرانک میڈیا تباہ ہونے والے حصوں کو لائیو دکھا رہا تھا۔ اکثر لاشیں جل کر سیاہ ہو چکی تھیں۔ کچھ لاشیں ایسے دکھائی دے رہی تھیں جیسے کچلا ہوا بھس۔

خاور کو ہوش آیا تو اس نے اردگرد دیکھا۔ وہ ایک چھوٹے سائز کے کمرے میں تھا۔ کمرے میں فرنیچر نام کی کوئی چیز نہیں تھی۔ وہ ننگے فرش پر پڑا ہوا تھا۔ ہوش آنے کے بعد وہ چند لمحوں تک تو کمرے کا جائزہ لیتا رہا پھر اٹھ کر بیٹھ گیا۔ کمرے میں ایک ہی دروازہ تھا جو فولاد کا تھا۔ خاور نے اس دروازے کا جائزہ لیا۔ دروازہ انتہائی مضبوط تھا۔ خاور واپس کمرے کے درمیان میں آ کر فرش پر بیٹھ گیا۔ اس نے کلائی کی طرف دیکھا لیکن اس کی کلائی پر ریسٹ واچ نہیں تھی۔ اس لئے اسے یہ اندازہ نہ ہو سکا کہ وہ کتنی دیر بے ہوش رہنے کے بعد ہوش میں آیا ہے۔ اس نے اپنی جیبوں کی بھی تلاشی لی۔ اس کی جیبیں بھی خالی تھیں۔

اس کی جیب میں پاکیشیا سیکرٹ سروس کے پرسنل نیٹ ورک کا سیل فون سیٹ تھا۔ وہ بھی ان لوگوں نے نکال لیا تھا۔ خاور سوچ رہا تھا کہ اسے دروازے پر دستک دینی چاہئے کہ اچانک اسے قدموں

کی آواز سنائی دی۔ یہ آواز ایک سے زائد افراد کے قدموں کی تھی۔ قدموں کی یہ آوازیں دروازے پر آ کر رک گئیں پھر دروازہ کھلا اور پانچ آدمی کمرے میں داخل ہوئے۔ ان پانچوں کے پاس مشن گنیں تھیں۔ وہ پانچوں شکل وصورت سے تو مقامی لگ رہے تھے لیکن خاور کو محسوس ہو گیا کہ وہ میک اپ میں تھے۔

''تو تمہیں ہوش آ گیا ہے مسٹر خاور۔ او کے۔ اب تم ایسا کرو کہ اپنے دونوں ہاتھ اپنے سر پر رکھ لو''...... ان میں سے ایک نے تحکمانہ لہجے میں کہا۔

''اگر میں تمہاری بات پر عمل نہ کروں تو''...... خاور نے منہ بناتے ہوئے کہا۔

''تو پھر پانچوں مشین گنیں موت کے شعلے اگلیں گی اور ایک نہ ایک شعلے کا شکار تو تم ہو ہی جاؤ گے اور چونکہ یہ موت کے شعلے ہیں اس لئے یہ شعلے تمہیں میٹھی نیند سلا دیں گے لیکن اس میٹھی نیند سے پہلے جس اذیت سے گزرنا پڑے گا اس کا شاید تمہیں اندازہ ہی نہیں''...... اسی آدمی نے جو باقی چار کا انچارج تھا، طنزیہ لہجے میں کہا۔ خاور نے ان پانچوں کا جائزہ لیا اور پھر ان کی دھمکی پر غور کیا۔ فی الحال مخالف کی ہدایت پر عمل کرنا ضروری تھا۔ موقع ملنے پر ہی وہ ان کے خلاف حرکت میں آ سکتا تھا۔

''او کے''...... خاور نے کہا اور پھر اس نے اپنے ہاتھ بلند کر کے سر پر رکھ لئے۔

''گڈ۔ تم کافی عقلمند دکھائی دیتے ہو مسٹر خاور۔ اب تم نے اس کمرے سے نکلنا ہے اور ہمارے آگے آگے چلنا ہے لیکن یہ ذہن میں رہے کہ تمہاری معمولی سی غلط حرکت تمہیں موت کے سپرد کر سکتی ہے''...... انچارج نے کہا۔

''تم مجھے کہاں لے جا رہے ہو''...... خاور نے پوچھا اور اس کے ساتھ ہی اس نے دروازے کی طرف قدم بھی بڑھائے۔

''باس۔ تمہارا انٹرویو کرنے کے لئے بے قرار ہے''...... انچارج نے طنزیہ انداز میں مسکراتے ہوئے کہا۔

''کس لئے''...... خاور نے کہا۔

''ٹی وی پر چلانے کے لئے''...... انچارج نے بدستور طنزیہ لہجے میں کہا تو خاور نے اس طرح سر ہلایا جیسے اسے انچارج کی بات پر یقین آ گیا ہو۔ اس کے ساتھ ہی وہ کمرے سے باہر نکل آیا۔ باہر راہداری تھی۔ جس کے دونوں اطراف میں کمرے تھے اور وہ اس راہداری میں چلنے لگے۔

''بس رک جاؤ''...... چند قدم چلنے کے بعد انچارج نے کہا تو خاور رک گیا۔ پانچوں آدمیوں میں سے ایک نے اپنے سامنے والا دروازہ کھولا۔

''چلو اندر''...... انچارج نے خاور کو حکم دیا تو خاور کمرے میں داخل ہو گیا۔ یہ ایک بڑا کمرہ تھا۔ کمرے کی دیواروں پر تشدد کے آلات لٹکے ہوئے تھے۔ اتنے بڑے کمرے میں ایک ہی کرسی تھی

اور اس کرسی پر ایک غیر ملکی بیٹھا ہوا تھا۔ خاور اور وہ پانچوں افراد اندر داخل ہوئے تو اس نے خاور کو غور سے دیکھا۔ خاور سمجھ گیا کہ یہی باس ہے۔

''اسے ستون کے ساتھ باندھ دو''...... باس نے تحکمانہ لہجے میں کہا تو خاور کو ایک ستون کے ساتھ باندھ دیا گیا۔

''مسٹر خاور۔ ہم اچھی طرح جانتے ہیں کہ تمہارا تعلق پاکیشیا سیکرٹ سروس سے ہے۔ لہٰذا اس بات سے تو تم انکار نہیں کر سکتے''...... باس نے خاور کی طرف دیکھتے ہوئے فخریہ لہجے میں کہا تو خاور کے چہرے پر مسکراہٹ آ گئی۔

''اوکے۔ نہیں کرتا انکار۔ اب خوش''...... خاور نے طنزیہ انداز میں مسکراتے ہوئے کہا۔

''شٹ اپ۔ مجھ پر طنز کرنے کی کوشش بھی مت کرنا''۔ باس نے یکدم ہی غراتے ہوئے کہا۔ خاور اسے مزید غصہ دلانا چاہتا تھا لیکن پھر وہ یہ سوچ کر خاموش رہا کہ پہلے ان کا مقصد معلوم کرے۔ انہوں نے اسے کیوں اغوا کیا ہے اور اب کیا پوچھنا چاہتے ہیں۔

''جج۔ جج۔ جی۔ بب۔ بہت۔ بہتر''...... خاور نے خوفزدہ ہونے کی اداکاری کرتے ہوئے کہا تو باس اسے گھورنے لگا۔

''ہم تم سے یہ نہیں پوچھیں گے کہ تمہارے دیگر ساتھیوں کے نام کیا ہیں''...... باس نے دوبارہ بولنا شروع کیا۔

''اور نہ ہی ساتھیوں کے ایڈریس پوچھیں گے۔ مجھے یہ بھی معلوم نہیں کرنا کہ پاکیشیا سیکرٹ سروس کا ہیڈکوارٹر کہاں ہے''۔ باس نے کرخت لہجے میں کہا۔

''جب تم نے مجھ سے کچھ بھی نہیں پوچھنا تو پھر مجھے اس طرح باندھنے کا مقصد''...... خاور نے منہ بنا کر کہا۔

''ہاں۔ ایک سوال تو ایسا ہے جس کا جواب ہمیں چاہئے۔ ہر حال میں، ہر صورت میں اور اگر تم نے اس سوال کا جواب نہ دیا تو پھر تمہاری روح پر خاردار کوڑے برسائے جائیں گے اور جب تمہاری روح خاردار کوڑے میں پھنس جائے گی تو پھر اسے تمہارے جسم سے باہر کھینچا جائے گا۔ اب تم خود تصور کر سکتے ہو کہ یہ کتنا اذیت ناک مرحلہ ہو گا تمہارے لئے''...... باس نے غراتی ہوئی آواز میں کہا۔

''ہاں واقعی۔ یہ بہت اذیت ناک عمل ہو گا۔ تم پوچھو۔ تم نے کیا پوچھنا ہے''...... خاور نے کہا تو باس اندازہ نہ کر سکا کہ خاور نے طنز کیا ہے یا سنجیدگی سے یہ بات کی ہے۔ وہ ایک بار پھر خاور کو گھورنے لگا۔

''سیکرٹ ریکارڈ روم بلیو بلڈنگ میں ہے اور اس بلیو بلڈنگ کے لئے ایک خفیہ راستہ بھی بنایا گیا ہے۔ تم ہمیں اس راستے کی تفصیلات بتاؤ''...... باس نے خاور کو گھورتے ہوئے کہا۔

''میں تو کبھی بلیو بلڈنگ میں نہیں گیا۔ اس کے خفیہ راستے کے

بارے میں مجھے کیا معلوم ہو سکتا ہے''...... خاور نے کہا۔

''شٹ اپ۔ تم سیکرٹ سروس کے ممبر ہو۔ تم بلیو بلڈنگ سے کیسے لاتعلق ہو سکتے ہو''...... باس نے غرا کر کہا۔

''میں پاکیشیا سیکرٹ سروس کا ممبر ہوں چیف نہیں''......خاور نے منہ بناتے ہوئے کہا۔

''تم اپنے حق میں بہت برا کر رہے ہو خاور۔ ابھی یہاں تمہاری چیخیں گونجیں گی''...... باس نے کرخت لہجے میں کہا۔

''جو سچ تھا وہ میں نے بتا دیا ہے۔ ایک سچ تمہیں میں اور بھی بتا دوں اگر تم سننا چاہو تو''...... خاور نے کہا۔

''کون سا سچ''...... باس نے کہا۔

''وہ سچ یہ ہے کہ تم احمق آدمی ہو اور احمقانہ حرکتیں کرتے پھر رہے ہو۔ جس طرح بلیو بلڈنگ کا خفیہ راستہ تلاش کر رہے ہو۔ بھلا اس طرح ایسے راستے ملا کرتے ہیں''...... خاور نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

''شٹ اپ۔ یہ ہم بہتر جانتے ہیں کہ ہم نے کیا کیا اقدامات کرنے ہیں اور ہم جو بھی قدم اٹھاتے ہیں سوچ سمجھ کر اٹھاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہماری تنظیم ڈیتھ لائن ہمیشہ کامیاب رہتی ہے''...... باس نے غصے سے کہا۔

''اچھا۔ تو تم ڈیتھ لائن کے باس ہو۔ حیرت ہے ڈیتھ لائن کا چیف اتنا احمق ہے''...... خاور نے کہا۔

''بکواس بند کرو۔ چیف کی شان میں کوئی گستاخی کی تو تمہاری موت سے پہلے میں تمہاری زبان کاٹ دوں گا۔ ڈیتھ لائن کے چیف ڈیتھ ماسٹر ہیں اور ڈیتھ ماسٹر تم جیسے معمولی آدمیوں کے سامنے آنا بھی پسند نہیں کرتے اور اب باتوں کا وقت گزر گیا ہے۔ تمہارے پاس صرف پانچ سیکنڈ ہیں۔ ان پانچ سیکنڈوں میں اگر تم نے زبان نہ کھولی تو پھر میں اپنے طریقے سے تمہاری زبان کھلواؤں گا''...... باس نے بھیڑیئے کی مانند غراتے ہوئے کہا لیکن ظاہر سی بات ہے کہ اس کی دھمکی کا خاور نے کیا اثر لینا تھا۔ اس کے بعد باس کرسی سے اٹھا اور خاور کے قریب آ کر اس نے زور دار تھپڑ خاور کو رسید کر دیا۔ یہ تھپڑ اتنا زور دار تھا کہ خاور کا منہ مڑ گیا اور تھپڑ کی آواز پورے کمرے میں گونج کر رہ گئی۔

''بولو۔ مسٹر خاور بولو۔ اگر تم نہیں بولو گے تو تمہاری روح بولے گی۔ بتانا تو بہرحال تمہیں پڑے گا''......باس نے چیختے ہوئے کہا تو خاور نے اسے شعلہ بار نظروں سے دیکھا۔ خاور کو فولادی زنجیر سے ستون کے ساتھ باندھا گیا تھا۔ اس لئے وہ اپنے ناخنوں میں فٹ مخصوص کیمیکل لگے بلیڈوں سے بھی کام نہیں لے سکتا تھا کہ یہ بلیڈ رسی کو کاٹ سکتے تھے فولاد کو نہیں۔ زنجیر مضبوط اتنی تھی کہ شاید اسے جوزف اور جوانا بھی نہیں توڑ سکتے تھے۔ خاور کو اس زنجیر سے رہائی کی کوئی صورت دکھائی نہیں دے رہی تھی۔

''مسٹر خاور۔ میں جانتا ہوں کہ سیکرٹ ایجنٹ ڈھیٹ مٹی سے

بنے ہوتے ہیں۔ ان کی مرضی کے خلاف ان کی زبان کھلوانا آسان نہیں ہوتا لیکن مجھے تم جیسے ڈھیٹ سیکرٹ ایجنٹوں کی زبان کھلوانے کے کئی گر آتے ہیں۔ تم ابھی فر فر بولتے نظر آؤ گے''۔ باس نے بدستور غراتے ہوئے کہا۔

''میں تمہیں پہلے ہی بتا چکا ہوں کہ میں سیکرٹ ریکارڈ روم کے کسی بھی خفیہ راستے سے واقف نہیں ہوں اور تمہیں اس خفیہ راستے ہی کی تلاش کیوں ہے۔ اگر تم نے وہاں کوئی کارروائی کرنی ہے تو تم عام راستے سے جا کر بھی کارروائی کرا سکتے ہو۔ تمہارا تعلق ڈیتھ لائن سے ہے کسی عام تنظیم سے تو نہیں ہے''...... خاور نے طنزیہ لہجے میں کہا تو باس کا چہرہ غصے سے سرخ ہوتا چلا گیا اور اس کے ساتھ ہی باس کے ہاتھ اور پاؤں حرکت میں آ گئے۔

''میں تمہاری ہڈیوں، پسلیوں کا سرمہ بنا دوں گا۔ ایڈیٹ۔ نانسنس''...... باس نے طمانچے، مکے اور ٹھوکریں مارتے ہوئے کہا۔ وہ اس قدر غصے میں آ گیا تھا کہ اس کے منہ سے کف جاری ہو گیا تھا۔ تھوڑی دیر بعد وہ تھک گیا اور ہانپنے لگا۔

''اب کیا خیال ہے تمہارا۔ بتاؤ گے''...... باس اپنا سانس بحال کرتے ہوئے بولا تو خاور مسکرانے لگا۔

''مسٹر باس۔ میں تم پر واضح کر چکا ہوں کہ میں بلیو بلڈنگ کے کسی بھی خفیہ راستے سے واقف نہیں ہوں اور اگر میں واقف ہوتا بھی تو تمہارا کیا خیال ہے میں تمہیں بتا دیتا۔ نہیں مسٹر احمق باس۔

ہرگز نہیں۔ سیکرٹ ریکارڈ روم پاکیشیا کا دل ہے اور جس طرح دل کو کوئی نقصان پہنچ جائے تو انسان زندہ نہیں رہ سکتا اسی طرح اگر سیکرٹ ریکارڈر روم کو کوئی نقصان ہوتا ہے تو پورے پاکیشیا پر اس کے بھیانک اثرات مرتب ہوں گے۔ پاکیشیا کی سلامتی خطرے میں پڑ سکتی ہے اس لئے میں کب چاہوں گا کہ تم جیسے مجرم سیکرٹ ریکارڈ روم تک پہنچیں اس لئے اگر مجھے خفیہ راستہ معلوم بھی ہوتا تو میں تمہیں کبھی نہ بتاتا۔ چاہے میرے جسم کے ہزاروں ٹکڑے کر دیئے جاتے''...... خاور نے مسلسل بولتے ہوئے کہا۔

''تم سیکرٹ ایجنٹ ہو اور تمہیں اپنی قوت برداشت اور قوت ارادی پر بھروسہ ہے لیکن میں تمہارے اس بھروسے کو پاش پاش کر دوں گا۔ تمہاری کیا جرأت کہ تم میرے سامنے زبان نہ کھولو۔ میرے سامنے تو گونگے فر فر بولنے لگتے ہیں۔ پتھروں کو زبان لگ جاتی ہے۔ تمہاری اوقات ہی کیا ہے''...... باس نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

''الیکٹرک راڈ لے آؤ۔ میں الیکٹرک راڈ سے اس کے سارے جسم میں سوراخ کر دوں گا۔ اس کی زبان نہ بولی تو اس کے جسم میں ہونے والے سوراخ ضرور بولیں گے''...... باس نے خونی لہجے میں کہا تو اس کا ایک ماتحت دیوار کی طرف بڑھا۔ اس دیوار پر تشدد کے دیگر آلات کے ساتھ ساتھ الیکٹرک راڈ بھی لٹکا ہوا تھا لیکن اس سے پہلے کہ وہ دیوار تک پہنچتا۔ اچانک ہی کمرے کا دروازہ کھلا اور

ایک نوجوان لڑکی کمرے میں داخل ہوئی۔ خاور اسے دیکھ کر چونک پڑا۔ وہ اس لڑکی کو ہزاروں میں پہچان سکتا تھا۔ یہ انجلینا تھی جس کا اس نے تعاقب کیا تھا اور اسی تعاقب کے نتیجے میں وہ اس وقت یہاں تھا۔ کمرے میں داخل ہونے کے بعد انجلینا اس کی طرف توجہ دیئے بغیر دیوار کی طرف بڑھی۔ اس دیوار میں ایک الماری تھی اس نے الماری کھولی تو الماری میں ایک سکرین دکھائی دی۔ جس پر کئی بٹن لگے ہوئے تھے۔ انجلینا نے دو بٹن پریس کئے اور پھر وہ جسم کو خم کر کے مؤدبانہ لہجے میں بولی۔

''ٹی الیون حاضرِ خدمت ہے چیف''...... اس نے دو تین بار یہ فقرہ ادا کیا تو سکرین پر ایک جھماکا ہوا اور پھر اسکرین پر بجلیاں سی چمکنے لگیں۔ بجلیوں کے چمکنے کے بعد سکرین پر ایک انتہائی سیاہ اور خوفناک چہرہ دکھائی دیا۔ اس چہرے کو دیکھتے ہی کمرے میں موجود تمام افراد مؤدب ہو گئے۔ خاور بھی سمجھ گیا کہ یہ ڈیتھ لائن کا چیف ڈیتھ ماسٹر ہے جس نے خوفناک انداز کا ماسک پہنا ہوا ہے تاکہ یہ اپنے نام کی طرح خوفناک دکھائی دے۔ اس طرح کے ماسک سے اس کی دہشت اس کے اپنے آدمیوں پر اور مخالفین پر پڑتی تھی لیکن خاور پر اس کا معمولی سا اثر بھی نہ ہوا۔

''یس رپورٹ''...... سکرین سے ایک غراتی ہوئی آواز برآمد ہوئی۔ غراہٹ درندوں کی آواز سے مشابہہ تھی۔

''چیف۔ میرا مشن کامیابی کے قریب ہے۔ آفیسر نے آج مجھے

سیکرٹ ریکارڈ روم میں لے جانا ہے۔ آج رات فائل آپ کے پاس پہنچ جائے گی''...... انجلینا، جس نے اپنا نام ٹی الیون بتایا تھا نے مؤدبانہ لہجے میں کہا۔

''گڈ۔ آج وہ فائل میرے پاس پہنچ جانی چاہئے۔ تمہاری پہلی کوتاہی کو معاف اس لئے کیا گیا تھا کہ تم یہ فائل حاصل کرو گی ورنہ عمران کو اپنے پیچھے لگانے کی سزا صرف عبرتناک موت ہی ہو سکتی تھی''...... چیف کی سرد اور غراتی ہوئی آواز سنائی دی تو ٹی الیون کے جسم میں کپکپی سی پیدا ہو گئی۔

''آپ گریٹ ہیں چیف۔ آپ نے میری ایک کوتاہی معاف کر کے مجھ پر احسان کیا اور مجھے خدمت کا ایک اور موقع عطا کیا۔ اب مجھ سے کوئی کوتاہی نہیں ہو گی۔ فائل بہرحال آج رات آپ تک پہنچ جائے گی''...... ٹی الیون نے بدستور مؤدبانہ لہجے میں کہا۔

''او کے۔ اب تم جا سکتی ہو''...... ڈیتھ ماسٹر نے سرد لہجے میں کہا تو ٹی الیون نے ایک بار پھر سر جھکایا اور اس کے بعد وہ دروازے کی طرف بڑھی۔ دروازے کی طرف جاتے ہوئے اس نے خاور کی طرف دیکھا اور اس کے ہونٹوں پر ایک طنزیہ مسکراہٹ آ گئی۔ اس نے شرارتاً ایک آنکھ کو دبایا اور پھر وہ دروازے سے نکلتی چلی گئی۔ ٹی الیون کے کمرے سے چلے جانے کے بعد باس مؤدبانہ انداز میں سکرین کے قریب پہنچا۔

''چیف۔ میرے لئے کیا حکم ہے''...... اس نے بھی پہلے سر کو

جھکایا اور پھر مؤدبانہ لہجے میں بولا۔

''اگر تمہیں یہ ایجنٹ کچھ معلومات دے سکتا ہے تو اس سے معلومات نکلوا لو ورنہ اسے ٹھکانے لگا دو''...... ڈیتھ ماسٹر نے اپنی مخصوص غراتی ہوئی آواز میں کہا۔

''اوکے چیف۔ آپ کے حکم کی حرف بہ حرف تعمیل ہو گی''۔ باس نے مؤدبانہ لہجے میں کہا۔

جیسے ہی باس کا جملہ مکمل ہوا سکرین پر جھماکا ہوا اور پھر سکرین تاریک ہو گئی۔ باس نے ایک طویل سانس لیا اور پھر اس نے الماری بند کر دی اور پھر وہ خاور کے قریب آ کر اسے خونی نظروں سے دیکھنے لگا۔

''تم نے سن لیا ہو گا مسٹر خاور۔ چیف نے تمہارے لئے حکم دیا ہے کہ میں تمہیں ٹھکانے لگا دوں''...... باس نے کہا۔

''میں نے تمہارا کیا بگاڑا ہے کہ تم مجھے ٹھکانے لگاؤ گے۔ تمہارے سوال کا جواب میرے پاس ہے ہی نہیں اور ویسے بھی تمہاری ساتھی انجلینا سیکرٹ ریکارڈ روم تک پہنچنے والی ہے۔ تمہارا مشن مکمل ہونے والا ہے پھر مجھ کو تشدد کرنے یا مجھے ہلاک کرنے سے تمہیں کیا فائدہ حاصل ہو گا''...... خاور نے کہا۔

''اگر تم موت سے بچنا چاہتے ہو تو پھر میرے سوال کا جواب دو''...... باس نے کرخت لہجے میں کہا۔

''اب میں کتنی بار تم سے کہوں کہ میں بلیو بلڈنگ کے کسی خفیہ

راستے سے واقف نہیں ہوں۔ کہو تو اسٹامپ پیپر پر لکھ کر دے دوں''۔ خاور نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

''شٹ اپ۔ میں نے کہا تھا کہ مجھ سے طنزیہ لہجے میں بات نہ کرنا''...... باس نے انتہائی درشت لہجے میں کہا اور اس کے ساتھ ہی اس نے خاور کے منہ پر تھپڑ رسید کر دیا۔ اس تھپڑ سے بھی خاور کا منہ پھر گیا اور اس کا ہونٹ پھٹ گیا جہاں سے خون کے چند قطرے نکل آئے۔ اس کے بعد باس نے ایک ہاتھ آگے بڑھایا۔ اس کا آدمی الیکٹرک راڈ دیوار سے اتار لایا تھا اور اس نے تار بجلی کے بورڈ میں بھی لگا دی تھی۔ راڈ سرخ ہو چکا تھا۔

''تمہاری چیخیں اور تمہارے جلتے ہوئے گوشت کی بو میرے دل و دماغ پر بہت اچھا اثر ڈالے گا۔ کیونکہ ایسے موقعوں پر میں دلی سکون محسوس کرتا ہوں''...... باس نے زہریلے انداز میں مسکراتے ہوئے کہا اور پھر اس نے خاور کے گریبان میں ہاتھ ڈال کر قمیض کو ایک جھٹکا دیا تو خاور کی قمیض پھٹتی چلی گئی۔ باس کے چہرے پر زہریلی مسکراہٹ ابھری اور اس نے راڈ خاور کے سینے کی طرف بڑھایا لیکن اگلے ہی لمحے باس کی چیخ بلند ہوئی اور وہ اڑتا ہوا دور جا گرا جبکہ الیکٹرک راڈ اس کے ہاتھ سے نکل کر اس کے ایک ماتحت کے منہ سے جا ٹکرایا۔ اس کے ماتحت کی بھی چیخ بلند ہوئی اور ساتھ ہی گوشت جلنے کی سرانڈ بھی محسوس ہوئی۔ الیکٹرک راڈ نے ایک سیکنڈ سے بھی کم وقت میں اس آدمی کا چہرہ جلا دیا تھا۔

خاور کے جسم کا اوپر والا حصہ اور بازو تو زنجیروں میں جکڑے ہوئے تھے لیکن اس کی ٹانگیں آزاد تھیں۔ اس لئے جیسے ہی باس نے خاور کو الیکٹرک راڈ لگانا چاہا خاور نے اس کے سینے میں ٹھوکر رسید کر دی جس کے نتیجے مین وہ اڑتا ہوا دور جا گرا تھا۔ باس اور الیکٹرک راڈ سے زخمی ہونے والا آدمی دونوں ہی خاور کو شعلہ بار نظروں سے دیکھنے لگے۔ باس کی آنکھوں سے تو باقاعدہ غضب کی چنگاریاں سی نکل رہی تھیں۔

''اب تم نے خود اپنی موت کو آواز دے دی ہے۔ میں تو تم سے کافی رعایت کرنا چاہتا تھا''...... باس نے غیظ و غضب میں پھنکارتے ہوئے کہا۔ پھر اس نے جیب میں ہاتھ ڈالا اور جب اس کا ہاتھ جیب سے باہر آیا تو اس کے ہاتھ میں ریوالور تھا۔ اس نے ریوالور کا رخ خاور کی طرف کیا اور یکے بعد دیگرے ٹریگر دباتا چلا گیا۔ کمرہ دھماکوں سے گونج اٹھا اور خاور کا بندھا ہوا جسم جھٹکے کھانے لگا۔

عمران کا سر کار کی چھت سے ٹکرایا تو اسے یوں محسوس ہوا جیسے اس کے سر پر کسی نے ہتھوڑا مار دیا ہو۔ چھت سے ٹکرانے کے بعد وہ سیٹ پر آ گرا اور اس کے فوراً ہی بعد وہ ایک بار پھر کار کی چھت سے ٹکرایا۔ کار قلابازیاں کھا رہی تھی اور وہ کار کی چھت اور سیٹ کے درمیان فٹ بال بن گیا تھا۔ اس کے حواس بار بار معطل ہو رہے تھے لیکن وہ اپنی قوت ارادی کے بل بوتے پر اپنے حواس کو قابو کئے ہوئے تھا۔ وہ جانتا تھا کہ ہوش میں رہ کر ہی وہ اپنی جان بچانے کی کوشش کر سکتا ہے۔ بے ہوشی کی صورت میں تو موت یقینی تھی۔ کار فٹ بال کی مانند اچھلتی، کودتی ہوئی نیچے گر رہی تھی۔ نیچے گرتے ہوئے وہ پتھروں سے ٹکرا رہی تھی اور پتھروں سے ٹکرانے کی وجہ سے دھماکے ہو رہے تھے۔ گزرنے والی ہر ساعت عمران کو موت کے منہ میں ہی دھکیل رہی تھی۔ پھر ایک زور دار چھپاکا ہوا اور کار کی حرکت بند ہو گئی۔ عمران نے خود کو سنبھالا اور پھر کار کے

بلٹ پروف شیشوں سے باہر دیکھا۔ کار پانی میں ہچکولے کھا رہی تھی اور بتدریج ڈوب رہی تھی۔

پہاڑوں سے جھرنوں اور نالوں کی صورت میں بہنے والا پانی نیچے دریا کی مانند بہہ رہا تھا۔ اس پانی کا بہاؤ بہت تیز تھا۔ اگر کار مکمل طور پر اس میں ڈوب جاتی تو پھر عمران کا اس میں سے زندہ نکلنا مشکل تھا۔ اس لئے عمران نے کار کا جائزہ لیا۔ کار کی حالت بہت خراب ہو چکی تھی۔ اس کی باڈی بری طرح پچک گئی تھی۔ بونٹ کا نام و نشان تک مٹ گیا تھا اور چونکہ کار کے شیشے بلٹ پروف تھے اس لئے عمران بچ گیا تھا ورنہ اس کا حشر بھی ویسا ہی ہونا تھا جیسا کار کی باڈی کا ہوا تھا۔

عمران ابھی جائزہ ہی لے رہا تھا کہ اسے اپنے اردگرد پانی کا احساس ہوا۔ وہ فوراً ہی چونکا۔ پانی کار کے اندر داخل ہو گیا تھا۔ عمران نے کار کے دروازے کو توڑنے کے لئے جو فائرنگ کی تھی اس سے لاک میں اور دروازے میں سوراخ ہو گئے تھے۔ لاک میں سوراخ ہوتے ہی کار گہری کھائی میں گر گئی تھی اور عمران کو لاک ٹوٹنے کے بعد دروازہ کھولنے کا موقع ہی نہیں ملا تھا۔ اب پانی کو ان سوراخوں سے اندر آتے دیکھ کر اس نے دروازہ کھولنا چاہا لیکن دروازہ اب بھی نہ کھلا تو عمران کی نظر باہر گئی۔ کار پانی میں پڑے ہوئے ایک بہت بڑے پتھر سے چپکی ہوئی تھی۔ یہ پتھر یقیناً کئی ٹن وزنی تھا۔ اب جب تک کار اس سے دور نہ ہو جاتی۔ کار کا دروازہ

نہیں کھل سکتا تھا۔ عمران کے لئے سب سے بڑا مسئلہ کار سے نکلنا تھا اور اس کا ذہن مسلسل یہی سوچ رہا تھا کہ کیسے کار سے باہر نکلا جائے۔ پھر وہ چونکا۔ اس نے اپنے ریوالور کو تلاش کیا۔ جلد ہی اسے ریوالور مل گیا۔ اس نے ریوالور کی نال دوسرے دروازے کے لاک پر رکھ کر ٹریگر دبانا چاہا لیکن ریوالور پانی میں بری طرح بھیگ چکا تھا۔ اس لئے اب اس سے فائر نہ ہوا۔

''اگر یہ ریوالور واٹر پروف ہوتا تو کتنی اچھی بات تھی''۔ عمران نے بڑبڑاتے ہوئے اپنے آپ سے کہا۔ اس نے ریوالور وہیں پھینکا اور اپنی جیبوں کی تلاشی لینے لگا۔ اچانک اس کے ہاتھ میں ایک ڈبیہ آ گئی اور اس کی آنکھیں چمکنے لگیں۔ عمران نے وہ ڈبیہ نکال لی۔ پھر اس نے اسے کھول کر اس میں سے ایک سلاخ باہر نکال لی۔ سلاخ کا سرا لائٹر کی مانند تھا۔ لائٹر کے اوپر تین انچ کا خنجر کا پھل نظر آ رہا تھا۔ ڈبیہ کے اندر اور باہر ایک ایک بٹن لگا ہوا تھا۔ عمران نے باہر والا بٹن پریس کیا تو صرف تین چار سیکنڈ بعد خنجر کا پھل انتہائی سرخ ہو گیا۔ جیسے ہی خنجر سرخ ہوا عمران نے ڈبیہ کے اندر والا بٹن بھی پریس کیا اور پھر وہ کار کی چھت کی طرف متوجہ ہوا۔ چھت پتھروں سے ٹکرانے کی وجہ سے انتہائی خستہ ہو چکی تھی۔ عمران نے وہ خنجر کار کی چھت پر ایک جگہ رکھا اور زور لگانے لگا۔ تھوڑی ہی دیر میں وہ سرخ خنجر باڈی میں داخل ہو گیا۔ لوہے کی چھت آہستہ آہستہ کٹنے لگی۔ تقریباً پندرہ منٹ کی جدوجہد کے بعد

چھت کا ایک چوکور حصہ کٹ چکا تھا۔ پھر اچانک ہی عمران کو ایک زور دار جھٹکا لگا اور پانی کا ایک ریلا طوفانی رفتار سے کار میں داخل ہو گیا جبکہ کٹ جانے والا چوکور ٹکرا پانی میں کہیں جا گرا۔ کار پانی سے بھر گئی۔ عمران اب فوری طور پر اس پانی سے باہر نکلنا چاہتا تھا۔ عمران نے ڈبیہ پر لگائے بٹن پریس کئے اور پھر ڈبیہ واپس جیب میں رکھ لی۔ عمران اب ایک لمحہ بھی ضائع نہیں کرنا چاہتا تھا۔ کار کے پانی سے بھر جانے کی وجہ سے عمران نے اپنا سانس روکا ہوا تھا۔ اس نے اپنے دونوں ہاتھ چھت کے کٹے ہوئے حصے پر جمائے اور پھر اس کا جسم بلند ہوتا چلا گیا۔ وہ پلک جھپکتے ہی کٹے ہوئے چوکور حصے میں سے کار کی چھت پر پہنچ گیا۔ پانی کا بہاؤ بہت ہی تیز تھا اور عمران کو کار کی چھت پر قدم جمانا مشکل ہو رہا تھا۔ اس لئے اس نے تیرنا شروع کر دیا۔ تھوڑی دیر تیرنے کے بعد عمران نے پانی میں سے سر باہر نکالا اور اردگرد کا جائزہ لیا۔ سڑک بہت اوپر تھی۔ پانی کئی جگہوں سے پہاڑوں کی چوٹیوں سے گرتا، شور مچاتا ہوا دریا میں گر رہا تھا۔ یہ پانی چونکہ انتہائی یخ بستہ تھا اس لئے عمران کا جسم سن ہو رہا تھا۔ عمران فوراً ہی دریا کے کنارے پر آ گیا اور پھر پتھروں پر مضبوطی سے قدم جماتا ہوا دریا سے باہر نکل آیا۔ وہ دریا کے کنارے کنارے چلنے لگا۔ کنارے سے چند قدموں کے فاصلے پر بلند بالا پہاڑوں کا سلسلہ تاحد نظر پھیلا ہوا تھا۔ عمران نے اب ان پہاڑوں میں سے ہی راستہ تلاش کرنا تھا اور سڑک تک

پہنچنا تھا۔ تھوڑی سی تلاش کے بعد عمران کو پہاڑ کا ایک قدرتی راستہ نظر آ گیا۔ وہ اس راستے پر چلتے ہوئے پہاڑ کے اوپر چڑھنے لگا۔ وہ تھوڑی دور ہی چلا تھا کہ اچانک چونک اٹھا۔ اسے ہیلی کاپٹر کی آواز سنائی دی تھی اس نے اپنے قدم تیز کئے اور ایک چوڑے پتھر پر پہنچ کر رک گیا پھر اس نے اردگرد کا جائزہ لیا تو اسے دور ایک جگہ پر ہیلی کاپٹر اترتا ہوا نظر آیا۔ عمران نے غور سے ہیلی کاپٹر کو دیکھا۔ ہیلی کاپٹر پر کہیں بھی پاکیشیا کا نشان نہیں بنا ہوا تھا جس کا مطلب تھا کہ یہ پاکیشیا کا سرکاری ہیلی کاپٹر نہیں تھا۔ اس پر کسی ادارے یا کمپنی کا مونوگرام بھی دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ عمران جس پتھر پر موجود تھا اس سے چند قدم کے فاصلے پر ایک اور ابھرا ہوا پتھر موجود تھا۔ عمران اس پتھر کی اوٹ میں ہو کر ہیلی کاپٹر کو دیکھنے لگا۔ اس کے دیکھتے ہی دیکھتے ہیلی کاپٹر ایک مسطح چٹان پر اترا اور اس میں سے چار آدمی نیچے کودے۔ ان آدمیوں کو دیکھ کر عمران ایک بار پھر چونک پڑا کیونکہ وہ چاروں مشین گنوں سے مسلح تھے اور انہوں نے غوطہ خوری کے لباس پہنے ہوئے تھے۔ ہیلی کاپٹر سے نیچے اترنے کے بعد وہ نہایت احتیاط سے چلتے ہوئے اس طرف بڑھنے لگے جس طرف عمران کی کار پانی میں ڈوبی ہوئی تھی۔

عمران نے چاروں طرف کا جائزہ لیا۔ چند لمحوں کے لئے کچھ سوچا اور پھر وہ پتھروں کی اوٹ لیتا ہوا ہیلی کاپٹر کی جانب بڑھنے لگا۔ ایک طویل چکر کاٹ کر وہ ہیلی کاپٹر کے عقب میں پہنچ گیا۔

ہیلی کاپٹر میں اس وقت بھی دو آدمی بیٹھے ہوئے تھے جو کافی چوکس دکھائی دے رہے تھے۔ عمران ان آدمیوں کا انتظار کرنے لگا جو ڈوبی ہوئی کار کی طرف گئے تھے اور اسے زیادہ انتظار نہ کرنا پڑا۔ عمران جو کہ ایک چٹان کے پیچھے چھپا ہوا تھا، کو باتوں کی آواز سنائی دی۔

''اب باس کو کیا رپورٹ دیں۔ صحیح رپورٹ دینے سے کہیں باس غصے میں ہی نہ آ جائے''...... عمران نے ایک آدمی کی آواز سنی۔

''غلط رپورٹ بھی تو نہیں دے سکتے۔ رپورٹ غلط ثابت ہونے پر گولی مار دی جاتی ہے''...... ایک اور آواز سنائی دی۔ عمران نے چٹان کے پیچھے سے انہیں دیکھا۔ وہ ایسے زاویہ پر تھا کہ وہ تو ان چاروں کو دیکھ سکتا تھا لیکن وہ چاروں اسے نہیں دیکھ سکتے تھے۔ ان چاروں میں سے ایک آدمی نے ایک بریف کیس بھی اٹھایا ہوا تھا۔ وہ آپس میں باتیں کرتے کرتے بے فکری سے ہیلی کاپٹر کی طرف بڑھ رہے تھے۔

''معلوم نہیں۔ عمران کیسے بچ نکلا ہے اس کے بچ نکلنے پر شامت ہماری ہی آنی ہے''...... ایک اور آدمی نے کہا۔ وہ اس چٹان سے آگے بڑھ گئے تھے جس کے پیچھے عمران چھپا ہوا تھا۔ عمران نے صرف ایک لمحے کے لئے کچھ سوچا اور پھر اچانک ہی وہ عقاب کی مانند اچھلا اور اڑتا ہوا ان چاروں پر آ گرا۔ وہ چاروں

اس حملے کے لئے تیار نہ تھے۔ ان کے تو وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ اس ویران و سنسان اور سنگلاخ چٹانوں کے درمیان ان پر کوئی مصیبت بھی آ سکتی تھی لہٰذا وہ چاروں ہی پتھریلی زمین پر گرتے چلے گئے۔ عمران نے پلک جھپکتے ہی ایک آدمی سے مشین گن چھینی اور پھر پہاڑیاں فائرنگ کی تیز آواز سے گونج اٹھیں۔ اس فائرنگ کی آواز میں چار انسانی چیخوں کی آوازیں بھی شامل ہو گئیں۔ وہ چاروں چٹانوں پر مرغ بسمل کی طرح تڑپنے لگے۔ اسی لمحے عمران پر بھی فائرنگ ہوئی۔ یہ فائرنگ ہیلی کاپٹر میں بیٹھے ہوئے آدمیوں نے کی تھی اور چونکہ عمران کو ان کی طرف سے اس حملے کی توقع تھی اس لئے وہ ان کی طرف سے چوکنا تھا۔ اس لئے جیسے ہی یہ فائرنگ ہوئی اس نے فضا میں غوطہ لگا دیا۔ اسی لمحے ہیلی کاپٹر سے ایک آدمی نے نیچے چھلانگ لگائی اور اس کے ساتھ ہی ہیلی کاپٹر کے پر بھی حرکت میں آ گئے۔ نیچے چھلانگ لگانے والا آدمی مشن گن سے فائرنگ کرتا ہوا اس طرف بھاگا جہاں بریف کیس گرا ہوا تھا۔ اس نے انتہائی تیزی اور پھرتی کے ساتھ بریف کیس اٹھایا اور واپس ہیلی کاپٹر کی طرف دوڑا۔ وہ دوڑ بھی رہا تھا اور مشین گن سے فائرنگ بھی کر رہا تھا۔ ہیلی کاپٹر کے قریب پہنچ کر اس نے جمپ لگایا لیکن اس سے پہلے کہ وہ ہیلی کاپٹر کے اندر پہنچتا عمران نے اس پر فائر کھول دیا۔ درجنوں گولیاں اس کی گردن کے آر پار ہو گئیں۔ اس کی کربناک چیخ سے پہاڑیاں ایک بار پھر گونج

اٹھیں۔ وہ بریف کیس سمیت نیچے گرا اور تڑپنے لگا جبکہ ہیلی کاپٹر بلند ہو گیا۔ عمران اب ہیلی کاپٹر کو بھی واپس نہیں جانے دینا چاہتا تھا۔ اس نے مشین گن کا رخ ہیلی کاپٹر کی طرف کر کے ٹریگر دبا دیا۔ درجنوں گولیاں ہیلی کاپٹر کے شیشے کو توڑتی ہوئیں پائلٹ کو جا لگیں۔ ہیلی کاپٹر کی آواز کافی تیز تھی لیکن پائلٹ کی چیخ اس سے بھی زیادہ تیز تھی۔ اس کی چیخ کے ساتھ ہی ہیلی کاپٹر ڈگمگایا، لہرایا اور پھر ایک طرف گرتا چلا گیا۔ اگلے لمحے ایک ہولناک سماعت شکن دھماکا ہوا۔ یہ دھماکا اس قدر شدید تھا کہ پہاڑیاں تک لرز اٹھیں۔ ہیلی کاپٹر کے چٹان سے ٹکرانے کے بعد اس کے شعلوں میں ڈوبے ہوئے ٹکڑے دور دور گرتے ہوئے دکھائی دیئے۔

عمران نے بریف کیس کی طرف دیکھا جو ایک آدمی کی لاش کے نیچے دبا ہوا تھا۔ عمران بریف کیس کی طرف بڑھا۔ اس نے لاش کے نیچے سے بریف کیس کھینچ لیا۔ بریف کیس بالکل نیا، خوبصورت اور مضبوط تھا۔ معائنے پر عمران کو محسوس ہو گیا کہ یہ بریف کیس واٹر پروف اور فائر پروف ہے۔ بریف کیس کے معائنے کے بعد عمران نے اس کے تالے کا بھی معائنہ کیا۔ تالا بھی جدید ساخت کا تھا لیکن تالا کیسا ہی کیوں نہ ہو اسے کھولنا عمران اور اس کے ساتھیوں کے لئے کوئی مسئلہ نہیں تھا۔ عمران نے اپنی جیبوں میں ہاتھ ڈالا اور پھر ”ماسٹر کی“ کی موجودگی کو محسوس کر کے مطمئن انداز میں سر ہلانے لگا۔ عمران نے ماسٹر کی نکالی اور پھر اس

نے ”کی“ بریف کیس کے تالے میں ڈالی اور اسے مخصوص انداز میں گھمانے لگا۔ تھوڑی سی کوشش کے بعد ہلکی سی کھٹک کی آواز سنائی دی اور تالا کھل گیا۔ عمران نے بریف کیس کھولا اور اس کا جائزہ لینا ہی چاہتا تھا کہ بریف کیس کے ایک کونے میں سے ایک لمبا سا راڈ نکل آیا پھر اس سے پہلے کہ عمران چونکتا اس راڈ میں سے کئی سوئیاں نکلیں اور عمران کے سینے میں آ لگیں۔ عمران نے ان سے خود کو بچانے کی شعوری اور لاشعوری کوشش کی لیکن وہ ناکام رہا۔

عمران اپنے سینے کی طرف دیکھ ہی رہا تھا کہ بے اختیار اس کے منہ سے چیخ نکل گئی کیونکہ اسے ایسا محسوس ہوا تھا جیسے یکدم ہی اس کے بدن میں آگ بھڑک اٹھی ہو۔ عمران کا چہرہ یکدم ہی آگ کی مانند سرخ ہوتا چلا گیا۔ ایک دو سیکنڈ بعد ہی اس کی پیشانی کی رنگت نیلی ہونے لگی اور اس کے ہاتھوں کی رگیں پھولنے لگیں۔ اس کا تمام چہرہ اور جسم پسینے میں شرابور ہو گیا۔ اس کے منہ سے ایک خوفناک غراہٹ نکلی اور یکدم ہی اس کی آنکھوں سے بے بسی جھلکنے لگی۔ عمران نے اپنی جگہ سے اٹھنے کی کوشش کی تو تھوڑی سی کوشش کے بعد وہ کھڑا ہو گیا لیکن کھڑے ہوتے ہی اس کی ٹانگوں میں لرزہ طاری ہو گیا۔ اس کی ٹانگیں اس کا وزن سہارنے سے قاصر ہو رہی تھیں۔ وہ لڑکھڑایا اور پھر پتھریلی زمین پر گرتا چلا گیا۔ گرتے ہی اس کا جسم کانپا، متعدد بار تڑپا اور پھر ساکت ہو گیا۔

بلیک زیرو آپریشن روم میں اپنی مخصوص کرسی پر بیٹھا ہوا تھا۔ اس کے سامنے ٹی وی آن تھا۔ ٹی وی پر ایکریمیا کے تباہ شدہ علاقے دکھائے جا رہے تھے۔ ڈاکٹر بلیک کی بربریت سے جو لوگ ہلاک ہو گئے تھے وہ الگ تھے لیکن جو لوگ زخمی ہوئے تھے وہ موت سے بھی بدتر زندگی گزار رہے تھے۔ تابکاری اثرات نے ان کی زندگیوں کو جہنم بنا دیا تھا۔ ان زخمی افراد میں سے جو ہوش میں تھے وہ التجائیں کر رہے تھے کہ انہیں زہر کا ٹیکہ لگا کر اس عذاب سے نجات دلا دی جائے۔ انسانوں کے کٹے پھٹے اعضا دیکھ کر جسم میں ایک جھرجھری سی پیدا ہوتی تھی۔ کئی افراد کے چہرے زخمی ہو کر اس قدر بھیانک ہو گئے تھے کہ انہیں دیکھنے والا خوف کا شکار ہو جاتا تھا۔ ایکریمیا کے ساتھ ساتھ باچان میں بھی یہی صورت حال تھی۔

جب سے ڈاکٹر بلیک کا نام دنیا کے سامنے آیا تھا دنیا پر گویا ایک نحوست سی چھا گئی تھی۔ دنیا بھر کے لوگ ہر وقت خوفزدہ اور

سہمے ہوئے رہتے تھے۔ کئی کمزور دل افراد تو راتوں کو چیخیں مار کر اٹھ بیٹھتے تھے کیونکہ خواب میں انہیں ڈاکٹر بلیک دکھائی دیتا تھا۔ میڈیا، ایکریمیا اور باچان کے مناظر دکھا رہا تھا۔ ان مناظر کو دیکھ کر دل کے کئی مریض اپنی زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھے تھے کیونکہ ڈاکٹر بلیک نے پاکیشیا کو بھی دھمکی دی ہوئی تھی اور اس کی لسٹ میں سرسلطان کا نام بھی شامل تھا اس لئے پاکیشیا میں بھی سرکاری سطح پر میٹنگز ہو رہی تھیں۔ سرسلطان کی حفاظت کے پلان تیار کئے جا رہے تھے۔ کئی شخصیات سرسلطان کے لئے پریشان تھیں لیکن سرسلطان پریشان نہیں تھے۔ بلیک زیرو بھی ٹی وی دیکھنے کے ساتھ ساتھ سرسلطان کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ سرسلطان ان دنوں دو عالمی مجرموں کے نشانے پر تھے۔ ڈاکٹر بلیک کی کارکردگی تو دنیا بھر کے سامنے آ چکی تھی۔ ڈیتھ لائن بھی کم خطرناک نہیں تھی۔ ڈیتھ لائن ان دنوں پاکیشیا میں تھی۔ خاور ڈیتھ لائن کے ایجنٹوں کے تعاقب میں گیا تھا اور پھر اس کی طرف سے کوئی رپورٹ نہیں آئی تھی۔ اس کا مخصوص سیل فون سیٹ بھی آف تھا۔ جس کا واحد مطلب یہی تھا کہ خاور کسی مشکل میں پھنس چکا ہے۔ بلیک زیرو نے جولیا کو ہدایت کر دی تھی کہ وہ ممبران سے کہہ دے کہ تمام ممبران، ڈیتھ لائن کے ایجنٹوں اور خاور کو ٹریس کریں۔ سیکرٹ سروس کے تمام ممبران اس کی ہدایت پر عمل کر رہے تھے لیکن ابھی کسی طرف سے کوئی مثبت رپورٹ نہیں آئی تھی۔ عمران بھی سرسلطان سے ملنے

گیا تھا اور ابھی تک واپس نہیں آیا تھا۔ عمران کا خیال آتے ہی بلیک زیرو نے بے اختیار وال کلاک کی طرف دیکھا۔ عمران کو گئے ہوئے بہت وقت ہو گیا تھا۔ وہ وال کلاک کی طرف دیکھ ہی رہا تھا کہ ٹیلی فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ وہ چونکا اور پھر اس نے رسیور کی طرف ہاتھ بڑھایا

''ایکسٹو''...... بلیک زیرو نے رسیور اٹھا کر کان سے لگایا اور مخصوص لہجے میں بولا۔

''طاہر صاحب۔ میں جوزف بول رہا ہوں''...... دوسری طرف سے جوزف کی تیز آواز سنائی دی۔

''جوزف۔ کیا ہوا ہے۔ یہ تم کس طرح سے بول رہے ہو''۔ بلیک زیرو نے کچھ سخت لہجے میں کہا۔

''طاہر صاحب۔ مجھے ابھی ابھی فادر جوشوا نے خبر دی ہے کہ باس کے سر پر باکھی جھیل کی بدروح منڈلا رہی ہے اور جب کسی کے سر پر باکھی جھیل کی روح منڈلاتی ہے تو اس کا بچنا ناممکن ہوتا ہے۔ موت اسے اپنا مہمان بنا کر لے جاتی ہے''...... دوسری طرف سے جوزف کی گھبرائی ہوئی آواز سنائی دی تو بلیک زیرو حیران ہو گیا۔

''یہ تم کیا کہہ رہے ہو جوزف۔ کہیں تم نے دوبارہ شراب پینا تو شروع نہیں کر دی''...... بلیک زیرو نے کہا۔

''طاہر صاحب۔ باتوں میں وقت ضائع مت کریں۔ ہم نے

باس کو موت کے جبڑے سے کھینچنا ہے۔ اگر ہمیں تاخیر ہو گئی تو پھر موت کا اژدھا باس کو نگل جائے گا۔ میں آندھی کی رفتار سے دانش منزل آ رہا ہوں۔ آپ پلیز دانش منزل کے ہیلی پیڈ پر پہنچ جائیں۔ ہم نے ہیلی کاپٹر میں جانا ہے''...... دوسری طرف سے جوزف نے ایک بار پھر تیز لہجے میں کہا اور پھر کال منقطع ہو گئی جبکہ بلیک زیرو ہیلو ہیلو کرتا رہ گیا۔ پھر بلیک زیرو نے جبڑے بھینچے، کریڈل پر انگلی رکھ کر ہٹائی اور اس کے بعد تیزی سے عمران کے نمبر پریس کرنے لگا۔ جیسے ہی نمبرز مکمل ہوئے کمپیوٹر نے بتا دیا کہ نمبر آف ہے۔ پھر اس سے پہلے کہ بلیک زیرو کچھ سوچتا بیل کی ہلکی مگر مترنم آواز سنائی دینے لگی۔ بلیک زیرو نے کمپیوٹر کی بورڈ کے دو بٹن پریس کئے تو دانش منزل کا گیٹ کھلتا چلا گیا اور زوں کی آواز کے ساتھ جوزف کی جہازی سائز کار اندر داخل ہو گئی۔ کار ایک جھٹکے سے رکی اور جوزف کار سے نیچے اتر کر آپریشن روم کی طرف دوڑا۔ وہ ایک سیکنڈ سے بھی کم وقت میں آپریشن روم میں پہنچ گیا۔

''طاہر صاحب۔ میں نے تم سے کہا تھا کہ ہیلی پیڈ پر پہنچو اور تم ابھی تک آپریشن روم میں بیٹھے ہو''...... جوزف نے درشت لہجے میں کہا تو بلیک زیرو نے چونک کر اس کے چہرے کی طرف دیکھا۔ اس کا سیاہ چہرہ اور زیادہ سیاہ ہو گیا تھا۔ اس کے چہرے پر وحشت پھیلی ہوئی تھی۔ جوزف نے بلیک زیرو سے کبھی بھی اس لہجے میں بات نہیں کی تھی۔ وہ جس طرح عمران کا احترام کرتا تھا اسی طرح

بلیک زیرو کا احترام کرتا تھا لیکن آج نجانے اسے کیا ہو گیا تھا۔

''جوزف۔ کیا ہو گیا ہے تمہیں۔ تمہیں معلوم ہے کہ تم کس سے بات کر رہے ہو''...... بلیک زیرو نے غصے سے کہا۔

''اگر باس کو کچھ ہو گیا تو میں پوری دنیا کو آگ لگا دوں گا۔ اس دنیا کا ایک آدمی بھی زندہ نہیں بچے گا''...... جوزف نے کہا۔ اس کے لہجے میں درجنوں درندوں کی غراہٹ شامل تھی۔ یہ کہہ کر وہ مڑا۔

''طاہر صاحب۔ اگر تم نہیں جانا چاہتے تو نہ جاؤ۔ میں جا رہا ہوں''...... جوزف نے مڑتے ہوئے کہا اور وہ جس رفتار سے آپریشن روم میں آیا تھا اسی رفتار سے باہر کی طرف بھاگا۔

لازماً کوئی ایسی بات تھی جو جوزف کی یہ حالت ہو گئی تھی۔ وہ اس وقت کسی پاگل درندے کی طرح دکھائی دے رہا تھا۔ بلیک زیرو جانتا تھا کہ جوزف کا عمران سے روحانی تعلق تھا۔ کئی موقعوں پر وہ ناقابل یقین باتیں کہہ چکا تھا۔ وہ اس کے فادر جوشوا کے بارے میں بھی جانتا تھا۔ اس لئے جیسے ہی جوزف دروازے کی طرف دوڑا بلیک زیرو بھی اس کے پیچھے دوڑا۔ دونوں طوفانی رفتار سے دوڑتے ہوئے چند سیکنڈوں میں ہی دانش منزل کے ہیلی پیڈ تک پہنچ گئے۔ پھر ایک لمحہ بھی ضائع کئے بغیر وہ دونوں ہیلی کاپٹر میں سوار ہو چکے تھے اور ہیلی کاپٹر بلند ہو رہا تھا۔

''کس طرف جانا ہے''...... بلیک زیرو نے کہا۔

''شالا بار پہاڑی سلسلے کی طرف لیکن ہیلی کاپٹر کو تیز سے تیز اڑائیں طاہر صاحب۔ گاڈ باس کی حفاظت کرے''...... جوزف نے کہا تو بلیک زیرو نے اثبات کے انداز میں سر ہلایا۔ اس نے ہیلی کاپٹر کا رخ شالا بار پہاڑی سلسلے کی طرف کر دیا اور اس کے ساتھ ہی اس نے اپنے سیل فون سے عمران کے سیل فون پر کال دی لیکن عمران کا سیل فون بدستور آف تھا۔

''جوزف۔ اب تو بتا دو کیا ہوا ہے عمران صاحب کو''...... بلیک زیرو نے سنجیدہ لہجے میں کہا۔

''طاہر صاحب۔ میں نے بتایا تو ہے کہ باس پر باکھی جھیل کی روح منڈلا رہی ہے اور باس بے بس ہو چکا ہے اور موت بلی کی مانند قدم بہ قدم اس کی طرف بڑھ رہی ہے''...... جوزف نے کہا۔ جوزف کی باتیں بلیک زیرو کو سمجھ نہیں آ رہی تھیں۔

''جوزف۔ شالا بار کا پہاڑی سلسلہ تو بہت وسیع ہے۔ ہم عمران صاحب کو کہاں تلاش کریں گے''...... بلیک زیرو نے کہا۔

''مجھے فادر جوشوا نے تصور میں وہ جگہ دکھائی ہے۔ طاہر صاحب۔ تم ہیلی کاپٹر کا کنٹرول مجھے دے دو''...... جوزف نے کہا۔

''اوکے۔ مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے''...... بلیک زیرو نے کاندھے اچکاتے ہوئے کہا۔ تھوڑی ہی دیر میں ہیلی کاپٹر شالا بار پہاڑی سلسلے میں پہنچ گیا اور پھر نصف منٹ بعد جوزف نے ہیلی کاپٹر پہاڑوں کے درمیان ایک مسطح جگہ پر اتار دیا۔ جونہی بلیک

زیرو کی نظر نیچے گئی وہ بری طرح چونک پڑا۔ اس نے ایک جگہ عمران کو ساکت پڑے ہوئے دیکھ لیا۔ وہاں قریب اور آدمیوں کی لاشیں بھی پڑی ہوئی تھیں۔ پھر تو بلیک زیرو نے ہیلی کاپٹر کے رکنے کا صحیح طرح انتظار بھی نہ کیا اس نے کھڑکی کا شیشہ سائیڈ پر کیا اور نیچے چھلانگ لگا دی اور دوڑتا ہوا عمران کے قریب پہنچ گیا۔ عمران بالکل ساکت پڑا ہوا تھا اس کا چہرہ نیلا ہوچکا تھا اور ہاتھوں کی رگیں پھولی ہوئی تھیں۔ بلیک زیرو، عمران کا معائنہ کر ہی رہا تھا کہ جوزف بھی وہاں پہنچ گیا۔

''باس۔ باس۔ آنکھیں کھولو۔ دیکھوتمہارا غلام آ گیا ہے۔ غلام تمہیں مرنے نہیں دے گا باس۔ تم گریٹ ہو باس اور گریٹ لوگ مرتے نہیں ہیں''...... جوزف نے تیز لہجے میں کہا اور اس کے ساتھ ہی اس نے اپنی جیب سے کچھ پتے نکال لئے۔ پتے تر و تازہ تھے۔ اس نے اپنے ایک ہاتھ سے عمران کا منہ کھولا اور دوسرے ہاتھ میں پکڑے ہوئے پتوں کو عمران کے منہ کے قریب لاکر پتوں کو نچوڑا تو پتوں سے سبز رنگ کا سیال چند قطروں کی صورت میں نکلا اور عمران کے منہ میں چلا گیا۔ جوزف نے عمران کا منہ چھوڑ دیا اور پھر وہ عمران کا جسم دیکھنے لگا۔ عمران کے سینے پر لگی چند سوئیاں اسے نظر آ گئیں۔ اس نے جلدی جلدی سے وہ ساری سوئیاں نکال کر دور پھینک دیں۔ اس کے بعد اس نے اپنی جیب سے ایک خنجر نکالا اور عمران کے بازو پر ایک گہرا کٹ لگا دیا۔ عمران کے بازو سے

خون نکلنے لگا لیکن بلیک زیرو اس خون کو دیکھ کر حیران ہونے لگا کیونکہ اس خون کا رنگ نیلا تھا۔ کٹ لگانے کے بعد جوزف نے وہ پتے دوبارہ اٹھا لئے جو اس نے عمران کے منہ میں نچوڑے تھے۔ جوزف نے ایک بار پھر عمران کا منہ کھولا اور وہ سارے پتے دوبارہ نچوڑ کر ان کا رس عمران کے منہ میں ٹپکا دیا۔ اس کے بعد وہ عمران کا چہرہ غور سے دیکھنے لگا۔ اس کی نظریں بازو پر بھی تھیں جہاں سے خون بہہ رہا تھا۔ تقریباً نصف منٹ گزرا ہوگا کہ بہنے والے خون کی نیلاہٹ ختم ہونے لگی۔ مزید پندرہ بیس سیکنڈ بعد خون سرخ ہو گیا۔ اس کے ساتھ ہی عمران کے چہرے پر موجود نیلاہٹ بھی ختم ہو گئی تو جوزف نے ایک طویل سانس لیا پھر اس نے جیب سے رومال نکال کر عمران کے زخم پر باندھ دیا۔ خون کی روانی رک گئی۔ جوزف کے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ آ گئی اور پھر اس نے چاروں طرف غور سے دیکھا۔ اس کے بعد وہ پتھروں پر اگی جھاڑیوں کی طرف بڑھتا چلا گیا۔ کچھ دیر بعد وہ واپس آیا تو اس کے ہاتھ میں موٹے پتوں والی جھاڑیاں تھیں۔ اس نے ان جھاڑیوں کو بھی ہاتھ سے نچوڑ کر ان میں سے چند قطرے نکالے اور یہ قطرے عمران کے حلق میں ٹپکا دیئے۔ اب وہ مکمل طور پر مطمئن دکھائی دے رہا تھا۔

بلیک زیرو جاننا چاہتا تھا کہ عمران کو کیا ہوا ہے لیکن وہ جوزف سے نہیں پوچھ سکتا تھا کیونکہ اسے معلوم تھا کہ جوزف نے یہی جواب دینا ہے کہ باس کے سر پر باکھی جھیل کی روح منڈلا رہی

ہے اور بلیک زیرو کو روحوں اور بدروحوں پر بالکل یقین نہیں تھا۔ وہ دونوں ہی خاموشی سے عمران کو دیکھے جا رہے تھے پھر اچانک ہی عمران کے جسم میں حرکت پیدا ہوئی۔ اس حرکت کو دیکھتے ہی وہ دونوں خوش ہو گئے۔ حرکت کا مطلب یہی تھا کہ اب عمران موت سے دور اور زندگی کے قریب آ رہا تھا۔

''میں عمران صاحب کو طاقت کے انجکشن لگاتا ہوں''...... بلیک زیرو نے کہا تو جوزف نے دھیمے سے اثبات میں سر ہلا دیا۔ ہیلی کاپٹر میں میڈیکل باکس موجود تھا۔ بلیک زیرو ہیلی کاپٹر میں گیا۔ اس نے دو انجکشن تیار کئے اور پھر واپس آ کر وہ انجکشن عمران کو لگا دیئے۔ ان انجکشنز نے اچھا اثر دکھایا اور عمران تیزی سے ہوش میں آنے لگا۔ تھوڑی ہی دیر میں اسے ہوش آ گیا اور خالی الذہن سے ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ اس کے چہرے پر اب بھی کمزوری کے تاثرات موجود تھے۔

''اے شب دیجور کی اولاد۔ تو قبر میں بھی آ گیا ہے۔ کہیں بھی چین سے نہیں رہنے دے گا''...... عمران نے کہا۔

''تھینک گاڈ۔ باس تمہیں ہوش آ گیا''...... جوزف نے خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

''عمران صاحب۔ آپ کی حالت تو انتہائی مخدوش ہو چکی تھی''۔ بلیک زیرو نے کہا۔

''ہاں۔ مجھے اندازہ ہے کہ سانسوں کی مالا میں بس ایک دو موتی

رہ گئے تھے۔ اگر تم دونوں نہ آتے تو میں اس وقت جنت کے باغوں میں پہنچ چکا ہوتا''...... عمران نے کہا۔ اس کے چہرے سے نقاہت صاف عیاں ہو رہی تھی۔

''عمران صاحب۔ اللہ تعالیٰ نے ابھی آپ کو بچانا تھا اس لئے اس نے جوزف کو بھیج دیا۔ جوزف نے چند عام سے پتوں سے آپ کا علاج کیا ہے''...... بلیک زیرو نے کہا اور پھر اس نے عمران کو مختصراً تمام حالات بتا دیئے۔

''سوری طاہر صاحب۔ میں نے آپ سے تیز لہجے میں بات کی لیکن مجھے مجبوراً ایسا کرنا پڑا۔ اگر میں ایسا نہ کرتا تو مجھے آپ کے بہت سے سوالوں کے جواب دینے پڑے جبکہ ہمارے پاس وقت بالکل نہیں تھا۔ اگر مزید دو سیکنڈ تک شلمی پتوں کا رس باس کے حلق سے نیچے نہ اترتا تو لاکھی جھیل کی روح اپنے مقصد میں کامیاب ہو جاتی۔ باس موت کے حلق تک پہنچ گیا تھا۔ ہم نے زبردستی باس کو باہر کھینچا ہے''...... جوزف نے بلیک زیرو سے معذرت کرتے ہوئے کہا تو عمران نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

''تم نے طاہر سے تیز لہجے میں بات کی ہے۔ جانتے ہو نا طاہر کون ہے''...... عمران نے غصیلے لہجے میں کہا۔

''نہیں عمران صاحب۔ اس نے مجھ سے گستاخانہ لہجے میں بات نہیں کی۔ ہاں۔ یہ آپ کی وجہ سے پریشان تھا اور اس کے انداز سے پریشانی محسوس ہو رہی تھی۔ اس پریشان لہجے کو اس نے شاید تیز

محسوس کیا ہو''...... بلیک زیرو نے جوزف کی طرف محبت بھرے انداز میں دیکھتے ہوئے کہا۔ یہ درست تھا کہ اسے جوزف کے لہجے پر ایک دو لمحوں کے لئے غصہ آیا تھا لیکن جوزف کا وہ انداز فطری تھا۔ اس کے اس لہجے میں عمران کے لئے محبت اور وفاداری کا جذبہ موجود تھا۔ اس وقت جوزف کو احساس ہی نہیں تھا کہ وہ کس سے اور کیا بات کر رہا ہے۔

''اوکے۔ تم کہتے ہو تو اسے معاف کر دیتا ہوں ورنہ اس نے اس پہاڑی علاقے میں ایک ہزار ایک ڈنڈ لگانے تھے اور ان پہاڑی سلسلوں میں فاکا ماکا کی بدروحیں بھی چہل قدمی کرتی رہتی ہیں اور ایک ہزار ایک ڈنڈ لگانے والے کو تو وہ بہت پسند کرتی ہیں''...... عمران نے سنجیدہ لہجے میں کہا تو جوزف کا سیاہ چہرہ مزید سیاہ ہو گیا اور اس کے جسم میں کپکپی پیدا ہو گئی۔

''تم گریٹ ہو باس۔ بہت ہی گریٹ۔ اپنے غلام کا بہت خیال رکھتے ہو''...... جوزف نے کپکپاتے ہوئے کہا۔

''عمران صاحب۔ اگر آپ بہتر محسوس کر رہے ہوں تو ہم واپس چلیں''...... بلیک زیرو نے سوالیہ انداز میں کہا۔

''لاکھانہ زہر سے شاید ہی آج تک کوئی بچا ہو۔ یہ میری خوش قسمتی ہے کہ میں نہ صرف اس سے بچ گیا ہوں بلکہ اتنی جلدی خود کو نارمل بھی محسوس کر رہا ہوں''...... عمران نے کہا اور اس کے ساتھ ہی وہ کھڑا ہو گیا۔

''عمران صاحب۔ آپ کو کچھ نہیں ہو گا۔ آپ کے سر پر کروڑوں معصوم لوگوں کی دعاؤں کا سایہ ہے اور ہاں آپ یہ تو بتائیں کہ آپ تو سر سلطان سے ملنے گئے تھے پھر آپ ان پہاڑوں تک کیسے پہنچ گئے۔ زہر کا شکار کیسے ہوئے اور اردگرد لاشیں کن لوگوں کی تھیں''...... بلیک زیرو نے ایک ساتھ کئی سوال پوچھے۔ اس کے ساتھ ہی اس نے عمران کو ہیلی کاپٹر میں سوار ہونے کے لئے مدد بھی دینی چاہی لیکن عمران خود ہی اچھل کر ہیلی کاپٹر میں سوار ہو گیا۔ اس کے بعد بلیک زیرو اور پھر جوزف ہیلی کاپٹر میں سوار ہوئے۔

''ان سب سوالوں میں سے کتنے سوالوں کا جواب دینا ضروری ہیں''...... عمران نے ہیلی کاپٹر سٹارٹ کرتے ہوئے کہا۔

''عمران صاحب۔ سب کے جواب دینا ہی ضروری ہیں''۔ بلیک زیرو نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''شکر ہے کہ تم سیکرٹ سروس میں آ گئے ہو۔ کسی امتحانی بورڈ میں نہیں چلے گئے۔ تم نے تو ایک سٹوڈنٹ کو بھی پاس نہیں ہونے دینا تھا''...... عمران نے کہا تو بلیک زیرو بے اختیار ہنسنے لگا۔ جب اس کی ہنسی کو بریک لگی تو عمران نے اسے اپنے ساتھ پیش آنے والے حالات بتا دیئے۔

نائس لینڈ کا پارلیمنٹ ہال اس وقت عالمی رہنماؤں سے بھرا ہوا تھا۔ ہال میں سینما سکرین جتنا ٹی وی سیٹ بھی رکھا ہوا تھا۔ ڈاکٹر بلیک نے ان سے یہاں مخاطب ہونا تھا۔ پاکیشیا کی سینٹ کے چیئرمین آفاق آفندی اس اجلاس میں پاکیشیا کی نمائندگی کر رہے تھے۔ آفاق آفندی پاکیشیا کے دلیر لیڈر تھے اور عوام میں بہت ہی مقبول تھے۔ ڈاکٹر بلیک کے ملاقات کے اعلان کے بعد پاکیشیا میں پارلیمنٹ کا ہنگامی اجلاس ہوا تھا اور متفقہ طور پر فیصلہ کیا گیا تھا کہ نائس لینڈ میں ہونے والے اجلاس میں آفاق آفندی کو بھیجا جائے۔

اس اجلاس میں شرکت کے لئے ایکریمی اور باچان کے سربراہ بھی آئے ہوئے تھے۔ ان ممالک کے سربراہ ایک گروپ کی صورت میں بیٹھے ہوئے تھے جنہیں ڈاکٹر بلیک تباہی کی تاریخ دے چکا تھا۔ ان ممالک کے سربراہان ایک الگ گروپ کی صورت میں بیٹھے ہوئے تھے جنہیں ابھی ڈاکٹر بلیک نے کوئی تاریخ نہیں دی تھی

لیکن اس نے یہ ضرور کہا تھا کہ وہ باقی ممالک کے بارے میں بھی جلد بتائے گا۔ اس لئے سب سربراہان پریشان تھے اور چاہتے تھے کہ یہ مصیبت دنیا سے ٹل جائے۔ ہال میں بیٹھے ہوئے تمام سربراہان دھیمی آواز میں محو گفتگو تھے۔ ٹی وی سکرین روشن تو تھی لیکن اس کی آواز بہت آہستہ رکھی گئی تھی کیونکہ ڈاکٹر بلیک نے جو وقت دیا تھا اس میں ابھی کچھ دیر باقی تھی۔ پھر ڈاکٹر بلیک کا دیا گیا وقت آ گیا اور اچانک ہی ٹی وی سکرین پر ایک جھماکا ہوا۔ ٹی وی کی نشریات معطل ہو گئیں اور سکرین پر ایک کھوپڑی اور خون میں ڈوبی ہوئی دو ہڈیاں نظر آنے لگیں۔ سارے ہال میں یکدم سناٹا چھا گیا۔ ٹی وی کا والیوم بلند کر دیا گیا۔ ٹی وی سے موسیقی کی آواز ابھرنے لگی۔ موسیقی وحشت اور بربریت کے سروں میں ڈھلی ہوئی تھی۔ یہ ایسی موسیقی تھی جسے سن کر دلوں پر ہیبت طاری ہو رہی تھی۔ پھر اچانک ہی موسیقی کی آواز بند ہو گئی اور ڈاکٹر بلیک کی بارعب آواز سنائی دی۔

”دنیا کے سربراہو۔ ڈاکٹر بلیک تم سے مخاطب ہے۔ مجھے معلوم ہوا تھا کہ تم سب مجھ سے ملاقات کے متمنی ہو تو میں نے تمہاری یہ تمنا پوری کرنے کا فیصلہ کیا۔ میں جانتا اور سمجھتا ہوں کہ تم کیوں مجھ سے ملنا چاہتے ہو لیکن میں نے ابھی تمہارے مسئلے پر سوچا نہیں ہے۔ تم لوگ اس وقت تاریخ کے سب سے بڑے مسئلے سے دوچار ہو لیکن میرے ساتھ بھی ایک مسئلہ ہے اور وہ یہ ہے کہ میں اس

وقت اپنے ایک مشن پر ہوں اور میں تم لوگوں کی خاطر اپنا مشن ادھورا کیوں چھوڑوں۔ میں نے چند مزید ممالک کے لئے موت کا پروانہ تیار کر لیا ہے اور میں چاہتا ہوں کہ ہماری باہمی گفتگو شروع ہونے سے پہلے میں اس لسٹ کا بھی اعلان کر دوں''...... ڈاکٹر بلیک کی آواز سنائی دی اور پھر وہ سانس لینے کے لئے رکا۔

''میکس کانڈی دی سن آف انوگ کانڈی صدر مملکت آف کانڈا پندرہ مئی دوپہر بارہ بجے''...... چند لمحوں کے بعد ڈاکٹر بلیک کی آواز دوبارہ ہال میں گونجنے لگی۔

''ناما تاچن۔ کمانڈر انچیف آف آرمی آف شوگران سترہ مئی رات دس بجے۔ سنگ کاسٹر آف نارمن۔ صدر آف سوشل پارٹی انیس مئی شام ساڑھے سات بجے۔ مادام جولی دی فارن منسٹر آف نائس لینڈ۔ بیس مئی رات آٹھ بج کر تین منٹ پر۔ ابھی میں نے ان چار ممالک کی لسٹ تیار کی ہے۔ باقی ممالک کے بارے میں جونہی فیصلہ کروں گا تم سب کو اس فیصلے سے آگاہ کر دوں گا تاکہ یہ ممالک اپنی اپنی شخصیات کو بچانے کے لئے اقدامات کر سکیں کیونکہ میں سمجھتا ہوں کہ اپنے آدمیوں کو بچانے کی کوشش کرنا تمہارا حق ہے اس لئے تم اپنا حق استعمال کرتے رہو اور میں اپنی طاقت استعمال کرتا رہوں گا اور میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ میری طاقت کے سامنے تمہاری سب کوششیں بے کار جائیں گی''...... ڈاکٹر بلیک نے مسلسل بولتے ہوئے کہا۔ اس کے بعد وہ غالباً پھر سانس لینے

کے لئے رکا۔

''میں تم لوگوں کو تمہاری کارکردگی سے بھی آگاہ کرتا چلوں''۔ چند لمحوں کے بعد ڈاکٹر بلیک کی آواز دوبارہ آنے لگی۔

''ایکریمیا، روسیاہ، اسرائیل، کانڈا، گریٹ لینڈ، نائس لینڈ وغیرہ کے درجنوں ٹاپ سیکرٹ ایجنٹس میرے خلاف حرکت میں آئے ہیں۔ انہوں نے مجھے ٹریس کرنے کی کوشش کی ہے۔ میں نے اس بات کا بھی برا نہیں منایا کیونکہ یہ بھی تمہارا حق ہے۔ البتہ میں نے ان سیکرٹ ایجنٹوں کو ٹھکانے لگا دیا ہے کیونکہ یہ میرا حق ہے کہ اگر کوئی میرے خلاف حرکت میں آتا ہے تو میں اس کا خاتمہ کر دوں۔ ان تمام سیکرٹ ایجنٹوں کی لاشیں پاڈان کے ساحلی علاقے میں پڑی ہوئی ہیں۔ ان لاشوں کو اٹھا کر ان کے وارثان کے حوالے کر دیا جائے اور میری رحم دلی کے ترانے گائے جائیں کہ مجھے لاشوں کی کتنی فکر ہے۔ ہاہاہا''...... ڈاکٹر بلیک نے کہا اور اس کے ساتھ ہی اس کا وحشت میں ڈوبا ہوا قہقہہ بھی گونجا۔

''مجھے ٹریس کرنے کے لئے تم لوگ مزید سیکرٹ ایجنٹس حرکت میں لانا۔ تم اپنے سیکرٹ ایجنٹوں اور سیکرٹ ایجنسیوں کا انجام دیکھ لو گے۔ احمقو۔ ڈاکٹر بلیک کو ٹریس کرنا ممکن نہیں ہے۔ تم لوگ ڈاکٹر بلیک کے سامنے گندگی کے کیڑوں سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتے۔ میں جب چاہوں اور جیسے چاہوں تمہیں مسل کر رکھ دوں لیکن میں نے تمہیں بتایا ہوا ہے کہ میرے کچھ اصول ہیں اور میں اپنے

اصولوں کا پابند ہوں۔ اب میں تم لوگوں کی رائے معلوم کرنا پسند کروں گا۔ تمہاری میٹھی میٹھی باتیں سنوں گا اور ان کے جواب دوں گا۔ تم بے خوف و خطر مجھ سے بات کر سکتے ہو۔ میں یہاں تمہارے خلاف کوئی کارروائی نہیں کروں گا''...... ڈاکٹر بلیک کی آواز سنائی دی اور اس کے بعد خاموشی طاری ہو گئی۔ ڈاکٹر بلیک کے خاموش ہوتے ہی روسیاہ کا نمائندہ کرسی سے کھڑا ہوا اور بارعب لہجے میں بولا۔

''ڈاکٹر بلیک۔ آخر تمہارا مقصد کیا ہے۔ تم کیوں خون کے دریا بہا رہے ہو جن کروڑوں افراد کو تم موت کے گھاٹ اتار چکے ہو ان مظلوموں اور معصوم لوگوں کا کیا قصور تھا اور انہوں نے کون سا جرم کیا ہے جن کی موت کا سامان تم کر رہے ہو''...... روسیاہ کے سربراہ نے جذباتی لہجے میں کہا۔

''آرام سے مناکاف۔ آرام سے۔ میں نے اس کانفرنس میں شرکت کرنے والوں کو جان کی امان دی ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ تم مجھے غصہ دکھانے لگو۔ یہ اپنے ذہن میں رکھو کہ تم اپنے کسی غلام سے مخاطب نہیں ہو بلکہ اس وقت تم اپنے آقا کے سامنے ہو اور آقا کے سامنے اس طرح نہیں بولا جاتا۔ اب کیا تمہیں آداب بھی میں نے سکھانے ہیں''...... ڈاکٹر بلیک نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

''ڈاکٹر بلیک۔ تم ہمارے کروڑوں افراد کے قاتل ہو۔ تم پر غصہ آنا فطری عمل ہے۔ ہمارے تو کروڑوں افراد جاں بحق ہو چکے ہیں

لیکن ہم چاہتے ہیں کہ تم یہ سلسلہ روک دو اور ہمیں بتاؤ کہ تم کیا چاہتے ہو۔ یہ سب کیوں کر رہے ہو''...... باچان کے سربراہ نے غمگین لہجے میں کہا۔ انہوں نے اپنے کروڑوں آدمیوں کو ہلاک ہوتے دیکھا تھا۔ لاکھوں آدمی تابکاری اثرات سے متاثر ہوئے تھے۔ ان کی حالت دیکھی نہیں جاتی تھی اس لئے باچان کے سربراہ کی آنکھوں میں اب بھی نمی تھی۔ اپنے منصب کے آداب کے خلاف وہ اب بھی باتیں کرتے کرتے سسک سے پڑتے تھے۔

''تم نے بالکل ٹھیک بات کی ہے طائی۔ میں جو یہ سب کر رہا ہوں تو میرا کوئی نہ کوئی مقصد تو ہو گا۔ میں نے بلاوجہ تو کروڑوں انسانوں کو وادیٔ اجل میں دھکا نہیں دیا۔ کیا تمہیں کوئی اندازہ ہے کہ میں یہ سب کس لئے کر رہا ہوں''...... ڈاکٹر بلیک نے طنزیہ لہجے میں پوچھا۔

''ہاں۔ حکومت، دولت، عزت، انسان انہی چیزوں کی خاطر عجیب وغریب کام کرتا ہے''......اس مرتبہ کافرستانی صدر نے کہا اور ٹی وی سکرین کی طرف ایسے دیکھا جیسے وہ ڈاکٹر بلیک کو دیکھ رہے ہوں۔

''ہاہاہا''...... ڈاکٹر بلیک کا ایک قہقہہ بلند ہوا۔ یہ قہقہہ کافی طویل بھی ثابت ہوا۔

''ڈاکٹر بلیک کو دولت کی کوئی کمی نہیں ہے۔ میں جس وقت چاہوں کسی بھی ملک کا خزانہ اٹھا لوں۔ جس طرح تم اپنی شخصیات کو

نہیں بچا سکے۔ اسی طرح اپنی دولت کو بھی نہیں بچا سکتے۔ باقی رہی عزت تو یہ بھی حقیقت ہے کہ میں تمہارے دلوں میں گھر کر گیا ہوں۔ اب تم میری عزت کرنے پر مجبور ہو اگر تم میری عزت نہیں بھی کرو گے تو مجھے اس سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ اب رہ جاتی ہے حکومت۔ تو سنو، غور سے سنو۔ واقعی مجھے حکومت کی ضرورت ہے۔ تم سب لوگ مجھے اپنا حکمران مان لو۔ میں تم سب کا کنگ ہوں۔ میری باشاہت کا اعلان کر دو۔ میرے تابع ہو جاؤ اور سنو۔ تم میں سے جو میرا غلام بننا پسند کرے گا صرف اسے ہی جینے کا حق دیا جائے گا۔ باقی سب کی گردنیں اڑا دی جائیں گی''...... اس مرتبہ ڈاکٹر بلیک کی غراتی ہوئی آواز سنائی دی۔

''یہ قابل عمل نہیں ہے ڈاکٹر بلیک۔ تم کوئی ایسا طریقہ بتاؤ جو ہمارے لئے قابل عمل ہو''...... ایکریمیا کے نمائندے نے کہا۔

''بس۔ میرے پاس تو پھر یہی ایک طریقہ ہے کہ میں ایک ایک ملک تباہ کرتا آؤں''...... ڈاکٹر بلیک نے غصے سے پھنکارتے ہوئے کہا تو وہاں موجود سربراہوں کے چہرے تاریک ہوتے چلے گئے۔

''تو پھر سن لو ڈاکٹر بلیک کہ تمہارے ارادے ٹوٹیں گے، تمہاری سوچیں خاک میں مل جائیں گی اور تمہارا یہ تکبر پاؤں کے تلے روند دیا جائے گا''...... پاکیشیا کے نمائندے آفاق آفندی نے جوشیلے لہجے میں کہا۔

''شٹ اپ آفاق آفندی۔ میرے سامنے تمہاری حیثیت ہی کیا ہے۔ تم گندگی میں پیدا ہونے والے کیڑے کی مانند ہو۔ جسے میں جب چاہوں اپنے پیروں تلے مسل دوں''...... ڈاکٹر بلیک نے غراتے ہوئے کہا۔

''یہ تمہاری بھول ہے ڈاکٹر بلیک۔ انشاء اللہ۔ تم ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکو گے۔ تم کروڑوں معصوم اور بے گناہ لوگوں کے قاتل ہو، تم درندوں سے بڑھ کر ہو، تمہارا انجام بہت قریب ہے ڈاکٹر بلیک''۔ آفاق آفندی نے بدستور جوشیلے لہجے میں کہا۔

''کاش۔ کاش۔ میں نے پاکیشیا کو ڈیٹ نہ دی ہوتی تو میں ابھی پاکیشیا کو ایٹم بموں سے اڑا دیتا۔ آفاق آفندی۔ مجھ سے اونچے لہجے میں بات کر کے تم بہت بڑی غلطی کر رہے ہو اور ہال میں بیٹھے ہوئے سربراہو سنو۔ اگر تم نے میری ہدایات پر عمل نہ کیا تو میں تم سب کو موت کی نیند سلا دوں گا۔ تمہارے ملکوں کے پرخچے اڑادوں گا۔ تم نے ایکریمیا اور باچان کی تباہی سے کوئی سبق نہیں سیکھا۔ میں تمہیں سبق سکھا دوں گا۔ تمہیں ہر حال میں میرے سامنے جھکنا پڑے گا''...... ڈاکٹر بلیک نے بپھرے ہوئے درندے کی مانند غراتے ہوئے کہا۔ تمام سربراہوں نے آفاق آفندی کو غصیلی نظروں سے دیکھا۔ جس نے ڈاکٹر بلیک کو اس قدر ناراض کر دیا تھا۔

''یہ تمہاری خوش فہمی ہے ڈاکٹر بلیک کہ ہم تمہارے سامنے جھکیں

گے یا تمہاری کوئی بات مان لیں گے۔ تمہیں معلوم ہی ہو گا کہ مسلمان صرف اللہ کے سامنے جھکتا ہے اور تم جیسے متکبر، ظالم اور کمینے انسان کو ہم اپنی ٹھوکروں پر رکھتے ہیں''...... آفاق آفندی نے اس مرتبہ طنزیہ لہجے میں کہا۔

''آفاق آفندی۔ میں نے تمہاری قسمت کا فیصلہ بھی کر لیا ہے لیکن تمہارا انجام کروڑوں لوگوں سے مختلف ہو گا۔ تمہارے ملک کی تباہی کے بعد میں تمہارا وہ حشر کروں گا کہ دنیا تمہارے انجام سے عبرت حاصل کرے گی اور تم جانتے نہیں ہو کہ ڈاکٹر بلیک کتنا ظالم اور سفاک درندہ ہے۔ ایکریمیا اور باچان میری درندگی کی معمولی مثالیں ہیں اور آفاق آفندی اب تم خاموش رہو گے۔ میں نے باقی لوگوں سے باتیں کرنی ہیں''...... ڈاکٹر بلیک نے کرخت لہجے میں کہا لیکن ہال میں بیٹھے ہوئے باقی افراد اس طرح سر جھکائے بیٹھے تھے جیسے انہوں نے اب کبھی سر نہ اٹھانے کا فیصلہ کر لیا ہو۔ وہ ایسے خاموش تھے جیسے انہیں سانپ سونگھ گیا ہو۔ انہوں نے ایکریمیا اور باچان کی تباہی کے مناظر اپنی آنکھوں سے دیکھے تھے۔ کروڑوں انسان لمحہ بھر میں لقمۂ اجل بن گئے تھے اور یہ سب ڈاکٹر بلیک نے کیا تھا۔ اب بھی ڈاکٹر بلیک ان پر گرج رہا تھا لیکن وہ ڈاکٹر بلیک کو ناراض نہیں کرنا چاہتے تھے۔ ان کے خیال کے مطابق ڈاکٹر بلیک ایسا درندہ تھا جو کسی بھی لمحے انہیں ہڑپ کر سکتا تھا۔ وہ ایک ایسا عیار سائنس دان تھا جو ان سب کی نظروں سے روپوش تھا۔ تمام

ترقی یافتہ ممالک کے سائنس دان اور ٹیکنالوجی کے ماہرین نے اسے ٹریس کرنے کی کوششیں کر لی تھیں۔ انہوں نے اپنی تمام مشینری، سیٹلائٹ اور دیگر وسائل استعمال کئے تھے لیکن انہیں معلوم نہیں ہو سکا تھا کہ ڈاکٹر بلیک کہاں بیٹھ کر اور کیسے ٹی وی نشریات پر کنٹرول حاصل کر لیتا تھا۔ وہ ماہرین جو انٹرنیٹ اور موبائل فون کا غلط استعمال کرنے والے کو لمحوں میں ٹریس کر لیتے تھے یہاں انہوں نے اپنی ناکامی کی رپورٹ دی تھی۔ اب بھی ڈاکٹر بلیک ان سے مخاطب تھا تو انہوں نے اپنی مشینری سیٹ کی ہوئی تھی تاکہ جان سکیں کہ ڈاکٹر بلیک کہاں سے بول رہا ہے لیکن ان کی مشینری انہیں کچھ نہیں بتا رہی تھی۔ انہیں یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے ان کی تمام تر سائنسی ترقی دھری کی دھری رہ گئی ہے۔

''معزز سربراہو۔ کیا ہو گیا ہے تمہیں۔ تم خاموش کیوں ہو۔ کیا ابھی تمہارے پاس کچھ اور سپر سیکرٹ ایجنٹس باقی بچے ہوئے ہیں جنہیں تم قربان کرنا چاہتے ہو''...... ڈاکٹر بلیک نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

''ڈاکٹر بلیک۔ کیا یہ تمہارا حتمی فیصلہ ہے۔ کیا تم اپنے فیصلے پر نظر ثانی نہیں کر سکتے''...... نائس لینڈ کے سربراہ نے کہا۔

''میں ایک بات ایک بار ہی کرتا ہوں۔ بار بار ایک ہی بات کرنے سے وقت ضائع ہوتا ہے۔ تمہارے لئے بس دو ہی صورتیں ہیں۔ تباہی و بربادی یا میری غلامی۔ اور بس''...... ڈاکٹر بلیک نے

ایک بار پھر غرا کر کہا۔

اجلاس میں جتنے لوگ بھی شامل تھے وہ اپنے ملک و قوم کے لئے ہر قربانی دے سکتے تھے۔ حکمرانی بھی ڈاکٹر بلیک کے حوالے کر سکتے تھے لیکن ڈاکٹر بلیک کوئی شریف، رحم دل اور نیک انسان نہیں تھا۔ اس نے جتنے انسانوں کا خون بہایا تھا تاریخ انسانی میں آج تک کسی نے بھی نہیں بہایا تھا۔ یہ تو کروڑوں انسانوں کو لمحوں میں آگ میں جھونک دینے والا درندہ تھا۔ ملک اس کے حوالے کرنے کے بعد بھی ملک اور عوام امن میں نہیں رہ سکتے تھے۔ نجانے ڈاکٹر بلیک ان پر کیا ستم ڈھاتا، ان کے ساتھ کیا سلوک کرتا۔ ان کے پاس ایک ہی راستہ تھا کہ وہ ڈاکٹر بلیک کے سامنے ڈٹ جائیں اور اس کا مقابلہ کریں لیکن موت کے سائے اپنی تاریکی بڑھا رہے تھے اور جبر و استبداد آکٹو پس کی مانند اپنے پنجے گاڑے جا رہا تھا۔ وہ سب سوچ رہے تھے کہ کیا جواب دیں۔

''تمہاری سانسیں کیا رک گئی ہیں جو تم لوگ بول نہیں رہے''۔ ڈاکٹر بلیک نے غصیلے لہجے میں کہا۔

ڈاکٹر بلیک۔ ہمیں کچھ وقت دو''...... کانڈا کے سربراہ نے کرسی سے اٹھتے ہوئے کہا۔

''ہونہہ۔ تو میرا اندازہ درست ہے۔ تم میری تلاش میں مزید سیکرٹ ایجنٹس بھیجنا چاہتے ہو۔ تمہارے درجنوں سیکرٹ ایجنٹ مارے جا چکے ہیں۔ تمہاری ٹریسنگ مشینری و آلات مجھے ٹریس

کرنے میں ناکام ہو چکے ہیں۔ اب بھی تمہیں امید ہے کہ مجھے ٹریس کر کے پھانسی پر چڑھا دو گے یا فائرنگ اسکواڈ کے حوالے کر دو''...... ڈاکٹر بلیک نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

''ڈاکٹر بلیک۔ ابھی کئی شیر ایسے ہیں جن کے آہنی پنجوں سے تم بچے ہوئے ہو۔ یاد رکھو اگر وہ حرکت میں آ گئے تو وہ تمہیں پاتال سے بھی نکال لیں گے''...... آفاق آفندی نے ایک بار پھر جوشیلے لہجے میں کہا۔

''ہاہاہا۔ اچھا۔ ذرا میں بھی ان شیروں کے نام سنوں۔ جو مجھے پکڑ سکتے ہیں''...... ڈاکٹر بلیک نے قہقہہ لگانے کے بعد طنزاً کہا۔

''ڈاکٹر بلیک۔ ابھی تک ایکسٹو نے تمہاری طرف نگاہ نہیں اٹھائی ورنہ اب تک تم خاکستر ہو چکے ہوتے۔ بہرحال اب ایکسٹو سے تمہارا مقابلہ لازمی ہے کیونکہ ایکسٹو نے ہر حال میں سرسلطان کو بچانا ہے۔ ڈاکٹر بلیک کیا تم اپنے وعدے پر قائم رہو گے''۔ آفاق آفندی نے کہا۔

''ایسا کبھی سوچنا بھی مت کہ ڈاکٹر بلیک اپنا عہد توڑے گا۔ وعدہ خلافی کرے گا۔ تمہیں یقین ہونا چاہئے کہ ڈاکٹر بلیک مر تو سکتا ہے لیکن اپنے اصول نہیں توڑ سکتا۔ میں نے اپنے اصولوں پر اپنا بیٹا قربان کیا ہوا ہے''...... ڈاکٹر بلیک نے کہا۔

''تو پھر تم یہ جان لو ڈاکٹر بلیک۔ ایکسٹو کے ہاتھوں تمہیں شکست فاش ہو گی''...... آفاق آفندی نے اعتماد بھرے لہجے میں

کہا۔

”تو پھر تم بھی یہ سن لو کہ پاکیشیا کی بربادی کے بعد میں ایکسٹو کو گریٹ لینڈ کے معروف چوک میں الٹا لٹکا دوں گا اور الٹے لٹکے ہوئے ہی وہ تڑپ تڑپ کر اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھے گا۔ اس کی اس عبرتناک موت کے بعد میں دنیا والوں کو تمہارا حشر بھی دکھاؤں گا۔ تمہارا نمبر میں نے بعد میں اس لئے کیا ہے تاکہ تم اپنی آنکھوں سے ایکسٹو کا انجام دیکھو۔ تمہیں اپنے ایکسٹو پر بہت اعتماد ہے“۔ ڈاکٹر بلیک نے چیلنج کرتے ہوئے کہا۔

”ڈاکٹر بلیک۔ تم نے میری بات کا جواب نہیں دیا“...... انہوں نے سوالیہ لہجے میں کہا۔

”مجھے تمہاری بات کا جواب دینے کی ضرورت نہیں ہے۔ تمہارے چہرے جواب دے رہے ہیں۔ اب میں وہی کروں گا جو میرا دل چاہے گا“...... ڈاکٹر بلیک نے خونخوار آواز میں کہا۔ اس کا لہجہ پاگل کتے جیسا ہو گیا تھا۔ اس کے انداز سے صاف محسوس ہو رہا تھا جیسے اسے اپنے مقصد میں بری طرح ناکامی ہوئی ہے اور اس کے منصوبوں کا شیرازہ بکھر گیا ہے۔ دراصل اس کا خیال تھا کہ اجلاس میں شریک سربراہ اس کی آواز سنتے ہی گڑگڑائیں گے اور فوراً ہی اسے اپنا حاکم تسلیم کر کے اس کے سامنے سر جھکا دیں گے۔ لیکن کسی ایک سربراہ نے بھی اسے حکومت دینے کی بات نہیں کی تھی۔

”ڈاکٹر بلیک۔ پھر ہم کیا سمجھیں“...... کرانس کے سربراہ نے تیز تیز لہجے میں کہا۔

”سنو اور غور سے سنو دنیا کے سربراہو۔ جو میرے حکم پر چلے گا اپنے ملک میں میری حکومت قائم کرے گا خود کو میری غلامی میں دے دے گا اس کے لئے اور اس کی عوام کے لئے خوشیاں ہیں۔ امن ہے اور خوشحالی ہے لیکن جو قوم مجھے اپنا آقا نہیں مانے گی اس کے لئے موت اور بس موت ہے۔ عبرتناک موت“...... ڈاکٹر بلیک نے غرا کر کہا۔

”ڈاکٹر بلیک۔ ہمیں سوچنے کے لئے مہلت دو“...... گبان کے صدر نے کرسی سے اٹھتے ہوئے کہا۔

”اوکے۔ اب میں تمہیں سوچنے کی اجازت دے سکتا ہوں۔ پاکیشیا کی تباہی کے بعد میں تم سے دوبارہ میٹنگ کروں گا۔ اس سے پہلے قطعاً نہیں۔ اور اب روسیاہ تیار ہو جائے کیونکہ میری لسٹ کے مطابق راگا چوف نے آٹھ مارچ کو جام اجل پی لینا ہے“۔ ڈاکٹر بلیک کی آواز سنائی دی۔ اس کے ساتھ ہی ٹی وی سکرین پر بجلیاں سی چمکیں اور کھوپڑی اور ہڈیاں سکرین سے غائب ہو گئیں۔

''صبح تم نے بتایا تھا کہ تمہیں آئس کریم پسند ہے اس لئے میں نے تمہارے لئے آئس کریم منگوائی ہے''...... طارق محمود نے محبت پاس نظروں سے علینہ کو دیکھتے ہوئے کہا اور پھر اس نے فریج کھولا اور آئس کریم نکال کر علینہ کے سامنے رکھ دی۔ علینہ نے اسے مسکراتی ہوئی نظروں سے دیکھا۔

''ڈیئر۔ میں تو بہت کچھ کھا چکی ہوں۔ اب مزید کوئی چیز کھانے کی گنجائش نہیں ہے''...... علینہ نے لاڈ بھرے لہجے میں کہا۔

''آئس کریم کوئی ٹھوس چیز تو نہیں ہے۔ یہ تو آرام سے کھائی جا سکتی ہے۔تم کھاؤ نا پلیز۔ میری خاطر''...... طارق محمود نے نہایت ہی میٹھے لہجے میں کہا۔

''اب تم اتنی ضد کر رہے ہو تو کھانا ہی پڑے گی۔ مجبوری ہے تمہاری کسی بات سے انکار تو کیا ہی نہیں جا سکتا''...... علینہ نے مسکراتے ہوئے کہا اور پھر وہ آئس کریم کھانے لگی۔ علینہ آئس کریم

کھا رہی تھی کہ طارق محمود کی آنکھوں میں یکدم حیرت کے تاثرات ابھر آئے اور دوسرے لمحے وہ تاثرات معدوم ہو گئے۔

''کہو۔ آئس کریم پسند آئی''...... علینہ آئس کریم کھا چکی تو طارق محمود نے مسکراتے ہوئے کہا۔

ہاں۔ بہت مزے دار تھی۔ مزہ آ گیا''...... علینہ نے ٹشو سے ہونٹ صاف کرتے ہوئے کہا۔

''علینہ ۔تمہاری گھڑی بہت خوبصورت ہے۔کہاں سے لی ہے یہ''...... طارق محمود نے علینہ کی ریسٹ واچ کو دیکھتے ہوئے کہا تو طارق محمود کی بات پر علینہ ایک لمحے کے لئے چونکی لیکن پھر وہ فوراً ہی سنبھل گئی۔ علینہ کے چونکنے پر طارق محمود کے شک کو تقویت ملی تھی۔ طارق محمود کو بس یونہی شک ہوا تھا کہ علینہ کی ریسٹ واچ میں ٹرانسمیٹر فٹ ہے۔ اسے اپنے اس شک کی کوئی وجہ تو سمجھ نہیں آئی تھی لیکن اس نے چیک کرنے کا فیصلہ کیا تھا اور یہ فیصلہ کر کے ہی اس نے علینہ سے گھڑی کا ذکر کیا تھا۔

''یہ میرے ایک دوست نے مجھے گفٹ کی تھی۔ خوبصورت ہے نا''...... علینہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''ہاں۔ بہت خوبصورت ہے۔ ذرا دکھاؤ مجھے''...... طارق محمود نے کہا اور ہاتھ علینہ کی طرف بڑھا دیا۔

''گھڑی کو چھوڑو طارق تم یہ بتاؤ کہ تمہاری منگیتر کہاں ہے۔تم نے کہا تھا کہ وہ بھی یہاں ہوتی ہے۔ یہاں وہ کمپیوٹر آپریٹر

ہے''...... علینہ نے مسکرا کر بات بدلتے ہوئے کہا۔

''راحیلہ۔ وہ آج صبح گھر گئی تھی۔ اگر وہ یہاں ہوتی تو میں تمہیں یہاں لانے کی جرأت نہیں کر سکتا تھا''...... طارق محمود نے کہا۔

''او ہو۔ شادی سے پہلے ہی اس سے اتنا ڈرنے لگ گئے ہو''۔ علینہ نے زور زور سے ہنستے ہوئے کہا۔

''علینہ۔ تمہاری گھڑی مجھے بہت اچھی لگ رہی ہے۔ پلیز یہ مجھے گفٹ کر دو''...... طارق محمود نے اصل بات کی طرف آتے ہوئے کہا تو علینہ کے چہرے کے تاثرات یکدم بدل گئے لیکن جلد ہی اس نے اپنے تاثرات چھپا لئے۔

''ڈیئر۔ میں نے تمہیں بتایا تو ہے یہ مجھے ایک دوست نے گفٹ میں دی تھی''...... علینہ نے کہا۔

''میں بھی تو تمہارا دوست ہوں۔ تم مجھے گفٹ کر دو''...... طارق محمود نے ضد کرتے ہوئے کہا۔

''اب میں تمہیں کیسے سمجھاؤں۔ اچھا ٹھیک ہے۔ صبح جب میں جانے لگوں گی تو پھر لے لینا یہ گھڑی''...... علینہ نے کہا۔

''صبح نہیں علینہ۔ یہ گھڑی تم مجھے ابھی دے دو۔ تھوڑی دیر کے لئے دے دو۔ پھر میں تمہیں واپس کر دوں گا''...... طارق محمود نے کہا اور پھر اس نے بے تکلفی سے علینہ کا ہاتھ پکڑ لیا۔ اس کا دوسرا ہاتھ گھڑی کی طرف بڑھا لیکن علینہ نے جھٹکے سے اپنا ہاتھ چھڑا لیا۔

''ڈیئر۔ تمہیں کیا ہو گیا ہے۔ میں نے کہا تو ہے کہ صبح لے لینا یہ گھڑی''...... علینہ نے ہلکے سے غصے میں کہا۔

''تمہیں یہ گھڑی اتنی ہی عزیز ہے کہ تم نے میرا ہاتھ جھٹک دیا ہے''...... طارق محمود نے بھی ناراض سے لہجے میں کہا۔ ویسے اب اس کا شک یقین میں بدل گیا تھا کہ گھڑی میں ٹرانسمیٹر فٹ ہے اور علینہ غیر ملکی ایجنٹ ہے۔

طارق محمود ایک عیاش اور حسن پرست آفیسر تھا لیکن وہ محب وطن بھی تھا۔ ایک عرصے سے اس کی ڈیوٹی گرین بلڈنگ میں تھی۔ گرین بلڈنگ پاکیشیا کی قومی سلامتی کے ادارے فرنٹ لائن کی حساس ترین عمارت تھی۔ طارق محمود وہاں سیکرٹری لیول کا آفیسر تھا جبکہ وہاں موجود باقی تمام افراد کا تعلق ملٹری سے تھا۔ اس عمارت میں کئی ریکارڈ رومز تھے جن میں پاکیشیا کی اہم ترین فائلیں موجود تھیں۔ علینہ سے اس کی ملاقات ایک دن پہلے ہی ہوئی تھی۔ یہ اتنی خوبصورت اور پرکشش تھی کہ طارق محمود اس کے لئے دیوانہ ہو گیا تھا۔ علینہ نے اسے بتایا تھا کہ وہ یونیورسٹی کی سٹوڈنٹ ہے اور ملک کے نامور سیاست دان کی بیٹی ہے لیکن اب طارق محمود کو محسوس ہو رہا تھا کہ علینہ نے اس سے جو کچھ کہا تھا وہ جھوٹ تھا۔

''گفٹ تو بہت قیمتی ہوتا ہے نا ڈیئر''...... علینہ نے ایک بار پھر لاڈ بھرے لہجے میں کہا۔

''بس۔ اب آخری بار کہہ رہا ہوں کہ یہ گھڑی مجھے دے

دو"...... طارق محمود نے اس مرتبہ سخت لہجے میں کہا۔

"مجھے یہ بات سمجھ میں نہیں آ رہی کہ تم اس گھڑی کے لئے اتنے جذباتی کیوں ہو رہے ہو"...... علینہ نے منہ بنا کر کہا لیکن اگلے ہی لمحے اس کی چیخ بلند ہوئی اور وہ اچھل کر بیڈ سے نیچے جا گری۔ طارق محمود کا ہاتھ اس کے منہ پر اس قدر زور سے پڑا تھا کہ اس کا ایک ہونٹ پھٹ گیا اور وہاں سے خون رسنے لگا۔

"تم شاید پاگل ہو گئے ہو طارق۔ میں اب یہاں ایک پل نہیں رک سکتی۔ تم مجھے اس بلڈنگ سے باہر چھوڑ دو"...... علینہ نے غصے سے کہا۔

"او کے۔ لیکن گھڑی تمہیں دینی ہو گی"...... طارق محمود نے کہا۔ اسے یقین ہو گیا تھا کہ علینہ غیر ملکی ایجنٹ ہے لیکن وہ اس کے خلاف یہاں کوئی کارروائی نہیں کرنا چاہتا تھا کیونکہ وہ خود اسے یہاں لایا تھا۔ اب اس کے خلاف کارروائی کرنے سے اس کے اپنے خلاف کارروائی ہوسکتی تھی۔ اس پر غداری کا مقدمہ قائم ہوسکتا تھا اس لئے طارق محمود نے سوچا کہ وہ علینہ کو اس بلڈنگ سے باہر لے جا کر اس کے خلاف کارروائی کرے گا۔

"او کے۔ اتار لو یہ گھڑی"...... علینہ نے منہ بنا کر کہا۔ اس نے اب جس انداز میں بات کی تھی طارق محمود اس سے شش و پنج میں پڑ گیا لیکن اس نے ریسٹ واچ کو چیک کرنا ضروری سمجھا۔ علینہ نے اپنی کلائی طارق محمود کی طرف کی ہوئی تھی۔ اس کا منہ اس طرح

پھولا ہوا تھا جیسے وہ طارق محمود سے سخت ناراض ہو گئی ہو۔ طارق محمود نے اس کی کلائی پکڑ لی۔ پھر جیسے ہی اس کا دوسرا ہاتھ ریسٹ واچ کی طرف بڑھا۔ بے اختیار اس کے منہ سے اوغ کی آواز نکلی اور وہ لڑکھڑا کر دو قدم پیچھے ہٹا۔ علینہ نے اس کی پیٹ میں ٹھوکر ماری تھی۔ لڑکھڑانے کے بعد ابھی وہ سنبھل ہی رہا تھا کہ اس کے منہ سے کراہ بلند ہوئی۔ علینہ نے اچھل کر اس کے منہ پر ٹکر ماری تھی۔ اس ٹکر سے طارق محمود کی آنکھوں کے سامنے ستارے سے جھلملانے لگے۔ ٹکر مارتے کے بعد علینہ نے اس کی کنپٹی پر مکا مارنا چاہا لیکن اب طارق محمود نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ ہاتھ پکڑتے ہی طارق محمود نے اسے جھٹکا دے کر بیڈ کی طرف دھکا دے دیا۔ علینہ بیڈ پر جا گری۔

"بس۔ اب تمہارا کھیل ختم۔ اب آرام اور سکون سے بیڈ پر بیٹھ جاؤ"...... طارق محمود نے کرخت لہجے میں کہا۔ اب اس کے ہاتھ میں ریوالور نظر آ رہا تھا۔ علینہ نے طارق محمود کو غصے سے دیکھا۔

"آخر تم میرے ساتھ یہ سلوک کیوں کر رہے ہو۔ کیا بگاڑا ہے میں نے تمہارا"...... علینہ نے غصے سے کہا۔

"کیا کافرستان میں مرد ایجنٹوں کی کمی ہو گئی ہے کہ اب عورتیں آنے لگیں ہیں"...... طارق محمود نے کہا۔ علینہ چند لمحے تو اسے غور سے دیکھتی رہی۔ پھر اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آ گئی۔

"تو تم مجھے کافرستانی سمجھ رہے ہو۔ احمق انسان۔ کیا کافرستانی

عورتوں کے جسم ایسے سرخ و سفید ہوتے ہیں۔ کیا ان کے نین نقش میرے جیسے ہوتے ہیں''...... علینہ نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

''میک اپ انڈسٹری نے خوب ترقی کر لی ہے۔ اب کسی بھی قومیت کا میک اپ کرنا مشکل نہیں رہا''...... طارق محمود نے کہا۔

''میں نے صرف چہرے کا میک اپ کیا ہوا ہے طارق اور یہ میک اپ بھی ایک پاکیشیائی لڑکی کا ہے۔ میرے باقی جسم کا رنگ میرا اپنا ہے''...... علینہ نے بدستور طنزیہ لہجے میں کہا۔

''اوکے۔ تم کافرستانی نہیں ہو۔ یورپین ہو لیکن یہاں آ کر تم نے بہت بڑی غلطی کی ہے۔ اب تم زندہ واپس نہیں جا سکو گی''۔ طارق محمود نے سخت لہجے میں کہا۔

''احمق انسان۔ اس بلڈنگ میں میرے خلاف کوئی کارروائی نہ کرنا ورنہ مارے جاؤ گے''...... علینہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''میں اس کمرے میں تمہارے سینکڑوں ٹکڑے کروں گا اور پھر ان ٹکڑوں کو فلش میں بہا دوں گا''...... طارق محمود نے بدستور کرخت لہجے میں کہا۔

''میں تو شور مچا دوں گی۔ خود مری تو تمہیں بھی ساتھ لے کر مروں گی''...... علینہ نے کہا۔

''تم نجانے کیسی ایجنٹ ہو کہ تمہیں یہ بھی معلوم نہیں کہ تم جس کمرے میں ہو۔ وہ کمرہ ساؤنڈ پروف ہے''...... طارق محمود نے طنزیہ لہجے میں کہا تو علینہ کی مسکراہٹ میں اضافہ ہو گیا۔

''سنو علینہ۔ اگر تم مجھے اپنے اور اپنے مشن کے بارے میں بتا دو تو میں تمہیں رعایت دے سکتا ہوں۔ میں تمہیں صحیح سلامت اس بلڈنگ سے باہر پہنچا دوں گا''...... طارق محمود نے کہا۔

''اوکے۔ اگر تم یہ وعدہ کرتے ہو تو میں تمہیں اپنے بارے میں بتا دیتی ہوں''...... علینہ نے کہا اور پھر وہ یکدم ہی چونکی، اس کی نظریں طارق محمود کی پشت پر موجود دروازے کی طرف تھیں۔ گو کہ یہ حربہ بہت ہی پرانا تھا اور طارق محمود بھی اس حربے کے بارے میں جانتا تھا۔ اس کے باوجود اس نے لاشعوری طور پر گردن کو تھوڑا سا گھما کر دروازے کی طرف دیکھا۔ علینہ کے لئے اتنا موقع ہی کافی تھا۔ وہ بیڈ پر تھی اور اس کے قریب ہی گاؤ تکیہ رکھا ہوا تھا۔ وہ گاؤ تکیہ ایک سیکنڈ کے بھی ہزارویں حصے میں حرکت میں آیا اور اڑتا ہوا طارق محمود کے منہ سے جا ٹکرایا۔ گاؤ تکیے کے پیچھے علینہ نے بھی طارق محمود پر چھلانگ لگا دی۔ طارق محمود منہ پر پڑنے والے تکیے کو ہاتھ سے دور ہٹانے کی کوشش کر ہی رہا تھا کہ علینہ اس کے سر پر پہنچ گئی۔ اس نے طارق محمود کے ریوالور والے ہاتھ پر ہاتھ مارا تو ریوالور طارق محمود کے ہاتھ سے نکل گیا۔ علینہ نے پوری قوت سے اپنے سر کی ٹکر طارق محمود کے سینے پر ماری۔ ٹکر کھا کر طارق محمود لڑکھڑا کر دو قدم پیچھے ہٹ گیا جبکہ علینہ وہیں فرش پر گر گئی۔ وہ خود ہی فرش پر گری تھی کیونکہ وہاں ریوالور پڑا ہوا تھا۔ طارق محمود نے بھی سنبھلنے میں دیر نہ لگائی لیکن علینہ اسی دوران

ریوالور اٹھا چکی تھی۔ طارق محمود نے سنبھلتے ہی علینہ پر چھلانگ لگا دی لیکن علینہ اس دوران ریوالور سیدھا کر چکی تھی۔ اس لئے جیسے ہی طارق محمود نے اس پر چھلانگ لگائی اس نے ٹریگر دبا دیا۔ ایک دھماکا ہوا اور طارق محمود کی چیخ بلند ہوئی۔ گولی اس کے سینے میں لگی تھی۔ گولی کھا کر وہ علینہ پر ہی گر رہا تھا کہ اس نے بجلی کی سی تیزی سے کروٹ بدل لی۔ طارق محمود اس کے قریب ہی آ گرا۔ گرتے ہی اس کا ہاتھ حرکت میں آیا اور علینہ کے منہ سے چیخ نکل گئی۔ طارق محمود کا ہاتھ اس کے منہ پر پڑا تھا اور طارق محمود کی انگلیوں کے نشان علینہ کے رخسار پر ثبت ہو گئے۔ علینہ کو تھپڑ مارتے ہی طارق محمود ایک جھٹکے سے کھڑا ہوا لیکن اس کے حلق سے چیخ نکل گئی۔ اس کے سینے میں جو گولی لگی تھی اس کی وجہ سے اس کے جسم میں درد کی ایک ناقابل برداشت لہر دوڑتی چلی گئی تھی۔ جس کی وجہ سے بے اختیار اس کے منہ سے چیخ نکلی تھی اور بے اختیار دونوں ہاتھ اس کے سینے پر پہنچ گئے۔ جہاں سے گرم گرم خون ابل رہا تھا۔ طارق محمود نے اپنے سینے پر ہاتھ رکھا تو علینہ کو فائر کرنے کا موقع مل گیا۔ اس نے ٹریگر دبا دیا۔ ایک اور دھماکا ہوا اور اس بار بھی گولی اس کے سینے میں لگی۔ پسلیوں کو چیرتی ہوئی یہ گولی طارق محمود کے دل میں جا لگی۔ طارق محمود کے حلق سے دلدوز چیخ بلند ہوئی اور وہ کٹے ہوئے درخت کی طرح فرش پر گرتا چلا گیا۔ نیچے گر کر وہ چند لمحے تڑپا اور پھر اس نے آخری ہچکی لی اور

دم توڑ دیا۔ علینہ نے ایک طویل سانس لیا۔ پھر اس نے ریوالور جیب میں رکھ لیا اور ازدگرد نظر دوڑانے لگی۔ ابھی وہ ادھر ادھر دیکھ ہی رہی تھی کہ دروازے پر دستک ہوئی اور وہ اچھل پڑی۔

''کون آ گیا اس وقت''...... علینہ نے بڑبڑاتے ہوئے کہا۔ طارق محمود کی لاش دروازے کے سامنے ہی پڑی تھی۔ آنے والا فوراً اسے دیکھ سکتا تھا اس لئے علینہ نے طارق محمود کی لاش کو کالر سے پکڑا اور گھسیٹتے ہوئے تھری سیٹر صوفے کے پیچھے لے گئی۔ اسی دوران دستک ایک بار پھر ہوئی۔ علینہ نے ایک بار فرش کی طرف دیکھا فرش پر سرخ قالین بچھا ہوا تھا لیکن اس کے باوجود وہاں خون دکھائی دے رہا تھا۔ علینہ نے فوراً ہی بیڈ شیٹ کھینچ کر خون پر پھینک دی اور پھر وہ دروازے کی طرف بڑھی۔ کیونکہ دروازے پر اب مسلسل دستک ہو رہی تھی۔

''اتنی دیر لگا دی دروازہ کھولنے میں''...... جیسے ہی علینہ نے دروازہ کھولا۔ اسے ایک تیز آواز سنائی دی اور اس کے ساتھ ہی ایک سمارٹ سی لڑکی کمرے میں داخل ہوگئی۔

''تم۔ تمہاری وجہ سے دروازہ اتنی دیر سے کھلا ہے۔ مجھے گھر پر ہی اطلاع مل گئی تھی کہ میری عدم موجودگی میں طارق کسی بازاری لڑکی کو اپنے کمرے میں لے آیا ہے۔ کہاں ہے طارق''...... اس لڑکی نے علینہ کو دیکھ کر غصے ہوتے ہوئے کہا۔ اس کا انداز بتا رہا تھا کہ وہ طارق کی منگیتر راحیلہ ہے۔

"وہ باتھ روم میں ہیں"...... علینہ نے کہا۔ راحیلہ نے اسے بازاری عورت کہا تھا لیکن اسے اس بات پر غصہ نہیں آیا تھا۔ وہ کریمنل تھی اور اسے بہت سی سچوئشنز کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔ علینہ کی بات سن کر راحیلہ باتھ روم کی طرف بڑھی جبکہ علینہ نے دروازہ اندر سے بند کر لیا۔

"طارق باتھ روم میں تو نہیں ہے"...... راحیلہ نے باتھ روم کو چیک کرنے کے بعد کہا۔

"تم راحیلہ ہو نا۔ طارق صاحب کی منگیتر"...... علینہ نے پوچھا۔

"ہاں۔ میں راحیلہ ہی ہوں لیکن طارق کہاں ہے"...... راحیلہ نے بدستور غصیلے لہجے میں کہا۔

"طارق صاحب اس صوفے کے پیچھے چھپے ہوئے ہیں"۔ علینہ نے تھری سیٹر صوفے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"صوفے کے پیچھے چھپا ہوا ہے لیکن کیوں"...... راحیلہ نے حیرت بھرے لہجے میں کہا۔

"شاید تمہاری وجہ سے۔ بہرحال تم دیکھ لو اسے"...... علینہ نے منہ بناتے ہوئے کہا۔ راحیلہ نے حیران و پریشان نظروں سے علینہ کو دیکھا اور پھر وہ صوفے کی طرف بڑھی۔ جیسے ہی وہ صوفے کے پیچھے پہنچی اس کی چیخ بلند ہوئی۔ چیخنے کے بعد اس کی نظر جیسے ہی علینہ پر پڑی تو خوف سے اس کی ایک اور چیخ نکل گئی کیونکہ اب

علینہ کے ہاتھ میں ریوالور تھا۔

"تم نے دیکھ لیا ہے طارق محمود کو"...... علینہ نے ریوالور کو انگلی پر گھماتے ہوئے کہا۔

"آں۔ ہاں۔ ہاں"...... اس نے ہکلاتے ہوئے کہا وہ بری طرح خوفزدہ ہو چکی تھی۔

"اوکے۔ اب تم صوفے پر بیٹھ جاؤ اور اپنے ہاتھ سر پر رکھ لو اور ہاں یہ بھی یاد رکھنا اگر تم نے میرا کوئی حکم ماننے سے انکار کیا تو تم بھی لاش میں تبدیل ہو جاؤ گی"...... علینہ نے غرا کر کہا۔

"نن۔ نن۔ نہیں۔ مم۔ مجھے مت مارنا۔ تت۔ تت۔ تم جو کہو گی۔ میں کروں گی"...... راحیلہ نے ہکلاتے ہوئے کہا اور اس کے ساتھ ہی وہ صوفے پر بیٹھ گئی اور اس نے اپنے ہاتھ اپنے سر پر رکھ لئے۔

"گڈ۔ تم سمجھدار لڑکی دکھائی دے رہی ہو۔ اگر تم نے اسی طرح سمجھداری سے کام لیا تو زندہ رہو گی اور اگر طارق کی طرح حماقت کی تو پھر ماری جاؤ گی"...... علینہ نے کہا تو راحیلہ نے اس مرتبہ صرف اثبات میں سر ہلا دیا۔

"تم یہاں کمپیوٹر آپریٹر ہو"...... علینہ نے پوچھا تو راحیلہ نے اس مرتبہ بھی سر ہلا کر اس کے سوال کا جواب دیا۔

"اس بلڈنگ کی تفصیل بتاؤ"...... علینہ نے پوچھا۔

"کس قسم کی تفصیل"...... راحیلہ نے پوچھا۔

"یہ بلڈنگ کتنی بڑی ہے۔ اس کے کتنے حصے ہیں۔ یہاں کتنے افراد ہوتے ہیں وغیرہ وغیرہ"...... علینہ نے کہا۔

"یہ تو بہت بڑی بلڈنگ ہے۔ میں اس کے سارے حصوں میں نہیں گئی ہوئی کیونکہ بعض حصوں میں جانا میرے لئے بھی منع ہے۔ میں تو یہاں کے ملازمین کا ریکارڈ رکھتی ہوں بس"...... راحیلہ نے کہا۔

"تم طارق محمود کا نام استعمال کر کے اس بلڈنگ کے جس حصے میں جانا چاہو جا سکتی ہو۔ آخر تم طارق محمود کی منگیتر ہو کوئی عام لڑکی نہیں ہو"...... علینہ نے اسے غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"ہاں۔ جا تو سکتی ہو لیکن گئی کبھی نہیں۔ بلڈنگ کے کئی حصے ایسے ہیں جہاں جانے کی مجھے کبھی ضرورت محسوس نہیں ہوئی"۔ راحیلہ نے کہا۔

"ریکارڈ رومز میں گئی ہو کبھی"...... علینہ نے پوچھا تو راحیلہ نے چونک کر اسے دیکھا۔

"نہیں۔ میں ریکارڈ رومز کی طرف کبھی نہیں گئی۔ وہاں بھلا میرا کیا کام"...... راحیلہ نے کہا۔

"طارق محمود کا اسسٹنٹ میجر نادر ریکارڈ رومز کا انچارج ہے۔ اس کے ساتھ تمہارے تعلقات کیسے ہیں"...... علینہ نے پوچھا۔

"میں اس کے باس کی منگیتر ہوں۔ اس رشتے سے وہ میری عزت کرتا ہے"...... راحیلہ نے جواب دیا۔

"تم نوجوان ہو، پرکشش ہو، حسین ہو، میجر نادر کی آنکھوں میں تمہارے لئے کبھی پسند کے تاثرات پیدا ہوئے"...... علینہ نے معنی خیز انداز میں مسکراتے ہوئے کہا۔

"یہ تو مردوں کی نیچر ہوتی ہے کہ خوبصورت عورت کو دیکھ کر وہ اسے پانے کی خواہش کرتے ہیں لیکن ہر خواہش پوری تو نہیں ہوتی نا"...... راحیلہ نے کہا تو علینہ نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ پھر وہ ڈریسنگ ٹیبل کی طرف بڑھی۔ اس نے ریوالور اپنے سامنے رکھا اور وہاں رکھا ہوا اپنا ہینڈ بیگ اٹھا کر اسے کھولنے لگی۔ پھر اس نے انتہائی پھرتی سے ریوالور اٹھایا اور کمرے میں دھماکا ہوا۔ گولی راحیلہ کے کان کے قریب سے گزرتی چلی گئی۔ راحیلہ کی چیخ بلند ہوئی اور وہ خوفزدہ ہو کر بیڈ پر گر گئی۔

"اٹھ کر بیٹھو راحیلہ اور یہ مت سمجھنا کہ میں تمہاری طرف سے غافل ہوں اور یہ بھی مت سمجھنا کہ میرا نشانہ خطا ہو گیا ہے۔ میں نے خود تمہارے سر میں گولی نہیں ماری لیکن اب اگر تم نے ہلنے جلنے کی کوشش کی تو اگلی گولی تمہارے ماتھے میں سوراخ کر دے گی"...... علینہ نے سرد لہجے میں کہا تو راحیلہ اٹھ بیٹھی۔ اس کی آنکھیں اور چہرہ دہشت زدہ ہو گیا تھا۔ گولی کی صورت میں موت اس کے کان کو چھوتے ہوئے گزر گئی تھی۔

"پہلے کی طرح اپنے ہاتھ سر پر رکھ لو"...... علینہ نے تحکمانہ لہجے میں کہا تو راحیلہ نے اس کے حکم کی تعمیل کی۔ علینہ چند لمحوں

تک اسے دیکھتی رہی پھر اس نے ریوالور ڈریسنگ ٹیبل پر رکھ دیا اور اپنا ہینڈ بیگ اٹھا لیا۔ ہینڈ بیگ میں اس کا چھوٹا سا میک اپ باکس تھا۔ اس نے وہ میک اپ باکس نکالا اور پھر اس کے ہاتھ اپنے چہرے پر چلنے لگے۔ اس دوران اس کی توجہ راحیلہ پر بھی رہی۔ راحیلہ اس سے بہت خوفزدہ ہو چکی تھی اس لئے اب وہ آرام سے بیٹھی رہی۔ تقریباً دس منٹ بعد راحیلہ نے علینہ کی طرف دیکھا تو حیرت سے اس کی چیخ نکل گئی۔ اب راحیلہ اور علینہ میں کوئی فرق نہیں رہا تھا۔ اسے اپنی شکل میں دیکھ کر راحیلہ کی آنکھیں حیرت سے پھٹنے لگیں۔

''تت۔ تت۔ تم''...... حیرت کی وجہ سے راحیلہ بات پوری نہ کر سکی۔

''تم سب کو بتا سکتی ہو کہ میں تمہاری جڑواں بہن ہوں''۔ علینہ نے مسکراتے ہوئے کہا اور پھر وہ ریوالور اٹھا کر راحیلہ کی طرف بڑھی۔ راحیلہ حیرت سے ساکت ہو چکی تھی۔ وہ علینہ کی بات کا جواب بھی نہ دے سکی۔

''ارے کہاں کھو گئی ہو۔ اب ہاتھ نیچے کر لو۔ تمہاری مشکل ختم ہونے والی ہے''...... علینہ نے مسکراتے ہوئے کہا تو راحیلہ نے ہاتھ نیچے کر لئے۔

''میجر نادر کے روم کا نمبر کیا ہے''...... علینہ نے پوچھا۔

''دوسری گیلری میں روم نمبر سکس''...... راحیلہ نے جواب دیا۔

جیسے ہی اس کی بات مکمل ہوئی اس کی ایک چیخ بھی بلند ہوئی کیونکہ علینہ نے ریوالور کا دستہ اس کی کنپٹی پر رسید کر دیا تھا۔ راحیلہ بیڈ پر گرتی چلی گئی اور اس کی آنکھوں میں اندھیرا چھا گیا۔ ایک ہی وار نے اسے بے ہوش کر دیا تھا۔ جیسے ہی وہ بے ہوش ہوئی علینہ نے اس کا لباس اتار کر خود پہن لیا۔ اپنا لباس اس نے وہیں پھینک دیا۔ پھر اس نے ریوالور کا رخ راحیلہ کی طرف کر کے ٹریگر دبا دیا۔ راحیلہ کی چیخ بلند ہوئی اور وہ بیڈ پر تڑپنے لگی۔ علینہ نے اس کے تڑپنے کو نظر انداز کیا اور بیڈ کی سائیڈ ٹیبل کی دراز کی تلاشی لینے لگی۔ تلاشی کے دوران اسے ایک چابی نظر آ گئی۔ اس نے وہ چابی اٹھائی۔ ریوالور اپنے ہینڈ بیگ میں رکھا اور پھر دروازے کی طرف بڑھی۔ راحیلہ ابھی تک تڑپ رہی تھی لیکن علینہ نے اس کی طرف دیکھنا بھی گوارا نہ کیا۔ کمرے سے باہر آ کر اس نے دروازے میں لگے لاک کے ''کی ہول'' میں چابی گھمائی اور پھر وہ گیلری میں آگے بڑھی۔ چند قدم کے بعد گیلری مڑ گئی تھی۔ وہ بھی گیلری کے ساتھ مڑ گئی اور مطمئن انداز میں چلتی ہوئی دوسری گیلری میں آ گئی۔ اس گیلری میں بھی دونوں جانب کمرے تھے اور دروازوں پر نمبر لکھے ہوئے تھے۔ وہ کمرہ نمبر چھ پر رکی اور پھر اس نے دروازے پر دستک دی اور ساتھ ہی اس نے ہینڈل بھی دبایا۔ دروازے کو تالا نہیں لگا ہوا تھا۔ ہینڈل دبانے سے دروازہ کھل گیا اور اس نے اندر جھانکا۔ اندر ایک لمبا تڑنگا اور مضبوط جسم کا نوجوان کرسی پر بیٹھا ہوا

تھا اور اس کے ہاتھ میں کتاب تھی۔ دروازہ کھلتے دیکھ کر اس نے دروازے کی طرف دیکھا۔

''کیا میں اندر آ سکتی ہوں''...... علینہ نے گلوگیر لہجے میں کہا۔ میک اپ کے دوران اس نے آنکھوں میں ڈراپس بھی ڈال لئے تھے جس کی وجہ سے اس کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں اور ایسے محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ خوب روئی ہو۔

''جی۔ جی مس راحیلہ۔تشریف لایئے''...... اسے دیکھ کر کرسی پر بیٹھے ہوئے نوجوان نے اٹھتے ہوئے کہا۔ یہ میجر نادر تھا۔ علینہ آہستہ آہستہ چلتی ہوئی اس کے قریب آ گئی۔ میجر نادر نے کتاب ٹیبل پر رکھ دی۔

''تشریف رکھیئے''...... میجر نادر نے کہا تو علینہ دوسری کرسی پر بیٹھ گئی۔ اس نے نظریں جھکا لیں۔ یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ اپنے آنسو روکنے کی کوشش کر رہی ہو۔

''تمہارے باس نے مجھ سے بے وفائی کی ہے اور اب میرا دل چاہ رہا ہے کہ میں خودکشی کر لوں''...... علینہ نے انتہائی گلوگیر لہجے میں کہا۔ اس طرح بات کرنے کے دو مقصد تھے۔ ایک تو میجر نادر نے اس سے متاثر ہونا تھا اور دوسرا اس نے بدلی ہوئی آواز پر توجہ نہیں دینی تھی۔ اس نے یہی سمجھنا تھا کہ رونے کی وجہ سے راحیلہ کی آواز بدلی ہوئی ہے۔

''مس راحیلہ۔ اب آپ نے اپنی آنکھوں سے طارق صاحب

کی بے وفائی دیکھ لی۔ میرے فون پر تو آپ کو یقین نہیں آ رہا تھا''۔ میجر نادر نے ہمدردانہ لہجے میں کہا۔

''ہاں۔ اس نے مجھے بے عزت کیا ہے۔ میری محبت کا مذاق اڑایا ہے۔ وہ اس وقت بھی اس فاحشہ عورت کے ساتھ رنگ رلیاں منا رہا ہے۔ بس میں نے اب خودکشی ہی کرنی ہے''...... علینہ نے کہا اور اس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔

''نہیں۔ ایک بے وفا کی خاطر آپ اپنی زندگی کا خاتمہ کیوں کرتی ہیں۔ اگر طارق صاحب نے آپ سے بے وفائی کی ہے تو آپ ان کا خیال ہی دل سے نکال دیں۔ زندگی بہت حسین چیز ہے۔ کسی کی خاطر اسے ختم نہیں کرنا چاہئے''...... نادر نے اسے سمجھانے والے انداز میں کہا۔

''طارق نے مجھے برباد کر دیا ہے میجر۔ اس نے مجھ سے منگنی کر کے میرے ساتھ کئی راتیں گزاری ہیں اور اب اس نے مجھ سے منگنی بھی توڑ دی ہے''...... علینہ نے بدستور روتے ہوئے کہا۔

''آپ بھول جائیں طارق محمود کو۔ آپ نوجوان، حسین اور پرکشش ہیں۔ کئی لوگ آپ سے شادی کرنے کو ترستے ہوں گے''...... میجر نے علینہ کو تسلی دیتے ہوئے کہا تو وہ سر جھکا کر بیٹھ گئی لیکن اس کی آنکھوں سے آنسو مسلسل گرتے رہے۔ پھر وہ یکدم چونکی۔

''جس طرح طارق نے مجھے برباد کیا ہے۔ میں بھی اسے اسی

طرح برباد کر دوں گی اور اس کے لئے تمہیں میرا ساتھ دینا ہو گا“...... علینہ نے چونکتے ہوئے کہا۔

”مم۔ میں۔ میں بھلا آپ کا کیا ساتھ دے سکتا ہوں اور وہ بھی طارق محمود کے خلاف۔ طارق محمود صاحب میرے باس ہیں“...... میجر نے ہکلاتے ہوئے کہا۔

”میجر۔ تمہارا کہیں نام نہیں آئے گا اور میں اسے اس طرح برباد کروں گی کہ وہ سروس میں ہی نہیں رہے گا بلکہ اس کا کورٹ مارشل ہو جائے گا۔ مجھے ایک زبردست بات یاد آ گئی ہے۔ بس تمہیں کچھ دیر کے لئے میرا ساتھ دینا ہو گا“...... علینہ نے میجر کا ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا۔ علینہ کا ہاتھ میجر کے ہاتھ میں آیا تو اس کے جسم پر چیونٹیاں سی رینگنے لگیں۔

”مم۔ مم۔ مجھے کیا کرنا ہو گا“...... میجر نے جذبات میں ڈوبی ہوئی آواز میں کہا۔ علینہ کے لمس نے اسے بے خود کر دیا تھا۔

”ریکارڈ رومز میں طارق محمود کے متعلق ایک فائل ہے۔ تم میرے ساتھ چلو اور وہ فائل مجھے اٹھا دو“...... علینہ نے کہا۔

”طارق محمود کے متعلق فائل۔ یہ کیسے ممکن ہے۔ ریکارڈ رومز میں کسی کی پرسنل فائلیں تو نہیں ہوتیں“...... میجر نے کہا۔

”ہے ایک فائل۔ تم اس کے بارے میں نہیں جانتے لیکن میں جانتی ہوں۔ میں جب وہ فائل تمہیں دکھاؤں گی تو تم خود اپنی آنکھوں سے دیکھ لینا۔ میں تم سے غلط بیانی تو نہیں کر سکتی“۔ علینہ

نے جوشیلے لہجے میں کہا۔

”اچھا۔ چل کر دیکھتے ہیں لیکن کچھ دیر صبر کرو۔ اس وقت تمہاری حالت ٹھیک نہیں ہے۔ میں تمہارے لئے وہسکی کا پیگ بناتا ہوں۔ تم وہ پیو۔ کچھ دیر وقت ہم ساتھ گزارتے ہیں جس سے تمہاری طبیعت کافی حد تک ٹھیک ہو جائے گی اور تم فریش بھی ہو جاؤ گی۔ پھر ہم ریکارڈ رومز میں چلیں گے“...... میجر نادر نے کہا۔ وہ علینہ کا قرب حاصل کرنے کے لئے یہ اچھا موقع تھا اور میجر نادر اس موقع سے فائدہ اٹھانا چاہتا تھا۔

”نہیں۔ میں انتظار نہیں کر سکتی۔ تمہاری جو خواہش ہے وہ میری بھی ہے۔ ریکارڈ رومز سے واپسی پر ہم اپنی خواہش پوری کریں گے لیکن اب اگر تم نے انکار کیا تو میں تمہارے ریوالور سے خودکشی کر لوں گی“...... علینہ نے نہایت ہی جذباتی لہجے میں کہا اور پھر اس نے ٹیبل پر رکھا ہو میجر نادر کا ریوالور اٹھایا اور اپنی کنپٹی پر رکھ لیا۔ میجر نادر یکدم گھبرا گیا۔ انسانی تاریخ گواہ ہے کہ عورت کے سامنے بڑے بڑے سورماؤں کی طاقت خاک میں مل گئی۔ بڑے بڑے دانشوروں کی عقل خبط ہو گئی۔ بے چارے میجر نادر کی تو کوئی اوقات ہی نہیں تھی۔

”او کے۔ او کے۔ میں تمہارے ساتھ چلتا ہوں۔ یہ ریوالور مجھے دے دو۔ یہ چل جائے گا“...... میجر نادر نے گھبراتے ہوئے لہجے میں کہا۔

''اوہ۔ تھینک یو میجر۔ تھینک یو۔ مجھ سے دوستی کے حقدار صرف تم ہی ہو''...... علینہ نے خوش ہوتے ہوئے کہا اور پھر اس نے ریوالور میجر نادر کو دے دیا۔ میجر نادر نے ریوالور اپنی جیب میں رکھ لیا۔ اس کے بعد اس نے میز کی دراز کھول کر ایک چابی نکال لی۔

''آؤ''...... میجر نادر نے کہا اور پھر وہ دروازے کی طرف بڑھا۔ علینہ اس کے پیچھے چلنے لگی۔ اس کی آنکھوں میں ایک خاص چمک پیدا ہو چکی تھی۔

''ہاں میجر۔ یہ تو بتاؤ کہ آئی ٹن فائل کس سیف میں ہے''۔ چلتے چلتے علینہ نے پوچھا۔

''آئی ٹن فائل تو پاکیشیا سیکرٹ سروس نے منگوا لی ہے۔ وہ تو یہاں نہیں ہے''...... میجر نادر نے کہا تو علینہ مایوس ہو گئی لیکن وہ کچھ بولی نہیں۔ مختلف گیلریوں اور پلاٹوں سے گزرتے ہوئے وہ بلڈنگ کے دوسرے حصے میں آ گئے۔ راستے میں انہیں کئی فوجی ملے تھے جو جدید اسلحے سے مسلح تھے۔ ان سب نے میجر نادر اور علینہ کو مؤدبانہ انداز میں سلام کیا تھا۔ بلڈنگ کے اس حصے میں بھی پہلے برآمدہ تھا اور اس کے بعد گیلری، گیلری کی دونوں جانب کمرے دکھائی دے رہے تھے۔ وہ دونوں تیز تیز چلتے ہوئے برآمدے تک پہنچے۔ پھر جیسے ہی علینہ نے برآمدے کی سیڑھی پر قدم رکھا تو یکدم تیز سائرن بج اٹھا اور میجر نادر سمیت وہاں موجود تمام افراد اچھل پڑے۔ میجر نادر نے پلک جھپکتے ہی اپنی جیب سے ریوالور نکال کر

علینہ کی کنپٹی پر رکھ دیا۔ علینہ سائرن بجنے کی وجہ سے ساکت سی ہو گئی تھی۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ اس طرح سائرن بھی بج سکتا ہے۔ میجر نادر کے ساتھ ساتھ دوسرے فوجیوں کی مشین گنوں کے رخ بھی اس کی طرف ہو گئے۔ اب سائرن بند ہو گیا تھا۔

''یہ۔ یہ۔ کک۔ کیا ہے۔ مجھ پر اس طرح گنیں کیوں تان لی گئی ہیں''...... علینہ نے حیرت پر قابو پاتے ہوئے کہا۔ اسی لمحے گیلری سے ایک فوجی تیزی سے چلتا ہوا نمودار ہوا۔ اس نے میجر نادر کے قریب آ کر سلوٹ کیا۔

''کیپٹن۔ راحیلہ کے سیڑھی پر قدم رکھتے ہی خطرے کا الارم کیوں بجا ہے''...... میجر نادر نے اس فوجی سے پوچھا۔

''سر۔ یہ غیر ملکی لڑکی ہے مس راحیلہ نہیں ہے۔ اس کے ہینڈ بیگ میں ریوالور ہے اور اس نے جو ریسٹ واچ پہنی ہوئی ہے اس میں ٹرانسمیٹر فٹ ہے''...... کیپٹن نے مؤدبانہ لہجے میں کہا۔

''کک۔ کک۔ کیا''...... میجر نادر نے حیرت بھرے لہجے میں کہا اور پھر وہ خاموش ہو گیا۔ وہ علینہ کو غور سے دیکھتا رہا اور سوچتا رہا۔

''ہونہہ۔ تو یہ غیر ملکی سیکرٹ ایجنٹ ہے۔ اوہ مائی گاڈ۔ اس نے ہمیں کتنا بڑا ڈاج دیا ہے اور ہم آسانی سے اس سے دھوکا کھا گئے''...... میجر نادر نے انتہائی پریشان لہجے میں کہا۔

''سر۔ چند دن پہلے ہی یہاں جدید چیکنگ مشینری لگائی گئی

ہے۔ اگر یہ مشینری نہ ہوتی تو اس نے جس طرح آپ کو ڈاج دیا ہے۔اس نے کوئی بہت بڑا نقصان کرنا تھا۔ اللہ کا شکر ہے ہم اس نقصان سے بچ گئے ہیں''...... کیپٹن نے کہا۔

''اس نے صرف مجھے ہی ڈاج نہیں دیا۔ سر طارق کو بھی ڈاج دیا ہے۔ اے۔تم جاؤ اور سر طارق کو اطلاع دے کر آؤ''...... میجر نادر نے پہلے کیپٹن سے اور پھر ایک دوسرے فوجی سے کہا۔

''اوکے سر''...... اس فوجی نے سیلوٹ کرتے ہوئے کہا اور پھر وہ بھاگنے کے سے انداز میں رہائشی حصے کی طرف دوڑا۔ تقریباً دس منٹ بعد وہ فوجی دوڑتا ہوا آیا۔

''سر۔ دروازہ لاک ہے اور طارق صاحب دروازہ نہیں کھول رہے''...... فوجی نے مؤدبانہ لہجے میں کہا۔ میجر نادر پہلے ہی اندیشوں میں گھرا ہوا تھا۔ جس طرح سے یہ ایجنٹ لڑکی میک اپ میں تھی اس نے جس طرح میجر نادر کو ڈاج دیا تھا اس سے صاف ظاہر تھا کہ یہ لڑکی کوئی معمولی ایجنٹ نہیں ہے۔ اس کی چھٹی حس بتا رہی تھی کہ اس لڑکی نے طارق صاحب کو بھی ہاتھ دکھایا ہے۔ طارق صاحب خود ہی اسے لے کر آئے تھے اور اس کی وجہ سے اس نے راحیلہ کو فون کیا تھا۔ اب اسے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے طارق اور راحیلہ کے ساتھ کوئی انہونی ہوسکتی ہے۔ اس نے علینہ کے ہاتھ سے اس کا ہینڈ بیگ لے لیا۔

''تم بہت غلط کر رہے ہو میجر۔تمہیں مجھ سے معافی مانگنی پڑے

گی''...... علینہ نے کہا لیکن میجر نادر نے اس کی بات کا کوئی جواب نہ دیا۔ اس نے ہینڈ بیگ کھولا اور اس کی تلاشی لینے لگا۔ ہینڈ بیگ میں اسے ریوالور نظر آ گیا۔ ریوالور کے ساتھ ہی اسے چابی بھی نظر آ گئی۔ یہ چابی انہی کے رومز کی تھی۔ وہ ہینڈ بیگ میں موجود دیگر سامان بھی دیکھنے لگا۔ میجر نادر ہینڈ بیگ کی تلاشی لے رہا تھا جبکہ باقی فوجیوں کی توجہ میجر نادر کی طرف تھی۔ علینہ کو یقین ہو گیا تھا کہ اب اس کے بچنے کی کوئی امید نہیں۔ یہاں بھیجنے سے پہلے اس کے باس نے یہاں کے بارے میں معلومات بھی حاصل کی تھیں۔ ان معلومات میں چیکنگ مشینری کا ذکر نہیں تھا اور اس کی وجہ بھی اسے پتہ چل گئی تھی کہ یہ مشینری چند دن پہلے ہی یہاں لائی گئی تھی اور جس سے باس نے معلومات لی ہوں گی وہ اس مشینری کے بارے میں نہیں جانتا ہو گا۔ اس کا مشن تو ناکام ہو گیا تھا اب اس کے لئے جان بچانا ضروری تھا۔ لہٰذا اس نے اسی لمحے حرکت میں آنے کا فیصلہ کیا۔ میجر نادر کی نظریں ابھی ہینڈبیگ پر ہی لگی ہوئی تھیں کہ علینہ نے جمپ لیا اور میجر نادر پر جا گری۔ میجر نادر کے ہاتھ سے ہینڈ بیگ نکل گیا اور وہ علینہ کے ساتھ ہی زمین پر آ گرا۔ علینہ نے اس کے ریوالور پر ہاتھ مارا اور ریوالور اس کے ہاتھ سے جھپٹ لیا۔ ریوالور جھپٹتے ہی اس نے رولنگ کی اور پھر اس کے ریوالور سے شعلے نکلے۔ اس نے ایک فائر میجر نادر پر کیا تھا اور باقی فائر دوسرے فوجیوں پر۔ علینہ کی یہ ساری کارروائی صرف ایک سیکنڈ

میں مکمل ہوئی تھی۔ اس نے میجر نادر پر جو گولی چلائی تھی وہ اس کے بازو میں لگی تھی جبکہ باقی فوجیوں کو گولیاں سر اور سینے میں لگی تھیں۔ ان کے منہ سے چیخیں بلند ہوئیں اور وہ زمین پر گر گئے۔ اس کے ساتھ ہی اس پر بھی گولیوں کی بوچھار ہوئی لیکن وہ تو چھلاوہ بن چکی تھی۔ رولنگ کرتے کرتے ہی یکدم اچھلی اور ایک مشین گن پر جا پڑی۔ یہ مشین گن ان فوجیوں میں سے کسی ایک کی تھی جو اس کے نشانے کی زد میں آئے تھے۔ مشین گن اٹھا کر وہ جمپ لگانا ہی چاہتی تھی کہ گولیوں کی ایک بوچھاڑ اور ہوئی۔ اس کے حلق سے تیز چیخ نکلی۔ اسے یوں محسوس ہوا جیسے اس کے پورے جسم میں ایک ساتھ کئی گرم سلاخیں گھس گئی ہوں۔ فوراً ہی اس کے ذہن پر اندھیروں نے یلغار کر دی اور پھر اس کا دماغ گہرے اندھیرے میں ڈوبتا چلا گیا۔

ڈاکٹر بلیک کی آنکھوں سے شعلے نکل رہے تھے۔ اس کی کرسی جھول رہی تھی۔ اس کا اسسٹنٹ رچی اس کے سامنے مؤدبانہ انداز میں کھڑا تھا۔

''پاکیشیا کے آفاق آفندی نے بہت بدتمیزی کی ہے۔ اگر میں پاکیشیا کو تاریخ نہ دے چکا ہوتا تو میں فوراً پاکیشیا کو ایٹم بموں سے تباہ کر دیتا''...... ڈاکٹر بلیک نے غصیلے لہجے میں کہا۔

''باس۔ پاکیشیا کو اس گستاخی کی سخت سزا ملنی چاہئے''......رچی نے خوشامدانہ لہجے میں کہا۔

''پاکیشیا۔ ایک چھوٹا سا ایشیائی ملک۔ وہ مجھے آنکھیں دکھائے اور تباہ ہونے سے بچ جائے۔ یہ نہیں ہوسکتا۔ میں اس کے ایک دو شہروں کو نہیں تمام شہروں کو تباہ کر دوں گا۔ اس کے بعد کسی کی جرأت نہیں ہو گی کہ اس طرح مجھ سے بات کرے''...... ڈاکٹر بلیک نے بدستور غصے سے کہا۔

"باس۔ ترقی یافتہ ممالک کے سربراہ آپ کی بات ماننے پر آمادہ دکھائی دے رہے تھے لیکن آفاق آفندی کی باتوں نے انہیں سوچ میں ڈال دیا"...... رچی نے کہا۔

"یہ سوچیں ان کی تباہی کا سبب بن جائیں گی۔ جو مجھے حاکم نہیں مانے گا وہ فنا ہو جائے گا"...... ڈاکٹر بلیک نے غراتے ہوئے کہا اور پھر اس کا دماغ تیزی سے سوچنے میں مصروف ہو گیا۔ کچھ دیر اسی طرح گزر گئی۔ پھر اچانک ڈاکٹر بلیک کے چہرے پر مسکراہٹ آ گئی۔

"رچی۔ روسیاہ کے حکمران راگاچوف کو بچانے کے لئے بے پناہ اقدامات کر رہے ہیں اور ایک ہم ہیں کہ بہت اطمینان سے بیٹھے ہوئے ہیں"...... ڈاکٹر بلیک نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"باس۔ ان کے انتظامات کرنے سے راگاچوف کی موت ٹل تو نہیں جائے گی۔ موت اس کا مقدر ہو چکی ہے۔ ہر صورت میں آئے گی"...... رچی نے مؤدبانہ لہجے میں کہا۔

"ہاں۔ راگاچوف کو مرنا ہے اور ہر حال میں مرنا ہے"۔ ڈاکٹر بلیک نے مطمئن لہجے میں کہا۔

"باس۔ جب آپ نے راگاچوف کی ڈیتھ کا منظر دکھایا تھا تو میں آپ کے حکم پر ایک کام میں مصروف تھا۔ میں نے وہ منظر نہیں دیکھا"...... رچی نے ڈاکٹر بلیک کا موڈ دیکھ کر اپنی ایک خواہش کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

"کوئی بات نہیں۔ ہم تمہیں ابھی وہ منظر دکھا دیتے ہیں"۔ ڈاکٹر بلیک نے مسکراتے ہوئے کہا۔ پھر اس نے اپنی کرسی آگے کی اور ایک سکرین پر لگے ہوئے بٹنوں میں سے ایک بٹن پریس کر دیا۔ جیسے ہی بٹن پریس ہوا سکرین پر ایک جھماکا ہوا اور سکرین روشن ہو گئی۔ سکرین کے روشن ہوتے ہی ڈاکٹر بلیک نے چند بٹن اور پریس کئے تو سکرین پر ایک منظر ابھر آیا۔ منظر میں ایک ہال کمرہ دکھائی دے رہا تھا۔ کمرے کے وسط میں شیشے کا ایک کیبن رکھا ہوا تھا۔ اس کیبن میں ایک کرسی پر راگاچوف بیٹھا ہوا تھا جس نے عجیب و غریب لباس پہنا ہوا تھا۔ شیشے کا یہ کیبن بلٹ پروف تھا۔ کیبن کی چھت میں چند سوراخ نظر آ رہے تھے اور یہ سوراخ ہوا کے لئے بنائے گئے تھے۔ اس کیبن میں ہوا کی آمد و رفت کا خصوصی انتظام کیا گیا تھا اور یہ ہوا آکسیجن کے کئی سلنڈروں سے دی جا رہی تھی۔ جس عمارت میں راگاچوف موجود تھا اسے سینکڑوں کمانڈوز نے گھیرا ہوا تھا۔ روسیاہ کی کئی سیکرٹ ایجنسیاں اس عمارت میں موجود تھیں۔ سائنس دانوں اور ڈاکٹروں کی ٹیمیں بھی موجود تھیں۔ سیکورٹی سے متعلق تمام مشینری اس بلڈنگ میں موجود تھی۔

"باس۔ انتظامات تو بہت اچھے ہیں"...... رچی نے طنزیہ انداز میں ہنستے ہوئے کہا۔

"ایکریمیا اور باچان کے انتظامات میں بھی کوئی کمی نہیں تھی۔ لیکن وہ بھی ڈاکٹر بلیک کی طاقت کے سامنے نہیں ٹھہر سکے۔ یہ بھی

نہیں ٹھہر سکیں گے''...... ڈاکٹر بلیک نے نخوت بھرے لہجے میں کہا۔ رچی نے ایک بار پھر سکرین پر نظر دوڑائی۔ اچانک راگا چوف کے چہرے پر تکلیف کے تاثرات ابھرے اور اس کا ہاتھ اپنے سینے پر گیا۔ وہ یکدم ہی کرسی سے کھڑا ہو گیا، کرسی سے کھڑے ہونے کے چند سیکنڈ بعد وہ زمین پر گرتا چلا گیا۔ فوراً ہی کمرے کا دروازہ کھلا اور ڈاکٹروں کی ٹیمیں دوڑتی ہوئی کمرے میں داخل ہوئیں۔ شیشے کا ایک ٹکڑا خود بخود اوپر اٹھتا چلا گیا اور وہاں ایک خلا بن گیا۔ ڈاکٹرز اس سے گزرتے ہوئے کیبن میں داخل ہوئے اور راگا چوف کو چیک کرنے لگے۔ جلد ہی ان کی آنکھوں میں مایوسی پھیلتی چلی گئی۔ راگا چوف کو ہارٹ اٹیک ہوا تھا اور یہ اتنا شدید ہوا تھا کہ راگا چوف جانبر نہیں ہو سکا تھا۔ یہ ہارٹ اٹیک بالکل نیچرل ہوا تھا۔ حالانکہ راگا چوف کو اس سے قبل کبھی دل کی تکلیف نہیں ہوئی تھی۔ ڈاکٹر بلیک نے خونی انداز میں مسکراتے ہوئے سکرین آف کر دی۔

''اوگو۔ تم نے ڈاکٹر بلیک کی طاقت دیکھ لی ہے''...... ٹی وی سکرین پر کھوپڑی اور دو ہڈیاں نمودار ہوئیں اور اس کے بعد ڈاکٹر بلیک کی غراتی ہوئی آواز سنائی دی۔ راگا چوف کی موت کی خبر ایک سیکنڈ سے بھی کم وقت میں پوری دنیا میں پھیل گئی تھی۔ ڈاکٹر بلیک کے دیئے گئے وقت سے پہلے ہی دنیا بھر کے لوگ اپنے کام کاج ترک کر کے ٹی وی کے سامنے بیٹھ گئے تھے۔ ٹی وی پر راگا چوف کو براہ راست دکھایا جا رہا تھا۔ راگا چوف کو بچانے کے لئے جو انتظامات کئے گئے تھے انہیں توڑنا کسی انسان کے بس میں تو نہیں تھا۔

کئی لوگ ان انتظامات سے مطمئن بھی تھے لیکن اکثریت کے دل تیزی سے دھڑک رہے تھے کیونکہ ایکریمیا اور باچان کے انتظامات بھی ناقابل تسخیر تھے لیکن اس کے باوجود ڈاکٹر بلیک کامیاب رہا تھا۔ ان کے خیال کے مطابق اب بھی ڈاکٹر بلیک نے

ہی کامیاب ہونا تھا اور پھر ان کے خدشات درست ثابت ہوئے تھے۔ روسیاہ کے تمام تر انتظامات دھرے رہ گئے تھے اور ڈاکٹر بلیک کے بتائے گئے وقت کے مطابق راگاچوف نے دم توڑ دیا تھا۔ اب روسیاہ میں خونی طوفان آنے والا تھا۔ ڈاکٹر بلیک عفریت بن کر روسیاہ پر ٹوٹنے والا تھا۔ راگاچوف کے دم توڑتے ہی ان لوگوں کی امیدوں نے بھی دم توڑ دیا تھا جو انتظامات دیکھ کر سوچ رہے تھے کہ شاید ڈاکٹر بلیک اب ناکام رہ جائے۔

''میری طاقت کو اپنی تقدیر سمجھو۔ اب سے ٹھیک دس گھنٹوں کے بعد روسیاہ پر قیامت ٹوٹنے والی ہے۔ ویسی ہی قیامت جیسی ایکریمیا اور باچان میں گزر چکی ہے لیکن تم اس قیامت کو روک سکتے ہو۔ ہاں روسیاہی لوگو۔ تم خود کو اور اپنے عزیزوں کی موت کو روک سکتے ہو۔ میرا یہ مخصوص نشان جو اس وقت ٹی وی اسکرین پر نظر آ رہا ہے۔ یہ سرخ رنگ کے جھنڈے پر بناؤ اور پورے روسیاہ پر یہ جھنڈا لہرا دو۔ سیکرٹریٹ، صدارتی محل، پارلیمنٹ بلڈنگ، قومی ٹی وی چینلز، ریڈیو بلڈنگ، سرکاری دفاتر۔ غرضیکہ ہر جگہ میرا جھنڈا ہونا چاہئے۔ روسیاہ کا قومی جھنڈا اتار دو۔ صدر استعفیٰ دے اور مجھے صدر نامزد کر دو۔

آج سے تم میری رعایا ہو اور میں تمہارا حکمران اور اگر تم نے دس گھنٹوں کے اندر میرے احکامات کی تعمیل نہ کی تو پھر ہر طرف خون ہی خون ہو گا، آگ ہی آگ ہو گی، موت ہی موت ہو گی،

او کے۔ بائی بائی''...... ڈاکٹر بلیک کی غراتی ہوئی آواز سنائی دی اور اس کے بعد ٹی وی سکرین سے کھوپڑی اور ہڈیاں غائب ہو گئیں۔

ڈاکٹر بلیک کی تقریر کے تھوڑی ہی دیر بعد روسیاہ میں افراتفری پھیل گئی۔ روسیاہ کی عوام سڑکوں پر آ گئی۔ لوگ حکومت کے خلاف نعرے لگا رہے تھے۔ وہ مطالبہ کر رہے تھے کہ ان کی جانوں کے تحفظ کے لئے حکومت فوراً مستعفی ہو جائے۔ بعض لوگ تو یہ بھی کہہ رہے تھے کہ اگر حکومتی ارکان استعفیٰ دے کر حکومت ڈاکٹر بلیک کے حوالے نہیں کرتے تو وہ تمام حکومتی ارکان کو قتل کر دیں گے اور اگر روسیاہی صدر نے اپنا عہدہ نہ چھوڑا تو وہ اسے بھی قتل کر دیں گے۔ ملک کے ایک کونے سے لے کر دوسرے کونے تک ہنگامے پھوٹ پڑے تھے۔ ہر طرف عوام کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر نظر آ رہا تھا جو اپنی حکومت کے خلاف نعرے لگا رہا تھا۔ کئی لوگ ڈاکٹر بلیک کی ہدایت کے مطابق جھنڈے تیار کر رہے تھے۔ انہوں نے فیصلہ کر لیا تھا کہ اگر حکومت خود مستعفی نہ ہوئی تو وہ دارالحکومت کی اہم عمارتوں پر ڈاکٹر بلیک کا جھنڈا لہرا دیں گے اور حکومتی ارکان کے ٹکڑے کر دیں گے۔

ادھر روسیاہی پارلیمنٹ دو حصوں میں تقسیم ہو گئی تھی۔ ایک کا کہنا تھا کہ ڈاکٹر بلیک کا ڈٹ کر مقابلہ کیا جائے۔ مقابلے کی صورت میں ایک کروڑ انسانوں کی جانیں ضائع ہوں گی لیکن اگر حکومت ڈاکٹر بلیک کے حوالے کر دی گئی تو پھر کچھ نہیں بچے گا۔ وہ سفاک

اور ظالم آدمی کئی کروڑ انسانوں کی جانیں لے سکتا تھا لیکن دوسرے گروہ کی رائے تھی کہ حکومت ڈاکٹر بلیک کے حوالے کر کے اپنے ایک کروڑ افراد کی جانیں بچا لی جائیں۔ وہ اپنے ملک اور عوام کے لئے اپنی حکومت ہی نہیں اپنی جانیں بھی قربان کرنے کے لئے تیار تھے لیکن انہیں ڈاکٹر بلیک پر اعتماد نہیں تھا۔ وہ انسانی تاریخ کا سفاک ترین مجرم تھا۔ انسان کی کروڑوں اربوں سالہ تاریخ میں کوئی بھی ایسا درندہ نہیں ملتا تھا جس نے سیکنڈوں میں کروڑوں افراد کا خون بہایا ہو۔ ملک ایسے شخص کے حوالے کرنا ملک وقوم کے ساتھ ظلم تھا لیکن اب انہیں اس کے سوا کوئی صورت بھی نظر نہیں آ رہی تھی۔ ڈاکٹر بلیک کو ٹریس کرنے کا ہر حربہ ناکام ہو چکا تھا۔

روسیاہ کے حکمران، دانشور، سویلین و فوجی قیادت، اپوزیشن لیڈران، سب سر جوڑ کر بیٹھ گئے تھے۔ کبھی کوئی تجویز سامنے آ جاتی تو کبھی کوئی رائے لیکن وہ کسی طرح بھی حتمی فیصلے پر نہیں پہنچ رہے تھے۔ حکومت کی طرف سے ٹی وی چینلز پر بار بار اعلان کیا جا رہا تھا کہ عوام پرسکون رہے۔ قومی سلامتی کمیٹی کا اجلاس ہو رہا ہے اور اجلاس میں جو بھی فیصلہ ہو گا وہ عوام کی بہتری کو سامنے رکھ کر کیا جائے گا۔ آٹھ گھنٹے کے طویل اجلاس کے بعد روسیاہی صدر نے فیصلہ سنا دیا۔ اس نے کابینہ کے ہمراہ حکومت سے الگ ہونے کا اعلان کر دیا۔ انہوں نے یہ بھی اعلان کیا کہ وہ ڈاکٹر بلیک کو ملک کا صدر بنا رہے ہیں۔ ڈاکٹر بلیک اپنے ٹی وی پر یہ اجلاس براہ راست

دیکھ رہا تھا۔ روسیاہی صدر کے اعلان کے بعد اس کی آنکھوں میں چمک پیدا ہو گئی اور چہرہ دمکنے لگا۔ روسیاہ ایک بہت بڑا ملک تھا۔ اگر اس نے ڈاکٹر بلیک کے سامنے گھٹنے ٹیک دیئے تھے تو دوسرے ممالک نے بھی اس کے سامنے سر جھکا دینا تھا اور یوں اس نے دنیا بھر کا حاکم بن جانا تھا۔

ڈیتھ ماسٹر کرسی پر بیٹھا ہوا تھا۔ اس کے ایک ہاتھ میں سگار تھا اور دوسرے ہاتھ میں ایک بڑا گلاس تھا۔ جس میں وہسکی بھری ہوئی تھی۔ وہ دو تین گھونٹ وہسکی کے بھرتا تھا اور پھر دو تین کش سگار کے لگاتا تھا۔ تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ دروازے پر دستک ہوئی۔

”یس۔ کم اِن“...... ڈیتھ ماسٹر نے بارعب لہجے میں کہا تو کمرے کا دروازہ کھلا اور زیرو ون اندر داخل ہوا۔ ڈیتھ ماسٹر کے قریب پہنچ کر اس نے مؤدبانہ انداز میں اسے سلام کیا۔

”زیرو ون۔ پاکیشیا میں آ کر تمہاری کارکردگی کو زنگ لگ گیا ہے۔ ہمارا بہت سا جانی اور مالی نقصان ہو گیا ہے اور ہم ابھی تک مشن سے بہت دور ہیں“...... ڈیتھ ماسٹر نے غراتے ہوئے کہا۔

”باس۔ بس ذرا قسمت عمران کا ساتھ دے رہی ہے لیکن اب یہ قسمت عمران کا ساتھ چھوڑنے والی ہے۔ ہمارا مشن مکمل ہونے ہی والا ہے“...... زیرو ون نے مؤدبانہ لہجے میں کہا۔

”تم نے اب تک جو کچھ کیا ہے وہ مختصراً بتا دو“...... ڈیتھ ماسٹر نے سخت لہجے میں کہا۔

”باس۔ یہ تو آپ جانتے ہیں کہ ہمارے آدمیوں نے عمران کو کور کر لیا تھا“...... زیرو ون نے کہا۔

”ہاں۔ اسے ویڈر کنٹرول کار میں بھی تم نے بٹھا دیا تھا اور وہ کار پہاڑی علاقے میں کسی گہری کھائی میں گر گئی تھی لیکن اس کے باوجود عمران زندہ بچ گیا“...... ڈیتھ ماسٹر نے طنزاً کہا۔

”یس باس۔ اسی لئے میں نے کہا ہے کہ قسمت عمران کا ساتھ دے رہی ہے۔ کار پر میری نظر تھی جیسے ہی کار کھائی میں گری تو میں نے اپنے آدمی ہیلی کاپٹر پر پہاڑی علاقے میں بھیجے تا کہ وہ مکمل تسلی کر آئیں۔ اس دوران ٹی الیون نے رپورٹ دی کہ اس کار میں ہمارا ایک اہم بریف کیس رہ گیا ہے۔ جس پر میں نے ہیلی کاپٹر پر جانے والے اپنے آدمیوں کو ہدایت دی کہ کار میں سے بریف کیس ضرور حاصل کریں۔ کار جہاں گری تھی میں نے لوکیشن کی نشان دہی بھی کر دی۔ میں کار کی لوکیشن کو کمپیوٹر پر دیکھ رہا تھا لیکن پھر ہمارا ہیلی کاپٹر تباہ ہو گیا اور ہمارے آدمیوں کا کچھ پتا نہیں چلا۔ البتہ عمران کو یہاں دارالحکومت میں دیکھا گیا ہے جس کا مطلب ہے کہ عمران نہ صرف زندہ بچ گیا تھا بلکہ اس نے ہمارے آدمی بھی مار دیئے تھے اور ہمارا ہیلی کاپٹر بھی تباہ کر دیا تھا“...... زیرو ون نے مسلسل بولتے ہوئے کہا۔

''یعنی اس سلسلے میں ہماری مکمل ناکامی''...... ڈیتھ ماسٹر نے غصیلے لہجے میں کہا۔

''لیکن ہم جلد کامیابی حاصل کر لیں گے''...... زیرو ون نے مؤدبانہ لہجے میں کہا۔

''سرسلطان کے بارے میں کیا رپورٹ ہے''...... ڈیتھ ماسٹر نے پوچھا۔

''باس۔ وہ ٹس سے مس نہیں ہو رہا۔ میں نے اسے کئی بار دھمکی دی ہے لیکن وہ میری دھمکی پر توجہ نہیں دیتا کیونکہ اسے ڈاکٹر بلیک نے بھی دھمکی دی ہوئی ہے۔ پاکیشیائی حکومت اور سرسلطان ڈاکٹر بلیک کی دھمکی کی وجہ سے پریشان ہیں''...... زیرو ون نے کہا۔

''وہ یہ بات نہیں جانتے کہ ڈیتھ ماسٹر، ڈاکٹر بلیک سے زیادہ خطرناک اور ظالم ہے۔ تم سپیشل فون پر سرسلطان کا نمبر ملا کر فون مجھے دو''...... ڈیتھ ماسٹر نے کہا۔

''یس باس''...... زیرو ون نے مؤدبانہ لہجے میں کہا اور پھر اس نے اپنی جیب سے سیل فون نکالا اور سرسلطان کے نمبرز پریس کرنے لگا۔

''باس۔ بیل جا رہی ہے''...... دوسری طرف بیل جانے لگی تو زیرو ون نے سیٹ ڈیتھ ماسٹر کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ ڈیتھ ماسٹر نے اس سے سیٹ لے لیا۔

''یس سلطان اسپیکنگ''...... دوسری طرف سے کال رسیو ہونے

کے بعد سرسلطان کی آواز سنائی دی۔

''سرسلطان۔ میں تمہاری موت ڈیتھ ماسٹر بول رہا ہوں''۔ ڈیتھ ماسٹر نے پھنکارتے ہوئے کہا۔

''اب کیا کہنا ہے تم نے''...... دوسری طرف سے سرسلطان نے غصیلے لہجے میں کہا۔

''سرسلطان۔ تم فائل آئی ٹن اور اس کی، کی کوڈ فائل ہمارے حوالے کر دو اور بہتر یہی ہے کہ ہم سے رقم لے لو ورنہ فائل تو ہم حاصل کر ہی لیں گے لیکن تم اپنی جان سے جاؤ گے''...... ڈیتھ ماسٹر نے کہا۔

''تم لوگ نجانے کس ڈھیٹ مٹی سے بنے ہو۔ میں کتنی بار انکار کر چکا ہوں''...... سرسلطان نے کہا۔

''سرسلطان۔ اگر تم نے فائل نہ دی تو پھر موت کا جو وقت ڈاکٹر بلیک نے تمہیں دیا ہوا ہے میں اسی وقت پر تمہیں شکار کر لوں گا تاکہ دنیا والوں کو پتہ لگے کہ ڈیتھ ماسٹر، ڈاکٹر بلیک سے زیادہ خطرناک اور طاقتور ہے۔ میں تمہیں اس طرح قتل کروں گا سرسلطان کہ تمہاری گردن کاٹ لوں گا۔ بتا دینا اپنے ایکسٹو کو اور اپنے اعلیٰ حکام کو بھی کہ تمہاری گردن کٹی لاش کو دیکھیں تو سمجھ جائیں کہ تمہیں میں نے قتل کیا ہے۔ کہیں میرا کارنامہ تم لوگ ڈاکٹر بلیک کے کھاتے میں نہ ڈال دینا''...... ڈیتھ ماسٹر نے کہا اور پھر اس نے کال کاٹ دی۔

''سر سلطان ایسے آدمیوں میں سے ہے جو اپنا سر تو کٹا سکتے ہیں لیکن اپنی زبان نہیں کھول سکتے۔ لہٰذا میں نے اس کے ڈیتھ وارنٹ پر دستخط کر دیئے ہیں۔ اسے تم نے ٹھکانے لگانا ہے لیکن اس طرح کہ اس کا سر، دھڑ سے الگ کر دینا''...... ڈیتھ ماسٹر نے زیرو ون سے کہا۔

''اوکے باس۔ آپ کے حکم کی حرف بہ حرف تعمیل ہو گی''۔ زیرو ون نے کہا۔

''زیرو ون۔ میں نے تمہیں جو ہدایات دی تھیں۔ تم نے ان سب پر عمل کیا ہے''...... ڈیتھ ماسٹر نے پوچھا۔

''یس باس۔ آپ کی ہدایات پر عمل ہو چکا ہے''...... زیرو ون نے مؤدبانہ لہجے میں کہا۔

''مجھے تفصیل سے بتاؤ کہ تم نے کیا کیا ہے''...... ڈیتھ ماسٹر نے تحکمانہ لہجے میں کہا۔

''یس باس۔ باس۔ ٹی سیون گرین بلڈنگ میں داخل ہونے میں کامیاب ہو گئی۔ اس نے جو ٹاپس پہنے ہوئے تھے۔ ان میں مائیکرو کیمرہ فٹ تھا۔ جس کی وجہ سے گرین بلڈنگ کی مکمل فلم ہمارے پاس بن گئی لیکن اب وہاں ریڈ کرنے کا کوئی فائدہ نہیں کیونکہ فائل آئی ٹن پاکیشیا سیکرٹ سروس کے ہیڈکوارٹر میں ہے۔ افسوس ہے کہ ٹی سیون کی قربانی ضائع گئی اس کے علاوہ آپ کی ہدایت کے مطابق پاکیشیا سیکرٹ سروس کے ممبر خاور کو اس انداز

میں گولیاں ماری گئی ہیں کہ اس کی موت واقع نہ ہو۔ پھر اسے کنگ روڈ پر پھینکوا دیا گیا ہے اور اس کی اطلاع عمران کے فلیٹ کے ٹیلی فون پر دے دی گئی ہے۔ امید ہے کہ خاور زندہ بچ گیا ہو گا''۔ زیرو ون نے کہا۔

''امید سے تمہاری کیا مراد ہے۔ کیا تم نے اس کے بالوں میں ہیئر ڈکٹا فون ایچ ڈی فٹ نہیں کیا تھا''...... ڈیتھ ماسٹر نے یکدم ہی غراتے ہوئے کہا۔

''فٹ کر دیا تھا باس۔ لیکن چونکہ ابھی خاور کو اٹھا کر کہیں لے جایا جا رہا تھا اس لئے میں آپ کو رپورٹ دینے آ گیا اور ویسے بھی باس۔ ایچ ڈی کی موجودگی میں جو باتیں ہوں گی وہ یہاں ریکارڈ بھی ہو جائیں گی''...... زیرو ون نے کانپتے ہوئے کہا۔

''دفع ہو جاؤ اور ایچ ڈی کا رسیور اٹھا کر لے آؤ۔ میں خود اس کارروائی کا رزلٹ دیکھنا چاہتا ہوں۔ تم خود کوئی کام صحیح نہیں کر سکتے۔ ہر کام کے لئے تمہیں ہدایت دینی پڑتی ہے''...... ڈیتھ ماسٹر نے غصیلے لہجے میں کہا۔

''یس باس۔ اوکے باس''...... زیرو ون نے بوکھلائے ہوئے لہجے میں کہا اور پھر وہ الٹے قدموں بھاگ گیا۔ پھر جلد ہی وہ واپس آ گیا۔ اس کے ہاتھ میں ایک چھوٹے سے ریڈیو کے برابر مشین تھی۔ یہ ایچ ڈی کا رسیور تھا اور یہ رسیو ہونے والی آوازیں ریکارڈ بھی کر لیتا تھا۔ زیرو ون نے وہ رسیور ڈیتھ ماسٹر کے سامنے رکھا

اور پھر اس کا ایک بٹن بھی پریس کر دیا۔

''طاہر۔ ڈیتھ ماسٹر ایک عیار انسان ہے اور خاور کی جو حالت ہے مجھے خدشہ ہے کہ کہیں خاور نے انہیں دانش منزل کے بارے میں تفصیلات نہ بتا دی ہوں''...... ایچ ڈی رسیور سے آواز ابھری۔

''یہ کیسے ہو سکتا ہے عمران صاحب۔ خاور اپنی زبان نہیں کھول سکتا۔ یہ ناممکن ہے''...... ایک دوسری آواز سنائی دی۔

''طاہر۔ ڈیتھ ماسٹر صرف ہاتھ پاؤں چلانا ہی نہیں جانتا بلکہ وہ سائنس کی جدید ایجادات سے بھی استفادہ کرتا ہے۔ یہ ہو سکتا ہے کہ اس نے خاور کا مائنڈ چیک کیا ہو''۔عمران کی آواز سنائی دی۔

''جی ہاں۔ یہ ہو سکتا ہے''...... دوسرے آدمی کی آواز سنائی دی جسے عمران، طاہر کہہ کر مخاطب کر رہا تھا۔

''ڈیتھ ماسٹر اگر عیار ہے تو ہم اس کی عیاری اسی پر الٹ دیں گے۔ اس کی ایک ایجنٹ گرین بلڈنگ میں ماری گئی ہے اور اس کے ٹاپس سے مائیکرو کیمرہ اور مائیک برآمد ہوئے ہیں جس کا مطلب ہے کہ وہ ایجنٹ جتنی دیر وہاں رہی ہے اس کی فلم کہیں بنتی رہی ہے اور میجر نادر نے ایجنٹ کو بتا دیا ہے کہ فائل آئی ٹن پاکیشیا سیکرٹ سروس کے پاس ہے لہٰذا ڈیتھ ماسٹر اب گرین بلڈنگ کی طرف سے مطمئن ہو گیا ہو گا۔ اب وہ فائل کے حصول کے لئے دانش منزل پر ریڈ کر سکتا ہے لہٰذا تم آئی ٹن واپس گرین بلڈنگ کے ریکارڈ رومز میں بھجوا دو اور دانش منزل کے سیکورٹی انتظامات آن کر

دو۔ ہم نے ڈیتھ ماسٹر کا مشن نہ صرف ناکام بنانا ہے بلکہ اسے گرفتار بھی کرنا ہے''...... عمران کی آواز سنائی دی۔

''جی آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ میں آئی ٹن فائل واپس بھجوا دیتا ہوں اور عمران صاحب۔ خاور اب بہتر نظر آ رہا ہے۔ اسے دانش منزل سے اس کے فلیٹ میں شفٹ نہ کر دیں''...... دوسری آواز سنائی دی۔

''ہاں۔ اب یہ ہر قسم کے خطرے سے باہر ہے۔ میں کسی کو ہدایت کرتا ہوں کہ وہ دانش منزل کے میڈیکل روم سے اسے فلیٹ لے جائے''...... عمران کی آواز سنائی دی اور پھر قدموں کی آواز آنے لگی۔ ڈیتھ ماسٹر نے ہاتھ بڑھا کر ایچ ڈی رسیور کا بٹن پریس کر دیا اور پھر اس نے قہقہہ بلند کیا۔ خاور کو زندہ واپس بھجوانے کا اس کا مقصد پورا ہو چکا تھا۔ وہ چند لمحے کچھ سوچتا رہا پھر اس نے زیرو ون کو دیکھا۔

''زیرو ون۔ زیرو ٹو کو بھی بلا لو''...... ڈیتھ ماسٹر نے تحکمانہ لہجے میں کہا۔

''یس باس''...... زیرو ون نے مؤدبانہ لہجے میں کہا اور پھر اس نے جیب سے سیل فون نکالا اور زیرو ٹو کو باس کے کمرے میں پہنچنے کا حکم دیا۔ تھوڑی ہی دیر میں زیرو ٹو وہاں آ گیا۔ اس نے ڈیتھ ماسٹر کو سلام کیا اور زیرو ون کی طرح مؤدبانہ انداز میں ڈیتھ ماسٹر کے سامنے کھڑا ہو گیا۔

''مشن ہیں دو۔ اور یہ دونوں مشن ہم نے ایک ہی وقت میں مکمل کرنے ہیں۔ ایک مشن ہے سرسلطان کا خاتمہ اور دوسرا مشن ہے فائل آئی ٹن۔ پہلا مشن زیرو ون مکمل کرے گا جبکہ دوسرا مشن زیرو ٹو اور تنظیم کے دیگر ممبران میری قیادت میں مکمل کریں گے''۔ ڈیتھ ماسٹر نے کہا۔

''ہم تیار ہیں باس''۔ زیرو ون اور زیرو ٹو نے بیک آواز میں کہا

''زیرو ون کا یہ مشن اس کی زندگی کا سب سے بڑا چیلنج ہے کیونکہ سرسلطان کے خاتمے کا اعلان ڈاکٹر بلیک نے بھی کیا ہوا ہے اور میں چاہتا ہوں کہ زیرو ون اسی وقت پر یہ مشن مکمل کرے تاکہ ڈاکٹر بلیک اور پوری دنیا پر واضح ہو جائے کہ ہم ڈاکٹر بلیک سے زیادہ طاقتور اور خطرناک ہیں اس کے لئے میں نے نشانی مقرر کی ہے اور زیرو ون سرسلطان کا سر تن سے جدا کر دے گا اور اس مشن کو میں نے مشکل مشن اس لئے کہا ہے کہ ڈاکٹر بلیک کی دھمکی کی وجہ سے سرسلطان کی حفاظت کے غیر معمولی انتظامات کئے جا رہے ہیں''...... ڈیتھ ماسٹر نے طویل گفتگو کرتے ہوئے کہا۔

''باس۔ زیرو ون نے کبھی ناکامی کا منہ نہیں دیکھا۔ یہاں بھی انتظامات کیسے ہی کیوں نہ ہوں کامیابی ہمارے مقدر میں لکھی گئی ہے''...... زیرو ون نے بااعتماد لہجے میں کہا۔

''تم ٹھیک کہہ رہے ہو زیرو ون۔ ہم نے ہمیشہ کامیابیاں حاصل کی ہیں اور پاکیشیا میں بھی آخری کامیابی ہماری ہی ہے لیکن کامیابی

کبھی بھی اندھا دھند اقدام کرنے سے حاصل نہیں ہوتی۔ تم جانتے ہو کہ میں جو بھی قدم اٹھانے لگتا ہوں پہلے یہ دیکھ لیتا ہوں کہ یہ قدم اٹھانے سے ہمیں کیا کیا نقصانات ہو سکتے ہیں اور ان نقصانات سے کیسے بچنا ہے''...... ڈیتھ ماسٹر نے کہا۔

''باس۔ یہ آپ کی ذہانت اور قابلیت ہی ہے کہ ہم آج تک کسی بھی مشن میں ناکام نہیں ہوئے''...... زیرو ون نے خوشامدانہ لہجے میں کہا۔

''سرسلطان کی سیکورٹی کے لئے کیا پلان تیار کیا گیا ہے اس کی تفصیل ہمیں مل جائے گی۔ اس کی تفصیل کو دیکھنے کے بعد ہم پلاننگ کریں گے اور زیرو ون۔ میری پلاننگ ایسی ہو گی کہ تم باآسانی سرسلطان کو قتل کر سکو گے''...... ڈیتھ ماسٹر نے کہا۔

''یس باس۔ مجھے یقین ہے آپ نے آج تک جتنی بار بھی پلاننگ کی ہے بے داغ کی ہے۔ آپ کے دماغ کا مقابلہ کوئی نہیں کر سکتا''...... زیرو ون نے بدستور خوشامدانہ لہجے میں کہا۔

''اوکے۔ اب تم دونوں میرے سامنے بیٹھ جاؤ تاکہ ہم گرین بلڈنگ پر ایکشن کے لئے اپنی پلاننگ تیار کر لیں''...... ڈیتھ ماسٹر نے ان دونوں کو اپنے سامنے بیٹھنے کی اجازت دیتے ہوئے کہا تو وہ دونوں ڈیتھ ماسٹر کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کرسیوں پر بیٹھ گئے۔ مشن دونوں ہی مشکل تھے لیکن وہ مطمئن تھے کیونکہ انہیں یقین تھا کہ وہ یہ مشن مکمل کر لیں گے۔

زیرو ون کے سامنے ایک بڑی تصویر رکھی ہوئی تھی اور وہ اس تصویر کے مطابق میک اپ کر رہا تھا۔ اس میک اپ سے پہلے اس نے ایک اور میک اپ کیا تھا۔ یہ جدید ترین میک اپ تھے جو نہ تو کسی طرح واش ہوتے تھے اور نہ ہی انہیں کیمرہ چیک کر سکتا تھا۔ یہ تصویر اسے ڈیتھ ماسٹر نے مہیا کی تھی اور یہ تصویر سنٹرل پولیس کے آئی جی کی تھی۔ پلاننگ کے تحت زیرو ون کو آئی جی کے میک اپ میں خان ہاؤس جانا تھا کیونکہ سرسلطان کو خان ہاؤس میں رکھا گیا تھا اور خان ہاؤس کی سیکورٹی کے لئے حکومت پاکیشیا نے فول پروف انتظامات کئے تھے۔ ان انتظامات کی وجہ سے انسان تو انسان کسی چیونٹی کا بھی سرسلطان تک پہنچنا ممکن نہیں تھا۔ آرمی دستے، کمانڈوز، پاکیشیا سیکرٹ سروس کے ممبران، سنٹرل انٹیلی جنس اور دیگر ادارے بھی خان ہاؤس میں ڈیوٹی پر تعینات تھے۔ آئی جی سنٹرل پولیس کی بھی خان ہاؤس میں ڈیوٹی تھی اور ڈیتھ ماسٹر نے

زیرو ون کو اس کے میک اپ میں خان ہاؤس بھیجنے کی پلاننگ کی تھی۔ ڈیتھ ماسٹر کو خان ہاؤس کے سیکورٹی پلان کی تفصیلات معلوم ہو چکی تھیں اور اس نے ان تفصیلات کی روشنی میں اپنا پلان بنایا تھا اور زیرو ون کو ہدایات دی تھیں۔ جو پلاننگ انہوں نے کی تھی زیرو ون کو یقین تھا کہ وہ بغیر کسی وقت کے سرسلطان تک پہنچ جائے گا۔

ڈیتھ ماسٹر کو آئی جی کی ویڈیو بھی مل گئی تھی اور یہ ویڈیو زیرو ون نے درجنوں مرتبہ دیکھ لی تھی۔ اس نے آئی جی سنٹرل پولیس کی ایک ایک حرکت کا بغور مشاہدہ کیا تھا اور اب اسے خود پر اعتماد تھا کہ وہ آئی جی کا کردار بخوبی نبھا لے گا۔ وہ میک اپ سے فارغ ہوا تو ڈیتھ ماسٹر نے مطمئن انداز میں سر ہلایا۔

”کچھ ہی دیر میں ہمارے آدمی آئی جی کو اس کی گاڑی سمیت لے آئیں گے“...... ڈیتھ ماسٹر نے کہا۔

”یس باس“...... زیرو ون نے مؤدبانہ لہجے میں کہا۔

”سیکورٹی پلان ہمارے سامنے ہے اور ہم نے اس کے مطابق اپنا پلان بنانا ہے لیکن اگر گورنمنٹ نے اچانک کوئی تبدیلی کر دی تو اس تبدیلی کے بارے میں کرنل جبران تمہیں بتا دے گا اور تم اس کے مطابق اپنا لائحہ عمل تبدیل کر لینا۔ اس کے علاوہ بھی کرنل جبران تمہاری ہر ممکن مدد کرے گا“...... ڈیتھ ماسٹر نے اپنی باتوں کو دوہراتے ہوئے کہا۔

"یس باس۔ مجھے آپ کی تمام ہدایات یاد ہیں"...... زیرو ون نے مؤدبانہ لہجے میں کہا۔ اسی لمحے کمرے کا دروازہ کھلا اور ون سیون کمرے میں داخل ہوا۔ اس نے ڈیتھ ماسٹر اور زیرو ون کو سلام کیا۔

"لے آؤ ہوتم آئی جی کو"...... ڈیتھ ماسٹر نے ون سیون سے کرخت لہجے میں کہا۔

"یس باس۔ آئی جی اور اس کے محافظ یہاں پہنچ گئے ہیں۔ اس کے محافظوں کی جگہ ہمارے آدمی لے رہے ہیں۔ ہم نے آئی جی کی یونیفارم اتار لی ہے۔ زیرو ون ساتھ والے کمرے میں جا کر وہ یونیفارم پہن لیں۔ یونیفارم میں خان ہاؤس کا سپیشل انٹری کارڈ بھی موجود ہے"...... ون سیون نے کہا۔

"گڈ۔ ہمارے کام ٹھیک طریقے سے ہو رہے ہیں"...... ڈیتھ ماسٹر نے خوش ہوتے ہوئے کہا۔

"یس باس۔ آخر کامیابی نے قدم تو ہمارے ہی چومنے ہیں"۔ زیرو ون نے کہا۔

"تم فوراً یونیفارم پہنو اور روانہ ہو جاؤ۔ خان ہاؤس پہنچنے میں تمہیں تاخیر نہیں ہونی چاہئے اور ون سیون۔ تم یہ بتاؤ کہ آئی جی اور اس کے ساتھیوں کی کیا پوزیشن ہے"...... ڈیتھ ماسٹر نے تحکمانہ لہجے میں زیرو ون اور پھر ون سیون سے کہا۔

"باس۔ وہ لوگ بے ہوش ہیں"...... زیرو ون نے دروازے کی

طرف مڑتے ہوئے ون سیون کی آواز سنی۔

"اوکے۔ انہیں اسی بے ہوشی کے عالم میں ملک عدم روانہ کر دو"...... زیرو ون نے ڈیتھ ماسٹر کی آواز سنی اور اس کے ساتھ ہی وہ کمرے سے باہر آ گیا۔ یونیفارم پہننے کے بعد وہ پارکنگ میں پہنچا تو وہاں ایک سرکاری جیپ کھڑی تھی۔ جیپ کے ساتھ ہی چار پولیس اہلکار بھی کھڑے تھے۔ زیرو ون جانتا تھا کہ یہ بھی اس کی تنظیم کے ممبرز ہیں۔ جیپ کے قریب پہنچنے پر ان چاروں نے اسے سلام کیا۔ وہ جیپ کی فرنٹ سیٹ پر بیٹھ گیا۔ ان چاروں میں سے ایک نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی جبکہ باقی تین پچھلی سیٹوں پر بیٹھ گئے۔ پھر جیپ سٹارٹ ہوئی اور کوٹھی سے نکل کر سڑک پر آ گئی۔ تقریباً دس منٹ کے بعد جیپ سنٹرل روڈ پر پہنچ گئی۔ اس روڈ پر خان ہاؤس تھا۔ اس روڈ پر ہر قسم کی ٹریفک کا داخلہ بند کر دیا گیا تھا۔ صرف ان سرکاری گاڑیوں کو اجازت تھی جو ان افسران کے استعمال میں تھیں جن کی ڈیوٹیاں خان ہاؤس پر لگی ہوئی تھیں۔ اس روڈ پر ہر سو گز کے بعد چوکی قائم کر دی گئی تھی جن پر آرمی اور پولیس کے جوان ڈیوٹی دے رہے تھے اور انہیں اختیارات دے دیئے گئے تھے کہ اگر کوئی زبردستی اس روڈ سے گزرنا چاہئے تو اسے وارننگ دیئے بغیر بم سے اڑا دیا جائے۔

آئی جی کی جیپ کی ونڈ سکرین پر ایک مخصوص سٹیکر لگا دیا گیا تھا۔ یہ سٹیکر حکومت کی جانب سے ان گاڑیوں پر لگائے گئے تھے

جنہیں خان ہاؤس تک جانے کی اجازت تھی۔ اس سٹیکر کے باوجود بھی پہلی چوکی پر جیپ کو روک لیا گیا۔ پولیس اور آرمی کے جوان جیپ کی طرف بڑھے۔ انہوں نے جیپ کو اور فرنٹ سیٹ پر بیٹھے ہوئے زیرو ون کو غور سے دیکھا۔

''سر۔ آپ سپیشل انٹری کارڈ دکھائیں''...... ایک فوجی نے اس سے قدرے نرم لہجے میں کہا۔ زیرو ون نے خاموشی سے سپیشل انٹری کارڈ نکالا اور اس کی طرف بڑھا دیا۔ فوجی نے غور سے کارڈ دیکھا اور پھر زیرو ون کو واپس کر دیا۔

''تھینک یو سر''...... فوجی نے پیچھے ہٹتے ہوئے کہا۔ اس کے پیچھے ہٹتے ہی دیگر جوان بھی پیچھے ہٹ گئے تو ڈرائیور نے جیپ آگے بڑھا دی۔ دوسری چوکی پر بھی جیپ کو روک لیا تھا لیکن یہاں انہیں صرف چند لمحے روکا گیا پھر انہیں آگے بڑھنے کا اشارہ کیا گیا۔ چوتھی چوکی پر پھر زیرو ون سے سپیشل انٹری کارڈ مانگا گیا اور اس کے بعد اسے آگے جانے کی اجازت ملی۔ ان تمام مراحل کے بارے میں پہلے ہی ڈیتھ ماسٹر نے اسے بتا دیا تھا اس لئے وہ مطمئن تھا۔ ان چوکیوں سے گزرتا ہوا وہ خان ہاؤس پہنچ گیا۔ خان ہاؤس سے پچاس قدم پہلے ہی جیپ روک لی گئی۔ یہاں سڑک پر ہر طرف فوجی ہی فوجی نظر آ رہے تھے۔

''سر۔ آپ کیبن میں آ جائیں۔ آپ کا عملہ یہاں سے واپس جائے گا۔ انہیں خان ہاؤس جانے کی اجازت نہیں ہے''۔ ایک

کیپٹن نے زیرو ون سے کہا۔

''آئی نو''...... اتنی دیر بعد زیرو ون نے پہلی مرتبہ زبان کھولی۔ اس کے ساتھی جیپ کو لے کر چلے گئے جبکہ زیرو ون کیبن میں آ گیا۔ جیسے ہی وہ کیبن میں داخل ہوا اس پر کئی قسم کی روشنی پڑی۔ پھر اس کا سپیشل انٹری کارڈ بھی چیک کیا گیا۔

''اوکے سر۔ عاطف۔ تم سر کو گیٹ تک چھوڑ آؤ''...... کیپٹن نے پہلے زیرو ون سے کہا اور اس کے بعد اس نے ایک فوجی کو حکم دیا۔

''یس سر۔ آیئے سر''...... اس فوجی نے پہلے کیپٹن سے اور پھر زیرو ون سے کہا۔

زیرو ون اس فوجی کے ساتھ کیبن سے باہر آ گیا اور پھر وہ دونوں خان ہاؤس کی طرف بڑھنے لگے۔ خان ہاؤس کے گیٹ پر پہنچ کر ساتھ آنے والا فوجی واپس چلا گیا۔ وہ گیٹ کے قریب پہنچا تو اسے فلیش لائٹ کی روشنی میں سے گزرنا پڑا۔ یہاں بھی ہر طرف فوجی ہی فوجی تھے۔ یہاں اس سے ایک میجر نے سپیشل انٹری کارڈ طلب کیا اور پھر اسے اندر جانے کی اجازت ملی۔

آئی جی سنٹرل پولیس نے غیر ممالک سے کئی تربیتی کورس کئے ہوئے تھے۔ اس کی پروفیشنل لائف تعریفی اسناد سے بھری ہوئی تھی اس لئے اس کی خان ہاؤس میں ڈیوٹی لگائی گئی تھی۔ اس نے خان ہاؤس کے چند مخصوص حصوں میں گہری نظر رکھنی تھی۔ خان ہاؤس میں داخل ہونے کے بعد وہ ڈیوٹی کاؤنٹر کی طرف بڑھا۔ اس نے

ڈیوٹی کاؤنٹر پر اپنی آمد کے بارے میں بتایا۔ کاؤنٹر پر موجود فوجی نے رجسٹر پر اس کا اندراج کر لیا اور اس کے سینے پر ایک بیج لگا دیا۔ خان ہاؤس میں اس وقت سینکڑوں لوگ موجود تھے۔ زیادہ تعداد فوجیوں کی تھی۔ کمانڈوز بھی تھے۔ سنٹرل انٹیلی جنس کے اہلکار بھی موجود تھے۔ اس نے ایک دو افراد کالے لباس اور کالے نقاب میں بھی دیکھے تھے۔ یہ پاکیشیا سیکرٹ سروس کے ممبرز تھے۔ باقی محکموں کے ملازمین پر تو یہاں کچھ پابندیاں لگی ہوئی تھیں لیکن پاکیشیا سیکرٹ سروس کے ممبران پر کسی قسم کی پابندی نہیں تھی۔ وہ جس وقت چاہتے اور جسے چاہتے روک کر اس سے پوچھ گچھ کر سکتے تھے۔ بلڈنگ کے جس حصے میں چاہتے بلا روک ٹوک جا سکتے تھے۔ انہیں نہ کوئی روک سکتا تھا اور نہ ہی ان سے کوئی سوال و جواب کر سکتا تھا اور اسی وجہ سے انہوں نے یہ مخصوص لباس پہنا ہوا تھا۔ زیرو ون نے بھی یہی لباس پہننا تھا اور اسے یہ لباس کرنل جبران نے مہیا کرنا تھا۔

''ہیلو۔ آئی جی رندھاوا صاحب''...... زیرو ون اپنے اردگرد کا جائزہ لے رہا تھا کہ اسے اپنے عقب سے آواز سنائی دی۔ اس نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو اس کے پیچھے ایک شخص کھڑا تھا۔ اس شخص کے سینے پر ایک ٹیگ لگا ہوا تھا جس پر سنٹرل انٹیلی جنس آفیسر جبران لکھا ہوا تھا۔ دونوں نے مصافحہ کیا۔

''ممکن ہی نہیں کہ ڈیتھ لائن کا ماسٹر یہاں کامیاب ہو

جائے''...... آفیسر جبران نے زیرو ون سے کہا۔

''ریڈ نائٹ کا ڈاکٹر بلیک بھی منہ کی کھائے گا''...... زیرو ون نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ڈیتھ لائن اور ریڈ نائٹ ان کے لئے کوڈ ورڈ تھے اور دونوں نے یہ کوڈ ورڈ ادا کر کے ایک دوسرے کو کنفرم کیا تھا۔

''آیئے۔ انتظامات کا جائزہ لیتے ہیں''...... آفیسر جبران نے کہا اور پھر وہ دونوں ایک طرف بڑھے۔ وہ کچھ دیر تک خان ہاؤس کے مختلف حصوں میں گھومتے رہے۔ پھر زیرو ون نے ریسٹ واچ پر نظر ڈالی۔ گیارہ بج کر دس منٹ ہو چکے تھے۔

''ایکسکیوزمی ۔ مجھے واش روم جانا ہے''...... زیرو ون نے کہا۔

''سکس نمبر۔ اوکے اس طرف واش رومز ہیں''...... آفیسر جبران نے سکس نمبر دھیمی آواز میں اور باقی فقرہ اپنی معمول کی آواز میں کہا۔

''تھینک یو''...... زیرو ون نے آفیسر جبران کا شکریہ ادا کیا اور پھر وہ واش رومز کی طرف بڑھا۔ واش رومز ایک قطار میں تھے۔ وہ چھٹے واش روم میں داخل ہو گیا۔ واش روم میں داخل ہو کر اس نے دروازہ بند کیا اور سیدھا واٹر ٹینک کی طرف بڑھا۔ اس نے واٹر ٹینک کا ڈھکن اٹھایا۔ اس واٹر ٹینک میں ایک شاپنگ بیگ رکھا ہوا تھا۔ شاپنگ بیگ مکمل طور پر سیلڈ تھا۔ اس نے شاپنگ بیگ چاک کیا تو اس میں سے ایک کالا لبادہ، کالا نقاب، ایک کاغذ، ایک کٹر،

ایک ٹیپ، ایک خنجر اور ایک مشین پسٹل برآمد ہوئے۔ زیرو ون نے لبادہ پہنا اور نقاب چہرے پر لگایا۔ یہ ویسا ہی لبادہ اور نقاب تھا جیسے پاکیشیا سیکرٹ سروس کے ممبران نے پہنا ہوا تھا۔ لبادہ اور نقاب پہننے کے بعد زیرو ون نے کٹر، ٹیپ، خنجر اور مشین پسٹل جیب میں رکھے اور کاغذ کھول کر پڑھنے لگا۔ کاغذ میں یہ درج تھا کہ اس وقت سرسلطان کہاں ہیں۔ کاغذ پر نقشہ بھی بنا ہوا تھا۔ سرسلطان اس وقت ایک تہہ خانے میں تھے۔ تہہ خانے کا راستہ کس کمرے سے جاتا تھا اور تہہ خانہ کیسے کھلتا تھا یہ بھی کاغذ میں درج تھا۔ زیرو ون نے وہ کاغذ پڑھ کر اس کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کئے اور وہ ٹکڑے فلش میں ڈال کر پانی چلا دیا۔ اب وہ اپنے ایکشن کے لئے مکمل طور پر تیار تھا۔ وہ واش روم سے باہر نکل آیا۔ اب وہ چونکہ سیکرٹ سروس کے مخصوص لباس میں تھا۔ اس لئے اب اسے کوئی روک ٹوک نہیں سکتا تھا۔ وہ نقشے کے مطابق ایک مخصوص حصے کی طرف بڑھا۔ سرسلطان کے کمرے تک پہنچنے کے لئے اس کے پاس صرف ڈیڑھ منٹ تھا کیونکہ ڈیڑھ منٹ کے بعد دس سیکنڈ کے لئے بجلی نے آف ہونا تھا اور اس نے انہی دس سیکنڈوں میں سرسلطان کے کمرے میں داخل ہونا تھا۔

زیرو ون، سرسلطان کی موت کی صورت میں ان کے کمرے کی طرف بڑھ رہا تھا لیکن وہاں موجود افراد نہیں جانتے تھے کہ یہ سرسلطان کی موت ہے۔ وہاں ہر طرف سیکورٹی ایجنسیاں، فوجی اور

کمانڈوز موجود تھے اور زیرو ون نہایت اطمینان سے ان کے درمیان سے گزر رہا تھا۔ ڈیڑھ منٹ پورا ہونے میں ابھی آٹھ دس سیکنڈ باقی تھے کہ وہ اس کمرے کے عقب میں پہنچ گیا جو کمرہ سرسلطان کا تھا۔ یہاں بھی اردگرد کئی لوگ موجود تھے جو انتہائی چوکس تھے۔ زیرو ون وہاں کھڑے ہو کر اردگرد کا جائزہ لینے لگا۔ ابھی وہ جائزہ لے ہی رہا تھا کہ ماحول پر یکا یک تاریکی چھا گئی۔ زیرو ون اسی تاریکی کے انتظار میں تھا۔ جیسے ہی لائٹ آف ہوئی وہ بجلی کی سی تیزی سے کھڑکی کی طرف بڑھا۔ اس نے کھڑکی پر جھک کر شیشے پر ایک جگہ ٹیپ چپکائی اور اس نے گلاس کٹر شیشے پر پھیرا اور شیشے کو انگوٹھے سے دبایا تو شیشے کا چوکور حصہ کٹ کر لٹکنے لگا۔ زیرو ون نے ہاتھ اندر ڈال کر چٹخنی کھولی اور اگلے سیکنڈ میں وہ کمرے کے اندر تھا۔ اس ساری کارروائی میں اسے بمشکل پانچ سیکنڈ لگے تھے۔

اندر کمرے میں باہر سے بھی زیادہ اندھیرا تھا۔ وہ کمرے کا جائزہ لے رہا تھا اور ساتھ ہی اس نے جیب میں بھی ہاتھ ڈالا کہ اچانک جھماکا ہوا اور کمرہ روشن ہو گیا۔ ان کی پلاننگ کے مطابق لائٹ نے دس سیکنڈ کے لئے آف ہونا تھا اور یہ کام آفیسر جبران نے کرنا تھا۔ کمرہ یکدم روشن ہوا تو زیرو ون کی آنکھیں چندھیا گئیں لیکن چونکہ زیرو ون کے پاس زیادہ وقت نہیں تھا اس لئے اس نے فوراً ہی خود کو سنبھالا اور پھر تیزی سے دروازے کی طرف بڑھا۔ دروازے کے قریب دائیں جانب دیوار پر سرسلطان کی تصویر

لگی ہوئی تھی۔ زیرو ون نے وہ تصویر اتار کر بیڈ کی طرف اچھال دی۔ پھر اس نے اس کیل کو دبایا جس پر سرسلطان کی تصویر کا فریم لگا ہوا تھا۔ ایک کے بعد دوسری اور پھر تیسری بار اس نے کیل دبایا تو بائیں دیوار میں ایک خلا پیدا ہو گیا۔ زیرو ون تیزی سے خلا کی طرف بڑھا۔ خلا کی دوسری جانب سیڑھیاں تھیں جو نیچے جا رہی تھیں۔ زیرو ون سیڑھیاں اترنے لگا۔ سیڑھیاں اترتے ہوئے اس نے جیب سے مشین پسٹل نکال لیا۔ وہ انتہائی تیزی سے لیکن احتیاط سے سیڑھیاں اتر رہا تھا۔ اس کے سیڑھیاں اترنے سے آواز بھی پیدا نہیں ہو رہی تھی۔ پھر جیسے ہی وہ سیڑھیاں اتر کر تہہ خانے میں پہنچا وہ چونک پڑا کیونکہ سرسلطان اس کے سامنے کھڑے تھے۔ ان کی آنکھوں میں نفرت کے تاثرات تھے اور ان کے ہاتھ میں ریوالور تھا جس کا رخ زیرو ون کی طرف تھا۔ زیرو ون کو دیکھتے ہی سرسلطان نے ٹریگر دبا دیا۔ ان کے ریوالور پر چونکہ سائیلنسر فٹ تھا اس لئے گولی چلنے کا دھماکا تو نہیں ہوا البتہ شعلہ زیرو ون کی طرف بڑھا لیکن زیرو ون سرسلطان کی انگلی کی حرکت پر ہی بجلی کی سی تیزی سے نیچے بیٹھ گیا۔ گولی زیرو ون کے اوپر سے گزر گئی۔ پھر زیرو ون نے سرسلطان کو فائر کرنے کا دوسرا موقع نہ دیا۔ اس نے مشین پسٹل کا رخ سرسلطان کی طرف کر کے ٹریگر دبا دیا۔ گولی ان کی پسلی توڑتی ہوئی ان کے دل میں جا لگی تھی۔ ان کے حلق سے چیخ بلند ہوئی۔ ریوالور ان کے ہاتھ سے گر گیا اور ساتھ ہی وہ بھی

فرش پر گرتے چلے گئے۔ سرسلطان کو فرش پر گرتے دیکھ کر زیرو ون تیزی سے ان کی طرف بڑھا۔ اب اس کے ہاتھ میں خنجر اور آنکھوں میں وحشت نظر آ رہی تھی۔ وہ تڑپتے ہوئے سرسلطان کے سینے پر سوار ہو گیا۔ اس نے اپنا گھٹنا اس طرح سرسلطان کے سینے پر رکھا کہ سرسلطان کا جسم تڑپ بھی نہیں سکتا تھا۔ پھر زیرو ون نے اپنا خالی ہاتھ سرسلطان کے سر پر رکھا اور خنجر سرسلطان کی گردن پر چلانے لگا۔ اس کا انداز انتہائی وحشیانہ تھا۔ گردن پر خنجر چلتے ہی سرسلطان کی شہ رگ کٹ گئی اور گردن سے خون کا فوارہ ابل پڑا۔ خون سے زیرو ون کے ہاتھ اور کالا لبادہ رنگین ہو گئے لیکن زیرو ون نے اس کی پرواہ نہ کی۔ اس نے شہ رگ کٹنے پر ہی بس نہ کی بلکہ وہ مردہ سرسلطان کی گردن پر تیز تیز خنجر چلانے لگا۔ اس کا انداز وحشت، بربریت اور جنونیت لئے ہوئے تھا۔ ایسا لگ رہا تھا کہ زیرو ون اپنی کسی پرانی دشمنی کی آگ میں پاگل ہو گیا ہے۔ چند ہی لمحوں میں اس نے سرسلطان کا سرتن سے جدا کر دیا۔ پھر وہ سرسلطان کے جسم سے نیچے اترا۔ اس نے سرسلطان کا بریدہ سر بالوں سے پکڑا اور اٹھ کھڑا ہوا۔ اٹھنے کے بعد اس نے سرسلطان کے سر کو ایک طرف اچھال دیا اور پھر خود سیڑھیوں کی طرف بڑھا لیکن ابھی وہ سیڑھیوں کے قریب بھی نہیں پہنچا تھا کہ سیڑھیوں میں چار آدمی دکھائی دیئے۔ پھر اس سے پہلے کہ زیرو ون سنبھلتا چار مشین گنوں سے شعلے نکلے۔ تہہ خانہ دھماکوں سے تھرتھرا اٹھا۔

درجنوں گولیاں زیرو ون کے سینے، منہ اور سر میں گھس گئیں۔ اس کی چیخ بلند ہوئی اور وہ زمین پر گر کر تڑپنے لگا۔ تہہ خانے میں آنے والے مسلح افراد نے زیرو ون کا خاتمہ تو کر دیا تھا لیکن وہ انتہائی بد حواس اور بوکھلائے ہوئے تھے۔ انہوں نے سرسلطان کا سربریدہ بدن دیکھ لیا تھا اور اب ان کی نظروں کے سامنے خون ہی خون تھا۔ پاکیشیا کے بازاروں، گلیوں میں بہتا ہوا خون، ڈاکٹر بلیک یہاں بھی کامیاب ہو گیا تھا۔

عمران آپریشن روم میں داخل ہوا تو بلیک زیرو حسب معمول اپنی کرسی سے کھڑا ہو گیا۔

''کیا ہوا عمران صاحب''...... جب وہ دونوں اپنی اپنی کرسیوں پر بیٹھ چکے تو بلیک زیرو نے پوچھا۔

''ہوتا وہی ہے جو اللہ تعالیٰ کو منظور ہوتا ہے''...... عمران نے سنجیدہ لہجے میں کہا۔

''کک۔ کک۔ کیا مطلب عمران صاحب''...... بلیک زیرو نے یکدم ہی پریشان ہو کر پوچھا۔

''بیٹا ہو تو لوگ خوش ہوتے ہیں اور بیٹی ہو جائے تو لوگ دکھی ہو جاتے ہیں۔ حالانکہ بیٹا ہو یا بیٹی۔ اللہ تعالیٰ کی مرضی سے ہوتے ہیں''...... عمران نے بدستور سنجیدہ لہجے میں کہا تو بلیک زیرو نے اس طرح سانس لیا جیسے غبارے سے ہوا نکل رہی ہو۔

''عمران صاحب۔ میں ڈیتھ ماسٹر کے بارے میں پوچھ رہا

ہوں۔ آپ کا اندازہ تھا کہ ڈیتھ ماسٹر عین اس وقت گرین بلڈنگ پر حملہ کرے گا جو وقت ڈاکٹر بلیک نے سر سلطان کی موت کا دیا ہے اور ڈیتھ ماسٹر نے بھی اسی وقت پر سر سلطان کو قتل کی دھمکی دی ہوئی تھی اور آپ نصف ممبران کو لے کر گرین بلڈنگ گئے ہوئے تھے اور اب وہیں سے واپس آ رہے ہیں''...... بلیک زیرو نے کہا۔

''خاور کے بالوں میں ایچ ڈی فٹ کرنے سے تو اس کا مقصد یہی تھا کہ وہ ہماری گفتگو سن سکے اور ہم نے اس کی یہ چال اسی پر پلٹ دی وہ بیچارہ سمجھا کہ ہم نے فائل آئی ٹن دوبارہ سیکرٹ ریکارڈ رومز میں رکھ دی ہے۔ لہٰذا اس نے اس فائل کے حصول کے لئے گرین بلڈنگ پر دھاوا بولا اور بیچارہ پوری تنظیم سمیت ختم ہو گیا''...... عمران نے مسکراتے ہوئے کہا تو بلیک زیرو کے چہرے پر بھی مسکراہٹ آ گئی۔ اسی وقت ٹیلی فون کی گھنٹی بجنے لگی۔

''کال رسیو کرو''...... عمران نے بلیک زیرو سے کہا تو اس نے ہاتھ بڑھا کر رسیور اٹھا لیا۔

''ایکسٹو''...... بلیک زیرو نے رسیور کان سے لگاتے ہوئے ایکسٹو کے مخصوص لہجے میں کہا۔

''سر۔ میں ملٹری سیکرٹری ٹو پریذیڈنٹ بول رہا ہوں۔ سر سلطان صاحب کا مرڈر ہو گیا ہے۔ پورا ملک غم کے سیلاب میں ڈوب چکا ہے۔ صدر مملکت نے فوری اجلاس بلایا ہے۔ آپ سے گزارش ہے کہ آپ اجلاس میں شریک ہوں''...... دوسری طرف سے صدر

مملکت کے ملٹری سیکرٹری کی مؤدبانہ آواز سنائی دی۔ بلیک زیرو نے عمران کی طرف دیکھا تو عمران نے اثبات کے انداز میں سر ہلا دیا۔

''او کے۔ میں پہنچ رہا ہوں''...... بلیک زیرو نے سرد لہجے میں کہا اور پھر اس نے رسیور رکھ دیا۔

''میں ایکسٹو بنتا ہوں۔ تم متعلقہ سامان گاڑی میں رکھ دو''۔ عمران نے سنجیدہ لہجے میں بلیک زیرو سے کہا اور پھر وہ وارڈ روب میں آ گیا۔ جہاں ایکسٹو کا مخصوص کالا لباس اور کالا نقاب موجود تھا۔ کیونکہ میک اپ انڈسٹری نے بہت ترقی کر لی تھی۔ اب اصل چہرہ کے لئے نقاب کی ضرورت نہیں تھی۔ دنیا بھر کے سیکرٹ ایجنٹ اور بڑے مجرم میک اپ سے اپنے اصل چہرے کو چھپاتے تھے لیکن یہ لباس ایکسٹو کی شخصیت کا حصہ تھا۔ اس لباس میں رعب و دبدبہ تھا، ہیبت تھی۔ اس لباس کی وجہ سے لوگ ایکسٹو سے دہشت زدہ ہو جاتے تھے۔

بڑے بڑے سرکاری آفیسر، ایکسٹو سے بات نہیں کر سکتے تھے اس لئے عمران نے بحیثیت ایکسٹو یہ لباس ترک نہیں کیا تھا اور نہ ہی وہ کبھی اس لباس کو ترک کرنا چاہتا تھا۔ عمران نے ایکسٹو کا مخصوص لباس پہنا اور پھر وہ گیراج میں آ گیا۔ جہاں ایکسٹو کی مخصوص گاڑی موجود تھی۔ وہ گاڑی میں بیٹھا اور گاڑی سڑک پر آ گئی۔ سڑکوں پر افراتفری پھیلی ہوئی تھی۔ رات کا وقت تھا لیکن

سڑکوں پر دن سے بھی زیادہ رش تھا۔ کئی لوگ حکومت کے خلاف ہو گئے تھے اور وہ حکومت کے خلاف نعرے بازی کر رہے تھے۔ ان کا مطالبہ تھا کہ جس طرح روسیاہ نے ڈاکٹر بلیک کو اپنا حکمران بنا دیا ہے اسی طرح پاکیشیا بھی حکومت ڈاکٹر بلیک کے حوالے کر دے۔ ٹی وی چینلز کی سیٹلائٹ گاڑیاں ان مناظر کو کوریج دے رہی تھیں۔ وہ دکھا رہے تھے کہ لوگ کس قدر خوفزدہ ہو گئے ہیں اور چیخ و پکار کر رہے ہیں۔ عمران یہ مناظر دیکھتا ہوا خان ہاؤس کی طرف بڑھ رہا تھا۔ اسے ایک سڑک پر بچوں کا جلوس بھی نظر آیا۔ بچوں نے پلے کارڈ اٹھا رکھے تھے۔ جن پر مختلف تحریریں درج تھیں۔

''ہمیں جینے دو''۔

''ہم مرنا نہیں چاہتے''۔

''حکومت ڈاکٹر بلیک کے حوالے کر دو''۔

''ہمارا کیا قصور ہے۔ ہمیں کیوں قتل کیا جا رہا ہے''۔

عمران اس جلوس کو دیکھتا ہوا آگے بڑھتا چلا گیا۔ کچھ آگے نوجوانوں کا ایک جلوس تھا۔ انہیں نے بھی پلے کارڈ اٹھا رکھے تھے اور وہ پرجوش نعرے لگا رہے تھے۔

''پاکیشیا زندہ باد۔ ڈاکٹر بلیک مردہ باد''۔

''ہم مر جائیں گے لیکن پاکیشیا کو ڈاکٹر بلیک کے حوالے نہیں کریں گے''۔

''خونی ڈاکٹر بلیک۔ ہائے۔ ہائے''۔

عمران جانتا تھا کہ اس وقت لوگ دو حصوں میں تقسیم ہو گئے ہیں۔ ایک گروہ کا کہنا تھا کہ ہم مرتے ہیں تو مرنے دو لیکن اپنا وطن ڈاکٹر بلیک کے حوالے نہیں ہونا چاہئے لیکن دوسرا گروہ کہتا تھا کہ کروڑوں جانیں بچائی جائیں اور ڈاکٹر بلیک کی بات مان لی جائے۔ عمران کی گاڑی مختلف شاہراہوں سے گزرتی ہوئی پریذیڈنٹ آفس پہنچ گئی۔ عمران نے گاڑی کانفرنس ہال کے گیٹ کے سامنے روکی۔ کانفرنس ہال تک صرف ایکسٹو کی گاڑی ہی آتی تھی۔ باقی تمام گاڑیاں پارکنگ میں کھڑی کی جاتی تھیں۔ انہیں آگے آنے کی اجازت نہیں تھی۔

عمران گاڑی سے ایک باکس کے ساتھ نیچے اترا تو فوجیوں کے بوٹوں کی زور دار دھمک سنائی دی جبکہ وہ کانفرنس ہال کے گیٹ پر پہنچ گیا۔ گیٹ پر متعین فوجی افسر نے اسے سیلوٹ کیا اور پھر اس نے عمران کے لئے گیٹ کھول دیا۔ عمران کانفرنس ہال میں داخل ہوا تو صدر مملکت سمیت تمام لوگ اس کے استقبال کے لئے کھڑے ہو گئے۔ عمران باوقار انداز میں چلتا ہوا اپنی مخصوص کرسی تک پہنچا اور پھر وہ کرسی پر بیٹھ گیا۔ اس کے بیٹھنے کے بعد دیگر شرکاء بھی اپنی اپنی کرسیوں پر بیٹھ گئے۔ عمران نے ان سب کے چہروں کو دیکھا۔ ان سب کے چہرے اترے ہوئے تھے اور آنکھوں میں خوف تھا۔

''جناب ایکسٹو۔ یہ کیا ہو گیا ہے۔ تمام تر انتظامات کے باوجود

ڈاکٹر بلیک کامیاب ہو گیا ہے۔ اب ہمارے ملک کا انجام بھی ایکریمیا اور باچان جیسا ہو گا''...... صدر مملکت نے تمام آداب کو بالائے طاق رکھتے ہوئے پریشان لہجے میں کہا۔ ملک انتہائی نازک موڑ پر کھڑا تھا اس لئے انہوں نے آداب کو نظر انداز کر دیا تھا۔ اس وقت وہ خود کو ایک عام شہری سمجھ رہے تھے۔

''حوصلہ رکھیں جناب۔ انشاء اللہ کچھ نہیں ہو گا''...... عمران نے ایکسٹو کی آواز میں باوقار اور با اعتماد لہجے میں کہا تو ہال میں موجود تمام افراد نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔ ملک تباہی کے دہانے پر کھڑا تھا اور ایکسٹو کہہ رہا تھا کہ کچھ نہیں ہو گا جبکہ ایکریمیا اور باچان کی تباہی وہ اپنی آنکھوں سے دیکھ چکے تھے۔ روسیاہ ڈاکٹر بلیک کی طاقت کے سامنے سرنگوں ہو گیا تھا اس لئے وہ تباہی سے بچ گیا تھا۔ اب اگر وہ روسیاہ کی تقلید کرتے تھے تو بچ سکتے تھے لیکن دوسری صورت میں صرف تباہی اور بربادی تھی لیکن ایکسٹو کہہ رہا تھا کہ حوصلہ رکھیں۔ یہ ایکسٹو اب انہیں بہلا رہا تھا۔ سرسلطان کو تو یہ بچا نہیں سکا تھا۔

اب پاکیشیا کو کیسے تباہ ہونے سے بچا سکتا تھا۔ کئی افراد کے ذہنوں میں یہ باتیں آئیں لیکن فوراً ہی انہوں نے خیالات کو اپنے ذہنوں سے کھرچ ڈالا اور خوفزدہ نظروں سے ایکسٹو کی طرف دیکھا کیونکہ وہ جانتے تھے کہ ایکسٹو ذہن پڑھ لیتا ہے لیکن اب ایکسٹو ان کی طرف متوجہ نہیں تھا بلکہ اپنے ساتھ لایا ہوا باکس کھول رہا تھا

جو اس نے اپنے سامنے والی ٹیبل پر رکھ دیا تھا۔ باکس کھول کر اس نے اس میں سے ایک چھوٹا سا ٹی وی سیٹ نکال کر ٹیبل پر رکھا اور پھر اس نے ٹی وی سیٹ آن کر دیا۔ ٹی وی پر نیوز چینل چل رہا تھا اور پاکیشیا میں ہونے والی افراتفری کو براہ راست دکھا رہا تھا۔ ایکسٹو چند لمحے تو یہ دیکھتا رہا پھر اس نے ٹی وی کا ایریل باہر نکالا اور ٹی وی کے مختلف بٹن دبانے لگا۔ ساتھ ہی اس نے باکس سے ایک ہیڈ فون نکال کر ٹی وی سے منسلک کر دیا۔ ہیڈ فون ٹی وی سے منسلک کرنے کے بعد ایکسٹو نے اپنی مخصوص آواز میں کہا۔

''ہیلو۔ ایکسٹو فرام پاکیشیا۔ ڈاکٹر بلیک۔ میں تم سے بات کرنا چاہتا ہوں۔ کیا تم میری بات سن رہے ہو''...... ایکسٹو نے کہا تو اس کی آواز ٹی وی سے بھی سنائی دینے لگی۔ ایکسٹو نے تین چار بار یہ الفاظ دہرائے۔ ہال میں موجود تمام لوگ ایکسٹو کی اس کارروائی کو حیرت سے دیکھ رہے تھے پھر اچانک ہی ٹی وی سکرین پر کھوپڑی اور ہڈیاں نمودار ہو گئیں۔ ٹی وی کی نشریات رک گئیں۔

''یس مسٹر ایکسٹو۔ میں نہ صرف تمہاری آواز سن رہا ہوں بلکہ ہال میں جتنے بھی لوگ ہیں میں انہیں دیکھ بھی رہا ہوں اور اگر میں چاہوں تو اس وقت ہال کو اڑا کر تم سب کا خاتمہ کر دوں''...... ڈاکٹر بلیک کی غراتی ہوئی آواز سنائی دی تو ہال میں موجود تمام افراد کے چہرے سفید پڑ گئے۔ انہیں اپنی موت سامنے ہی دکھائی دینے لگی۔ ان میں سے اکثر یہ سوچنے لگے کہ کاش وہ کوئی بہانہ کر دیتے اور

اس میٹنگ میں نہ آتے۔

''میں جانتا ہوں ڈاکٹر بلیک کہ تم ایسا نہیں کر سکتے''...... ایکسٹو نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

''سنو مسٹر ایکسٹو۔ ایسا ہو گا اور ضرور ہو گا۔ تم اگر میری غلامی میں آ بھی جاؤ تو تب بھی پاکیشیا کی تباہی لازمی ہے کیونکہ تمہارے آفاق آفندی نے مجھے چیلنج کیا تھا۔ اس نے دعویٰ کیا تھا کہ ایکسٹو سر سلطان کو بچالے گا لیکن تم سر سلطان کو نہیں بچا پائے۔ سر سلطان موت کی اندھیری وادی میں اتر گیا ہے اور اس کی موت کی خبر سنتے ہی میں نے پاکیشیا میں نصب ایٹم بم کی ٹائمنگ آن کر دی ہے اور یہ سزا ہے اس گستاخی کی جو آفاق آفندی نے میرے ساتھ کی۔ اب اگر تم اجلاس میں فیصلہ کر بھی لیتے ہو کہ تم حکومت میرے حوالے کر رہے ہو تو تب بھی تمہیں کوئی فائدہ نہیں ہوگا کیونکہ میں جب اپنے نصب کئے ہوئے ٹائم بموں کی ٹائمنگ آن کر دیتا ہوں تو پھر میں یہاں سے انہیں آف بھی نہیں کر سکتا۔ اب تم لوگ چلاؤ، شور مچاؤ، گڑگڑاؤ، التجائیں کرو، معافیاں مانگو، تمہیں کچھ حاصل نہیں ہو گا۔ تمہارے حصے میں صرف تباہی و بربادی ہی آئے گی''...... ڈاکٹر بلیک کی سرد آواز سنائی دی۔ اس کی بات سن کر ہال میں بیٹھے ہوئے کئی افراد کی چیخیں نکل گئیں اور خوف سے ان کے چہرے بگڑ گئے۔

ان کا تو خیال تھا کہ وہ روسیاہ کی طرح ڈاکٹر بلیک کو اپنا حکمران

بنا لیں گے اور اس تباہی سے بچ جائیں گے لیکن ڈاکٹر بلیک نے ان کی تمام امیدوں پر پانی پھیر دیا تھا۔ ایکسٹو اور ڈاکٹر بلیک کے درمیان ہونے والی باتیں ساری دنیا کے ٹی وی چینلز پر براہ راست دکھائی جا رہی تھیں اس لئے ڈاکٹر بلیک کی بات سن کر دنیا میں تشویش کی لہر دوڑ گئی۔ سب کو یقین ہو گیا کہ اب پاکیشیا تباہی سے نہیں بچ سکتا۔ پاکیشیا میں آناً فاناً خوف کے سیاہ بادل چھا گئے۔ ہر طرف سسکیوں اور آہوں کا طوفان آ گیا۔ عورتوں نے فوراً ہی اپنے بچوں کو اپنے سینے سے لگایا اور دھاڑیں مار مار کر رونے لگیں۔ لاکھ کوشش کے باوجود صدر مملکت بھی اپنے جذبات پر قابو نہ پا سکے اور ان کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے لیکن اچانک ہی ساری دنیا چونک پڑی۔ لوگوں کو اپنی سماعت پر یقین نہ آیا۔ یکدم گہرا سکوت طاری ہو گیا اور لوگوں نے غور سے ٹی وی سکرین کی طرف دیکھا۔

''ڈاکٹر بلیک۔ تم ناکام ہو چکے ہو۔ تمہارے منصوبے خاک میں مل گئے ہیں۔ ڈاکٹر بلیک ایک بار پھر سن لو اور کان کھول کر سن لو کہ تم ذلیل خوار ہو گئے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے سر سلطان نہ صرف زندہ ہیں بلکہ مکمل طور پر صحت مند و توانا ہیں''۔ ایکسٹو کی تیز آواز سنائی دے رہی تھی اور لوگوں کے منہ کھلے کے کھلے رہ گئے تھے۔ ہال میں بیٹھے ہوئے لوگ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر ایکسٹو کو دیکھ رہے تھے۔ یہ بالکل انہونی بات تھی لیکن اس انہونی بات نے ان کے اندر خوشی کی لہریں دوڑا دی تھیں۔ اب جو چیخیں

ہال میں گونجی تھیں وہ خوشی کی تھیں۔ ان کے زرد چہرے یکدم ہی کھل اٹھے تھے۔ ایکسٹو کے الفاظ امرت بن کر ان کے کانوں میں رس گھول گئے تھے۔

''تم جھوٹ بولتے ہو۔ یہ ممکن نہیں ہے''...... ڈاکٹر بلیک کی چیختی ہوئی آواز سنائی دی۔

''نہیں ڈاکٹر بلیک۔ ہمیں جھوٹ بولنے کی ضرورت نہیں ہے۔ ڈاکٹر بلیک تم تکبر میں ابلیس سے آگے نکل گئے۔ تم نے فرعونیت کو پیچھے چھوڑ دیا۔ تم نے وحشت اور بربریت کی حدود کو بھی کراس کر لیا۔ تم نے کروڑوں معصوم اور بے گناہ لوگوں کا خون بہایا۔ تمہارا حساب تو ہونا تھا۔ ڈاکٹر بلیک اور تمہارا یہ حساب پاکیشیا میں ہو گا۔ کیا تم اپنے وعدہ کے مطابق خود کو حکومت پاکیشیا کے حوالے کرو گے یا اپنے وعدے سے پھر جاؤ گے''...... ایکسٹو نے سرد لہجے میں کہا۔

''میں اپنے وعدے سے منحرف نہیں ہوں گا مسٹر ایکسٹو۔ اگر تم نے سرسلطان کے زندہ ہونے کا ثبوت دے دیا تو میں خود کو اور اپنی تنظیم کو تمہارے حوالے کر دوں گا لیکن اتنا سن لو کہ اگر تم ثابت نہ کر سکے تو اب پاکیشیا کے ایک دو شہر نہیں بلکہ پورا پاکیشیا اڑا دوں گا۔ پاکیشیا میں موجود ایک آدمی بھی زندہ نہیں بچے گا''...... ڈاکٹر بلیک نے غراتے ہوئے کہا۔

''ڈاکٹر بلیک۔ مجھے تمہاری بات منظور ہے''...... ایکسٹو نے ٹھوس

لہجے میں کہا۔

''پیش کرو سرسلطان کو''...... ڈاکٹر بلیک نے کہا تو ایکسٹو نے جیب میں ہاتھ ڈال کر سیل فون نکال لیا۔ پھر ایکسٹو نے سیل فون پر نمبر پریس کئے اور سیٹ کان سے لگا لیا۔

''یس۔ کم''...... ایکسٹو نے مختصر سے لفظ کہے پھر اس نے کال کاٹ کر سیٹ واپس جیب میں رکھ لیا۔ اس کے ساتھ ہی ہال میں گہرا سناٹا چھا گیا۔ وہاں موجود لوگ تو ویسے بھی ایکسٹو کے سامنے بول نہیں سکتے تھے اور اب تو حالات ایسے تھے کہ ان کی زبانیں گنگ ہو کر رہ گئی تھیں۔ اس وقت وہاں اتنی خاموشی تھی کہ اگر وہاں سوئی بھی گرتی تو اس کی آواز بھی سب کو سنائی دیتی۔ تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ ہال کا دروازہ کھلا اور تین آدمی ہال میں داخل ہوئے۔ ان تینوں نے ایک صندوق اٹھایا ہوا تھا۔ انہوں نے وہ صندوق ایکسٹو کے سامنے موجود ٹیبل پر رکھ دیا اور اس کے بعد وہ ہال سے نکل گئے۔ ایکسٹو نے صندوق کا ڈھکن کھولا۔ لوگ چونکہ ٹیبل سے نیچے بیٹھے ہوئے تھے اس لئے انہیں صندوق میں براہ راست تو کچھ نظر نہ آیا لیکن ٹی وی سکرین پر صندوق کا اندرونی حصہ نظر آ گیا۔ اندرونی حصے کو دیکھ کر ہال میں پھر کئی چیخیں ابھریں کیونکہ صندوق میں ایک سربریدہ لاش پڑی ہوئی تھی۔ بدن کے ساتھ سر الگ پڑا ہوا تھا۔ ایکسٹو نے وہ سر اٹھا لیا۔ وہ سرسلطان کا تھا۔

''ڈاکٹر بلیک۔ اس سر کو دیکھ رہے ہو''...... ایکسٹو نے سرد لہجے میں اور بلند آواز میں کہا۔

''ہاں۔ میں اس سر کو دیکھ رہا ہوں۔ یہ سر سلطان کا سر ہے''۔ ٹی وی سے ڈاکٹر بلیک کی آواز آئی۔

''تو پھر تم تیار ہو جاؤ کیونکہ تم نے اپنی عقل پر ماتم کرنا ہے اور اپنے تجربے پر لعنت بھیجنی ہے''...... ایکسٹو نے طنزیہ لہجے میں کہا اور اس نے کٹے ہوئے سر کے کانوں کے نیچے انگلیاں پھیریں اور پھر ناخنوں سے اس کی جلد کو نوچنے لگا۔ جلد ہی ایک جھلی ایکسٹو کے ناخنوں میں آ گئی اور وہ اس جھلی کو کھینچنے لگا۔ تھوڑی ہی دیر بعد لوگ یکدم اچھل پڑے کیونکہ اب ان کے سامنے کٹا ہوا سر، سر سلطان کا نہیں بلکہ کسی اور کا تھا۔

''نہیں۔ نہیں۔ یہ نہیں ہو سکتا۔ قطعاً نہیں ہو سکتا۔ تم مجھے دھوکا دے رہے ہو''...... ڈاکٹر بلیک نے چیختے ہوئے کہا۔

''نہیں ڈاکٹر بلیک۔ تمہیں دھوکا نہیں دیا جا رہا۔ تم شکست کھا چکے ہو۔ ہم تمہیں مزید ثبوت بھی دیں گے۔ سر سلطان زندہ ہیں اور جو لاش تم دیکھ رہے ہو وہ ایک ایسے مجرم کی ہے جسے کل پھانسی کی سزا ملنے والی تھی۔ اسے اس ڈرامے کے لئے تیار کیا گیا تھا کہ اگر اس نے حملہ آور کو گولی مار کر ہلاک کر دیا تو اس کی پھانسی کی سزا معاف کر دی جائے گی اور اگر حملہ آور اسے مارنے میں کامیاب ہو گیا تو پھانسی کی سزا اسے ویسے ہی ہونی ہے۔ اس ڈرامے کا حصہ

بن کر اس نے ملک و قوم کی خدمت بھی کرنی ہے اور زندہ بچنے کا چانس بھی ہے اور اس چانس کی وجہ سے اس قیدی نے یہ کردار ادا کرنے کی حامی بھری اور اس نے کردار خوب نبھایا اور تم نے دیکھ لیا کہ پاکیشیا نے تمہیں کس طرح خاک میں ملا دیا ہے''...... ایکسٹو نے مسلسل بولتے ہوئے کہا۔

''تم میرے ساتھ دھوکا کر رہے ہو۔ میں ابھی اس لاش کی چیکنگ کر لیتا ہوں۔ میرے پاس اتنی طاقت ہے کہ میں یہاں بیٹھ کر اس لاش کو چیک کر سکتا ہوں''...... ڈاکٹر بلیک نے اب بھی یقین نہ آنے والے لہجے میں کہا۔ پھر چند سیکنڈوں کے بعد اچانک ہی نیلے رنگ کی روشنی عین لاش کے اوپر نمودار ہو گئی۔ لاش اور بریدہ سر تقریباً پندرہ سیکنڈ تک اس نیلی روشنی میں ڈوبے رہے۔ پھر روشنی غائب ہو گئی۔

''ہونہہ۔ یہ حقیقت ہے کہ یہ لاش سر سلطان کی نہیں ہے''۔ ڈاکٹر بلیک کی بڑبڑاہٹ سنائی دی۔

''ڈاکٹر بلیک۔ مجھے بھی معلوم ہے کہ تم نے نہ ایکریمیا اور باچان کی شخصیات کو مارا ہے اور نہ ہی ہمارے اس آدمی کو۔ اور نہ ہی انہیں مارنے کی تم نے کوششیں کی ہیں''...... ایکسٹو نے کہا۔

''تمہیں کیسے معلوم ہوا''...... ڈاکٹر بلیک کی حیرت زدہ آواز سنائی۔

''ڈاکٹر بلیک۔ یقیناً تمہیں سکتہ ہو گیا ہے۔ مزید سنو کہ تمہارا

اصل نام جونی وارگل ہے اور تم افریقی ہو‘‘...... ایکسٹو نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

’’اوہ۔ اوہ۔ تم انسان نہیں ہو شیطان ہو۔ تم میرے بارے میں سب کچھ جانتے ہو‘‘...... کچھ دیر تک تو ڈاکٹر بلیک کی طرف سے خاموش رہی۔ پھر اس کی حیرت میں ڈوبی ہوئی آواز سنائی دی۔

’’میں شیطان نہیں ہوں ڈاکٹر بلیک۔ اللہ کا شکر ہے کہ میں انسان ہوں۔ مسلمان ہوں‘‘...... ایکسٹو نے کہا۔

’’دنیا میں اربوں انسان رہتے ہیں۔ کوئی بھی میرے بارے میں نہیں جانتا۔ یہاں تک کہ میری تنظیم کے ممبرز بھی میری اصلیت سے ناواقف ہیں لیکن تم سب جانتے ہو۔ کیسے‘‘...... ڈاکٹر بلیک نے چیختے ہوئے کہا۔

’’میں تمہارا شاگرد ہوں ڈاکٹر بلیک۔ تم کچھ عرصہ گریٹ لینڈ کی ایک یونیورسٹی میں پروفیسر رہے ہو اور یاد کرو کہ ان دنوں تم نے ایک لیکچر کے دوران کہا تھا کہ تم ایک انوکھی ایجاد پر کام کر رہے ہو اور اس انوکھی ایجاد کو تم نے فیوچر مشین کا نام دیا تھا۔ پھر تم نے ایک دن بتایا کہ تم نے فیوچر مشین بنا لی ہے اور اس میں تم نے اپنے ایک شاگرد کی موت کا منظر دیکھا ہے۔ تمہارا وہ شاگرد تمہاری دی ہوئی تاریخ اور وقت کے مطابق مر گیا اور تم نے اس دن کے بعد یونیورسٹی چھوڑ دی اور غائب ہو گئے۔ غائب ہونے کے بعد یقیناً تم نے اپنی تنظیم ریڈ نائٹ کی بنیاد رکھی اور ساری دنیا پر حکمرانی

کے خواب دیکھے اور ایک طویل عرصہ تک اپنے اس خواب کی تعبیر پانے کی کوشش کرتے رہے‘‘...... ایکسٹو نے تیز لہجے میں کہا۔

’’تم جیت گئے ہو مسٹر ایکسٹو اور مجھے شکست فاش ہوئی ہے۔ دراصل میرے ذہن میں سوال ابھرا تھا کہ انسان علم کے ذریعے یہ جان لیتا ہے کہ سورج گرہن اور چاند گرہن کب کب ہوں گے۔ مشین کے ذریعے وہ یہ معلوم کر لیتا ہے کہ ماں کی کوکھ میں پلنے والا بچہ لڑکی ہے یا لڑکا۔ تو پھر اسے مستقبل قریب میں ہونے والے واقعات کا علم بھی ہو سکتا ہے۔ اس پر میں نے فیوچر مشین بنائی اور اسے سو فیصد درست جان لیا۔ حالانکہ انسانی علم ناقص ہے۔ اسی طرح انسان کی بنائی ہوئی چیزوں میں خامیاں بھی موجود ہیں۔ فیوچر مشین نے مستقبل قریب میں ہونے والی اموات تو دکھائیں لیکن یہ نہیں بتایا کہ مرنے والا میک اپ میں ہے۔ میں ان مرنے والے افراد کو دیکھتا تھا کہ اگر دنیا کی کوئی معروف شخصیت سامنے آ جاتی تھی تو میں اس کو نوٹ کر لیتا تھا لیکن گاڈ واقعی عظیم ہے۔ انسان اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا کہ انسان تو تنکے سے بھی زیادہ حقیر ہے۔

میں نے انسانی تاریخ پڑھی ہوئی تھی۔ مجھے علم تھا کہ گاڈ نے نمرود کو کیسے مارا۔ فرعون کا کیا انجام ہوا لیکن میں یہ سب باتیں بھول گیا۔ میں نے بھی فرعون بننا چاہا۔ مسٹر ایکسٹو۔ تم سر سلطان کو دکھا دو۔ اس کے بعد میں اپنے عہد کے مطابق خود کو اور اپنی تنظیم کو

حکومت پاکیشیا کے حوالے کر دوں گا''...... ڈاکٹر بلیک نے مسلسل بولتے ہوئے کہا۔

''ڈاکٹر جونی وارگل۔ ایکسٹو اپنے تمام اساتذہ میں سے سب سے زیادہ تمہاری عزت کرتا تھا کیونکہ تم ذہانت اور قابلیت میں سب سے آگے تھے۔ میں تو تمہاری سلامتی کے لئے دعائیں مانگتا تھا لیکن افسوس کہ تم نے انسانیت کی فلاح کی بجائے انسانیت کی تباہی کے راستے کو اپنا لیا۔ کروڑوں معصوم اور بے گناہ لوگوں کو قتل کر دیا۔ تم اگر انسانیت کی بہتری کے لئے کام کرتے تو اس دنیا کو جنت کی طرح بنا دیتے۔ ڈاکٹر بلیک اگر تم نے ایک دو قتل کئے ہوتے تو تمہیں شاید معاف کر دیا جاتا لیکن تم معافی کے قابل نہیں ہو''۔ ایکسٹو نے کہا۔

''میں جانتا ہوں کہ میں معافی کے قابل نہیں ہوں۔ میں تو کسی کی معمولی سی غلطی پر بھی موت کی سزا دے دیا کرتا ہوں۔ کروڑوں انسانوں کو قتل کر کے میں خود کو کیسے معافی کے قابل سمجھ سکتا ہوں۔ پاکیشیا میرے بارے میں جو فیصلہ کرے گا مجھے منظور ہو گا کیونکہ میں نے یہ عہد کیا تھا اور میں اپنا عہد کبھی توڑ نہیں سکتا۔ تم مجھے سرسلطان دکھاؤ تاکہ میں اپنا وعدہ پورا کروں اور خود کو تمہارے حوالے کر دوں''...... ڈاکٹر بلیک نے سنجیدہ لہجے میں کہا تو ایکسٹو نے ایک بار پھر سیل فون نکالا اور نمبرز پریس کر کے سیٹ کان سے لگا لیا۔

''یس کم''...... ایکسٹو نے مختصراً کہا اور پھر کال منقطع کر کے سیٹ جیب میں رکھ لیا۔

نصف منٹ بعد کانفرنس ہال کا دروازہ کھلا اور سرسلطان ہال میں داخل ہوئے۔ ان کے چہرے پر مسکراہٹ تھی۔ انہیں دیکھ کر ہال میں موجود تمام افراد اپنی کرسیوں سے کھڑے ہو گئے۔ خود صدر مملکت بھی مسکراتے ہوئے کھڑے ہو گئے۔ ہال میں صرف ایک شخصیت ایسی تھی جو کھڑی نہیں ہوئی تھی اور وہ شخصیت تھی ایکسٹو کی۔ ہال میں موجود افراد نے ان کے لئے تالیاں بجائیں۔ انہوں نے ہاتھ ہلا ہلا کر سب کی تالیوں کا جواب دیا اور پھر صدر مملکت کو سلام کرتے ہوئے ایک خالی کرسی کی طرف بڑھے اور کرسی پر بیٹھ گئے۔ جیسے ہی وہ کرسی پر بیٹھے نیلی روشنی آبشار کی مانند ان پر گرنے لگی۔ یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ روشنی کے اس سیلاب میں ڈوب گئے ہوں۔ سرسلطان پر نیلی روشنی پڑتے دیکھ کر کوئی بھی پریشان نہیں ہوا تھا کیونکہ وہ سمجھ گئے تھے کہ ڈاکٹر بلیک سرسلطان کو چیک کر رہا ہے۔ تقریباً نصف منٹ کے بعد نیلی روشنی یکا یک ختم ہو گئی۔

''اوکے۔ میں نے سرسلطان کی چیکنگ کر لی ہے۔ یہ سرسلطان ہی ہیں۔ اب میں پاکیشیا کا قیدی ہوں۔ میں دو گھنٹوں میں پاکیشیا کے دارالحکومت کے گریٹ پارک میں اپنے ساتھیوں کے ساتھ پہنچ رہا ہوں جہاں میں گرفتاری دوں گا۔ دنیا بھر کو یاد رہے کہ ڈاکٹر

بلیک مر تو سکتا ہے لیکن اپنے وعدے سے نہیں پھر سکتا''...... ڈاکٹر بلیک کی پرعزم آواز سنائی دی۔

''ڈاکٹر بلیک۔ ان ایٹم بموں کا کیا بنے گا جو تم نے پاکیشیا میں نصب کئے ہیں''...... صدر مملکت نے پوچھا۔

''میں نے پاکیشیا میں ایک ہی ایٹم بم نصب کیا ہے لیکن یہ اتنا طاقتور ہے کہ پاکیشیا کے تین چار شہروں کو تباہ کر سکتا ہے۔ اس ایٹم بم کا رابطہ میرے ہیڈکوارٹر سے منقطع ہو چکا ہے۔ اب اس سے صرف اسی صورت میں بچا جا سکتا ہے کہ اس کے پاس پہنچ کر اس کا نظام معطل کر دیا جائے اور وہ نظام بھی صرف میں ہی معطل کر سکتا ہوں۔ میں آ رہا ہوں اور آ کر ایٹم بم کو ناکارہ کرتا ہوں''...... ڈاکٹر بلیک کی آواز سنائی دی اور اس کے ساتھ ہی سکرین پر جھماکا ہوا اور سکرین سے کھوپڑی اور ہڈیاں غائب ہو گئیں۔

ہال میں موجود افراد فوراً ہی اٹھے اور ایک دوسرے کو مبارک باد دینے لگے اور ایک دوسرے سے گلے ملنے لگے۔ صدر مملکت نے ایکسٹو کو بھی مبارک باد دی۔ ان کا دل چاہتا تھا کہ اس موقع پر تمام پروٹوکول کو ایک طرف رکھتے ہوئے ایکسٹو سے گلے لگ جائیں لیکن ایکسٹو کی شخصیت ایسی تھی کہ وہ اپنی اس خواہش کو پورا نہیں کر سکے۔ ہال میں ایکسٹو زندہ باد کے نعرے لگ رہے تھے۔ صرف اس ہال میں ہی نہیں بلکہ پورا پاکیشیا ایکسٹو زندہ باد کے نعروں سے گونج رہا تھا۔ دنیا بھر کے ٹی وی چینلز یہ مناظر براہ راست دکھا رہے

تھے۔ دنیا بھر کی سیکرٹ ایجنسیاں اور سیکرٹ ایجنٹس ایکسٹو پر رشک کر رہے تھے۔ ایکریمی اور باچانی حکمران سوچ رہے تھے کہ کاش ایکسٹو ان کے ملک میں ہوتا تو ان کا ملک بھی تباہی سے بچ جاتا۔ روسیاہی بھی شرمندہ تھے کہ وہ ڈاکٹر بلیک کو شکست نہیں دے سکے اور اس کا غلام بننا انہوں نے منظور کر لیا۔ اب تاریخ میں وہ ایک غلام قوم کی حیثیت سے یاد رکھے جاتے۔

ہال میں عید کا سا سماں تھا۔ سر سلطان نے سر عبدالرحمٰن کو گلے لگایا اور پرجوش لہجے میں انہیں مبارک باد دی۔ سر عبدالرحمٰن یہی سمجھ رہے تھے کہ پاکیشیا کے تباہی سے بچ جانے کی خوشی میں سر سلطان انہیں مبارک باد دے رہے ہیں حالانکہ سر سلطان تو انہیں اس بات کی مبارک باد دے رہے تھے کہ ان کے بیٹے نے اتنا عظیم کارنامہ سر انجام دیا تھا کہ تاریخ میں جس کی مثال ملنا ممکن نہیں تھا۔ سر عبدالرحمٰن نہیں جانتے تھے کہ جس بیٹے کو وہ نالائق، آوارہ اور نکما سمجھتے ہیں وہی ایکسٹو ہے جس کی پوری دنیا عزت کرتی ہے اور جس کی دبدبے سے دہشت زدہ رہتی ہے۔

''مسٹر ایکسٹو۔ آپ نے سر سلطان کی حفاظت کے لئے ان کے میک اپ میں کسی اور کو آگے لانے کا پلان کیسے بنایا۔ یہ تو بالکل انوکھا طریقہ تھا''...... صدر مملکت نے کہا۔

''جناب صدر۔ میں نے سابقہ شخصیات کی اموات پر غور کیا تو یہ بات واضح طور پر محسوس ہوئی کہ ان شخصیات کے مرنے میں مجرم

کا کوئی ہاتھ نہیں۔ مجرم کی طرف سے کوشش تک نہیں کی گئی تھی۔ یہ بہت ہی انوکھی بات تھی۔ میں نے اس پر پہلے ہی غور کیا لیکن عقدہ حل نہیں ہو رہا تھا کہ یہ اموات کیسے ہوئیں۔ پھر میں نے ڈاکٹر بلیک کی آواز کو سنا۔ کئی بار سنا تو مجھے محسوس ہوا کہ یہ آواز میں نے کہیں سنی ہوئی ہے۔ پھر میں یہی سوچتا رہا کہ یہ آواز میں نے کہاں سنی ہے تو اچانک مجھے اپنا زمانہِ طالب علمی یاد آ گیا جب میں گریٹ لینڈ کی ایک یونیورسٹی میں پڑھ رہا تھا۔ پھر جیسے ہی مجھے یاد آیا کہ یہ آواز پروفیسر جونی وارگل کی ہے تو تمام حقیقت میرے سامنے آ گئی۔ میں جان گیا کہ جونی وارگل عرف ڈاکٹر بلیک نے ان شخصیات کی موت کے منظر اپنی فیوچر مشین پر دیکھے ہیں اور مشین سے تو غلطی ہو سکتی ہے۔ اس نے فیوچر میں سر سلطان کی شکل کے کسی آدمی کا منظر ریسیو کر لیا ہو گا۔ سو میں نے ایک قیدی کو تیار کیا اور یہ پلان مرتب کیا''۔ ایکسٹو نے جواب دیا اور پھر خاموش ہو گیا۔

''سر۔ میرا خیال ہے کہ اب ہمیں گریٹ پارک میں چلنا چاہئے کیونکہ ڈاکٹر بلیک نے گریٹ پارک میں آنا ہے''...... وزیر قانون نے مؤدبانہ لہجے میں صدر مملکت سے کہا۔

''جناب صدر۔ مجھے صرف دس منٹ دیئے جائیں تاکہ میں گریٹ پارک میں انتظامات کرا لوں''...... ہوم منسٹر نے بھی مؤدبانہ لہجے میں کہا تو صدر مملکت نے اسے اجازت دے دی۔ ہوم منسٹر

فوراً ہی ہال سے باہر چلا گیا۔ اس کے باہر جانے کے دس منٹ بعد ایکسٹو اپنی سیٹ سے اٹھا اور وہ بھی ہال سے باہر نکل آیا۔ اس کے پیچھے باقی افراد بھی اٹھے اور پھر ایک بڑا قافلہ گریٹ پارک پہنچ گیا۔ گریٹ پارک میں اعلیٰ شخصیات کے لئے کرسیاں لگا دی گئی تھیں اور اس سے کچھ فاصلے پر خار دار تار بھی لگا دی گئی تھی کیونکہ لوگوں کی ایک بڑی تعداد بھی گریٹ پارک پہنچ رہی تھی۔ فوج کے کئی دستوں نے پورے پارک کو اپنے گھیرے میں لے لیا تھا۔ خار دار تاروں کے قریب بھی فوجی تعینات کر دیئے گئے تھے تاکہ لوگ اسے کراس نہ کریں۔ پارک میں پہلے ہی کئی جگہوں پر ٹی وی سیٹ نصب تھے۔ ان ٹی وی سیٹوں پر پاکیشیا کے ہی مناظر دکھائے جا رہے تھے۔ ملک بھر میں عید کا سماں تھا۔ کچھ دیر پہلے جو چہرے زرد اور دہشت زدہ دکھائی دے رہے تھے اب وہ چہرے کھلے ہوئے تھے اور ان چہروں پر خوشیوں کے پھول کھلے ہوئے تھے۔ لوگ ٹی وی دیکھنے کے ساتھ ساتھ باتیں بھی کر رہے تھے کہ فضا میں گڑگڑاہٹ کی آواز سنائی دی۔ یہ ہیلی کاپٹرز کی آوازیں تھیں جلد ہی بڑے بڑے دو ہیلی کاپٹرز دکھائی دیئے۔ ڈاکٹر بلیک اپنے وعدے کے مطابق پہنچ گیا تھا۔ وہاں موجود لوگوں میں جوش و خروش پیدا ہو گیا۔ نیلے رنگ کے عجیب و غریب ساخت کے ہیلی کاپٹرز زمین پر اترے تو ایک فوجی دستے نے انہیں گھیرے میں لے لیا۔ پھر ہیلی کاپٹرز کے دروازے کھلے اور ان میں سے تقریباً پچیس کے

قریب آدمی نیچے اترے۔ چوبیس آدمی ماتحت لگ رہے تھے جبکہ ایک آدمی کی شخصیت رعب دار تھی۔ عمران نے اسے پہچان بھی لیا۔ وہ جونی وارگل تھا۔ اس کا استاد اور اب ڈاکٹر بلیک۔ ڈاکٹر بلیک اپنے آدمیوں کے آگے آگے چلتا ہوا سٹیج تک آ گیا۔ ایکسٹو اور صدر مملکت کے قریب پہنچ کر اس نے اپنے دونوں بازو آگے بڑھا دیئے۔

''ڈاکٹر بلیک گرفتاری کے لئے حاضر ہو گیا ہے مسٹر ایکسٹو۔ ڈاکٹر بلیک نے اپنا وعدہ پورا کر دیا ہے۔ اس کی تنظیم کے رکن بھی حاضر ہیں۔ کچھ پیچھے آ رہے ہیں اور جو نہ آئے وہ خود ہی ختم ہو جائیں گے۔ یوں میرا وعدہ پورا ہو جائے گا۔ اپنی ناکامی کی صورت میں، میں نے ریڈ نائٹ کو نیست و نابود کرنے کا وعدہ کیا تھا''۔ ڈاکٹر بلیک نے سپاٹ لہجے میں کہا۔ سر عبدالرحمٰن ہتھکڑی لے کر اس کے قریب کھڑے تھے اور اس انتظار میں تھے کہ صدر صاحب حکم دیں تو وہ انہیں اپنے ہاتھوں سے ہتھکڑی پہنائیں۔ سوپر فیاض اور ان کے چند اور ماتحت ان کے پیچھے کھڑے تھے۔

''ڈاکٹر بلیک۔ پہلے اس ایٹم بم کا کچھ کرو''...... صدر مملکت نے تیز لہجے میں کہا۔ ڈاکٹر بلیک نے جواب دینے کے لئے منہ کھولا ہی تھا کہ فضا میں ایک بار پھر گڑگڑاہٹ ہوئی اور ایک اور ہیلی کاپٹر دکھائی دیا۔ پھر وہ ہیلی کاپٹر بھی نیچے اتر آیا۔ اس ہیلی کاپٹر میں سے صرف ایک آدمی نیچے اترا۔

''باس''...... اس آدمی نے زور سے کہا اور ڈاکٹر بلیک کی طرف دوڑا۔ ڈاکٹر بلیک اس کی طرف دیکھنے لگا۔ کوئی بھی اس کے عزائم سے واقف نہیں تھا۔ سب اس کی طرف غور سے دیکھ رہے تھے۔ کسی نے اسے روکنے کی کوشش بھی نہیں کی کیونکہ وہ ڈاکٹر بلیک کا ساتھی تھا۔ پھر اچانک ہی ایکسٹو اپنی سیٹ سے اٹھا اور اس کی تیز آواز سنائی دی۔

''اسے روکو۔ اسے پکڑو''...... ایکسٹو نے چیخ کر کہا اور پھر اس سے پہلے کہ فوجی اس کی طرف بڑھتے۔ فضا ایک خوفناک دھماکے سے گونج اٹھی یہ دھماکا ریوالور کا تھا۔

ڈاکٹر بلیک نے بٹن دبا کر مشین آف کر دی۔ اس کے چہرے پر سنجیدگی چھائی ہوئی تھی جبکہ آنکھیں اداس اور غم میں ڈوبی ہوئی تھیں۔ وہ اپنے سپیشل روم سے اٹھ کر اپنے آفس میں آ گیا۔ وہ کافی تھکا تھکا سا دکھائی دے رہا تھا۔ وہ اپنی کرسی پر جیسے ڈھے سا گیا۔ چند منٹوں تک تو وہ کرسی پر بے حس و حرکت پڑا رہا پھر وہ سیدھا ہوا اور اس نے انٹرکام کا رسیور اٹھا کر نمبر پریس کیا۔

''رچی۔ میرے کمرے میں آؤ''...... اس نے رسیور کان سے لگاتے ہوئے سخت لہجے میں کہا اور پھر رچی کا جواب سنے بغیر اس نے رسیور واپس کریڈل پر رکھ دیا۔ ایک منٹ بعد کمرے کا دروازہ کھلا اور رچی کمرے میں داخل ہوا۔ اس نے مؤدبانہ انداز میں سلام کیا۔

''رچی۔ تم نے ایکسٹو اور میرے درمیان ہونے والی گفتگو سن لی ہے''...... ڈاکٹر بلیک نے پوچھا۔

''یس باس''...... رچی نے مؤدبانہ لہجے میں کہا۔

''رچی۔ میں ہار گیا ہوں۔ آج ڈاکٹر بلیک ہار گیا ہے''۔ ڈاکٹر بلیک نے رندھی ہوئی آواز میں کہا۔

''نو باس۔ آپ ناقابل شکست ہیں۔ آپ کبھی نہیں ہار سکتے''۔ رچی نے سپاٹ لہجے میں کہا۔

''کیا مطلب ہے تمہارا''...... ڈاکٹر بلیک نے چونکتے ہوئے پوچھا۔

''باس۔ آپ گریٹ پارک کو ہی اڑا دیں بلکہ گریٹ پارک ہی کیا۔ آپ پورے پاکیشیا کو اڑا دیں اور دنیا کو بتا دیں کہ آپ ناقابل شکست ہیں۔ پوری دنیا کو ہر حال میں آپ کے سامنے جھکنا ہے۔ آپ طاقتور ہیں اور ازل سے یہ دنیا طاقتوروں کے سامنے جھکتی چلی آئی ہے''...... رچی نے سنجیدہ لہجے میں کہا۔ اگلے ہی لمحے ڈاکٹر بلیک کا ہاتھ گھوما۔ چٹاخ کی آواز سے کمرہ گونج اٹھا۔ ڈاکٹر بلیک کی آنکھوں سے چنگاریاں سی نکلنے لگیں۔ رچی کے منہ پر ڈاکٹر بلیک کا ہاتھ اتنا سخت پڑا تھا کہ وہ لڑکھڑا کر ایک قدم پیچھے ہٹ گیا تھا۔

''رچی۔ یہ بات تم بھی اچھی طرح جانتے ہو کہ میں نے اپنے اصول اور وعدے پر اپنے حقیقی بیٹے کو قربان کر دیا تھا۔ اولاد جو والدین کو اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز ہوتی ہے۔ اگر میں اپنے بیٹے کو اپنے اصولوں پر قربان کر سکتا ہوں تو خود کو، تمہیں اور اس

تنظیم کو بھی قربان کر سکتا ہوں۔ میرے لئے انسانوں کی کوئی اہمیت نہیں۔ انسان میرے لئے کیڑے مکوڑے ہیں اور اس کا عملی ثبوت میں دے چکا ہوں۔ میں نے کروڑوں انسانوں کو اس طرح لمحوں میں مارا ہے کہ اس طرح مچھروں، مکھیوں کو بھی نہیں مارا جاتا لیکن میرے اصول اور میرے وعدے۔ میرے لئے انسانوں سے زیادہ قیمتی ہیں۔ میں خود کو حکومت پاکیشیا کے حوالے کر رہا ہوں''۔ ڈاکٹر بلیک نے غصیلے لہجے میں کہا۔

''باس۔ میں تو تنظیم کی اور آپ کی بھلائی کے لئے''...... رچی کی بات مکمل نہیں ہوئی تھی کہ ڈاکٹر بلیک دھاڑا۔

''بکواس بند کرو رچی۔ میں غلط مشورہ دینے والوں کو بھی عبرت کا نشان بنا دیا کرتا ہوں''...... ڈاکٹر بلیک نے گرج دار آواز میں کہا۔ پھر اس نے مائیک اٹھایا اور اپنے سامنے رکھی مشین کا بٹن پریس کر دیا۔

''تمام ممبران ہال میں پہنچ جائیں''...... ڈاکٹر بلیک نے تحکمانہ لہجے میں کہا اور پھر اس نے مائیک رکھا اور ایک بار پھر اس نے بٹن پریس کر دیا۔

''تم بھی ہال میں جا کر بیٹھو''...... ڈاکٹر بلیک نے کرخت لہجے میں رچی سے کہا۔

''اوکے باس''...... رچی نے مؤدبانہ لہجے میں کہا اور پھر وہ کمرے سے باہر نکلتا چلا گیا جبکہ ڈاکٹر بلیک ایک بار پھر اپنے سپیشل

روم میں آ گیا۔ جس میں مشینیں ہی مشینیں تھی۔ وہ کچھ دیر تک اس کمرے میں موجود رہا اور پھر خود بھی ہال میں پہنچ گیا۔ جہاں تمام ممبران پہنچ چکے تھے۔ ڈاکٹر بلیک ہال میں داخل ہوا تو سب احتراماً کھڑے ہو گئے۔ ڈاکٹر بلیک اپنی کرسی پر جا کر بیٹھا اور پھر اس نے دوسروں کو بھی بیٹھنے کا حکم دیا۔ اس نے ہال میں بیٹھے ہوئے تمام افراد کا جائزہ لیا۔ ہال میں اس وقت تقریباً ستر کے قریب آدمی بیٹھے ہوئے تھے۔

''تمام لوگوں نے دیکھ لیا ہو گا کہ میں پاکیشیا سیکرٹ سروس کے چیف ایکسٹو سے شکست کھا گیا ہوں اور میں نے دنیا بھر کے سامنے اعلان کیا تھا کہ اگر کسی ملک نے مجھے شکست دے دی تو میں خود کو اور اپنی تنظیم کو اس ملک کے حوالے کر دوں گا۔ سو، اب میں اپنے وعدے کے مطابق خود کو اور اپنی تنظیم ریڈ نائٹ کو حکومت پاکیشیا کے حوالے کر رہا ہوں۔ تم سب لوگ یہ ہیڈکوارٹر چھوڑ دو اور میرے ساتھ خود کو پاکیشیا کے حوالے کر دو۔ ہیڈکوارٹر میں تم صرف دس منٹ تک رہ سکتے ہو۔ اس کے بعد تمہاری زندگی کی کوئی ضمانت نہیں ہے۔ باہر ہمارے خصوصی ہیلی کاپٹرز موجود ہیں تم ان ہیلی کاپٹرز میں سوار ہو کر پاکیشیا پہنچو''...... ڈاکٹر بلیک نے سپاٹ لہجے میں کہا اور اس کے ساتھ ہی وہ اٹھا اور تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا ہال کے دروازے کی طرف بڑھا۔ کچھ اور لوگ بھی اٹھ کر اس کے پیچھے چلنے لگے۔ لیکن کافی لوگ اپنی جگہوں پر بیٹھے رہے۔ وہ حیران و

پریشان تھے اور فیصلہ نہیں کر پا رہے تھے کہ کیا کریں۔ ڈاکٹر بلیک تیزی سے ہال سے باہر آیا اور مختلف گیلریوں سے گزرتا ہوا اپنے ہیڈکوارٹر کی عمارت سے باہر آ گیا۔ اس نے اس ہیڈکوارٹر پر ایسی ریز پھیلائی ہوئی تھیں کہ کسی چیکنگ سسٹم نے اس بلڈنگ کو چیک نہیں کیا تھا۔ دنیا بھر کے سیکرٹ ایجنٹ سیٹلائٹ اور دیگر تمام وسائل ناکام رہے تھے۔ کوئی بھی ڈاکٹر بلیک کا ہیڈکوارٹر ٹریس نہیں کر سکا تھا۔ اب ڈاکٹر بلیک نے وہ ریز آف کر دی تھیں۔ بلڈنگ سے باہر ایک کھلا میدان تھا جس میں پانچ ہیلی کاپٹرز کھڑے تھے۔ ڈاکٹر بلیک نے اپنے ساتھ آنے والوں کو دیکھا۔ اس کے اندازے کے مطابق ان سب کے لئے دو ہیلی کاپٹرز کافی تھے کیونکہ ہیلی کاپٹرز کافی بڑے تھے۔ وہ انتہائی جدید تھے اور عام ہیلی کاپٹروں سے کئی گنا تیز رفتار تھے۔ ڈاکٹر بلیک اور اس کے ساتھ آنے والے دیگر افراد دو ہیلی کاپٹروں میں بیٹھ گئے اور پھر ہیلی کاپٹرز فضا میں بلند ہوتے چلے گئے۔ جیسے ہی ہیلی کاپٹرز فضا میں بلند ہوئے رچی اپنی کرسی سے اٹھ کر ڈاکٹر بلیک کی کرسی پر جا کر بیٹھ گیا۔

''ممبرز۔ ڈاکٹر بلیک احمق ہے اور وہ اپنی حماقت ہم سب پر مسلط کرنا چاہتا ہے۔ ہم لوگ مجرم ہیں اور بھلا جرائم کی دنیا میں اصول اور وعدے کیا اہمیت رکھتے ہیں لیکن اگر وہ اپنے وعدے کی پابندی کرتے ہوئے خود کو موت کے حوالے کر رہا ہے تو ہم کیوں کریں۔ ہم اس کے وعدے کے پابند نہیں ہے۔ ہم ریڈ نائٹ کو

قائم و دائم رکھیں گے اور ریڈ نائٹ کے ذریعے اس دنیا پر حکومت کریں گے۔ اب تم بتاؤ کہ کیا تم میرا ساتھ دو گے یا ڈاکٹر بلیک کے ساتھ خود کو موت کے حوالے کر دو گے''...... رچی نے جوشیلے لہجے میں تقریر کرتے ہوئے کہا۔

''ہم نہیں مرنا چاہتے۔ تنظیم قائم رہے گی۔ ہم تنظیم کے وفادار رہیں گے''...... چند آوازیں ابھریں۔

''اوکے۔ تو پھر تنظیم کے اصول کے مطابق میں ریڈ نائٹ کا نیا چیف ہوں اور تم سب لوگ میرا حکم مانو گے اور ہمیشہ میرے وفادار رہو گے''...... رچی نے تیز لہجے میں کہا۔

''ہم آپ کو اپنا باس تسلیم کرتے ہیں''...... سب نے بیک وقت کرسیوں سے اٹھ کر کہا اور اگلے لمحے وہ دوبارہ کرسیوں پر بیٹھ گئے لیکن ایک ممبر کھڑا رہا۔

''لیکن۔ لیکن باس''...... اس آدمی نے پریشان لہجے میں کہا وہ اپنی بات مکمل نہ کر سکا۔

''لیکن کیا۔ کیا تم ڈاکٹر بلیک سے ڈر رہے ہو۔ وہ تو وادی اجل کی طرف روانہ ہو گیا ہے اب اس کی واپسی ممکن نہیں اور بالفرض اگر وہ راستے سے واپس بھی آ جاتا ہے تو ہم اسے موت کی سزا دے دیں گے۔ اس کی زندگی اب ہم سب کی موت ہے''...... رچی نے کہا۔

''یہ بات نہیں ہے باس۔ ڈاکٹر بلیک نے ہمیں دس منٹ کا

وقت دیا ہے۔ ہمیں دس منٹ دینے میں اس کی کیا حکمت ہو سکتی ہے''...... اس ممبر نے بدستور پریشان لہجے میں کہا۔

''ڈاکٹر بلیک اب ہیڈکوارٹر سے جا چکا ہے۔ اب بھلا وہ کیا کرسکتا ہے۔ پھر بھی میں سپیشل روم میں جا کر چیک کرتا ہوں''۔ رچی نے کہا اور پھر وہ ہال سے باہر آ گیا۔ ڈاکٹر بلیک کے دیئے گئے دس منٹوں میں سے چھ منٹ گزر گئے تھے۔ رچی کے دل میں بھی اندیشے جنم لے چکے تھے۔ اس نے اپنے قدم تیز کئے اور پھر وہ دوڑنے لگا۔ ڈیڑھ منٹ بعد وہ سپیشل روم میں داخل ہوا اور اس نے ایک مشین آن کی۔ جیسے ہی مشین آن ہوئی اس پر سرخ لکیریں اوپر سے نیچے جلنے لگیں اور ان لکیروں کو دیکھتے ہی اس کے ہوش اڑ گئے۔

''بم''...... اس کے منہ سے بے اختیار نکلا اور اس نے دوڑ لگا دی۔ اب اس کے پاس وقت نہیں تھا کہ وہ ممبرز کو جا کر بتاتا کہ ڈاکٹر بلیک نے ہیڈکوارٹر میں بم نصب کر دیئے ہیں۔ ان کے پھٹنے میں اب صرف پونے دو منٹ باقی تھے۔ اگر وہ ہال کی طرف جاتا تو پونے دو منٹ وہیں پورے ہو جانے تھے۔ پھر ہیڈکوارٹر سے نکلنے کا وقت نہیں ملنا تھا۔ اب وہ طوفانی رفتار سے دوڑ رہا تھا۔ اس کے پیچھے واقعی موت لگی ہوئی تھی اس لئے اس کی رفتار بہت تیز تھی۔ وہ آندھی اور طوفان کی مانند اڑتا ہوا ہیلی کاپٹرز تک پہنچا اور پھر وہ ایک ہیلی کاپٹر میں سوار ہو گیا۔ اس نے ایک لمحہ ضائع کئے

بغیر ہیلی کاپٹر سٹارٹ کیا اور پھر ہیلی کاپٹر اوپر اٹھنے لگا۔ اب دس منٹ پورے ہونے میں صرف چند سیکنڈ باقی تھے۔ جب ہیلی کاپٹر بلند ہوا تو ہیڈکوارٹر کے ہال میں بیٹھے ہوئے افراد کو اس کی آواز سنائی دی۔ وہ یکدم ہی ہال سے باہر نکل آئے۔ ہیلی کاپٹر کو فضا میں بلند ہوتے دیکھ کر انہیں اندازہ ہو گیا کہ رچی فرار ہو رہا تھا اور وجہ بھی انہیں سمجھ آ گئی۔ یکدم ہی ان سب کو موت نظر آ گئی تھی۔ وہ سب چیختے چلاتے ہوئے گیٹ کی طرف دوڑے لیکن ابھی انہوں نے چند قدم ہی اٹھائے تھے کہ خوفناک دھماکے ہونے لگے۔

رچی کا ہیلی کاپٹر کافی بلندی پر پہنچ گیا تھا۔ دھماکوں کی آوازیں سن کر رچی نے نیچے دیکھا۔ ہیڈکوارٹر کی بلڈنگ کے پرخچے اڑ رہے تھے۔ دھویں اور آگ میں انسانی جسم بھی اڑتے ہوئے دکھائی دے رہے تھے۔ یہ منظر دیکھ کر رچی کی آنکھوں میں خون اتر آیا۔

''ڈاکٹر بلیک۔ تو نے سب کچھ تباہ کر دیا۔ اپنے ہاتھوں سے سب کچھ ختم کر دیا لیکن جس ملک کی خاطر تو نے ایسا کیا ہے میں تجھے اجازت نہیں دوں گا کہ تو اس ملک کو تباہ ہونے سے بچا سکے۔ میں تیرے ساتھ ساتھ پاکیشیا کو بھی صفحہ ہستی سے مٹا دوں گا''۔ رچی نے غراتے ہوئے کہا اور پھر اس کی نظریں ہیلی کاپٹر کے کنٹرول پینل پر جم گئیں۔ ہیلی کاپٹر کا رخ پاکیشیا کے دارالحکومت کی طرف تھا۔ غصے اور نفرت کی وجہ سے اُسے سفر کے کٹنے کا اندازہ ہی نہ ہوا۔ وہ اس وقت چونکا جب وہ پاکیشیا کے دارالحکومت

میں پہنچ چکا تھا۔ وہ اُپنے ہیلی کاپٹر کو سیدھا گریٹ پارک کی طرف لے آیا۔ جب وہ گریٹ پارک پہنچا تو اس نے تنظیم کے دو ہیلی کاپٹرز دیکھ لئے۔ ڈاکٹر بلیک اور اس کے ساتھ آنے والے افراد وہاں پہنچ چکے تھے۔ اس نے بھی ہیلی کاپٹر کو نیچے اتارا۔ ہیلی کاپٹر نیچے اتارنے سے پہلے ہی اس نے ماحول کا جائزہ لے لیا تھا۔ ایک طرف سٹیج بنا ہوا تھا جس پر چند افراد بیٹھے ہوئے تھے۔ سٹیج کے سامنے بہت سی کرسیاں تھیں۔ ان کرسیوں پر بھی افراد بیٹھے ہوئے تھے۔ کچھ فاصلے پر باڑ لگی ہوئی تھی اور باڑ کی دوسری طرف لوگوں کی کثیر تعداد موجود تھی۔ اس کے علاوہ فوجیوں کی ایک بڑی تعداد تھی جو پارک میں موجود تھی۔ ڈاکٹر بلیک اور تنظیم کے دیگر ممبر سٹیج کے قریب ہی کھڑے تھے۔ رچی ہیلی کاپٹر سے نیچے اترا۔

''باس''...... اس نے ڈاکٹر بلیک کو آواز دی اور پھر اس انداز میں اس کی طرف بھاگا جیسے محبت کے جوش میں بھاگ رہا ہو۔ وہ چند قدم ہی بھاگا تھا کہ اس نے سٹیج پر بیٹھے ہوئے ایکسٹو کو اپنی کرسی سے اٹھتے ہوئے دیکھا۔ ایکسٹو نے نجانے کیا کہا تھا۔ لیکن اسی لمحے رچی نے ڈاکٹر بلیک کا بنایا ہوا ریوالور نکال لیا کیونکہ ڈاکٹر بلیک اس کی رینج میں آ گیا تھا۔ ریوالور نکالتے ہی رچی نے ایک لمحہ ضائع کئے بغیر ڈاکٹر بلیک پر گولی چلا دی۔ یہ مخصوص ریوالور تھا۔ ایک زور دار دھماکا ہوا۔ گولی ڈاکٹر بلیک کے ماتھے میں لگی اور اس کے سر کے پچھلے حصے سے نکل گئی۔ ڈاکٹر بلیک کا بھیجا بھی گولی کے

ساتھ ہی اس کی کھوپڑی سے نکل آیا۔ ڈاکٹر بلیک بغیر کوئی چیخ مارے زمین پر گرا اور فوراً ہی ساکت ہو گیا۔ رچی نے ڈاکٹر بلیک کو نشانہ بنانے کے بعد پاکیشیا کے صدرِ مملکت کی طرف ریوالور کا رخ کیا لیکن اس سے پہلے کہ وہ ٹریگر دباتا۔ بیک وقت کئی دھماکے ہوئے اور رچی کو یوں محسوس ہوا جیسے درجنوں گرم سلاخیں اس کے جسم کے آر پار ہو گئی ہوں۔ وہ زمین پر گرتا چلا گیا اور اس کا ذہن تاریک ہو گیا۔

صرف گریٹ پارک میں ہی نہیں بلکہ پورا پاکیشیا سناٹے کے گہرے کنویں میں ڈوب چکا تھا۔ ڈاکٹر بلیک ایٹم بم کے بارے میں بتائے بغیر مر گیا تھا۔ ایکسٹو نے ڈاکٹر بلیک کے ساتھ آئے ہوئے افراد سے پوچھا لیکن وہ لاعلم تھے۔ ایکسٹو نے ان کی سزائیں معاف کرنے اور انہیں کروڑوں روپے کا انعام دینے کا وعدہ بھی کیا کہ اگر ایٹم بم کے بارے میں معلوم ہے تو بتا دیں لیکن انہیں کچھ معلوم ہوتا تو بتاتے۔ ان کی طرف سے مایوس ہو کر ایکسٹو نے ڈاکٹر بلیک کے لباس کی تلاشی لی۔ اس کی جیب میں کوئی سامان نہیں تھا۔ اس کی ایک جیب سے تصویر نکلی۔ یہ تصویر چار نیزہ بردار وحشیوں کی تھی جنہوں نے ایک شہری عورت کو گھیر رکھا تھا۔ عورت کے چہرے پر خوف جبکہ وحشیوں کے چہرے پر خوشی کے تاثرات تھے۔ ایکسٹو کچھ دیر تک تصویر کو دیکھتا رہا پھر وہ کمشنر کی طرف بڑھا۔

"کمشنر صاحب۔ راک سٹار سینما کی انتظامیہ کو فوراً حاضر کریں۔ آپ خود بھی اس سینما میں پہنچیں۔ کچھ دیر میں میرا نمائندہ خصوصی علی عمران سینما میں پہنچ رہا ہے۔ آپ نے اس کے ہر حکم کی تعمیل کرنی ہے"...... ایکسٹو نے اپنے مخصوص سرد لہجے میں کمشنر کو حکم دیتے ہوئے کہا۔

"یس سر"...... کمشنر نے مؤدبانہ لہجے میں کہا تو ایکسٹو صدر مملکت کی طرف مڑا۔

"آپ بے فکر ہو کر تشریف لے جائیں۔ انشاء اللہ ایکسٹو کی زندگی میں پاکیشیا پر کبھی کوئی آفت نہیں آئے گی"۔ ایکسٹو نے باوقار لہجے میں کہا اور اس کے بعد وہ اس طرف بڑھا جس طرف اس کی گاڑی کھڑی تھی۔ پھر وہ گاڑی میں بیٹھا اور اس کی گاڑی تیز رفتاری سے چلتی ہوئی مین روڈ پر آ گئی۔ کار انتہائی تیز رفتاری سے دانش منزل پہنچ گئی۔ پھر جیسے ہی عمران آپریشن روم میں داخل ہوا۔ بلیک زیرو اس کے احترام میں کھڑا ہو گیا۔

"عمران صاحب۔ ایٹم بم کے بارے میں ڈاکٹر بلیک کچھ نہیں بتا سکا۔ صورت حال کافی تشویش ناک ہو گئی ہے"...... بلیک زیرو نے پریشان لہجے میں کہا۔

"ہاں۔ لیکن تم دعا کرو"...... عمران نے سنجیدہ لہجے میں کہا اس کے ساتھ ہی اس نے ایکسٹو کا مخصوص لباس اتارا اور ٹیلی فون کی طرف بڑھا۔ اس نے رسیور اٹھایا اور تیزی سے نمبرز پریس کرنے

لگا۔

''یس''...... رابطہ ملنے پر دوسری طرف سے مختصراً کہا گیا۔

''ایکسٹو''......عمران نے ایکسٹو کے مخصوص لہجے میں کہا۔

''یس سر۔ حکم سر''...... فوراً ہی دوسری طرف سے بوکھلائے ہوئے لہجے میں کہا گیا۔

''سرداور سے بات کراؤ''......عمران نے سرد لہجے میں کہا۔

''اوکے سر''...... دوسری طرف سے کہا گیا اور پھر ایک ہلکی سی کلک کی آواز سنائی دی۔

''یس۔ داور اسپیکنگ''...... دوسری طرف سے سر داور کی آواز سنائی دی۔

''ایکسٹو''......عمران نے کہا۔

''یس سر''...... اس بار سر داور کی مؤدبانہ آواز سنائی دی۔

''سرداور آپ نے ڈاکٹر بلیک اور میرے درمیان ہونے والی باتیں اور پھر گریٹ پارک میں ہونے والی کارروائی ٹی وی چینلز پر دیکھی ہو گی''......عمران نے پوچھا۔

''جی سر''...... سر داور نے مختصراً جواب دیا۔

''سرداور۔ ہم نے ایٹم بم تلاش کرنا ہے۔ آپ تمام ضروری آلات اور متعلقہ ماہرین کو لے کر راک سٹار سینما پہنچ جائیں۔ علی عمران بھی وہاں پہنچ رہا ہے۔ آپ نے علی عمران کی رہنمائی میں ایٹم بم ٹریس کرنا ہے''......عمران نے ایکسٹو کی آواز میں کہا۔

''اوکے سر۔ آپ کے حکم کی تعمیل ہو گی''...... دوسری طرف سے سر داور نے کہا تو عمران نے رسیور رکھ دیا۔

''عمران صاحب۔ ایٹم بم کی تلاش اور ایک سینما گھر میں''۔ بلیک زیرو نے حیران ہو کر کہا۔

''ہاں۔ یہ تصویر دیکھو''......عمران نے کہا اور پھر اس نے ڈاکٹر بلیک کی جیب سے برآمد ہونے والی تصویر بلیک زیرو کی طرف بڑھائی۔

''اوہ۔ یہ تصویر تو ایک پاکیشیائی اداکارہ کی ہے۔ کیا یہ کسی پاکیشیائی فلم کا منظر ہے''...... تصویر کو دیکھ کر بلیک زیرو نے چونکتے ہوئے کہا۔

''ہاں۔ راک سٹار سینما میں فلم لگی ہوئی ہے لو اِن جنگل۔ یہ اسی فلم کا ایک منظر ہے''...... عمران نے کہا۔

''لیکن آپ نے یہ تصویر کیوں اٹھائی ہوئی ہے''...... بلیک زیرو نے حیرت بھرے لہجے میں کہا۔

''یہ تصویر ڈاکٹر بلیک کی جیب سے برآمد ہوئی ہے''...... عمران نے کہا تو بلیک زیرو کی حیرت میں اضافہ ہو گیا۔

''ڈاکٹر بلیک کی جیب سے، لیکن اس نے یہ تصویر کیوں رکھی ہوئی تھی۔ اوہ۔ اوہ۔ کیا اس تصویر کا کوئی تعلق ایٹم بم سے ہے''۔ بلیک زیرو بات کرتے کرتے یکدم ہی چونکا۔

''تم خود سوچو کہ ڈاکٹر بلیک ہمیں ایٹم بم کے بارے میں بتانے

آیا تھا اور اس کی جیب میں صرف یہی تصویر تھی۔ ڈاکٹر بلیک کو فلمیں دیکھنے کا قطعاً کوئی شوق نہیں تھا کہ تصویر دیکھ کر یہ سمجھ لیا جائے کہ وہ اس پاکیشیائی فلم سٹار کا عاشق تھا اور اسی وجہ سے اس نے اپنی جیب میں یہ تصویر رکھی ہوئی تھی''...... عمران نے کہا۔

''عمران صاحب۔ آپ بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ واقعی اس تصویر کا تعلق ایٹم بم سے ہی ہوسکتا ہے''...... بلیک زیرو نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔

''اوکے۔ میں راک سٹار سینما میں جا رہا ہوں''...... عمران نے کہا اور پھر وہ کرسی سے کھڑا ہو گیا۔ اسے اٹھتے دیکھ کر بلیک زیرو بھی کرسی سے کھڑا ہو گیا۔ چند لمحوں بعد عمران اپنی فیورٹ سپورٹس کار میں بیٹھا تھا اور کار راک سٹار سینما کی طرف بڑھ رہی تھی۔ پھر تھوڑی ہی دیر بعد وہ راک سٹار سینما میں پہنچ گیا۔ کمشنر اور اس کے ساتھ چند دیگر افسران وہاں موجود تھے۔ البتہ ابھی سرداور اور ان کے ساتھی نہیں آئے تھے۔ جیسے ہی عمران کی کار سینما کے انٹر گیٹ کے سامنے رکی کمشنر کار کی طرف بڑھا۔ وہ عمران کو جانتا تھا اور اسے یہ بھی معلوم تھا کہ عمران سرخ سپورٹس کار استعمال کرتا ہے۔ جیسے ہی عمران کار سے نیچے اترا کمشنر نے اسے سلام کیا۔ عمران نے سنجیدہ لہجے میں کمشنر کے سلام کا جواب دیا۔ پھر عمران کی نظر پکچر پبلسٹی بورڈ پر گئی۔ بورڈ پر لکھا ہوا تھا آج شب کو اور بورڈ میں بہت سی تصاویر لگی ہوئی تھیں۔ ان میں سے اسی منظر کی ایک تصویر بھی تھی

جس منظر کی تصویر ڈاکٹر بلیک کی جیب سے برآمد ہوئی تھی۔ عمران ابھی اس بورڈ کو دیکھ ہی رہا تھا کہ وہاں ایک وین آ کر رکی۔ وین سے سرداور اور ان کے ساتھی نیچے اترے۔ ان کے پاس بم تلاش کرنے والے آلات بھی تھے۔ رسمی لیکن مختصر سی سلام دعا کے بعد سرداور اور ان کے ساتھیوں نے اپنی کارروائی شروع کر دی۔ عمران بھی ان کے ساتھ ساتھ تھا۔ سینما کی مکمل تلاشی کے بعد ان کے چہروں پر مایوسی سی آ گئی کیونکہ سینما گھر میں ایٹم بم کیا، کوئی کریکر بھی موجود نہیں تھا۔

''عمران بیٹے۔ اب کیا ہو گا۔ تیس گھنٹوں میں سے چار گھنٹے گزر بھی چکے ہیں''...... سرداور نے پریشان لہجے میں کہا۔

''آپ پریشان نہ ہوں۔ اللہ پر بھروسہ رکھیں۔ یہ میٹر اور مشین مجھے دے دیں''...... عمران نے سرداور کو تسلی دیتے ہوئے کہا۔ اس کے بعد وہ واپس اپنی کار میں بیٹھا اور اس کی کار دانش منزل کی طرف بڑھی۔

وہ آپریشن روم میں داخل ہوا تو کافی تھکا ہوا دکھائی دے رہا تھا۔ وہ کرسی پر گر گیا اور اس نے اپنی آنکھیں بند کر لیں۔ بلیک زیرو فوراً ہی کچن میں گیا اور چائے بنا لایا۔ عمران ابھی تک آنکھیں بند کئے بیٹھا تھا۔ بلیک زیرو کی زندگی میں یہ پہلا موقع تھا جب وہ عمران کو اس قدر پریشان دیکھ رہا تھا۔ عمران مضبوط اعصاب کا مالک تھا۔ وہ بڑے بڑے بحرانوں سے ہنستے مسکراتے گزر جاتا تھا۔

عمران موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال دیا کرتا تھا۔ کبھی کوئی مسئلہ، کوئی آفت، کوئی پریشانی عمران کے ماتھے پر بل تک نہیں لا سکی تھی لیکن اب معاملہ تھا کروڑوں انسانوں کی جانوں کا۔ ڈاکٹر بلیک نے کروڑوں معصوم، بے گناہ انسانوں کی موت کا پکا اہتمام کر دیا تھا۔ اگر اسے خود موت کا سامنا درپیش ہوتا تو وہ کبھی بھی پریشان نہ ہوتا لیکن اب کروڑوں انسانوں کی جانیں خطرے میں تھیں اور ایٹم بم کے بارے میں کوئی بھی نہیں جانتا تھا کہ وہ کہاں ہے اور وقت تھا کہ تیزی سے گزر رہا تھا۔

''عمران صاحب۔ آپ تو کبھی کسی معاملے پر پریشان نہیں ہوئے۔ اب کیوں پریشان ہیں''...... بلیک زیرو نے کہا۔

''طاہر۔ میرے آنکھوں کے سامنے چھوٹے چھوٹے بچے آ رہے ہیں۔ وہ بچے جو پاکیشیا کا مستقبل ہیں اور یہ معصوم بچے اس وقت شدید خطرے میں ہیں''...... عمران نے کہا۔

''عمران صاحب۔ اگر ان کی موت کا وقت آ گیا ہے تو کیا آپ انہیں بچا سکتے ہیں۔ نہیں عمران صاحب۔ آپ لاکھ کوشش کر کے دیکھ لیں آپ کسی کے لئے کچھ بھی نہیں کر سکیں گے اور اگر ان لوگوں کی موت نہیں آئی تو پھر ڈاکٹر بلیک ایک کیا ایک سو دس ایٹم بم بھی نصب کر دے تو کسی کو نہیں مار سکے گا''...... بلیک زیرو نے کہا۔

''تم ٹھیک کہہ رہے ہو طاہر۔ لیکن جب انسان بیمار ہو جاتا ہے

تو اس کا علاج کرانا فرض ہو جاتا ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے زندگی بچانے کا حکم بھی دیا ہے بلکہ زندگی بچانے کو فرض قرار دیا ہے۔ اس لئے ہم نے تو آخری دم تک کوشش کرنی ہے''...... عمران نے سنجیدہ لہجے میں کہا۔ پھر اس سے پہلے کہ بلیک زیرو کچھ کہتا ٹیلی فون کی گھنٹی بجنے لگی۔

''ایکسٹو''...... عمران نے رسیور کان سے لگاتے ہوئے ایکسٹو کے مخصوص لہجے میں کہا۔

''طاہر بیٹے۔ اگر عمران دانش منزل میں موجود ہے تو میری اس سے بات کراؤ''...... دوسری طرف سے سرسلطان کی آواز سنائی دی۔

''میں عمران ہی بول رہا ہوں''...... عمران نے سنجیدہ لہجے میں کہا۔ عمران نے آج سے پہلے کبھی بھی اتنے سنجیدہ لہجے میں سرسلطان سے بات نہیں کی تھی۔

''عمران بیٹے۔ صدرِ مملکت پوچھ رہے ہیں کہ ایٹم بم کے بارے میں کچھ معلوم ہوا''...... سرسلطان نے پوچھا۔

''نہیں۔ ابھی تک معلوم نہیں ہوا لیکن آپ صدرِ مملکت سے کہیں کہ وہ حوصلہ رکھیں۔ ہم بم کو ٹریس کر لیں گے''...... عمران نے بدستور سنجیدہ لہجے میں کہا۔

''عمران بیٹے۔ مختلف ممالک کے سربراہان مملکت کے فون آ رہے ہیں۔ وہ صدرِ مملکت کو مبارک باد دینے کے ساتھ ساتھ ایکسٹو

کی کارکردگی کی تعریف بھی کر رہے ہیں اور کئی حکومتوں نے ایٹم بم کی تلاشی میں مدد دینے کی پیش کش کی ہے''...... دوسری طرف سے سرسلطان نے کہا۔

''تعریف کی ہمیں ضرورت نہیں ہے۔ البتہ اگر کوئی ایٹم بم کی تلاشی میں ہماری مدد کرنا چاہتا ہے تو ہم شکریئے کے ساتھ اس آفر کو قبول کرتے ہیں''...... عمران نے کہا۔

''صدرِمملکت ایکسٹو کی رائے جاننا چاہتے ہیں۔ اب میں ان سے کہہ دیتا ہوں کہ اگر کوئی ملک اپنے ماہرین پاکیشیا بھیجنا چاہتا ہے تو وہ بھیج دے''...... سرسلطان نے کہا۔

''اوکے''...... عمران نے کہا تو دوسری طرف سے سرسلطان نے اللہ حافظ کہہ کر رسیور رکھ دیا۔ عمران نے بھی رسیور کریڈل پر رکھا اور اس کے بعد اس نے ڈاکٹر بلیک کی جیب سے برآمد ہونے والی تصویر اپنی جیب سے نکال کر سامنے ٹیبل پر رکھی اور تصویر دیکھنے لگا۔ وہ کافی دیر تک تصویر دیکھتا رہا پھر اچانک کھڑا ہو گیا۔

''عمران صاحب۔ اس وقت کہاں کا ارادہ ہے''...... بلیک زیرو نے عمران کو اٹھتے ہوئے دیکھا تو بولا۔

''گرین سٹوڈیو اور سٹوڈیو میں رات ہی کو کام ہوتا ہے۔ گرین سٹوڈیو ابھی کھلا ہی ہو گا۔ تم دانش منزل کا آٹو سسٹم آن کرو اور میرے ساتھ چلو''...... عمران نے کہا اور اس کے ساتھ ہی وہ آپریشن روم سے باہر آ گیا۔ بلیک زیرو نے دانش منزل کا آٹو سسٹم آن کیا

اور پھر وہ عمران کے پیچھے دوڑا۔ رات نصف سے زیادہ بیت چکی تھی کئی دنوں کی پریشانی کے بعد آج لوگوں کو سکون نصیب ہوا تھا۔ ڈاکٹر بلیک اپنے عبرتناک انجام سے دو چار ہو چکا تھا اور ایکسٹو نے کہہ دیا تھا کہ وہ ایٹم بم کو تلاش کر لے گا اور ایکسٹو پر ان سب کو یقین تھا۔ اس لئے لوگ اب گھروں میں چلے گئے تھے اور اطمینان سے سو رہے تھے۔ سڑکوں پر اس وقت ٹریفک بالکل ہی نہیں تھی۔ اس لئے عمران کی کار انتہائی تیز رفتاری سے سٹوڈیو کی طرف بڑھ رہی تھی۔ ڈرائیونگ سیٹ پر عمران اور ساتھ والی سیٹ پر بلیک زیرو بیٹھا تھا۔ بلیک زیرو نے راستے میں ہی ماسک میک اپ کر لیا تھا۔ تقریباً بیس منٹ کی ڈرائیونگ کے بعد وہ گرین سٹوڈیو پہنچ گئے۔ سٹوڈیو کا مین گیٹ اس وقت بند تھا اور گیٹ کے قریب ایک سیکورٹی گارڈ کرسی پر بیٹھا ہوا تھا۔

''جی صاحب''...... عمران نے کار گیٹ کے قریب روکی تو سیکورٹی گارڈ نے قریب آ کر کہا۔

''گیٹ کھولو''...... عمران نے تحکمانہ لہجے میں اس سے کہا۔

''صاحب۔ آپ کون ہیں اور کس سے ملنے کے لئے آئے ہیں''...... سیکورٹی گارڈ نے پوچھا۔ جیسے سے ہی اس کی بات مکمل ہوئی ۔ رات کے سناٹے میں تھپڑ کی ایک تیز آواز گونجی اور سیکورٹی گارڈ لڑکھڑا کر دو قدم پیچھے ہٹ گیا۔ اسے یہ تھپڑ عمران نے مارا تھا۔

"کافی ہے یا اور تعارف بھی کراؤں"...... عمران نے کرخت لہجے میں کہا۔

"اوکے۔ اوکے صاحب۔ میں گیٹ کھولتا ہوں"...... سیکورٹی گارڈ نے عمران کے لہجے سے خوفزدہ ہوتے ہوئے کہا اور پھر اس نے گیٹ کھول دیا۔

"کمال جھلا کا آفس کدھر ہے"...... عمران نے بدستور کرخت لہجے میں سیکورٹی گارڈ سے کہا تو اس نے فلم ڈائریکٹر کمال جھلا کے آفس کے بارے میں بتا دیا۔ عمران نے کار آگے بڑھائی اور پھر وہ کمال جھلا کے آفس پہنچ گئے۔ عمران نے کار روکی اور پھر وہ دونوں کار سے نیچے اتر آئے اور آفس کی طرف بڑھے۔ استقبالیہ کمرے میں ایک میز، کرسی اور چند صوفے رکھے ہوئے تھے۔ کرسی پر ایک بدمعاش ٹائپ آدمی بیٹھا ہوا تھا جبکہ ایک سیکورٹی گارڈ بھی وہاں کھڑا تھا۔ دو افراد صوفوں پر بیٹھے ہوئے تھے۔

"ہدایت کار کمال جھلا کہاں ہے"...... عمران نے کرسی پر بیٹھے ہوئے آدمی سے تیز لہجے میں پوچھا۔ عمران کے تیز لہجے پر اس آدمی نے اور سیکورٹی گارڈ نے عمران کو گھور کر دیکھا۔

"ہدایت کار صاحب سے تمہاری ملاقات طے ہے"...... کرسی پر بیٹھے ہوئے آدمی نے منہ بنا کر کہا۔ اس کا منہ بنتا ہی اس کے منہ کو بگاڑ گیا۔ عمران کا بازو پوری قوت سے گھوما اور وہ آدمی کرسی سے اڑ کر دور جا گرا۔ صوفوں پر بیٹھے ہوئے آدمی گھبرا کر کھڑے ہو گئے

جبکہ سیکورٹی گارڈ اپنی گن سنبھالنے لگا لیکن ابھی وہ گن سنبھال ہی رہا تھا کہ بلیک زیرو نے اس سے گن چھین لی اور اس کی کنپٹی پر مکا رسید کر دیا۔ سیکورٹی گارڈ کے لئے یہ ایک مکا ہی کافی رہا۔ وہ بے ہوش ہو کر گر گیا۔

"تم لوگ جاؤ اس وقت"...... بلیک زیرو نے بھی سخت لہجے میں باقی آدمیوں سے کہا۔ وہ سب دروازے کی طرف دوڑے۔

"بولو۔ کہاں ہے کمال جھلا۔ جلدی بولو"...... عمران نے اس آدمی کو گردن سے پکڑتے ہوئے کہا۔ اس کے لہجے میں ایسی درندگی تھی کہ وہ آدمی سہم گیا۔

"وہ۔ وہ اندر ایک اداکارہ کا آڈیشن لے رہے ہیں"...... اس آدمی نے خوفزدہ لہجے میں کہا۔

"جاؤ طاہر۔ اسے یہاں گھسیٹ لاؤ"...... عمران نے بلیک زیرو سے کرخت لہجے میں کہا۔

"اوکے"...... بلیک زیرو نے جلدی سے کہا اور پھر وہ اندرونی کمرے کی طرف بڑھ گیا۔

"تم کون ہو"...... عمران نے اس آدمی سے پوچھا۔

"سس۔ سر۔ مم۔ میں آفس انچارج ہوں"...... اس آدمی نے خوفزدہ لہجے میں کہا۔ پھر اسی وقت اندرونی کمرے کا دروازہ کھلا اور بلیک زیرو ایک آدمی کو گردن سے پکڑ کر باہر لے آیا۔ اس آدمی نے صرف ٹراؤزر پہنا ہوا تھا اور عمران کے اندازے کے مطابق یہ

ٹراؤزر بھی اسے بلیک زیرو نے پہننے دیا ہو گا۔ یہ معروف ہدایت کار کمال جھلا تھا۔

"کون ہو تم لوگ"...... ہدایت کار کمال جھلا نے تیز لہجے میں کہا۔

"ہمارا تعلق سپیشل پولیس سے ہے"...... عمران نے سخت لہجے میں اس سے کہا۔

"ہوتا رہے۔ مجھے اس سے کیا۔ میں فلم ڈائریکٹر ایسوسی ایشن کا چیئرمین ہوں۔ میں تمہارے خلاف ایسوسی ایشن کا اجلاس بلاؤں گا"...... کمال جھلا نے دھمکی دیتے ہوئے کہا تو عمران نے اس کے منہ پر تھپڑ رسید کر دیا۔ تھپڑ کھا کر اس کی چیخ بلند ہوئی۔

"ایڈیٹ۔ اس وقت ملک تباہی کے دہانے پر کھڑا ہے۔ جو تباہی ایکریمیا اور باچان میں آئی ہے وہ پاکیشیا میں بھی آنے والی ہے اور تمہیں اس کی پرواہ ہی نہیں۔ تم ان حالات میں بھی اپنی عیاشیوں میں پڑے ہوئے ہو"...... عمران نے کرخت لہجے میں کہا۔

"مجھے معلوم ہے کہ موت ہم سے چند گھنٹے کی دوری پر ہے۔ اسی لئے تو میں نے چند گھنٹوں کی زندگی کو خوب انجوائے کرنے کا فیصلہ کیا ہے"...... کمال جھلا نے کہا تو عمران نے اسے ایک اور تھپڑ رسید کر دیا۔

"ایڈیٹ"...... عمران نے غصیلے لہجے میں کہا اور مزید ایک تھپڑ رسید کر دیا۔

"ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ ان چند گھنٹوں کی مہلت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے تم اپنی اور اپنے وطن کی سلامتی کی دعائیں کرتے۔ توبہ کرتے"...... عمران نے افسوس زدہ لہجے میں کہا۔

"ٹھیک ہے۔ میں اب ایسا ہی کروں گا لیکن تم یہ بتاؤ کہ تم میرے پاس کیوں آئے ہو اور تم نے مجھ پر اس قدر تشدد کیوں کیا ہے"...... کمال جھلا نے منہ بناتے ہوئے کہا۔

"یہ آدمی ٹیڑھی کھیر ہے اسے ہیڈکوارٹر لے جانا پڑے گا"۔ بلیک زیرو نے کرخت لہجے میں کہا۔

"لل۔ لیکن۔ مم۔ میرا قصور کیا ہے"...... ہیڈکوارٹر کا سن کر کمال جھلا کی اکڑ ختم ہو گئی۔

"اس لئے کہ تم ہمارے ساتھ تعاون نہیں کر رہے"...... بلیک زیرو نے بدستور کرخت لہجے میں کہا۔

"میں آپ کے لئے کولڈ ڈرنکس منگواتا ہوں"...... کمال جھلا نے جلدی سے کہا تو عمران نے اسے گھورا۔

"یہ تمہاری فلم" لو ان جنگل" کا سین ہے نا"...... عمران نے اسے تصویر دکھاتے ہوئے کہا۔

"جی ہاں۔ یہ ہیروئن میری نئی دریافت ہے۔ بالکل ینگ لڑکی ہے صرف سترہ سال عمر ہے۔ میری ایک کال پر یہ دوڑی آئے گی۔ آپ اس کا انٹرویو کرنا چاہتے ہیں تو کر لیں۔ یہیں میرے آفس میں یا جہاں آپ چاہیں"...... کمال جھلا نے کہا تو اس کی ایک چیخ

اور بلند ہوئی۔ یہ تھپڑ سابقہ تھپڑوں سے زیادہ سخت تھا۔ تھپڑ کھا کر وہ لڑکھڑایا اور فرش پر گر گیا۔ جیسے ہی وہ فرش پر گرا عمران نے اس کی گردن پر پاؤں رکھا اور گردن پر پاؤں کا دباؤ ڈالا۔ اس کے حلق سے خرخر کی آوازیں نکلنے لگیں۔

”تمہیں میں چھوڑ رہا ہوں لیکن اب اگر تم نے بکواس کی تو تمہاری یہ گردن ٹوٹ جائے گی۔ ایڈیٹ۔ تمہیں احساس ہی نہیں ہو رہا کہ ہم پر اس وقت کتنی بڑی آفت آئی ہوئی ہے“...... عمران نے غراتے ہوئے کہا۔ پھر اس نے کمال جھلا کی گردن سے پاؤں ہٹا لیا۔ عمران کے ایکشن اور غراہٹ پر کمال جھلا اب سہم چکا تھا۔ وہ فرش پر لیٹے لیٹے عمران کو خوفزدہ نظروں سے دیکھنے لگا۔

”کھڑے ہو جاؤ“...... عمران نے کرخت لہجے میں کہا تو وہ فوراً ہی کھڑا ہو گیا۔

”اب بکو کہ یہ سین کہاں فلمایا گیا ہے“...... عمران نے سرد لہجے میں کہا۔

”ناگان جنگل کے شروع میں ایک چشمہ ہے۔ اس فلم میں جتنے بھی جنگل سین ہیں وہ اسی لوکیشن کے ہیں“...... کمال جھلا نے اس مرتبہ صحیح طریقے سے جواب دیتے ہوئے کہا۔

”او کے۔ تمہیں ہمارے ساتھ چلنا ہو گا“...... عمران نے تحکمانہ لہجے میں اس سے کہا۔

”بہتر سر۔ لیکن مجھے کپڑے پہننے کی اجازت تو دی جائے“۔

کمال جھلا نے مؤدبانہ لہجے میں کہا۔

”صرف ایک منٹ ہے تمہارے پاس“...... عمران نے کہا تو وہ تیزی سے اندرونی دروازے کی طرف دوڑا پھر ایک منٹ بعد ہی وہ واپس آ گیا۔ اب وہ مکمل لباس میں تھا۔

”آؤ۔ ہمارے ساتھ“...... عمران نے اس سے کہا اور پھر وہ مڑا۔ تینوں ہی تیز تیز قدم اٹھاتے ہوئے کار تک آئے اور پھر کار مین روڈ پر آ گئی۔ اب صبح ہو رہی تھی لیکن سڑکیں سنسان تھیں۔ رات گئے تک تو لوگ جاگتے رہے تھے اور پھر ایکسٹو کے وعدے پر کہ ایٹم بم تلاش کر کے ناکارہ کر دیا جائے گا لوگ مطمئن ہو کر سو گئے تھے۔ ایمرجنسی حالت کی وجہ سے حکومت نے پہلے ہی تاحکم ثانی تعطیلات کا اعلان کیا ہوا تھا۔ لہٰذا لوگوں کو دفتر جانے اور بچوں کو سکول جانے کی فکر بھی نہیں تھی۔ حالات کی وجہ سے پرائیویٹ سیکٹر نے بھی چھٹیاں کی ہوئی تھیں۔ عمران کی کار جلد ہی گریٹ پارک میں پہنچ گئی۔ ڈاکٹر بلیک کے تینوں ہیلی کاپٹر ابھی گریٹ پارک میں کھڑے تھے اور کار کو گریٹ پارک میں مڑتے دیکھ کر بلیک زیرو سمجھ گیا تھا کہ ناگان جنگل تک جانے کے لئے عمران ڈاکٹر بلیک کا ہیلی کاپٹر استعمال کرنا چاہتا ہے۔ پھر اس کے خیال کی تصدیق بھی ہو گئی جب عمران نے کار ہیلی کاپٹرز کے قریب روکی۔ ہیلی کاپٹرز کی سیکورٹی کے لئے چند سپاہی اور ایک پولیس انسپکٹر وہاں موجود تھے اور انسپکٹر عمران کو جانتا تھا اس لئے جیسے ہی عمران، بلیک

زیرو اور کمال جھلا ان کے قریب پہنچے تو انسپکٹر نے عمران کو سیلوٹ کیا۔ اس کے ماتحتوں نے بھی اس کی پیروی کی۔ عمران نے انسپکٹر سے حال احوال پوچھا اور پھر وہ تینوں ایک ہیلی کاپٹر میں سوار ہو گئے۔ پائلٹ سیٹ عمران نے ہی سنبھالی اور پھر ہیلی کاپٹر بلند ہوتا چلا گیا۔ کچھ ہی دیر میں وہ ناگان جنگل کے قریب پہنچ گئے۔

''بس سر۔ ہیلی کاپٹر یہیں اتار لیں''...... کمال جھلا نے نیچے دیکھتے ہوئے کہا تو عمران نے ہیلی کاپٹر زمین پر اتار لیا۔ وہاں قریب ہی ایک ریلوے لائن گزر رہی تھی۔ اس سے کچھ فاصلے پر جنگل شروع ہو رہا تھا اور جنگل کے آغاز پر ایک چشمہ تھا۔ فلم کی شوٹنگ کے لئے یہ لوکیشن بہت اچھی تھی۔ عمران اور بلیک زیرو نے ڈیڑھ دو منٹ تک اردگرد کا جائزہ لیا۔ پھر عمران نے بم ٹیسٹ میٹر و مشین آن کی اور میٹر زمین سے لگایا۔ میٹر پر سبز بلب سپارک کرنے لگا۔ جس کا مطلب تھا کہ پچیس مربع فٹ تک زمین کے اندر کوئی بم نہیں ہے۔ اس کے بعد عمران کم از کم سنتالیس فٹ آگے بڑھا اور اس نے ایک بار پھر میٹر زمین پر رکھ دیا۔ آدھ گھنٹے کے اندر اندر انہوں نے جنگل کا سارا حصہ چیک کر لیا لیکن میٹر نے کہیں بھی بم کی نشاندہی نہ کی۔ وہ واپس چشمے کے قریب آ گئے۔ اس کے بعد عمران چیکنگ کرتا ہوا ریلوے ٹریک کی طرف بڑھنے لگا۔ ریلوے لائن کے قریب پہنچ کر عمران نے ایک جگہ میٹر زمین پر رکھا تو سبز بلب کی بجائے میٹر پر سرخ بلب سپارک کرنے لگا۔

''طاہر۔ ایٹم بم مل گیا''...... عمران نے خوشی سے چلاتے ہوئے کہا۔ عمران اس وقت جتنا خوش دکھائی دے رہا تھا بلیک زیرو نے اس سے قبل عمران کو اتنا خوش نہیں دیکھا تھا۔ عمران نے میٹر کی ناب گھمائی اور زمین پر بیٹھ کر آگے بڑھا۔ وہ چار قدم چلا تھا کہ سپارکنگ تیز ہو گئی عمران رک گیا۔ سپارکنگ تیز ہونے کا مطلب یہ تھا کہ وہ بم کی جگہ پر پہنچ گئے ہیں۔ عمران نے پھر ادھر ادھر دیکھا۔ ریلوے لائن اب چار پانچ قدم کے فاصلے پر تھی۔

''طاہر۔ تم نے کھدائی مشین کار سے نکال کر ہیلی کاپٹر میں رکھ دی تھی نا''...... عمران نے پوچھا۔

''جی ہاں۔ میں لاتا ہوں''...... بلیک زیرو نے مؤدبانہ لہجے میں کہا اور پھر وہ ہیلی کاپٹر کی طرف بڑھا۔ چند لمحوں بعد وہ واپس آیا تو اس کے ہاتھ میں کھدائی کی جدید مشین تھی۔ گو کہ یہ مشین چھوٹی تھی لیکن کارکردگی میں بے مثال تھی۔

''دکھاؤ مجھے۔ میں زمین کھودتا ہوں''...... عمران نے بلیک زیرو سے کہا تو بلیک زیرو نے مشین اس کی طرف بڑھا دی۔ عمران نے مشین لی اور زمین کی کھدائی کرنے لگا۔ یہ مشین گھنٹوں کا کام منٹوں میں کر رہی تھی۔ تھوڑی ہی دیر میں وہاں کافی چوڑا اور گہرا گڑھا ہو گیا۔ پھر اچانک عمران کا ہاتھ رک گیا۔ اس کی آنکھوں میں دکھ اور مایوسی کے تاثرات پیدا ہوتے چلے گئے۔ وہ وہیں گڑھے میں بیٹھتا چلا گیا۔

"طاہر۔اب پاکیشیا کا اللہ حافظ ہے"...... عمران کی دکھ میں ڈوبی ہوئی آواز سنائی دی۔ بلیک زیرو نے فوراً ہی گڑھے میں جھانکا۔گڑھے میں جھانک کر اس کی آنکھوں میں نمی سی آ گئی۔ کمال جھلا کو بھی اب صورت حال کا صحیح اندازہ ہو چکا تھا۔ اس نے بلیک زیرو کی آنکھوں میں نمی دیکھی تو اس نے بلیک زیرو کے کاندھے پر ہاتھ رکھا جیسے اس کا حوصلہ بڑھا رہا ہو۔ وہ ایکسٹو کے بارے میں شاید جانتا ہی نہیں تھا۔ اگر پاکیشیا سیکرٹ سروس کے ممبران یا وہ آدمی جو ایکسٹو کے بارے میں جانتا تھا اس لمحے بلیک زیرو کو دیکھ لیتا تو یقیناً وہ حیرت سے مر جاتا۔ پاکیشیا سیکرٹ سروس کے ممبران کبھی تصور بھی نہیں کر سکتے تھے کہ ایکسٹو کی آنکھوں میں بھی نمی آ سکتی تھی۔ وہ تو یہی سمجھتے تھے کہ ایکسٹو کے سینے میں دل نہیں پتھر ہے لیکن اس وقت ایکسٹو موم کی مانند دکھائی دے رہا تھا۔

گڑھے میں ایک ٹائم بم نظر آ رہا تھا اور شاید یہ ٹائم بم کسی ٹرین کو اڑانے کے لئے کسی تخریب کار نے یہاں لگایا تھا۔ بلیک زیرو نے ٹائم بم اٹھا کر دیکھا اور پھر اس نے ٹائم بم ناکارہ کر دیا۔ ایٹم بم کا کچھ پتا نہیں تھا اور نہ ہی اب اس کے ٹریس ہونے کی کوئی امید تھی۔

سورج کافی بلندی پر آ چکا تھا اور پاکیشیا کے لوگ سہمے سے دکھائی دے رہے تھے۔ پورے ملک پر ایک دہشت طاری تھی کیونکہ ڈاکٹر بلیک کی ایٹم بم سے منسلک گھڑی ٹی وی چینل پر نظر آ رہی تھی۔ جس کا واضح مطلب یہی تھا کہ حکومت پاکیشیا ابھی تک ایٹم بم کو تلاش نہیں کر سکی۔ حکومت کی جانب سے بھی مکمل خاموشی ہو گئی تھی۔ ڈاکٹر بلیک کے ہلاک ہوتے ہی دنیا بھر کے سربراہان کی طرف سے مبارک باد کے پیغام آنے لگے تھے۔ ان پیغامات کے ساتھ اکثر ممالک نے اپنے ماہرین بھیجنے کی پیش کش بھی کی تھی اور ایکسٹو کی رضامندی کے بعد صدر مملکت نے یہ پیش کش قبول کر لی تھی۔

یوں چند گھنٹوں کے اندر اندر ماہرین کی درجنوں ٹیمیں پاکیشیا پہنچ گئی تھیں اور انہوں ایٹم بم کی تلاشی کا کام بھی شروع کر دیا تھا لیکن دوسرے ممالک کے چینلز نے حکومت پاکیشیا کی ناکامی کے

تبصرے شروع کر دیئے تھے۔ ان کے مطابق پاکیشائی عوام نے منزل پر پہنچ کر دم توڑا تھا۔ کافرستان کے میڈیا نے اس موقع پر بھی اپنی روایت برقرار رکھی تھی اور وہ ایسے پروگرام پیش کر رہے تھے جس سے پاکیشیا میں خوف و دہشت بڑھ رہی تھی۔ ان کے ایک چینل نے تو خبر نشر کر دی تھی کہ ایٹم بم کی تلاش میں ناکامی پر صدرِ مملکت آف پاکیشیا کو دل کا دورہ پڑ گیا ہے اور صدارتی محل میں ڈاکٹروں کی فوج ان کا علاج کر رہی ہے۔ ایک اسرائیلی چینل نے خبر دی کہ پاکیشیا سیکرٹ سروس کے چیف ایکسٹو اور صدر آف پاکیشیا کے درمیان تلخ کلامی ہو گئی ہے کیونکہ پاکیشیا سیکرٹ سروس ایٹم بم کو تلاش کرنے میں بری طرح ناکام ہو گئی ہے۔

اس قسم کی خبروں اور تبصروں نے پاکیشیا میں طوفان کھڑا کر دیا تھا۔ لوگ دارالحکومت سے ہجرت کرنے لگے۔ وہ لوگ جو سوتے وقت پرامید تھے اب وہ بدحواس ہو چکے تھے۔ وہ سمجھ رہے تھے کہ پاکیشیا سیکرٹ سروس یا حکومت کا کوئی قصور نہیں ہے۔ پاکیشیا سیکرٹ سروس نے تو مجرم کو گرفتار کر لیا تھا۔ اب مجرم کچھ بتانے سے قبل مارا گیا تھا تو اس میں پاکیشیا سیکرٹ سروس کا کیا قصور تھا۔ اب پاکیشیا کا دارالحکومت اور اس سے جڑے ہوئے دیگر شہر بہت وسیع تھے۔

درجنوں جنگل، پہاڑ اور میدان تھے۔ ان سب جگہوں پر اتنے محدود وقت میں چیکنگ کر لینا ممکن نہیں تھا۔ لہٰذا انہیں اپنی حکومت

اور پاکیشیا سیکرٹ سروس سے کوئی گلہ نہیں تھا۔ وہ جانیں بچانے کے لئے ہجرت کر رہے تھے لیکن کچھ لوگ ایسے بھی تھے جو ہجرت کے حق میں نہیں تھے۔ ان کا کہنا تھا کہ اگر ان کی موت آ چکی ہے تو پھر چاہے وہ جہاں بھی چلے جائیں بچ نہیں سکیں گے لیکن اگر ان کی موت نہیں آئی تو پھر دارالحکومت میں رہتے ہوئے بھی کوئی انہیں مار نہیں سکتا۔ ان کا خیال تھا کہ وہ کسی دوسرے شہر میں جائیں تو ہو سکتا ہے کہ ڈاکٹر بلیک نے اسی شہر میں ایٹم بم فٹ کیا ہوا ہو۔ دارالحکومت سے دور دراز علاقوں کے لوگ دارالحکومت میں رہنے والے اپنے عزیزوں اور رشتے داروں کو فون کر کے اپنے ہاں بلا رہے تھے۔

اس وقت پاکیشیا قیامت کا منظر پیش کر رہا تھا ہر طرف افراتفری پھیلی ہوئی تھی۔ جو لوگ دارالحکومت سے ہجرت کر رہے تھے ان کی کوشش تھی کہ وہ جلد سے جلد دارالحکومت کو چھوڑ دیں اور کسی محفوظ علاقے میں پہنچ جائیں لیکن پاکیشیا کا کوئی بھی علاقہ اس وقت محفوظ تصور نہیں کیا جا سکتا تھا۔ پاکیشیا میں کئی شہروں میں دیگیں پکا کر خیرات کی جا رہی تھی اور اس کے ساتھ ساتھ دعائیں مانگی جا رہی تھیں۔ کئی لوگ مساجد میں جا کر بیٹھ گئے تھے۔ انہوں نے اپنے اہل خانہ کو ہدایت کر دی تھی کہ حکومت کی طرف سے جیسے ہی اعلان ہو کہ ایٹم بم تلاش کر کے ناکارہ بنا دیا گیا ہے وہ مسجد میں آ کر یہ خوشخبری انہیں سنا دیں۔ ملک بھر میں لاکھوں دیگیں پکا کر خیرات کی

جا رہی تھی اور دعائیں مانگی جا رہی تھیں کہ اللہ تعالیٰ اس مصیبت کی گھڑی کو ٹال دے۔ ملکی اور غیر ملکی میڈیا نے ماحول کو اتنا خوفزدہ بنا دیا تھا کہ وہ لوگ بھی سجدے میں گرے ہوئے تھے جنہوں نے کبھی نماز عید بھی ادا نہیں کی تھی۔ بس اس وقت پاکیشیا میں ایک عجیب سا عالم تھا۔ فضا میں خوف و امید کی آمیزش تھی۔ پھر ٹی وی چینلز نے ماہرین کی ان ٹیموں کو براہ راست دکھانا شروع کر دیا جو ایٹم بم کو ٹریس کر رہی تھیں۔ سینکڑوں مشینیں حرکت میں تھیں۔ سرکاری و غیر سرکاری وسائل اور ذرائع استعمال کئے جا رہے تھے۔ ملٹی نیشنل کمپنیاں اور این جی اوز بھی متحرک ہو چکی تھیں لیکن ابھی تک ایٹم بم ٹریس نہیں ہو سکا تھا۔ عمران اور بلیک زیرو ناگان جنگل سے ناکام واپسی کے بعد دانش منزل پہنچ چکے تھے۔ کمال جھلا کو انہوں نے گریٹ پارک میں ہی چھوڑ دیا تھا۔

''عمران صاحب۔ میں چائے بنا کر لاتا ہوں''...... آپریشن روم میں پہنچ کر بلیک زیرو نے کہا۔ عمران نے اس کی بات کا کوئی جواب نہ دیا۔ بلیک زیرو کچن میں چلا گیا اور چائے بنا لایا۔ چائے کے ساتھ وہ بسکٹ بھی لے آیا تھا۔ اس نے چائے اور بسکٹ عمران کے سامنے رکھ دیئے۔

''عمران صاحب۔ کیا آپ مایوس ہو چکے ہیں''...... بلیک زیرو نے چائے پینے کے دوران پوچھا۔

''مایوسی کو گناہ کہا جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ ہمیں گناہوں سے

بچائے۔ میں ہرگز ہرگز مایوس نہیں ہوں۔ بس سوچ رہا ہوں کہ ڈاکٹر بلیک یہ تصویر اپنے ساتھ کیوں لایا تھا''...... عمران نے کہا۔ پھر اس سے پہلے کہ بلیک زیرو اس کی بات کے جواب میں کچھ کہتا ٹیلی فون کی گھنٹی بجنے لگی۔

''ایکسٹو''...... عمران نے رسیور اٹھا کر کان سے لگایا اور ایکسٹو کے مخصوص لہجے میں بولا۔

''میں سلطان بول رہا ہوں طاہر بیٹے۔ کیا عمران موجود ہے''۔ دوسری طرف سے سرسلطان کی آواز سنائی دی۔

''تو آپ کا کیا خیال ہے کہ میں دارالحکومت سے فرار ہو چکا ہوں۔ بائی دا دے۔ آپ کس شہر سے بول رہے ہیں''۔ عمران نے کہا۔ کافی دیر کے بعد اس کے چہرے پر مسکراہٹ آئی تھی۔

میں بھی دارالحکومت میں ہی ہوں۔ میں نے بھاگ کر کہاں جانا ہے''...... سرسلطان نے کہا۔

''کیا آپ کو موت سے ڈر نہیں لگتا۔ موت اب چند گھنٹوں کی دوری پر ہے''...... عمران نے کہا۔

''میں اپنی زندگی جی چکا ہوں عمران بیٹے۔ اور اگر اب میری موت آ گئی ہے تو میں دنیا کے کسی حصے میں بھی چلا جاؤں موت کے فرشتے نے مجھے نہیں چھوڑنا۔ تم اپنی فکر کرو''...... سرسلطان کی آواز سنائی دی۔

''میں تو فکر میں مبتلا ہوں۔ آ کر دیکھیں کہ میں کتنا دبلا ہو گیا

ہوں''...... عمران نے کہا۔

''میں چشم تصور سے دیکھ رہا ہوں عمران بیٹے کہ تم واقعی فکر میں بہت دبلے ہو گئے ہو لیکن یہ فکر تمہیں اپنی نہیں ہے بلکہ پاکیشیا کے معصوم اور بے گناہ لوگوں کی ہے۔ اب تم بتاؤ کہ ایٹم بم کو تلاش کرنے کے لئے تم نے کیا کیا ہے''...... دوسری طرف سے سرسلطان نے سنجیدہ لہجے میں کہا۔

''ڈاکٹر بلیک کی جیب سے ایک تصویر برآمد ہوئی تھی۔ میں نے اس کے مطابق ایٹم بم ٹریس کرنے کی کوشش کی ہے لیکن مجھے ناکامی ہوئی ہے''...... عمران نے کہا۔

''عمران بیٹے۔ تمہیں معلوم ہے کہ اس وقت دنیا بھر کے اربوں مسلمان دل سے پاکیشیا کی سلامتی کے لئے دعائیں مانگ رہے ہیں۔ اللہ تو اپنے ایک بندے کی دل سے نکلی ہوئی دعا رد نہیں کرتا تو پھر اربوں بندوں کی دعائیں کیسے رد کرے گا۔ مجھے یقین ہے عمران بیٹے کہ تم ناکام نہیں ہو سکتے۔ اللہ تعالیٰ تمہیں ضرور کامیابی سے ہمکنار کرے گا۔ ابھی وقت ہے تم کوشش جاری رکھو''۔ سرسلطان نے کہا۔

''آپ بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ ہماری کوششیں جاری ہیں۔ آپ دعائیں جاری رکھیں''...... عمران نے ایک نئے عزم کے ساتھ کہا۔

''او کے۔ اللہ حافظ''...... دوسری طرف سے سرسلطان نے کہا

اور پھر کال منقطع ہو گئی تو عمران نے بھی رسیور رکھ دیا۔

''عمران صاحب۔ سرسلطان کی باتوں سے تو ایک نیا حوصلہ پیدا ہوا ہے''...... بلیک زیرو نے کہا۔

''ہاں۔ بزرگ ہمیشہ حوصلہ بڑھاتے ہیں''...... عمران نے کہا اور پھر اس نے رسیور اٹھایا اور نمبر پریس کرنے لگا۔

''جولیا سپیکنگ''...... رابطہ ہونے پر دوسری طرف سے جولیا کی آواز سنائی دی۔

''ایکسٹو''...... عمران نے ایکسٹو کے مخصوص لہجے میں کہا۔

''یس چیف۔ حکم''...... دوسری طرف سے جولیا نے مؤدبانہ لہجے میں کہا۔

''تمام ممبران کو ہدایت کر دو کہ وہ تمام دارالحکومت میں پھیل جائیں اور حالات پر نظر رکھیں۔ ممکن ہے کہ انہیں ایٹم بم کے بارے میں کوئی اطلاع مل جائے''...... عمران نے کہا۔

''او کے چیف''...... جولیا نے کہا تو عمران نے رسیور کریڈل پر رکھ دیا۔

''عمران صاحب۔ ڈاکٹر بلیک کے ساتھ جو لوگ آئے ہیں آپ ان سے تو پوچھ گچھ کریں۔ ہو سکتا ہے کہ ان سے کوئی اشارہ مل جائے''...... بلیک زیرو نے کہا۔

''امید تو نہیں ہے لیکن پوچھ گچھ کرنی پڑے گی۔ ہو سکتا ہے کہ کچھ معلوم ہو ہی جائے''...... عمران نے کہا۔

”عمران صاحب۔ کوشش کرنا ہمارا کام ہے اس لئے ہمیں کوشش کرتے رہنا چاہئے“...... بلیک زیرو نے کہا۔

”اوکے۔ میں سنٹرل انٹیلی جنس کے ہیڈکوارٹر جا رہا ہوں“۔ عمران نے کرسی سے اٹھتے ہوئے کہا اور پھر وہ آپریشن روم سے باہر نکلتا چلا گیا۔

اس نے ڈاکٹر بلیک کے تمام گرفتار شدہ ساتھیوں سے پوچھ گچھ کی لیکن ان میں سے کسی کو بھی ایٹم بم کے بارے میں معلوم نہیں تھا۔ عمران وہاں سے اٹھ کر سیکرٹریٹ گیا۔ وہاں سے اس نے باہر سے آنے والے ماہرین کے بارے میں معلومات حاصل کیں اور پھر وہ ماہرین کے ساتھ چیکنگ کرنے لگا۔ وہ کبھی ایک ٹیم کے ساتھ شامل ہو جاتا تو کبھی دوسری کے ساتھ۔ تمام دن یونہی گزر گیا۔ رات ہو گئی۔ اب دارالحکومت پر سناٹا چھا گیا تھا۔ شام سے پہلے تک بہت سے لوگوں کو امید تھی لیکن جیسے ہی سورج نے ڈھلنا شروع کیا۔

لوگوں کی امیدوں کے چراغ بھی گل ہونے لگے۔ میڈیا نے اعلان کر دیا کہ اب پاکیشیا کے بچنے کی کوئی امید نہیں اس لئے لوگ دارالحکومت چھوڑ کر جا رہے تھے۔ رات ہونے پر دوسرے ممالک سے آئے ہوئے ماہرین کی واپسی کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ وہ لوگ مایوس ہو گئے تھے اور اب چونکہ ایٹم بم کے پھٹنے میں بہت کم وقت رہ گیا تھا اس لئے وہ پاکیشیا سے نکل جانا چاہتے تھے تاکہ وہ محفوظ

رہ سکیں۔ انہوں نے دیکھ لیا تھا کہ موت نے اپنے سیاہ پر کھول دیئے تھے اور پاکیشیا پر موت کے ان سیاہ پروں کا سایہ پھیل چکا تھا اور اب پاکیشیا کو تباہی سے کوئی نہیں بچا سکتا تھا۔ عمران تمام دن کے جدوجہد کے بعد دانش منزل کے آپریشن روم میں داخل ہوا تو بلیک زیرو حسب معمول اس کے احترام میں کھڑا ہو گیا۔ عمران بہت تھکا ہوا دکھائی دے رہا تھا۔ عمران کے چہرے کو دیکھتے ہی بلیک زیرو نے اندازہ لگا لیا کہ عمران نے سارا دن کچھ نہیں کھایا پیا۔ عمران اپنی کرسی پر بیٹھا تو بلیک زیرو اس کے لئے چائے بنانے چلا گیا جبکہ اسی لمحے ٹیلی فون کی گھنٹی بجنے لگی۔

”ایکسٹو“...... عمران نے رسیور اٹھا کر کان سے لگایا اور ایکسٹو کے مخصوص لہجے میں کہا۔

”باس۔ جولیا بول رہی ہوں“...... دوسری طرف سے جولیا کی آواز سنائی دی۔

”یس جولیا۔ کس لئے فون کیا ہے“...... عمران نے مخصوص لہجے اور انداز میں کہا۔

”چیف۔ اس وقت تمام ممبرز میرے فلیٹ میں جمع ہیں اور آپ کے حکم کے منتظر ہیں“...... دوسری طرف سے جولیا نے مؤدبانہ لہجے میں کہا۔

”جولیا۔ بحیثیت مسلمان ہماری امیدیں اب بھی قائم ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ ابھی تک ایٹم بم ٹریس نہیں ہو سکا اور ہم کسی خوش

فہمی کا شکار بھی نہیں ہیں۔ لہٰذا اگر تم میں سے کوئی یا تم سب دارالحکومت چھوڑنا چاہتے ہو تو تمہیں اجازت ہے۔ جہاں جانا چاہو چلے جاؤ اور اس مقصد کے لئے اگر تم لوگ ہیلی کاپٹر استعمال کرنا چاہو تو دانش منزل کے ہیلی پیڈ پر آ جاؤ۔ تمہیں ہیلی کاپٹر استعمال کرنے کی بھی اجازت ہے''...... عمران نے سپاٹ لہجے میں کہا۔

''نو چیف۔ ایسا نہیں ہو گا۔ ہم سب اس موضوع پر پہلے ہی بات کر چکے ہیں۔ ہمارا مشترکہ فیصلہ یہ ہے کہ ہم مصیبت کی اس گھڑی میں اپنے دارالحکومت کو تنہا نہیں چھوڑیں گے۔ ہمیں دارالحکومت سے محبت ہے۔ دارالحکومت پر جو مصیبت آئے گی وہی مصیبت ہم پر بھی آئے گی''...... جولیا نے جذباتی لہجے میں کہا۔

''جولیا۔ تم یہ کیوں بھول رہی ہوں کہ سیکرٹ ایجنٹ کو جذباتی نہیں ہونا چاہئے''...... عمران نے کرخت لہجے میں کہا۔

''ج۔ ج۔ جی۔ چچ۔ چیف''...... جولیا نے بری طرح ہکلاتے ہوئے کہا۔ اس کے تو تصور میں بھی نہیں تھا کہ ایکسٹو ایسے موقع پر بھی یہ بات کہہ سکتا ہے۔

''ہاں۔ سیکرٹ ایجنٹ آخری سانس تک حالات سے مایوس نہیں ہوتا اور اپنا فرض ادا کرتا رہتا ہے اور ملک کی سلامتی کے لئے جدوجہد کرنا ہمارا اولین فرض ہے۔ لہٰذا ہم لوگوں نے یہ فرض آخری سانس تک ادا کرنا ہے''...... عمران نے کہا اور پھر اس نے رسیور کریڈل پر رکھ دیا۔ رسیور کریڈل پر رکھنے کے بعد عمران نے ڈاکٹر

بلیک کی جیب سے برآمد ہونے والی تصویر اپنے سامنے ٹیبل پر رکھی اور اسے گھورنے لگا۔ بلیک زیرو اس دوران چائے اور سلائس بنا لایا۔ حالات کی وجہ سے ابھی تک عمران کو بھوک تو نہیں لگی تھی۔ اس کے باوجود بھی عمران نے دو سلائس کھا لئے اور چائے پینے لگا۔ اس دوران عمران کی نظریں مسلسل تصویر پر تھیں اور وہ یہ سوچ رہا تھا کہ اگر اس تصویر کا ایٹم بم سے تعلق نہیں ہے تو پھر ڈاکٹر بلیک اسے خصوصی طور پر اپنے ساتھ کیوں لایا تھا۔

''عمران صاحب۔ بڑے ہدایت کار عموماً تین تین چار چار فلموں کی ہدایات بیک وقت دے رہے ہوتے ہیں اور ان کا طریقہ کار یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے اسسٹنٹ کو کام سمجھا کر دوسری فلم کے سیٹ پر چلے جاتے ہیں اور پھر وہاں تیسری فلم کی شوٹنگ پر۔ یوں کام ان کے اسسٹنٹ کرتے ہیں اور نام ان کا چلتا ہے''...... بلیک زیرو نے کہا تو عمران اس کی بات سن کر اچھل پڑا۔ اس کی آنکھوں میں یکدم چمک پیدا ہو گئی۔ پھر اس کا ہاتھ تیزی سے رسیور کی طرف بڑھا اور اس نے رسیور اٹھا کر نمبرز پریس کئے۔

''ایکسٹو''...... جیسے ہی دوسری طرف سے رسیور اٹھایا گیا عمران نے تیز لہجے میں کہا۔

''لیس چیف جولیا۔ سپیکنگ''...... دوسری طرف سے جولیا کی مؤدبانہ آواز سنائی دی۔

''جولیا۔ تم اپنے ساتھ تنویر اور صفدر کو گرین اسٹوڈیو لے جاؤ۔

ہدایت کار کمال جھلا اور فلم ''لو ان جنگل'' کے اسسٹنٹ ہدایت کار اور کیمرہ مین کو ہر حال میں دانش منزل کے ڈارک روم میں پہنچا دو۔ چاہے وہ جہاں کہیں بھی ہوں اور اس کام کے لئے تمہارے پاس صرف ایک گھنٹہ ہے''...... عمران نے بدستور تیز لہجے میں کہا اور پھر اس نے جولیا کا جواب سنے بغیر رسیور رکھ دیا۔ تقریباً چالیس منٹ بعد ٹیلی فون کا گھنٹی بجی تو ان دونوں نے سی ایل آئی کی طرف دیکھا۔ جولیا کے سیل فون کا نمبر فلیش ہو رہا تھا۔

''ایکسٹو''...... عمران نے رسیور اٹھا کر کان سے لگاتے ہوئے ایکسٹو کے مخصوص لہجے میں کہا۔

''چیف۔ جولیا بول رہی ہوں۔ تینوں مطلوبہ افراد اس وقت ہماری تحویل میں ہیں اور ہم دانش منزل کی طرف آ رہے ہیں''۔ جولیا کی آواز سنائی دی۔

''اوکے۔ عمران بھی ڈارک روم میں پہنچ چکا ہے۔ وہی ان سے پوچھ گچھ کرے گا''...... عمران نے ایکسٹو کے لہجے میں کہا اور پھر اس نے رسیور رکھ دیا۔ اس کے بعد وہ اٹھا اور ڈارک روم میں آ گیا۔ تھوڑی دیر ہی گزری تھی کہ ڈارک روم میں صفدر، تنویر اور جولیا داخل ہوئے۔ صفدر اور تنویر کے کاندھوں پر ایک ایک بے ہوش آدمی تھا۔ انہوں نے بے ہوش آدمیوں کو کرسیوں پر ڈالا اور تنویر ڈارک روم سے باہر چلا گیا۔

''صفدر۔ انہیں ہوش میں لے آؤ''...... عمران نے سنجیدہ لہجے

میں کہا تو صفدر آگے بڑھا اور اس نے کمال جھلا کے منہ اور ناک پر ہاتھ رکھ دیا۔ اس کے جسم میں جھٹکا لگا تو صفدر نے اسے چھوڑا اور دوسرے آدمی کی طرف بڑھا۔ اس نے دوسرے آدمی کے ساتھ بھی وہی سلوک کیا۔ اس دوران تنویر پھر ڈارک روم میں داخل ہوا۔ اس نے تیسرے آدمی کو کاندھے پر اٹھایا ہوا تھا۔ تنویر نے اسے بھی کرسی پر پھینکا اور پھر اس کے منہ اور ناک پر ہاتھ رکھ دیا۔

''تت۔ تت۔ تم۔ یا۔ یعنی کہ آپ۔ ہم۔ ہم کہاں ہیں''۔ کمال جھلا نے ہوش میں آتے ہی کہا۔

''تم اس وقت ہمارے ہیڈکوارٹر میں ہو اور تمہارے جھوٹ کی وجہ سے تباہی پاکیشیا کے سر پر پہنچ چکی ہے۔ کروڑوں معصوم اور بے گناہ لوگ موت کے سمندر میں غرق ہونے والے ہیں''...... عمران نے سرد لہجے میں کہا۔

''میں نے کوئی جھوٹ نہیں بولا۔ آپ خود چیکنگ کر چکے ہیں''...... کمال جھلا نے احتجاجی لہجے میں کہا۔

''بکواس بند کرو۔ اس سین کا تعلق ایٹم بم سے ہے۔ بتاؤ یہ سین کہاں فلمایا تھا''...... عمران نے کہا۔

''یہ سین ناگان جنگل میں ہی فلمایا گیا ہے''...... کمال جھلا نے بااعتماد لہجے میں کہا۔

''یہ سین تمہاری آنکھوں کے سامنے فلمایا گیا تھا''...... عمران نے تیز لہجے میں پوچھا۔

"اس سین کی ریکارڈنگ کی مکمل تیاری کے بعد میں دوسری شوٹنگز پر چلا گیا تھا۔ یہ سین جمشید جیلانی نے شوٹ کیا ہے"۔ کمال جھلا نے اپنے ساتھی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"یہ جمشید جیلانی ہے تمہارا اسسٹنٹ اور یہ "لو ان جنگل" کا کیمرہ مین ہے"...... عمران نے اس کے ساتھیوں کے بارے میں پوچھا۔

"یس"...... کمال جھلا نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔

"تم بتاؤ جمشید جیلانی۔ تم نے یہ سین کہاں شوٹ کیا ہے"۔ عمران نے سخت لہجے میں جمشید جیلانی سے کہا۔

"سر۔ ہم نے یہ سین ناگان جنگل میں ہی شوٹ کیا ہے"۔ جمشید جیلانی نے کہا۔ جیسے ہی اس کا جملہ مکمل ہوا۔ اس کی چیخ بھی بلند ہو گئی کیونکہ عمران کا بھرپور تھپڑ اس کے منہ پر پڑا تھا۔ وہ الٹ کر کرسی سے نیچے گرا اور اس کا ہونٹ پھٹ گیا۔

"کھڑے ہو جاؤ جمشید جیلانی"...... عمران نے سرد لہجے میں کہا تو وہ کھڑا ہو گیا۔

"میرے ہاتھ میں ریوالور ہے اور یہ ریوالور فلموں کی شوٹنگ میں استعمال ہونے والا نہیں ہے۔ یہ بالکل اوریجنل ریوالور ہے اس کی ایک گولی تمہارا خاتمہ کر سکتی ہے۔ لہٰذا سچ سچ بتاؤ کہ تم نے یہ سین کہاں شوٹ کیا ہے"...... عمران نے سرد لہجے میں کہا۔

"میری بات کا یقین کریں جناب۔ یہ سین"...... اس کی بات

مکمل ہی نہیں ہوئی تھی کہ اس کے منہ سے ایک بار پھر چیخ نکل گئی۔ اس مرتبہ ایک دھماکا بھی ہوا تھا۔ یہ دھماکا عمران کے ریوالور سے ہوا تھا۔ گولی جمشید جیلانی کے کان کے قریب سے گزر گئی تھی۔ جمشید کی چیخ کے ساتھ ساتھ اس کا ایک ہاتھ اپنے کان پر چلا گیا تھا۔

"جمشید جیلانی۔ ہم لوگوں کے نشانے خطا نہیں ہوتے۔ میں نے تمہیں ایک موقع دیا ہے۔ دوسری گولی تمہاری کھوپڑی کے ٹکڑے کر دے گی"...... عمران نے کرخت لہجے میں کہا۔

"سس۔ سس۔ سر۔ کم۔ کم ۔ کمال صاحب بہت سخت طبیعت کے ہیں۔ اس لئے مجھے جھوٹ بولنا پڑا۔ شوٹنگ کے بعد جب یونٹ واپس آ گیا تھا تو اس سین میں تکنیکی غلطی تھی۔ اب دوبارہ یونٹ کے ساتھ ناگان جنگل جانا بہت مہنگا تھا اور یہ سین بھی صرف تیس چالیس سیکنڈ کا تھا۔ اس لئے میں نے انہیں بتائے بغیر یہ سین دوبارہ سٹوڈیوز میں شوٹ کر لیا"...... جمشید جیلانی نے خوفزدہ لہجے میں جواب دیا تو عمران نے ایک طویل سانس لیا۔

"اگر تم یہ بات پہلے بتا دیتے تو ہمیں اتنی پریشانیوں سے نہ گزرنا پڑتا"...... کمال جھلا نے اپنے اسسٹنٹ کو گالیاں دیتے ہوئے کہا۔ اس کے ساتھ ہی عمران کی نظر گھڑی کی طرف گئی۔ ایٹم بم پھٹنے میں اب صرف پینتالیس منٹ باقی تھے۔

"چلو۔ دکھاؤ ہمیں وہ جگہ۔ جہاں تم نے یہ سین شوٹ کیا

ہے''...... عمران نے تیز لہجے میں کہا۔ پھر تین کاریں تیز رفتاری سے گرین اسٹوڈیوز کی طرف بڑھنے لگیں۔ سڑک پر چونکہ ایک بھی گاڑی دکھائی نہیں دے رہی تھی لہٰذا ان کی کاریں طوفانی رفتار سے چل رہی تھیں۔ تھوڑی ہی دیر میں وہ اسٹوڈیوز پہنچ گئے۔ اسٹوڈیوز کے مین گیٹ پر بڑا تالا لگا ہوا تھا۔ گیٹ کے قریب بنچ تو رکھا ہوا تھا لیکن سیکورٹی گارڈ موجود نہیں تھا۔ عوام کی اکثریت کی طرح سیکورٹی گارڈ بھی دارالحکومت چھوڑ کر جا چکا تھا۔ وہ سب کاروں سے نیچے اترے اور گیٹ کے قریب پہنچ گئے۔

''میں ملک صاحب کو فون کرتا ہوں۔ وہ ابھی آ جائیں گے''۔ کمال جھلا نے کہا اور اپنی جیب سے سیل فون نکالا اور نمبرز پریس کرنے لگا۔ نمبرز پریس کرنے کے بعد اس نے کال او کے کا بٹن پریس کیا اور سیٹ کان سے لگا لیا۔

''بیل جا رہی ہے''...... کمال جھلا نے سیل فون کان سے لگاتے ہوئے کہا۔

''فون کوئی نہیں اٹھا رہا۔ لگتا ہے کہ سب لوگ شہر چھوڑ گئے ہیں''...... تھوڑی دیر بعد کمال جھلا نے کہا۔ عمران کے لئے ایک ایک لمحہ قیمتی تھا۔ اب بات گھنٹوں کی نہیں بلکہ منٹوں کی رہ گئی تھی۔

''میں سیل فون پر کال کرتا ہوں''...... کمال جھلا نے کہا اور دوبارہ نمبر پریس کرنے لگا۔

''رہنے دو۔ اتنا وقت نہیں ہے کہ ہم فون کرتے رہیں۔ تنویر۔

تالا توڑ دو''...... عمران نے کرخت لہجے میں پہلے کمال جھلا سے اور پھر تنویر سے کہا تو تنویر نے جیب سے ریوالور نکالا اور اس نے نال ''کی ہول'' سے لگا کر ٹریگر دبا دیا۔ بڑے تالے کے پرخچے اڑ گئے۔ تنویر نے گیٹ کو ٹھوکر ماری تو گیٹ زور دار دھماکے سے کھل گیا۔ وہ سب دوبارہ کاروں میں بیٹھے اور کاریں سٹوڈیو میں داخل ہو گئیں۔

''کہاں ہے وہ جگہ''...... عمران نے بے چینی سے جمشید جیلانی سے پوچھا۔

''اس طرف چلیں سر''...... جمشید جیلانی نے ایک طرف ہاتھ کا اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ عمران نے کار اس طرف موڑ دی۔ جلد ہی وہ درختوں کے ایک جھنڈ کے قریب پہنچ گئے یہ ایک چھوٹا سا جنگل تھا۔ عمران جانتا تھا کہ فلم سٹوڈیوز میں جنگل، میدان، شہر، گاؤں وغیرہ کا ماحول موجود ہوتا ہے۔ اس لئے زیادہ تر فلمیں سٹوڈیوز میں بنائی جاتی ہیں۔ اس طرح سے فلمیں کم بجٹ میں تیار ہو جاتی ہیں۔ البتہ بھاری بجٹ کی فلموں کی شوٹنگ دور دراز کے علاقوں میں ہی کی جاتی ہے۔

''بس سر۔ کار یہیں روک لیں''...... جمشید جیلانی کے کہنے پر عمران نے کار روک لی۔ پھر وہ سب ہی کاروں سے نیچے اترے۔ ان سب کے دلوں کی دھڑکن انتہائی تیز ہو چکی تھی کیونکہ اب وقت بہت ہی کم رہ گیا تھا۔ انہیں جانوں کی پرواہ نہیں تھی۔ انہیں فکر تھی تو

پاکیشیا کی تھی۔ گو کہ دارالحکومت کی آبادی کا پچانوے فیصد سے زائد حصہ ہجرت کر چکا تھا لیکن اس کے باوجود دارالحکومت کا تباہ ہونا پاکیشیا کی ریڑھ کی ہڈی کے ٹوٹنے کے برابر تھا۔ تابکاری اثرات کئی سالوں تک رہنے تھے۔ تباہی صرف دارالحکومت تک محدود نہیں رہنی تھی بلکہ دارالحکومت کے جڑواں شہروں نے بھی تباہ ہو جانا تھا۔

''سر۔ یہ سین یہاں شوٹ ہوا ہے''...... جمشید جیلانی نے ایک جگہ کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ عمران نے اثبات میں سر ہلایا۔ پھر اس نے اپنی کار میں سے بم ٹیسٹ میٹر اور مشین نکالی اور زمین چیک کرنے لگا۔ جلد ہی میٹر پر سرخ بلب جل اٹھا اور سپارکنگ کرنے لگا۔ سرخ لائٹ کو دیکھتے ہی بے اختیار عمران کے منہ سے نعرہ تکبیر بلند ہوا۔ اربوں مسلمانوں کے سجدے بار آور ثابت ہوئے تھے اور دعائیں قبول ہو گئی تھیں۔

عمران نے کھدائی کی جدید مشین اٹھائی اور کھدائی کرنے لگا۔ جلد ہی ایک پائپ نمودار ہو گیا۔ پھر تھوڑی سی مزید کوشش کے بعد ایک بڑی ٹنکی برآمد ہو گئی جس کے ساتھ مختلف میٹر لگے ہوئے تھے اور اس کے ساتھ شیشے کا ایک سلنڈر بھی منسلک تھا۔ ٹنکی کے اوپر ایک گھڑی بھی لگی ہوئی تھی۔ یہ وہی گھڑی تھی جو ٹی وی چینلز پر دکھائی دے رہی تھی۔ ان کے ساتھ ہی ویژن کنٹرول سسٹم کا جال بچھا ہوا تھا۔ یہ وہ ایٹم بم تھا جو پاکیشیا کی تباہی کے لئے نصب کیا گیا تھا۔ اگلے ہی لمحے عمران نے جیب سے اپنا سیل فون سیٹ نکالا

اور تیزی سے نمبرز پریس کرنے لگا۔

''یس عمران بیٹے۔ کیا ایٹم بم ٹریس ہوا''...... دوسری طرف سے فوراً ہی سرداور کی آواز سنائی دی۔

''جی ہاں سرداور۔ ایٹم بم گرین سٹوڈیوز میں نصب ہے اور میں نے کھدائی کر کے اسے برآمد کر لیا ہے۔ اب اس کے پھٹنے میں صرف پندرہ منٹ باقی ہیں۔ اب اگر آپ یہاں پہنچ کر اسے ناکارہ کر سکتے ہیں تو آ جائیں''...... عمران نے کہا اور اس کے ساتھ ہی اس نے کال کاٹ دی۔

''سس۔ سس۔ سر۔ ہم۔ ہمیں اجازت ہے''...... کمال جھلا نے انتہائی وحشت زدہ لہجے میں کہا۔ ایٹم بم دیکھ کر کمال جھلا، جمشید جیلانی اور کیمرہ مین انتہائی خوف زدہ ہو گئے تھے۔

''ہاں۔ تم لوگ جتنی دور جا سکتے ہو چلے جاؤ۔ ہماری ایک کار لے جاؤ''...... عمران نے سنجیدہ لہجے میں کہا۔

''شش۔ شش۔ شکریہ۔ سر''...... کمال جھلا نے کہا اور پھر وہ تینوں تیزی سے ایک کار کی طرف بڑھے۔ اگلے ہی لمحے کار آندھی اور طوفان کی مانند بیک ہوئی، پھر سیدھی ہوئی اور پھر گیٹ کی طرف بڑھی اور دیکھتے ہی دیکھتے نظروں سے اوجھل ہو گئی۔ پھر دس منٹ ہی گزرے تھے کہ دو بڑی جیپیں وہاں پہنچ گئیں۔ ان جیپوں سے سرداور اور تقریباً پندرہ افراد اور نیچے اترے۔ ان میں سے دس افراد سائنس دان تھے۔ وہ ایٹم بم ناکارہ بنانے والی مشینری ساتھ

لائے تھے۔ سرداور اور دیگر سائنس دانوں نے ایٹم بم کا معائنہ کیا اور پھر ان سب کی آنکھوں میں اندھیرا چھانے لگا۔ سبھی کے چہرے موت کے خوف سے سیاہ پڑ گئے۔ ان میں سے تین سائنس دان تو نیچے گرے اور ساکت ہو گئے۔ وہ نجانے بے ہوش ہوئے تھے یا ان کے دلوں کی دھڑکن ہی تھم گئی تھی۔ جولیا، تنویر اور صفدر کے لئے ان کا یہ عمل نہایت حیران کن تھا لیکن عمران کو اسی بات کی توقع تھی کیونکہ اس نے بھی ایٹم بم کا معائنہ کیا تھا۔ ایٹم بم کے ساتھ شیشے کا سلنڈر لگا ہوا تھا۔

اس شیشے کے سلنڈر کے ساتھ مشین لگی ہوئی تھی اور اس مشین سے ایک تار نکل کر گھڑی سے منسلک ہو رہی تھی۔ اب اس کا انتظام کچھ یوں تھا کہ آخری گھنٹے میں اس مشین سے ایک گیس نکل کر اس سلنڈر میں بھرنا شروع ہو جاتی اور وقت مکمل ہونے پر سلنڈر نے گیس سے بھر جانا تھا اور اس گیس کے بھرتے ہی سلنڈر نے پھٹ جانا تھا اور جیسے ہی سلنڈر نے پھٹنا تھا ایٹم بم نے بھی اسی کے ساتھ پھٹ جانا تھا۔ ایٹم بم اور سلنڈر جڑے ہوئے تھے اور انہیں الگ کرنے کا وقت نہیں تھا۔ الگ کرنے کی کوشش میں بھی سلنڈر پھٹ جانا تھا۔ اس پریشانی کے باوجود بھی سرداور اور دیگر سائنس دانوں نے اپنی کوشش شروع کر دی۔ انہوں نے مختلف شعاعیں سلنڈر پر پھینکیں لیکن ان شعاعوں سے کچھ بھی نہ ہوا۔ عمران نے گھڑی پر نظر دوڑائی اب بم پھٹنے میں صرف دو منٹ بچ

گئے تھے۔ مزید ایک منٹ تک کوششیں کرتے رہنے کے بعد سائنس دان پیچھے ہٹ گئے۔ ان کی آنکھیں بجھ گئی تھیں۔ ان کی زبانوں سے کلمہ طیبہ جاری ہو گیا تھا کیونکہ انہیں اپنی موت کا یقین ہو گیا تھا۔ جولیا، صفدر اور تنویر نے ان کی یہ حالت دیکھی اور انہیں کلمہ طیبہ پڑھتے دیکھا تو وہ بھی کلمہ طیبہ پڑھنے لگے۔ عمران نے جیب سے ریوالور نکالا اور پھر اس نے غم اور غصے کی حالت میں گھڑی پر فائر کر دیا۔ جس پر صرف پچاس سیکنڈ باقی تھے۔ اس کے بعد عمران نے ریوالور پھینکا اور کلمہ طیبہ پڑھتے ہوئے وہ زمین پر لیٹ گیا۔ وہ سب افراد زور زور سے کلمہ طیبہ پڑھتے ہوئے زمین پر لیٹ گئے۔ انہوں نے اپنی آنکھیں بند کر لیں اور خود کو اللہ تعالیٰ کے سامنے محسوس کرنے لگے۔

ایک ایک سیکنڈ قیامت بن کر گزر رہا تھا۔ پھر کافی دیر گزر گئی لیکن دھماکا نہ ہوا۔ وہ دھماکے کا انتظار کرتے رہے۔ صرف پچاس سیکنڈ باقی تھے۔ تو کیا اب تک وہ پچاس سیکنڈ پورے نہیں ہوئے تھے۔ عمران نے آہستہ سے سر اٹھا کر دیکھا۔ وہ سبھی صحیح سالم تھے۔ عمران نے اپنی ریسٹ واچ پر نظر ڈالی۔ تین منٹ زیادہ ہو گئے تھے۔ عمران اٹھ کر کھڑا ہوا تو اس کی حرکت دوسروں نے بھی محسوس کر لی۔ وہ سبھی کھڑے ہو گئے۔ انہوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ پھر ایٹم بم کی طرف دیکھا اور پھر سرداور عمران کی طرف بڑھے اور اسے سینے سے لگا لیا۔

''تم گریٹ ہو عمران بیٹے۔ گریٹ''...... سر داور نے خوشی سے معمور اور جذباتی آواز میں کہا۔

''مم۔ مم۔ میں۔ لل۔ لیکن۔ کیوں سر داور''...... عمران نے بوکھلائے ہوئے لہجے میں کہا۔

''عمران بیٹے۔ تم نے گھڑی تباہ کر کے سارا نظام ہی روک دیا اور جیسے ہی گھڑی کا نظام رکا سوئی آگے بڑھنے سے رک گئی ہے۔ جیسے ہی سوئی رکی مشین سے گیس کی سپلائی رک گئی اور سلنڈر پھٹنے سے بچ گیا ہے اور سلنڈر پھٹنے سے بچا ہے تو ایٹم بم بھی پھٹنے سے بچ گیا ہے''...... سرداور نے تفصیل بتاتے ہوئے کہا۔ سرداور کی بات سنتے ہی وہاں موجود تمام افراد دیوانہ وار عمران سے لپٹ گئے۔

سیکرٹ سروس کے تمام ممبران اس وقت دانش منزل کے میٹنگ ہال میں موجود تھے۔ ایکسٹو نے خصوصی طور پر میٹنگ طلب کی تھی۔ وہ سب مؤدبانہ انداز میں بیٹھے ہوئے تھے جبکہ عمران حسب عادت اپنی کرسی پر سویا ہوا تھا۔ اس کے خراٹے ہال میں گونج رہے تھے لیکن آج تنویر اسے غصے سے نہیں دیکھ رہا تھا کیونکہ عمران کے عمل سے ایٹم بم پھٹنے سے بچ گیا تھا۔

''السلام علیکم ممبرز''...... اچانک ہی ہال میں ایکسٹو کی آواز گونجی اور سب ممبران وعلیکم السلام کہہ کر مستعد ہو گئے۔ جبکہ عمران بدستور خراٹے لیتا رہا۔

''عمران''...... ایکسٹو کی تیز آواز ہال میں گونجی تو عمران یکدم ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا۔

''بچپن کی وادیوں سے کس نے ہمیں پکارا۔ آواز دے دوبارہ''۔ عمران نے اٹھتے ہی گانا شروع کر دیا۔

''عمران۔ کیا تمہیں ہوش نہیں ہے کہ تم کہاں ہو''...... ایکسٹو کی سرد آواز سنائی دی۔

''میں ہوں وہاں جہاں کی مجھے خود خبر نہیں''...... عمران بھلا اتنی آسانی سے کہاں باز آنے والا تھا۔

''ممبرز۔ میں نے یہ میٹنگ اس لئے کال کی ہے کہ کچھ باتوں سے آپ لاعلم ہیں۔ ان باتوں کا جاننا آپ کے لئے ضروری ہے''...... ایکسٹو نے کہنا شروع کیا تو عمران بھی خاموش ہو گیا۔

''اس بار ہمارے مقابلے پر بیک وقت دو عالمی مجرم تھے۔ ڈیتھ ماسٹر جو کافی کائیاں، ذہین اور طاقتور مجرم تھا۔ اسے کافرستان نے پاکیشیا سے ایک اہم فائل آئی ٹن چرانے کا ٹاسک دیا۔ کافرستان یہ فائل اپنے کسی ایجنٹ کے ذریعے نہیں چرانا چاہتا تھا۔ ڈیتھ ماسٹر نے سرسلطان پر کافی دباؤ ڈالا لیکن سرسلطان جیسے لوگ کسی بھی دباؤ کو قبول نہیں کرتے اور نہ ہی انہیں کسی لالچ کے ذریعے سے خریدا جا سکتا ہے۔ اس نے سرسلطان کے خاتمے کا بھی فیصلہ کر لیا اور اپنے ان دونوں مشنز پر اس نے کام بھی شروع کر دیا۔ ڈیتھ ماسٹر کے کام کرنے کا طریقہ یہی ہے کہ وہ بیک وقت مختلف ذرائع استعمال کرتا ہے۔ یہاں بھی اس نے یہی طریقے استعمال کئے۔ ڈیتھ ماسٹر کے کارندوں نے عمران پر بھی قاتلانہ حملہ کیا اور خاور کو بھی اغوا کر لیا۔ پھر انہوں نے خاور کو زندہ حالت میں کنگ روڈ پر پھینک دیا اور اس کی اطلاع بھی عمران کو کر دی۔

دراصل انہوں نے خاور کے بالوں میں جدید ایچ ڈی فٹ کر دیا تھا۔ خاور کو دانش منزل کے میڈیکل روم میں ہی علاج فراہم کیا گیا اور ایچ ڈی کو بھی مارک کر لیا گیا۔ ایچ ڈی کو مارک کرتے ہی میں نے دانستہ عمران کو فون پر ایسی ہدایات دیں جس سے ڈیتھ ماسٹر خود ہی اپنے جال میں پھنس گیا۔ اس نے ایک ہی وقت میں سرسلطان کو قتل کرنے اور فائل آئی ٹن اڑانے کا منصوبہ بنایا۔ اس کے دونوں مشنز ناکامی سے دو چار ہوئے اور اس کی ساری تنظیم کا خاتمہ ہو گیا۔ دوسری طرف ڈاکٹر بلیک تھا جو حقیقتاً انتہائی ذہین اور باصلاحیت انسان تھا۔ تم لوگوں نے اس کے ساتھ میری گفتگو سنی ہو گی۔ وہ میرا استاد تھا اور کاش کہ وہ تخریب کی بجائے تعمیر کی طرف آ جاتا تو پوری دنیا کو جنت کا نمونہ بنا سکتا تھا''۔ ایکسٹو نے مسلسل بولتے ہوئے کہا اور پھر وہ چند لمحوں کے لئے خاموش ہو گیا۔

''اس نے بہت سی عظیم ایجادات کیں۔ اس کی ایجادات میں ایک ڈیتھ فورس ہے۔ یہ روبوٹس پر مشتمل تھی جو لمحوں میں شعاعوں کے ذریعے ایک ملک سے دوسرے ملک میں پہنچ جاتی تھی۔ ڈاکٹر بلیک نے اسی ڈیتھ فورس کے ذریعے مختلف ملکوں میں ایٹم بم نصب کئے۔ یہ ڈیتھ فورس اس کے دیگر کام بھی آسانی سے کر لیتی تھی۔ ڈاکٹر بلیک کی ایک اور انقلابی ایجاد فیوچو مشین تھی۔ یہ مشین مستقبل میں ہونے والی اموات کا منظر دکھاتی تھی۔ ڈاکٹر بلیک ان مناظر کو دیکھتا تھا اور اگر کسی اہم شخصیت کی موت مشین پر آ جاتی تو وہ اسے

ریکارڈ کر لیتا تھا۔ اس نے اس مشین کے ذریعے پوری دنیا پر حکمرانی کرنے کا سوچا اور اس پر عمل بھی کرنے لگا۔ اس نے ایکریمیا اور باچان کے کروڑوں لوگوں کو آناً فاناً ہلاک کر دیا۔ یوں وہ انسانی تاریخ کا بدترین مجرم بنا۔ اس نے پاکیشیا کو بھی اپنی لسٹ میں شامل کرلیا کیونکہ اس نے سرسلطان کی موت کا منظر بھی مشین پر دیکھ لیا تھا لیکن یہ حقیقی سرسلطان نہیں تھے بلکہ ڈیتھ ماسٹر کی کارروائی کے نتیجے میں قتل ہونے والا ایک قیدی تھا۔ ڈاکٹر بلیک کی دھمکی اور ڈیتھ ماسٹر کی کارروائیوں کی وجہ سے میں نے پلاننگ کی تھی۔ سرسلطان کو دانش منزل بلا لیا تھا اور ان کے میک اپ میں ایک قیدی کو خان ہاؤس پہنچا کر سیکورٹی کے تمام انتظامات وہاں کر دیئے گئے تھے۔ اس قیدی کی حقیقت سے صدر مملکت بھی واقف نہ تھے۔ یوں ڈاکٹر بلیک کی مشین نے مستقبل کا جو منظر دکھایا تھا اس منظر میں سرسلطان نہیں بلکہ ان کے میک اپ میں کوئی اور تھا کیونکہ ڈاکٹر بلیک کی فیوچر مشین یہ نشاندہی نہیں کر سکتی تھی کہ مرنے والا میک اپ میں ہے یا بغیر میک اپ کے۔ یوں ڈاکٹر بلیک کو پاکیشیا کے مقابلے میں شکست ہوئی اور اس نے خود کو پاکیشیا کے حوالے کر دیا لیکن اس کے اسسٹنٹ نے اسے قتل کر دیا۔ ڈاکٹر بلیک نے اپنی تمام انقلابی ایجادات کے ساتھ اپنے ہیڈکوارٹر کو اپنے ہاتھوں تباہ کر دیا تھا۔ ڈاکٹر بلیک اپنے وعدے اور عہد کے مطابق پاکیشیا آ گیا تاکہ ایٹم بم کو ناکارہ کر سکے لیکن اس کے قتل کے بعد ہمارا سکون ختم

ہو گیا کیونکہ وہ ایٹم بم کے بارے میں کچھ نہیں بتا سکا تھا اس کی جیب سے میں نے ایک فوٹو برآمد کیا جو ایک مقامی فلم کا تھا۔ اس فوٹو کے مطابق ہم نے ایٹم بم ٹریس کرنے کی کوشش کی۔ شروع میں ہمیں ناکامی ہوئی لیکن پھر اللہ تعالیٰ کی رحمت اور کرم سے ایٹم بم ٹریس ہو گیا اور یہ اللہ تعالیٰ کا ہی فضل تھا کہ ایٹم بم پھٹنے سے صرف پچاس سیکنڈ پہلے عمران نے غیر ارادی طور پر ایٹم بم سے منسلک گھڑی کو فائر مار کر تباہ کر دیا اور یوں ایٹم بم پھٹنے سے رہ گیا اور اللہ تعالیٰ نے پاکیشیا کو ایک بڑی تباہی سے بچا لیا''۔ ایکسٹو نے مسلسل بولتے ہوئے کہا اور پھر خاموش ہو گیا۔

''اگر تم لوگ کچھ پوچھنا چاہتے ہو تو پوچھ سکتے ہو''...... چند لمحوں کی خاموشی کے بعد ایکسٹو کی آواز دوبارہ سنائی دی۔ عمران نے ادھر ادھر دیکھا کوئی بھی کھڑا نہ ہوا تو عمران کھڑا ہو گیا۔

''یس چیف۔ میں کچھ پوچھنا چاہتا ہوں''...... عمران نے مؤدبانہ لہجے میں کہا۔

''ہاں بولو۔ کیا پوچھنا ہے تم نے''...... ایکسٹو نے کہا۔

''باس۔ فیوچر مشین سے پوچھ کر بتائیں کہ میرا اور جولیا کا کیا فیوچر ہے۔ یعنی ہمارے بچے کتنے ہوں گے۔ ان میں کاکے کتنے ہوں گے اور کاکیاں کتنی''...... عمران نے بظاہر سنجیدہ لہجے میں کہا۔

''انسان کی جتنی بھی ایجادات ہیں ان میں خامیاں موجود ہیں۔ فیوچر مشین کی اطلاع حتمی تو نہیں ہو سکتی۔ سرسلطان کے بارے میں

تم اس کی کارکردگی دیکھ ہی چکے ہو۔ لہٰذا کبھی بھی مشینوں پر اعتماد نہ کرنا۔ اوکے گڈبائی''...... ایکسٹو کی آواز سنائی دی اور اس کے بعد خاموشی چھا گئی۔

''اچھا۔ تو تم فیوچر مشین سے اپنے اور میرے فیوچر کے بارے میں جاننا چاہتے ہو''۔ جولیا نے عمران کو آنکھیں دکھاتے ہوئے کہا۔

''میں تو اپنے اور تمہارے فیوچر کے بارے میں اچھی طرح جانتا ہوں''...... عمران نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''عمران صاحب۔ کیا جانتے ہیں آپ''...... صدیقی نے پوچھا۔

''یہی کہ جولیا ابھی اپنا سینڈل اتارے گی اور میری طرف اچھالے گی''...... عمران نے معصومیت سے کہا تو سب کے چہروں پر مسکراہٹ آ گئی۔ اس دوران جولیا نے واقعی اپنا جوتا اتار لیا تھا۔

''دیکھا دیکھا۔ میں نے فیوچر کی پیشین گوئی بالکل درست کی ہے نا''...... عمران نے کہا تو جولیا نے اسے جوتا مار بھی دیا۔ عمران یکدم نیچے بیٹھ گیا اور جوتا اس کے پیچھے جا گرا۔

''اب جولیا دوسرا جوتا بھی اتارے گی''...... عمران نے کہا تو جولیا واقعی جوتا اتارنے کے لئے جھکی جبکہ عمران نے چھلانگ لگائی اور ہال سے باہر نکل گیا۔ اسے اپنے پیچھے ممبران کے قہقہے سنائی دیئے۔

ختم شد

نے جب اس دھمکی کو عملی جامہ پہنایا تو کیا نتیجہ برآمد ہوا ——؟

☆ ہاٹ لائن۔ ایک بین الاقوامی مجرم تنظیم۔ جس نے عمران، کرنل فریدی، میجر پرمود، کرنل زیدا اور کرنل ڈیوڈ جیسے تجربہ کار سیکرٹ ایجنٹوں کو چکرا کر رکھ دیا۔؟

☆ پاکیشیا، کافرستان، بلگارنیہ، اراڈان اور اسرائیل کا مشترکہ دشمن جو انہیں تباہ کرنے کے منصوبے بنا رہا تھا اور ان پانچوں ممالک کے سیکرٹ ایجنٹ اسے تلاش کرنے میں ناکام ہو گئے تھے۔ اس خطرناک دشمن کے بارے میں انہیں آخر تک معلوم نہ ہو سکا۔ کیوں ——؟

☆ چیکو معصوم اور بھولی بھالی نظر آنے والی حسینہ، ہاٹ لائن کی سفاک اور سنگدل سیکشن انچارج، جو انسانی گوشت کا قیمہ بنا کر افریقہ کے وحشی قبیلے کو کھلا دیتی تھی۔

☆ ٹینا۔ کرنل فریدی کی ساتھی جس نے بے ہوش ٹائیگر پر مشین پسٹل سے فائر کھول دیا۔ کیا ٹائیگر زندہ بچ سکا ——؟

☆ جب مجرموں کا کوئی سراغ نہیں مل رہا تھا تو کرنل فریدی پر مایوسی چھا گئی۔ اس مایوسی کا کیا نتیجہ برآمد ہوا ——؟

☆ شالما جنگل۔ افریقہ کا خوفناک، ہیبت ناک اور وحشت ناک جنگل جہاں قدم قدم پر موت نے ڈیرے ڈالے ہوئے تھے۔

☆ اس خوفناک جنگل میں میجر پرمود اور کرنل فریدی کی ٹیموں کے درمیان خونی ٹکراؤ ہو گیا۔ نتیجہ کیا نکلا ——؟

☆ رالکا دیوی۔ شاؤکا قبیلے کی حسین اور خونی دیوی جس کے قدموں میں عمران کو قربان کیا جانے لگا۔

☆ عمران رالکا دیوی سے اپنی زندگی کی بھیک مانگنے لگا لیکن خونی دیوی بھلا سے کیوں چھوڑ دیتی۔ کیا عمران کو قربان کر دیا گیا ——؟

☆ ہاٹ لائن نے کرنل فریدی کو قیمہ بنانے کے لئے اس کے جسم میں کٹر مشین فٹ کر دی۔ کیا کرنل فریدی کا جسم قیمے میں تبدیل ہو گیا ——؟

☆ شالکانا۔ ایک چالاک وعیار وحشی انسان۔ جس نے کرنل ڈیوڈ کا ساتھی بن کر اس کی اور اس کے ساتھیوں کی موت کا اہتمام کر دیا۔

☆ کرنل فریدی کے لئے وہ لمحات کس قدر بے بسی کے تھے کہ جنگلی سردار اس کی ساتھی لڑکیوں ریکھا اور روزا سے شادی کر رہا تھا۔

☆ سلور پلان۔ جس کی وجہ سے عمران، کرنل فریدی، کرنل زیدا اور میجر پرمود ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہو گئے اور وحشی درندوں کی طرح ایک دوسرے پر ٹوٹ پڑے۔

☆ جوزف نے کرنل فریدی کو گولیاں مار دیں۔ کیا کرنل فریدی ہلاک ہو گیا؟ کرنل فریدی کو گولیاں مارنے کے بعد جوزف نے خود کو بھی گولیوں سے اڑا دیا؟

سطر سطر سسپنس، لفظ لفظ تحیر، صفحہ صفحہ ایکشن، موڑ موڑ موت کی سنسناہٹ، قدم قدم پر بکھرے خونی واقعات۔ جنگل ایڈونچر، ہنگامہ آرائیاں، پل پل بدلتی سچوئیشنز اور مزاح سے بھرپور ایک لازوال و یادگار اور دلوں پر گہرے نقش چھوڑ دینے والا تہلکہ خیز ناول۔ (تحریر۔ ارشاد العصر جعفری)

عمران سیریز میں مزاح، ایکشن، ایڈونچر اور خوف ودہشت
میں لپٹی ہوئی لازوال داستان

ماورائی نمبر

ڈیول ورلڈ

مصنف
ارشاد العصر جعفری

☆ وحشت وبربریت کے وہ سنسنی خیز لمحات۔ جب تنویر کو اس کے فلیٹ میں قتل کر کے اس کی لاش کو آگ لگادی گئی۔

☆ ذیلون۔ ایک خطرناک شیطانی عامل، جس نے عمران کو شیطانی عمل سے پاگل کرنے کا منصوبہ بنایا۔ کیا عمران پاگل ہو گیا ——؟

☆ عمران نے جولیا، صفدر اور خاور کو الٹا لٹکا کر ان کے نیچے آگ لگادی۔ کیا یہ حرکت عمران نے پاگل ہو جانے کی وجہ سے کی تھی۔ یا ——؟

☆ ذیلون۔ عمران کے ساتھ موت کا کھیل کھیلنے لگا۔ موت کے اس بھیانک کھیل کا انجام کیا ہوا ——؟

☆ خوف کے وہ بھیانک لمحات۔ جب عمران اور اس کے ساتھی ریت کے طوفان میں تنکوں کی طرح اڑ گئے۔

☆ دنیا کا خوفناک ترین صحرا۔ صحرائے نشکان۔ جس کے ریتلے طوفان میں عمران اور اس کے ساتھی زندہ دفن ہو گئے۔

☆ زندگی میں پہلی بار عمران کے دل میں موت کا خوف پیدا ہوا کیونکہ وہ موت کو اپنی جانب بڑھتے ہوئے دیکھ رہا تھا لیکن بے بسی کی وجہ سے وہ حرکت کرنے سے بھی قاصر تھا۔

☆ ذیلون۔ جس نے عمران اور اس کے ساتھیوں کی لاشوں کے درمیان فتح ے جشن کا اعلان کر دیا۔

☆ گریٹ لینڈ کی ایجنسیوں نے عمران اور اس کے ساتھیوں کو جاسوسی کے ام میں گرفتار کر لیا۔ کیا عمران اور اس کے ساتھی گریٹ لینڈ کی جاسوسی کر ہے تھے ——؟

☆ عمران اور اس کے ساتھیوں کو جلتی ہوئی برقی بھٹی میں ڈالا جانے لگا تو؟

☆ عمران۔ شیطانی طاقتوں کے خوف سے ایک کمرے میں چھپ کر بیٹھ گیا۔ ر کیا ہوا ——؟

☆ ہزاروں خونخوار کتوں نے عمران اور اس کے ساتھیوں پر حملہ کر دیا۔ کیا وہ ا حملے سے بچ پائے ——؟

☆ عمران اور اس کے ساتھی کھلے سمندر میں غوطے کھا رہے تھے کہ مگرمچھوں کی ب بڑی تعداد نے ان پر حملہ کر دیا۔ پھر کیا ہوا ——؟

☆ جوزف نے جولیا کو بے ہوش کیا اور پھر اس پر تھپڑوں کی بارش کر دی۔ زف نے ایسا کیوں کیا ——؟

قدم قدم رقص اجل، لمحہ لمحہ خوف ودہشت، سطر سطر سسپنس،
ایکشن اور مزاح سے بھرپور یادگار اور لازوال ناول۔

رسلان پبلی کیشنز
اوقاف بلڈنگ
پاک گیٹ
ملتان
Mob
0333-6106573
0336-3644440
0336-3644441
Ph 061-4018666
E.Mail.Address arsalan.publications@gmail.com

عمران سیریز میں سسپنس اور ایکشن سے بھرپور منفرد ناول

مکمل ناول

گولڈ سرکل

مصنف
ارشاد العصر جعفری

ڈاکٹر گولڈ — ایک ایسا سائنسدان جس نے دنیا بھر کی معیشت کو تباہ کرنے کا منصوبہ بنایا اور پاکیشیا سمیت کئی ممالک اس منصوبے کی لپیٹ میں آ گئے۔

ڈاکٹر گولڈ — جس نے پاکیشیا سیکرٹ سروس کو چیلنج کر دیا کہ وہ پاکیشیا کو تباہ کر دے گا۔

ڈاکٹر گولڈ — جو پاکیشیا سیکرٹ سروس کی موجودگی میں پاکیشیا میں کامیاب کارروائیاں کرنے لگا۔

ڈاکٹر گولڈ — جس کے بارے میں دنیا کا کوئی شخص نہیں جانتا تھا۔ عمران اور پاکیشیا سیکرٹ سروس ڈاکٹر گولڈ کی تلاش میں سرگرداں تھی لیکن اس کا کہیں نام ونشان نہیں تھا۔

جوانا — جس نے ایکریمیا واپس جا کر اپنا پرانا پیشہ دوبارہ اختیار کر لیا۔ کیوں؟

جوانا — جس نے گولڈ سرکل کو عمران کے بارے میں معلومات فراہم کر دیں۔

ڈاکٹر گولڈ — جس نے پاکیشیا سیکرٹ سروس کی موجودگی میں پاکیشیا کے مرکزی بینک سے اربوں ڈالرز کے سونے کے ذخائر چوری کر لئے۔ کیسے —؟

عمران، ٹائیگر اور تنویر کو بے ہوش کر کے ان پر فائرنگ کر دی گئی۔ کیا وہ ہلاک ہو گئے؟

جزیرہ مارکن — جہاں قدم رکھتے ہی پاکیشیا سیکرٹ سروس کی ٹیم پر بموں کی بارش کر دی گئی۔ پاکیشیا سیکرٹ سروس کا کیا انجام ہوا —؟

ریاست بالان — ڈاکٹر گولڈ نے اس ریاست کی معیشت مکمل طور پر تباہ کر دی۔

ڈاکٹر گولڈ کی پاکیشیا کے خلاف کامیاب کارروائیوں کا کیا انجام ہوا؟
کیا ریاست بالان کی طرح پاکیشیا کی معیشت بھی مکمل طور پر تباہ ہو گئی؟

ایک یادگار ولازوال ناول جو مدتوں یاد رکھا جائے گا۔

ارسلان پبلی کیشنز
اوقاف بلڈنگ
پاک گیٹ
ملتان
Mob
0333-6106573
0336-3644440
0336-3644441
Ph 061-4018666
E.Mail.Address arsalan.publications@gmail.com

محترم قارئین۔
سلام مسنون

میرا نیا ناول ''ڈاکٹر بلیک'' آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ اس ناول میں آپ بیک وقت دو عالمی مجرموں سے ملیں گے جو ذہانت، چالاکی اور طاقت میں بے مثال ہیں۔ ان میں ایک مجرم ڈاکٹر بلیک تو انسانی تاریخ کا سفاک ترین بھی ہے۔ ڈاکٹر بلیک ایک عظیم سائنس دان ہے اور اس سائنس دان نے پوری دنیا کو بدحواس کر دیا ہے۔ ڈاکٹر بلیک ایک ایسا سفاک درندہ تھا جس نے لمحوں میں کروڑوں انسانوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا تھا۔ ایکریمیا، باچان اور دیگر ممالک میں خون کے دریا بہا دیئے ہیں لیکن اس تک رسائی کسی کے بس میں نہیں تھی۔ اس ظالم درندے نے پاکیشیا کو بھی اپنی تباہی کی لسٹ میں شامل کر لیا اور پوری دنیا کو سرسلطان کے قتل کا منظر بھی دکھا دیا اور پاکیشیا میں ایٹم بم بھی نصب کر دیا۔

میں تو پیش لفظ میں ہی تفصیل بتانے بیٹھ گیا۔ اگر میں نے انہی صفحات میں آپ کو سب کچھ بتا دیا تو پھر آپ کو ناول پڑھنے کی ضرورت تو نہیں رہے گی لہٰذا اس کردار کے بارے میں مزید تفصیل آپ کو کتاب کے اگلے صفحوں پر ہی ملے گی۔ میں یہاں صرف اتنا ہی کہوں گا کہ یہ ناول آپ کے اعلیٰ ذوق کے عین مطابق ہے اور یقیناً آپ کو پسند آئے گا اور یہ تو آپ جانتے ہی ہیں کہ میں نے

ہمیشہ یہی کوشش کی ہے کہ میں جو کچھ لکھوں آپ کو پسند آئے۔ آپ کی پسند اور نا پسند کا اندازہ مجھے آپ کے خطوط سے بھی ہوتا ہے۔ اس تیز ترین اور مہنگائی کے دور میں خط لکھنا بالکل ہی ختم ہو چکا ہے لیکن علی عمران کے شیدائی ایسے ہیں جو اس دور میں بھی خط لکھتے ہیں۔ اپنی پسند اور نا پسند کا اظہار کرتے ہیں اور اپنے مشوروں سے نوازتے ہیں۔ اس بات کا اعتراف تو میں کئی بار کر چکا ہوں کہ قارئین کے خط ہی مجھے لکھنے کا حوصلہ دیتے ہیں۔ امید ہے کہ آپ ہمیشہ کی طرح میری حوصلہ افزائی کرتے رہیں گے۔ انشاء اللہ اگلے ناول میں پھر ملاقات ہو گی۔

والسلام

ارشاد العصر جعفری

علی عمران اور پاکیشیا سیکرٹ سروس کا ہنگامہ خیز ایڈونچر

مکمل ناول

شاکس پلان

مصنف ارشاد العصر جعفری

ارسلان پبلی کیشنز اوقاف بلڈنگ پاک گیٹ ملتان
Mob
0333-6106573
0336-3644440
0336-3644441
Ph 061-4018666
E.Mail.Address arsalan.publications@gmail.com

رات نصف سے زیادہ بیت چکی تھی۔ سارا ماحول گہری تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا۔ اس گہری تاریکی میں ایک آدمی ایک کھڑکی پر جھکا ہوا تھا۔ اس آدمی نے سر پر گردن تک سیاہ نقاب اوڑھا ہوا تھا اور اس کا باقی جسم بھی سیاہ لبادے میں چھپا ہوا تھا اس لئے وہ آدمی تاریکی کا ہی جزو دکھائی دے رہا تھا۔

کھڑکی پر جھک کر اس آدمی نے شیشے پر ایک جگہ ٹیپ چپکائی اور پھر گلاس کٹر سے شیشے پر ایک چوکور لکیر ڈال کر انگوٹھے سے شیشے کو دبایا تو شیشے کا چور حصہ کٹ کر لٹکنے لگا۔ چونکہ وہ ٹیپ سے چپکا ہوا تھا اس لئے نیچے نہ گرا اور نقاب پوش چاہتا بھی یہی تھا کہ کٹ جانے والا شیشے کا ٹکڑا فرش پر نہ گرے۔ جیسے ہی شیشہ کٹا نقاب پوش نے ہاتھ اندر ڈال کر چٹخنی کھولی اور کھڑکی کا ایک پٹ کھول کر اندر داخل ہو گیا۔ اسے اس کارروائی میں بمشکل پانچ سیکنڈ لگے تھے۔ اندر کمرے میں باہر سے زیادہ اندھیرا تھا۔ اسے محسوس ہو رہا

تھا جیسے وہ اندھیری قبر میں اتر آیا ہو۔

اندر کمرے میں داخل ہوتے ہی اس نے اپنی جیب میں ہاتھ ڈالنا چاہا۔ شاید اس کی جیب میں ٹارچ تھی لیکن اس سے پہلے کہ اس کا ہاتھ جیب میں جاتا ایک جھماکا ہوا اور کمرہ روشن ہو گیا۔ ایک لمحے کے لئے نقاب پوش کی آنکھیں چندھیا گئیں لیکن اگلے ہی لمحے اس نے خود کو سنبھالا اور چاروں طرف نظر دوڑائی۔ کمرے میں ایک جہازی سائز بیڈ موجود تھا لیکن اس وقت بیڈ خالی تھا۔ کمرے کے ایک کونے میں ایک ٹیبل اور ایک کرسی رکھی ہوئی تھی۔ ٹیبل پر منرل واٹر کی ایک بوتل، ایک گلاس اور دو تین کتابیں رکھی ہوئی تھیں۔ ایک لیپ ٹاپ بیڈ پر پڑا ہوا تھا جو اس وقت آف تھا۔ کمرہ اس وقت کسی بھی انسانی وجود سے یکسر خالی تھا۔ نقاب پوش نے ایک سیکنڈ سے بھی کم وقت میں کمرے کا جائزہ لیا اور پھر وہ تیزی سے دروازے کی طرف بڑھا۔ پھر وہ دروازے کے قریب پہنچ کر رک گیا۔ دروازے کی دائیں طرف دیوار میں ایک بڑا فریم لگا ہوا تھا۔ اس فریم میں سرسلطان کی ایک ہنستی مسکراتی تصویر دکھائی دے رہی تھی۔ نقاب پوش نے تصویر اتار کر بیڈ پر پھینک دی۔ تصویر ایک بڑے اور موٹے کیل سے لٹکی ہوئی تھی۔ تصویر کے اترتے ہی وہ کیل عیاں ہو گیا تھا۔ نقاب پوش نے اس کیل کو تین بار اپنے انگوٹھے سے دبایا۔ جیسے ہی کیل پر اس کے انگوٹھے کا دباؤ تیسری بار پڑا بائیں دیوار میں ایک خلا پیدا ہو گیا۔ ایسے محسوس ہو رہا تھا جیسے

پہلے یہاں ایک چھوٹا سا دروازہ لگایا گیا تھا اور اب وہ دروازہ اتار دیا گیا ہو۔ نقاب پوش نے اس خلا میں جھانکا۔ وہاں سیڑھیاں تھیں جو نیچے جا رہی تھیں۔ وہاں بھی روشنی موجود تھی۔ نقاب پوش نے سیڑھیوں پر قدم رکھا اور ساتھ ہی اس کا ہاتھ جیب میں گیا۔ اس کا ہاتھ جیب سے باہر آیا تو اس میں ایک مشین پسٹل موجود تھا۔ اس نے مشین پسٹل کے دستے کو مضبوطی سے پکڑ لیا اور سیڑھیاں اترنے لگا۔ وہ تیزی سے لیکن احتیاط سے نیچے اترنے لگا۔ اس کے سیڑھیاں اترنے سے آواز بالکل پیدا نہیں ہو رہی تھی۔ تقریباً گیارہ بارہ سیڑھیاں تھیں جو نقاب پوش نے محض چند سیکنڈوں میں عبور کر لی تھیں۔ پھر جیسے ہی وہ تہہ خانے میں پہنچا اس نے سرسلطان کو دیکھا۔ وہ تہہ خانے میں اس کے سامنے کھڑے تھے۔ ان کی آنکھوں میں نفرت اور طنز کے ملے جلے تاثرات تھے۔ ان کے ایک ہاتھ میں ریوالور تھا جس کا رخ نقاب پوش کی طرف تھا۔ نقاب پوش کو دیکھتے ہی سرسلطان نے ٹریگر دبا دیا۔ دھماکا تو نہ ہوا کیونکہ ریوالور پر سائیلنسر فٹ تھا البتہ سرخ شعلہ سا نکل کر نقاب پوش کی طرف بڑھا لیکن نقاب پوش کی نظریں سرسلطان کی انگلی پر تھیں اس لئے جیسے ہی سرسلطان نے ٹریگر دبایا نقاب پوش فرش پر بیٹھ گیا اور شعلہ اس کے اوپر سے گزر گیا۔ پھر اس سے پہلے کہ سرسلطان دوبارہ ٹریگر دباتے نقاب پوش کا ہاتھ سیدھا ہوا صرف ٹریگر دبنے کی آواز سنائی دی اور سرسلطاق کے حلق سے ایک دلدوز چیخ بلند ہوئی۔

گولی ان کی پسلی توڑتی ہوئی ان کے دل میں جا لگی تھی۔ ریوالور ان کے ہاتھ سے نیچے جا گرا اور وہ ریت کی خالی ہوتی ہوئی بوری کی مانند فرش پر گرتے چلے گئے۔ ابھی انہوں نے تڑپنا شروع ہی کیا تھا کہ نقاب پوش ان کے قریب پہنچ گیا۔ اب اس کے ہاتھ میں خنجر اور آنکھوں میں وحشت دکھائی دے رہی تھی۔ وہ سرسلطان کے تڑپتے ہوئے جسم پر سوار ہو گیا۔ اس نے اپنا گھٹنا سرسلطان کے سینے پر رکھا۔ اب سرسلطان کا جسم تڑپ بھی نہیں سکتا تھا۔ نقاب پوش نے ایک ہاتھ سرسلطان کے سر پر رکھا اور دوسرے ہاتھ میں تھاما ہوا خنجر سرسلطان کی گردن پر چلا دیا۔ سرسلطان کی شہ رگ کٹ گئی اور گردن سے خون کا فوارہ ابل پڑا۔ اس خون سے نقاب پوش کے ہاتھ اور سیاہ لبادہ رنگین ہو گئے۔ نقاب پوش نے شہ رگ کٹنے پر ہی اکتفا نہ کیا بلکہ وہ مردہ سرسلطان کی گردن پر تیز تیز خنجر چلانے لگا۔ اس کے انداز میں وحشت، بربریت اور جنونیت تھی۔ ایسے لگ رہا تھا جیسے نقاب پوش اپنی کسی پرانی دشمنی کی آگ میں پاگل ہو گیا تھا اور یہ آگ سرسلطان کی ہلاکت سے بھی سرد نہیں ہوئی تھی۔ چند ہی لمحوں میں سرسطان کا سرتن سے جدا ہو گیا۔ نقاب پوش نے سرسلطان کے بریدہ سر کو بالوں سے پکڑا اور پھر وہ کھڑا ہو گیا۔ کھڑے ہونے کے بعد اس نے سرسلطان کا سر دور اچھال دیا اور خود سیڑھیوں کی طرف بڑھا لیکن ابھی وہ سیڑھیوں کے قریب نہیں پہنچا تھا کہ سیڑھیوں میں چار آدمی دکھائی دیئے۔ پھر اس سے پہلے

کہ وہ سنبھلتا بیک وقت چار مشین گنوں نے شعلے اگلے اور درجنوں گولیاں نقاب پوش کے سینے، منہ اور سر سے ٹکرائیں۔ اس کی بھی ایک چیخ بلند ہوئی اور وہ زمین پر گر کر مرغ بسمل کی مانند تڑپنے لگا۔

اس کے ساتھ ہی منظر ساکن ہو گیا اور سکرین پر ایک تاریخ اور وقت ابھر آیا جبکہ ہال میں بیٹھے ہوئے افراد نے گہرے سانس لئے۔ یہ درمیانے سائز کا ہال تھا اور اس میں بیس کے قریب افراد بیٹھے تھے۔ ان کے سامنے ایک بڑی میز تھی اور اس میز پر ایک ٹی وی رکھا ہوا تھا۔ ٹی وی سکرین کے آف ہوتے ہی ہال میں بیٹھے ہوئے افراد سوچنے لگے کہ انہوں نے ٹی وی پر کس کے قتل کا منظر دیکھا ہے کیونکہ ہال میں بیٹھے ہوئے افراد میں سے کوئی بھی قتل ہونے والی شخصیت کے بارے میں نہیں جانتا تھا۔

”ممبرز۔ میری فیوچر مشین نے جس شخصیت کی موت کا منظر کیچ کیا ہے اسے دنیا سرسلطان کے نام سے جانتی ہے اور یہ ایشیائی ملک پاکیشیا کا سیکرٹری خارجہ ہے۔ یہ دنیا کی اہم شخصیات میں سے ایک ہے۔ دنیا کے اکثر ممالک میں اسے عزت کی نظر سے دیکھا جاتا ہے چونکہ فیوچر مشین نے اس کی موت کا وقت بتا دیا ہے لہٰذا اب پاکیشیا بھی ہماری لسٹ میں شامل ہو گیا ہے“...... ہال میں بیٹھے ہوئے افراد نے ایک غراہٹ سے مشابہہ آواز سنی۔ یہ ڈاکٹر بلیک کی آواز تھی جو ریڈ نائٹ تنظیم کا سربراہ تھا اور ہال میں بیٹھے ہوئے افراد تنظیم کے سینئر ارکان تھے۔ ڈاکٹر بلیک کی آواز سن کر وہ

یکدم چوکس ہو گئے تھے۔ ڈاکٹر بلیک بات کرتے کرتے چند لمحوں کے رکا تھا اور پھر اس کی بارعب آواز دوبارہ ہال میں گونجنے لگی۔

''ممبرز۔ تمہیں معلوم ہے کہ میری ایجاد کردہ فیوچر مشین ایک انقلابی اور کرشماتی ایجاد ہے۔ یہ ایجاد ایسی ہے جس کی وجہ سے بہت جلد یہ دنیا میری محکوم ہو جائے گی۔ دنیا پر قبضہ کرنے کے لئے ہمیں انہیں حکم نہیں دینا پڑے گا بلکہ وہ خود ہم سے درخواست کریں گے، روئیں گے، گڑگڑائیں گے، چیخیں گے، چلائیں گے۔ اب یہ میری مرضی ہو گی کہ میں ان کے گڑگڑانے، رونے پیٹنے پر توجہ دوں یا نہ دوں۔ مثال کے طور پر اس شخصیت کو لے لو جس کی موت کا منظر تم نے ابھی دیکھا ہے۔ اس عظیم شخصیت کی ڈیٹ آف ڈیتھ اور ٹائم آف ڈیتھ نوٹ کر لیا ہے۔ اب ہم حکومت پاکیشیا کو اس کی موت کی تاریخ اور وقت سے آگاہ کریں گے اور ان سے کہیں گے کہ وہ اگر سر سلطان کو بچا سکتے ہیں تو بچا لیں لیکن اب دنیا کی کوئی بھی طاقت اسے موت سے نہیں بچا سکے گی کیونکہ اس کی موت کا فیصلہ میں نہیں کیا بلکہ کاتب تقدیر نے کیا ہے اور میرا یقین کامل ہے کہ انسان کی موت کا جو وقت متعین ہے۔ انسان نے بہرحال اس وقت پر مرنا ہے''...... ڈاکٹر بلیک نے مسلسل بولتے ہوئے کہا اور پھر سانس لینے کے لئے رکا۔ ہال میں بیٹھے ہوئے افراد خاموش ہی بیٹھے رہے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ ڈاکٹر بلیک کی بات ابھی مکمل نہیں ہوئی۔

''ممبرز۔ میں جن شخصیات کی موت کا اعلان کروں گا۔ ان کے ملک کے دارالحکومت یا کسی اور اہم شہر میں ایٹم بم فٹ کرا دوں گا اور یہ ایٹم بم بھی ڈیتھ فورس فٹ کرے گی اور تم لوگ جانتے ہو کہ ڈیتھ فورس جیتے جاگتے انسانوں پر مشتمل نہیں ہے بلکہ چھوٹے چھوٹے روبوٹس پر مشتمل ہے۔ جنہیں میں ٹائم مشین کے ذریعے منٹوں میں دنیا کے ایک کونے سے دوسرے کونے تک پہنچا سکتا ہوں۔ یہ ڈیتھ فورس میرے حکم کی پابند ہے۔ ہاں۔ تو میں تمہیں بتا رہا تھا کہ میں جن شخصیات کا ڈیتھ ٹائم ڈیکلیئر کروں گا اس کے ملک کے دارالحکومت میں کسی جگہ ٹائم بم بھی فٹ کر دوں گا اور اس ملک کی حکومت کو بتا دوں گا کہ اگر تم نے اپنی شخصیت کو بچا لیا تو ایٹم بم ناکارہ کر دیا جائے گا اور اگر تم اپنی شخصیت کو نہ بچا سکے تو اس شخصیت کے مرنے کے تیس گھنٹے بعد ایٹم بم پھٹ جائے گا اور اس ملک کا دارالحکومت تباہ ہو جائے گا اور یہ تیس گھنٹے بھی انہیں اس لئے دیئے جائیں گے کہ اگر وہ ایٹم بم تلاش کر کے اسے ناکارہ کرنا چاہیں تو کر لیں''...... ڈاکٹر بلیک نے تکبر بھرے لہجے میں کہا اور پھر اس نے طویل قہقہہ لگایا۔

''وہ گڑگڑائیں گے''...... تحقیر میں ڈوبے ہوئے قہقہے کے بعد ڈاکٹر بلیک نے دوبارہ بولنا شروع کیا۔

''فریاد کریں گے، آہ وزاری کریں گے، التجائیں کریں گے، اپنے ملک کے کروڑوں افراد کی زندگی کی بھیک مانگیں گے۔ اب

میری مرضی ہو گی کہ میں انہیں بھیک دوں یا نہیں اور سنو ممبرز۔ میں نے تمہیں ہال میں اس لئے بلایا ہے کہ ہمارا مشن مکمل طور پر تیار ہو گیا ہے۔ اب ہم کل سے آپریشن شروع کر رہے ہیں۔ تم میں سے اگر کسی کے ذہن میں کوئی سوال ہو تو تمہیں اجازت ہے تم مجھ سے سوال پوچھ سکتے ہو''...... ڈاکٹر بلیک نے نخوت بھرے لہجے میں کہا۔

''باس۔ اگر کسی ملک نے اپنی شخصیت کو بچا لیا تو''...... ایک آدمی نے اپنی جگہ پر کھڑے ہو کر کہا۔

''تمہارے سر میں دماغ ہے یا بھوسہ بھرا ہوا ہے ایڈیٹ''۔ ڈاکٹر بلیک نے پھنکارتے ہوئے کہا تو وہ آدمی کانپنے لگا۔

''احمق۔ مستقبل میں جو کچھ ہونے والا ہے کیا ہم اسے روک سکتے ہیں۔ یاد رکھو۔ جس طرح ہم ماضی کے حالات ذرہ برابر بھی تبدیل نہیں کر سکتے اسی طرح مستقبل کے حالات کو بھی نہیں ہلا سکتے۔ جو کچھ تقدیر میں لکھا جا چکا ہے وہ ہو کر رہے گا''...... ڈاکٹر بلیک نے غراتے ہوئے کہا۔ پھر اس نے ایک ہنکارہ بھرا اور دوبارہ گویا ہوا۔

''بفرض محال اگر مجھ سے کسی غلطی کی بنا پر میری بتائی گئی شخصیت مرنے سے بچ گئی تو میں جو وعدہ کرتا ہوں اسے پورا بھی کرتا ہوں اور آئندہ بھی ایسا ہی ہو گا۔ بچ جانے والی شخصیت کا ملک تباہی سے بچ جائے گا۔ چاہے اس کے لئے مجھے اپنی جان کی قربانی ہی کیوں نہ دینی پڑے''...... ڈاکٹر بلیک نے پرعزم لہجے میں اعلان

کرتے ہوئے کہا۔

''لیکن باس۔ یہ تنظیم۔ آپ''...... ایک اور آدمی بوکھلا کر بولا۔ اس سے اصل مقصد ہی ادا نہیں ہو سکا۔

''مسٹر لوکارٹ۔ میں تمہارا مقصد سمجھتا ہوں لیکن یاد رکھو اگر ایسا وقت آ گیا تو میں اپنے وعدے کو نبھانا ضروری سمجھوں گا اور یہ بات تم سب اچھی طرح جانتے ہو کہ میں نے اپنے اصولوں پر اپنے بیٹے کو قربان کر دیا تھا اور اب بھی میں اپنے وعدے پر اور اپنے اصولوں پر سب کچھ قربان کر سکتا ہوں۔ خود کو بھی اور اس تنظیم کو بھی''...... ڈاکٹر بلیک نے ٹھوس لہجے میں کہا۔ پھر وہ خاموش ہو گیا۔ چند لمحے خاموش رہنے کے بعد اس نے دوبارہ بولنا شروع کیا۔

''تمہیں یہ یقین رکھنا چاہئے کہ اگر میں اپنی زندگی کو شرط کی بھٹی میں جھونک رہا ہوں تو مجھے اس بات کا سو فیصد یقین ہے کہ اس میں میری زندگی کو کوئی خطرہ نہیں اور کامیابی صرف میری ہو گی''...... ڈاکٹر بلیک کے ان الفاظ نے ہال میں بیٹھے ہوئے افراد کے جسموں میں زندگی کی نئی لہر دوڑا دی۔

''باس۔ ہمیں یقین ہے کہ ہماری تنظیم یہ گریٹ کامیابی حاصل کرے گی اور پوری دنیا ہماری محکوم ہو جائے گی''...... ایک اور آدمی نے کرسی سے اٹھتے ہوئے مؤدبانہ لہجے میں کہا۔

''کسی کے ذہن میں کوئی اور سوال ہو تو وہ پوچھ سکتا ہے''۔ ڈاکٹر بلیک نے پوچھا لیکن سب خاموش رہے۔

''اوکے۔ آج کی میٹنگ برخاست کی جاتی ہے''...... ڈاکٹر بلیک نے کہا تو وہ سب کرسیوں سے اٹھ کھڑے ہوئے اور پھر دروازے کی طرف بڑھے اور ایک ایک کر کے ہال سے باہر نکلتے چلے گئے۔ ڈاکٹر بلیک ایک کمرے میں ریوالونگ چیئر پر بیٹھا تھا۔ اس کے سامنے ٹی وی رکھا ہوا تھا اور اس ٹی وی پر ہال کا منظر دکھائی دے رہا تھا۔ میٹنگ برخاست ہونے کے بعد جب تمام افراد ہال سے نکل گئے تو وہ بھی اپنی جگہ سے اٹھا اور دروازے سے باہر آ گیا۔ باہر ایک لمبی راہداری تھی۔ راہداری کو عبور کرنے کے بعد وہ آخر میں پہنچ گیا جہاں ایک سپاٹ دیوار تھی۔ اس کا ہاتھ جیب میں گیا اور جب ہاتھ باہر آیا تو اس میں ایک عجیب و غریب ریوالور دکھائی دے رہا تھا۔ ڈاکٹر بلیک نے ریوالور کا رخ دیوار کی طرف کر کے بٹن دبا دیا۔ بٹن کے دبتے ہی ریوالور سے سبز رنگ کی شعاع نکلی اور دیوار سے ٹکرائی۔ شعاع دیوار سے جس جگہ ٹکرائی تھی وہاں ایک گول سرخ رنگ کا دھبہ پیدا ہو گیا۔ اس دھبے کو دیکھ کر ڈاکٹر بلیک کی آنکھوں میں حیرت کے تاثرات پیدا ہوئے۔ پھر حیرت کی بجائے اس کی آنکھوں میں غصے کے تاثرات پیدا ہوئے اور غصے کی وجہ سے اس کا چہرہ بھی سرخ ہوتا چلا گیا۔ اس کے منہ سے بھیڑیے جیسی غراہٹ نکلی اور پھر وہ تیزی سے پلٹا اور بھاگنے کے سے انداز میں چلتا ہوا ایک دروازے کے قریب پہنچ کر رکا۔ اس نے دروازہ کھولا اور پھر کمرے میں داخل ہو گیا۔ کمرے کے ایک

کونے میں ایک اور دروازہ دکھائی دے رہا تھا۔ ڈاکٹر بلیک تیزی سے اس دروازے کی طرف بڑھا۔ اس دروازے کی دوسری جانب سیڑھیاں تھیں جو نیچے جا رہی تھیں۔ ڈاکٹر بلیک نے تیزی سے سیڑھیاں عبور کیں اور تہہ خانے میں پہنچ گیا۔ تہہ خانے میں ایک دیوار پر ایک بہت بڑی سکرین لگی ہوئی تھی اور اس کے سامنے بٹنوں کا ایک جال سا بچھا ہوا تھا۔ ڈاکٹر بلیک نے غصے سے کانپتے ہوئے چند بٹن پریس کر دیئے۔ دیکھتے ہی دیکھتے سکرین آن ہو گئی۔ ڈاکٹر بلیک نے ایک اور بٹن دبایا تو منظر بدلنے لگے اور پھر ایک ایسا منظر نظر آیا جس پر نظر پڑتے ہی ڈاکٹر بلیک کی حالت غصے سے غیر ہونے لگی اور پھر اس کا ہاتھ مختلف بٹنوں پر جا پڑا اور سکرین پر جھماکے ہونے لگے۔

''آج موت تمہارا مقدر ہے''...... ڈاکٹر بلیک نے چنگھاڑتے ہوئے کہا اور اس کی آنکھوں سے شعلے سے نکلنے لگے۔

کافرستان کا سیکرٹری دفاع جگن ناتھ اپنے آفس میں بیٹھا ایک فائل دیکھ رہا تھا کہ انٹرکام کی گھنٹی بجنے لگی۔

''یس''...... اس نے انٹرکام کا رسیور اٹھا کر کان سے لگایا اور بارعب لہجے میں بولا۔

''سر۔ سپیشل سروس کے چیف اپنے کسی مہمان کے ساتھ تشریف لائے ہیں''...... دوسری طرف سے سیکرٹری نے بتایا۔

''او کے۔ بھجوا دو انہیں''...... جگن ناتھ نے خشک لہجے میں کہا اور پھر اس نے رسیور کریڈل پر رکھ دیا۔

چند لمحوں بعد اس کے آفس کا دروازہ کھلا اور کافرستانی سپیشل سروس کا چیف ارجن ایک غیر ملکی آدمی کے ساتھ اندر داخل ہوا۔ جگن ناتھ نے غیر ملکی کا جائزہ لیا۔ اس کی آنکھوں میں ذہانت اور سفاکی واضح طور پر دکھائی دے رہی تھی۔ وہ چہرے کے خدو خال سے ہی ایک ظالم انسان دکھائی دے رہا تھا۔

''نمستے مہاراج''...... ارجن نے ٹیبل کے قریب آ کر جگن ناتھ کو پرنام کرتے ہوئے کہا۔ غیر ملکی نے ہاتھ کے اشارے سے سلام کیا اس کے انداز میں تکبر اور نخوت دکھائی دے رہی تھی۔

''نمستے''...... جگن ناتھ نے مصافحے کے بعد ان دونوں سے کہا تو وہ کرسیوں پر بیٹھ گئے۔

''شکریہ سر''...... کرسیوں پر بیٹھنے کے بعد ارجن نے جگن ناتھ سے کہا تو اس نے صرف سر ہلا دیا۔

''سر۔ یہ ڈیتھ ماسٹر ہیں۔ ڈیتھ لائن کے چیف''...... ارجن نے اپنے ساتھ والے کا تعارف کراتے ہوئے کہا۔

''اوہ۔ ڈیتھ لائن۔ ہم نے تو اس کی بہت شہرت سنی ہے''۔ جگن ناتھ نے چونکتے ہوئے کہا۔

''یس سر۔ ڈیتھ لائن جرائم کی دنیا کا ایک انمول نام ہے۔ کسی حکومت کا تختہ الٹنا ہو، کسی عالمی شخصیت کو قتل کرانا ہو، حکومتوں کے راز چرانے ہوں، کوئی چیز ایک ملک سے دوسرے ملک پہنچانی ہو، اسلحہ یا منشیات کی ڈیلنگ کرنی ہو، ڈیتھ لائن ہر کام انتہائی راز داری اور سرعت سے کرتی ہے کہ کسی کو کانوں کان خبر نہیں ہوتی۔ ان کا نام کامیابی کی ضمانت ہے''...... ارجن نے عالمی مجرم تنظیم ڈیتھ لائن کی تعریف کے پل بندھتے ہوئے کہا تو جگن ناتھ نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

''ہاں۔ ہم نے ڈیتھ لائن کے بارے میں ایسا ہی سنا ہے۔

تھینک یو مسٹر ڈیتھ ماسٹر کہ آپ ہماری دعوت پر یہاں آئے‘‘۔ جگن ناتھ نے پہلے ارجن سے اور پھر ڈیتھ ماسٹر سے کہا تو ڈیتھ ماسٹر کے چہرے پر مسکراہٹ آ گئی۔

’’آپ کی اس تعریف کا شکریہ جگن ناتھ صاحب۔ آپ یہ بتائیں کہ آپ ہم سے کیا کام لینا چاہتے ہیں‘‘...... ڈیتھ ماسٹر نے مسکراتے ہوئے کہا۔

’’ہم نے پاکیشیا سے ایک فائل حاصل کرنی ہے‘‘...... جگن ناتھ نے ڈیتھ ماسٹر کو غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔

’’فائل تو ہم لا دیں گے لیکن یہ بتائیں کہ صرف ایک فائل کے لئے آپ ہماری خدمات کیوں حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ آپ کے پاس دنیا کے بہترین ایجنٹس اور خطرناک ترین ایجنسیاں ہیں‘‘۔ ڈیتھ ماسٹر نے کہا۔

’’پاکیشیا کی ایجنسیوں کے افراد رات کے کھانے میں کیا لیتے ہیں۔ صبح کا ناشتہ کس چیز سے کرتے ہیں۔ سگریٹ کون سی پیتے ہیں۔ ہمیں ان کے ایک ایک پل کی رپورٹ ملتی ہے۔ اسی طرح ہمارے سیکرٹ ایجنٹوں کی پل پل کی خبریں انہیں مل جاتی ہیں اور آج کل دونوں طرف سے دوستی، دوستی کا شور مچایا جا رہا ہے۔ اس لئے ہم چاہتے ہیں کہ ہم ایسی لاٹھی استعمال کریں کہ وہ ٹوٹے بھی نہ اور سانپ بھی مر جائے‘‘...... جگن ناتھ نے کہا تو بات ڈیتھ ماسٹر کی سمجھ میں آ گئی اور اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

’’ہونہہ۔ اب آپ اس فائل کے بارے میں بتائیں‘‘...... ڈیتھ ماسٹر نے کہا۔

’’فائل کا نام ہے آئی ٹن۔ یہ پاکیشیا کی ایٹمک انرجی سے متعلق ہے‘‘...... جگن ناتھ نے کہا۔

’’اوکے۔ آپ سمجھیں کہ فائل آپ کے پاس پہنچ گئی۔ اب معاوضے کی بات کریں‘‘...... ڈیتھ ماسٹر نے کہا۔

’’ہم آپ کو اس کام کا ایک کروڑ ڈالرز دیں گے‘‘...... جگن ناتھ نے ڈیتھ ماسٹر کو معاوضہ بتایا۔

’’سوری۔ ڈیتھ لائن اتنے معمولی معاوضے نہیں لیا کرتی۔ آپ کوئی اور تنظیم دیکھ لیں۔ آپ کا کام دو چار لاکھ ڈالرز میں بھی ہو جائے گا‘‘...... ڈیتھ ماسٹر نے خشک لہجے میں کہا اور اس کے ساتھ ہی وہ اٹھنے لگا۔

’’آپ بیٹھیں مسٹر ڈیتھ ماسٹر اور بتائیں کہ آپ کیا معاوضہ طلب کرتے ہیں‘‘...... جگن ناتھ نے کہا۔

’’دس کروڑ ڈالرز اور اخراجات کی مد میں مزید دو کروڑ ڈالرز اور وہ بھی ایڈوانس اور اگر اخراجات بڑھ گئے تو وہ اخراجات بھی آپ کو ادا کرنے ہوں گے‘‘...... ڈیتھ ماسٹر نے کہا۔

’’اتنے اخراجات ہو جائیں گے‘‘...... جگن ناتھ نے حیران ہو کر کہا تو ڈیتھ ماسٹر کے چہرے پر طنزیہ مسکراہٹ آ گئی۔

’’شاید آپ کو معلوم نہیں کہ پاکیشیا میں آج کل پیسے کے حصول

کے لئے دوڑ لگی ہوئی ہے۔ ہر بندہ زیادہ سے زیادہ پیسہ سمیٹ لینا چاہتا ہے۔ فائل کے بارے میں معلومات حاصل کرنے اور فائل تک پہنچنے کے لئے ہمیں پیسے کا بے دریغ استعمال کرنا ہو گا اور جو رقم میں نے بتائی ہے وہ بہت معمولی ہے''...... ڈیتھ ماسٹر نے کہا۔

''ہونہہ۔ چلئے اخراجات کے لئے تو یہ رقم مناسب ہے لیکن معاوضہ آپ نے دس کروڑ زیادہ طلب کیا ہے''...... جگن ناتھ چونکہ بنیا تھا اس لئے وہ کم سے کم رقم خرچ کرنا چاہتا تھا۔

''جگن ناتھ۔ اگر مجھے یہ مشن کافرستان میں کرنا ہوتا تو میں اس کا معاوضہ ایک کروڑ ہی لیتا لیکن یہ مشن ہے پاکیشیا میں۔ اور پاکیشیا میں رہتا ہے ایک بھوت، جس کا نام ہے علی عمران۔ اس عمران کے پاکیشیا میں بھوتوں کا ایک پورا ٹولہ موجود ہے جسے پاکیشیا سیکرٹ سروس کہتے ہیں ان کی وجہ سے پاکیشیا میں کوئی مشن آسان نہیں ہوتا''...... ڈیتھ ماسٹر نے طنزیہ لہجے میں کہا۔ اس کی بات سن کر جگن ناتھ اور ارجن دونوں کے چہرے غصے سے سرخ ہو گئے۔ لیکن دونوں ہی برداشت کر گئے کیونکہ انہوں نے ڈیتھ ماسٹر سے کام لینا تھا اور انہیں صدر صاحب سے ہدایت یہی ملی تھی کہ یہ کام کسی غیر ملکی پرائیویٹ تنظیم سے کرایا جائے۔ اگر انہیں یہ ہدایت نہ ملی ہوتی تو ارجن نے تو لازماً ڈیتھ ماسٹر کو اس بات پر جوتے مار کر بھگا دینا تھا۔ اس نے واشگاف لفظوں میں انہیں نااہل قرار دیا تھا اور پاکیشیا سیکرٹ سروس کی تعریف کی تھی۔

''تمہاری یہ سوچ کسی طرح بھی درست نہیں ہے ڈیتھ ماسٹر مجبوری کی وجہ سے ہم یہ کام خود نہیں کر رہے۔ برسوں سے کافرستان اور پاکیشیا میں دشمنی چلی آ رہی ہے اور اس وقت دوستی، دوستی کا کھیل کھیلا جا رہا ہے۔ ہماری معمولی سی کسی غفلت کی وجہ سے یہ کھیل خراب ہوسکتا ہے۔ اس لئے ہم خود اس پر کام نہیں کرنا چاہتے ورنہ پاکیشیا سیکرٹ سروس تو ہمارے قدموں کی مٹی کے برابر بھی نہیں ہے''...... ارجن نے سخت لہجے میں کہا۔

''اوکے۔ آپ کی مجبوریاں ہوں گی۔ ہمیں تو بہرحال اپنے کام سے غرض ہے۔ ہمیں جب ہماری پسند کا معاوضہ مل جاتا ہے تو پھر ہم کام پارٹی کی مرضی کا کرتے ہیں۔ اب آگے آپ کی مرضی ہے کہ آپ ہمیں کام دیں یا نہ دیں''...... ڈیتھ ماسٹر نے اس مرتبہ نرم لہجے کہا۔ اس نے بارہ کروڑ ڈالرز سے زیادہ رقم طلب کی تھی اور اسے یقین تھا کہ اسے یہ رقم مل جائے گی اور وہ اس رقم کو کھونا نہیں چاہتا تھا۔

''اوکے۔ ہم آپ کو بارہ کروڑ ڈالرز دینے کو تیار ہیں۔ نصف رقم ایڈوانس اور باقی رقم کام مکمل ہو جانے کے بعد''...... جگن ناتھ نے بھی نرم لہجے میں کہا۔

''نصف رقم لینا میرے اصول کے خلاف ہے۔ میں تمام رقم پیشگی لیا کرتا ہوں۔ ہاں اگر مزید اخراجات ہو گئے تو پھر فائل آپ کے حوالے کرنے سے پہلے آپ سے وہ رقم لے لوں گا''...... ڈیتھ

ماسٹر نے کہا۔

''اور اگر تم مشن میں ناکام ہو گئے تو پھر ہم کیا کریں گے''۔ جگن ناتھ نے کہا۔

''تم نے ڈیتھ لائن کا نام سنا ہے جگن ناتھ۔ یہ ایسی تنظیم ہے جس کا نام سن کر ایکریمیا، کرانس، گریٹ لینڈ، روسیاہ اور دیگر بڑی طاقتوں کے ایوانوں میں زلزلہ آ جاتا ہے۔ ڈیتھ لائن آج تک اپنے کسی مشن میں ناکام نہیں ہوئی۔ اس کے باوجود تم تسلی رکھو۔ اگر میں اس مشن میں ناکام ہو گیا تو تمہیں دوگنی رقم واپس کروں گا''...... ڈیتھ ماسٹر نے اس مرتبہ سرد لہجے میں کہا۔

''اوکے۔ میں تمہیں بارہ کروڑ ڈالرز کا چیک لکھ دیتا ہوں لیکن ایک بات کا خیال رہے کہ کسی بھی موقع پر کافرستان کا نام سامنے نہیں ہونا چاہئے اور یہ کام نہایت ہی سیکرٹ انداز میں ہونا چاہئے''...... جگن ناتھ نے کہا۔

''ہم پروفیشنل لوگ ہیں۔ اگر ہم اپنے پروفیشن کی ڈیمانڈ کا خیال نہیں رکھیں گے تو اپنے پروفیشن کو کس طرح جاری رکھ سکیں گے''...... ڈیتھ ماسٹر نے خشک لہجے میں کہا تو جگن ناتھ نے مطمئن انداز میں سر ہلا دیا۔ پھر اس نے اپنی میز کی دراز کھولی اور اس میں سے چیک بک نکال لی۔ اس کے بعد اس نے چیک پر اندراجات کئے اور چیک پھاڑ کر ڈیتھ ماسٹر کی طرف بڑھایا۔ ڈیتھ ماسٹر نے چیک لے کر تین چار بار اسے اچھی طرح چیک کیا اور پھر چیک

جیب میں رکھ لیا۔

''ایک ہفتے کے اندر فائل آئی ٹن آپ کے پاس پہنچ جائے گی''...... ڈیتھ ماسٹر نے جگن ناتھ سے کہا۔

''ہمیں آپ کی کارکردگی پر ناز ہو گا''...... جگن ناتھ نے مسکراتے ہوئے لہجے میں کہا۔

''اوکے۔ تھینک یو''...... ڈیتھ ماسٹر نے جگن ناتھ کا شکریہ ادا کیا اور اس کے بعد وہ کھڑا ہو گیا اور مطمئن انداز میں چلتے ہوئے کمرے سے باہر نکلتا چلا گیا۔

سیکورٹی گارڈ نے انتہائی مؤدبانہ انداز میں سلام کیا اور پھر اس نے دروازہ کھول دیا۔ عمران نے بڑے ادب سے اس کے سلام کا جواب دیا پھر اس نے جیب میں ہاتھ ڈال کر چیونگم کا ایک پیکٹ نکالا۔ چیونگم نکال کر اس نے منہ میں ڈالی اور خالی ریپر سیکورٹی گارڈ کے ہاتھ پر رکھا اور پھر ہال میں داخل ہو گیا۔ سیکورٹی گارڈ پھٹی پھٹی آنکھوں سے دیکھنے لگا۔ وہ زیادہ دیر تک حیران بھی نہ رہ سکا کیونکہ کچھ اور لوگ دروازے کی طرف بڑھ رہے تھے اور اسے ان کے لئے دروازہ کھولنا تھا۔

عمران اس وقت اپنے مخصوص ٹیکنی کلر لباس میں تھا اور آج اس نے یہ لباس کافی دنوں بعد زیب تن کیا تھا۔ سیکرٹ سروس کے پاس کوئی کیس نہ تھا اور کتابوں کا مطالعہ کر کے آج وہ بور ہو گیا تھا۔ انٹرنیشنل سائنس میگزین کو وہ دو نئے مضمون لکھ کر بھیج چکا تھا اور اب جبکہ کوئی مصروفیت نہیں تھی تو اس نے ہوٹلنگ کرنے کا فیصلہ کیا اور

اپنا مخصوص لباس پہنا کیونکہ وہ تفریح کے موڈ میں تھا۔ ہوٹلنگ کا فیصلہ کر کے وہ ڈان ہوٹل آ گیا۔ ڈان ہوٹل کا شمار دارالحکومت کے بہترین ہوٹلوں میں ہوتا تھا۔

ہال میں داخل ہونے کے بعد وہ ایک جگہ رک گیا اور آنکھیں مٹکا مٹکا کر ہال کا جائزہ لینے لگا۔ اس وقت اس کے چہرے پر حماقت چھما چھم برس رہی تھی۔ ہال کا مکمل جائزہ لینے کے بعد وہ ایک خالی میز کی طرف بڑھا اور پھر اس نے میز پر ہی بیٹھنے کی کوشش کی لیکن قریب کھڑے ویٹر نے اسے میز پر بیٹھنے سے روکا اور اسے کرسی پر بیٹھنے میں مدد دی۔ کرسی پر بیٹھنے کے بعد وہ اداس بکری کی طرح جگالی کرنے لگا۔ جگالی کرتے کرتے اس نے اپنا ایک ہاتھ میز پر دے مارا۔ فوراً ہی ویٹر اس کے قریب آ گیا۔

"یس سر"...... ویٹر نے مؤدبانہ لہجے میں کہا لیکن عمران اس طرح خاموش بیٹھا رہا جیسے اس نے کچھ سنا ہی نہ ہو۔

"یس سر"...... ویٹر نے اس مرتبہ کچھ بلند آواز میں کہا۔ شاید اس کا خیال تھا کہ یہ نوجوان کچھ اونچا سنتا ہے۔ ویٹر کی تیز آواز سن کر عمران یکدم ہڑبڑا گیا جس کی وجہ سے کرسی کا توازن بگڑ گیا اور عمران کرسی سمیت فرش پر گر گیا۔ اس کے گرنے سے ہال میں اچھی خاصی آواز پیدا ہوئی اور وہاں موجود لوگوں نے اس کی طرف دیکھا جبکہ ویٹر کے چہرے پر پریشانی کے تاثرات پیدا ہوئے اور وہ عمران کو اٹھانے کے لئے جھکا۔

''ہائے ظالم۔ مار دیا۔ کیا اس ہوٹل میں کسٹومار کے ساتھ یہی سلوک ہوتا ہے''...... عمران نے کراہتے ہوئے کہا اور اٹھنے کی کوشش کرنے لگا لیکن اٹھتے اٹھتے وہ ایک بار پھر گر گیا۔ ویٹر کی پریشانی میں اور زیادہ اضافہ ہو گیا۔ پریشان ہونے کے ساتھ ساتھ وہ خجل بھی نظر آنے لگا۔

''سوری سر۔ سوری۔ پلیز معاف کر دیجئے''...... ویٹر نے عمران سے معذرت کرتے ہوئے کہا۔ ساتھ ہی اس نے مضبوطی سے عمران کا باز پکڑا اور اسے اٹھایا۔ عمران ہائے ہائے کرتا ہوا اٹھا اور پھر کرسی پر بیٹھ گیا۔

''ہائے بڑھاپا۔ ہڈیاں درد کر رہی ہیں''...... عمران نے کراہتے ہوئے کہا۔ ویٹر نے حیرت سے عمران کی طرف دیکھا۔

''بڑھاپا''...... ویٹر بڑبڑایا۔ اسے تو یہ بندہ ابھی کالج بوائے دکھائی دے رہا تھا۔ اس کے چہرے پر موجود معصومیت بتا رہی تھی کہ اس نوجوان کو ابھی زمانے کی ہوا ہی نہیں لگی اور یہاں یہ اپنے بڑھاپے کا رونا رو رہا تھا۔

''لازماً اس نوجوان کا دماغ کھسکا ہوا ہے''...... ویٹر نے دل میں سوچا لیکن وہ عمران سے کچھ کہہ نہیں سکتا تھا۔ اسے اپنی سروس میں بہت سے تجربات ہوئے تھے۔ بظاہر غریب اور مفلس نظر آنے والے کروڑ پتی نکلتے تھے اور بعض اوقات بادشاہ دکھائی دینے والے مفلس نکلتے تھے اور یہ ان کی سروس کا حصہ تھا کہ وہ سب سے

احترام سے پیش آئیں۔

''سوری سر۔ میری وجہ سے آپ گرے۔ معاف کر دیجئے''۔ ویٹر نے ایک بار پھر معذرت کرتے ہوئے کہا۔

''اچھا۔ یہ بتاؤ کہ تم نے میرے قریب آ کر مجھے کیوں ڈرایا''۔ عمران نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔

''سر۔ آپ نے مجھے خود طلب کیا تھا''...... ویٹر نے مؤدبانہ لہجے میں کہا۔

''اچھا۔ تم حسین و جمیل لڑکی ہو کہ میں تمہیں طلب کروں گا''۔ عمران نے اسے گھورتے ہوئے کہا تو ویٹر بے چارہ کھسیانا ہو گیا اور پھر اس نے وہاں سے کھسک جانے میں ہی اپنی عافیت جانی۔

عمران کو تنگ کرنے کے لئے ایک اچھا شکار ملا تھا لیکن جب ویٹر بھاگ گیا تو عمران اس طرح ہاتھ ملنے لگا جیسے شکار کے بھاگنے پر شکاری ہاتھ ملتا رہ جاتا ہے۔ وہ چند لمحے تک ہاتھ ملتا اور منہ بناتا رہا پھر پہلے کی طرح جگالی کرنے لگا۔ چیونگم بھی آج اس نے بڑے عرصے بعد استعمال کی تھی۔

''ایکسکوزمی''...... وہ سر جھکا کر جگالی کر رہا تھا کہ اسے ایک مترنم سی آواز سنائی دی۔ وہ ایک بار پھر ہڑبڑا گیا۔ کرسی کا توازن اس بار بھی بگڑا لیکن اس بار وہ گرنے سے محفوظ رہا۔ سنبھلنے کے بعد اس نے سامنے دیکھا۔ سامنے دیکھ کر اس کی آنکھوں میں وہ چمک آ گئی جو کسی نوجوان کی آنکھوں میں لڑکیوں کو دیکھ کر آتی ہے۔ اس

کے سامنے تین خوبصورت اور نوجوان لڑکیاں کھڑی تھیں۔

''کیا ہم آپ کے ساتھ بیٹھنے کا اعزاز حاصل کر سکتی ہیں''۔ ان میں سے ایک لڑکی نے شوخ سے لہجے میں کہا پھر عمران کی طرف سے اجازت ملنے سے پیشتر ہی وہ تینوں خالی کرسیوں پر بیٹھ گئیں۔

''کمال ہے آپ میرا نام تک جانتی ہیں لیکن مجھے لگتا ہے کہ میں نے کبھی آپ کو دیکھا ہی نہیں''...... عمران نے طوطے کی طرح آنکھیں مٹکا مٹکا کر انہیں دیکھتے ہوئے کہا۔

''ہم آپ کا نام جانتی ہیں؟۔ کیا نام ہے آپ کا''...... دوسری لڑکی نے حیرت بھرے لہجے میں کہا۔

''ابھی انہوں نے محبت بھرے انداز میں اپنی سریلی آواز میں میرا نام لیا ہے۔ اعزاز''...... عمران نے شرماتے ہوئے کہا۔

''اوہ۔ یس یس''...... لڑکی نے کہا اور پھر اس نے مسکرا کر دوسری لڑکیوں کی طرف دیکھا۔ یہ تینوں لڑکیاں عمران کی قریبی ٹیبل پر بیٹھی ہوئی تھیں۔ عمران کا چہرہ، عمران کا لباس اور ویٹر کے ساتھ باتیں سن کر وہ عمران کی ٹیبل پر آ گئی تھیں۔ ان کے ہاتھ مفت کی تفریح آ رہی تھی۔

''ہاں۔ واقعی آپ ہمیں بھول چکے ہیں۔ خیر بھول گئے ہیں تو ہم اپنا تعارف دوبارہ کرا دیتی ہیں۔ میرا نام نشاء ہے۔ یہ زارا ہے اور یہ انجلینا ہے۔ ہم مقامی یونیورسٹی میں پڑھتی ہیں۔ انجلینا غیر ملکی ہے۔ یونیورسٹی ہاسٹل میں رہتی ہے اور یونیورسٹی کی ہونہار طالبہ

ہے۔ چونکہ اسے یہاں رہتے ہوئے دو سال ہو گئے ہیں اس لئے یہ ہماری زبان بھی بول لیتی ہے''...... ایک لڑکی نے تعارف کراتے ہوئے کہا۔

''بس بڑھاپے کی وجہ سے میں تمہیں بھول گیا۔ تم سے میری ملاقات ضرور ہوئی ہو گی''...... عمران نے کہا۔

''ایسا نہ کہیں اعزاز صاحب۔ ہم تو یونیورسٹی کی طالبہ ہیں لیکن آپ تو کالج بوائے لگتے ہیں۔ اچھا ان باتوں کو چھوڑیں اور یہ بتائیں کہ آپ کیا پینا پسند کریں گے''...... زارا نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''دودھ۔ نہیں نہیں سوڈا واٹر ٹھیک رہے گا۔ اوکے۔ سوڈا واٹر منگوا لیں''...... عمران نے کہا۔

''جی۔ سوڈا واٹر''...... زارا نے حیرت بھرے لہجے میں کہا پھر حیرت کی جگہ اس کے چہرے پر مسکراہٹ آ گئی۔

''لگتا ہے آپ اس صدی سے تعلق نہیں رکھتے''...... زارا نے مسکراتے ہوئے کہا تو عمران آنکھیں گھما گھما کر دیکھنے لگا جیسے اسے ان لڑکیوں کے مسکرانے کی وجہ سمجھ نہ آ رہی ہو۔

''اچھا اعزاز صاحب۔ یہ بتائیے کہ آپ کس کالج میں پڑھتے ہیں''...... اس مرتبہ انجلینا نے پوچھا۔

''میں پڑھتا نہیں ہوں محترمات۔ میں پڑھاتا ہوں۔ کنگ آرٹس کالج میں''...... عمران نے کہا تو لڑکیوں نے اسے اس انداز میں

دیکھا جیسے انہیں عمران کی بات پر یقین نہ آیا ہو۔

"نہیں۔ہم یہ بات نہیں مان سکتیں"...... نشاء نے انکار کی صورت میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔

"اب میں تمہیں کیسے یقین دلا سکتا ہوں"...... عمران نے بے چارگی سے کہا اور ایک بار پھر جگالی کرنے لگا۔

"اچھا۔ آپ کون سا سبجیکٹ پڑھاتے ہیں کنگ آرٹس کالج میں"...... زارا نے پوچھا۔

"پامسٹری"...... عمران نے جواب دیا تو تینوں لڑکیوں نے چونک کر عمران کو دیکھا۔

"ہائیں۔ آپ پامسٹ ہیں"...... نشاء نے یقین نہ آنے والے انداز میں کہا۔ باقی دونوں بھی حیران تھیں۔

"ہاں۔ میرا مکمل نام پروفیسر اعزاز جنگ آزادی ہے"۔ عمران نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ عمران کا مکمل نام سن کر تینوں لڑکیوں کے چہروں پر مسکراہٹ آ گئی۔

"جی۔ تو پروفیسر جنگ آزادی صاحب۔ آپ نے کتنی جنگیں لڑی ہیں اور کتنے اعزاز حاصل کیے ہیں"...... زارا نے پوچھا۔

"آپ۔ آپ"...... عمران کا لہجہ رندھ گیا اور اس کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو گرنے لگے۔

"آپ بھی دوسروں کی طرح میرا مذاق اڑا رہی ہیں"۔ عمران نے ہچکیاں بھرتے ہوئے کہا تو تینوں لڑکیاں گھبرا گئیں۔ وہ ایک

ہوٹل کے ہال میں بیٹھی ہوئی تھیں اور عمران کے رونے پر وہ تماشہ بن سکتی تھیں۔ بہت ہی عجیب نوجوان سے ان کا واسطہ پڑ گیا تھا۔ عمران کا رونا بڑھ گیا تھا اور وہ سوچ رہی تھیں کہ اسے کیسے ہینڈل کیا جائے جبکہ عمران کا رونا لمحہ بہ لمحہ تیز ہوتا جا رہا تھا۔

"ارے۔ کتنا پیارا نام ہے اعزاز جنگ آزادی"...... انجلینا نے عمران کو بہلانے کی خاطر کہا۔

"ہاں۔ جس طرح نام پیارا ہے۔ اس طرح پروفیسر صاحب بھی بہت پیارے اور کیوٹ ہیں"...... نشاء نے کہا۔ اب عمران کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آ گئی پھر عمران چونک پڑا۔ ایک باوردی ڈرائیور ان کی میز کی طرف آ رہا تھا عمران اس ڈرائیور کو جانتا تھا۔ یہ ڈرائیور مشتاق احمد کا سرکاری ڈرائیور تھا اور مشتاق احمد سائنس ڈیپارٹمنٹ میں آفس سپرنٹنڈنٹ تھے۔ میز کے قریب آ کر ڈرائیور نے سلام کیا اور نشاء سے مخاطب ہوا۔

"مس۔ کار پہنچ چکی ہے"...... اس کا لہجہ نہایت ہی مؤدبانہ تھا۔

"او کے۔ تم باہر رکو۔ ہم آتی ہیں"...... نشاء نے کہا تو ڈرائیور مڑا اور پھر وہاں سے چلا گیا جبکہ نشاء نے ویٹر کو بلایا۔

"چار پیگ وہسکی لے آؤ"...... نشاء نے ویٹر کو آرڈر دیتے ہوئے کہا۔

"ارے نہیں نہیں۔ اماں بی کو پتہ چل گیا کہ میں نے وہسکی پی ہے تو وہ اپنی جوتی سے میرا سر گنجا کر دیں گی"...... عمران نے یکدم

ہی بوکھلائے ہوئے لہجے میں کہا تو وہ تینوں لڑکیاں ایک بار پھر حیران ہو گئیں جبکہ ویٹر بھی رُک گیا۔

''او کے۔ چار کولڈ ڈرنکس لے آؤ''...... چند لمحے حیران رہنے کے بعد نشاء نے آرڈر تبدیل کرتے ہوئے کہا۔

''نہیں۔ چائے''...... عمران نے کہا۔

''جی بہت بہتر''...... ویٹر نے مؤدبانہ لہجے میں کہا اور پھر وہ واپس چلا گیا۔

''جی۔ پروفیسر جنگ آزادی صاحب۔ آپ بتا رہے تھے کہ آپ پامسٹ ہیں''...... زارا نے کہا۔

''مارچ پاسٹ۔ یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں مس زارا''...... عمران نے حیرت بھری آواز میں کہا۔

''جنگ آزادی ہونے کی وجہ سے مارچ پاسٹ یاد آ رہا ہے''۔ نشاء نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

''شکر ہے کہ تم یاد نہیں آ رہی ہو۔ ورنہ تو میرا اللہ حافظ تھا''۔ عمران نے چھت کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''وہاٹ''...... نشاء نے غصیلے لہجے میں کہا۔

''نشاء صاحبہ تو بہت غصے میں ہیں۔ کیا یہ اپنے شوہر سے لڑ کر آئی ہیں''...... عمران نے زارا اور انجلینا سے کہا۔

''کیا۔ میرا شوہر۔ وہ''...... نشاء یکدم بوکھلا کر بولی لیکن پھر فوراً ہی خاموش ہو گئی لیکن اس کی بوکھلاہٹ سے عمران کو اندازہ ہو گیا

کہ دال میں کچھ کالا ضرور ہے۔

''تم دنیا بھر سے چھپا سکتی ہو لیکن مجھ سے نہیں۔ میں تو ماتھا دیکھ کر ہی جان لیتا ہوں۔ آخر میرا نام پروفیسر اعزاز جنگ آزادی ہے اور میں پامسٹری کا پروفیسر ہوں''...... عمران نے فخریہ لہجے میں کہا۔

''اوہ۔ نشاء۔ تم نے خفیہ شادی کی ہوئی ہے۔ ہمیں بھی نہیں بتایا''...... زارا نے حیرت بھرے لہجے میں کہا۔

''وہ۔ وہ۔ دراصل''...... نشاء بری طرح بوکھلا چکی تھی۔ وہ کچھ کہہ ہی نہ سکی۔ عمران نے تو ویسے ہی مذاق میں ایک بات کہہ دی تھی اور اس کی وہ بات سچ ثابت ہو گئی تھی۔

''لیکن نشاء۔ تمہیں خفیہ شادی کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ تمہارے والدین تو کافی آزاد خیال ہیں''...... انجلینا نے بھی حیرت بھرے انداز میں کہا۔

''نہیں۔ میری شادی کی معاملے میں وہ آزاد خیال نہیں ہیں۔ اسی لئے مجھے مجبوراً یہ قدم اٹھانا پڑا''...... نشاء نے دھیمی آواز میں اور سر جھکاتے ہوئے کہا۔

''چلیئے پروفیسر صاحب۔ اب آپ میرے بارے میں بھی کچھ بتایئے''...... انجلینا نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''دکھایئے اپنا ہاتھ''...... عمران نے کہا اور پھر اس نے انجلینا کا ہاتھ پکڑ لیا۔ جیسے ہی عمران نے انجلینا کا ہاتھ پکڑا عمران کی کلائی

پر بندھی ہوئی گھڑی میں ایک سبز نقطہ روشن ہو گیا۔ جسے صرف عمران ہی دیکھ سکا۔ عمران انجلینا کو دیکھ کر اس کی قومیت کے بارے میں جان چکا تھا۔ اس لئے اس نے اس قومیت کی مخصوص عادات و اطوار اور خفیہ خصوصیات کو مدنظر رکھتے ہوئے چند باتیں بتائیں تو انجلینا حیران ہو گئی۔

''واؤ۔ پروفیسر اعزاز جنگ آزادی۔ آپ تو گریٹ پامسٹ ہیں''...... انجلینا نے کہا۔ وہ عمران سے بہت متاثر ہو گئی تھی۔

'' لیکن لوگ مجھے گریٹ کیا بوتلوں کا کریٹ بھی نہیں سمجھتے''۔ عمران نے یکدم ہی دکھی ہوتے ہوئے کہا۔

''اوہ۔ اوہ۔ وہ کیوں''...... انجلینا نے عمران کو دکھی ہوتے دیکھا تو فوراً جذبات میں آ کر بولی۔

''اگر لوگ مجھے گریٹ سمجھتے تو میری اب تک شادی نہ ہو چکی ہوتی''......عمران نے حسرت بھرے لہجے میں کہا۔

''آپ اداس نہ ہوں پروفیسر۔ آپ کی شادی ضرور ہوگی اور جس لڑکی سے آپ کی شادی ہو گی وہ بہت ہی خوش قسمت ہوگی۔ رئیلی یو آر ویری گریٹ''...... انجلینا نے بدستور جذباتی لہجے میں کہا۔

''تھینک یو۔ کیا وہ خوش قسمت لڑکی آپ بننا پسند کریں گی''۔ عمران نے پر امید نظروں سے انجلینا کو دیکھتے ہوئے کہا۔ انجلینا اس کی بات سن کر یکدم خاموش ہو گئی۔ نشاء اور زارا نے حیرت سے پہلے عمران کو اور پھر انجلینا کو دیکھا اور پھر وہ سوچنے لگیں کہ انجلینا

نجانے عمران کو کیا جواب دیتی ہے۔

''یس پروفیسر اعزاز۔ میں آپ سے شادی کرنے کے لئے تیار ہوں''...... کچھ دیر کی خاموشی کے بعد انجلینا نے کہا تو عمران خوشی سے اچھل پڑا۔ اس طرح اچھلنے کی وجہ سے اس کا توازن بگڑا اور وہ کرسی سمیت نیچے گر گیا۔ گرنے سے بچنے کے لئے اس نے انجلینا کی کرسی کو پکڑنا چاہا۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ انجلینا بھی کرسی سمیت نیچے آ گری۔ صرف ایک دو سیکنڈوں میں ہی عمران نے انجلینا کا ہینڈ بیگ کھولا اور اس میں موجود چیزوں کو ٹٹولا اور اس کی لپ اسٹک عمران کی جیب میں منتقل ہو گئی۔ ان دونوں کو گرتے دیکھ کر دو تین ویٹر ان کی طرف دوڑے تاکہ اٹھنے میں ان کی مدد کریں۔ نشاء اور زارا بھی اپنی کرسیوں سے اٹھ کھڑی ہوئی تھیں اور ان کے چہروں پر خجالت سی ابھر آئی تھی۔ ایک ویٹر عمران کو اور دوسرا انجلینا کو اٹھانے لگا۔

''خبردار۔ خبردار۔ ہماری ہونے والی وائف کو ہاتھ نہ لگانا۔ اب یہ ہماری عزت ہے اور ہم برداشت نہیں کر سکتے کہ کسی غیر مرد کے ہاتھ ہماری عزت کی طرف بڑھیں''......عمران نے اس ویٹر کو ڈانٹتے ہوئے کہا جو انجلینا کو اٹھنے میں مدد دے رہا تھا۔ عمران کی بات سن کر وہ بے چارہ اچانک رک گیا اور اس کے چہرے پر شرمساری کے تاثرات آ گئے۔

''بھئی لڑکیو۔ تم اپنی فرینڈ اور ہماری ہونے والی بیوی کو

اٹھاؤ''...... عمران نے نشاء اور زارا سے کہا لیکن اس کی نوبت نہیں آئی تھی کیونکہ اس دوران انجلینا خود ہی اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔

''ہائے لڑکیو۔ مجھے تو اٹھاؤ۔ ہائے یہ بڑھاپا''...... اس مرتبہ عمران نے کراہتے ہوئے کہا تو تینوں لڑکیوں نے اس کی طرف ہاتھ بڑھانے چاہئے لیکن وہ کرسیوں کا سہارہ لے کر خود ہی کھڑا ہو گیا اور پھر کراہتا ہوا وہ کرسی پر بیٹھ گیا۔

''اوکے پروفیسر صاحب۔ ہمیں اجازت دیجئے۔ پھر ملاقات ہو گی''...... نشاء نے عمران سے کہا۔ وہ اب عمران کے ساتھ بیٹھے ہوئے شرمندگی محسوس کر رہی تھی اس لئے اس نے اب اٹھ جانا ہی بہتر سمجھا۔

''ہاں۔ میں درد کی دوا دیکھتا ہوں۔ تم ذرا چائے منگوا لو۔ پھر چلی جانا''...... عمران نے کہا اور پھر اس نے جیب میں ہاتھ ڈالا۔

''ہاں ہاں۔ نشاء۔ ابھی تم بیٹھو۔ ابھی تو میرے اور پروفیسر صاحب کے درمیان شادی کے معاملات طے ہونے ہیں''۔ انجلینا نے کہا تو نشاء نے زبردستی مسکرانے کی کوشش کی۔ عمران نے اس دوران جیب میں رکھے سیل فون کا بٹن پریس کر دیا اور پھر جیب سے پین کلر ٹیبلٹ نکال لی۔

''انجلینا غیر ملکی لڑکی ہے اور ٹھیک کہہ رہی ہے کہ ابھی ہمارے درمیان شادی کے معاملات طے پانے باقی ہیں۔ اب ہم ڈان ہوٹل میں بیٹھے ہیں یہیں شادی تو نہیں کر سکتے نا''...... عمران نے

انجلینا کو محبت بھری نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

''ہاں ہاں نشاء۔ بہتر ہے کہ یہ شادی کے معاملات طے کر لیں۔ ہمارے لئے یہ خوشی کی بات ہے کہ انجلینا کسی پاکیشائی نوجوان سے شادی کر لے اور پھر پروفیسر اعزاز جنگ آزادی جیسا بھولا نوجوان انجلینا کو پوری دنیا میں نہیں ملے گا''...... زارا نے کہا تو نشاء کے چہرے پر ایک بار پھر مسکراہٹ آ گئی۔ اسی دوران ویٹر نے انہیں چائے سرو کر دی۔ وہ چائے پی رہے تھے کہ عمران نے خاور کو ہال میں داخل ہوتے دیکھا۔ ہال میں داخل ہونے کے بعد وہ ایک میز کی طرف بڑھ گیا تھا۔

''انجلینا۔ اگر تم اجازت دو تو میں کل اپنے بزرگوں سمیت تمہارے ہاسٹل آ جاؤں۔ میرے بزرگ تمہارے رشتے کے لئے ہاسٹل وارڈن کے سامنے اپنا دامن پھیلائیں گے''...... عمران نے انجلینا سے کہا۔

''رشتے کے لئے ہاسٹل وارڈن کے سامنے دامن پھیلائیں گے۔ میں سمجھی نہیں''...... انجلینا نے حیران ہو کر کہا۔

''اعزاز صاحب۔ آپ اور آپ کے بزرگوں کو ہاسٹل وارڈن کی ضرورت نہیں ہے۔ انجلینا خود مختار ہے۔ بس آپ اپنے بزرگوں کو تیار کریں اس کے بعد نکاح کی تاریخ مقرر کریں اور ہمیں فون کر دیں۔ ہم انجلینا کو تیار کر کے آپ کے بتائے ہوئے میرج کلب میں پہنچ جائیں گے''...... زارا نے کہا۔

"اچھا۔ شادی کرنا اتنا آسان ہے۔ میں ایسے ہی پریشان ہو رہا تھا"...... عمران نے خوش ہوتے ہوئے کہا۔

"جی ہاں۔ ہمارے ملک کو چھوڑ کر باقی تمام ممالک میں شادی کرنا بہت آسان ہے۔ میرا سیل نمبر نوٹ کر لیں اور جب آپ کی طرف سے تیاری مکمل ہو جائے تو ہمیں فون کر لیں"...... زارا نے کہا اور ساتھ ہی اس نے اپنا سیل نمبر بھی بتا دیا۔ نشاء کی نسبت وہ زیادہ اس رشتے پر خوش نظر آ رہی تھی۔

"مجھے پھر اجازت دو۔ مجھے تو شادی کی تیاری کے لئے کئی دن لگ سکتے ہیں"...... عمران نے کہا اور پھر وہ کرسی سے اٹھ کھڑا ہوا۔ اس نے محبت بھرے انداز میں انجلینا کو دیکھا لیکن اگلے ہی لمحے اس نے شرما کر اپنا ہاتھ اپنے منہ پر رکھ لیا اور پھر شرمائے شرمائے انداز میں گیٹ کی طرف بڑھا۔ اس کے اس انداز پر تینوں لڑکیاں کھلکھلا کر ہنس پڑیں۔

عمران ہال سے باہر آ کر پارکنگ کی طرف بڑھا اور پھر تھوڑی دیر بعد اس کی کار مین روڈ پر تھی۔ مین روڈ پر آتے ہی اس نے جیب میں ہاتھ ڈال کر انجلینا کی لپ اسٹک نکالی اور اس کا معائنہ کرنے لگا۔ اچانک ہی لپ اسٹک سے ٹوں ٹوں کی آواز نکلنے لگی۔ یہ ٹرانسمیٹر کی مخصوص آواز تھی اور اس آواز کو سن کر عمران کے چہرے پر مسکراہٹ آ گئی۔ عمران نے لپ اسٹک کو ایک جگہ سے دبایا تو ٹوں ٹوں کی آواز بند ہو گئی۔

"عمران۔ تم نے مجھ سے ٹکرا کر زندگی کی بھیانک ترین غلطی کی ہے۔ اوور"...... دوسری طرف سے ایک کرخت آواز سنائی دی۔

"بھائی جی تم کون ہو۔ میں تو یہ لپ اسٹک اپنی ہونے والی بیوی کے پرس سے لایا ہوں تاکہ سہاگ رات کو اس جیسی لپ اسٹک کا بنڈل اسے گفٹ دے سکوں لیکن اگر لپ اسٹک کو ہونٹوں سے لگانا بھیانک ترین غلطی ہے تو میں اسے ضائع کر دیتا ہوں۔ تم ناراض کیوں ہوتے ہو۔ اوور"...... عمران نے بدحواس ہو کر کہا۔

"لپ اسٹک کے ضائع ہوتے ہی تمہاری سانسیں بھی ضائع ہو جائیں گی مسٹر علی عمران اور لپ اسٹک تم کیوں ضائع کرو گے میں خود اسے ضائع کر رہا ہوں۔ اوور اینڈ آل"...... دوسری طرف سے بدستور کرخت لہجے میں کہا گیا اور اس کے ساتھ ہی لپ اسٹک ہلکی سی گرم ہوئی اور پھر ایک ہلکے سے دھماکے سے پھٹ گئی۔ لپ اسٹک کے پھٹتے ہی کار میں دھواں پھیل گیا اور عمران کی آنکھوں میں اندھیرا سا پھیلنے لگا۔ اس کے ساتھ ہی عمران پر کھانسی کا بھی دورہ پڑ گیا اس کا سر بری طرح چکرانے لگا۔ پھر اچانک ہی اس کے سامنے ایک ہیوی ٹرک نمودار ہوا۔ عمران پر کھانسی کا دورہ پڑا ہوا تھا اور اس کی آنکھوں میں دھند سی چھائی ہوئی تھی اس کے باوجود اس نے بچنے کی لاشعوری کوشش کی لیکن اس کی کوشش بار آور ثابت نہ ہوئی۔ ایک زور دار دھماکا ہوا اور کار ٹرک سے ٹکرا کر دور تک اڑتی چلی گئی۔

پوری دنیا میں آج کل ایک جوش پایا جاتا تھا۔ پوری دنیا کے امن پسند لوگ سرلوکارٹ کے ہمنوا تھے جنہوں نے امن اور دوستی کا نعرہ لگایا تھا۔ مختلف ممالک کے دورے کئے تھے اور تمام بڑی طاقتوں کو امن کے لئے کام کرنے پر قائل کیا تھا۔ اقوام متحدہ نے سرلوکارٹ کی کاوشوں کو سراہا تھا۔

آج سرلوکارٹ اقوام متحدہ کے پلیٹ فارم سے دنیا بھر کے افراد سے خطاب کرنے والے تھے۔ دنیا بھر کا الیکٹرانک میڈیا ان کے اس خطاب کو براہ راست ٹیلی کاسٹ کر رہا تھا۔ ان کے خطاب سے پہلے دنیا بھر کے اربوں انسان اپنے کام کاج چھوڑ کر ٹی وی سیٹوں کے سامنے بیٹھ گئے تھے۔ وہ سمجھتے تھے کہ ان کے کام کاج سے زیادہ اہم امن ہے۔ اگر دنیا میں امن اور سکون ہو گا تو کام کاج بہتر ہو گا لیکن اگر دنیا میں امن سلامتی نہیں ہو گی تو کاروبار ٹھپ ہو جائیں گے۔ سرلوکارٹ کی کاوشوں اور کارنامے کی وجہ

سے دنیا بھر کے اربوں انسان ان کے مداح بن چکے تھے اور وہ ایک عالمی ہیرو کا درجہ حاصل کر چکے تھے۔ اب لوگ اپنے اس ہیرو کی تقریر سننے کے لئے بے چین تھے۔ پھر لوگوں کے انتظار کی گھڑیاں ختم ہوئیں۔ امن ٹی وی چینل کی خوبصورت اناؤنسر کا مسکراتا ہوا چہرہ دکھائی دیا۔ امن ٹی وی کی یہ نشریات دنیا کے تمام ٹی وی چینل دکھا رہے تھے۔ اناؤنسر نے اعلان کیا۔

''عالمی امن کانفرنس کے سربراہ سرلوکارٹ دنیا بھر کے امن پسند لوگوں سے خطاب کرنے والے ہیں''...... ٹی وی اناؤنسر نے مسکراتے ہوئے کہا اور پھر وہ سکرین سے غائب ہو گئی اور اس کی جگہ سرلوکارٹ دکھائی دینے لگے ان کی شخصیت اتنی باوقار اور سحر انگیز تھی کہ انہیں دیکھنے والے ان سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔

''عزیز دوستو۔ آپ جانتے ہیں کہ جنگوں نے ہمیشہ انسانیت کو نقصان پہنچایا۔ جنگوں سے انسان کو سوائے تباہی و بربادی کے کچھ نہیں ملتا جبکہ امن انسان کو ترقی کی معراج پر پہنچا دیتا ہے۔ صحت، تندرستی امن ہی کی مرہون منت ہے''...... سرلوکارٹ کا خطاب شروع ہوا۔ ان کی آواز بھی دلوں کو مسخر کر لینے والی تھی۔ جو شخص بھی ان کی باتوں کو سن رہا تھا اس کے دل پر اثر ہو رہا تھا۔ ان کا خطاب ابھی جاری تھا کہ سکرین پر ایک جھماکا سا ہوا اور پھر سکرین پر بجلیاں سی کوندنے لگیں۔ چند لمحوں بعد منظر صاف ہوا تو سکرین سے سرلوکارٹ غائب تھے اور ان کی جگہ ایک کھوپڑی دکھائی دنے

رہی تھی۔ جس کے دائیں بائیں خون میں ڈوبی ہوئی دو ہڈیاں بھی موجود تھیں۔ لوگ اس صورت حال کے لئے قطعاً تیار نہیں تھے۔ اس لئے دنیا بھر کے لوگ ششدرہ رہ گئے۔ ٹی وی سکرین پر کھوپڑی اور ہڈیاں دیکھ کر کچھ لوگ تو خوفزدہ بھی ہو گئے۔ انہیں آنے والے خطرے کی بومحسوس ہوگئی۔ پھر اس سے پہلے کہ یہ لوگ حیرت کے حصار سے باہر نکلتے اور اس واقعے پر تبصرے شروع ہوتے ٹی وی پر ایک بھیانک اور خونخوار آواز سنائی دی۔

''اس دنیا کے باسیو۔ ڈاکٹر بلیک تم سے مخاطب ہے۔ سنو اور غور سے سنو کہ میں نے ایک ایسی طاقت حاصل کر لی ہے جس سے میں اس دنیا پر قیامت برپا کر دوں گا لیکن اس مین بھی میری کچھ شرائط ہوں گی کیونکہ میں بھی امن کا اتنا ہی قائل ہوں جتنا سرلوکارٹ ہے۔ بہرحال میں تمہیں آگاہ کرنا چاہتا ہوں کہ میں نے فی الحال چند ملکوں کے عظیم رہنماؤں کی موت کا وقت فکس کیا ہے اور میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ جو وقت میں کسی رہنما کی موت کا بتا رہا ہوں اسے اسی وقت پر موت ضرور آئے گی۔ کوئی اپنی اس شخصیت کو بچانا چاہے تو میری طرف سے کوئی رکاوٹ نہیں ڈالی جائے گی۔ ہاں اگر میرے بتائے ہوئے وقت کے مطابق کسی رہنما کو موت نہ آئی تو میں وعدہ کرتا ہوں کہ میں اپنی تنظیم ریڈ نائٹ کا خاتمہ کر دوں گا اور خود کو اس ملک کے حوالے کر دوں گا جس ملک نے اپنی شخصیت کو بچا لیا ہو گا۔ میں اس ملک کا وفادار بن جاؤں

گا۔ میرا ہر لمحہ، ہر ساعت اور ہر گھڑی اس ملک کی عظمت کے چراغ جلانے میں صرف ہو گا۔ میں اپنی سائنسی قابلیت سے اس ملک کو ترقی کے عروج پر پہنچا دوں گا اور اگر وہ ملک مجھے پھانسی پر چڑھانا چاہئے گا تو میں ہنسی خوشی موت کو گلے لگا لوں گا اور اگر کوئی ملک میری ٹارگٹ کردہ شخصیت کو مرنے سے نہیں بچا سکے گا تو میں اس ملک کے کسی بھی اہم شہر یا دارالحکومت کو ایٹم بم سے اڑا دوں گا۔ ہاں ایٹم بم کو تلاش کرنے اور ناکارہ کرنے کے لئے بھی اس ملک کو تیس گھنٹے کا وقت دوں گا۔ لوگو۔ مجھے تو یقین ہے تم بھی یقین کر لو کہ میرے چیلنج کا کوئی توڑ نہیں ہے۔ دریا الٹا چل سکتا ہے، سورج مشرق کی بجائے مغرب سے طلوع ہو سکتا ہے لیکن میرے بتائے آدمی کو موت سے کوئی نہیں بچا سکتا۔ اب میں ان لوگوں کے نام بتا رہا ہوں جو جام اجل پینے کے لئے تیار ہیں۔

نمبر ایک۔ جنرل ڈی سوزا آف ایکریمیا۔ آج سے ٹھیک تین دن بعد شام سات بجے اور ایکریمیا کی ریاست فلوایا۔

نمبر دو۔ راکوموتو۔ وزیراعظم آف باچان۔ جنرل ڈی سوزا سے تین دن بعد صبح نو بج کر ایک منٹ۔ شہر ناکیو۔

نمبر تین۔ راگا چیف۔ سابق صدر آف روسیاہ۔ آٹھ مارچ رات گیارہ بج کر پچاس منٹ پر۔ ریاست جائنہ

نمبر چار۔ سرسلطان آف پاکیشیا فارن سیکرٹری۔ پندرہ مارچ رات گیارہ بج کر بیس منٹ پر۔ دارالحکومت۔

نمبر پانچ۔ ژالی کانت۔ سابق چانسلر آف کرانس یونیورسٹی کرانس۔ سولہ مارچ چھ بج کر تین منٹ۔ دارالحکومت۔

نمبر چھ۔ جنرل شکتی رام آف کافرستان۔ اٹھارہ مارچ دن ایک بج کر دس منٹ۔ دارالحکومت۔

ان کے علاوہ دوسرے سربراہ میرے دوسرے اعلان کا بے چینی سے انتظار کریں۔ میں ناانصافی کسی کے ساتھ بھی نہیں کروں گا۔ دنیا کے تمام ممالک کے ساتھ یکساں سلوک کروں گا لیکن میں نے گروپ بنا دیئے ہیں۔ پہلے گروپ میں یہ ملک آتے ہیں۔ اوکے ڈیئرز۔ تم سے دوسری ملاقات ان ملکوں کی تباہی کے بعد ہو گی''۔ کرخت اور خونخوار آواز یکدم خاموش ہو گئی۔ آواز بند ہوئی تو ایسے محسوس ہوا جیسے ساری دنیا سکوت میں ڈوبی ہوئی ہو۔

''پیارے بدنصیب لوگو۔ اب گورنمنٹ آف ایکریمیا کا فرض ہے کہ وہ اپنے ایک جنرل کو بچا لے تاکہ اس کے کروڑوں افراد بھی موت سے بچ سکیں۔ میں نے ایکریمیا میں نصب ایٹم بم کا بٹن بھی دبا دیا ہے۔ ایٹم بم کی گھڑی حرکت میں آ گئی ہے۔ ہاں میرا وعدہ ہے کہ اگر ایکریمی حکومت نے اپنے جنرل کو بچا لیا تو میں ایکریمیا کا وفادار بن جاؤں گا اور ایکریمیا کی ریاست فلوایا بھی تباہی سے بچ جائے گی۔ ریاست فلوایا میں ایک کروڑ انسان بستے ہیں۔ گورنمنٹ آف ایکریمیا کو چاہے کہ وہ اپنے ان ایک کروڑ افراد کو بچانے کے انتظامات کرے۔ اوکے۔ بائے بائے''...... اس

کے بعد کھوپڑی اور ہڈیاں سکرین سے غائب ہو گئیں۔ ٹی وی سکرین پر ایک بار پھر جھماکے ہونے لگے۔ کچھ دیر بعد سکرین کلیئر ہوئی اور اناؤنسر دکھائی دی جو کافی بدحواس دکھائی دے رہی تھی۔

''لیڈیز اینڈ جینٹس۔ نامعلوم طریقے سے ہمارا نشریاتی نظام روک دیا گیا تھا۔ اب ہمارا نظام بحال ہوا ہے تو آپ سرلوکارٹ کی باقی ماندہ تقریر سنیں''...... اناؤنسر یہ کہہ کر خاموش ہو گئی اور اگلے لمحے سرلوکارٹ دکھائی دیئے۔

''ڈیئر سسٹرز اینڈ برادرز۔ ہم قیام امن کے لئے کوشاں ہیں اور رہیں گے۔ اس کے لئے ہمیں دنیا بھر کے لوگوں کی حمایت حاصل ہے۔ اب اس موضوع پر ہم بعد میں گفتگو کریں گے۔ پہلے اس نئی آفت سے مقابلہ ضروری ہے جس کی لپیٹ میں تمام دنیا آنے والی ہے''...... سرلوکارٹ نے یہ کہہ کر اپنی تقریر ختم کر دی۔ اس کے بعد ٹی وی سکرین پر امن کے لئے تیار کیا گیا خصوصی نغمہ پیش کیا جانے لگا۔ دوسری طرف دنیا بھر کے لوگ گہری سوچوں میں ڈوب گئے تھے۔ اس اچانک اور بدحواس کر دینے والی سچوئیشن نے سب کے ذہن مفلوج کر دیئے تھے۔ دنیا بھر کی حکومتوں کے ایوانوں میں زلزلہ آ گیا۔ دنیا بھر میں موت کی سی تاریکی چھانے لگی۔ لوگ مختلف گروپس میں تقسیم ہو گئے۔ ایک گروپ کا خیال تھا کہ ڈاکٹر بلیک ایک دیوانہ اور خبطی انسان ہے۔ اس نے ایک ہوائی اڑائی ہے۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ ایک انسان چند دنوں میں ہی کروڑوں انسانوں کو

موت کے گھاٹ اتار دے۔ دوسرے گروپ کا خیال تھا کہ جو آدمی سائنس میں اتنا ترقی یافتہ ہے کہ جدید نشریاتی نظام پر قبضہ کر سکتا ہے تو وہ اور بھی بہت کچھ کرنے کی صلاحیت رکھتا ہوگا۔ تیسرا گروہ ایسا بھی تھا جس کا خیال تھا کہ ڈاکٹر بلیک کسی دوسرے سیارے کی مخلوق ہے اور وہ زمینی آبادی کو ختم کر کے زمین پر قبضہ کرنا چاہتے تھے لیکن یہ سب قیاس ہی تھے اور مختلف باتیں ہو رہی تھیں۔ کوئی مدلل بات کسی انسان کے پاس نہیں تھی۔

دوسری طرف جن لوگوں کی موت کی خبر ڈاکٹر بلیک نے دی تھی وہ انتہائی گھبراہٹ کا شکار ہو چکے تھے کیونکہ وہ بھی سمجھ رہے تھے کہ یہ کسی کی خالی خولی دھمکی نہیں ہو سکتی۔ خالی دھمکیاں دینے والا کبھی اس طرح سائنس سسٹم کو قبضے میں نہیں لے سکتا۔ نجانے ڈاکٹر بلیک سائنس میں کس قدر ترقی یافتہ تھا۔ وہ انہیں کسی سائنسی حربے سے ہی موت کے گھاٹ اتار سکتا تھا۔ انہوں نے اپنی حکومتوں سے فوری رابطے کئے تھے تاکہ حکومتیں ان کی زندگی بچانے کے لئے فوری اقدامات کریں اور ان ملکوں نے جو ڈاکٹر بلیک کی دھمکی میں شامل تھے۔ اپنی اپنی شخصیت کو بچانے کے لئے انتظامات شروع کر دیئے تھے۔ ڈاکٹر بلیک کی دھمکی سے پوری دنیا میں ایک ہنگامہ سا ہو گیا تھا۔

پاکیشیا کے لوگوں نے بھی ڈاکٹر بلیک کی اس خونی دھمکی کو سنا تھا۔ جو لوگ ڈاکٹر بلیک کو بہت بڑی بلا سمجھ رہے تھے اور ان کا

خیال تھا کہ ڈاکٹر بلیک نے جو دھمکی دی ہے وہ اس پر عمل بھی کرے گا۔ ان لوگوں کے مطابق سر سلطان کی زندگی کا چراغ اب ٹمٹما رہا تھا۔ جو ڈاکٹر بلیک کے بتائے گئے وقت پر بجھ جانا تھا لیکن سر سلطان اس کے لئے پریشان نہیں تھے۔ وہ پختہ ایمان کے انسان تھے۔ ان کا یقین کامل تھا کہ موت کا ایک وقت مقرر ہے جو کوئی بھی ادھر ادھر نہیں کر سکتا۔ اگر ان کی موت لکھی ہے تو کوئی ٹال نہیں سکتا اور اگر ابھی ان کی زندگی باقی ہے تو پھر ایک لاکھ ڈاکٹر بلیک بھی کوشش کر لیں تو ان کی زندگی کا خاتمہ نہیں کر سکتے۔ پھر انہیں اس بات پر بھی یقین تھا کہ جس طرح عمران نے اب تک ہزاروں مجرموں کی گردنیں توڑی ہیں اسی طرح وہ اس ڈاکٹر بلیک کی گردن بھی توڑ دے گا۔ اللہ تعالیٰ نے پاکیشیا کو عمران جیسا فرزند عطا کیا ہے اور اسے اس طرح صلاحیتوں اور خوبیوں سے نوازا ہے کہ ذہین سے ذہین مجرم بھی اس کے سامنے بے نقاب ہو جاتے ہیں۔ انہیں یقین تھا کہ اللہ تعالیٰ اب بھی پاکیشیا کو عزت سے نوازے گا اور ڈاکٹر بلیک کا انجام عمران کے ہاتھوں میں ہی ہو گا۔ سوچوں کے سلسلے کے بعد ان کے دل سے عمران کے لئے دعائیں نکلنے لگیں۔

یہ ایک بڑے سائز کا کمرہ تھا۔ جس کے ایک کونے میں ریوالونگ چیئر اور اس کے سامنے ایک بڑی سی ٹیبل رکھی ہوئی تھی۔ کمرے میں قدرے اندھیرا تھا۔ ریوالونگ چیئر پر ڈیتھ ماسٹر بیٹھا ہوا تھا۔ اس کے سامنے ٹیبل پر ایک ٹیلی فون سیٹ، ایک ٹی وی سکرین، ایک کمپیوٹر اور ایک لانگ رینج ٹرانسمیٹر رکھا ہوا تھا۔ ڈیتھ ماسٹر کمپیوٹر پر ایک فائل دیکھ رہا تھا کہ ٹیلی فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ اس نے کمپیوٹر سکرین سے نظریں ہٹائیں اور ہاتھ بڑھا کر ٹیلی فون کا رسیور اٹھا لیا۔

”ڈیتھ ماسٹر اسپیکنگ“...... اس نے رسیور کان سے لگاتے ہوئے بھیڑیئے کی آواز میں غراتے ہوئے کہا۔

”باس۔ زیرو ون بول رہا ہوں“...... دوسری طرف سے ایک مؤدبانہ آواز سنائی دی۔

”یس۔ رپورٹ“...... ڈیتھ ماسٹر نے بدستور غراتے ہوئے کہا۔

”باس۔علی عمران زیرو فائیو تک پہنچ گیا ہے“...... دوسری طرف سے زیرو ون نے کہا تو ڈیتھ ماسٹر حقیقتاً کرسی سے اچھل پڑا اور اس کی آنکھیں حیرت سے پھیلتی چلی گئیں۔

”کیسے زیرو ون۔ اسے تو ہم نے یورنیورسٹی کی ایک اسٹوڈنٹ کی جگہ ایڈجسٹ کیا تھا“...... ڈیتھ ماسٹر نے حیرت بھرے لہجے میں کہا۔

”یس باس۔ زیرو فائیو انجلینا کا کردار خوب نبھا رہی تھی۔ ہم نے ایک دو روز میں سائنس آفس کے سپرنٹنڈنٹ تک پہنچ جانا تھا لیکن اس شیطان عمران کو نجانے کیسے علم ہو گیا۔ میں آپ کو زیرو فائیو اور عمران کی ملاقات کی ویڈیو کمپیوٹر پر بھیج رہا ہوں۔ آپ پہلے وہ دیکھ لیں“...... دوسری طرف سے زیرو ون نے کہا۔

”اوکے۔ جلدی سے بھیجو“...... ڈیتھ ماسٹر نے کہا اور اس کے بعد اس نے رسیور کریڈل پر رکھ دیا۔ چند سیکنڈ بعد کمپیوٹر کی سکرین پر ایک ہلکی سی بیل بجی تو اس نے تیزی سے بٹن دبانے شروع کر دیئے۔ تین چار سیکنڈ کے بعد کمپیوٹر اسکرین پر ایک منظر ابھر آیا۔ یہ ایک ہوٹل کا منظر تھا۔ اس منظر میں تین لڑکیاں ایک بیوقوف سے نوجوان کے ساتھ بیٹھی ہوئی تھیں۔ ان تین لڑکیوں میں سے ایک انجلینا تھی جو دراصل زیرو فائیو تھی۔ اصل انجلینا کو انہوں نے غائب کر دیا تھا اور اس بیوقوف سے نوجوان کو ڈیتھ ماسٹر اچھی طرح جانتا تھا۔ یہ علی عمران تھا جو دنیا میں خطرناک سیکرٹ ایجنٹ سمجھا جاتا تھا۔

ڈیتھ ماسٹر جب کسی ملک میں کسی مشن پر جاتا تھا تو وہ مشن کی تکمیل کا کوئی ایک طریقہ نہیں اپناتا تھا بلکہ وہ مختلف طریقے اختیار کرتا تھا اور کسی ایک طریقے سے اسے کامیابی بھی حاصل ہو جاتی تھی۔ پاکیشیا آنے سے پہلے اس نے کافی معلومات حاصل کیں۔ پھر پاکیشیا آ کر بھی اس نے پہلے جائزہ لیا، معلومات حاصل کیں تو اسے یہ بھی معلوم ہوا کہ سائنس آفس کے آفس سپرنٹنڈنٹ مشتاق احمد کی ایک بیٹی مقامی یونیورسٹی میں پڑھتی ہے اور اس کے ساتھ ایک غیر ملکی لڑکی انجلینا بھی پڑھ رہی تھی۔ مشتاق احمد ان کے مشن میں ان کی مدد کر سکتا تھا۔ اس لئے ڈیتھ ماسٹر نے انجلینا کو اغوا کرایا اور اس کی جگہ اپنی ایک کارکن زیرو فائیو کو یونیورسٹی بھیج دیا جبکہ فائل کے حصول کے لئے وہ دیگر ذرائع اور طریقے بھی استعمال کر رہا تھا۔ زیرو ون کی طرف سے بھیجی گئی ویڈیو اس نے دو منٹ میں ہی دیکھ لی اس ویڈیو میں ڈیتھ ماسٹر نے دیکھ لیا تھا کہ عمران نے زیرو فائیو کا ٹرانسمیٹر اڑا لیا ہے۔ جس کا پتا زیرو فائیو کو نہیں لگا۔ ڈیتھ ماسٹر نے کمپیوٹر کے کی بورڈ پر دو تین بٹن اور پریس کئے تو کمپیوٹر سکرین پر ایک اور منظر ابھر آیا۔ اس منظر میں عمران ایک کار میں سوار دکھائی دے رہا تھا۔

''عمران۔ تم نے زیرو فائیو کا ٹرانسمیٹر چرا کر اپنی موت کا اپنے ہاتھوں سے اہتمام کیا ہے''...... ڈیتھ ماسٹر نے طنزیہ لہجے میں کہا اور پھر اس نے ایک اور بٹن دبایا۔ اب وہ عمران سے بات کر سکتا

تھا۔ اس نے عمران سے باتیں شروع کر دیں اور اسے دھمکیاں دینے لگا جواب میں عمران صرف معصومیت کا اظہار کر رہا تھا۔ کچھ دیر تک باتیں کرنے کے بعد ڈیتھ ماسٹر نے ایک اور بٹن دبایا اور اس کے ساتھ ہی منظر غائب ہو گیا اور ڈیتھ ماسٹر کے چہرے پر خونی مسکراہٹ نمودار ہوئی کیونکہ وہ جانتا تھا کہ اب ٹرانسمیٹر پھٹ گیا ہو گا اور عمران بے ہوش ہو گیا ہو گا اور لازمی بات تھی کہ اس کے بے ہوش ہوتے ہی اس کی کار نے کسی حادثے کا ہی شکار ہو جانا تھا۔

جگواش اس وقت اپنے آفس میں بیٹھا ہوا تھا۔ وہ ڈاکٹر بلیک کا نائب تھا اس لئے ریڈ نائٹ کا سیکنڈ چیف تھا۔ ڈاکٹر بلیک کے اس خطاب کی فلم دیکھ رہا تھا جو اس نے دنیا بھر کے لوگوں سے کیا تھا کہ دروازے پر دستک ہوئی اور ساتھ ہی دروازہ تھوڑا سا کھلا۔

''لیس کم اِن''...... جگواش نے بلند اور سخت آواز میں کہا تو دروازہ کھلا اور رچی کمرے میں داخل ہوا۔ رچی، جگواش کا نائب تھا جگواش کے قریب پہنچ کر اس نے مؤدبانہ انداز میں اسے سلام کیا لیکن جگواش نے اس کے سلام کا جواب دینا گوارہ نہ کیا۔ اس نے رچی کے چہرے کی طرف دیکھا۔

''رچی۔ کوئی خاص بات ہے جو تم کہنا چاہتے ہو''...... جگواش نے اسے غور سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''یس باس۔ ایک بات نے بہت ہی پریشان کیا ہوا ہے۔ وہ آپ سے ڈسکس کرنا چاہتا ہوں''...... رچی نے کہا۔ جگواش چند

لمحوں تک تو اسے غور سے دیکھتا رہا پھر اس نے کرسی کی طرف اشارہ کیا۔

''بیٹھ جاؤ رچی اور اطمینان سے بات کرو''...... جگواش نے اسے اپنے سامنے بیٹھنے کی اجازت دیتے ہوئے کہا۔

''تھینک یو باس''...... رچی نے جگواش کا شکریہ ادا کیا اور پھر وہ کرسی پر بیٹھ گیا۔

''ہاں بولو۔ کس بات نے تمہیں پریشان کیا ہوا ہے''...... جگواش نے اس سے پوچھا۔

''باس۔ ہماری گفتگو باہر تو نہیں جائے گی نا''...... رچی نے مؤدبانہ لہجے میں پوچھا۔

''نہیں۔ میرے کمرے میں ہونے والی گفتگو باہر نہیں جا سکتی۔ یہ بات تم اچھی طرح جانتے ہو''...... جگواش نے کہا تو رچی نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

''باس۔ یہ درست ہے کہ ریڈ نائٹ کی بنیاد ڈاکٹر بلیک نے رکھی تھی لیکن اس کی تکمیل میں بہت سے افراد کا ہاتھ ہے۔ اسے چلانے کے لئے بورڈ آف گورنر ہے۔ پہلے جو ممبران اس بورڈ کے عہدیدار تھے تنظیم کی تکمیل اور عروج کے بعد یکے بعد دیگرے مختلف حادثات کا شکار ہو کر مرتے چلے گئے اور ان کی جگہ تنظیم میں سے دیگر ممبر ترقی کر کے بورڈ آف گورنر کے ممبران بنتے چلے گئے لیکن سابقہ ممبران کے پاس بہت سے اختیارات تھے اور اب جو ممبران

ہیں وہ برائے نام ہیں۔ اسی لئے عام خیال یہی ہے کہ تنظیم کے ان افراد کو ڈاکٹر بلیک نے ہلاک کیا ہے تا کہ وہ تن تنہا تنظیم کا مالک بن جائے اور اب حقیقت میں ہے بھی ایسا۔ ہم کٹھ پتلیاں ہیں۔ ڈاکٹر بلیک ہمیں اپنی انگلیوں پر جس طرح نچانا چاہتا ہے ہم اسی طرح ناچنے پر مجبور ہیں کیونکہ ایک تو ہمارے پاس اختیارات کچھ نہیں اور دوسری بات یہ کہ ہم ذہنی طور پر ڈاکٹر بلیک سے خوفزدہ ہیں۔ ہماری معمولی سی غفلت اور کوتاہی پر وہ ہمیں عبرتناک موت سے ہمکنار کر سکتا ہے''...... رچی نے مسلسل بولتے ہوئے کہا اور پھر وہ سانس لینے کے لئے رکا۔

''ہاں۔ یہ باتیں تو تنظیم کا ہر آدمی جانتا ہے۔ تم یہ باتیں کیوں کر رہے ہو''...... جگواش نے غصے سے کہا۔

''باس۔ آپ نے ڈاکٹر کا رویہ بھی دیکھا ہے اور اب دنیا بھر سے اس نے جو خطاب کیا ہے اس سے بھی آپ نے اندازہ لگایا ہو گا کہ ڈاکٹر بلیک دنیا پر تنظیم کی حکومت نہیں بلکہ تن تنہا اپنی حکومت قائم کرنا چاہتا ہے''...... رچی نے کہا۔

''ہاں۔ بالکل ایسا ہے اور یہ اس کا حق بھی ہے کیونکہ اس سلسلے میں جو ورک بھی ہوا ہے ڈاکٹر بلیک نے ہی کیا ہے۔ تمام سائنسی ایجادات اسی کی ہیں اور یہ بھی سچ ہے کہ اس تنظیم میں ہم اس کے مہرے ہیں۔ مالک اور چیف وہی ہے''...... جگواش نے کہا۔

''آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں باس۔ لیکن ڈاکٹر بلیک کا کہنا ہے کہ

اگر اس کی کسی غلطی کی وجہ سے کوئی شخصیت مرنے سے بچ گئی تو وہ خود کو اور تنظیم کو اس ملک کے حوالے کر دے گا اور باس ڈاکٹر بلیک انسان ہے۔ انسان سے غلطی ہو سکتی ہے اور انسان کی ایجادات میں بھی غلطیاں ہوتی ہیں۔ یوں اس کی غلطی کی سزا پوری تنظیم کو ملنی ہے''...... رچی نے کہا تو جگواش سوچنے لگا۔

''ہونہہ۔ بات تو تمہاری بالکل درست ہے۔ ڈاکٹر بلیک نے دنیا والوں سے جو وعدہ کیا ہے وہ ضرور پورا کرے گا کیونکہ ڈاکٹر بلیک وعدے کا بہت پابند ہے''...... جگواش نے سوچ میں ڈوبے لہجے میں کہا۔

''باس۔ اگر ہم میں سے کوئی غلطی کرتا ہے تو سزا صرف اسے ہی ملتی ہے تو ڈاکٹر بلیک کی غلطی کی سزا ہم سب کو کیوں ملے''۔ رچی نے کہا تو جگواش نے اثبات میں سر ہلایا۔

''تم ٹھیک کہہ رہے ہو لیکن اب تم فکر مت کرو۔ اگر ایسی نوبت آئی تو ڈاکٹر بلیک کی غلطی کی سزا صرف ڈاکٹر بلیک کو ملے گی۔ ہم نہ تنظیم کو خطرے میں ڈالیں گے اور نہ ہی تنظیم کے کسی اور فرد کو''...... رچی کی باتیں سن کر جگواش کی آنکھوں میں ایک خاص چمک پیدا ہو گئی تھی۔ اس نے رچی کو تسلی دیتے ہوئے کہا۔

''باس۔ ڈاکٹر بلیک اپنے تمام سسٹم کو ڈیتھ روم سے ہی کنٹرول کرتا رہتا ہے نا''...... رچی نے پوچھا۔

''ہاں۔ ڈیتھ روم اس کی کل کائنات ہے۔ وہ سائنسی ایجادات

کی ایک ایسی دنیا ہے جو عجائبات کی دنیا کہلائی جا سکتی ہے''۔ جگواش نے کہا۔

''باس۔ ڈاکٹر بلیک اسی کمرے سے تنظیم کو کنٹرول کرتا ہے۔ اسی کمرے میں بیٹھ کر اس نے دنیا بھر کے ٹی وی چینلز کی نشریات پر قابو پایا ہے۔ اس کمرے میں بیٹھ کر وہ ایٹم بم کنٹرول کرتا ہے۔ اسی کمرے میں بیٹھ کر اس نے فیوچر مشین پر دنیا کی اہم شخصیات کے منظر دیکھے اور محفوظ کئے ہیں اور آئندہ بھی وہ اس مشین سے فوائد حاصل کرے گا۔ اسی کمرے میں بیٹھ کر وہ دنیا بھر پر حکومت بھی کرے گا''...... رچی نے کہا۔

''ہاں۔ تم بالکل ٹھیک کہہ رہے ہو۔ وہ کمرہ ڈاکٹر بلیک کی کل کائنات ہے''...... جگواش نے کہا۔

''کبھی آپ اس ڈیتھ روم میں گئے ہیں باس''...... رچی نے کہا تو جگواش چونک پڑا۔

''نہیں رچی۔ تم جانتے ہو کہ اس کمرے میں ڈاکٹر بلیک کے علاوہ کوئی نہیں جا سکتا۔ یہ اس کا ایک اصول ہے اور جو اس کا اصول توڑتا ہے ڈاکٹر بلیک اس کی زندگی کے سانسوں کی ڈوری توڑ دیتا ہے۔ خود ڈاکٹر بلیک کے سگے بیٹے نے یہ اصول توڑا تھا تو ڈاکٹر بلیک نے اسے بھی موت کی سزا دے دی تھی''...... جگواش نے تیز لہجے میں کہا تو رچی کے چہرے پر طنزیہ مسکراہٹ آ گئی۔

''باس۔ اگر آپ ڈیتھ روم کو سمجھ لیں تو دنیا کے حکمران آپ

اور نائب حکمران میں ہو سکتا ہوں اور ہماری تنظیم کو کوئی خطرہ نہیں ہو سکتا۔ دنیا کی حکمران تنظیم کو بھلا کس سے کیا خطرہ ہو سکتا ہے اور پھر وعدے کی پابندی، اصولوں کی پابندی۔ یہ باتیں ڈاکٹر بلیک ہی کر سکتا ہے۔ ہم کسی کے وعدے اور اصول کے پابند نہیں ہیں۔ ہم اپنا کام نکلوانے کے لئے وعدہ تو کر سکتے ہیں لیکن وعدہ نبھانا ہمارے لئے ضروری نہیں ہے''...... رچی نے کہا تو جگواش پھر گہری سوچ میں پڑ گیا۔

''تم ٹھیک کہہ رہے ہو رچی۔ ہم نے تنظیم کو بچانا ہے اور تنظیم کے مشن بھی پورے کرنے ہیں۔ او کے۔ تم اب جاؤ میں سوچتا ہوں کہ ڈاکٹر بلیک کا کیا کیا جائے۔ وہ تو جب چاہے سکیننگ مشین لگا کر ہمارے دماغ بھی چیک کر سکتا ہے''...... جگواش نے کہا۔

''او کے باس۔ میں اب جاتا ہوں۔ آپ نے اس مسئلے پر ضرور کچھ کرنا ہے''...... رچی نے کرسی سے اٹھتے ہوئے کہا۔ جگواس نے اثبات میں سر ہلایا تو رچی کمرے سے باہر نکلتا چلا گیا۔

''رچی۔ اگر مجھے ڈاکٹر بلیک کو ہلاک کرنا پڑا تو تجھے بھی ساتھ ہی مرنا ہوگا ورنہ تیری آنکھیں بتا رہی ہیں کہ ریڈ نائٹ کا مالک تو بنا چاہ رہا ہے''...... جگواش نے بڑبڑاتے ہوئے کہا اور پھر اس نے اپنی آنکھیں بند کر لیں۔ کچھ دیر تک سوچنے کے بعد اس نے اپنی آنکھیں کھولیں۔

''اس وقت ڈاکٹر بلیک ممبران سے میٹنگ کر رہا ہے۔ موقع اچھا

ہے۔ میں ریڈیائی لہریں آن کر کے ڈیتھ روم کا ایک چکر لگا لوں''۔ جگواش نے بڑبڑاتے ہوئے کہا پھر اس نے کمپیوٹر کے کی بورڈ پر چند بٹن پریس کئے۔ ممبران ہال میں موجود تھے اور ٹی وی سکرین پر سرسلطان کی موت کا منظر دکھائی دے رہا تھا۔ جگواش جلدی سے اٹھا اور تیز تیز قدموں کے ساتھ چلتا ہوا گیلری میں ایک طرف بڑھنے لگا۔ چلتے چلتے وہ ایک کمرے کے دروازے پر رک گیا۔ دروازہ کھول کر وہ کمرے میں داخل ہو گیا۔ یہ کمرہ آٹو کنٹرول روم تھا۔ اس کمرے میں چند مشینیں فٹ تھیں جن کے اوپر سکرینیں لگی تھیں اور سامنے بٹنوں کے جال تھے۔ وہ ایک مشین کی طرف بڑھا تو اس کا دل تیزی سے دھڑکنے لگا۔ وہ ڈیتھ روم کی لہریں آف کرنا چاہتا تھا۔ اس کے کیمرے بھی آف کرنا چاہتا تھا تاکہ ڈاکٹر بلیک کو معلوم نہ ہو کہ اس کمرے میں کوئی آیا ہے۔ اس نے دھڑکتے دل کے ساتھ ایک مشین کے چند بٹن پریس کئے اور پھر کنٹرول روم سے باہر آ گیا۔ کنٹرول روم سے باہر آ کر اس نے اپنے ہاتھ سے ماتھے پر آیا ہوا پسینہ صاف کیا۔ رچی نے اسے ایک عجیب سا خواب دکھایا تھا اور اب وہ اس خواب کی تعبیر پانا چاہتا تھا۔ اسے یہ بھی معلوم تھا کہ اس کی معمولی سی غفلت اور کوتاہی اسے موت سے ہمکنار کر دے گی۔ ڈیتھ روم میں سب کا داخلہ سختی سے ممنوع تھا۔ خلاف ورزی کرنے والے کو ہر حال میں اذیت ناک موت کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔ ڈاکٹر بلیک کا ایک ہی بیٹا تھا جس

نے ڈیتھ روم میں داخل ہونے کی غلطی کی تھی اور ڈاکٹر بلیک نے اسے گولی مار دی تھی۔ جب ڈاکٹر بلیک اپنے سگے بیٹے کو گولی مار سکتا تھا تو جگواش کی اس کے سامنے کوئی حیثیت ہی نہیں تھی لیکن اس کے باوجود تنظیم کو بچانے اور دنیا پر حکومت کرنے کے لئے اسے رسک لینا تھا۔ کوشش اس نے کر لی تھی کہ ڈاکٹر بلیک کو اس کے ڈیتھ روم میں جانے کا علم نہ ہو۔ کنٹرول روم سے باہر آ کر وہ گیلری میں آگے بڑھنے لگا۔ گیلری کے آخر میں پہنچ کر وہ رک گیا۔ دیوار پر اس نے ایک جگہ ہاتھ رکھا اور پھر اس جگہ پر دباؤ ڈالا تو وہ جگہ آٹومیٹک کنٹرول دروازے کی طرح کھلتی چلی گئی۔ جگواش کے چہرے پر خوشی اور تجسس کے تاثرات پیدا ہو گئے۔ وہ تیزی سے اندر داخل ہو گیا۔ یہ ایک انتہائی وسیع و عریض کمرہ تھا جس میں لاتعداد چھوٹی بڑی مشینیں رکھی ہوئی تھیں۔ ان مشینوں کے اوپر سکرینیں دکھائی دے رہی تھیں۔ مشینوں کے سامنے لاتعداد بٹن اور ہینڈل تھے۔ اتنی ساری مشینوں کو دیکھ کر جگواش کا سر چکرانے لگا۔ وہ کسی ایک سکرین کے سسٹم کے بارے میں بھی نہیں جانتا تھا۔

''مجھے پہلے ان مشینوں کی فائل تلاش کرنی پڑے گی''۔ جگواش نے خود کلامی کرتے ہوئے کہا اور پھر وہ جہازی سائز ٹیبل کی طرف بڑھا۔ اس نے ٹیبل کی دراز کھول کر تلاشی لی لیکن دراز میں اسے کوئی فائل دکھائی نہ دی۔ پھر اس نے گھڑی کی طرف دیکھا اور چونک پڑا۔ ڈاکٹر بلیک کی ممبران کے ساتھ میٹنگ کا وقت ختم ہو رہا

تھا اور اب یہاں مزید رکنا سو فیصد خطرہ تھا اس لئے وہ تیزی سے واپس مڑا اور ڈیتھ روم سے باہر آ گیا۔ پھر وہ بھاگتے ہوئے کنٹرول روم میں آیا۔ جس مشین کے بٹن اس نے پہلے پریس کئے تھے اس مشین کے بٹن اس نے دوبارہ پریس کئے اور پھر دوڑتے ہوئے وہ واپس اپنے کمرے میں پہنچا اور اپنی کرسی پر بیٹھ کر گہرے گہرے سانس لینے لگا۔ اسے محسوس ہو رہا تھا جیسے اس نے میلوں کا سفر دوڑ کر کیا ہو۔ اس کے سانس کو اعتدال میں آتے ہوئے کچھ وقت لگ گیا۔ جیسے ہی اس کا سانس بحال ہوا اسے کھٹاک کی ایک آواز سنائی دی اور وہ اچھل پڑا۔ اچانک چھت سے ایک پنجرہ اس پر آ گرا تھا اور وہ شیر کی طرح اس پنجرے میں بند ہو گیا تھا۔ اب اس کے چہرے پر موت کی زردی چھا گئی تھی۔ لہریں اور کیمرے آف کرنے کے باوجود بھی ڈاکٹر بلیک کو معلوم ہو گیا تھا کہ ڈیتھ روم میں کون داخل ہوا ہے۔ اب جگواش کو اپنی موت چند قدموں کے فاصلے پر کھڑی صاف دکھائی دے رہی تھی۔ ڈاکٹر بلیک سے کسی رحم کی توقع کرنا عبث تھا۔

ڈاکٹر بلیک تہہ خانے سے نکل کر اپنے آفس میں آ گیا۔ اس کا چہرہ پکے ہوئے ٹماٹر کی طرح سرخ ہو رہا تھا۔ چہرے کے عضلات پھڑک رہے تھے۔ آنکھوں سے چنگاریاں نکل رہی تھیں۔ اپنے آفس میں آ کر وہ اپنی کرسی پر بیٹھا اور اس کے بعد اس نے مائیک اٹھایا اور سامنے لگے بہت سے بٹنوں میں سے ایک بٹن دبایا۔

''تمام ممبرز دو منٹ کے اندر اندر میٹنگ ہال میں پہنچ جائیں''...... ڈاکٹر بلیک نے پھنکارتی ہوئی آواز میں کہا۔ اس کے بعد اس نے مائیک واپس میز پر رکھا اور بٹن ایک بار پھر پریس کر دیا۔ بٹن پریس کرنے کے بعد اس نے کمپیوٹر کے ''کی بورڈ'' پر لگے دو تین بٹن پریس کئے تو سکرین پر ہال کا منظر ابھر آیا۔ ابھی کوئی ممبر ہال میں نہیں پہنچا تھا۔ پھر دیکھتے ہی دیکھتے ممبرز ہال میں آنے لگے اور دو منٹ کے اندر اندر تمام ممبرز ہال میں پہنچ گئے۔ جب سب ممبرز ہال میں جمع ہو چکے تو ڈاکٹر بلیک نے ''کی بورڈ'' کے دو

بٹن اور پریس کئے اور مائیک اٹھا کر اپنے منہ کے قریب کیا۔

"سی ون۔ کیا تم تک میری آواز پہنچ رہی ہے"...... ڈاکٹر بلیک نے غراتی ہوئی آواز میں کہا۔

"لیس ڈاکٹر بلیک۔ میں آپ کی آواز سن رہا ہوں"...... کمپیوٹر پر ایک مشینی آواز ابھری۔

"سی ون۔ جگواش اپنے کمرے میں جنگلے میں قید ہے۔ تم اپنی ڈیتھ فورس کے سی ٹو، سی تھری، سی فور اور سی فائیو کو بھیجو۔ وہ جگواش کو پنجرے سمیت میٹنگ ہال میں پہنچا دیں"...... ڈاکٹر بلیک نے سخت لہجے میں کہا۔

"حکم کی تعمیل ہو گی ڈاکٹر بلیک"...... کمپیوٹر پر ایک بار پھر مشینی آواز ابھری تو ڈاکٹر بلیک نے ایک بٹن دبا دیا۔ اس کے بعد اس نے مائیک رکھ دیا اور سکرین کو غور سے دیکھنے لگے۔ تقریباً نصف منٹ کے بعد اس کے تیار کردہ چار روبوٹس جگواش کے کمرے میں داخل ہوئے۔ جگواش جو پنجرے میں قید تھا۔ ان روبوٹس کو دیکھ کر اس کا چہرہ تاریک ہو گیا۔ روبوٹس نے پنجرہ اٹھایا اور پھر وہ میٹنگ ہال میں پہنچ گئے۔ میٹنگ ہال میں موجود تمام ممبرز جگواش کو پنجرے میں بند دیکھ کر حیران رہ گئے۔ انہیں معلوم ہو گیا کہ جگواش نے ڈاکٹر سے غداری کی ہے اور اب سب کے سامنے اسے سزائے موت دی جائے گی۔

"ممبرز۔ تم سمجھ ہی چکے ہو کہ تم جگواش کا آخری دیدار کر رہے

ہو"...... ڈاکٹر بلیک نے ایک بار پھر مائیک اٹھا کر منہ سے لگاتے ہوئے کہا۔ اس سے پہلے اس نے ایک بٹن بھی پریس کر دیا تھا۔

"رحم۔ باس رحم۔ مجھے معاف کر دو۔ مجھے موقع دو"......جگواش نے رحم کی بھیک مانگتے ہوئے کہا۔

"رحم۔ ہاہاہا"...... ڈاکٹر بلیک نے کہا اور پھر اس نے ایک طویل قہقہہ لگایا۔

"رحم۔ جگواش۔ تمہیں معلوم ہے کہ اصول توڑنے پر میں نے اپنے اکلوتے بیٹے کو موت کے حوالے کر دیا تھا۔ تمہاری کیا حیثیت ہے"......طویل قہقہہ لگانے کے بعد ڈاکٹر بلیک نے بھیڑیئے کی مانند غراتے ہوئے کہا۔

"باس۔ صرف ایک موقع۔ صرف ایک بار معاف کر دیں"۔ جگواش نے ہاتھ باندھتے ہوئے کہا۔

"جگواش"...... ڈاکٹر بلیک نے حلق کے بل چیختے ہوئے کہا تو میٹنگ ہال میں موجود افراد کانپ کر رہ گئے۔

"ریڈ نائٹ کا ایک عام کارکن بھی اتنا بزدل نہیں ہوتا کہ موت کو سامنے دیکھ کر اس طرح گڑگڑانے لگے اور تم تو ریڈ نائٹ کے سیکنڈ باس ہو۔ مجھے دکھ ہو رہا ہے کہ موت کو سامنے دیکھ کر تم اس طرح کانپ رہے ہو"......ڈاکٹر بلیک نے سانپ کی مانند پھنکارتے ہوئے کہا تو جگواش کی کپکپاہٹ میں اضافہ ہو گیا۔ موت کو سامنے دیکھ کر اسے خود پر اختیار ہی نہیں رہا تھا۔ موت کا کھیل جگواش کو

بہت پسند تھا اس نے اب تک سینکڑوں انسانوں کو موت کے گھاٹ اتارا تھا۔ ان انسانوں میں اکثریت ایسے لوگوں کی تھی جنہوں نے اپنی زندگی کے لئے اس سے فریادیں کی تھیں، اس کے سامنے گڑگڑائے تھے، اس کے سامنے ہاتھ باندھے تھے، روئے تھے، چلائے تھے، لیکن جگواش پر ان کے رونے پیٹنے کا کوئی اثر نہیں ہوتا تھا۔ وہ ان لمحات کو انجوائے کرتا تھا جب کوئی آدمی رو رو کر اس سے زندگی کی بھیک مانگتا تھا تو اسے خوشی محسوس ہوتی تھی۔ اس کی نس نس میں طمانیت دوڑ جاتی تھی اور وہ زیادہ سفاکانہ طریقے سے اس انسان کو قتل کرتا تھا۔ اب اپنی موت کو سامنے دیکھ کر بہت سے چہرے اس کی آنکھوں کے سامنے آ گئے تھے۔ اس کا حلق اس قدر خشک ہو گیا تھا کہ اب اس کے منہ سے کوئی لفظ نہیں نکل رہا تھا۔ موت کو سامنے دیکھ کر وہ خود غرض ہو گیا تھا وہ ڈاکٹر بلیک کو بتانا چاہتا تھا کہ اس نے یہ غداری رچی کی باتوں میں آ کر کی ہے۔ وہ اپنے ساتھ ساتھ رچی کی بھی موت چاہتا تھا۔ یہ حقیقت ہی تھی کہ اس نے رچی کی باتوں میں آ کر ڈاکٹر بلیک سے غداری کی تھی لیکن اب اس کی زبان حرکت ہی نہیں کر رہی تھی۔ اس نے بولنے کی بہت کوشش کی لیکن وہ بول نہ سکا تو اس نے ممبرز کی طرف دیکھا۔ ان ممبرز میں رچی موجود تھا۔ جس کے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ تھی۔

''بولو جگواش۔ بولو۔ تم کچھ کہنا چاہتے ہو۔ جو کچھ کہنا ہے کہہ

ڈالو کیونکہ اب تمہاری زندگی کی گھڑی کے آخری سیکنڈ چل رہے ہیں۔ چند سیکنڈوں کے بعد تمہاری زندگی کی گھڑی ہمیشہ کے لئے رکنے والی ہے''...... ڈاکٹر بلیک نے طنزیہ ہنسی ہنستے ہوئے کہا پھر اس نے قہقہہ بھی لگایا۔ جگواش کا منہ کھلا لیکن اس کے حلق سے کوئی آواز نہ نکل سکی۔

''ممبرز۔ اب تم غداری کا انجام اپنی آنکھوں سے دیکھو گے۔ یہ انجام تمہارے لئے عبرت اور نصیحت ہو گا۔ اگر کوئی اور غداری کی کوشش کرے گا تو اس کا انجام بھی اسی طرح عبرتناک ہو گا''۔ قہقہہ کے بعد ڈاکٹر بلیک نے غراتے ہوئے کہا۔ پھر اس نے کمپیوٹر کے ''کی بورڈ'' کے چند بٹن پریس کئے اور دوبارہ سکرین کی طرف دیکھنے لگا۔ ہال میں جہاں پنجرہ موجود تھا وہاں چھت سے ایک چھوٹا سا نیلے رنگ کا شعلہ برآمد ہوا۔ سب ممبرز اس شعلے کو دیکھنے لگے۔ ان سب کی آنکھوں میں خوف امڈ آیا تھا۔ شعلہ پنجرے کی چھت کو کراس کرتا ہوا جگواش کے جسم سے آ ٹکرایا۔ جیسے ہی وہ جگواش سے ٹکرایا۔ بھک کی آواز سنائی دی۔ بالکل ایسے جیسے یکدم آگ بھڑک اٹھی ہو اور واقعی یکدم ہی آگ بھڑک اٹھی تھی اور اگلے ہی لمحے جگواش شعلوں میں گھرا ہوا نظر آیا۔ ابھی چند لمحے پہلے اس کا حلق خشک ہو گیا تھا اور اس کے منہ سے کوئی لفظ نہیں نکل رہا تھا لیکن اب وہ فلک شگاف چیخیں مار رہا تھا۔ اس کی دردناک و اذیت ناک چیخیں ریڈ نائٹ کے ممبرز کو خوفزدہ کر رہی تھیں اور وہ سوچ

رہے تھے کہ وہ ڈاکٹر بلیک سے غداری کا کبھی تصور بھی نہیں کریں گے۔ جگواش ادھر ادھر بھاگ کر خود کو شعلوں سے بچانا چاہتا تھا لیکن وہ پنجرے میں بند تھا لہٰذا بھاگ بھی نہیں سکتا تھا۔

اس کا سارا بدن نیلے شعلوں میں گھر گیا تھا اور اس کی چیخیں دل دہلا رہی تھیں۔ پھر اس کی چیخیں معدوم ہونے لگیں۔ معدوم ہوتے ہوتے اس کی چیخیں ختم ہو گئیں۔ ساتھ ہی اس کا وجود بھی مٹ گیا۔ اس کی ہڈیاں تک راکھ میں تبدیل ہو چکی تھیں۔ فرش پر جہاں پنجرہ رکھا ہوا تھا وہاں تھوڑی سی راکھ نظر آ رہی تھی۔ ریڈ نائٹ کے تمام ممبرز اپنی اپنی جگہوں پر دم سادھے بیٹھے تھے۔ جب جگواش راکھ میں تبدیل ہو چکا تو روبوٹس آگے بڑھے۔ انہوں نے خالی پنجرہ اٹھایا اور میٹنگ ہال سے باہر نکل گئے۔

"ممبرز۔ تم لوگوں نے ایک غدار کا انجام دیکھ لیا۔ مجھے یقین ہے کہ آئندہ کوئی بھی سانپ کے بل میں ہاتھ ڈالنے کی کوشش نہیں کرے گا اور نہ ہی کوئی بچھو کا زہر نکالنے کی جرأت کرے گا"۔ ڈاکٹر بلیک نے سرد لہجے میں کہا۔ وہ چند لمحوں کے لئے خاموش ہوا اور ممبرز کے چہروں کا جائزہ لینے لگا۔ ان سب کے چہروں پر ڈاکٹر بلیک کی دہشت دکھائی دے رہی تھی اور یہ دہشت دیکھ کر ڈاکٹر بلیک کے چہرے پر مسکراہٹ آ گئی۔

"جگواش میرا اسسٹنٹ اور ریڈ نائٹ کا سیکنڈ باس تھا۔ جگواش کا اسسٹنٹ رچی ہے۔ اب ترتیب کے اعتبار سے رچی میرا

اسسٹنٹ اور ریڈ نائٹ کا سیکنڈ باس ہو گا۔ رچی۔ تمہیں مبارک ہو۔ تم فوراً میرے کمرے میں پہنچو"...... ڈاکٹر بلیک نے اس مرتبہ نرم آواز میں کہا اور پھر اس نے مائیک میز پر رکھا اور کی بورڈ پر لگے بٹنوں میں سے ایک بٹن پریس کر دیا۔ اس دوران وہ سکرین کی طرف دیکھتا رہا تھا۔ اس کا حکم سنتے ہی رچی فوراً اپنی جگہ سے اٹھا اور میٹنگ ہال سے باہر نکل گیا تھا۔ اس کے بعد باقی ممبرز بھی کرسیوں سے اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔ ان سب کو اٹھتے دیکھ کر ڈاکٹر بلیک نے میٹنگ ہال کا منظر آف کر دیا۔ کچھ دیر کے بعد اس کے دروازے پر ہلکی سی دستک ہوئی۔

"یس۔ کم اِن"...... ڈاکٹر بلیک نے سانپ کی مانند پھنکارتے ہوئے کہا تو دروازہ کھلا اور رچی کا چہرہ دکھائی دیا۔ وہ مؤدبانہ انداز میں چلتا ہوا ڈاکٹر بلیک کی میز کے قریب پہنچا اور مؤدبانہ انداز میں اس کے سامنے کھڑا ہو گیا۔

"رچی۔ اب تم ریڈ نائٹ کے سیکنڈ چیف ہو اور تم نے اس عہدے کے لئے حلف دینا ہے"...... ڈاکٹر بلیک نے کہا۔

"یس باس۔ میں حلف کے لئے تیار ہوں"...... رچی نے مؤدبانہ لہجے میں کہا۔ پھر ڈاکٹر بلیک نے اس سے حلف لیا۔

"تمہارے بعد روتھ کا نمبر ہے لہٰذا روتھ تمہارا اسسٹنٹ ہے۔ جگواش کے کیا کیا فرائض تھے تم ان سے واقف ہو گے۔ اب وہ فرائض تم نے سرانجام دینے ہیں اور تمہارے ذمے جو کام تھے وہ تم

نے اب روتھ سے لینے ہیں۔ یہ تمام ممبرز کی ایک ایک درجے ترقی ہوگئی ہے تم نے ان سب کو ترقی کا نوٹیفکیشن جاری کرنا ہے اور عام ارکان میں سے جو سب سے سینئیر ہو اسے ممبر بنانا ہے''...... ڈاکٹر بلیک نے کہا۔

''یس باس''...... آپ کے احکامات کی تعمیل ہو گی''...... رچی نے مؤدبانہ لہجے میں کہا۔

''اوکے۔ اب تم جا سکتے ہو''...... ڈاکٹر بلیک نے تحکمانہ لہجے میں کہا تو رچی اس کے کمرے سے نکلتا چلا گیا۔

کار میں پھیلنے والا دھواں بہت ہی زود اثر تھا حالانکہ عمران نے سانس بھی روک لیا تھا اس کے باوجود اس کی آنکھوں کے سامنے دھند سی چھا رہی تھی۔ پھر دھندلائی ہوئی آنکھوں سے اس نے ٹرک کو دیکھ لیا جو نہایت تیزی سے کار کے سامنے آ گیا تھا اور حادثے میں صرف ایک سیکنڈ کا وقت رہ گیا تھا۔ لہٰذا عمران نے ایک سیکنڈ کے بھی ہزارویں حصے میں کار کا دروازہ کھولا اور کار سے باہر چھلانگ لگا دی۔ چھلانگ لگانے کے بعد ابھی وہ فضاء میں ہی تھا کہ اسے خوفناک دھماکے کی آواز سنائی دی۔ یہ دھماکا کار اور ٹرک کے ٹکرانے سے ہوا تھا۔ اس دوران عمران زمین پر جا گرا اور دور تک قلابازیاں کھاتا چلا گیا۔ قلابازیاں کھانے کے بعد جب وہ رکا تو اس نے کار کی طرف دیکھا۔ کار کے پرخچے اڑ گئے تھے اور اسے آگ لگی ہوئی تھی۔ ٹرک بھی بری طرح تباہ ہو گیا تھا۔ عمران کار اور ٹرک کے قریب آیا اور اس نے ٹرک کا معائنہ کیا۔ ٹرک ڈرائیور

ترپ رہا تھا۔ پھر اس سے پہلے کہ عمران اس کی کوئی مدد کرتا اس نے دم توڑ دیا۔ اسے مرتا دیکھ کر عمران آگے بڑھا۔ اب تک کوئی گاڑی وہاں سے نہیں گزری تھی۔ چھ سات منٹ پیدل چلنے کے بعد عمران کو ایک ٹیکسی دکھائی دی تو عمران نے اسے رکنے کا اشارہ کیا تو ٹیکسی اس کے قریب آ کر رک گئی۔ عمران ٹیکسی میں بیٹھا اور اس نے ڈرائیور کو کنگ روڈ چلنے کے لئے کہا۔ اس کے بعد اس نے آنکھیں بند کر لیں اور سوچوں میں گم ہو گیا۔ وہ آج کے واقعات کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ دارالحکومت میں مجرموں کا کوئی گروپ موجود تھا۔ عمران اور اس کے ساتھی ان کی موجودگی سے لاعلم تھے۔

"صاحب۔ کنگ روڈ آ گیا ہے"...... وہ سوچوں میں ڈوبا ہوا تھا کہ اسے ڈرائیور کی آواز سنائی دی۔ وہ چونکا۔

"او کے۔ ایک سائیڈ پر اتار دو"...... عمران نے کہا تو ڈرائیور نے ٹیکسی ایک سائیڈ پر روک لی۔ عمران نے اسے کرایہ دیا اور پھر وہ ٹیکسی سے اتر کر اپنے فلیٹ میں آ گیا۔ وہ فلیٹ میں داخل ہوا تو اسے سلیمان کی آواز سنائی دی۔ سلیمان بلند آواز میں بول رہا تھا جس سے عمران سمجھ گیا کہ سلیمان فون پر کسی سے باتیں کر رہا ہے۔ عمران دبے پاؤں وہاں پہنچا تو سلیمان نے اسے دیکھ لیا۔ عمران کو دیکھ کر سلیمان نے رسیور رکھنے کی کوشش کی لیکن عمران نے اس سے رسیور جھپٹ لیا اور کان سے لگا لیا۔ سلیمان منہ بناتا ہوا وہاں سے

نو دو گیارہ ہو گیا۔

"جناب۔ آپ اس قدر وجیہہ اور دل کش ہیں کہ دل چاہتا ہے آپ کو من میں بسا لوں"...... دوسری طرف سے ایک نسوانی آواز سنائی دی۔ آواز نہایت ہی خوبصورت تھی اور آواز سے محسوس ہو رہا تھا کہ اتنی خوبصورت آواز کی مالکہ خود بھی انتہائی خوبصورت ہو گی۔

"لیکن آپ کا من اتنا بڑا تو نہیں کہ میں اس میں سما جاؤں"۔ عمران نے بوکھلا کر سلیمان کی آواز میں کہا۔ عمران کی بات سن کر دوسری طرف سے ہنسی کی آواز سنائی دی۔ ہنسی میں بھی بہت مٹھاس تھی۔

"سلیمان صاحب۔ آپ خود تو دلکش ہیں ہی مگر باتیں بھی نہایت دلچسپ کرتے ہیں"...... دوسری طرف سے لڑکی نے کہا۔

"تھینک یو۔ تھینک یو۔ اچھا یہ تو بتاؤ کہ تمہاری عمر کتنی ہے"۔ عمران نے شوخ سے لہجے میں کہا۔

"مجھے کیا معلوم۔ البتہ ممی اور ڈیڈی مجھے سولہ سال کی کہتے ہیں"...... لڑکی کی شرماتی ہوئی آواز سنائی دی۔

"آج کے دور میں اور اتنی شرمائی ہوئی آواز۔ حیرت ہے"۔ عمران نے بڑبڑاتے ہوئے کہا۔

"جی۔ کیا کہا آپ نے۔ ذرا بلند آواز میں بولیں مجھے سنائی نہیں دیا کہ آپ نے کیا کہا ہے"...... لڑکی نے کہا۔

"میں نے یہ کہا ہے کہ آپ سترہ سال کی کیوں نہیں ہیں"۔

عمران نے اس سے پوچھا۔

’’جج۔ جج۔ جی۔ کیا کہا آپ نے‘‘...... لڑکی نے یکدم ہی ہکلاتے ہوئے پوچھا۔

’’میں نے آپ سے یہ پوچھا ہے کہ آپ مجھے دل و جان سے چاہتی ہیں نا‘‘...... عمران نے کہا۔

’’نہیں۔ آپ نے کوئی اور بات کی ہے۔ عمر کے بارے میں کچھ کہا ہے‘‘...... دوسری طرف سے لڑکی نے کہا۔

’’میری اس بات کا مطلب یہی ہے کہ آپ مجھ سے کس قدر محبت کرتی ہیں‘‘...... عمران نے کہا۔

’’یہ تو پوچھنے والی بات نہیں ہے سلیمان صاحب۔ میں بے انتہا محبت کرتی ہوں۔ اگر محبت کی پیمائش کرنے والا کوئی آلہ ہوتا تو پھر شاید میں بتا سکتی کہ میں کس قدر محبت کرتی ہوں۔ اب تو میں آپ سے صرف یہی کہہ سکتی ہوں کہ میں آپ سے دل و جان سے پیار کرتی ہوں‘‘...... دوسری طرف سے لڑکی نے مخمور لہجے میں کہا۔

’’بس پھر ٹھیک ہے۔ میں اس بڑھیا کو طلاق دے دیتا ہوں۔ اب روز روز نخرے کرنے لگ گئی ہے‘‘...... عمران نے جوشیلے لہجے میں کہا۔

’’بڑھیا۔ طلاق۔ میں کچھ سمجھی نہیں سلیمان صاحب‘‘...... دوسری طرف سے لڑکی حیرت کے جھٹکے کھا کر بولی۔

’’چھوڑو ان باتوں کو۔ اب ہمارے راستے میں کوئی رکاوٹ نہیں

رہے گی۔ میں نے اپنے لڑکے کی شادی تو پہلے ہی کر دی تھی۔ شادی کے بعد وہ مردود ایکریمیا بھاگ گیا۔ اب رہ گئی وہ بڑھیا تو میں تمہیں گواہ بنا کر اسے ابھی طلاق دے دیتا ہوں۔ اے بڑھیا ادھر آ۔ میں نے تجھے طلاق دی۔ میں نے تجھے طلاق دی۔ میں نے تجھے طلاق دی۔ لو جی اب ہمارے ہنی مون منانے میں کوئی بھی رکاوٹ نہیں بنے گا۔ کیوں ڈارلنگ۔ اب تم بتاؤ کہ میں سہرا باندھ کر کب تمہارے گھر آ جاؤں اور اگر تمہارے گھر والے راضی نہ ہوں تو پھر ہم کورٹ میرج کر لیتے ہیں۔ آج کل کورٹ میرج کرنے والوں کو بہت قانونی تحفظ فراہم کیا جا رہا ہے‘‘...... عمران کی زبان رواں ہوئی تو پھر چلتی ہی چلی گئی۔

’’یہ۔ یہ تم کیسی باتیں کر رہے ہو۔ تم نے تو کہا تھا کہ تم کنوارے ہو۔ تم نے مجھے دھوکا دیا ہے۔ فریب کیا ہے میرے ساتھ۔ تم نے تو اپنی عمر پچیس سال بتائی تھی۔ فراڈیئے‘‘...... دوسری طرف سے لڑکی کی رندھی ہوئی آواز سنائی دی۔

’’یہ تمہارا قصور ہے ڈارلنگ۔ تم محبت میں اتنی آگے نکل گئی تھیں کہ میں تمہارا دل نہیں توڑ سکتا تھا لیکن اب جبکہ ہم شادی کا فیصلہ کر رہے ہیں تو سچ بولنا ضروری ہے‘‘...... عمران نے کہا۔

’’نہیں۔ تم جھوٹ بول رہے ہو۔ تمہاری عمر اتنی نہیں ہے‘‘۔ لڑکی نے یقین نہ کرتے ہوئے کہا۔

’’اگر تمہیں یقین نہیں ہے تو میرے گھر کے قریب جو جنزل

سٹور ہے اس کے مالک سے پوچھ سکتی ہو کہ ہیئر کلر کا میرا ماہانہ خرچہ کیا ہے۔ میں اسی سے ہیئر کلر ادھار لیتا ہوں''...... عمران نے کہا۔

''چکر باز، لوفر، لفنگے، دغا باز، تم نے اب تک مجھے دھوکے میں رکھا اور اب ایک اور دھوکا کرنا چاہتے ہو''...... دوسری طرف سے لڑکی نے گالیوں کی بوچھاڑ کرتے ہوئے کہا تو عمران کے چہرے پر مسکراہٹ آ گئی۔

''دھوکا نہیں شادی کرنا چاہتا ہوں اور کیا ہوا کہ میری عمر پچپن کی ہے۔ دل تو میرا ابھی بچپن کا ہے۔ امنگیں جوان ہیں اور پھر میں تمہیں یہ بھی یقین دلاتا ہوں کہ میرے ہیئر کلر کا خرچہ تمہارے حساب میں درج نہیں ہو گا۔ ہاں تم نے یہ بھی بتایا تھا کہ تم ملازمت کرتی ہو۔ بھلا کہاں کا بتایا تھا''...... عمران نے کہا۔

''فراڈی، جعلساز، دھوکے باز''...... لڑکی ابھی اور بھی گالیاں سناتی کہ عمران نے اسے ٹوک دیا۔

''بس بس۔ تین بیٹوں کے نام کافی ہیں۔ زیادہ بچے اچھے نہیں لگتے۔ بے چارے فیملی پلاننگ والے کیا کہیں گے ہاں۔ اگر تم اصرار کر ہی رہی ہو تو ایک عدد لڑکی کا نام ہی بتا دو۔ بھئی لڑکوں کے ساتھ ساتھ لڑکی کا ہونا بھی ضروری ہے۔ لڑکی کے بغیر گھر میں رونق نہیں ہوتی''...... عمران نے جلدی جلدی بولتے ہوئے کہا۔

''شٹ اپ''...... دوسری طرف سے لڑکی نے غراتی ہوئی آواز

میں کہا تو عمران کی مسکراہٹ میں اضافہ ہو گیا۔

''لیکن یہ تو مغربی نام ہے اور مغربی نام تو مجھے سخت نا پسند ہیں۔ کیا تمہارے ذہن میں کوئی مشرقی نام نہیں آ رہا''...... عمران نے کہا تو دوسری طرف سے رسیور پٹخ دیا گیا۔ سلسلہ منقطع ہوا تو عمران نے بھی مسکراتے ہوئے رسیور کریڈل پر رکھ دیا۔

''سلیمان''...... رسیور رکھنے کے بعد عمران نے سلیمان کو آواز دی تو وہ دروازے کی اوٹ سے باہر نکل آیا۔

''اب تم نے چھپ چھپ میری باتیں بھی سننا شروع کر دی ہیں''...... عمران نے سخت لہجے میں کہا۔

''کسی سے فون کا رسیور چھین کر اس کی آواز میں باتیں کرنا کیا اخلاق کے دائرے میں آتا ہے''...... سلیمان نے منہ بناتے ہوئے کہا۔

''ہائیں۔ تو یہ فون تمہارے لئے تھا''...... عمران نے انجان بنتے ہوئے اور حیرت کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

''بس صاحب بس۔ آپ نے میری زندگی آگ کی مانند کر دی ہے''...... سلیمان نے مایوس آواز میں کہا۔

''تو پھر جاؤ۔ اس آگ پر پانی ڈالو۔ مرغ کی طرح کھڑے اذانیں کیوں دے رہے ہو''...... عمران نے منہ بنا کر کہا۔

''جیلسی کی بھی حد ہوتی ہے صاحب۔ شادی کے لئے آپ سے تو کوئی لڑکی پرپوز نہیں ہوتی اور میں جسے پرپوز کرتا ہوں آپ

اسے بھگا دیتے ہیں۔ آپ تو خود بھی کنوارے مرنا چاہتے ہیں اور ساتھ ہی مجھے بھی کنوارہ مارنا چاہتے ہیں''...... سلیمان نے بھی اس مرتبہ منہ بنا کر کہا۔

''ہونہہ۔ واقعی تمہاری شادی کی عمر نکلتی جا رہی ہے۔ اب تمہاری شادی ہو جانی چاہئے''...... عمران نے اسے غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔

''میری عمر کو کیا ہو گیا ہے صاحب۔ آپ سے بس دو چار مہینے ہی بڑا ہوں''...... سلیمان نے بدستور منہ بنا کر کہا۔

''اگر تو مجھ سے دو چار مہینے بڑا ہے تو پھر تیری شادی میری شادی سے دو چار مہینے پہلے ہو گی۔ اب کچن میں جا اور میرے لئے چائے بنا کر لا''...... عمران نے کہا۔

''چائے نہیں بن سکتی''...... سلیمان نے کہا۔

''کیوں۔ کیا تمہارے ہاتھوں پر مہندی لگی ہوئی ہے''...... عمران نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔

''نہیں لیکن اب مارکیٹ والوں نے کنواروں کو ادھار دینا بند کر دیا ہے۔ انہوں نے اپنی دکانوں پر بڑے بڑے پینا فلیکس لگوا لئے ہیں کہ یہاں کنواروں کو ادھار نہیں دیا جاتا اور یہ بات صرف مارکیٹ والے ہی نہیں بلکہ پوری دنیا کے لوگ جانتے ہیں کہ آپ اور آپ کا باورچی کنوارے ہیں''...... سلیمان نے کہا۔

''ہمارے کنوارے پن سے ادھار کا کیا تعلق''...... عمران نے

حیرت بھرے لہجے میں کہا۔

''دکانداروں کا کہنا ہے کہ بہت زیادہ تعلق ہے۔ کنوارہ جب ادھار لیتا ہے تو اسے واپس کرنے کی پرواہ نہیں کرتا جبکہ شادی شدہ سب سے پہلے ادھار چکاتا ہے تاکہ اسے ادھار ملتا رہے۔ اگر اسے ادھار نہیں ملے گا تو اس کی بیگم اسے گھر میں نہیں گھسنے دے گی۔ پھر کنوارے کی زندگی میں کوئی ربط نہیں ہوتا جبکہ شادی شدہ مرد کی زندگی میں ربط پیدا ہو جاتا ہے۔ کنوارہ ادھار لے کر بھی اکڑ اکڑ کر چلتا ہے جبکہ شادی شدہ کو اس کی بیوی گیدڑ بنا دیتی ہے اور وہ بے چارہ بھیگی بلی بنا پھرتا ہے''...... سلیمان نے کنوارے اور شادی شدہ میں فرق بتاتے ہوئے کہا۔

''گیدڑ اور بھیگی بلی۔ یہ تم نے کیسی مثالیں دی ہیں''...... عمران نے ایک بار پھر حیرت بھرے لہجے میں کہا۔

''وہ مثالیں دی ہیں جو شادی شدہ پر فٹ آتی ہیں''...... سلیمان نے روانی میں کہا۔

''یعنی شادی شدہ بندہ گیدڑ بھی ہوتا ہے اور بھیگی بلی بھی۔ اس کے باوجود تم شادی کرنا چاہتے ہو۔ یعنی تم شیر کی نہیں گیدڑ کی سی زندگی گزارنا چاہتے ہو''...... عمران نے کہا۔

''ایسی شیر جیسی زندگی کا کیا فائدہ کہ دکاندار چائے کی پتی اور چینی بھی ادھار نہ دیں اور انسان چائے کے لئے ترستا رہے''۔ سلیمان نے منہ بنا کر کہا اور کچن کی طرف بڑھ گیا جبکہ عمران کے

چہرے پر مسکراہٹ آ گئی۔ سلیمان کے کمرے سے باہر جانے کے بعد عمران ٹیلی فون کی طرف بڑھا۔ وہ بلیک زیرو سے خاور کی رپورٹ لینا چاہتا تھا لیکن اس سے پہلے کہ وہ رسیور اٹھاتا ٹیلی فون کی گھنٹی بج اٹھی۔

''یس۔ علی عمران ایم ایس سی۔ ڈی ایس سی (آکسن) اسپیکنگ''...... عمران نے اپنے مخصوص لہجے میں کہا۔

''عمران۔ میں ڈیتھ ماسٹر بول رہا ہوں۔ ڈیتھ ماسٹر کا مطلب جانتے ہو نا''...... ایک کرخت آواز سنائی دی۔

''یار۔ آپس کی بات ہے۔ یہ جو ڈگریوں کی لمبی قطار ہے نا میرے نام کے ساتھ۔ یہ میں نے بس رعب کے لئے لگائی ہوئی ہے۔ اب ڈیتھ کا کیا ہے اور ماسٹر کیا ہے۔ مجھے کیا معلوم''۔ عمران نے شوخ سے لہجے میں کہا۔ ویسے وہ اس آواز کو پہچان گیا تھا۔ کار میں ٹرانسمیٹر پر اس نے یہی آواز سنی تھی اور ویسے بھی وہ ڈیتھ ماسٹر کے بارے میں اچھی طرح جانتا تھا۔ ڈیتھ ماسٹر عالمی مجرم تنظیم ڈیتھ لائن کا سربراہ تھا اور اس کے بارے میں کہا جاتا تھا کہ وہ انتہائی سفاک اور درندہ صفت انسان ہے۔

''عمران۔ تمہاری یہ ساری شوخیاں تم سمیت ختم ہونے والی ہیں۔ میں تمہارے خاتمے کا مشن لے کر ہی آیا ہوں۔ کچھ دیر پہلے تم خوش قسمتی سے بچ گئے ہو لیکن یہ خوش قسمتی ہر وقت تمہارے ساتھ نہیں رہے گی''...... دوسری طرف سے ڈیتھ ماسٹر کی غراتی ہوئی

آواز سنائی دی۔

''ڈیتھ ماسٹر۔ جب گیدڑ کی موت آتی ہے تو وہ شہر کا رخ کرتا ہے۔ اس طرح جب کسی مجرم کی موت آتی ہے تو وہ پاکیشیا کا رخ کرتا ہے۔ اب تم پاکیشیا آ گئے ہو تو یہاں سے جا نہیں سکو گے''۔ عمران نے اس مرتبہ بدلے ہوئے لہجے میں کہا۔ اس کے اس لہجے میں درندوں کی سی غراہٹ عود آئی تھی۔

''تم اپنی خیر مناؤ عمران۔ میری صورت میں صرف تمہاری ہی نہیں بلکہ ایکسٹو کی موت بھی پاکیشیا میں آ گئی ہے اور اس موت سے بچنا تمہارے بس کی بات نہیں ہے''...... ڈیتھ ماسٹر کی طنزیہ آواز سنائی دی۔

''تم جیسے ہزاروں کیڑے مکوڑے ایکسٹو کے معمولی کارکنوں کے ہاتھوں جہنم رسید ہو چکے ہیں۔ تمہارا انجام بھی ان سے مختلف نہیں ہو گا''...... عمران نے بدستور غراتے ہوئے کہا۔

''میں چڑیوں کی جرأت پر صرف قہقہے ہی لگایا کرتا ہوں۔ ہاہاہا''...... دوسری طرف سے ڈیتھ ماسٹر نے کہا پھر اس کا فلک شگاف قہقہہ سنائی دیا اور اس کے بعد رابطہ منقطع ہو گیا۔ عمران نے بھی رسیور کریڈل پر رکھ دیا۔

خاور نے ان تینوں لڑکیوں کو اٹھتے اور پھر گیٹ کی طرف بڑھتے دیکھا۔ جب وہ گیٹ سے باہر نکل گئیں تو وہ بھی اٹھ کھڑا ہوا۔ اس نے کافی کے کپ کے نیچے ہی ایک بڑا نوٹ رکھ دیا کیونکہ اس کے پاس اتنا وقت نہیں تھا کہ وہ ویٹر کو بلا کر یا کاؤنٹر پر جا کر بل ادا کرتا۔ وہ باہر آیا تو مقامی لڑکیاں ایک کار میں سوار ہو رہی تھیں جبکہ غیر ملکی لڑکی دوسری کار کا گیٹ کھول رہی تھی۔ عمران نے موبائل فون پر اسے کال دی تھی لیکن جب خاور نے کال سنی تو عمران نے اس سے بات نہیں کی بلکہ اسے عمران اور لڑکیوں کی گفتگو سنائی دی۔ اس گفتگو میں عمران نے ڈان ہوٹل کا نام لیا تو وہ سمجھ گیا کہ اسے فوری طور پر ڈان ہوٹل پہنچنا ہے۔ لہٰذا وہ آندھی اور طوفان کی مانند ڈان ہوٹل پہنچ گیا۔ جب تک کال چلتی رہی تھی خاور کال سنتا رہا تھا۔ اس کال میں ہی عمران نے اسے اشارہ دے دیا تھا کہ اس نے غیر ملکی لڑکی انجلینا کا تعاقب کرنا ہے۔

پھر عمران تو اٹھ کر چلا گیا لیکن لڑکیاں مزید کچھ دیر تک وہیں بیٹھی رہیں۔ ان کے انداز سے ایسے لگ رہا تھا جیسے وہ کسی اہم مسئلے پر بات چیت کر رہی ہوں پھر وہ اٹھیں اور ہال سے باہر آ گئیں۔ خاور بھی ان کے پیچھے باہر آ گیا۔ اس نے مقامی لڑکیوں کو نظر انداز کر دیا اور غیر ملکی لڑکی کا تعاقب کرنے لگا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ کیا کوئی نیا کیس شروع ہو گیا ہے اور یہ کہ غیر ملکی لڑکی انجلینا کون ہے جس کے تعاقب کا عمران نے حکم دیا ہے۔ مختلف سڑکوں سے گزرنے کے بعد کار ایک نیلے رنگ کی بلڈنگ کے گیٹ پر رکی۔ خاور نے اس سے کچھ فاصلے پر کار روک لی۔ پھر اس بلڈنگ کا گیٹ کھلا تو انجلینا کی کار اندر داخل ہو گئی۔ اب خاور سوچنے لگا کہ وہ کیا کرے۔ بلڈنگ کے اندر جائے یا باہر رک کر لڑکی کے واپس آنے کا انتظار کرے۔ پھر اس نے سوچا کہ پہلے وہ جولیا کو رپورٹ دے دے۔ گو کہ اسے اس غیر ملکی لڑکی کے تعاقب کا حکم عمران نے دیا تھا لیکن رپورٹ وہ پہلے جولیا کو دینا چاہتا تھا اور جولیا سے مزید ہدایات لینا چاہتا تھا۔ اس نے اپنا مخصوص سیل فون سیٹ جیب سے نکالا اور جولیا کے نمبرز پریس کر دیئے۔

”یس۔ جولیا اسپیکنگ“...... کال رسیو ہونے کے بعد جولیا کی آواز سنائی دی۔

”مس جولیا۔ میں خاور بول رہا ہوں“...... خاور نے کہا۔

”ہاں خاور۔ کیسے ہو تم۔ بہت دنوں بعد تم نے فون کیا ہے۔

کہاں ہوتم''...... جولیا کی آواز سنائی دی۔

''مس جولیا۔ اس وقت تو میں ایک غیر ملکی لڑکی انجلینا کا تعاقب کر رہا ہوں''...... خاور نے کہا۔

''ارے۔تم نے کب سے غیر ملکی لڑکیوں کا پیچھا کرنا شروع کیا ہے''...... جولیا کی شوخ آواز سنائی دی۔

''میں خود پیچھا نہیں کر رہا مس جولیا۔ مجھے اس کام کا حکم عمران صاحب نے دیا ہے''...... خاور نے ہنستے ہوئے کہا۔

''اچھا۔ کیا سلسلہ ہے یہ''...... جولیا نے پوچھا۔ جس کا مطلب تھا کہ جولیا کو ابھی کچھ معلوم نہیں تھا۔ خاور نے اسے تفصیل بتا دی کہ عمران نے اسے کس طرح انجلینا کے تعاقب کا حکم دیا ہے۔

''ضرور کوئی نیا چکر شروع ہو گیا ہے لیکن ابھی عمران بھی کنفرم نہیں ہے کہ کیا چکر ہے اس لئے اس نے ابھی چیف کو رپورٹ نہیں دی۔ میں عمران سے بات کرتی ہوں۔ تم کچھ دیر باہر ہی لڑکی کا انتظار کرو اور اگر کچھ دیر تک لڑکی باہر نہ آئے تو پھر عمران سے ہدایات لے لینا''...... جولیا نے کہا۔

''اوکے مس جولیا۔ تھینک یو اینڈ اللہ حافظ''...... خاور نے کہا اور پھر اس نے کال منقطع کر دی۔ اس کے بعد اس نے بلڈنگ کی طرف دیکھا۔ گیٹ بدستور بند تھا۔ خاور انتظار کرنے لگا۔ اسے انتظار کرتے ہوئے ابھی زیادہ وقت نہیں ہوا تھا کہ بلڈنگ کا گیٹ کھلا اور انجلینا کی کار گیٹ سے باہر آ گئی۔ کار مین روڈ پر آ کر ایک

طرف بڑھی تو خاور ایک بار پھر اس کا تعاقب کرنے لگا۔ کچھ دیر بعد خاور نے انجلینا کی کار کو شہر سے باہر جانے والی سڑک پر مڑتے دیکھا۔ انجلینا کو اپنے تعاقب کا احساس ہو گیا تھا یا اسے اس طرف ہی جانا تھا اس کا اندازہ خاور کو نہیں ہو رہا تھا۔ لہٰذا خاور نے تعاقب جاری رکھا۔ وجہ جو بھی تھی سامنے آ جانی تھی۔ انجلینا کی سفید ٹیوٹا کرولا تیزی سے شالما پہاڑی کی طرف بڑھ رہی تھی۔ خاور نے کار کا فاصلہ بہت بڑھا دیا تھا کیونکہ ٹریفک اب بہت کم تھی اور اگر انجلینا اس تعاقب سے بے خبر تھی تو اسے بے خبر ہی رہنا چاہئے تھا۔ دونوں کاروں کی رفتار کافی بڑھ چکی تھی پھر ایک وقت ایسا بھی آیا کہ اس طویل اور کشادہ سڑک پر صرف دو کاریں ہی رہ گئیں۔ انجلینا کی کار آگے تھی اور خاور کی کار کافی فاصلے پر اس کے پیچھے تھی۔

کچھ دیر بعد شالما پہاڑی کا ویران اور سنسان علاقہ آ گیا۔ انجلینا کی کار ایک موڑ مڑ گئی تھی۔ جب خاور کی کار اس موڑ پر پہنچی تو اس نے بریک لگائی۔ اسے دور دور تک انجلینا کی کار دکھائی نہیں دے رہی تھی۔ خاور کے ہونٹ سکڑ گئے اور وہ اپنی کار سے نیچے اتر آیا آگے راستہ اونچا نیچا تھا۔ وہ اس راستے کا جائزہ لینے کے لئے چند قدم آگے بڑھا۔ اس نے سامنے دور دور تک نظر دوڑائی لیکن انجلینا کار سمیت گدھے کے سر سے سینگ کی مانند غائب ہو چکی تھی۔ اچھی طرح جائزہ لینے کے بعد خاور کار کی جانب واپس مڑا اور جیسے

ہی وہ واپس مڑا یکدم اچھل پڑا۔ اس کی کار کے قریب پانچ افراد کھڑے تھے اور ان پانچوں کے پاس مشین گنیں تھیں اور ان سب مشین گنوں کا رخ خاور کی طرف تھا۔

''اپنے ہاتھ اپنے سر پر رکھ لو مسٹر ورنہ تمہارا سارا جسم روشندان بن جائے گا''...... ان میں سے ایک آدمی نے کرخت لہجے میں کہا۔ وہ پانچوں مقامی دکھائی دے رہے تھے لیکن بولنے کی آواز اور لہجے نے بتا دیا تھا کہ وہ مقامی نہیں ہیں جس کا واضح مطلب تھا کہ وہ پانچوں میک اپ میں تھے۔ اس آدمی کے حکم پر خاور نے اپنے ہاتھ اپنے سر پر رکھ لئے۔

''نمبر سکسٹین۔ اس کی تلاشی لو''...... جس آدمی نے خاور کو ہاتھ اٹھانے کا حکم دیا تھا اسی نے اپنے ایک آدمی کو حکم دیا تو وہ آدمی آگے بڑھا اور خاور کے قریب آ گیا۔ قریب آ کر اس نے خاور کی تلاشی لینے کی کوشش کی لیکن خاور نے یکدم اس کی گردن میں ہاتھ ڈالا اور اسے ڈھال بنانا چاہا لیکن اس سے پیشتر ہی پہاڑی علاقے میں فائرنگ کی تیز آواز گونجی اور اس آدمی کی بھی ایک تیز چیخ پہاڑیوں سے ٹکرانے لگی جسے خاور نے ڈھال بنانا چاہا تھا۔ نمبر سکسٹین کے اپنے ہی انچارج نے اس پر مشین گن کا فائر کھول دیا تھا۔ چیخ کے ساتھ ہی نمبر سکسٹین تڑپنے لگا۔ خاور نے یکدم ہی تڑپتے ہوئے نمبر سکسٹین کو اٹھایا اور باقی افراد کی طرف اچھال دیا۔ نمبر سکسٹین توپ سے نکلے ہوئے گولے کی مانند ان چاروں پر جا

گرا۔ انہیں خاور سے اس عمل کی توقع ہرگز نہیں تھی لہٰذا جیسے ہی نمبر سکسٹین ان سے ٹکرایا تو وہ بوکھلا گئے۔ خاور نے ایک لانگ جمپ لگایا اور کسی پرندے کی طرح اڑتا ہوا ایک ابھری ہوئی چٹان کی دوسری جانب جا گرا۔ نیچے گرتے ہی خاور نے جیب سے اپنا مشین پسٹل نکال لیا اور چٹان سے ظاہر ہو کر فائر کر دیا۔ اس کے مشین پسٹل سے بیک وقت کئی گولیاں نکلیں۔ جس سے ایک بار پھر پہاڑی فضاء گونج اٹھی اور ان چاروں میں سے ایک آدمی کی دلدوز چیخ بھی بلند ہوئی اور وہ وہیں ڈھیر ہو گیا۔ پانچ آدمیوں میں سے اب تین آدمی بچ گئے تھے۔ ان تینوں نے چٹانوں کے پیچھے جمپ لگائے اور وہ چٹانوں کے پیچھے چھپ گئے۔ اب ان میں اور خاور کے درمیان فائرنگ کا باقاعدہ تبادلہ ہونے لگا۔ خاور تربیت یافتہ سیکرٹ ایجنٹ تھا تو کم وہ بھی دکھائی نہیں دے رہے تھے۔ وہ بھی بہت ہی محتاط فائرنگ کر رہے تھے۔ خاور جس چٹان کے پیچھے چھپا ہوا تھا اچانک اس کے ابھرے ہوئے حصے پر زبردست فائرنگ ہوئی جس سے چٹان کے سنگریز ٹوٹ کر ادھر ادھر گرے۔ چند سنگریز خاور کو بھی آ لگے۔ خاور کو یوں محسوس ہوا جیسے اس کے جسم سے موٹی سوئیاں ٹکرائی ہوں اور اسے زخمی کر گئی ہوں۔ اس نے ایک بار پھر لانگ جمپ لگایا اور اڑتا ہوا دوسری چٹان کے قریب جا گرا۔ اس کے جمپ لگاتے ہی مشین گنوں نے شعلے اگلے اور یہ شعلے خاور کے اردگرد سے گزر گئے۔ پھر اس سے پہلے کہ اس پر دوسری بوچھاڑ

ہوتی وہ دوسری پہاڑی کے عقب میں پہنچ چکا تھا۔ اس پہاڑی کے عقب میں پہنچ کر وہ اس پہاڑی کی طرف دیکھ رہا تھا جس کے پیچھے اس کے دشمن چھپے ہوئے تھے کہ اسے خطرے کا احساس ہوا۔ اس نے تیزی سے گردن گھما کر دیکھا لیکن اسے دیر ہو چکی تھی۔ مشین گن کا بٹ اس کے سر پر پڑا اور اس کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا سا چھا گیا۔ دوسری ضرب نے اسے دنیا و مافیہا سے بالکل ہی غافل کر دیا۔ اس کے ہاتھ پاؤں ڈھیلے پڑ گئے۔ اس کے ہاتھ سے مشین پسٹل نکل کر نیچے جا گرا۔

آج ایکریمیا میں افراتفری پھیلی ہوئی تھی۔ ہر چہرے پر موت کی زردی دکھائی دے رہی تھی۔ ریاست فلوایا تو ڈاکٹر بلیک کے اعلان کرتے ہی خالی ہونا شروع ہو گئی تھی حالانکہ حکومت بار بار اعلان کرا رہی تھی اور شہریوں کو پرسکون رہنے کی تلقین کر رہی تھی لیکن عوام کا سکون تو ڈاکٹر بلیک کی تقریر کے ساتھ ہی اڑ گیا تھا۔ ایکریمیا کی عوام کی اکثریت کا خیال تھا کہ ڈاکٹر بلیک نے جو اعلان کیا ہے وہ اسے عملی جامہ ضرور پہنائے گا۔ ان کی فلموں میں دکھایا جاتا تھا کہ سائنسی ایجادات سے فلم کا ہیرو کس طرح ناممکنات کو ممکنات میں بدل دیتا تھا تو ڈاکٹر بلیک بھی کوئی سٹھیایا ہوا سائنس دان ہی تھا جس نے لازماً کوئی ایسی طاقت حاصل کر لی تھی جس کی مدد سے وہ کروڑوں افراد کو لقمۂ اجل بنا سکتا تھا۔ اس لئے حکومت کی طرف سے بار بار تسلیاں دینے اور پرسکون رہنے کی تلقین کے باوجود کوئی شخص بھی پرسکون نہیں تھا۔ ایسے لگتا تھا جیسے انہیں اپنی

حکومت پر اعتماد ہی نہ ہو۔

ریاست فلوایا میں اب بہت ہی کم لوگ رہ گئے تھے۔ ریاست فلوایا قبرستان کا منظر پیش کر رہی تھی۔ انسان تو انسان، جانور اور پرندے بھی اس ریاست سے ہجرت کر گئے تھے۔ ریاست میں فوج گشت کر رہی تھی یا ماہرین کی ایک ٹیم جو ایٹم بم کی تلاش میں مگن تھی۔ عوام میں سے چند لوگ ایسے تھے جنہوں نے ہجرت نہیں کی تھی۔ یہ گنتی کے وہ لوگ تھے جنہیں اپنی حکومت پر یقین تھا کہ ان کی حکومت یہ انہونی نہیں ہونے دے گی۔

حکومت ایکریمیا نے جنرل ڈی سوزا کی حفاظت کے تمام انتظامات کر لئے تھے۔ ان انتظامات کے ساتھ ساتھ حکومت ایکریمیا نے اپنے سائنس دانوں اور ماہرین کی مدد سے اس جگہ کو تلاش کرنے کی کوشش کی تھی جہاں سے ڈاکٹر بلیک نے سیٹلائٹ سسٹم پر قبضہ کر کے خطاب کیا تھا لیکن ایکریمیا کے تمام سائنس دان، ماہرین اور مشینری یکسر ناکام رہے تھے اور اس ناکامی نے انہیں پریشان کر دیا تھا لیکن اس کے باوجود وہ اپنی عوام کو تسلی ہی دے رہے تھے اور اپنی کوششوں میں مسلسل مصروف تھے۔

حکومت نے جنرل ڈی سوزا کی حفاظت کے لئے سائنسی انتظامات کئے تھے۔ اسے جس بلڈنگ میں رکھا گیا تھا وہاں ایک مکھی بھی پر نہیں مار سکتی تھی۔ ماہر ڈاکٹرز کی ایک ٹیم اس بلڈنگ میں موجود تھی۔ بلڈنگ کو سینکڑوں کمانڈوز نے گھیر رکھا تھا۔ جنرل ڈی

سوزا کے تمام طبی ٹیسٹ کئے گئے تھے۔ ٹیسٹ کے مطابق وہ بالکل ٹھیک تھے۔ انہیں جو کھانا پیش کیا گیا تھا وہ بھی لیبارٹری ٹیسٹڈ تھا۔ ان تمام انتظامات کے بعد حکومت ایکریمیا کو یقین تھا کہ ڈاکٹر بلیک، جنرل ڈی سوزا کا بال بھی بیکا نہیں کر سکے گا۔ ان تمام انتظامات کی تفصیل بھی حکومت نے میڈیا کو دے دی تھی اور جب میڈیا نے یہ تفصیلات جاری کیں تو دنیا بھر کے لوگوں نے اطمینان کا سانس لیا۔ ان سب کو یقین ہو گیا کہ ڈاکٹر بلیک ناکام رہے گا۔ ایسے انتظامات کے بعد ڈاکٹر بلیک کا کامیاب ہونا ناممکنات میں سے تھا۔

ڈاکٹر بلیک کے دیئے گئے وقت سے تین گھنٹے پہلے ڈاکٹرز کی ٹیم نے جنرل ڈی سوزا کا ایک بار پھر معائنہ کیا۔ وہ مکمل طور پر صحت مند اور تندرست تھا۔ حکومت نے اس کی حفاظت کے لئے جو انتظامات کئے تھے وہ ان انتظامات سے مطمئن بھی تھا۔ اس لئے اس کے چہرے پر پریشانی کے تاثرات بھی نہیں تھے۔ وہ کافی مسرور دکھائی دے رہا تھا۔ ڈاکٹرز کے معائنے کے بعد اسے ریڈیائی الیکٹرک روم میں بند کر دیا گیا۔ اس روم میں تین سکرینیں لگی ہوئی تھیں جو آٹو کنٹرول تھیں۔ روم میں کیمرے بھی لگے ہوئے تھے۔ یوں جنرل ڈی سوزا کی ایک ایک حرکت مین کنٹرول روم میں بیٹھے افراد دیکھ رہے تھے۔

ریڈیائی الیکٹرک روم کا کنٹرول جنرل ڈی سوزا کے پاس تھا اور

مین کنٹرول روم میں چار کرنل بیٹھے ہوئے تھے۔ اب اس ریڈیائی روم میں نہ کوئی داخل ہو سکتا تھا اور نہ ہی کوئی روم سے باہر آ سکتا تھا۔ جب تک جنرل ڈی سوزا ریڈیائی سسٹم آف نہ کر دے اور اب ریڈیائی سسٹم کو بھی آف کرنا جنرل سوزا کے اختیار میں نہیں تھا۔ اس کے سوئچ پینل کو ایک تجوری میں رکھ دیا گیا تھا اور تجوری کی چابی دوسرے کمرے میں بیٹھے ہوئے ایک جنرل کے پاس تھی۔ اس طرح سے کوئی بھی اپنی مرضی سے اب اس ریڈیائی کنٹرول روم کو نہیں کھول سکتا تھا۔

جنرل ڈی سوزا کے کھانے کے لئے پھل اور پینے کے لئے شراب ٹیسٹ کے بعد جنرل کے ساتھ ہی کمرے میں پہنچا دی گئی تھی۔ اس کے کھانے کے لئے پھلوں اور شراب کا معائنہ ڈاکٹرز کے پینل نے کیا تھا اور رپورٹ پر تمام ڈاکٹرز نے دستخط کئے تھے۔ اب ڈاکٹر بلیک کا بتایا گیا وقت بہت ہی قریب تھا۔ سب ایک ایک لمحہ گن رہے تھے اور ایک ایک لمحہ انہیں ایک صدی کے برابر لگ رہا تھا۔

مین کنٹرول روم میں بیٹھے ہوئے افراد نے پلیٹ کھسکنے کی آواز سنی تو سب نے چونک کر سکرین کی طرف دیکھا۔ سکرین جنرل ڈی سوزا کی ایک ایک حرکت دکھا رہی تھی۔ جنرل ڈی سوزا کے چہرے پر تشویش تھی نہ خوف بلکہ وہ مطمئن اور مسرور دکھائی دے رہا تھا۔ اس نے پلیٹ اپنی طرف کھسکائی تھی پھر پلیٹ میں چاول اور شوربہ

ڈالا اور چاول کھانے لگا۔ چاول کھانے کے بعد جنرل ڈی سوزا نے پلیٹ ایک طرف رکھی اور گلاس میں شراب ڈال کر گھونٹ گھونٹ پینے لگا۔ شراب پینے کے بعد اس نے جیب میں سگار کے لئے ہاتھ ڈالا۔ یہ اس کی عادت ہی تھی کہ وہ کھانے کے بعد شراب پیتا تھا اور شراب کے بعد سگار۔ لیکن اس وقت اس کی جیب میں سگار نہیں تھا۔ کسی خیال کے پیش نظر اس سے سگار لے لیا گیا تھا۔ سگار کو جیب میں نہ پا کر اس نے سر کو ہلکا سا جھٹکا دیا۔ پھر کمرے میں ادھر ادھر نظریں دوڑائیں اور اس کے بعد وہ آرام کرسی کی طرف بڑھا۔

وہ آرام کرسی پر لیٹ گیا اور سوچنے لگا کہ زندگی اور موت میں کتنا فرق ہے۔ کتنے بڑے بڑے لوگ گمنامی کی موت مارے جاتے ہیں اور کئی ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں جن کی موت انہیں ہیرو بنا دیتی ہے۔ ڈاکٹر بلیک نے موت کے لئے اس کا نام لیا تھا۔ ڈاکٹر بلیک خود تو اپنے مقصد میں ناکام ہو رہا تھا لیکن جنرل ڈی سوزا کو اس نے گمنامی کے عمیق گڑھوں سے نکال کر شہرت کی بلندیوں پر پہنچا دیا تھا۔ پچھلے چند دنوں سے وہ عالمی میڈیا کی شہ سرخی بن گیا تھا۔ دنیا بھر کے اخبارات نے اس کی تصاویر شائع کی تھیں۔ اس پر تبصرے کئے تھے اور اس پر مضامین لکھے تھے۔ الیکٹرانگ میڈیا بھی دن رات سکرین پر اسے ہی دکھا رہا تھا۔ اسے ایسی شہرت ملی تھی جس کا وہ کبھی تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔ پھر جنرل

ڈی سوزا سوچنے لگا کہ اگر ڈاکٹر بلیک نے اس کی موت کے ساتھ کروڑوں لوگوں کی موت کی دھمکی نہ دی ہوتی تو شاید اس کو بچانے کے اس قدر انتظامات نہ کئے جاتے۔ صرف ایک دو ڈاکٹر اور دو تین فوجی اس کے لئے کافی سمجھے جاتے لیکن اب اس کی زندگی سے کروڑوں لوگوں کی زندگیاں وابستہ تھیں اس لئے حکومت نے اس کی زندگی بچانے کے لئے غیر معمولی انتظامات کئے تھے۔

جنرل ڈی سوزا انہی سوچوں میں گم تھا کہ اچانک اس کے پیٹ میں درد اٹھا۔ اس نے اپنے سینے پر ہاتھ پھیرا۔ درد پسلیوں کے قریب دائیں جانب ہو رہا تھا۔ اس نے درد برداشت کرنے کی کوشش کی لیکن درد بڑھتا ہی چلا گیا اور اس قدر بڑھا کہ اس کی برداشت سے باہر ہو گیا۔ اس کے چہرے سے وحشت عیاں ہونے لگی اور پھر وہ ایک چیخ مار کر رہ گیا۔

کنٹرول روم میں بیٹھے ہوئے افراد نے اس کی یہ حالت دیکھی تو وہ یکدم گھبرا گئے۔ پلک جھپکتے ہی خطرے کی گھنٹیاں بجنے لگیں اور ہر طرف ایک کہرام بپا ہو گیا۔ فوراً ہی تمام ڈاکٹرز، سائنس دان، ایجنٹس اور حکومت کی اعلیٰ شخصیات کنٹرول روم میں جمع ہو گئیں اور فیصلہ کیا گیا کہ کچھ دیر کے لئے ریڈیائی سسٹم جام کر دیا جائے تاکہ وہ سب کمرے میں داخل ہو سکیں اور جنرل ڈی سوزا کو بروقت طبی امداد دی جا سکے۔ لہٰذا اس فیصلے پر فوراً ہی عمل کیا گیا۔

ڈاکٹرز فوراً ہی جنرل ڈی سوزا کے پاس پہنچے جو اس وقت تک

بے ہوش ہو چکا تھا۔ معائنے کے بعد تمام ڈاکٹرز کے ہونٹ دائرے کی مانند سکڑ گئے۔ یہ اب قسمت کا ہی کھیل تھا کہ ہر طرح سے صحت مند اور توانا جنرل ڈی سوزا کا اپنڈکس پھٹ گیا تھا۔ آنت کے پھٹ جانے کی وجہ سے زہر اس کے جسم میں پھیل رہا تھا اور یہ پھیلتا ہوا زہر اس کی زندگی کے چراغ کو گل کر رہا تھا۔

اس بلڈنگ میں ہمہ قسم کے آپریشن کا بھی بندوبست کیا گیا تھا۔ ڈاکٹرز کے گروپ میں سرجن بھی شامل تھے لہٰذا جنرل ڈی سوزا کو فوراً ہی آپریشن روم کی طرف لے جایا جانے لگا۔ موت کا فرشتہ آپریشن روم کے دروازے پر ہی کھڑا تھا اس لئے جیسے ہی جنرل ڈی سوزا آپریشن روم کے دروازے پر پہنچا موت کے فرشتے نے اسے جکڑ لیا اور اس کی روح کو اس کے جسم سے کھینچ لیا۔ جنرل ڈی سوزا نے آخری ہچکی لی۔ اس کا سر ایک بار بلند ہوا اور پھر جب اس کا سر نیچے ہوا تو اس کی آنکھیں بے نور ہو چکی تھیں۔ سب کی نظریں بے اختیار گھڑی کی طرف گئیں۔

یہ وہی وقت تھا جس کا اعلان ڈاکٹر بلیک نے کیا تھا۔ وہاں موجود سب افراد کے چہرے دہشت و وحشت کی زیادتی کی وجہ سے بگڑ گئے۔ خوف ان کے لہو میں شامل ہو کر ان کی رگوں میں دوڑنے لگا۔ اگر جنرل ڈی سوزا، ڈاکٹر بلیک کے بتائے وقت کے مطابق مر گیا تھا تو اس کا مطلب ہے کہ اب ایکریمیا میں موت کا بازار گرم ہو جائے گا۔ ایکریمیا کی گلیوں اور بازاروں میں موت

رقص کرتی نظر آئے گی۔ ہر طرف لاشیں ہی لاشیں ہوں گی اور ان لاشوں کے درمیان ڈاکٹر بلیک کے قہقہے گونجیں گے۔ ڈاکٹر بلیک جو یقیناً شیطان کا ساتھی تھا کروڑوں لوگوں کو موت کے حوالے کر دے گا۔ وہاں موجود لوگ چشم تصور سے دیکھنے لگے کہ ایکریمیا شعلوں میں ڈوبا ہوا تھا اور ان شعلوں میں فلک شگاف دھماکے زندگی کو مٹا رہے تھے۔

ڈاکٹر بلیک اس وقت اپنے مخصوص کمرے میں بیٹھا ہوا تھا۔ اس کمرے کو اس نے ڈیتھ روم کا نام دیا ہوا تھا۔ یہ بہت بڑا کمرہ تھا جس میں لاتعداد مشینیں تھیں۔ ڈاکٹر بلیک کی زندگی کا ایک بڑا حصہ اس کمرے کی نذر ہو گیا تھا۔ یہ کمرہ نہیں بلکہ سائنس کی ایک مکمل دنیا تھا۔ اس کمرے میں بیٹھ کر ڈاکٹر بلیک اپنی ساری کارروائیاں کرتا تھا اور یہی وہ کمرہ تھا جس میں کسی اور کو آنے کی اجازت نہیں تھی۔

تمام مشینوں کے سامنے بیٹھنے کے لئے کرسیاں رکھی ہوئی تھیں۔ ان مشینوں کو آپریٹ کرنے والا کوئی نہیں تھا کیونکہ یہ سب آٹو تھیں۔ ڈاکٹر بلیک اس وقت ایک مشین کے سامنے بیٹھا ہوا تھا اور اس کا چہرہ اس قدر بگڑا ہوا تھا کہ وہ کسی طور بھی انسان دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ وہ اس وقت ایک ایسا بھیڑیا نظر آ رہا تھا جو بھیڑوں کے ریوڑ کو تہس نہس کرنے کا ارادہ کئے ہوئے ہو۔ اس کی آنکھوں

کی سرخی اس کی بربریت کا اعلان کر رہی تھی۔ وہ جس مشین کے سامنے بیٹھا ہوا تھا اس مشین کی سکرین روشن تھی۔ بٹن پینل پر درجنوں بٹن تھے۔ سکرین پر نظر آنے والی تحریر کو پڑھتے ہوئے ڈاکٹر بلیک مشین کے بٹن دبا رہا تھا۔ چند بٹنوں کو دبانے کے بعد اس نے مشین کے کونے میں لگا ہوا رسیور نیچے کیا۔ اس کے چند لمحوں بعد کمرے میں رکھے ہوئے ٹی وی سیٹ پر نظر آنے والی نشریات رک گئیں اور ٹی وی سکرین پر ایک کھوپڑی اور دو ہڈیاں نظر آنے لگیں۔ ڈاکٹر بلیک نے دنیا کے سب سے معروف اور مقبول ٹی وی چینل کی نشریات پر قبضہ کر لیا تھا۔ اب وہ اس چینل کے ذریعے دنیا بھر کے لوگوں سے مخاطب ہو سکتا تھا۔ ٹی وی سکرین پر ایک نظر ڈالنے کے بعد ڈاکٹر بلیک نے سفید رنگ کا ایک بٹن پریس کیا اور پھر وہ کرخت لہجے میں بولا۔

''لیڈیز اینڈ جینٹس۔ تم نے دیکھ لیا کہ میرے بتائے ہوئے وقت کے مطابق موت کی ظالم اور تند و تیز آندھی نے جنرل ڈی سوزا کی زندگی کے چراغ کو گل کر دیا۔ حالانکہ اس کی حفاظت کے انتظامات دنیا کی سب سے بڑی سپر پاور نے کئے تھے اور یقیناً ان انتظامات میں کوئی کمی یا خامی نہیں تھی لیکن تمہیں یاد رکھنا چاہئے کہ ڈاکٹر بلیک کا وعدہ اٹل وعدہ ہے جو کبھی ٹل نہیں سکتا اور میں نے تم سے وعدہ کیا تھا کہ اگر حکومت ایکریمیا نے جنرل ڈی سوزا کو مرنے سے بچا لیا تو ٹھیک ورنہ اس کی ریاست فلوایا جو اس کے

دارالحکومت کے قریب تر ہے کو صفحۂ ہستی سے مٹا دیا جائے گا۔ میرا ایک وعدہ تو پورا ہو چکا۔ جنرل ڈی سوزا زندگی سے ناطہ توڑ چکا ہے اور اب سے ٹھیک انتیس گھنٹے بعد فلوایا پر قیامت ٹوٹ پڑے گی لیکن فلوایا خالی ہو چکا ہے تو اس کے صفحۂ ہستی سے مٹنے سے کوئی خاص فرق نہیں پڑنا جبکہ مجھے ایکریمیا سے کم از کم ایک کروڑ انسانوں کی قربانی چاہئے تو ٹھیک ہے فلوایا خالی ہو گیا ہے تو ہوتا رہے۔ ایکریمیا کا دارالحکومت تو ہے نا۔ دارالحکومت کے ساتھ ساتھ دوسرے شہر بھی ہیں نا۔ مجھے تو ایک کروڑ انسانوں کی لاشیں دیکھنی ہیں وہ لاشیں دارالحکومت اور اردگرد کے شہروں میں بھی دیکھی جا سکتی ہیں۔ اب دنیا صرف انتیس گھنٹے انتظار کرے۔ انتیس گھنٹے بعد ایکریمیا ایک کروڑ انسانوں کی قربانی دیتا ہوا دکھائی دے گا۔ فلوایا اور دارالحکومت کی بلند و بالا عمارتیں زمین بوس ہو کر کھنڈرات میں تبدیل ہو جائیں گی۔ صرف اٹھائیس گھنٹے پچاس منٹ بعد ایکریمیا میں موت کا رقص ہو گا اور تم لوگ یہ دلچسپ مناظر لائیو دیکھ سکو گے۔ پیپلز۔ تم خوش نصیب لوگ ہو کہ میری آواز دوبارہ بھی سنو گے لیکن ایکریمیا کے ان ایک کروڑ بدنصیب لوگوں کے بارے میں سوچو جو اب دوبارہ میری آواز نہیں سن سکیں گے۔ اوکے۔ گڈ بائی''...... ڈاکٹر بلیک نے مسلسل بولتے ہوئے کہا اور پھر آخر میں اس نے قہقہہ بھی بلند کیا۔ یقیناً اس کا قہقہہ موت کے قہقہے جیسا ہی تھا۔ ڈاکٹر بلیک نے مشین کا لیور اوپر اٹھایا اور پھر چند بٹن پریس

کئے۔ جیسے ہی بٹن پریس ہوئے ٹی وی سکرین سے کھوپڑی اور ہڈیاں غائب ہوگئیں اور ٹی وی چینل کی نشریات بحال ہوگئیں۔

ڈاکٹر بلیک کی سرخ آنکھوں میں خونی چمک پیدا ہو چکی تھی۔ وہ خونی مسکراہٹ چہرے پر لا کر ٹی وی سکرین کی طرف دیکھنے لگا۔ ٹی وی سکرین پر ایکریمی دارالحکومت کے لائیو مناظر دکھائے جا رہے تھے۔ وہاں قیامت کا سماں پیدا ہو چکا تھا۔ فلوایا کے زیادہ تر لوگ فلوایا چھوڑ کر دارالحکومت میں آ گئے تھے لیکن اب ڈاکٹر بلیک کے خطاب نے ان کے اوسان خطا کر دیئے تھے۔ لوگ دارالحکومت سے نکلنا چاہتے تھے لیکن اتنی تعداد میں گاڑیاں موجود نہ تھیں کہ دارالحکومت سے کروڑوں لوگوں کو دور دراز منتقل کر دیا جائے۔ پرائیویٹ گاڑیاں رکھنے والے افراد اپنی اپنی گاڑیوں پر نکلنے کی کوشش کر رہے تھے اور افراتفری کا شکار ہو رہے تھے جس کی وجہ سے چند منٹوں میں ہی سینکڑوں حادثات ہو گئے اور سڑکیں بلاک ہوگئیں۔ اب وہاں امدادی کارروائیاں بھی نہیں ہوسکتی تھیں کیونکہ ہر آدمی ہی دارالحکومت سے نکل جانا چاہتا تھا لیکن اب دارالحکومت سے نکلنا آسان نہیں رہا تھا۔

حکومت ٹی وی چینلز اور ریڈیو کے ذریعے مسلسل عوام سے اپیل کر رہی تھی کہ عوام پرسکون رہیں۔ ڈاکٹر بلیک کی بات پوری نہیں ہو گئی۔ افراتفری کی وجہ سے بہت نقصان ہو رہا تھا۔ حادثات کا شکار ہو کر گاڑیاں تباہ ہو گئی تھیں اور سینکڑوں افراد پیدل ہی بھاگ

پڑے تھے۔ اس طرح بھاگنے سے دارالحکومت میں اور زیادہ دہشت پھیل گئی تھی۔ کئی افراد نیچے گرے تھے اور انہیں دوبارہ اٹھنا نصیب نہیں ہوا تھا۔ بھاگنے والوں نے انہیں اپنے قدموں میں روند دیا تھا۔ پوری عوام کے چہرے دہشت و خوف سے زرد ہو چکے تھے اور یہ مناظر لائیو دیکھ کر ڈاکٹر بلیک مکروہ انداز میں مسکرا رہا تھا۔ قہقہے لگا رہا تھا۔ خونی اور شیطانی قہقہے۔

''بھاگ رہے ہو موت سے بھاگ رہے ہو۔ بھلا موت سے بھی کوئی بھاگ سکتا ہے۔ ہاہاہا''...... ڈاکٹر بلیک نے ان مناظر کو دیکھا اور پھر وہ قہقہے لگانے لگا۔ وہ کافی دیر تک پاگلوں کی طرح قہقہے لگاتا رہا۔ ڈاکٹر بلیک کے قہقہے تھمے تو اس نے ایک بار پھر ٹی وی سکرین کی طرف دیکھا۔ اب ایکریمیا کے دارالحکومت میں ہیلی کاپٹر گشت کرتے دکھائی دے رہے تھے۔ دارالحکومت کی فضائی نگرانی شروع کر دی گئی تھی۔

دوسری طرف ایٹم بم تلاش کرنے والے ماہرین کی کئی ٹیمیں مصروف عمل ہو چکی تھیں۔ وہ ایٹم بم کو تلاش کر کے ناکارہ کر سکتے تھے لیکن وہ اس جگہ کے بارے میں نہیں جانتے تھے جہاں ایٹم بم نصب کیا گیا تھا۔ بس وہ اپنی کوششیں کر رہے تھے لیکن وہ بھی مایوسی کا شکار ہو چکے تھے۔ جیسے جیسے وقت گزر رہا تھا ویسے ویسے ماہرین کی پریشانیوں میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ حکومت نے ان ماہرین کو بچانے کے خصوصی انتظامات کئے تھے۔ ڈاکٹر بلیک کے

بتائے ہوئے وقت سے ایک گھنٹے پہلے ہی ان ماہرین کو ہیلی کاپٹرز میں بٹھا کر دور لے جایا جانا تھا۔

یہ تو خصوصی انتظامات تھے جو خاص افراد کے لئے تھے لیکن عام افراد کو بچانے کے لئے وسیع انتظامات کی ضرورت تھی اور اتنے بڑے پیمانے پر انتظامات کرنا حکومت کے بس میں نہیں تھا۔ حکومتی ارکان کے دماغ ماؤف ہو چکے تھے۔ حکومتی مشینری جام ہو گئی تھی۔ ایکریمیا میں اس وقت قیامت کا منظر دکھائی دے رہا تھا۔ ڈاکٹر بلیک کافی دیر تک یہ مناظر دیکھتا رہا پھر اس نے دو بٹن اور پریس کئے۔ ان بٹنوں کے پریس ہوتے ہی ٹی وی سکرین پر ایک گھڑی دکھائی دینے لگی۔ یہ گھڑی ایٹم بم سے منسلک تھی۔ اس پر تیس گھنٹے فکس کئے گئے تھے جو نفی ہو رہے تھے۔ اب تک تین گھنٹے نفی ہو چکے تھے۔ یہ گھڑی جی اے ٹی وی چینل کی نشریات کے دوران نظر آنے لگی تھی اور چونکہ دنیا بھر کے ٹی وی چینل اس وقت جی اے ٹی وی کی نشریات دکھا رہے تھے اس لئے یہ گھڑی پوری دنیا میں نظر آ رہی تھی۔ جی اے ٹی وی نے خصوصی انتظامات کئے تھے۔ سیٹلائٹ کے ذریعے فلوایا اور دارالحکومت کے مناظر واضح دکھا رہے تھے۔

ڈاکٹر بلیک کافی دیر تک وہاں بیٹھا رہا پھر وہ وہاں سے اٹھا۔ وہ اپنے مختلف کمروں میں گھومتا رہا۔ مشینوں کو چیک کرتا رہا پھر سو گیا۔ پھر وہ دوبارہ مخصوص کمرے میں داخل ہوا تو ایٹم بم پھٹنے میں

صرف آدھا گھنٹہ باقی تھا۔ اس نے ٹی وی سکرین کو دیکھا تو اس کے چہرے پر زہریلی مسکراہٹ آ گئی۔ ٹی وی سکرین پر اب بھی فلوایا اور ایکریمی دارالحکومت کے مناظر دکھائی دے رہے تھے۔ فلوایا تو قبرستان کا سا منظر پیش کر رہا تھا البتہ دارالحکومت میں لوگوں کا اژدھام تھا لیکن ان لوگوں کے چہرے موت کے خوف کی وجہ سے سفید پڑ چکے تھے۔ کئی لوگوں نے خندقیں کھود لی تھیں اور وہ ان میں پناہ لئے ہوئے تھے۔ کئی لوگ زمین پر لیٹے ہوئے تھے۔ بہت سے لوگ ایسے بھی تھے جو ابھی تک بدحواسی کے عالم میں بھاگتے ہوئے دکھائی دے رہے تھے۔ وہ چند میٹرز تک ایک طرف بھاگتے، پھر رک کر ادھر ادھر دیکھتے۔ اس کے بعد واپس بھاگتے ہوئے آتے۔ لگتا تھا کہ موت کی دہشت نے انہیں پاگل کر دیا ہو۔

''ہاہاہا۔ چوہے، موت سے خوفزدہ ہو کر کس طرح دوڑ رہے ہیں۔ اوئے۔ اس طرح دوڑنے سے کیا موت تم پر ترس کھا کر تمہیں چھوڑ دے گی۔ نہیں چھوڑے گی۔ موت کا ظالم شکنجہ تمہاری گردنیں دبانے کے لئے بالکل تیار ہے۔ اب صرف چند منٹ باقی ہیں۔ صرف چند منٹ۔ چوہو۔ بھاگو دوڑو اور زیادہ تیز بھاگو اور تیز، اور تیز۔ ہاہاہا''...... ڈاکٹر بلیک نے تیز لہجے میں کہا اور پھر وہ ہذیانی انداز میں قہقہے لگانے لگا۔ اسے موت سے پہلے کا یہ منظر بہت ہی اچھا لگ رہا تھا اور وہ اس منظر کو انجوائے کر رہا تھا۔ تیس گھنٹے پورے ہونے والے تھے۔ ٹی وی سکرین پر گھڑی کے ساتھ

ہی ایک سرخ رنگ کا بلب نمودار ہو گیا تھا۔ یہ بلب تیزی سے جل بجھ رہا تھا۔ اچانک ہی ڈاکٹر بلیک کا چہرہ پتھروں کی مانند سخت ہو گیا۔ اس کی آنکھوں کی سرخی میں اضافہ ہو گیا۔ اس کی آنکھوں سے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے وہاں دو سرخ بلب روشن ہو گئے ہوں۔ تباہی، قیامت خیز تباہی۔ اب منٹوں کی نہیں بلکہ سیکنڈوں کی دوری پر تھی۔ پھر جیسے ہی تیس گھنٹے پورے ہوئے ٹی وی سکرین پر یکا یک آگ کا ایک طوفان سا اٹھتا ہوا دکھائی دیا اور آناً فاناً کالے دھوئیں نے ہر چیز کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ ڈاکٹر بلیک قہقہے لگانے لگا۔ خون میں ڈوبے ہوئے قہقہے۔ بھیانک موت کے بھیانک قہقہے۔

عمران نے کار سرسلطان کی سرکاری کوٹھی کے گیٹ پر روکی۔ گیٹ پر ایک سیکورٹی گارڈ کھڑا تھا۔ اسے دیکھ کر عمران کار سے نیچے اترا۔ یہ سیکورٹی گارڈ نیا تھا اور عمران سے واقف نہیں تھا۔ سیکورٹی گارڈ کو ہدایت کی گئی تھی کہ کوٹھی پر جو بھی ملاقاتی آئے اس کے ساتھ مؤدبانہ انداز میں گفتگو کی جائے اس لئے جیسے ہی عمران کار سے نیچے اترا سیکورٹی گارڈ نے مؤدبانہ انداز میں اسے سلام کیا۔ عمران نے اس کے سلام کے جواب میں خالصتاً لکھنوی انداز اپنایا۔ وہ ہاتھ ہلا ہلا کر اور سر جھکا جھکا کر سیکورٹی گارڈ کو آداب کرنے لگا۔ سیکورٹی گارڈ کو سرسلطان کے کسی ملاقاتی سے اس انداز کی قطعاً امید نہیں تھی اس لئے وہ یکدم پریشان ہو گیا اور حیران و پریشان نظروں سے عمران کو دیکھنے لگا۔

”محترم جناب اعلیٰ حضرت اعلیٰ افسر صاحب۔ آپ کے مزاج گرامی کیسے ہیں“...... عمران نے لکھنوی لب و لہجے میں کہا تو بے

چارہ سیکورٹی گارڈ اور زیادہ پریشان ہو گیا۔

''سر۔ آپ''...... پریشانی کی وجہ سے وہ بے چارہ اپنی بات بھی پوری نہیں کر سکا۔

''اعلیٰ حضرت۔ سر تو آپ ہیں۔ ہم تو قدم ہیں بلکہ قدموں کی دھول ہیں''...... عمران نے عاجزانہ لہجے میں کہا پھر اس نے جیب سے چیونگم کا ایک پیکٹ نکالا۔ ریپر کھول کر چیونگم منہ میں ڈالا اور خالی ریپر سیکورٹی گارڈ کے ہاتھ میں دے دیا۔ عمران کی اس حرکت نے اس بے چارے کو اور زیادہ پریشان کر دیا۔

''جناب۔ آپ کون ہیں اور آپ کو کس سے ملنا ہے''۔ سیکورٹی گارڈ نے پریشان لہجے میں کہا۔

''جو صاحب اس بنگلے میں رہتے ہیں ہمیں ان سے ہی ملنا ہے۔ بھلا کیا نام ہے ان صاحب کا''...... عمران نے کہا تو سیکورٹی گارڈ سمجھ گیا کہ یہ نوجوان سر سلطان کا ملنے والا نہیں ہے بلکہ کوئی ایسا احمق ہے جسے کسی نے بے وقوف بنا کر یہاں بھیج دیا ہے اس لئے اس نے اب سخت لہجہ اپنانے کا فیصلہ کیا۔

''یہ بنگلہ جس صاحب کا بھی ہے لیکن تم اس میں داخل نہیں ہو سکتے۔ چلو بھاگو یہاں سے''...... سیکورٹی گارڈ نے سخت لہجے میں کہا تو عمران اسے اس طرح دیکھنے لگا جیسے اسے سیکورٹی گارڈ کے رویئے کی تبدیلی پر حیرت ہو رہی ہو۔

''لل۔ لل۔ لیکن۔ سس۔ سس۔ سر''...... عمران نے حیرت کی

شدت سے ہکلاتے ہوئے کہا۔

''لیکن ویکن کچھ نہیں ہے۔ بھاگو یہاں سے ورنہ گولی مار دوں گا''...... سیکورٹی گارڈ نے اور زیادہ سخت لہجے میں کہا۔

''بلال خان۔ کیا بات ہے۔ کس سے الجھ رہے ہو''...... عمران کو بابا کرم دین کی آواز سنائی دی۔ بابا کرم دین سر سلطان کے پرانے ملازم تھے۔ اس آواز کے ساتھ ہی گیٹ کی ذیلی کھڑکی کھلی اور بابا کرم دین کا چہرہ دکھائی دیا۔

''بابا۔ یہ۔ یہ''...... سیکورٹی گارڈ جس کا نام بابا کرم دین نے بلال خان لیا تھا، نے عمران کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا لیکن اس کی بات مکمل ہونے سے پہلے بابا کرم دین نے عمران کو دیکھ لیا اور اس نے بلال خان کی بات مکمل نہ ہونے دی۔

''السلام علیکم۔ چھوٹے صاحب۔ آپ یہاں کیوں کھڑے ہیں۔ بڑے صاحب بہت بے چینی سے آپ کا انتظار کر رہے ہیں اور بلال خان۔ میں نے تم سے کہا تھا کہ جیسے ہی چھوٹے صاحب آئیں تم نے انہیں فوراً اندر بھیجنا ہے۔ تم نے انہیں یہاں گیٹ پر روکا ہوا ہے اور ان سے تم کس لہجے میں بات کر رہے تھے''...... بابا کرم دین نے پہلے عمران سے اور پھر سیکورٹی گارڈ سے کہا تو وہ یکدم بوکھلا گیا۔

''اوہ۔ اوہ۔ یہ چھوٹے صاحب ہیں۔ لیکن۔ لیکن''...... بلال خان نے اس مرتبہ گھبرائے ہوئے لہجے میں کہا۔

''اب منہ کیا دیکھ رہے ہو۔ گیٹ کھولو تاکہ چھوٹے صاحب اندر آسکیں''...... بابا کرم دین نے بدستور سخت لہجے میں کہا تو بلال خان اور زیادہ پریشان ہو گیا۔ اس نے فوراً ہی گیٹ کھول دیا۔

''سس۔ سس۔ سوری سر۔ آیئے سر۔ تشریف لایئے''...... اس نے گھبرائے ہوئے لہجے میں عمران سے کہا۔

''لیکن میرا نام سس سس۔ سوری سر تو نہیں ہے''...... عمران نے حیرت بھرے لہجے میں کہا۔

''چھوٹے صاحب۔ جلدی آیئے۔ بڑے صاحب انتہائی بے چینی سے آپ کا انتظار کر رہے ہیں''...... اس سے پہلے کہ بلال خان عمران کی بات کے جواب میں کچھ کہتا بابا کرم دین نے منت بھرے لہجے میں عمران سے کہا۔

''ہائیں۔ کیا اب سلطان بھی بے چین ہونے لگے ہیں''۔ عمران نے بابا کرم دین سے بھی حیرت بھرے لہجے میں کہا۔

''آیئے چھوٹے صاحب آیئے۔ بلال خان۔ تم صاحب کی گاڑی اندر لے آؤ''...... بابا کرم دین نے پہلے عمران سے اور پھر سیکورٹی گارڈ سے کہا اور اس کے ساتھ ہی وہ مڑا اور آگے بڑھنے لگا۔ سیکورٹی گارڈ بلال خان بے چارہ ہونق بنا کھڑا تھا۔ عمران نے جیب سے چیونگم کا ایک پیکٹ اور نکالا۔ ریپر اتار کر اس نے چیونگم منہ میں ڈالا اور ریپر سیکورٹی گارڈ کے ہاتھ میں دے دیا اور پھر وہ بابا کرم دین کے پیچھے دوڑا۔ بے چارے سیکورٹی گارڈ کی حالت

دیکھنے والی تھی۔

''بڑے صاحب ریڈنگ روم میں ہیں۔ آپ وہیں تشریف لے جایئے''...... بابا کرم دین نے کہا تو عمران نے اثبات میں سر ہلایا اور پھر وہ سرسلطان کے ریڈنگ روم میں پہنچ گیا۔ سرسلطان کرسی پر بیٹھے تھے اور ان کی آنکھیں بند تھیں۔ ان کے چہرے سے صاف محسوس ہو رہا تھا کہ وہ سوچوں میں گم ہیں۔ عمران ریڈنگ روم میں داخل ہوا تو سرسلطان کو محسوس ہو گیا۔ انہوں نے آنکھیں کھول کر عمران کی طرف دیکھا اور ان کے چہرے پر مسکراہٹ آ گئی۔

''السلام علیکم''...... عمران نے سلام کیا تو سرسلطان نے اس کے سلام کا جواب دیا۔

''بیٹھو عمران بیٹے''...... سرسلطان نے کہا تو عمران دوسری کرسی پر بیٹھ گیا۔

''تم ڈاکٹر بلیک کو جانتے ہو''...... عمران کے کرسی پر بیٹھ جانے کے بعد سرسلطان نے گفتگو کا آغاز کرتے ہوئے کہا۔

''جی ہاں۔ ڈاکٹر بلیک ایک ایسا سائنس دان ہے جس کا ذہنی توازن بگڑ گیا ہے۔ اس نے ایکریمیا کے کروڑوں معصوم اور بے گناہ افراد کو موت کے گھاٹ اتار دیا ہے اور اس نے آپ کو بھی موت کی دھمکی دی ہوئی ہے اور اگر اس کے بتائے ہوئے وقت کے مطابق خدانخواستہ آپ کی موت واقع ہو گئی تو پاکیشیا کے بھی کروڑوں لوگ بے گناہ مارے جائیں گے لیکن کیا آپ اس کی

دھمکی کی وجہ سے پریشان ہیں''...... عمران نے سنجیدہ لہجے میں کہا۔ اسی وقت کمرے کا دروازہ کھلا اور بابا کرم دین چائے کے برتن لئے اندر داخل ہوا۔

''نہیں۔ میں موت سے خوفزدہ نہیں ہوں۔ الحمدُ للہ۔ میں مسلمان ہوں اور موت و حیات پر میرا ایمان ہے۔ جو رات میں نے قبر میں گزارنی ہے وہ میں باہر نہیں گزار سکتا۔ دنیا بھر کی تمام طاقتیں مل کر مجھے بچانے کی جس قدر چاہیں کوشش کر لیں۔ اسی طرح اگر ابھی میری موت کا وقت نہیں آیا تو ایک ڈاکٹر بلیک کیا اس جیسے ایک لاکھ ڈاکٹر بلیک بھی آ جائیں تو وہ میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ میرا اللہ سب سے بڑا اور سب سے طاقتور ہے۔ زندگی دینے والا اور زندگی واپس لینے والا صرف وہی ہے''...... سرسلطان نے مضبوط لہجے میں کہا تو عمران کے چہرے پر مسکراہٹ آ گئی۔ بابا کرم دین اس دوران ان کے سامنے چائے رکھ کر باہر چلا گیا۔

''آپ کے خیالات سن کر مجھے خوشی ہو رہی ہے''...... عمران نے مسکراتے ہوئے کہا اور چائے کا کپ اٹھا لیا۔

''یہ صرف میرا ہی عقیدہ نہیں ہے عمران بیٹے بلکہ یہ ہر مسلمان کا عقیدہ ہے اور اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو اس عقیدے پر قائم و دائم رکھے''...... سرسلطان نے دعائیہ انداز میں کہا۔

''آمین''...... عمران نے فوراً ہی کہا۔

''عمران بیٹے۔ جرائم دنیا بھر میں ہوتے ہیں اور دنیا بھر میں

ان جرائم کا سدباب بھی کیا جاتا ہے اور مجرموں کو ان کے کئے کی سزائیں بھی دی جاتی ہیں۔ ڈاکٹر بلیک بھی ایک مجرم ہے۔ وہ کروڑوں انسانوں کا قاتل ہے۔ تم نے اس کے بارے میں کیا سوچا ہے''...... سرسلطان نے سنجیدہ لہجے میں کہا۔

''ابھی تو میں نے کچھ نہیں سوچا اور میں اس وقت تک کچھ سوچ بھی نہیں سکتا جب تک دو تین سگریٹ نہ پی لوں لیکن میں سگریٹ تو لایا ہی نہیں۔ خیر آپ کی بڑی ٹیبل کی دراز میں جو سگریٹ رکھے ہیں میں ان میں سے ایک سگریٹ لے لیتا ہوں اور اس کے بعد ڈاکٹر بلیک کے بارے میں سوچتا ہوں''...... عمران نے کہا تو سرسلطان کا منہ حیرت سے کھل گیا۔ وہ جانتے تھے کہ عمران سگریٹ نہیں پیتا اور نہ ہی ان کی ٹیبل کی دراز میں سگریٹ موجود ہیں کیونکہ وہ خود بھی سموکر نہیں تھے۔ پھر انہوں نے کچھ کہنا چاہا لیکن ان کے کہنے سے پہلے ہی عمران کرسی سے اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ وہ انتہائی تیزی سے ٹیبل کی طرف بڑھا۔ پھر جیسے ہی وہ ٹیبل کے قریب پہنچا وہ بجلی کی سی تیزی سے حرکت میں آیا اس نے ایک جھٹکے سے کھڑکی کھولی اور پھر ایک آدمی اڑتا ہوا کمرے میں آ گرا۔ آدمی کھڑکی سے کان لگائے کھڑا تھا۔ عمران نے اسے گردن سے پکڑ کر اندر کھینچ لیا تھا۔ جیسے ہی وہ قالین پر آ کر گرا اس نے اٹھنے کی کوشش کی لیکن عمران نے اس کی پسلیوں میں ٹھوکر رسید کر دی۔ اس کے منہ سے ایک چیخ بلند ہوئی۔ عمران نے ایک ہی لمحے میں

اس کا جائزہ لے لیا تھا۔ وہ ملازم ٹائپ آدمی تھا۔ اسے ٹھوکر مارنے کے بعد عمران واپس کرسی پر بیٹھ گیا لیکن اب اس کے ہاتھ میں ریوالور تھا۔ سرسلطان اس سچویشن پر انتہائی حیران تھے۔

''اپنے ہاتھ سر پر رکھ لو اور خاموشی سے کھڑے ہو جاؤ۔ اگر تم نے کوئی حرکت کرنے کی کوشش کی تو اس ریوالور کی ساری گولیاں تمہارے ماتھے میں گھس جائیں گی''...... عمران نے کرخت لہجے میں کہا تو اس آدمی نے عمران کے کہنے پر عمل کیا۔

''انکل۔ کون ہے یہ''...... عمران نے سرسلطان سے پوچھا جن کے چہرے پر ابھی تک حیرت کے تاثرات موجود تھے۔

''یہ۔ یہ کمال ہے۔ ملازم ہے ہمارا''...... سرسلطان نے کہا۔

''کب سے ملازم ہے یہ۔ میں نے تو اسے پہلے کبھی نہیں دیکھا''...... اس مرتبہ عمران نے حیران ہو کر کہا۔

''یہ آج ہی آیا ہے۔ ہمارے دفتر میں ایک اردلی تھا۔ پچھلے سال اس کا انتقال ہو گیا تھا۔ یہ اس کا بیٹا ہے۔ اس نے آ کر بتایا کہ ان کے حالات بہت خراب ہیں لہٰذا میں اسے دفتر میں ملازم رکھ لوں۔ دفتر میں ابھی کوئی سیٹ نہیں تھی اس لئے اسے کوٹھی پر رکھ لیا''...... سرسلطان نے کہا۔

''ہاں تو مسٹر کمال۔ اب تم بتاؤ کہ تم ہماری باتیں کس خوشی میں سن رہے تھے''...... عمران نے ملازم سے پوچھا۔

''نہیں صاحب۔ آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے۔ میں آپ کی باتیں

نہیں سن رہا تھا''...... کمال نے کہا۔

''اچھا اچھا۔ تمہارے کان میں خارش ہو رہی تھی اور تم کھڑکی سے کان کھجا رہے تھے''...... عمران نے سر ہلاتے ہوئے کہا تو کمال نے اسے حیرت سے دیکھا۔ پہلے عمران کا لہجہ کرخت تھا اور اب وہ میٹھے انداز میں بات کر رہا تھا اور کمال کو اسی بات پر حیرت ہو رہی تھی۔

''نن۔ نن۔ نہیں صاحب۔ ایسی بھی کوئی بات نہیں ہے''۔ کمال نے کہا تو عمران کرسی سے کھڑا ہو گیا۔

''پھر کیا تم کڑک ہو گئے تھے اور کھڑکی کے پاس انڈا دینے گئے تھے''...... عمران نے ایک مرتبہ پھر سخت لہجے میں کہا۔

''نہیں صاحب۔ یہ بات بھی نہیں ہے۔ میں تو وہاں صفائی کرنے گیا تھا۔ کھڑکی پر پنسل سے کوئی نشان بنا ہوا تھا میں اسے صاف کر رہا تھا اور آپ نجانے کیا سمجھ بیٹھے''...... کمال نے اس مرتبہ منہ بنا کر کہا جیسے ہی اس کی بات مکمل ہوئی عمران کا بازو گھوما اور کمرہ چٹاخ کی آواز سے گونج اٹھا۔ عمران نے پوری قوت سے کمال کے منہ پر تھپڑ مارا تھا۔ چیخ لگا کر وہ لڑکھڑا گیا۔ اس کا ہونٹ اور گال پھٹ گیا اور وہاں سے خون رسنے لگا۔

''جلدی سے بولو ورنہ تمہاری لاش کا بھی نام و نشان نہیں ملے گا''...... عمران نے اتنے سرد لہجے میں کہا کہ سرسلطان کو اپنے جسم میں سردی کی لہر دوڑتی ہوئی محسوس ہوئی۔

''میں کچھ نہیں جانتا۔ مجھے کچھ نہیں معلوم۔ میں تو یہاں ملازمت کرنے آیا ہوں اور آپ نجانے کیا سمجھ رہے ہیں۔ کاش میں آتا ہی نہ۔ میں کہاں آ کر پھنس گیا ہوں''...... کمال نے اس مرتبہ روتے ہوئے کہا۔ اس کو روتے ہوئے دیکھ کر سر سلطان کا دل پسیج گیا جبکہ عمران نے اس کے منہ پر ایک مکا رسید کر دیا۔ مکا کھا کر وہ نیچے گر گیا۔ سر سلطان عمران کو منع کرنا چاہتے تھے لیکن اس وقت عمران کے چہرے پر جو تاثرات تھے انہیں دیکھ کر وہ ہمت ہی نہیں کر پائے کہ عمران کو روکیں۔ کمال نیچے گرا تو عمران نے آگے بڑھ کر اس کی پسلیوں میں ٹھوکر مارنی چاہی جیسے ہی عمران کی لات حرکت میں آئی کمال نے عمران کا پاؤں پکڑ کر گھما دیا۔ جس سے عمران توازن برقرار نہ رکھ سکا۔ اسے امید ہی نہیں تھی کہ یہ ملازم ٹائپ کمال یہ حرکت کرے گا۔ لہٰذا توازن بگڑنے کی وجہ سے وہ فرش پر گر گیا۔ کمال فوری طور پر اٹھا اور اس نے دروازے کی طرف دوڑ لگائی۔ عمران نے لیٹے لیٹے ہی جمپ لگایا اور کسی پرندے کی مانند اڑتا ہوا کمال پر جا گرا جو دروازے کے بالکل قریب پہنچ گیا تھا۔ عمران اسے ساتھ لیتا ہوا فرش پر آ گرا۔ اسے نیچے گراتے ہی عمران نے اس کی پسلیوں اور منہ پر مکوں کی بارش کر دی۔ اس کی چیخیں بلند ہونے لگیں چونکہ وہ تربیت یافتہ ایجنٹ نہیں تھا اس لئے عمران اسے ہلکے مکے مار رہا تھا ورنہ تو وہ عمران کا ایک مکا بھی برداشت نہیں کرسکتا تھا۔ چند مکے مارنے کے بعد عمران کھڑا ہو گیا

اور اس نے کمال کا گریبان پکڑ کر اسے بھی کھڑا کر دیا۔

''بولو۔ میرے سوالوں کے جواب دو گے''...... عمران نے کرخت لہجے میں اس سے کہا۔

''مجھے کچھ معلوم ہو گا تو میں جواب دوں گا نا۔ تم مجھے نجانے کیا سمجھ کے مارے جا رہے ہو''...... کمال نے ہچکیاں لے کر روتے ہوئے کہا تو عمران اس کی اداکاری پر عش عش کر اٹھا۔ وہ سمجھ رہا تھا کہ کمال کے کس بل نکل گئے ہوں گے لیکن وہ عمران کی توقع سے کہیں زیادہ سخت جان ثابت ہوا تھا۔

''عمران بیٹے۔ ہوسکتا ہے کہ یہ ٹھیک کہہ رہا ہو۔ جو کچھ تم اسے سمجھ رہے ہو یہ وہ نہ ہو''...... کمال کے بری طرح رونے سے متاثر ہو کر سر سلطان نے کہا تو عمران کے چہرے پر طنزیہ مسکراہٹ آ گئی۔

''یہ ابھی بولے گا اور فرفر بولے گا۔ میری نرمی کی وجہ سے اس نے ابھی تک زبان نہیں کھولی''...... عمران نے طنزاً کہا۔ اس کے ساتھ ہی اس کے ہاتھ میں ایک بار پھر ریوالور نظر آنے لگا۔ عمران نے ریوالور اپنی انگلی پر گھمایا اور کمال کی آنکھوں میں دیکھا۔ ریوالور دیکھ کر وہ کچھ خوفزدہ سا ہو گیا تھا۔ پھر عمران نے ریوالور کا رخ اس کی طرف کر کے ٹریگر دبا دیا۔ ایک خوفناک دھماکہ ہوا کمال کی چیخ بلند ہوئی اور وہ الٹ کر گر گیا۔ گولی نے صرف اس کے کان کی لو اڑا دی تھی۔

''اٹھ کر کھڑے ہو جاؤ کمال۔ میں نے تمہارے کان کا کچھ حصہ اڑایا ہے۔ میں چاہتا تو تمہاری کھوپڑی بھی اڑ جاتی''۔ عمران نے غراتے ہوئے کہا۔ کمال اٹھ کر کھڑا ہو گیا اور خود کو ایسے دیکھنے لگا جیسے اسے اپنے زندہ بچ جانے کا یقین نہ ہو رہا ہو۔

''اب جو گولی چلے گی وہ تمہاری کھوپڑی کے پرخچے اڑا دے گی۔ میں تین تک گنوں گا۔ تین کے بعد گولی چل جائے گی''۔ عمران نے بدستور غراتے ہوئے کہا۔ کمال اب کافی خوفزدہ ہو گیا تھا۔ خوف کی وجہ سے اس کے چہرے پر پسینہ آ گیا تھا۔

''ایک۔ دو''...... عمران نے گنتی شروع کی۔

''بب۔ بب۔ بتاتا ہوں۔ بتاتا ہوں''...... دو سنتے ہی کمال نے چیخ کر کہا۔

''ہاں بولو۔ تم ہماری باتیں سن رہے تھے''...... عمران نے ایک بار پھر کرخت لہجے میں کہا۔

''ہاں۔ میں کھڑکی سے لگا تم لوگوں کی باتیں سن رہا تھا''۔ کمال نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کہا تو سرسلطان نے ہونٹ بھینچ لئے۔ وہ سادہ سے انسان تھے۔ کمال کو روتے دیکھ کر متاثر ہو گئے تھے۔

''کیوں''...... عمران نے سخت لہجے میں کہا۔

''میں تمہارے ہر سوال کا جواب دینے کے لئے تیار ہوں لیکن مجھے سگریٹ کی شدید طلب ہو رہی ہے۔ اگر تم اجازت دو تو میں دو

چار کش سگریٹ کے لے لوں''...... کمال نے منت بھرے لہجے میں کہا۔

''اوکے''...... عمران نے کہا تو کمال نے جیب میں ہاتھ ڈال کر سگریٹ کا ایک پیکٹ نکالا اور اس میں سے ایک سگریٹ منتخب کر کے ہونٹوں میں دبا لی۔

''ماچس نہیں ہے میرے پاس۔ کیا تم مجھے ماچس دو گے''۔ کمال نے سگریٹ کا فلٹر دانتوں سے چباتے ہوئے کہا۔

''ہم سگریٹ نہیں پیتے اس لئے ماچس ہمارے پاس بھی نہیں ہے''...... عمران نے اسے غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔ پھر اسی لمحے وہ بری طرح چونکا۔ اس نے کمال کو لہراتے ہوئے دیکھا۔ کمال دائیں بائیں لہرایا اور پھر وہ نیچے گرتا چلا گیا۔ عمران تیزی سے اس کے قریب پہنچا۔ وہ آخری سانسیں لے رہا تھا۔ اس کا چہرہ نیلا پڑتا جا رہا تھا۔ پھر دیکھتے ہی دیکھتے اس نے ہچکی لی اور اس کی آنکھیں بے نور ہوتی چلی گئیں۔

''یہ۔ یہ کیسے مر گیا ہے عمران بیٹے''...... سرسلطان نے حیرت بھرے لہجے میں پوچھا۔

''سریع الاثر زہر سے جو اس کے سگریٹ میں تھا۔ مجھے تو یہ موت کے خوف سے سہا ہوا لگ رہا تھا لیکن اس نے خودکشی کر لی ہے۔ کمال ہے''...... عمران نے حیرت بھرے لہجے میں کہا۔

''اس کا خیال ہو گا کہ تم اسے اذیت ناک موت مارو گے اس

لئے اس نے آسان موت کا انتخاب کیا''...... سرسلطان نے کہا تو عمران نے اثبات میں سر ہلایا۔

''کیا یہ ڈاکٹر بلیک کا آدمی ہو سکتا ہے۔ نہیں۔ ڈی سوزا کی موت سے یہ ظاہر ہو رہا ہے کہ ڈاکٹر بلیک اپنی سائنسی ایجادات سے تو کام لے رہا ہے لیکن اس نے کہیں کسی انسان سے کام نہیں لیا۔ پھر یہ کس کا آدمی ہو سکتا ہے''...... عمران نے سوچتے ہوئے اور بڑبڑاتے ہوئے کہا۔ اس کی یہ بڑبڑاہٹ سرسلطان نے بھی سن لی۔

''اگر یہ ڈاکٹر بلیک کا آدمی نہیں ہے تو پھر یہ ڈیتھ ماسٹر کا آدمی ہو گا''...... سرسلطان نے کہا تو عمران چونک پڑا۔

''ڈیتھ ماسٹر کا۔ لیکن ڈیتھ ماسٹر کا آپ سے کیا رشتہ ہے''۔ عمران نے حیرت بھرے لہجے میں کہا۔

''ڈیتھ ماسٹر سے رشتہ۔ میرا بھلا اس سے کیا رشتہ ہو سکتا ہے''...... سرسلطان نے غصیلے لہجے میں کہا۔

''میرا مطلب یہ ہے کہ آپ کا اس سے کیا تعلق ہے۔ آپ یہ نام کیسے جانتے ہیں''...... عمران نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''کل رات کوٹھی پر ایک آدمی مجھ سے ملنے آیا تھا۔ میں اس سے ملا تو اس نے مجھ سے کہا کہ اسے فائل آئی ٹن کی ضرورت ہے لہٰذا میں اسے فائل آئی ٹن اور اس کی ڈی کوڈ فائل اسے دے دوں اس کے عوض وہ مجھے دو کروڑ ڈالرز دینے پر تیار تھا۔ میں نے سختی سے انکار کیا تو اس نے بتایا کہ وہ ڈیتھ ماسٹر کا آدمی ہے اور اگر

میں نے دو کروڑ ڈالرز کے عوض یہ دونوں فائلیں اس کے حوالے نہ کیں تو وہ مجھے اور میرے اہل خانہ کو ہلاک کر دے گا اور فائلیں کسی اور ذریعے سے حاصل کر لے گا''...... سرسلطان نے کہا۔

''ہونہہ۔ تو ڈیتھ ماسٹر کا اصل مشن آئی ٹن فائل حاصل کرنا ہے''...... عمران نے ہنکارہ بھرتے ہوئے کہا۔

''کون ہے یہ ڈیتھ ماسٹر''...... اب سرسلطان نے پوچھا۔

''مجرموں کی ایک عالمی تنظیم ہے ڈیتھ لائن۔ یہ مجرم تنظیم ہر قسم کے جرائم میں ملوث ہے لیکن اونچے پیمانے پر۔ اس ڈیتھ لائن کے چیف کا نام ڈیتھ ماسٹر ہے''...... عمران نے کہا۔

''فائل آئی ٹن سیکرٹ ریکارڈ روم میں ہے اور ڈی کوڈ فائل دانش منزل میں ہے اس لئے فائل کو تو کوئی خطرہ نہیں ہے''۔ سرسلطان نے کہا۔

''فائل کو کوئی خطرہ نہیں لیکن آنٹی کو شدید خطرہ ہے۔ آپ انہیں گاؤں بھجوا دیں''...... عمران نے سنجیدہ لہجے میں کہا۔

''یعنی میں ایک مجرم سے خوفزدہ ہو جاؤں''...... سرسلطان نے غصیلے لہجے میں کہا۔

''نہیں۔ ڈر خوف کی وجہ سے نہیں بلکہ مصلحت کی وجہ سے''۔ عمران نے بدستور سنجیدہ لہجے میں کہا۔

''اگر تمہیں یہ اندیشہ ہو کہ میں کہیں تمہاری آنٹی کی وجہ سے مجبور نہ ہو جاؤں تو تمہارا اندیشہ غلط ہے۔ مجھے اپنی اور تمہاری آنٹی

کی جان عزیز نہیں ہے اپنے ملک کی حرمت عزیز ہے''۔ سرسلطان نے کہا۔

''میں یہ بات اچھی طرح جانتا ہوں لیکن میں درخواست کر رہا ہوں اور اگر آپ مجھے اپنا بیٹا سمجھتے ہیں تو میری اس بات کو ضرور مانیں گے''...... عمران نے کہا تو سرسلطان سوچنے لگے۔

''او کے۔ تم اتنا اصرار کر رہے ہو تو اس کی بھی وجہ ہو گی''۔ سرسلطان نے دھیمے لہجے میں کہا۔

''تھینک یو انکل۔ یہ ڈیتھ ماسٹر اپنا مقصد حاصل کرنے کے لئے بیک وقت کئی ذرائع اور طریقے استعمال کرتا ہے اور اس کا کوئی نہ کوئی طریقہ کامیاب ہو ہی جاتا ہے۔ یہاں بھی وہ اپنے طریقہ کار کے مطابق مختلف ذرائع سے اس فائل کے حصول کے لئے کوشاں ہے''...... عمران نے کہا۔

''اور کیا کچھ کر رہا ہے یہ ڈیتھ ماسٹر''...... سرسلطان نے پوچھا۔

''اس کے آدمی سائنس ڈیپارٹمنٹ کے آفس سپرنٹنڈنٹ مشتاق احمد کو کور کئے ہوئے تھے اور یہ اتفاق ہے کہ وہ میری نظروں میں آ گئے لیکن مجھے ان کا مقصد معلوم نہیں تھا۔ ان کا مقصد آپ سے معلوم ہو گیا''...... عمران نے کہا۔

''ڈیتھ ماسٹر اور اس کی تنظیم اس وقت پاکیشیا میں موجود ہے اور مجھے یقین ہے کہ تم انہیں گھیر بھی لو گے۔ ڈیتھ ماسٹر کا انجام اسے پاکیشیا میں کھینچ کے لایا ہے لیکن ڈاکٹر بلیک کے بارے میں تم

نے کیا سوچا ہے''...... سرسلطان نے کہا۔

''میں نے اس کے بارے میں کیا سوچنا ہے۔ بڑی طاقتیں اس کے بارے میں نہ صرف سوچ رہی ہیں بلکہ اس کے خلاف حرکت میں بھی آ چکی ہیں۔ ایک آدھ دن میں وہ بھی اپنے انجام کو پہنچ جائے گا''...... عمران نے لاپرواہی سے کہا۔

''اگر تم اس کے خلاف ایکشن لیتے تو میں مطمئن ہو جاتا''۔ سرسلطان نے کہا۔

''ڈاکٹر بلیک کے خلاف کام کرنے کے لئے مجھے پاکیشیا سے باہر جانا پڑے گا جبکہ اس وقت حالات ایسے نہیں ہیں کہ میں ملک سے باہر جاؤں۔ اگر میں ملک سے باہر چلا جاؤں تو اس کا فائدہ ڈیتھ لائن کو ہو گا''...... عمران نے کہا تو سرسلطان نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

''دنیا کی بڑی طاقتوں نے ڈاکٹر بلیک کی تلاش کے لئے بہت سے سپر ایجنٹوں کو متحرک کیا ہے لیکن انہوں نے پاکیشیا سیکرٹ سروس کو نظر انداز کر دیا ہے حالانکہ پاکیشیا سیکرٹ سروس نے متعدد بار ان پر اپنی برتری ثابت کی ہے اور ایسے مشترکہ مشنز میں ان کے ایجنٹوں سے بہتر کارکردگی کا مظاہرہ کیا ہے''...... سرسلطان نے کہا۔

''اس میں ناراض ہونے والی کوئی بات نہیں ہے۔ اس مرتبہ انہیں ہماری ضرورت محسوس نہیں ہوئی ہو گی۔ جب انہیں ضرورت محسوس ہوئی تو وہ لازماً ہمیں بلائیں گے''...... عمران نے کہا پھر اس

سے پہلے کہ سرسلطان، عمران کی بات کا جواب دیتے ٹیلی فون کی گھنٹی بج اٹھی۔ سرسلطان چونکے اور پھر وہ ٹیلی فون سیٹ کی طرف بڑھے۔

''یس۔ سلطان اسپیکنگ''...... سرسلطان نے رسیور کان سے لگاتے ہوئے بارعب لہجے میں کہا۔

''سرسلطان۔ میں تمہاری موت ڈیتھ ماسٹر بول رہا ہوں''۔ دوسری طرف سے غراتی ہوئی آواز سنائی دی تو سرسلطان بری طرح چونکے اور اس کے ساتھ ہی انہوں نے لاؤڈر کا بٹن بھی پریس کر دیا۔

''ڈیتھ ماسٹر۔ کس لئے فون کیا ہے تم نے''...... سرسلطان نے سخت لہجے میں کہا۔

''تمہاری کوٹھی پر میرا ایک آدمی مرا ہے۔ اس کے بدلے میں یہاں لاشوں کے انبار لگا دوں گا اورسنو سرسلطان۔ ڈاکٹر بلیک تمہیں مارے یا نہ مارے میں تمہیں لازماً ہلاک کر دوں گا۔ ڈیتھ ماسٹر کی طاقت کے سامنے ڈاکٹر بلیک کی طاقت کچھ بھی نہیں''...... دوسری طرف سے ڈیتھ ماسٹر کی غراتی ہوئی آواز سنائی دی۔

''شٹ اپ۔ حقیر کیڑے۔ تمہاری موت ہی تمہیں پاکیشیا میں لائی ہے۔ اگر تمہیں اپنی جان عزیز ہے تو اب بھی وقت ہے جان بچا کر بھاگ جاؤ کیونکہ ابھی ایکسٹو نے تمہاری طرف نظر اٹھا کر نہیں دیکھا اگر ایکسٹو تمہاری طرف متوجہ ہو گیا تو پھر تمہیں بھاگنے

کا موقع بھی نہیں ملے گا''...... سرسلطان نے غصیلے لہجے میں کہا۔

''ہاہاہا۔ ایکسٹو۔ کیا پدی اور کیا پدی کا شوربہ۔ مسٹر سرسلطان۔ تمہیں ڈیتھ ماسٹر کی قوت کا اندازہ نہیں ہے۔ تم ڈیتھ ماسٹر کے بارے میں ایکسٹو سے ہی پوچھ لینا۔ میرا نام سنتے ہی تمہارا ایکسٹو تھر تھر کانپنے لگے گا اورسنو سرسلطان۔ میں تمہیں زندگی بچانے کا ایک موقع دیتا ہوں۔ تم فائل آئی ٹن چوبیس گھنٹوں کے اندر اندر میرے حوالے کر دو ورنہ ڈاکٹر بلیک کے بتائے ہوئے وقت کے مطابق میں تمہیں موت کے حوالے کر دوں گا''...... دوسری طرف سے ڈیتھ ماسٹر کی کرخت آواز سنائی دی۔

''شٹ اپ''...... سرسلطان نے غصے سے کہا لیکن دوسری طرف سے کال منقطع ہو چکی تھی۔ سرسلطان نے بھی رسیور رکھ دیا۔ عمران آگے بڑھا اور اس نے رسیو کال میموری چیک کی۔ سرسلطان کو یہ کال سیٹلائٹ سیل فون سے کی گئی تھی اور نمبرز ایکریمیا کی ایک کمپنی کے تھے جو اپنے کسٹمرز کو انتہائی محفوظ نمبرز مہیا کرتی تھی۔ لہٰذا اس کال سے یہ معلوم نہیں کیا جا سکتا تھا کہ کال کہاں سے کی جا رہی ہے۔

''انکل۔ اب آپ کو پریشان ہونے اور گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے۔ آپ صاف صاف بچ گئے''...... عمران نے کہا۔

''کیا مطلب ہے تمہارا۔ میں تمہاری بات نہیں سمجھا''۔ سرسلطان نے حیران ہو کر کہا۔

''جس طرح دو ملاؤں میں مرغی حرام کی مثال مشہور ہے۔ اسی طرح دو مجرموں میں آپ بھی حرام ہو گئے''...... عمران نے کہا۔

''کیا''...... سرسلطان نے عمران کو گھورتے ہوئے کہا۔

''سوری سوری۔ آپ تو حلال ہیں اور دونوں مجرم آپ کو حلال کرنا چاہتے ہیں''...... عمران نے بوکھلا کر کہا۔

''پوری دنیا اس وقت کرب وغم میں ڈوبی ہوئی ہے اور تم پٹڑی سے اتر رہے ہو''...... سرسلطان نے کہا۔

''آپ فکر نہ کریں۔ میں اپنے ایک آدمی کی ڈیوٹی یہاں لگا دوں گا۔ وہ آپ کے سائے کی حفاظت کرے گا''...... عمران نے شوخ لہجے میں کہا تو سرسلطان نے اسے گھور کر دیکھا۔

''مم۔ مم۔ میرا مطلب ہے کہ وہ آپ کی حفاظت کرے گا۔ آپ پریشان نہ ہوں''...... عمران نے ہکلاتے ہوئے کہا۔

''میں ہرگز پریشان نہیں ہوں۔ مجھے یقین ہے یہ مجرم بھی اپنے انجام کو پہنچ جائے گا''...... سرسلطان نے کہا۔

''جب آپ کو یقین ہے تو پھر انشاء اللہ ایسا ہی ہو گا۔ میں اپنا ایک ساتھی یہاں بھیج دیتا ہوں۔ وہ یہاں حالات کا جائزہ لیتا رہے گا''...... عمران نے کہا اور اٹھنے لگا۔

''اس لاش کا کیا کرنا ہے''...... سرسلطان نے پوچھا۔

''انٹیلی جنس کے حوالے کر دیں اور انہیں بتا بھی دیں کہ یہ آپ کی جاسوسی کر رہا تھا اور سیکرٹ سروس کے ممبر کے ہاتھوں پکڑے

جانے کے بعد اس نے خودکشی کر لی ہے''...... عمران نے کہا تو سرسلطان نے اثبات کے انداز میں سر ہلا دیا پھر عمران نے الوداعی کلمات کہے اور اس کے بعد وہ گیٹ پر آ گیا۔ گیٹ کے قریب ہی اس کی کار کھڑی تھی۔ وہ کار میں بیٹھا تو سیکورٹی گارڈ نے گیٹ کھول دیا۔ عمران کی کار گیٹ سے باہر آئی تو سیکورٹی گارڈ نے اسے سلام کیا۔ عمران نے اسے سلام کا جواب دیا اور سیکورٹی گارڈ کو قریب بلایا۔ جب سیکورٹی گارڈ عمران کے قریب آیا تو اس نے جیب سے چیونگم کا ایک پیکٹ نکالا اور چوکیدار کے ہاتھ پر رکھ دیا۔

''لو کھاؤ۔ ہمارے ساتھ رہو گے تو موجاں کرو گے''...... عمران نے کہا اور پھر اس نے کار آگے بڑھا دی جبکہ بے چارہ سیکورٹی گارڈ حیران و پریشان کھڑا رہ گیا۔ اس نے ایسا عجیب وغریب کردار پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ عمران کی کار تیز رفتاری سے دانش منزل کی طرف بڑھ رہی تھی کہ اسے اپنے تعاقب کا احساس ہو گیا۔ تعاقب کا احساس ہوتے ہی عمران نے کار دوسری سڑک پر ڈال دی۔ نیلے رنگ کی ٹیوٹا بھی مڑ گئی جس سے عمران کنفرم ہو گیا۔ اس نے کار کی رفتار بڑھائی اور پھر پندرہ منٹ بعد وہ ایسی سڑک پر پہنچ گیا جو شہر سے باہر جاتی تھی۔ نیلی ٹیوٹا اب بھی اس کے پیچھے تھی۔ اس سڑک پر ٹریفک بہت کم رہ گئی تھی۔ مزید چار پانچ منٹ گزرنے کے بعد سڑک پر اب صرف یہی دو کاریں نظر آ رہی تھیں۔ پھر اچانک ہی عمران کو بریک لگانے پڑے کیونکہ سڑک پر ایک ٹرک

اس طرح کھڑا تھا کہ کار وہاں سے نہیں گزر سکتی تھی۔ عمران نے ٹرک کے قریب ہی کار روک لی اور کار سے نیچے اتر آیا۔

''ٹرک والے کہاں گئے سب بھئی''...... عمران نے بلند آواز میں کہا تو اسی وقت مختلف درختوں کے پیچھے سے نو، دس آدمی باہر نکل آئے وہ سب مشین گنوں سے مسلح تھے اور ان سب کی مشین گنوں کے رخ عمران کی طرف تھے اور ان کے چہروں پر کرختگی کے تاثرات تھے۔ اسی لمحے نیلی ٹیوٹا بھی وہاں پہنچ گئی۔ اس میں سے بھی تین افراد باہر نکلے۔ ان کے ہاتھوں میں ریوالور تھے۔

''چلو مسٹر عمران۔ کار میں بیٹھ جاؤ''...... کار میں سے اترنے والوں میں سے ایک نے سخت لہجے میں کہا۔

''کک۔ کک۔ کیا۔ تم مجھے کڈنیپ کر رہے ہو''...... عمران نے خوفزدہ لہجے میں کہا۔

''ہاں۔ جلدی کرو۔ باتوں میں وقت ضائع مت کرو''...... اسی آدمی نے تیز لہجے میں کہا۔

''بھائی جی۔ تمہیں اغوا کرنے کی جلدی تو ہوگی لیکن مجھے اغوا ہونے کی کوئی جلدی نہیں ہے''...... عمران نے معصوم سے لہجے میں کہا۔

''شٹ اپ۔ فضول باتیں نہ کرو ورنہ ان سب مشین گنوں کی گولیاں تمہارے جسم کو شہد کے چھتے میں تبدیل کر دیں گی''...... اس آدمی نے انتہائی کرخت لہجے میں کہا۔

''تم تو بہت ہی خوفناک باتیں کر رہے ہو بھائی جی''...... عمران نے کہا اور پھر وہ نیلی ٹیوٹا کی طرف بڑھا۔ کار کے قریب پہنچ کر اس نے کار کا جائزہ لیا۔ کار خالی تھی۔

''چلو۔ پچھلی سیٹ پر بیٹھ جاؤ''...... اسی آدمی نے تحکمانہ لہجے میں عمران سے کہا۔

''نہیں جناب۔ پہلے آپ''...... عمران نے انتہائی اخلاق بھرے لہجے میں اس سے کہا۔

''شٹ اپ۔ تمہیں جو حکم دیا جا رہا ہے۔ تم اس پر عمل کرو۔ ورنہ تمہیں بھون دیا جائے گا''...... اس آدمی نے کرخت لہجے میں کہا۔

''عجیب لوگ ہو۔ اس قدر اخلاق پر بھی غصے ہو جاتے ہو''۔ عمران نے منہ بنا کر کہا اور پھر کار کی پچھلی سیٹ پر بیٹھ گیا۔

''چلو۔ اب تو تم لوگ بھی کار میں بیٹھ جاؤ''...... کار میں بیٹھنے کے بعد عمران نے مسلح افراد سے کہا مگر ان میں ایک آدمی بھی کار میں نہ بیٹھا۔ وہ سب ٹرک کی طرف بڑھتے چلے گئے۔ پھر وہ سبھی ٹرک میں سوار ہوئے اور ٹرک حرکت میں آ گیا۔ وہ سیدھا ہوا اور پھر کار کے قریب سے گزرتا چلا گیا۔

''ارے بھائیو۔ تم مجھے کار میں بٹھا کر خود کہاں جا رہے ہو''...... عمران نے بلند آواز میں کہا لیکن اس کی بات جیسے کسی نے سنی ہی نہ ہو۔

''عجیب لوگ ہیں۔ ایک کار سے اتار کر مجھے دوسری کار میں بٹھا دیا ہے اور خود چلے گئے ہیں''...... عمران نے بڑبڑاتے ہوئے کہا اور پھر اس نے کار کا دروازہ کھولنا چاہا لیکن اس سے کار کا دروازہ نہ کھلا۔

''ہائیں۔ اس دروازے کو کیا ہو گیا ہے۔ یہ کیوں نہیں کھل رہا''...... عمران نے بدستورو بڑبڑاتے ہوئے کہا۔ اس نے ایک بار پھر کوشش کی اور ناکامی پر وہ دوسرے دروازے کی طرف بڑھا۔ دوسرا دروازہ بھی نہ کھلا تو وہ فرنٹ سیٹ پر آ گیا۔ یہاں بھی اس نے دونوں دروازوں پر زور لگایا لیکن یہ دروازے بھی نہ کھلے۔

''حیرت ہے بھائی۔ یہ دروازے کیوں جام ہو گئے ہیں'' عمران نے خود کلامی کرتے ہوئے کہا اور اس کے ساتھ ہی وہ حیرت سے اچھل پڑا۔ کیونکہ کار میں ایک قہقہہ گونجا تھا اور اس نے اس قہقہے کو پہچان لیا تھا۔ یہ قہقہہ ڈیتھ ماسٹر کا تھا۔

''عمران۔ تم چوہے دان میں پھنس چکے ہو اور یہ تو تمہیں معلوم ہی ہو گا کہ جس وقت چوہے کی موت آتی ہے تو وہ چوہے دان میں پھنستا ہے''...... قہقہے کے بعد ڈیتھ ماسٹر کی آواز سنائی دی۔

''بب۔ بب بڑے بھائی۔ تت تم نے اس کار کے دروازے کیسے جام کر دیئے ہیں۔ کیا تم نے کوئی جادو کیا ہے''...... عمران نے حیران و پریشان لہجے میں کہا تو ڈیتھ ماسٹر کا ایک اور قہقہہ سنائی دیا۔

''یہ جادو نہیں ہے عمران سائنس ہے اور تم تو خود سائنس دان ہو۔ چلو اگر تم سائنس دان ہو تو پھر اس کار کا کنٹرول حاصل کرو اور اس سے باہر نکلو ورنہ یہ کار تمہیں کسی گہری کھائی میں گرا کر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے دنیا والوں کی نظروں سے دور کر دے گی اور بے چارہ تمہارا ایکسٹو تمہاری لاش ہی تلاش کرتا رہ جائے گا''...... ڈیتھ ماسٹر کی طنزیہ آواز سنائی دی اور اس کے ساتھ ہی کار اسٹارٹ ہو گئی سٹارٹ ہونے کے بعد کار آگے بڑھنے لگی۔ عمران نے اس کا اسٹیئرنگ کنٹرول کرنا چاہا لیکن بے سود۔ اسٹیئرنگ بالکل فری تھا۔ عمران نے اس کے بریک پر پاؤں رکھا لیکن بریک بھی بالکل فری تھا۔ عمران نے اگنیشن دیکھا۔ اگنیشن میں چابی نہیں تھی جبکہ کار کی رفتار آہستہ آہستہ تیز ہوتی جا رہی تھی۔ تھوڑی ہی دیر میں کار پہاڑی علاقے میں پہنچ گئی تھی اور اس کی رفتار اتنی تیز ہو چکی تھی کہ پہاڑ انتہائی تیزی سے پیچھے بھاگتے ہوئے محسوس ہو رہے تھے۔ یہ سڑک بھی کافی تنگ تھی۔ پھر اچانک ہی سامنے ایک موڑ آ گیا۔ کار نہ تو رکی اور نہ ہی آہستہ ہوئی۔ صاف محسوس ہو رہا تھا کہ کار اس موڑ پر پہاڑ سے ٹکرا جائے گی۔ کار پلک جھپکتے ہی موڑ پر پہنچ گئی۔ کار کا پہاڑ سے ٹکرانا لازمی تھا۔ بچنے کی کوئی صورت نظر نہیں آ رہی تھی۔ عمران نے اپنی آنکھیں بند کر لیں۔ جیسے ہی عمران نے آنکھیں بند کیں۔ اسے ڈیتھ ماسٹر کا قہقہہ سنائی دیا۔ عمران نے آنکھیں کھولیں تو کار اچانک مڑ گئی۔ کار نے باحفاظت موڑ کاٹ لیا تھا۔

عمران نے ایک گہرا سانس لیا۔

''عمران۔ ابھی سے گھبرا گئے۔ گھبراؤ نہیں یہ کار کسی پہاڑی سے نہیں ٹکرائے گی بلکہ کسی ایسی کھائی میں گرے گی جو ہزاروں فٹ گہری ہو گی۔ راستے میں سینکڑوں نوکیلے پتھر ہوں گے۔ کھائی کی تہہ میں پہنچنے سے پہلے ہی ان پتھروں سے ٹکرا کر کار اور تمہارے سینکڑوں ٹکڑے ہو جائیں گے اور تمہارا ایک ٹکڑا بھی کسی کے ہاتھ نہیں لگ سکے گا۔ کوئی نہیں جان سکے گا کہ تمہارا کیا انجام ہوا''۔

ڈیتھ ماسٹر کی غراتی ہوئی آواز سنائی دی تو فوراً ہی عمران نے اپنی جیب میں ہاتھ ڈالا اور مشین پسٹل نکال لیا۔ اس نے کار کی کھڑکی پر فائر کر دیا۔ کئی گولیاں شیشے سے ٹکرائیں لیکن شیشے کو خراش تک نہ آئی۔ شیشہ بلٹ پروف تھا۔ یہ دیکھ کر عمران نے ایک طویل سانس لیا جبکہ ڈیتھ ماسٹر کا ایک اور قہقہہ سنائی دیا۔

''عمران۔ اگر تم مجھ سے زندگی کی بھیک مانگو تو ہو سکتا ہے میں تم پر ترس کھاتے ہوئے تمہیں زندگی بھیک میں دے دوں''۔ قہقہے کے بعد ڈیتھ ماسٹر کی تکبر میں ڈوبی ہوئی آواز سنائی دی۔

''میں تم پر اور تمہاری بھیک پر لعنت بھیجتا ہوں''...... عمران نے منہ بناتے ہوئے کہا۔

''پھر ایک سودا کر لیتے ہیں''...... ڈیتھ ماسٹر نے کہا۔

''کیسا سودا''...... عمران نے پوچھا۔

''عمران۔ میں جانتا ہوں کہ تم زبان کے پکے ہو۔ جو وعدہ

کرتے ہو پورا کرتے ہو۔ تم اگر مجھ سے وعدہ کرو کہ تم آئی ٹن فائل اور اس کی کوڈ فائل مجھے لا دو گے تو میں تمہیں چھوڑ دیتا ہوں''...... ڈیتھ ماسٹر نے کہا۔

''یہ بھی ممکن نہیں ہے ڈیتھ ماسٹر اور سنو اگر مجھے تم جیسے لوگوں کے ہاتھوں مرنا ہوتا تو میں کب کا مر چکا ہوتا۔ تم سے بڑے بڑے مجرم میری موت کی حسرت دل میں لئے آئے اور فنا ہو گئے اور وہ مجرم جرم کی دنیا کے ایسے ایسے بھیڑیئے تھے کہ تم تو ان کے سامنے کتے کے پلے نظر آتے ہو''...... عمران نے غراتے ہوئے کہا۔

''شٹ اپ۔ اپنی زبان کو لگام دو''...... ڈیتھ ماسٹر نے اتنے زور سے چیخ کر کہا کہ پھر اسے کھانسی کا دورہ پڑ گیا۔ وہ کچھ دیر تک کھانستا رہا پھر اس کی غراتی ہوئی آواز سنائی دی۔

''میں نے تو چاہا تھا کہ تمہیں چھوڑ دوں لیکن تمہیں اپنی زندگی عزیز نہیں ہے تو میں کیا کروں''...... ڈیتھ ماسٹر نے کہا اور اس کے بعد اس کی آواز بند ہو گئی۔ عمران نے دائیں بائیں نظر دوڑائی۔ دونوں اطراف میں گہری کھائیاں تھیں اور عمران کے اندازے کے مطابق کار اس وقت ایک سو پچاس کی رفتار سے چل رہی تھی۔ عمران نے ایک بار پھر کار کے شیشے پر فائرنگ کی لیکن نتیجہ پہلے جیسا برآمد ہوا۔ پھر عمران نے دروازے کے لاک پر گولیوں کی بوچھاڑ کر دی۔ اسی لمحے عمران کی نظر سامنے اٹھی۔ سامنے ایک خطرناک پہاڑی موڑ تھا اور اس کے اردگرد گہری کھائیاں تھیں۔ اگر

کار پہاڑ سے ٹکرا جاتی تو یقیناً کسی گہری کھائی میں گر جاتی۔ نیچے کھائیاں عمران اور کار دونوں کا سرمہ بنانے کے لئے بے تاب کھڑی تھیں اور پھر ایک برق سی چمکی۔ ایک خوفناک دھماکا ہوا اور کار پہاڑ سے ٹکرانے کے بعد فٹ بال کی مانند فضاء میں بلند ہوئی اور پھر نیچے موجود ہزاروں فٹ گہرے گڑھوں میں گرتی چلی گئی۔ جو اژدھے کی مانند منہ کھولے اسے نگلنے کے لئے تیار کھڑے تھے۔

پورے باچان کو گہرے سناٹے نے نگل لیا تھا۔ باچان کے مشرق سے مغرب اور شمال سے جنوب تک موت کے سیاہ بادل چھا گئے تھے۔ ڈاکٹر بلیک نے راکو موتو کے لئے موت کا جو وقت بتایا تھا اس میں اب صرف ایک گھنٹہ باقی رہ گیا تھا یعنی ڈاکٹر بلیک کے مطابق باچان کے وزیراعظم راکو موتو کی زندگی کا سفر اب تمام ہونے والا تھا۔

وزیراعظم راکو موتو انتہائی نفیس انسان تھے۔ انتہائی محب وطن اور عوام سے پیار کرنے والے تھے۔ اپنے دور اقتدار میں انہوں نے باچان کی ترقی کے لئے دن رات کام کیا تھا۔ وہ دنیا کے چند اچھے حکمرانوں میں شمار کئے جاتے تھے۔ دنیا بھر کے رہنماؤں سے ان کے اچھے تعلقات تھے۔ باچانی عوام بھی اپنے وزیراعظم سے بہت محبت کرتی تھی۔ یہ عوام کی پسند ہی تھی کہ وہ تین بار وزیراعظم بن چکے تھے اور باچانی عوام انہیں تاحیات وزیراعظم دیکھنا چاہتی تھی۔

باچان کو اس سے قبل راکو موتو جیسا رہنما نصیب نہیں ہوا تھا اس لئے باچانی عوام اور ان کا دل ایک ساتھ دھڑکتا تھا۔ اس وقت عوام کی زبان تو خاموش ہو چکی تھی لیکن ان کے دل سے اپنے وزیراعظم کے لئے دعائیں نکل رہی تھیں۔ وزیراعظم کی موت کے ساتھ ساتھ عوام کو اپنے سروں پر بھی موت کے پروں کی سنسناہٹ محسوس ہو رہی تھی۔ ڈاکٹر بلیک نے اپنی دھمکی پر ضرور عمل کرنا تھا۔ وزیراعظم کے ساتھ ساتھ اس نے کروڑوں بیگناہ افراد کو بھی موت کی نیند سلا دینا تھا اور اس سلسلے میں اس نے کسی قسم کی رعایت نہیں کرنی تھی۔ ایکریمیا کی مثال ان کے سامنے تھی۔

ڈاکٹر بلیک نے جس وحشت اور بربریت کا مظاہرہ کیا تھا اس سے قبل انسانی تاریخ میں اس کی مثال نہیں ملتی تھی۔ اس نے لمحوں میں کروڑوں بیگناہ اور معصوم لوگوں کو لقمۂ اجل بنا دیا تھا۔ ان کروڑوں انسانوں میں بوڑھے، جوان، مرد، عورتیں اور بچے سب شامل تھے۔ ننھے ننھے معصوم بچوں کی صورتیں بھی اسے درندگی سے باز نہیں رکھ سکی تھیں۔ نجانے وہ انسان بھی تھا کہ نہیں۔ اس نے ایکریمیا میں خون کا سیلاب بہا دیا تھا۔ اس کے ایٹم بم سے جو تباہی و بربادی ہوئی تھی وہ تو ہو چکی تھی۔ اب ایکریمیا میں تابکاری اثرات پھیل رہے تھے اور ایکریمیا مشکلات میں پھنس چکا تھا۔ اس کی معیشت بالکل تباہ ہو گئی تھی اور ایک کروڑ سے زائد افراد کی ہلاکت کی وجہ سے نظام زندگی ایسا درہم برہم ہو گیا تھا کہ اب کئی

سالوں تک ایکریمیا سنبھل نہیں سکتا تھا اور اب باچان بھی اس سچویشن سے دو چار ہو چکا تھا۔

باچانی حکومت چاہتی تھی کہ وہ ڈاکٹر بلیک سے رابطہ کرے۔ اس سلسلے میں حکومت نے پرنٹ میڈیا اور الیکٹرانک میڈیا کا سہارا لیا تھا اور ڈاکٹر بلیک سے بار بار کہا تھا کہ اگر اس کے مطالبات ہیں تو وہ حکومت باچان کو پیش کرے۔ حکومت باچان اس کے مطالبات پر غور کرے گی لیکن ڈاکٹر بلیک کی طرف سے خاموشی تھی۔

حکومت باچان نے دنیا بھر کے ماہرین کے مشورے سے پرائم منسٹر راکو موتو کے لئے حفاظتی اقدامات کئے تھے۔ باچانی حکومت اپنی معیشت اور کروڑوں بے گناہ افراد کو صرف اسی صورت بچا سکتی تھی جب وہ راکو موتو کو بچا لیتی تھی۔ کروڑوں افراد کی زندگیاں پرائم منسٹر کی زندگی سے مشروط ہو چکی تھیں۔ باچانی حکومت نے ڈاکٹر بلیک کو ٹریس کرنے کی بھی بہت کوشش کی تھی لیکن ڈاکٹر بلیک ٹریس نہیں ہوا تھا۔ سپر پاورز کے کئی ذہین اور قابل سائنس دان بھی باچان پہنچے ہوئے تھے جنہوں نے راکو موتو کی حفاظت کا پلان بنایا تھا اور وہ انتظامات سے مطمئن بھی تھے۔ انہیں یقین تھا کہ اس بار ڈاکٹر بلیک شکست کھائے گا لیکن اس یقین کے باوجود سب کے دلوں کی دھڑکنیں گھڑی کی ٹک ٹک کے ساتھ حرکت کر رہی تھیں۔ راکو موتو کی موت کا بتایا گیا وقت قریب سے قریب تر ہوتا جا رہا تھا۔

پرائم منسٹر راکو موتو کے لئے ایک خصوصی گولہ بنایا گیا تھا جس میں انہیں بند کر دیا گیا تھا۔ اس گولے پر ایٹم بم بھی اثر نہیں کر سکتا تھا۔ راکو موتو کو ہمہ قسمی خوراک سے روک دیا گیا تھا۔ انہیں طاقت کے ایسے انجکشن لگائے گئے تھے جو کئی گھنٹوں تک ان کی غذا کی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے کافی تھے۔ ان انجکشنوں کی وجہ سے کئی گھنٹوں تک انہیں بھوک پیاس محسوس نہیں ہونی تھی۔ انجکشنوں کو ماہر ڈاکٹرز کی ٹیم نے اوکے کیا تھا۔

راکو موتو کے لئے جو گولہ تیار کیا گیا تھا اس میں کوئی رخنہ نہیں تھا جس کی وجہ سے گولے میں ہوا بھی داخل نہیں ہو سکتی تھی۔ گولے میں آکسیجن کے سلنڈر رکھ دیئے گئے تھے اور راکو موتو کو یہ آکسیجن مہیا کی جا رہی تھی۔ ماہرین کے مشورے پر انہیں طویل بے ہوشی کا انجکشن بھی لگا دیا تھا تاکہ ان کے ذہن میں معمولی سی پریشانی اور موت کا خوف بھی پیدا نہ ہو۔ راکو موتو کے کئی بار معائنے کے بعد انہیں گولے میں رکھا گیا تھا۔ گولے میں گیس سلنڈر کے علاوہ کیمرے اور انتہائی حساس مائیک بھی فٹ تھے جو بے ہوش راکو موتو کو دکھا رہے تھے اور ان کی سانس کی آواز بھی اس قدر بلند سنائی دے رہی تھی کہ بہرہ آدمی بھی اسے با آسانی سن سکتا تھا اور اس سسٹم کو ٹی وی نشریات سے منسلک کر دیا گیا تھا۔ دنیا بھر کے لوگ راکو موتو کو لائیو دیکھ رہے تھے۔ ان کے چہرے کی سرخی اور سانسوں کی آواز دنیا بھر کے لوگوں کو مطمئن کر رہی تھی۔ انتظامات

کی جو تفصیل ٹی وی پر بتائی جا رہی تھی اسے سن کر لوگوں کی اکثریت مطمئن تھی۔ یہ انتظامات ایسے تھے کہ ایک چیونٹی بھی راکو موتو تک نہیں پہنچ سکتی تھی۔ چیونٹی تو چیونٹی ہوا کی رسائی بھی راکو موتو تک ممکن نہیں تھی جبکہ لوگوں کے دوسرے گروہ کا خیال تھا کہ ڈاکٹر بلیک اب بھی کامیاب رہے گا۔ ڈی سوزا کی مثال ان کے سامنے تھی۔ اسے بچانے کے لئے ایکریمین حکومت نے سرتوڑ کوشش کی تھی اور ڈی سوزا کو بچانے کیلئے فول پروف انتظامات کئے تھے لیکن اس کے باوجود بھی ڈاکٹر بلیک کامیاب رہا تھا۔ جس کمرے میں گولہ رکھا گیا تھا۔ اس کمرے کو چاروں طرف سے باچان سیکرٹ سروس کے اراکین نے گھیرا ہوا تھا۔ چھت پر بھی سیکرٹ سروس کے ممبران موجود تھے۔ پھر اس پوری بلڈنگ کو انٹرنیشنل آرمی نے گھیرا ہوا تھا۔ آرمی کے سینکڑوں جوان دور دور تک پھیلے ہوئے تھے۔ اس کے علاوہ باچان کی دیگر فعال اور تیز طرار ایجنسیاں بھی یہاں موجود تھیں۔ اس بلڈنگ تک آنے والے تمام زمینی اور فضائی راستے بند کر دیئے گئے تھے۔ اب اگر ایک چڑیا بھی اس بلڈنگ کی طرف آتی تو بلڈنگ سے بہت پہلے ماری جاتی۔ یہ ایسے انتظامات تھے جن کی وجہ سے لوگوں کی اکثریت مطمئن اور سرور تھی۔ باچان سیکرٹ سروس کے چیف اور دیگر اعلیٰ حکام اسی بلڈنگ کے ایک اور کمرے میں بیٹھے ہوئے تھے۔ ان کے سامنے سکرین روشن تھی۔ سکرین پر راکو موتو دکھائی دے رہے تھے۔

باچانی حکام، عوام کے ساتھ ساتھ دنیا بھر کے لوگ اب کافی حد تک مطمئن ہو گئے تھے۔ دنیا بھر کے لوگ اپنے کام کاج چھوڑ کر ٹی وی سکرینوں کے سامنے بیٹھے ہوئے تھے۔ اب چونکہ ڈاکٹر بلیک کے بتائے ہوئے وقت میں صرف چار منٹ باقی تھے اور راکو موتو بالکل ٹھیک تھے اس لئے سب لوگ مطمئن ہو گئے تھے۔ چار منٹوں میں کسی تندرست و توانا انسان کا مرنا کافی محال تھا۔ جس طرح کئی گھنٹے گزر گئے تھے اسی طرح یہ چار منٹ بھی گزر جانے تھے۔ لوگ خوش تھے کہ باچان نے ڈاکٹر بلیک کو شکست دے دی۔ چار منٹوں میں سے دو منٹ مزید گزر گئے اور دنیا بھر کے لوگ سوچ رہے تھے کہ ڈاکٹر بلیک کی ناکامی پر وہ اٹھ کر ناچنا شروع کر دیں کہ اچانک ہی وہ اچھل پڑے اور ان کے چہرے خوف سے سیاہ ہوتے چلے گئے۔ کنٹرول روم میں بیٹھی ہوئی باچانی شخصیات بے چین ہو کر کھڑی ہو گئیں اور بے اختیار ان کی چیخیں بلند ہونے لگیں۔ کمپیوٹر سکرین پر نیلی لائنیں مٹ رہی تھیں۔ متعدد لکیروں کی بجائے اب ایک لائن تھی جو بڑھتی اور گھٹتی ہوئی دکھائی دے رہی تھی۔ پرائم منسٹر راکو موتو کا سینہ پھول اور پچک رہا تھا۔ ان کا منہ بار بار کھل رہا تھا اور بند ہو رہا تھا۔ یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ سانس نہ لے پا رہے ہوں۔

پرائم منسٹر راکو موتو کی اس حالت سے دنیا بھر میں ایک طوفان نے جنم لے لیا۔ ایک زلزلہ آ گیا۔ لوگوں کے روشن چہرے تاریک

ہونے لگے۔ کھوپڑیاں گویا بھک سے اڑنے لگیں اور دماغ آتش فشاں پہاڑوں میں تبدیل ہونے لگے۔ ایک ایسا سیلاب آ گیا تھا جس میں سب کچھ بہہ جانا تھا۔ تباہی، بربادی، موت، خون کا سمندر اور ہر طرف بکھری لاشیں۔ چشم تصور سے ہی یہ منظر دیکھ کر دنیا بھر کے لوگوں کی چیخیں بلند ہو رہی تھیں۔

ماہرین اور سائنس دان تیزی سے اٹھ کر کمپیوٹر کی طرف بڑھے۔ وہ اس حد تک بدحواس ہو چکے تھے کہ ایک دوسرے سے ٹکرا گئے۔ ان کے ہاتھ، پاؤں اور جسم اس طرح کانپ رہے تھے جیسے وہ ملیریا کے مریض ہوں اور ان کا ملیریا آخری اسٹیج پر پہنچ گیا ہو۔ باچانی سیکرٹ سروس کے چیف نے کمپیوٹر کے ''کی بورڈ'' پر دو تین بٹن پریس کئے تو فوراً ہی اسکرین پر ''نو بریتھنگ'' کے الفاظ چمکنے لگے۔

''اوہ۔ اوہ۔ آکسیجن نہیں پہنچ رہی۔ مم۔ مگر۔ کک۔ کیوں''۔ باچانی سیکرٹ سروس کے چیف نے بوکھلائے ہوئے لہجے میں کہا۔ باچانی سیکرٹ سروس کے چیف مضبوط اعصاب کے مالک تھے۔ اپنی پروفیشنل لائف میں وہ سینکڑوں مرتبہ موت کے منہ سے نکل آئے تھے اور کبھی نہیں گھبرائے تھے۔ وہ دنیا کے ٹاپ سیکرٹ سروس ایجنٹوں میں سے تھے۔ خوف اور دہشت ان کے قریب نہیں پھٹک سکتی تھی لیکن اس وقت سچویشن ایسی ہو گئی تھی کہ ان کی تمام تر تربیت دھری کی دھری رہ گئی تھی۔ کروڑوں بے گناہ اور معصوم

انسانوں کی موت کے تصور نے انہیں بھی بدحواس اور دہشت زدہ کر دیا تھا۔ پھر اس سے قبل کہ وہ یا دیگر ماہرین و سائنس دان، پرائم منسٹر راکو موتو کے لئے کچھ کرتے ایک تیز زور دار سانس کی ڈوبی ہوئی لہر سنائی دی اور ایک زور دار ہچکی کے ساتھ آواز آنا بند ہو گئی سکرین پر راکو موتو بے سدھ پڑے ہوئے تھے۔ ان کے سینے میں سانس کا زیر و بم دم توڑ چکا تھا۔ ان کے چہرے پر موت کی زردی چھا چکی تھی۔ کئی لوگوں نے لاشعوری طور پر اپنی گھڑیوں کی طرف دیکھا۔ یہ وہی وقت تھا جس کا اعلان ڈاکٹر بلیک نے کیا تھا۔ ڈاکٹر بلیک ایک بار پھر کامیاب ہو گیا تھا۔

پورے باچان میں یکدم شور برپا ہو گیا۔ لوگ چیخ و پکار کرنے لگے۔ عورتیں اپنے معصوم اور چھوٹے بچوں کو اپنے سینے سے لگائے روتے پیٹتے سڑکوں پر آ گئیں۔ انہیں یقین ہو گیا تھا کہ ان میں اور ان کے پیاروں کے درمیان جدائی کا وقت آ گیا ہے۔ موت انہیں ان کے پیاروں سے جدا کرنے والی ہے۔ کچھ لوگوں پر موت کی ایسی دہشت طاری ہو گئی تھی کہ وہ اپنے پیاروں کو ہی بھول گئے تھے۔ وہ اندھا دھند اور دیوانہ وار بھاگ کھڑے ہوئے تھے۔ بچے، بوڑھے، جوان، عورتیں، مرد ہر کوئی رو رہا تھا، چیخ رہا تھا، چلا رہا تھا اور باچانی دارالحکومت سے نکل جانا چاہتا تھا۔

دوسری طرف ڈاکٹرز، سائنس دان اور دیگر اعلیٰ حکام اس کمرے میں داخل ہوئے جس میں گولہ رکھا گیا تھا۔ گولے کو کھولا

گیا اور سب آکسیجن سلنڈر کی طرف بڑھے۔ جو خالی ہو چکا تھا جبکہ اس سلنڈر نے ابھی دو گھنٹے مزید آکسیجن فراہم کرنی تھی۔ آکسیجن کا معائنہ کرنے پر ان کے جبڑے بھنچ گئے اور آنکھوں میں خون چھلک آیا۔ آکسیجن سلنڈر لیک ہو گیا تھا اور اس سے آکسیجن خارج ہوتی رہی تھی۔ جس آکسیجن نے چار گھنٹوں میں ختم ہونا تھا۔ وہ دو گھنٹوں میں ہی ختم ہو گئی تھی۔ ڈاکٹر، سائنس دان اور دیگر ماہرین نے اپنی تمام تر توجہ گولے، کمرے اور پرائم منسٹر راکو موتو پر صرف کر دی تھی لیکن گیس سلنڈر کا معائنہ باریک بینی سے نہیں کیا گیا تھا۔

کوئی تصور بھی نہیں کر سکتا تھا کہ گیس سلنڈر لیک بھی ہو سکتا ہے۔ ان کا تو خیال تھا کہ ڈاکٹر بلیک کسی سائنسی حربے سے راکو موتو کی موت کا سامان کرے گا اور اس کے سائنسی حربے کو ناکام بنانے کے لئے سائنس دانوں نے انتظام کئے تھے لیکن ڈاکٹر بلیک نے تو کچھ بھی نہیں کیا تھا۔ اپنے پرائم منسٹر راکو موتو کو انہوں نے اپنے ہاتھوں سے موت کے حوالے کر دیا تھا اور اب وہ رو رہے تھے، چیخ رہے تھے جبکہ دوسرے ممالک سے آئے ہوئے سائنس دان اور دیگر ماہرین اب باچان سے نکل جانے کا سوچ رہے تھے کیونکہ تیس گھنٹوں کے بعد باچان میں قیامت آنے والی تھی۔ پھر اچانک ہی ٹی وی سکرین پر کھوپڑی اور دو ہڈیاں نمودار ہو گئیں۔

''لوگو۔ تم نے دیکھ لیا کہ پرائم منسٹر راکو موتو بھی موت کی

ٹھنڈی، یخ بستہ وادی میں اتر گیا ہے اور ساری دنیا جانتی ہے کہ موت کی وادی ایسی ہے جہاں کوئی ایک بار چلا جائے تو واپس نہیں آتا۔ لوگو۔ تم یہ بھی جانتے ہو کہ باچانی حکومت نے راکو موتو کو بچانے کے لئے انتہائی جدید سائنسی انتظامات کئے تھے اور ان انتظامات میں باچانی حکومت کو عالمی سائنس دانوں اور ماہرین کی معاونت بھی حاصل تھی لیکن افسوس کہ راکو موتو کو کوئی بھی نہیں بچا سکا اور کوئی بچا بھی نہیں سکتا تھا کیونکہ میری طاقت لازوال و بے مثال ہے۔ تم دوسرے سیاروں کی مخلوقات کی مدد لے لو تو تب بھی ڈاکٹر بلیک کی لازوال طاقت کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ ڈاکٹر بلیک کی طاقت ایک آندھی ہے اور تم خس و خاشاک۔ ڈاکٹر بلیک کی طاقت ایسا سیلاب ہے جس کے سامنے تم بند نہیں باندھ سکتے۔ ہاہاہا''۔ ٹی وی سکرین پر کھوپڑی اور ہڈیوں کے نمودار ہونے کے چند لمحوں بعد ڈاکٹر بلیک کی نخوت میں ڈوبی ہوئی آواز سنائی دی اور پھر اس کا طاغوتی قہقہہ بلند ہوا۔

''ڈیئر پیپلز۔ باچانی حکومت راکو موتو کو بچانے میں ناکام رہی ہے''...... ڈاکٹر بلیک نے دوبارہ بولنا شروع کیا۔

''اب میرا حق بنتا ہے کہ میں باچان کے ایک کروڑ افراد کی جانوں کا نذرانہ لوں لیکن دارالحکومت کی نصف آبادی تو پہلے ہی دارالحکومت خالی کر چکی ہے اور اگلے تیس گھنٹوں میں باقی لوگ بھی فرار ہو جائیں گے جبکہ میں نے تو لازماً ایک کروڑ جانوں کا نذرانہ

لینا ہے۔ اس لئے میرا فیصلہ ہے کہ میں پورے باچان سے یہ نذرانہ لوں گا۔ ہر شہر اور ہر قصبے سے قربانی کے لئے آدمی چنوں گا۔ کم از کم ایک کروڑ افراد تیار رہیں اور ایک دوسرے سے الوداعی ملاقات کر لیں۔ نہ جانے کس کی قربانی قبول کر لی جائے اس کے علاوہ میں یہ بھی جانتا ہوں کہ تم لوگ مجھ سے بات چیت کے خواہش مند ہو۔ مجھ پر دباؤ ڈالنا چاہتے ہو اور مجھ سے یہ فیصلہ تبدیل کرانا چاہتے ہو۔ میں تمہاری بات چیت والی خواہش پوری کر دیتا ہوں۔ میں ان سربراہوں سے ملاقات کے لئے تیار ہوں جو مجھ سے ملاقات کے خواہش مند ہیں۔ باچان کی تباہی کے ایک گھنٹے بعد نائس لینڈ کے گورنمنٹ ہاؤس میں، میں سربراہوں سے ملاقات کروں گا۔

ہماری یہ ملاقات ٹی وی کے ذریعے ہو گی۔ وہاں جو ٹی وی سیٹ موجود ہو گا۔ اس کے ذریعے آپ کی اور میری گفتگو ہو سکے گی۔ اوکے۔ وش یو گڈ لک اینڈ گڈ بائی''...... اس کے ساتھ ہی ڈاکٹر بلیک کی آواز آنا بند ہو گئی۔ ٹی وی اسکرین سے کھوپڑی اور ہڈیاں غائب ہو گئیں اور پھر ٹھیک تیس گھنٹے بعد باچان کئی ساعت شکن دھماکوں سے لرز اٹھا۔ بلند و بالا بلڈنگز تنکوں کی مانند فضاؤں میں اڑتی ہوئی دکھائی دیں۔ تاحد نظر کٹے پھٹے انسانی اعضا نظر آنے لگے۔ انسانی خون اس طرح بہنے لگا جس طرح ندی نالے بہتے ہیں۔ باچان کے دارالحکومت میں صرف بلڈنگز تباہ ہوئی تھیں۔ کیونکہ

پورا دارالحکومت انسانوں سے خالی ہو گیا تھا۔ یہاں تک کہ حکومت نے ضروری مشینری اور ریکارڈ بھی دوسرے شہر شفٹ کر دیا تھا۔ دارالحکومت کے علاوہ سات دیگر شہروں اور قصبات میں دھماکے ہوئے تھے اور ایک کروڑ سے زائد افراد ان دھماکوں کی نذر ہو گئے تھے۔ دنیا بھر کا الیکٹرانک میڈیا تباہ ہونے والے حصوں کو لائیو دکھا رہا تھا۔ اکثر لاشیں جل کر سیاہ ہو چکی تھیں۔ کچھ لاشیں ایسے دکھائی دے رہی تھیں جیسے کچلا ہوا بھس۔

خاور کو ہوش آیا تو اس نے اردگرد دیکھا۔ وہ ایک چھوٹے سائز کے کمرے میں تھا۔ کمرے میں فرنیچر نام کی کوئی چیز نہیں تھی۔ وہ ننگے فرش پر پڑا ہوا تھا۔ ہوش آنے کے بعد وہ چند لمحوں تک تو کمرے کا جائزہ لیتا رہا پھر اٹھ کر بیٹھ گیا۔ کمرے میں ایک ہی دروازہ تھا جو فولاد کا تھا۔ خاور نے اس دروازے کا جائزہ لیا۔ دروازہ انتہائی مضبوط تھا۔ خاور واپس کمرے کے درمیان میں آ کر فرش پر بیٹھ گیا۔ اس نے کلائی کی طرف دیکھا لیکن اس کی کلائی پر ریسٹ واچ نہیں تھی۔ اس لئے اسے یہ اندازہ نہ ہو سکا کہ وہ کتنی دیر بے ہوش رہنے کے بعد ہوش میں آیا ہے۔ اس نے اپنی جیبوں کی بھی تلاشی لی۔ اس کی جیبیں بھی خالی تھیں۔

اس کی جیب میں پاکیشیا سیکرٹ سروس کے پرسنل نیٹ ورک کا سیل فون سیٹ تھا۔ وہ بھی ان لوگوں نے نکال لیا تھا۔ خاور سوچ رہا تھا کہ اسے دروازے پر دستک دینی چاہئے کہ اچانک اسے قدموں

کی آواز سنائی دی۔ یہ آواز ایک سے زائد افراد کے قدموں کی تھی۔ قدموں کی یہ آوازیں دروازے پر آ کر رک گئیں پھر دروازہ کھلا اور پانچ آدمی کمرے میں داخل ہوئے۔ ان پانچوں کے پاس مشین گنیں تھیں۔ وہ پانچوں شکل وصورت سے تو مقامی لگ رہے تھے لیکن خاور کو محسوس ہو گیا کہ وہ میک اپ میں تھے۔

''تو تمہیں ہوش آ گیا ہے مسٹر خاور۔ اوکے۔ اب تم ایسا کرو کہ اپنے دونوں ہاتھ اپنے سر پر رکھ لو''...... ان میں سے ایک نے تحکمانہ لہجے میں کہا۔

''اگر میں تمہاری بات پر عمل نہ کروں تو''...... خاور نے منہ بناتے ہوئے کہا۔

''تو پھر پانچوں مشین گنیں موت کے شعلے اگلیں گی اور ایک ایک شعلے کا شکار تو تم ہو ہی جاؤ گے اور چونکہ یہ موت کے شعلے ہیں اس لئے یہ شعلے تمہیں میٹھی نیند سلا دیں گے لیکن اس میٹھی نیند سے پہلے جس اذیت سے گزرنا پڑے گا اس کا شاید تمہیں اندازہ ہی نہیں''...... اسی آدمی نے جو باقی چار کا انچارج تھا، طنزیہ لہجے میں کہا۔ خاور نے ان پانچوں کا جائزہ لیا اور پھر ان کی دھمکی پر غور کیا۔ فی الحال مخالف کی ہدایت پر عمل کرنا ضروری تھا۔ موقع ملنے پر ہی وہ ان کے خلاف حرکت میں آ سکتا تھا۔

''اوکے''...... خاور نے کہا اور پھر اس نے اپنے ہاتھ بلند کر کے سر پر رکھ لئے۔

''گڈ۔ تم کافی عقلمند دکھائی دیتے ہو مسٹر خاور۔ اب تم نے اس کمرے سے نکلنا ہے اور ہمارے آگے آگے چلنا ہے لیکن یہ ذہن میں رہے کہ تمہاری معمولی سی غلط حرکت تمہیں موت کے سپرد کر سکتی ہے''...... انچارج نے کہا۔

''تم مجھے کہاں لے جا رہے ہو''...... خاور نے پوچھا اور اس کے ساتھ ہی اس نے دروازے کی طرف قدم بھی بڑھائے۔

''باس۔ تمہارا انٹرویو کرنے کے لئے بے قرار ہے''...... انچارج نے طنزیہ انداز میں مسکراتے ہوئے کہا۔

''کس لئے''...... خاور نے کہا۔

''ٹی وی پر چلانے کے لئے''...... انچارج نے بدستور طنزیہ لہجے میں کہا تو خاور نے اس طرح سر ہلایا جیسے اسے انچارج کی بات پر یقین آ گیا ہو۔ اس کے ساتھ ہی وہ کمرے سے باہر نکل آیا۔ باہر راہداری تھی۔ جس کے دونوں اطراف میں کمرے تھے اور وہ اس راہداری میں چلنے لگے۔

''بس رک جاؤ''...... چند قدم چلنے کے بعد انچارج نے کہا تو خاور رک گیا۔ پانچوں آدمیوں میں سے ایک نے اپنے سامنے والا دروازہ کھولا۔

''چلو اندر''...... انچارج نے خاور کو حکم دیا تو خاور کمرے میں داخل ہو گیا۔ یہ ایک بڑا کمرہ تھا۔ کمرے کی دیواروں پر تشدد کے آلات لٹکے ہوئے تھے۔ اتنے بڑے کمرے میں ایک ہی کرسی تھی

اور اس کرسی پر ایک غیر ملکی بیٹھا ہوا تھا۔ خاور اور وہ پانچوں افراد اندر داخل ہوئے تو اس نے خاور کو غور سے دیکھا۔ خاور سمجھ گیا کہ یہی باس ہے۔

''اسے ستون کے ساتھ باندھ دو''...... باس نے تحکمانہ لہجے میں کہا تو خاور کو ایک ستون کے ساتھ باندھ دیا گیا۔

''مسٹر خاور۔ ہم اچھی طرح جانتے ہیں کہ تمہارا تعلق پاکیشیا سیکرٹ سروس سے ہے۔ لہٰذا اس بات سے تو تم انکار نہیں کر سکتے''...... باس نے خاور کی طرف دیکھتے ہوئے فخریہ لہجے میں کہا تو خاور کے چہرے پر مسکراہٹ آ گئی۔

''اوکے۔ نہیں کرتا انکار۔ اب خوش''...... خاور نے طنزیہ انداز میں مسکراتے ہوئے کہا۔

''شٹ اپ۔ مجھ پر طنز کرنے کی کوشش بھی مت کرنا''۔ باس نے یکدم ہی غراتے ہوئے کہا۔ خاور اسے مزید غصہ دلانا چاہتا تھا لیکن پھر وہ یہ سوچ کر خاموش رہا کہ پہلے ان کا مقصد معلوم کرے۔ انہوں نے اسے کیوں اغوا کیا ہے اور اب کیا پوچھنا چاہتے ہیں۔

''ج۔ جج۔ جی۔ بب۔ بہت۔ بہتر''...... خاور نے خوفزدہ ہونے کی اداکاری کرتے ہوئے کہا تو باس اسے گھورنے لگا۔

''ہم تم سے یہ نہیں پوچھیں گے کہ تمہارے دیگر ساتھیوں کے نام کیا ہیں''...... باس نے دوبارہ بولنا شروع کیا۔

''اور نہ ہی ساتھیوں کے ایڈریس پوچھیں گے۔ مجھے یہ بھی معلوم نہیں کرنا کہ پاکیشیا سیکرٹ سروس کا ہیڈکوارٹر کہاں ہے''۔ باس نے کرخت لہجے میں کہا۔

''جب تم نے مجھ سے کچھ بھی نہیں پوچھنا تو پھر مجھے اس طرح باندھنے کا مقصد''...... خاور نے منہ بنا کر کہا۔

'' ہاں۔ ایک سوال تو ایسا ہے جس کا جواب ہمیں چاہئے۔ ہر حال میں، ہرصورت میں اور اگر تم نے اس سوال کا جواب نہ دیا تو پھر تمہاری روح پر خاردار کوڑے برسائے جائیں گے اور جب تمہاری روح خاردار کوڑے میں پھنس جائے گی تو پھر اسے تمہارے جسم سے باہر کھینچا جائے گا۔ اب تم خود تصور کر سکتے ہو کہ یہ کتنا اذیت ناک مرحلہ ہو گا تمہارے لئے''...... باس نے غراتی ہوئی آواز میں کہا۔

''ہاں واقعی۔ یہ بہت اذیت ناک عمل ہو گا۔ تم پوچھو۔ تم نے کیا پوچھنا ہے''...... خاور نے کہا تو باس اندازہ نہ کر سکا کہ خاور نے طنز کیا ہے یا سنجیدگی سے یہ بات کی ہے۔ وہ ایک بار پھر خاور کو گھورنے لگا۔

''سیکرٹ ریکارڈ روم بلیو بلڈنگ میں ہے اور اس بلیو بلڈنگ کے لئے ایک خفیہ راستہ بھی بنایا گیا ہے۔ تم ہمیں اس راستے کی تفصیلات بتاؤ''...... باس نے خاور کو گھورتے ہوئے کہا۔

''میں تو کبھی بلیو بلڈنگ میں نہیں گیا۔ اس کے خفیہ راستے کے

بارے میں مجھے کیا معلوم ہو سکتا ہے''...... خاور نے کہا۔

''شٹ اپ۔ تم سیکرٹ سروس کے ممبر ہو۔ تم بلیو بلڈنگ سے کیسے لاتعلق ہو سکتے ہو''...... باس نے غرا کر کہا۔

''میں پاکیشیا سیکرٹ سروس کا ممبر ہوں چیف نہیں''...... خاور نے منہ بناتے ہوئے کہا۔

''تم اپنے حق میں بہت برا کر رہے ہو خاور۔ ابھی یہاں تمہاری چیخیں گونجیں گی''...... باس نے کرخت لہجے میں کہا۔

''جو سچ تھا وہ میں نے بتا دیا ہے۔ ایک سچ تمہیں میں اور بھی بتا دوں اگر تم سننا چاہو تو''...... خاور نے کہا۔

''کون سا سچ''...... باس نے کہا۔

''وہ سچ یہ ہے کہ تم احمق آدمی ہو اور احمقانہ حرکتیں کرتے پھر رہے ہو۔ جس طرح بلیو بلڈنگ کا خفیہ راستہ تلاش کر رہے ہو۔ بھلا اس طرح ایسے راستے ملا کرتے ہیں''...... خاور نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

''شٹ اپ۔ یہ ہم بہتر جانتے ہیں کہ ہم نے کیا کیا اقدامات کرنے ہیں اور ہم جو بھی قدم اٹھاتے ہیں سوچ سمجھ کر اٹھاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہماری تنظیم ڈیتھ لائن ہمیشہ کامیاب رہتی ہے''...... باس نے غصے سے کہا۔

''اچھا۔ تو تم ڈیتھ لائن کے باس ہو۔ حیرت ہے ڈیتھ لائن کا چیف اتنا احمق ہے''...... خاور نے کہا۔

''بکواس بند کرو۔ چیف کی شان میں کوئی گستاخی کی تو تمہاری موت سے پہلے میں تمہاری زبان کاٹ دوں گا۔ ڈیتھ لائن کے چیف ڈیتھ ماسٹر ہیں اور ڈیتھ ماسٹر تم جیسے معمولی آدمیوں کے سامنے آنا بھی پسند نہیں کرتے اور اب باتوں کا وقت گزر گیا ہے۔ تمہارے پاس صرف پانچ سیکنڈ ہیں۔ ان پانچ سیکنڈوں میں اگر تم نے زبان نہ کھولی تو پھر میں اپنے طریقے سے تمہاری زبان کھلواؤں گا''...... باس نے بھیڑیئے کی مانند غراتے ہوئے کہا لیکن ظاہر سی بات ہے کہ اس کی دھمکی کا خاور نے کیا اثر لینا تھا۔ اس کے بعد باس کرسی سے اٹھا اور خاور کے قریب آ کر اس نے زور دار تھپڑ خاور کو رسید کر دیا۔ یہ تھپڑ اتنا زور دار تھا کہ خاور کا منہ مڑ گیا اور تھپڑ کی آواز پورے کمرے میں گونج کر رہ گئی۔

''بولو۔ مسٹر خاور بولو۔ اگر تم نہیں بولو گے تو تمہاری روح بولے گی۔ بتانا تو بہرحال تمہیں پڑے گا''...... باس نے چیختے ہوئے کہا تو خاور نے اسے شعلہ بار نظروں سے دیکھا۔ خاور کو فولادی زنجیر سے ستون کے ساتھ باندھا گیا تھا۔ اس لئے وہ اپنے ناخنوں میں فٹ مخصوص کیمیکل لگے بلیڈوں سے بھی کام نہیں لے سکتا تھا کہ یہ بلیڈ رسی کو کاٹ سکتے تھے فولاد کو نہیں۔ زنجیر مضبوط اتنی تھی کہ شاید اسے جوزف اور جوانا بھی نہیں توڑ سکتے تھے۔ خاور کو اس زنجیر سے رہائی کی کوئی صورت دکھائی نہیں دے رہی تھی۔

''مسٹر خاور۔ میں جانتا ہوں کہ سیکرٹ ایجنٹ ڈھیٹ مٹی سے

بنے ہوتے ہیں۔ ان کی مرضی کے خلاف ان کی زبان کھلوانا آسان نہیں ہوتا لیکن مجھے تم جیسے ڈھیٹ سیکرٹ ایجنٹوں کی زبان کھلوانے کے کئی گر آتے ہیں۔ تم ابھی فر فر بولتے نظر آؤ گے''۔ باس نے بدستور غراتے ہوئے کہا۔

''میں تمہیں پہلے ہی بتا چکا ہوں کہ میں سیکرٹ ریکارڈ روم کے کسی بھی خفیہ راستے سے واقف نہیں ہوں اور تمہیں اس خفیہ راستے ہی کی تلاش کیوں ہے۔ اگر تم نے وہاں کوئی کارروائی کرنی ہے تو تم عام راستے سے جا کر بھی کارروائی کرا سکتے ہو۔ تمہارا تعلق ڈیتھ لائن سے ہے کسی عام تنظیم سے تو نہیں ہے''...... خاور نے طنزیہ لہجے میں کہا تو باس کا چہرہ غصے سے سرخ ہوتا چلا گیا اور اس کے ساتھ ہی باس کے ہاتھ اور پاؤں حرکت میں آ گئے۔

''میں تمہاری ہڈیوں، پسلیوں کا سرمہ بنا دوں گا۔ ایڈیٹ۔ نانسنس''...... باس نے طمانچے، مکے اور ٹھوکریں مارتے ہوئے کہا۔ وہ اس قدر غصے میں آ گیا تھا کہ اس کے منہ سے کف جاری ہو گیا تھا۔ تھوڑی دیر بعد وہ تھک گیا اور ہانپنے لگا۔

''اب کیا خیال ہے تمہارا۔ بتاؤ گے''...... باس اپنا سانس بحال کرتے ہوئے بولا تو خاور مسکرانے لگا۔

''مسٹر باس۔ میں تم پر واضح کر چکا ہوں کہ میں بلیو بلڈنگ کے کسی بھی خفیہ راستے سے واقف نہیں ہوں اور اگر میں واقف ہوتا بھی تو تمہارا کیا خیال ہے میں تمہیں بتا دیتا۔ نہیں مسٹر احمق باس۔

ہرگز نہیں۔ سیکرٹ ریکارڈ روم پاکیشیا کا دل ہے اور جس طرح دل کو کوئی نقصان پہنچ جائے تو انسان زندہ نہیں رہ سکتا اسی طرح اگر سیکرٹ ریکارڈر روم کو کوئی نقصان ہوتا ہے تو پورے پاکیشیا پر اس کے بھیانک اثرات مرتب ہوں گے۔ پاکیشیا کی سلامتی خطرے میں پڑ سکتی ہے اس لئے میں کب چاہوں گا کہ تم جیسے مجرم سیکرٹ ریکارڈ روم تک پہنچیں اس لئے اگر مجھے خفیہ راستہ معلوم بھی ہوتا تو میں تمہیں کبھی نہ بتاتا۔ چاہے میرے جسم کے ہزاروں ٹکڑے کر دیئے جاتے''...... خاور نے مسلسل بولتے ہوئے کہا۔

''تم سیکرٹ ایجنٹ ہو اور تمہیں اپنی قوت برداشت اور قوت ارادی پر بھروسہ ہے لیکن میں تمہارے اس بھروسے کو پاش پاش کر دوں گا۔ تمہاری کیا جرأت کہ تم میرے سامنے زبان نہ کھولو۔ میرے سامنے تو گونگے فر فر بولنے لگتے ہیں۔ پتھروں کو زبان لگ جاتی ہے۔ تمہاری اوقات ہی کیا ہے''...... باس نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

''الیکٹرک راڈ لے آؤ۔ میں الیکٹرک راڈ سے اس کے سارے جسم میں سوراخ کر دوں گا۔ اس کی زبان نہ بولی تو اس کے جسم میں ہونے والے سوراخ ضرور بولیں گے''...... باس نے خونی لہجے میں کہا تو اس کا ایک ماتحت دیوار کی طرف بڑھا۔ اس دیوار پر تشدد کے دیگر آلات کے ساتھ ساتھ الیکٹرک راڈ بھی لٹکا ہوا تھا لیکن اس سے پہلے کہ وہ دیوار تک پہنچتا۔ اچانک ہی کمرے کا دروازہ کھلا اور

ایک نوجوان لڑکی کمرے میں داخل ہوئی۔ خاور اسے دیکھ کر چونک پڑا۔ وہ اس لڑکی کو ہزاروں میں پہچان سکتا تھا۔ یہ انجلینا تھی جس کا اس نے تعاقب کیا تھا اور اسی تعاقب کے نتیجے میں وہ اس وقت یہاں تھا۔ کمرے میں داخل ہونے کے بعد انجلینا اس کی طرف توجہ دیئے بغیر دیوار کی طرف بڑھی۔ اس دیوار میں ایک الماری تھی اس نے الماری کھولی تو الماری میں ایک سکرین دکھائی دی۔ جس پر کئی بٹن لگے ہوئے تھے۔ انجلینا نے دو بٹن پریس کئے اور پھر وہ جسم کو خم کر کے مؤدبانہ لہجے میں بولی۔

”ٹی الیون حاضرِ خدمت ہے چیف“...... اس نے دو تین بار یہ فقرہ ادا کیا تو سکرین پر ایک جھماکا ہوا اور پھر اسکرین پر بجلیاں سی چمکنے لگیں۔ بجلیوں کے چمکنے کے بعد سکرین پر ایک انتہائی سیاہ اور خوفناک چہرہ دکھائی دیا۔ اس چہرے کو دیکھتے ہی کمرے میں موجود تمام افراد مؤدب ہو گئے۔ خاور بھی سمجھ گیا کہ یہ ڈیتھ لائن کا چیف ڈیتھ ماسٹر ہے جس نے خوفناک انداز کا ماسک پہنا ہوا ہے تاکہ یہ اپنے نام کی طرح خوفناک دکھائی دے۔ اس طرح کے ماسک سے اس کی دہشت اس کے اپنے آدمیوں پر اور مخالفین پر پڑتی تھی لیکن خاور پر اس کا معمولی سا اثر بھی نہ ہوا۔

”یس رپورٹ“...... سکرین سے ایک غراتی ہوئی آواز برآمد ہوئی۔ غراہٹ درندوں کی آواز سے مشابہہ تھی۔

”چیف۔ میرا مشن کامیابی کے قریب ہے۔ آفیسر نے آج مجھے

سیکرٹ ریکارڈ روم میں لے جانا ہے۔ آج رات فائل آپ کے پاس پہنچ جائے گی“...... انجلینا، جس نے اپنا نام ٹی الیون بتایا تھا نے مؤدبانہ لہجے میں کہا۔

”گڈ۔ آج وہ فائل میرے پاس پہنچ جانی چاہئے۔ تمہاری پہلی کوتاہی کو معاف اس لئے کیا گیا تھا کہ تم یہ فائل حاصل کرو گی ورنہ عمران کو اپنے پیچھے لگانے کی سزا صرف عبرتناک موت ہی ہو سکتی تھی“...... چیف کی سرد اور غراتی ہوئی آواز سنائی دی تو ٹی الیون کے جسم میں کپکپی سی پیدا ہو گئی۔

”آپ گریٹ ہیں چیف۔ آپ نے میری ایک کوتاہی معاف کر کے مجھ پر احسان کیا اور مجھے خدمت کا ایک اور موقع عطا کیا۔ اب مجھ سے کوئی کوتاہی نہیں ہو گی۔ فائل بہرحال آج رات آپ تک پہنچ جائے گی“...... ٹی الیون نے بدستور مؤدبانہ لہجے میں کہا۔

”اوکے۔ اب تم جا سکتی ہو“...... ڈیتھ ماسٹر نے سرد لہجے میں کہا تو ٹی الیون نے ایک بار پھر سر جھکایا اور اس کے بعد وہ دروازے کی طرف بڑھی۔ دروازے کی طرف جاتے ہوئے اس نے خاور کی طرف دیکھا اور اس کے ہونٹوں پر ایک طنزیہ مسکراہٹ آ گئی۔ اس نے شرارتاً ایک آنکھ کو دبایا اور پھر وہ دروازے سے نکلتی چلی گئی۔ ٹی الیون کے کمرے سے چلے جانے کے بعد باس مؤدبانہ انداز میں سکرین کے قریب پہنچا۔

”چیف۔ میرے لئے کیا حکم ہے“...... اس نے بھی پہلے سر کو

جھکایا اور پھر مؤدبانہ لہجے میں بولا۔

’’اگر تمہیں یہ ایجنٹ کچھ معلومات دے سکتا ہے تو اس سے معلومات نکلوا لو ورنہ اسے ٹھکانے لگا دو‘‘...... ڈیتھ ماسٹر نے اپنی مخصوص غراتی ہوئی آواز میں کہا۔

’’اوکے چیف۔ آپ کے حکم کی حرف بہ حرف تعمیل ہو گی‘‘۔ باس نے مؤدبانہ لہجے میں کہا۔

جیسے ہی باس کا جملہ مکمل ہوا سکرین پر جھماکا ہوا اور پھر سکرین تاریک ہو گئی۔ باس نے ایک طویل سانس لیا اور پھر اس نے الماری بند کر دی اور پھر وہ خاور کے قریب آ کر اسے خونی نظروں سے دیکھنے لگا۔

’’تم نے سن لیا ہو گا مسٹر خاور۔ چیف نے تمہارے لئے حکم دیا ہے کہ میں تمہیں ٹھکانے لگا دوں‘‘...... باس نے کہا۔

’’میں نے تمہارا کیا بگاڑا ہے کہ تم مجھے ٹھکانے لگاؤ گے۔ تمہارے سوال کا جواب میرے پاس ہے ہی نہیں اور ویسے بھی تمہاری ساتھی انجلینا سیکرٹ ریکارڈ روم تک پہنچنے والی ہے۔ تمہارا مشن مکمل ہونے والا ہے پھر مجھ کو تشدد کرنے یا مجھے ہلاک کرنے سے تمہیں کیا فائدہ حاصل ہو گا‘‘...... خاور نے کہا۔

’’اگر تم موت سے بچنا چاہتے ہو تو پھر میرے سوال کا جواب دو‘‘...... باس نے کرخت لہجے میں کہا۔

’’اب میں کتنی بار تم سے کہوں کہ میں بلیو بلڈنگ کے کسی خفیہ

راستے سے واقف نہیں ہوں۔ کہو تو اسٹامپ پیپر پر لکھ کر دے دوں‘‘۔ خاور نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

’’شٹ اپ۔ میں نے کہا تھا کہ مجھ سے طنزیہ لہجے میں بات نہ کرنا‘‘...... باس نے انتہائی درشت لہجے میں کہا اور اس کے ساتھ ہی اس نے خاور کے منہ پر تھپڑ رسید کر دیا۔ اس تھپڑ سے بھی خاور کا منہ پھر گیا اور اس کا ہونٹ پھٹ گیا جہاں سے خون کے چند قطرے نکل آئے۔ اس کے بعد باس نے ایک ہاتھ آگے بڑھایا۔ اس کا آدمی الیکٹرک راڈ دیوار سے اتار لایا تھا اور اس نے تار بجلی کے بورڈ میں بھی لگا دی تھی۔ راڈ سرخ ہو چکا تھا۔

’’تمہاری چیخیں اور تمہارے جلتے ہوئے گوشت کی بو میرے دل و دماغ پر بہت اچھا اثر ڈالے گا۔ کیونکہ ایسے موقعوں پر میں دلی سکون محسوس کرتا ہوں‘‘...... باس نے زہریلے انداز میں مسکراتے ہوئے کہا اور پھر اس نے خاور کے گریبان میں ہاتھ ڈال کر قمیض کو ایک جھٹکا دیا تو خاور کی قمیض پھٹتی چلی گئی۔ باس کے چہرے پر زہریلی مسکراہٹ ابھری اور اس نے راڈ خاور کے سینے کی طرف بڑھایا لیکن اگلے ہی لمحے باس کی چیخ بلند ہوئی اور وہ اڑتا ہوا دور جا گرا جبکہ الیکٹرک راڈ اس کے ہاتھ سے نکل کر اس کے ایک ماتحت کے منہ سے جا ٹکرایا۔ اس کے ماتحت کی بھی چیخ بلند ہوئی اور ساتھ ہی گوشت جلنے کی سرانڈ بھی محسوس ہوئی۔ الیکٹرک راڈ نے ایک سیکنڈ سے بھی کم وقت میں اس آدمی کا چہرہ جلا دیا تھا۔

خاور کے جسم کا اوپر والا حصہ اور بازو تو زنجیروں میں جکڑے ہوئے تھے لیکن اس کی ٹانگیں آزاد تھیں۔ اس لئے جیسے ہی باس نے خاور کو الیکٹرک راڈ لگانا چاہا خاور نے اس کے سینے میں ٹھوکر رسید کر دی جس کے نتیجے مین وہ اڑتا ہوا دور جا گرا تھا۔ باس اور الیکٹرک راڈ سے زخمی ہونے والا آدمی دونوں ہی خاور کو شعلہ بار نظروں سے دیکھنے لگے۔ باس کی آنکھوں سے تو باقاعدہ غضب کی چنگاریاں سی نکل رہی تھیں۔

''اب تم نے خود اپنی موت کو آواز دے دی ہے۔ میں تو تم سے کافی رعایت کرنا چاہتا تھا''...... باس نے غیظ و غضب میں پھنکارتے ہوئے کہا۔ پھر اس نے جیب میں ہاتھ ڈالا اور جب اس کا ہاتھ جیب سے باہر آیا تو اس کے ہاتھ میں ریوالور تھا۔ اس نے ریوالور کا رخ خاور کی طرف کیا اور یکے بعد دیگرے ٹریگر دباتا چلا گیا۔ کمرہ دھماکوں سے گونج اٹھا اور خاور کا بندھا ہوا جسم جھٹکے کھانے لگا۔

عمران کا سر کار کی چھت سے ٹکرایا تو اسے یوں محسوس ہوا جیسے اس کے سر پر کسی نے ہتھوڑا مار دیا ہو۔ چھت سے ٹکرانے کے بعد وہ سیٹ پر آ گرا اور اس کے فوراً ہی بعد وہ ایک بار پھر کار کی چھت سے ٹکرایا۔ کار قلابازیاں کھا رہی تھی اور وہ کار کی چھت اور سیٹ کے درمیان فٹ بال بن گیا تھا۔ اس کے حواس بار بار معطل ہو رہے تھے لیکن وہ اپنی قوت ارادی کے بل بوتے پر اپنے حواس کو قابو کئے ہوئے تھا۔ وہ جانتا تھا کہ ہوش میں رہ کر ہی وہ اپنی جان بچانے کی کوشش کر سکتا ہے۔ بے ہوشی کی صورت میں تو موت یقینی تھی۔ کار فٹ بال کی مانند اچھلتی، کودتی ہوئی نیچے گر رہی تھی۔ نیچے گرتے ہوئے وہ پتھروں سے ٹکرا رہی تھی اور پتھروں سے ٹکرانے کی وجہ سے دھماکے ہو رہے تھے۔ گزرنے والی ہر ساعت عمران کو موت کے منہ میں ہی دھکیل رہی تھی۔ پھر ایک زور دار چھپاکا ہوا اور کار کی حرکت بند ہو گئی۔ عمران نے خود کو سنبھالا اور پھر کار کے

بلٹ پروف شیشوں سے باہر دیکھا۔ کار پانی میں ہچکولے کھا رہی تھی اور بتدریج ڈوب رہی تھی۔

پہاڑوں سے جھرنوں اور نالوں کی صورت میں بہنے والا پانی نیچے دریا کی مانند بہہ رہا تھا۔ اس پانی کا بہاؤ بہت تیز تھا۔ اگر کار مکمل طور پر اس میں ڈوب جاتی تو پھر عمران کا اس میں سے زندہ نکلنا مشکل تھا۔ اس لئے عمران نے کار کا جائزہ لیا۔ کار کی حالت بہت خراب ہو چکی تھی۔ اس کی باڈی بری طرح پچک گئی تھی۔ بونٹ کا نام و نشان تک مٹ گیا تھا اور چونکہ کار کے شیشے بلٹ پروف تھے اس لئے عمران بچ گیا تھا ورنہ اس کا حشر بھی ویسا ہی ہونا تھا جیسا کار کی باڈی کا ہوا تھا۔

عمران ابھی جائزہ ہی لے رہا تھا کہ اسے اپنے اردگرد پانی کا احساس ہوا۔ وہ فوراً ہی چونکا۔ پانی کار کے اندر داخل ہو گیا تھا۔ عمران نے کار کے دروازے کو توڑنے کے لئے جو فائرنگ کی تھی اس سے لاک میں اور دروازے میں سوراخ ہو گئے تھے۔ لاک میں سوراخ ہوتے ہی کار گہری کھائی میں گر گئی تھی اور عمران کو لاک ٹوٹنے کے بعد دروازہ کھولنے کا موقع ہی نہیں ملا تھا۔ اب پانی کو ان سوراخوں سے اندر آتے دیکھ کر اس نے دروازہ کھولنا چاہا لیکن دروازہ اب بھی نہ کھلا تو عمران کی نظر باہر گئی۔ کار پانی میں پڑے ہوئے ایک بہت بڑے پتھر سے چپکی ہوئی تھی۔ یہ پتھر یقیناً کئی ٹن وزنی تھا۔ اب جب تک کار اس سے دور نہ ہو جاتی۔ کار کا دروازہ

نہیں کھل سکتا تھا۔ عمران کے لئے سب سے بڑا مسئلہ کار سے نکلنا تھا اور اس کا ذہن مسلسل یہی سوچ رہا تھا کہ کیسے کار سے باہر نکلا جائے۔ پھر وہ چونکا۔ اس نے اپنے ریوالور کو تلاش کیا۔ جلد ہی اسے ریوالور مل گیا۔ اس نے ریوالور کی نال دوسرے دروازے کے لاک پر رکھ کر ٹریگر دبانا چاہا لیکن ریوالور پانی میں بری طرح بھیگ چکا تھا۔ اس لئے اب اس سے فائر نہ ہوا۔

''اگر یہ ریوالور واٹر پروف ہوتا تو کتنی اچھی بات تھی''۔ عمران نے بڑبڑاتے ہوئے اپنے آپ سے کہا۔ اس نے ریوالور وہیں پھینکا اور اپنی جیبوں کی تلاشی لینے لگا۔ اچانک اس کے ہاتھ میں ایک ڈبیہ آ گئی اور اس کی آنکھیں چمکنے لگیں۔ عمران نے وہ ڈبیہ نکال لی۔ پھر اس نے اسے کھول کر اس میں سے ایک سلاخ باہر نکال لی۔ سلاخ کا سرا لائٹر کی مانند تھا۔ لائٹر کے اوپر تین انچ کا خنجر کا پھل نظر آ رہا تھا۔ ڈبیہ کے اندر اور باہر ایک ایک بٹن لگا ہوا تھا۔ عمران نے باہر والا بٹن پریس کیا تو صرف تین چار سیکنڈ بعد خنجر کا پھل انتہائی سرخ ہو گیا۔ جیسے ہی خنجر سرخ ہوا عمران نے ڈبیہ کے اندر والا بٹن بھی پریس کیا اور پھر وہ کار کی چھت کی طرف متوجہ ہوا۔ چھت پتھروں سے ٹکرانے کی وجہ سے انتہائی خستہ ہو چکی تھی۔ عمران نے وہ خنجر کار کی چھت پر ایک جگہ رکھا اور زور لگانے لگا۔ تھوڑی ہی دیر میں وہ سرخ خنجر باڈی میں داخل ہو گیا۔ لوہے کی چھت آہستہ آہستہ کٹنے لگی۔ تقریباً پندرہ منٹ کی جدوجہد کے بعد

چھت کا ایک چوکور حصہ کٹ چکا تھا۔ پھر اچانک ہی عمران کو ایک زور دار جھٹکا لگا اور پانی کا ایک ریلا طوفانی رفتار سے کار میں داخل ہو گیا جبکہ کٹ جانے والا چوکور ٹکرا پانی میں کہیں جا گرا۔ کار پانی سے بھر گئی۔ عمران اب فوری طور پر اس پانی سے باہر نکلنا چاہتا تھا۔ عمران نے ڈبیہ پر لگائے بٹن پریس کئے اور پھر ڈبیہ واپس جیب میں رکھ لی۔ عمران اب ایک لمحہ بھی ضائع نہیں کرنا چاہتا تھا۔ کار کے پانی سے بھر جانے کی وجہ سے عمران نے اپنا سانس روکا ہوا تھا۔ اس نے اپنے دونوں ہاتھ چھت کے کٹے ہوئے حصے پر جمائے اور پھر اس کا جسم بلند ہوتا چلا گیا۔ وہ پلک جھپکتے ہی کٹے ہوئے چوکور حصے میں سے کار کی چھت پر پہنچ گیا۔ پانی کا بہاؤ بہت ہی تیز تھا اور عمران کو کار کی چھت پر قدم جمانا مشکل ہو رہا تھا۔ اس لئے اس نے تیرنا شروع کر دیا۔ تھوڑی دیر تیرنے کے بعد عمران نے پانی میں سے سر باہر نکالا اور اردگرد کا جائزہ لیا۔ سڑک بہت اوپر تھی۔ پانی کئی جگہوں سے پہاڑوں کی چوٹیوں سے گرتا، شور مچاتا ہوا دریا میں گر رہا تھا۔ یہ پانی چونکہ انتہائی یخ بستہ تھا اس لئے عمران کا جسم سن ہو رہا تھا۔ عمران فوراً ہی دریا کے کنارے پر آ گیا اور پھر پتھروں پر مضبوطی سے قدم جماتا ہوا دریا سے باہر نکل آیا۔ وہ دریا کے کنارے کنارے چلنے لگا۔ کنارے سے چند قدموں کے فاصلے پر بلند بالا پہاڑوں کا سلسلہ تاحد نظر پھیلا ہوا تھا۔ عمران نے اب ان پہاڑوں میں سے ہی راستہ تلاش کرنا تھا اور سڑک تک

پہنچنا تھا۔ تھوڑی سی تلاش کے بعد عمران کو پہاڑ کا ایک قدرتی راستہ نظر آ گیا۔ وہ اس راستے پر چلتے ہوئے پہاڑ کے اوپر چڑھنے لگا۔ وہ تھوڑی دور ہی چلا تھا کہ اچانک چونک اٹھا۔ اسے ہیلی کاپٹر کی آواز سنائی دی تھی اس نے اپنے قدم تیز کئے اور ایک چوڑے پتھر پر پہنچ کر رک گیا پھر اس نے اردگرد کا جائزہ لیا تو اسے دور ایک جگہ پر ہیلی کاپٹر اترتا ہوا نظر آیا۔ عمران نے غور سے ہیلی کاپٹر کو دیکھا۔ ہیلی کاپٹر پر کہیں بھی پاکیشیا کا نشان نہیں بنا ہوا تھا جس کا مطلب تھا کہ یہ پاکیشیا کا سرکاری ہیلی کاپٹر نہیں تھا۔ اس پر کسی ادارے یا کمپنی کا مونوگرام بھی دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ عمران جس پتھر پر موجود تھا اس سے چند قدم کے فاصلے پر ایک اور ابھرا ہوا پتھر موجود تھا۔ عمران اس پتھر کی اوٹ میں ہو کر ہیلی کاپٹر کو دیکھنے لگا۔ اس کے دیکھتے ہی دیکھتے ہیلی کاپٹر ایک مسطح چٹان پر اترا اور اس میں سے چار آدمی نیچے کودے۔ ان آدمیوں کو دیکھ کر عمران ایک بار پھر چونک پڑا کیونکہ وہ چاروں مشین گنوں سے مسلح تھے اور انہوں نے غوطہ خوری کے لباس پہنے ہوئے تھے۔ ہیلی کاپٹر سے نیچے اترنے کے بعد وہ نہایت احتیاط سے چلتے ہوئے اس طرف بڑھنے لگے جس طرف عمران کی کار پانی میں ڈوبی ہوئی تھی۔

عمران نے چاروں طرف کا جائزہ لیا۔ چند لمحوں کے لئے کچھ سوچا اور پھر وہ پتھروں کی اوٹ لیتا ہوا ہیلی کاپٹر کی جانب بڑھنے لگا۔ ایک طویل چکر کاٹ کر وہ ہیلی کاپٹر کے عقب میں پہنچ گیا۔

ہیلی کاپٹر میں اس وقت بھی دو آدمی بیٹھے ہوئے تھے جو کافی چوکس دکھائی دے رہے تھے۔ عمران ان آدمیوں کا انتظار کرنے لگا جو ڈوبی ہوئی کار کی طرف گئے تھے اور اسے زیادہ انتظار نہ کرنا پڑا۔ عمران جو کہ ایک چٹان کے پیچھے چھپا ہوا تھا، کو باتوں کی آواز سنائی دی۔

''اب باس کو کیا رپورٹ دیں۔ صحیح رپورٹ دینے سے کہیں باس غصے میں ہی نہ آ جائے''...... عمران نے ایک آدمی کی آواز سنی۔

''غلط رپورٹ بھی تو نہیں دے سکتے۔ رپورٹ غلط ثابت ہونے پر گولی مار دی جاتی ہے''...... ایک اور آواز سنائی دی۔ عمران نے چٹان کے پیچھے سے انہیں دیکھا۔ وہ ایسے زاویہ پر تھا کہ وہ تو ان چاروں کو دیکھ سکتا تھا لیکن وہ چاروں اسے نہیں دیکھتے سکتے تھے۔ ان چاروں میں سے ایک آدمی نے ایک بریف کیس بھی اٹھایا ہوا تھا۔ وہ آپس میں باتیں کرتے کرتے بے فکری سے ہیلی کاپٹر کی طرف بڑھ رہے تھے۔

''معلوم نہیں۔ عمران کیسے بچ نکلا ہے اس کے بچ نکلنے پر شامت ہماری ہی آنی ہے''...... ایک اور آدمی نے کہا۔ وہ اس چٹان سے آگے بڑھ گئے تھے جس کے پیچھے عمران چھپا ہوا تھا۔ عمران نے صرف ایک لمحے کے لئے کچھ سوچا اور پھر اچانک ہی وہ عقاب کی مانند اچھلا اور اڑتا ہوا ان چاروں پر آ گرا۔ وہ چاروں

اس حملے کے لئے تیار نہ تھے۔ ان کے تو وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ اس ویران و سنسان اور سنگلاخ چٹانوں کے درمیان ان پر کوئی مصیبت بھی آ سکتی تھی لہٰذا وہ چاروں ہی پتھریلی زمین پر گرتے چلے گئے۔ عمران نے پلک جھپکتے ہی ایک آدمی سے مشین گن چھینی اور پھر پہاڑیاں فائرنگ کی تیز آواز سے گونج اٹھیں۔ اس فائرنگ کی آواز میں چار انسانی چیخوں کی آوازیں بھی شامل ہو گئیں۔ وہ چاروں چٹانوں پر مرغ بسمل کی طرح تڑپنے لگے۔ اسی لمحے عمران پر بھی فائرنگ ہوئی۔ یہ فائرنگ ہیلی کاپٹر میں بیٹھے ہوئے آدمیوں نے کی تھی اور چونکہ عمران کو ان کی طرف سے اس حملے کی توقع تھی اس لئے وہ ان کی طرف سے چوکنا تھا۔ اس لئے جیسے ہی یہ فائرنگ ہوئی اس نے فضا میں غوطہ لگا دیا۔ اسی لمحے ہیلی کاپٹر سے ایک آدمی نے نیچے چھلانگ لگائی اور اس کے ساتھ ہی ہیلی کاپٹر کے پر بھی حرکت میں آ گئے۔ نیچے چھلانگ لگانے والا آدمی مشن گن سے فائرنگ کرتا ہوا اس طرف بھاگا جہاں بریف کیس گرا ہوا تھا۔ اس نے انتہائی تیزی اور پھرتی کے ساتھ بریف کیس اٹھایا اور واپس ہیلی کاپٹر کی طرف دوڑا۔ وہ دوڑ بھی رہا تھا اور مشین گن سے فائرنگ بھی کر رہا تھا۔ ہیلی کاپٹر کے قریب پہنچ کر اس نے جمپ لگایا لیکن اس سے پہلے کہ وہ ہیلی کاپٹر کے اندر پہنچتا عمران نے اس پر فائر کھول دیا۔ درجنوں گولیاں اس کی گردن کے آر پار ہو گئیں۔ اس کی کربناک چیخ سے پہاڑیاں ایک بار پھر گونج

اٹھیں۔ وہ بریف کیس سمیت نیچے گرا اور تڑپنے لگا جبکہ ہیلی کاپٹر بلند ہو گیا۔ عمران اب ہیلی کاپٹر کو بھی واپس نہیں جانے دینا چاہتا تھا۔ اس نے مشین گن کا رخ ہیلی کاپٹر کی طرف کر کے ٹریگر دبا دیا۔ درجنوں گولیاں ہیلی کاپٹر کے شیشے کو توڑتی ہوئیں پائلٹ کو جا لگیں۔ ہیلی کاپٹر کی آواز کافی تیز تھی لیکن پائلٹ کی چیخ اس سے بھی زیادہ تیز تھی۔ اس کی چیخ کے ساتھ ہی ہیلی کاپٹر ڈگمگایا، لہرایا اور پھر ایک طرف گرتا چلا گیا۔ اگلے لمحے ایک ہولناک ساعت شکن دھماکا ہوا۔ یہ دھماکا اس قدر شدید تھا کہ پہاڑیاں تک لرز اٹھیں۔ ہیلی کاپٹر کے چٹان سے ٹکرانے کے بعد اس کے شعلوں میں ڈوبے ہوئے ٹکڑے دور دور گرتے ہوئے دکھائی دیئے۔

عمران نے بریف کیس کی طرف دیکھا جو ایک آدمی کی لاش کے نیچے دبا ہوا تھا۔ عمران بریف کیس کی طرف بڑھا۔ اس نے لاش کے نیچے سے بریف کیس کھینچ لیا۔ بریف کیس بالکل نیا، خوبصورت اور مضبوط تھا۔ معائنے پر عمران کو محسوس ہو گیا کہ یہ بریف کیس واٹر پروف اور فائر پروف ہے۔ بریف کیس کے معائنے کے بعد عمران نے اس کے تالے کا بھی معائنہ کیا۔ تالا بھی جدید ساخت کا تھا لیکن تالا کیسا ہی کیوں نہ ہو اسے کھولنا عمران اور اس کے ساتھیوں کے لئے کوئی مسئلہ نہیں تھا۔ عمران نے اپنی جیبوں میں ہاتھ ڈالا اور پھر ''ماسٹر کی'' کی موجودگی کو محسوس کر کے مطمئن انداز میں سر ہلانے لگا۔ عمران نے ماسٹر کی نکالی اور پھر اس

نے ''کی'' بریف کیس کے تالے میں ڈالی اور اسے مخصوص انداز میں گھمانے لگا۔ تھوڑی سی کوشش کے بعد ہلکی سی کھٹک کی آواز سنائی دی اور تالا کھل گیا۔ عمران نے بریف کیس کھولا اور اس کا جائزہ لینا ہی چاہتا تھا کہ بریف کیس کے ایک کونے میں سے ایک لمبا سا راڈ نکل آیا پھر اس سے پہلے کہ عمران چونکتا اس راڈ میں سے کئی سوئیاں نکلیں اور عمران کے سینے میں آ لگیں۔ عمران نے ان سے خود کو بچانے کی شعوری اور لاشعوری کوشش کی لیکن وہ ناکام رہا۔

عمران اپنے سینے کی طرف دیکھ ہی رہا تھا کہ بے اختیار اس کے منہ سے چیخ نکل گئی کیونکہ اسے ایسا محسوس ہوا تھا جیسے یکدم ہی اس کے بدن میں آگ بھڑک اٹھی ہو۔ عمران کا چہرہ یکدم ہی آگ کی مانند سرخ ہوتا چلا گیا۔ ایک دو سیکنڈ بعد ہی اس کی پیشانی کی رنگت نیلی ہونے لگی اور اس کے ہاتھوں کی رگیں پھولنے لگیں۔ اس کا تمام چہرہ اور جسم پسینے میں شرابور ہو گیا۔ اس کے منہ سے ایک خوفناک غراہٹ نکلی اور یکدم ہی اس کی آنکھوں سے بے بسی جھلکنے لگی۔ عمران نے اپنی جگہ سے اٹھنے کی کوشش کی تو تھوڑی سی کوشش کے بعد وہ کھڑا ہو گیا لیکن کھڑے ہوتے ہی اس کی ٹانگوں میں لرزہ طاری ہو گیا۔ اس کی ٹانگیں اس کا وزن سہارنے سے قاصر ہو رہی تھیں۔ وہ لڑکھڑایا اور پھر پتھریلی زمین پر گرتا چلا گیا۔ گرتے ہی اس کا جسم کانپا، متعدد بار تڑپا اور پھر ساکت ہو گیا۔

بلیک زیرو آپریشن روم میں اپنی مخصوص کرسی پر بیٹھا ہوا تھا۔ اس کے سامنے ٹی وی آن تھا۔ ٹی وی پر ایکریمیا کے تباہ شدہ علاقے دکھائے جا رہے تھے۔ ڈاکٹر بلیک کی بربریت سے جو لوگ ہلاک ہو گئے تھے وہ الگ تھے لیکن جو لوگ زخمی ہوئے تھے وہ موت سے بھی بدتر زندگی گزار رہے تھے۔ تابکاری اثرات نے ان کی زندگیوں کو جہنم بنا دیا تھا۔ ان زخمی افراد میں سے جو ہوش میں تھے وہ التجائیں کر رہے تھے کہ انہیں زہر کا ٹیکہ لگا کر اس عذاب سے نجات دلا دی جائے۔ انسانوں کے کٹے پھٹے اعضا دیکھ کر جسم میں ایک جھرجھری سی پیدا ہوتی تھی۔ کئی افراد کے چہرے زخمی ہو کر اس قدر بھیانک ہو گئے تھے کہ انہیں دیکھنے والا خوف کا شکار ہو جاتا تھا۔ ایکریمیا کے ساتھ ساتھ باچان میں بھی یہی صورت حال تھی۔

جب سے ڈاکٹر بلیک کا نام دنیا کے سامنے آیا تھا دنیا پر گویا ایک نحوست سی چھا گئی تھی۔ دنیا بھر کے لوگ ہر وقت خوفزدہ اور

سہمے ہوئے رہتے تھے۔ کئی کمزور دل افراد تو راتوں کو چیخیں مار کر اٹھ بیٹھتے تھے کیونکہ خواب میں انہیں ڈاکٹر بلیک دکھائی دیتا تھا۔ میڈیا، ایکریمیا اور باچان کے مناظر دکھا رہا تھا۔ ان مناظر کو دیکھ کر دل کے کئی مریض اپنی زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھے تھے کیونکہ ڈاکٹر بلیک نے پاکیشیا کو بھی دھمکی دی ہوئی تھی اور اس کی لسٹ میں سرسلطان کا نام بھی شامل تھا اس لئے پاکیشیا میں بھی سرکاری سطح پر میٹنگز ہو رہی تھیں۔ سرسلطان کی حفاظت کے پلان تیار کئے جا رہے تھے۔ کئی شخصیات سرسلطان کے لئے پریشان تھیں لیکن سرسلطان پریشان نہیں تھے۔ بلیک زیرو بھی ٹی وی دیکھنے کے ساتھ ساتھ سرسلطان کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ سرسلطان ان دنوں دو عالمی مجرموں کے نشانے پر تھے۔ ڈاکٹر بلیک کی کارکردگی تو دنیا بھر کے سامنے آ چکی تھی۔ ڈیتھ لائن بھی کم خطرناک نہیں تھی۔ ڈیتھ لائن ان دنوں پاکیشیا میں تھی۔ خاور ڈیتھ لائن کے ایجنٹوں کے تعاقب میں گیا تھا اور پھر اس کی طرف سے کوئی رپورٹ نہیں آئی تھی۔ اس کا مخصوص سیل فون سیٹ بھی آف تھا۔ جس کا واحد مطلب یہی تھا کہ خاور کسی مشکل میں پھنس چکا ہے۔ بلیک زیرو نے جولیا کو ہدایت کر دی تھی کہ وہ ممبران سے کہہ دے کہ تمام ممبران، ڈیتھ لائن کے ایجنٹوں اور خاور کو ٹریس کریں۔ سیکرٹ سروس کے تمام ممبران اس کی ہدایت پر عمل کر رہے تھے لیکن ابھی کسی طرف سے کوئی مثبت رپورٹ نہیں آئی تھی۔ عمران بھی سرسلطان سے ملنے

گیا تھا اور ابھی تک واپس نہیں آیا تھا۔ عمران کا خیال آتے ہی بلیک زیرو نے بے اختیار وال کلاک کی طرف دیکھا۔ عمران کو گئے ہوئے بہت وقت ہو گیا تھا۔ وہ وال کلاک کی طرف دیکھ ہی رہا تھا کہ ٹیلی فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ وہ چونکا اور پھر اس نے رسیور کی طرف ہاتھ بڑھایا

''ایکسٹو''...... بلیک زیرو نے رسیور اٹھا کر کان سے لگایا اور مخصوص لہجے میں بولا۔

''طاہر صاحب۔ میں جوزف بول رہا ہوں''...... دوسری طرف سے جوزف کی تیز آواز سنائی دی۔

''جوزف۔ کیا ہوا ہے۔ یہ تم کس طرح سے بول رہے ہو''۔ بلیک زیرو نے کچھ سخت لہجے میں کہا۔

''طاہر صاحب۔ مجھے ابھی ابھی فادر جوشوا نے خبر دی ہے کہ باس کے سر پر باکھی جھیل کی بدروح منڈلا رہی ہے اور جب کسی کے سر پر باکھی جھیل کی روح منڈلاتی ہے تو اس کا بچنا ناممکن ہوتا ہے۔ موت اسے اپنا مہمان بنا کر لے جاتی ہے''...... دوسری طرف سے جوزف کی گھبرائی ہوئی آواز سنائی دی تو بلیک زیرو حیران ہو گیا۔

''یہ تم کیا کہہ رہے ہو جوزف۔ کہیں تم نے دوبارہ شراب پینا تو شروع نہیں کر دی''...... بلیک زیرو نے کہا۔

''طاہر صاحب۔ باتوں میں وقت ضائع مت کریں۔ ہم نے

باس کو موت کے جبڑے سے کھینچنا ہے۔ اگر ہمیں تاخیر ہو گئی تو پھر موت کا اژدھا باس کو نگل جائے گا۔ میں آندھی کی رفتار سے دانش منزل آ رہا ہوں۔ آپ پلیز دانش منزل کے ہیلی پیڈ پر پہنچ جائیں۔ ہم نے ہیلی کاپٹر میں جانا ہے''...... دوسری طرف سے جوزف نے ایک بار پھر تیز لہجے میں کہا اور پھر کال منقطع ہو گئی جبکہ بلیک زیرو ہیلو ہیلو کرتا رہ گیا۔ پھر بلیک زیرو نے جبڑے بھینچے، کریڈل پر انگلی رکھ کر ہٹائی اور اس کے بعد تیزی سے عمران کے نمبر پریس کرنے لگا۔ جیسے ہی نمبرز مکمل ہوئے کمپیوٹر نے بتا دیا کہ نمبر آف ہے۔ پھر اس سے پہلے کہ بلیک زیرو کچھ سوچتا بیل کی ہلکی مگر مترنم آواز سنائی دینے لگی۔ بلیک زیرو نے کمپیوٹر کی بورڈ کے دو بٹن پریس کئے تو دانش منزل کا گیٹ کھلتا چلا گیا اور زوں کی آواز کے ساتھ جوزف کی جہازی سائز کار اندر داخل ہو گئی۔ کار ایک جھٹکے سے رکی اور جوزف کار سے نیچے اتر کر آپریشن روم کی طرف دوڑا۔ وہ ایک سیکنڈ سے بھی کم وقت میں آپریشن روم میں پہنچ گیا۔

''طاہر صاحب۔ میں نے تم سے کہا تھا کہ ہیلی پیڈ پر پہنچو اور تم ابھی تک آپریشن روم میں بیٹھے ہو''...... جوزف نے درشت لہجے میں کہا تو بلیک زیرو نے چونک کر اس کے چہرے کی طرف دیکھا۔ اس کا سیاہ چہرہ اور زیادہ سیاہ ہو گیا تھا۔ اس کے چہرے پر وحشت پھیلی ہوئی تھی۔ جوزف نے بلیک زیرو سے کبھی بھی اس لہجے میں بات نہیں کی تھی۔ وہ جس طرح عمران کا احترام کرتا تھا اسی طرح

بلیک زیرو کا احترام کرتا تھا لیکن آج نجانے اسے کیا ہو گیا تھا۔

''جوزف۔ کیا ہو گیا ہے تمہیں۔ تمہیں معلوم ہے کہ تم کس سے بات کر رہے ہو''...... بلیک زیرو نے غصے سے کہا۔

''اگر باس کو کچھ ہو گیا تو میں پوری دنیا کو آگ لگا دوں گا۔ اس دنیا کا ایک آدمی بھی زندہ نہیں بچے گا''...... جوزف نے کہا۔ اس کے لہجے میں درجنوں درندوں کی غراہٹ شامل تھی۔ یہ کہہ کر وہ مڑا۔

''طاہر صاحب۔ اگر تم نہیں جانا چاہتے تو نہ جاؤ۔ میں جا رہا ہوں''...... جوزف نے مڑتے ہوئے کہا اور وہ جس رفتار سے آپریشن روم میں آیا تھا اسی رفتار سے باہر کی طرف بھاگا۔

لازماً کوئی ایسی بات تھی جو جوزف کی یہ حالت ہو گئی تھی۔ وہ اس وقت کسی پاگل درندے کی طرح دکھائی دے رہا تھا۔ بلیک زیرو جانتا تھا کہ جوزف کا عمران سے روحانی تعلق تھا۔ کئی موقعوں پر وہ ناقابل یقین باتیں کہہ چکا تھا۔ وہ اس کے فادر جوشوا کے بارے میں بھی جانتا تھا۔ اس لئے جیسے ہی جوزف دروازے کی طرف دوڑا بلیک زیرو بھی اس کے پیچھے دوڑا۔ دونوں طوفانی رفتار سے دوڑتے ہوئے چند سیکنڈوں میں ہی دانش منزل کے ہیلی پیڈ تک پہنچ گئے۔ پھر ایک لمحہ بھی ضائع کئے بغیر وہ دونوں ہیلی کاپٹر میں سوار ہو چکے تھے اور ہیلی کاپٹر بلند ہو رہا تھا۔

''کس طرف جانا ہے''...... بلیک زیرو نے کہا۔

''شالا بار پہاڑی سلسلے کی طرف لیکن ہیلی کاپٹر کو تیز سے تیز اڑائیں طاہر صاحب۔ گاڈ باس کی حفاظت کرے''...... جوزف نے کہا تو بلیک زیرو نے اثبات کے انداز میں سر ہلایا۔ اس نے ہیلی کاپٹر کا رخ شالا بار پہاڑی سلسلے کی طرف کر دیا اور اس کے ساتھ ہی اس نے اپنے سیل فون سے عمران کے سیل فون پر کال دی لیکن عمران کا سیل فون بدستور آف تھا۔

''جوزف۔ اب تو بتا دو کیا ہوا ہے عمران صاحب کو''...... بلیک زیرو نے سنجیدہ لہجے میں کہا۔

''طاہر صاحب۔ میں نے بتایا تو ہے کہ باس پر باکھی جھیل کی روح منڈلا رہی ہے اور باس بے بس ہو چکا ہے اور موت بلی کی مانند قدم بہ قدم اس کی طرف بڑھ رہی ہے''......جوزف نے کہا۔ جوزف کی باتیں بلیک زیرو کو سمجھ نہیں آ رہی تھیں۔

''جوزف۔ شالا بار کا پہاڑی سلسلہ تو بہت وسیع ہے۔ ہم عمران صاحب کو کہاں تلاش کریں گے''...... بلیک زیرو نے کہا۔

''مجھے فادر جوشوا نے تصور میں وہ جگہ دکھائی ہے۔ طاہر صاحب۔ تم ہیلی کاپٹر کا کنٹرول مجھے دے دو''...... جوزف نے کہا۔

''اوکے۔ مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے''...... بلیک زیرو نے کاندھے اچکاتے ہوئے کہا۔ تھوڑی ہی دیر میں ہیلی کاپٹر شالا بار پہاڑی سلسلے میں پہنچ گیا اور پھر نصف منٹ بعد جوزف نے ہیلی کاپٹر پہاڑوں کے درمیان ایک مسطح جگہ پر اتار دیا۔ جونہی بلیک

زیرو کی نظر نیچے گئی وہ بری طرح چونک پڑا۔ اس نے ایک جگہ عمران کو ساکت پڑے ہوئے دیکھ لیا۔ وہاں قریب اور آدمیوں کی لاشیں بھی پڑی ہوئی تھیں۔ پھر تو بلیک زیرو نے ہیلی کاپٹر کے رکنے کا صحیح طرح انتظار بھی نہ کیا اس نے کھڑکی کا شیشہ سائیڈ پر کیا اور نیچے چھلانگ لگا دی اور دوڑتا ہوا عمران کے قریب پہنچ گیا۔ عمران بالکل ساکت پڑا ہوا تھا اس کا چہرہ نیلا ہو چکا تھا اور ہاتھوں کی رگیں پھولی ہوئی تھیں۔ بلیک زیرو، عمران کا معائنہ کر ہی رہا تھا کہ جوزف بھی وہاں پہنچ گیا۔

''باس۔ باس۔ آنکھیں کھولو۔ دیکھو تمہارا غلام آ گیا ہے۔ غلام تمہیں مرنے نہیں دے گا باس۔ تم گریٹ ہو باس اور گریٹ لوگ مرتے نہیں ہیں''...... جوزف نے تیز لہجے میں کہا اور اس کے ساتھ ہی اس نے اپنی جیب سے کچھ پتے نکال لئے۔ پتے تر و تازہ تھے۔ اس نے اپنے ایک ہاتھ سے عمران کا منہ کھولا اور دوسرے ہاتھ میں پکڑے ہوئے پتوں کو عمران کے منہ کے قریب لا کر پتوں کو نچوڑا تو پتوں سے سبز رنگ کا سیال چند قطروں کی صورت میں نکلا اور عمران کے منہ میں چلا گیا۔ جوزف نے عمران کا منہ چھوڑ دیا اور پھر وہ عمران کا جسم دیکھنے لگا۔ عمران کے سینے پر لگی چند سوئیاں اسے نظر آ گئیں۔ اس نے جلدی جلدی سے وہ ساری سوئیاں نکال کر دور پھینک دیں۔ اس کے بعد اس نے اپنی جیب سے ایک خنجر نکالا اور عمران کے بازو پر ایک گہرا کٹ لگا دیا۔ عمران کے بازو سے

خون نکلنے لگا لیکن بلیک زیرو اس خون کو دیکھ کر حیران ہونے لگا کیونکہ اس خون کا رنگ نیلا تھا۔ کٹ لگانے کے بعد جوزف نے وہ پتے دوبارہ اٹھا لئے جو اس نے عمران کے منہ میں نچوڑے تھے۔ جوزف نے ایک بار پھر عمران کا منہ کھولا اور وہ سارے پتے دوبارہ نچوڑ کر ان کا رس عمران کے منہ میں ٹپکا دیا۔ اس کے بعد وہ عمران کا چہرہ غور سے دیکھنے لگا۔ اس کی نظریں بازو پر بھی تھیں جہاں سے خون بہہ رہا تھا۔ تقریباً نصف منٹ گزرا ہو گا کہ بہنے والے خون کی نیلاہٹ ختم ہونے لگی۔ مزید پندرہ بیس سیکنڈ بعد خون سرخ ہو گیا۔ اس کے ساتھ ہی عمران کے چہرے پر موجود نیلاہٹ بھی ختم ہو گئی تو جوزف نے ایک طویل سانس لیا پھر اس نے جیب سے رومال نکال کر عمران کے زخم پر باندھ دیا۔ خون کی روانی رک گئی۔ جوزف کے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ آ گئی اور پھر اس نے چاروں طرف غور سے دیکھا۔ اس کے بعد وہ پتھروں پر اگی جھاڑیوں کی طرف بڑھتا چلا گیا۔ کچھ دیر بعد وہ واپس آیا تو اس کے ہاتھ میں موٹے پتوں والی جھاڑیاں تھیں۔ اس نے ان جھاڑیوں کو بھی ہاتھ سے نچوڑ کر ان میں سے چند قطرے نکالے اور یہ قطرے عمران کے حلق میں ٹپکا دیئے۔ اب وہ مکمل طور پر مطمئن دکھائی دے رہا تھا۔

بلیک زیرو جاننا چاہتا تھا کہ عمران کو کیا ہوا ہے لیکن وہ جوزف سے نہیں پوچھ سکتا تھا کیونکہ اسے معلوم تھا کہ جوزف نے یہی جواب دینا ہے کہ باس کے سر پر باکھی جھیل کی روح منڈلا رہی

ہے اور بلیک زیرو کو روحوں اور بدروحوں پر بالکل یقین نہیں تھا۔ وہ دونوں ہی خاموشی سے عمران کو دیکھے جا رہے تھے پھر اچانک ہی عمران کے جسم میں حرکت پیدا ہوئی۔ اس حرکت کو دیکھتے ہی وہ دونوں خوش ہو گئے۔ حرکت کا مطلب یہی تھا کہ اب عمران موت سے دور اور زندگی کے قریب آ رہا تھا۔

''میں عمران صاحب کو طاقت کے انجکشن لگاتا ہوں''...... بلیک زیرو نے کہا تو جوزف نے دھیمے سے اثبات میں سر ہلا دیا۔ ہیلی کاپٹر میں میڈیکل باکس موجود تھا۔ بلیک زیرو ہیلی کاپٹر میں گیا۔ اس نے دو انجکشن تیار کئے اور پھر واپس آ کر وہ انجکشن عمران کو لگا دیئے۔ ان انجکشنز نے اچھا اثر دکھایا اور عمران تیزی سے ہوش میں آنے لگا۔ تھوڑی ہی دیر میں اسے ہوش آ گیا اور خالی الذہن سے ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ اس کے چہرے پر اب بھی کمزوری کے تاثرات موجود تھے۔

''اے شب دیجور کی اولاد۔ تو قبر میں بھی آ گیا ہے۔ کہیں بھی چین سے نہیں رہنے دے گا''...... عمران نے کہا۔

''تھینک گاڈ۔ باس تمہیں ہوش آ گیا''...... جوزف نے خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

''عمران صاحب۔ آپ کی حالت تو انتہائی مخدوش ہو چکی تھی''۔ بلیک زیرو نے کہا۔

''ہاں۔ مجھے اندازہ ہے کہ سانسوں کی مالا میں بس ایک دو موتی

رہ گئے تھے۔ اگر تم دونوں نہ آتے تو میں اس وقت جنت کے باغوں میں پہنچ چکا ہوتا''...... عمران نے کہا۔ اس کے چہرے سے نقاہت صاف عیاں ہو رہی تھی۔

''عمران صاحب۔ اللہ تعالیٰ نے ابھی آپ کو بچانا تھا اس لئے اس نے جوزف کو بھیج دیا۔ جوزف نے چند عام سے پتوں سے آپ کا علاج کیا ہے''...... بلیک زیرو نے کہا اور پھر اس نے عمران کو مختصراً تمام حالات بتا دیئے۔

''سوری طاہر صاحب۔ میں نے آپ سے تیز لہجے میں بات کی لیکن مجھے مجبوراً ایسا کرنا پڑا۔ اگر میں ایسا نہ کرتا تو مجھے آپ کے بہت سے سوالوں کے جواب دینے پڑے جبکہ ہمارے پاس وقت بالکل نہیں تھا۔ اگر مزید دو سیکنڈ تک شلمی پتوں کا رس باس کے حلق سے نیچے نہ اترتا تو لاکھی جھیل کی روح اپنے مقصد میں کامیاب ہو جاتی۔ باس موت کے حلق تک پہنچ گیا تھا۔ ہم نے زبردستی باس کو باہر کھینچا ہے''...... جوزف نے بلیک زیرو سے معذرت کرتے ہوئے کہا تو عمران نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

''تم نے طاہر سے تیز لہجے میں بات کی ہے۔ جانتے ہو نا طاہر کون ہے''...... عمران نے غصیلے لہجے میں کہا۔

''نہیں عمران صاحب۔ اس نے مجھ سے گستاخانہ لہجے میں بات نہیں کی۔ ہاں۔ یہ آپ کی وجہ سے پریشان تھا اور اس کے انداز سے پریشانی محسوس ہو رہی تھی۔ اس پریشان لہجے کو اس نے شاید تیز

محسوس کیا ہو''...... بلیک زیرو نے جوزف کی طرف محبت بھرے انداز میں دیکھتے ہوئے کہا۔ یہ درست تھا کہ اسے جوزف کے لہجے پر ایک دو لمحوں کے لئے غصہ آیا تھا لیکن جوزف کا وہ انداز فطری تھا۔ اس کے اس لہجے میں عمران کے لئے محبت اور وفاداری کا جذبہ موجود تھا۔ اس وقت جوزف کو احساس ہی نہیں تھا کہ وہ کس سے اور کیا بات کر رہا ہے۔

''او کے۔ تم کہتے ہو تو اسے معاف کر دیتا ہوں ورنہ اس نے اس پہاڑی علاقے میں ایک ہزار ایک ڈنڈ لگانے تھے اور ان پہاڑی سلسلوں میں فاکا ماکا کی بدروحیں بھی چہل قدمی کرتی رہتی ہیں اور ایک ہزار ایک ڈنڈ لگانے والے کو تو وہ بہت پسند کرتی ہیں''...... عمران نے سنجیدہ لہجے میں کہا تو جوزف کا سیاہ چہرہ مزید سیاہ ہو گیا اور اس کے جسم میں کپکپی پیدا ہو گئی۔

''تم گریٹ ہو باس۔ بہت ہی گریٹ۔ اپنے غلام کا بہت خیال رکھتے ہو''...... جوزف نے کپکپاتے ہوئے کہا۔

''عمران صاحب۔ اگر آپ بہتر محسوس کر رہے ہوں تو ہم واپس چلیں''...... بلیک زیرو نے سوالیہ انداز میں کہا۔

''لاکھانہ زہر سے شاید ہی آج تک کوئی بچا ہو۔ یہ میری خوش قسمتی ہے کہ میں نہ صرف اس سے بچ گیا ہوں بلکہ اتنی جلدی خود کو نارمل بھی محسوس کر رہا ہوں''...... عمران نے کہا اور اس کے ساتھ ہی وہ کھڑا ہو گیا۔

''عمران صاحب۔ آپ کو کچھ نہیں ہو گا۔ آپ کے سر پر کروڑوں معصوم لوگوں کی دعاؤں کا سایہ ہے اور ہاں آپ یہ تو بتائیں کہ آپ تو سرسلطان سے ملنے گئے تھے پھر آپ ان پہاڑوں تک کیسے پہنچ گئے۔ زہر کا شکار کیسے ہوئے اور اردگرد لاشیں کن لوگوں کی تھیں''...... بلیک زیرو نے ایک ساتھ کئی سوال پوچھے۔ اس کے ساتھ ہی اس نے عمران کو ہیلی کاپٹر میں سوار ہونے کے لئے مدد بھی دینی چاہی لیکن عمران خود ہی اچھل کر ہیلی کاپٹر میں سوار ہو گیا۔ اس کے بعد بلیک زیرو اور پھر جوزف ہیلی کاپٹر میں سوار ہوئے۔

''ان سب سوالوں میں سے کتنے سوالوں کا جواب دینا ضروری ہیں''...... عمران نے ہیلی کاپٹر سٹارٹ کرتے ہوئے کہا۔

''عمران صاحب۔ سب کے جواب دینا ہی ضروری ہیں''۔ بلیک زیرو نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''شکر ہے کہ تم سیکرٹ سروس میں آ گئے ہو۔ کسی امتحانی بورڈ میں نہیں چلے گئے۔ تم نے تو ایک سٹوڈنٹ کو بھی پاس نہیں ہونے دینا تھا''...... عمران نے کہا تو بلیک زیرو بے اختیار ہنسنے لگا۔ جب اس کی ہنسی کو بریک لگی تو عمران نے اسے اپنے ساتھ پیش آنے والے حالات بتا دیئے۔

نائس لینڈ کا پارلیمنٹ ہال اس وقت عالمی رہنماؤں سے بھرا ہوا تھا۔ ہال میں سینما سکرین جتنا ٹی وی سیٹ بھی رکھا ہوا تھا۔ ڈاکٹر بلیک نے ان سے یہاں مخاطب ہونا تھا۔ پاکیشیا کی سینٹ کے چیئرمین آفاق آفندی اس اجلاس میں پاکیشیا کی نمائندگی کر رہے تھے۔ آفاق آفندی پاکیشیا کے دلیر لیڈر تھے اور عوام میں بہت ہی مقبول تھے۔ ڈاکٹر بلیک کے ملاقات کے اعلان کے بعد پاکیشیا میں پارلیمنٹ کا ہنگامی اجلاس ہوا تھا اور متفقہ طور پر فیصلہ کیا گیا تھا کہ نائس لینڈ میں ہونے والے اجلاس میں آفاق آفندی کو بھیجا جائے۔

اس اجلاس میں شرکت کے لئے ایکریمی اور باچان کے سربراہ بھی آئے ہوئے تھے۔ ان ممالک کے سربراہ ایک گروپ کی صورت میں بیٹھے ہوئے تھے جنہیں ڈاکٹر بلیک تباہی کی تاریخ دے چکا تھا۔ ان ممالک کے سربراہان ایک الگ گروپ کی صورت میں بیٹھے ہوئے تھے جنہیں ابھی ڈاکٹر بلیک نے کوئی تاریخ نہیں دی تھی

لیکن اس نے یہ ضرور کہا تھا کہ وہ باقی ممالک کے بارے میں بھی جلد بتائے گا۔ اس لئے سب سربراہان پریشان تھے اور چاہتے تھے کہ یہ مصیبت دنیا سے ٹل جائے۔ ہال میں بیٹھے ہوئے تمام سربراہان دھیمی آواز میں محو گفتگو تھے۔ ٹی وی سکرین روشن تو تھی لیکن اس کی آواز بہت آہستہ رکھی گئی تھی کیونکہ ڈاکٹر بلیک نے جو وقت دیا تھا اس میں ابھی کچھ دیر باقی تھی۔ پھر ڈاکٹر بلیک کا دیا گیا وقت آ گیا اور اچانک ہی ٹی وی سکرین پر ایک جھماکا ہوا۔ ٹی وی کی نشریات معطل ہوگئیں اور سکرین پر ایک کھوپڑی اور خون میں ڈوبی ہوئی دو ہڈیاں نظر آنے لگیں۔ سارے ہال میں یکدم سناٹا چھا گیا۔ ٹی وی کا والیوم بلند کر دیا گیا۔ ٹی وی سے موسیقی کی آواز ابھرنے لگی۔ موسیقی وحشت اور بربریت کے سروں میں ڈھلی ہوئی تھی۔ یہ ایسی موسیقی تھی جسے سن کر دلوں پر ہیبت طاری ہو رہی تھی۔ پھر اچانک ہی موسیقی کی آواز بند ہوگئی اور ڈاکٹر بلیک کی بارعب آواز سنائی دی۔

''دنیا کے سربراہو۔ ڈاکٹر بلیک تم سے مخاطب ہے۔ مجھے معلوم ہوا تھا کہ تم سب مجھ سے ملاقات کے متمنی ہو تو میں نے تمہاری یہ تمنا پوری کرنے کا فیصلہ کیا۔ میں جانتا اور سمجھتا ہوں کہ تم کیوں مجھ سے ملنا چاہتے ہو لیکن میں نے ابھی تمہارے مسئلے پر سوچا نہیں ہے۔ تم لوگ اس وقت تاریخ کے سب سے بڑے مسئلے سے دوچار ہو لیکن میرے ساتھ بھی ایک مسئلہ ہے اور وہ یہ ہے کہ میں اس

وقت اپنے ایک مشن پر ہوں اور میں تم لوگوں کی خاطر اپنا مشن ادھورا کیوں چھوڑوں۔ میں نے چند مزید ممالک کے لئے موت کا پروانہ تیار کر لیا ہے اور میں چاہتا ہوں کہ ہماری باہمی گفتگو شروع ہونے سے پہلے میں اس لسٹ کا بھی اعلان کر دوں“...... ڈاکٹر بلیک کی آواز سنائی دی اور پھر وہ سانس لینے کے لئے رکا۔

”میکس کانڈی دی سن آف انوگ کانڈی صدر مملکت آف کانڈا پندرہ مئی دوپہر بارہ بجے“...... چند لمحوں کے بعد ڈاکٹر بلیک کی آواز دوبارہ ہال میں گونجنے لگی۔

”ناما تاچن۔ کمانڈر انچیف آف آرمی آف شوگران سترہ مئی رات دس بجے۔ سنگ کاسٹر آف نارمن۔ صدر آف سوشل پارٹی انیس مئی شام ساڑھے سات بجے۔ مادام جولی دی فارن منسٹر آف نائس لینڈ۔ بیس مئی رات آٹھ بج کر تین منٹ پر۔ ابھی میں نے ان چار ممالک کی لسٹ تیار کی ہے۔ باقی ممالک کے بارے میں جونہی فیصلہ کروں گا تم سب کو اس فیصلے سے آگاہ کر دوں گا تا کہ یہ ممالک اپنی اپنی شخصیات کو بچانے کے لئے اقدامات کر سکیں کیونکہ میں سمجھتا ہوں کہ اپنے آدمیوں کو بچانے کی کوشش کرنا تمہارا حق ہے اس لئے تم اپنا حق استعمال کرتے رہو اور میں اپنی طاقت استعمال کرتا رہوں گا اور میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ میری طاقت کے سامنے تمہاری سب کوششیں بے کار جائیں گی“...... ڈاکٹر بلیک نے مسلسل بولتے ہوئے کہا۔ اس کے بعد وہ غالباً پھر سانس لینے

کے لئے رکا۔

”میں تم لوگوں کو تمہاری کارکردگی سے بھی آگاہ کرتا چلوں“۔ چند لمحوں کے بعد ڈاکٹر بلیک کی آواز دوبارہ آنے لگی۔

”ایکریمیا، روسیاہ، اسرائیل، کانڈا، گریٹ لینڈ، نائس لینڈ وغیرہ کے درجنوں ٹاپ سیکرٹ ایجنٹس میرے خلاف حرکت میں آئے ہیں۔ انہوں نے مجھے ٹریس کرنے کی کوشش کی ہے۔ میں نے اس بات کا بھی برا نہیں منایا کیونکہ یہ بھی تمہارا حق ہے۔ البتہ میں نے ان سیکرٹ ایجنٹوں کو ٹھکانے لگا دیا ہے کیونکہ یہ میرا حق ہے کہ اگر کوئی میرے خلاف حرکت میں آتا ہے تو میں اس کا خاتمہ کر دوں۔ ان تمام سیکرٹ ایجنٹوں کی لاشیں پاڈان کے ساحلی علاقے میں پڑی ہوئی ہیں۔ ان لاشوں کو اٹھا کر ان کے وارثان کے حوالے کر دیا جائے اور میری رحم دلی کے ترانے گائے جائیں کہ مجھے لاشوں کی کتنی فکر ہے۔ ہاہاہا“...... ڈاکٹر بلیک نے کہا اور اس کے ساتھ ہی اس کا وحشت میں ڈوبا ہوا قہقہہ بھی گونجا۔

”مجھے ٹریس کرنے کے لئے تم لوگ مزید سیکرٹ ایجنٹس حرکت میں لانا۔ تم اپنے سیکرٹ ایجنٹوں اور سیکرٹ ایجنسیوں کا انجام دیکھ لو گے۔ احمقو۔ ڈاکٹر بلیک کو ٹریس کرنا ممکن نہیں ہے۔ تم لوگ ڈاکٹر بلیک کے سامنے گندگی کے کیڑوں سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتے۔ میں جب چاہوں اور جیسے چاہوں تمہیں مسل کر رکھ دوں لیکن میں نے تمہیں بتایا ہوا ہے کہ میرے کچھ اصول ہیں اور میں اپنے

اصولوں کا پابند ہوں۔ اب میں تم لوگوں کی رائے معلوم کرنا پسند کروں گا۔ تمہاری میٹھی میٹھی باتیں سنوں گا اور ان کے جواب دوں گا۔ تم بے خوف و خطر مجھ سے بات کر سکتے ہو۔ میں یہاں تمہارے خلاف کوئی کارروائی نہیں کروں گا''...... ڈاکٹر بلیک کی آواز سنائی دی اور اس کے بعد خاموشی طاری ہو گئی۔ ڈاکٹر بلیک کے خاموش ہوتے ہی روسیاہ کا نمائندہ کرسی سے کھڑا ہوا اور بارعب لہجے میں بولا۔

''ڈاکٹر بلیک۔ آخر تمہارا مقصد کیا ہے۔ تم کیوں خون کے دریا بہا رہے ہو جن کروڑوں افراد کو تم موت کے گھاٹ اتار چکے ہو ان مظلوموں اور معصوم لوگوں کا کیا قصور تھا اور انہوں نے کون سا جرم کیا ہے جن کی موت کا سامان تم کر رہے ہو''...... روسیاہ کے سربراہ نے جذباتی لہجے میں کہا۔

''آرام سے مناکاف۔ آرام سے۔ میں نے اس کانفرنس میں شرکت کرنے والوں کو جان کی امان دی ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ تم مجھے غصہ دکھانے لگو۔ یہ اپنے ذہن میں رکھو کہ تم اپنے کسی غلام سے مخاطب نہیں ہو بلکہ اس وقت تم اپنے آقا کے سامنے ہو اور آقا کے سامنے اس طرح نہیں بولا جاتا۔ اب کیا تمہیں آداب بھی میں نے سکھانے ہیں''...... ڈاکٹر بلیک نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

''ڈاکٹر بلیک۔ تم ہمارے کروڑوں افراد کے قاتل ہو۔ تم پر غصہ آنا فطری عمل ہے۔ ہمارے تو کروڑوں افراد جاں بحق ہو چکے ہیں

لیکن ہم چاہتے ہیں کہ تم یہ سلسلہ روک دو اور ہمیں بتاؤ کہ تم کیا چاہتے ہو۔ یہ سب کیوں کر رہے ہو''...... باچان کے سربراہ نے غمگین لہجے میں کہا۔ انہوں نے اپنے کروڑوں آدمیوں کو ہلاک ہوتے دیکھا تھا۔ لاکھوں آدمی تابکاری اثرات سے متاثر ہوئے تھے۔ ان کی حالت دیکھی نہیں جاتی تھی اس لئے باچان کے سربراہ کی آنکھوں میں اب بھی نمی تھی۔ اپنے منصب کے آداب کے خلاف وہ اب بھی باتیں کرتے کرتے سسک سے پڑتے تھے۔

''تم نے بالکل ٹھیک بات کی ہے طائی۔ میں جو یہ سب کر رہا ہوں تو میرا کوئی نہ کوئی مقصد تو ہو گا۔ میں نے بلاوجہ تو کروڑوں انسانوں کو وادیٔ اجل میں دھکا نہیں دیا۔ کیا تمہیں کوئی اندازہ ہے کہ میں یہ سب کس لئے کر رہا ہوں''...... ڈاکٹر بلیک نے طنزیہ لہجے میں پوچھا۔

''ہاں۔ حکومت، دولت، عزت، انسان انہی چیزوں کی خاطر عجیب وغریب کام کرتا ہے''......اس مرتبہ کافرستانی صدر نے کہا اور ٹی وی سکرین کی طرف ایسے دیکھا جیسے وہ ڈاکٹر بلیک کو دیکھ رہے ہوں۔

''ہاہاہا''...... ڈاکٹر بلیک کا ایک قہقہہ بلند ہوا۔ یہ قہقہہ کافی طویل بھی ثابت ہوا۔

''ڈاکٹر بلیک کو دولت کی کوئی کمی نہیں ہے۔ میں جس وقت چاہوں کسی بھی ملک کا خزانہ اٹھا لوں۔ جس طرح تم اپنی شخصیات کو

نہیں بچا سکے۔ اسی طرح اپنی دولت کو بھی نہیں بچا سکتے۔ باقی رہی عزت تو یہ بھی حقیقت ہے کہ میں تمہارے دلوں میں گھر کر گیا ہوں۔ اب تم میری عزت کرنے پر مجبور ہو اگر تم میری عزت نہیں بھی کرو گے تو مجھے اس سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ اب رہ جاتی ہے حکومت۔ تو سنو، غور سے سنو۔ واقعی مجھے حکومت کی ضرورت ہے۔ تم سب لوگ مجھے اپنا حکمران مان لو۔ میں تم سب کا کنگ ہوں۔ میری باشاہت کا اعلان کر دو۔ میرے تابع ہو جاؤ اور سنو۔ تم میں سے جو میرا غلام بننا پسند کرے گا صرف اسے ہی جینے کا حق دیا جائے گا۔ باقی سب کی گردنیں اڑا دی جائیں گی''...... اس مرتبہ ڈاکٹر بلیک کی غراتی ہوئی آواز سنائی دی۔

''یہ قابل عمل نہیں ہے ڈاکٹر بلیک۔ تم کوئی ایسا طریقہ بتاؤ جو ہمارے لئے قابل عمل ہو''...... ایکریمیا کے نمائندے نے کہا۔

''بس۔ میرے پاس تو پھر یہی ایک طریقہ ہے کہ میں ایک ایک ملک تباہ کرتا آؤں''...... ڈاکٹر بلیک نے غصے سے پھنکارتے ہوئے کہا تو وہاں موجود سربراہوں کے چہرے تاریک ہوتے چلے گئے۔

''تو پھر سن لو ڈاکٹر بلیک کہ تمہارے ارادے ٹوٹیں گے، تمہاری سوچیں خاک میں مل جائیں گی اور تمہارا یہ تکبر پاؤں کے تلے روند دیا جائے گا''...... پاکیشیا کے نمائندے آفاق آفندی نے جوشیلے لہجے میں کہا۔

''شٹ اپ آفاق آفندی۔ میرے سامنے تمہاری حیثیت ہی کیا ہے۔ تم گندگی میں پیدا ہونے والے کیڑے کی مانند ہو۔ جسے میں جب چاہوں اپنے پیروں تلے مسل دوں''...... ڈاکٹر بلیک نے غراتے ہوئے کہا۔

''یہ تمہاری بھول ہے ڈاکٹر بلیک۔ انشاء اللہ۔ تم ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکو گے۔ تم کروڑوں معصوم اور بے گناہ لوگوں کے قاتل ہو، تم درندوں سے بڑھ کر ہو، تمہارا انجام بہت قریب ہے ڈاکٹر بلیک''۔ آفاق آفندی نے بدستور جوشیلے لہجے میں کہا۔

''کاش۔ کاش۔ میں نے پاکیشیا کو ڈیٹ نہ دی ہوتی تو میں ابھی پاکیشیا کو ایٹم بموں سے اڑا دیتا۔ آفاق آفندی۔ مجھ سے اونچے لہجے میں بات کر کے تم بہت بڑی غلطی کر رہے ہو اور ہال میں بیٹھے ہوئے سربراہو سنو۔ اگر تم نے میری ہدایات پر عمل نہ کیا تو میں تم سب کو موت کی نیند سلا دوں گا۔ تمہارے ملکوں کے پرخچے اڑا دوں گا۔ تم نے ایکریمیا اور باچان کی تباہی سے کوئی سبق نہیں سیکھا۔ میں تمہیں سبق سکھا دوں گا۔ تمہیں ہر حال میں میرے سامنے جھکنا پڑے گا''...... ڈاکٹر بلیک نے بپھرے ہوئے درندے کی مانند غراتے ہوئے کہا۔ تمام سربراہوں نے آفاق آفندی کو غصیلی نظروں سے دیکھا۔ جس نے ڈاکٹر بلیک کو اس قدر ناراض کر دیا تھا۔

''یہ تمہاری خوش فہمی ہے ڈاکٹر بلیک کہ ہم تمہارے سامنے جھکیں

گے یا تمہاری کوئی بات مان لیں گے۔ تمہیں معلوم ہی ہو گا کہ مسلمان صرف اللہ کے سامنے جھکتا ہے اور تم جیسے متکبر، ظالم اور کمینے انسان کو ہم اپنی ٹھوکروں پر رکھتے ہیں'' ...... آفاق آفندی نے اس مرتبہ طنزیہ لہجے میں کہا۔

''آفاق آفندی۔ میں نے تمہاری قسمت کا فیصلہ بھی کر لیا ہے لیکن تمہارا انجام کروڑوں لوگوں سے مختلف ہو گا۔ تمہارے ملک کی تباہی کے بعد میں تمہارا وہ حشر کروں گا کہ دنیا تمہارے انجام سے عبرت حاصل کرے گی اور تم جانتے نہیں ہو کہ ڈاکٹر بلیک کتنا ظالم اور سفاک درندہ ہے۔ ایکریمیا اور باچان میری درندگی کی معمولی مثالیں ہیں اور آفاق آفندی اب تم خاموش رہو گے۔ میں نے باقی لوگوں سے باتیں کرنی ہیں'' ...... ڈاکٹر بلیک نے کرخت لہجے میں کہا لیکن ہال میں بیٹھے ہوئے باقی افراد اس طرح سر جھکائے بیٹھے تھے جیسے انہوں نے اب کبھی سر نہ اٹھانے کا فیصلہ کر لیا ہو۔ وہ ایسے خاموش تھے جیسے انہیں سانپ سونگھ گیا ہو۔ انہوں نے ایکریمیا اور باچان کی تباہی کے مناظر اپنی آنکھوں سے دیکھے تھے۔ کروڑوں انسان لمحہ بھر میں لقمۂ اجل بن گئے تھے اور یہ سب ڈاکٹر بلیک نے کیا تھا۔ اب بھی ڈاکٹر بلیک ان پر گرج رہا تھا لیکن وہ ڈاکٹر بلیک کو ناراض نہیں کرنا چاہتے تھے۔ ان کے خیال کے مطابق ڈاکٹر بلیک ایسا درندہ تھا جو کسی بھی لمحے انہیں ہڑپ کر سکتا تھا۔ وہ ایک ایسا عیار سائنس دان تھا جو ان سب کی نظروں سے روپوش تھا۔ تمام

ترقی یافتہ ممالک کے سائنس دان اور ٹیکنالوجی کے ماہرین نے اسے ٹریس کرنے کی کوششیں کر لی تھیں۔ انہوں نے اپنی تمام مشینری، سیٹلائٹ اور دیگر وسائل استعمال کئے تھے لیکن انہیں معلوم نہیں ہو سکا تھا کہ ڈاکٹر بلیک کہاں بیٹھ کر اور کیسے ٹی وی نشریات پر کنٹرول حاصل کر لیتا تھا۔ وہ ماہرین جو انٹرنیٹ اور موبائل فون کا غلط استعمال کرنے والے کو لمحوں میں ٹریس کر لیتے تھے یہاں انہوں نے اپنی ناکامی کی رپورٹ دی تھی۔ اب بھی ڈاکٹر بلیک ان سے مخاطب تھا تو انہوں نے اپنی مشینری سیٹ کی ہوئی تھی تا کہ جان سکیں کہ ڈاکٹر بلیک کہاں سے بول رہا ہے لیکن ان کی مشینری انہیں کچھ نہیں بتا رہی تھی۔ انہیں یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے ان کی تمام تر سائنسی ترقی دھری کی دھری رہ گئی ہے۔

''معزز سربراہو۔ کیا ہو گیا ہے تمہیں۔ تم خاموش کیوں ہو۔ کیا ابھی تمہارے پاس کچھ اور سپر سیکرٹ ایجنٹس باقی بچے ہوئے ہیں جنہیں تم قربان کرنا چاہتے ہو'' ...... ڈاکٹر بلیک نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

''ڈاکٹر بلیک۔ کیا یہ تمہارا حتمی فیصلہ ہے۔ کیا تم اپنے فیصلے پر نظر ثانی نہیں کر سکتے'' ...... نائس لینڈ کے سربراہ نے کہا۔

''میں ایک بات ایک بار ہی کرتا ہوں۔ بار بار ایک ہی بات کرنے سے وقت ضائع ہوتا ہے۔ تمہارے لئے بس دو ہی صورتیں ہیں۔ تباہی و بربادی یا میری غلامی۔ اور بس'' ...... ڈاکٹر بلیک نے

ایک بار پھر غرا کر کہا۔

اجلاس میں جتنے لوگ بھی شامل تھے وہ اپنے ملک و قوم کے لئے ہر قربانی دے سکتے تھے۔ حکمرانی بھی ڈاکٹر بلیک کے حوالے کر سکتے تھے لیکن ڈاکٹر بلیک کوئی شریف، رحم دل اور نیک انسان نہیں تھا۔ اس نے جتنے انسانوں کا خون بہایا تھا تاریخ انسانی میں آج تک کسی نے بھی نہیں بہایا تھا۔ یہ تو کروڑوں انسانوں کو لمحوں میں آگ میں جھونک دینے والا درندہ تھا۔ ملک اس کے حوالے کرنے کے بعد بھی ملک اور عوام امن میں نہیں رہ سکتے تھے۔ نجانے ڈاکٹر بلیک ان پر کیا ستم ڈھاتا، ان کے ساتھ کیا سلوک کرتا۔ ان کے پاس ایک ہی راستہ تھا کہ وہ ڈاکٹر بلیک کے سامنے ڈٹ جائیں اور اس کا مقابلہ کریں لیکن موت کے سائے اپنی تاریکی بڑھا رہے تھے اور جبر و استبداد آکٹو پس کی مانند اپنے پنجے گاڑے جا رہا تھا۔ وہ سب سوچ رہے تھے کہ کیا جواب دیں۔

''تمہاری سانسیں کیا رک گئی ہیں جو تم لوگ بول نہیں رہے''۔ ڈاکٹر بلیک نے غصیلے لہجے میں کہا۔

''ڈاکٹر بلیک۔ ہمیں کچھ وقت دو''...... کانڈا کے سربراہ نے کرسی سے اٹھتے ہوئے کہا۔

''ہونہہ۔ تو میرا اندازہ درست ہے۔ تم میری تلاش میں مزید سیکرٹ ایجنٹس بھیجنا چاہتے ہو۔ تمہارے درجنوں سیکرٹ ایجنٹ مارے جا چکے ہیں۔ تمہاری ٹریسنگ مشینری و آلات مجھے ٹریس

کرنے میں ناکام ہو چکے ہیں۔ اب بھی تمہیں امید ہے کہ مجھے ٹریس کر کے پھانسی پر چڑھا دو گے یا فائرنگ اسکواڈ کے حوالے کر دو''...... ڈاکٹر بلیک نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

''ڈاکٹر بلیک۔ ابھی کئی شیر ایسے ہیں جن کے آہنی پنجوں سے تم بچے ہوئے ہو۔ یاد رکھو اگر وہ حرکت میں آ گئے تو وہ تمہیں پاتال سے بھی نکال لیں گے''...... آفاق آفندی نے ایک بار پھر جوشیلے لہجے میں کہا۔

''ہاہاہا۔ اچھا۔ ذرا میں بھی ان شیروں کے نام سنوں۔ جو مجھے پکڑ سکتے ہیں''...... ڈاکٹر بلیک نے قہقہہ لگانے کے بعد طنزاً کہا۔

''ڈاکٹر بلیک۔ ابھی تک ایکسٹو نے تمہاری طرف نگاہ نہیں اٹھائی ورنہ اب تک تم خاکستر ہو چکے ہوتے۔ بہرحال اب ایکسٹو سے تمہارا مقابلہ لازمی ہے کیونکہ ایکسٹو نے ہر حال میں سرسلطان کو بچانا ہے۔ ڈاکٹر بلیک کیا تم اپنے وعدے پر قائم رہو گے''۔ آفاق آفندی نے کہا۔

''ایسا کبھی سوچنا بھی مت کہ ڈاکٹر بلیک اپنا عہد توڑے گا۔ وعدہ خلافی کرے گا۔ تمہیں یقین ہونا چاہئے کہ ڈاکٹر بلیک مر تو سکتا ہے لیکن اپنے اصول نہیں توڑ سکتا۔ میں نے اپنے اصولوں پر اپنا بیٹا قربان کیا ہوا ہے''...... ڈاکٹر بلیک نے کہا۔

''تو پھر تم یہ جان لو ڈاکٹر بلیک۔ ایکسٹو کے ہاتھوں تمہیں شکست فاش ہو گی''...... آفاق آفندی نے اعتماد بھرے لہجے میں

کہا۔

''تو پھر تم بھی یہ سن لو کہ پاکیشیا کی بربادی کے بعد میں ایکسٹو کو گریٹ لینڈ کے معروف چوک میں الٹا لٹکا دوں گا اور الٹے لٹکے ہوئے ہی وہ تڑپ تڑپ کر اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھے گا۔ اس کی اس عبرتناک موت کے بعد میں دنیا والوں کو تمہارا حشر بھی دکھاؤں گا۔ تمہارا نمبر میں نے بعد میں اس لئے کیا ہے تاکہ تم اپنی آنکھوں سے ایکسٹو کا انجام دیکھو۔ تمہیں اپنے ایکسٹو پر بہت اعتماد ہے''۔ ڈاکٹر بلیک نے چیلنج کرتے ہوئے کہا۔

''ڈاکٹر بلیک۔ تم نے میری بات کا جواب نہیں دیا''...... انہوں نے سوالیہ لہجے میں کہا۔

''مجھے تمہاری بات کا جواب دینے کی ضرورت نہیں ہے۔ تمہارے چہرے جواب دے رہے ہیں۔ اب میں وہی کروں گا جو میرا دل چاہے گا''...... ڈاکٹر بلیک نے خونخوار آواز میں کہا۔ اس کا لہجہ پاگل کتے جیسا ہو گیا تھا۔ اس کے انداز سے صاف محسوس ہو رہا تھا جیسے اسے اپنے مقصد میں بری طرح ناکامی ہوئی ہے اور اس کے منصوبوں کا شیرازہ بکھر گیا ہے۔ دراصل اس کا خیال تھا کہ اجلاس میں شریک سربراہ اس کی آواز سنتے ہی گڑگڑائیں گے اور فوراً ہی اسے اپنا حاکم تسلیم کر کے اس کے سامنے سر جھکا دیں گے۔ لیکن کسی ایک سربراہ نے بھی اسے حکومت دینے کی بات نہیں کی تھی۔

''ڈاکٹر بلیک۔ پھر ہم کیا سمجھیں''...... کرانس کے سربراہ نے تیز تیز لہجے میں کہا۔

''سنو اور غور سے سنو دنیا کے سربراہو۔ جو میرے حکم پر چلے گا اپنے ملک میں میری حکومت قائم کرے گا خود کو میری غلامی میں دے دے گا اس کے لئے اور اس کی عوام کے لئے خوشیاں ہیں۔ امن ہے اور خوشحالی ہے لیکن جو قوم مجھے اپنا آقا نہیں مانے گی اس کے لئے موت اور بس موت ہے۔ عتربناک موت''...... ڈاکٹر بلیک نے غرا کر کہا۔

''ڈاکٹر بلیک۔ ہمیں سوچنے کے لئے مہلت دو''...... گبان کے صدر نے کرسی سے اٹھتے ہوئے کہا۔

''او کے۔ اب میں تمہیں سوچنے کی اجازت دے سکتا ہوں۔ پاکیشیا کی تباہی کے بعد میں تم سے دوبارہ میٹنگ کروں گا۔ اس سے پہلے قطعاً نہیں۔ اور اب روسیاہ تیار ہو جائے کیونکہ میری لسٹ کے مطابق راگا چوف نے آٹھ مارچ کو جام اجل پی لینا ہے''۔ ڈاکٹر بلیک کی آواز سنائی دی۔ اس کے ساتھ ہی ٹی وی سکرین پر بجلیاں سی چمکیں اور کھوپڑی اور ہڈیاں سکرین سے غائب ہو گئیں۔

”صبح تم نے بتایا تھا کہ تمہیں آئس کریم پسند ہے اس لئے میں نے تمہارے لئے آئس کریم منگوائی ہے“...... طارق محمود نے محبت پاس نظروں سے علینہ کو دیکھتے ہوئے کہا اور پھر اس نے فریج کھولا اور آئس کریم نکال کر علینہ کے سامنے رکھ دی۔ علینہ نے اسے مسکراتی ہوئی نظروں سے دیکھا۔

”ڈیئر۔ میں تو بہت کچھ کھا چکی ہوں۔ اب مزید کوئی چیز کھانے کی گنجائش نہیں ہے“...... علینہ نے لاڈ بھرے لہجے میں کہا۔

”آئس کریم کوئی ٹھوس چیز تو نہیں ہے۔ یہ تو آرام سے کھائی جا سکتی ہے۔تم کھاؤ نا پلیز۔ میری خاطر“...... طارق محمود نے نہایت ہی میٹھے لہجے میں کہا۔

”اب تم اتنی ضد کر رہے ہو تو کھانا ہی پڑے گی۔ مجبوری ہے تمہاری کسی بات سے انکار تو کیا ہی نہیں جا سکتا“...... علینہ نے مسکراتے ہوئے کہا اور پھر وہ آئس کریم کھانے لگی۔ علینہ آئس کریم

کھا رہی تھی کہ طارق محمود کی آنکھوں میں یکدم حیرت کے تاثرات ابھر آئے اور دوسرے لمحے وہ تاثرات معدوم ہو گئے۔

”کہو۔ آئس کریم پسند آئی“...... علینہ آئس کریم کھا چکی تو طارق محمود نے مسکراتے ہوئے کہا۔

ہاں۔ بہت مزے دار تھی۔ مزہ آ گیا“...... علینہ نے ٹشو سے ہونٹ صاف کرتے ہوئے کہا۔

”علینہ ۔تمہاری گھڑی بہت خوبصورت ہے۔ کہاں سے لی ہے یہ“...... طارق محمود نے علینہ کی ریسٹ واچ کو دیکھتے ہوئے کہا تو طارق محمود کی بات پر علینہ ایک لمحے کے لئے چونکی لیکن پھر وہ فوراً ہی سنبھل گئی۔ علینہ کے چونکنے پر طارق محمود کے شک کو تقویت ملی تھی۔ طارق محمود کو بس یونہی شک ہوا تھا کہ علینہ کی ریسٹ واچ میں ٹرانسمیٹر فٹ ہے۔ اسے اپنے اس شک کی کوئی وجہ تو سمجھ نہیں آئی تھی لیکن اس نے چیک کرنے کا فیصلہ کیا تھا اور یہ فیصلہ کر کے ہی اس نے علینہ سے گھڑی کا ذکر کیا تھا۔

”یہ میرے ایک دوست نے مجھے گفٹ کی تھی۔ خوبصورت ہے نا“...... علینہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”ہاں۔ بہت خوبصورت ہے۔ ذرا دکھاؤ مجھے“...... طارق محمود نے کہا اور ہاتھ علینہ کی طرف بڑھا دیا۔

”گھڑی کو چھوڑو طارق تم یہ بتاؤ کہ تمہاری منگیتر کہاں ہے۔تم نے کہا تھا کہ وہ بھی یہاں ہوتی ہے۔ یہاں وہ کمپیوٹر آپریٹر

ہے''...... علینہ نے مسکرا کر بات بدلتے ہوئے کہا۔

''راحیلہ۔ وہ آج صبح گھر گئی تھی۔ اگر وہ یہاں ہوتی تو میں تمہیں یہاں لانے کی جرأت نہیں کر سکتا تھا''...... طارق محمود نے کہا۔

''او ہو۔ شادی سے پہلے ہی اس سے اتنا ڈرنے لگ گئے ہو''۔ علینہ نے زور زور سے ہنستے ہوئے کہا۔

''علینہ۔ تمہاری گھڑی مجھے بہت اچھی لگ رہی ہے۔ پلیز یہ مجھے گفٹ کر دو''...... طارق محمود نے اصل بات کی طرف آتے ہوئے کہا تو علینہ کے چہرے کے تاثرات یکدم بدل گئے لیکن جلد ہی اس نے اپنے تاثرات چھپا لئے۔

''ڈیئر۔ میں نے تمہیں بتایا تو ہے یہ مجھے ایک دوست نے گفٹ میں دی تھی''...... علینہ نے کہا۔

''میں بھی تو تمہارا دوست ہوں۔ تم مجھے گفٹ کر دو''...... طارق محمود نے ضد کرتے ہوئے کہا۔

''اب میں تمہیں کیسے سمجھاؤں۔ اچھا ٹھیک ہے۔ صبح جب میں جانے لگوں گی تو پھر لے لینا یہ گھڑی''...... علینہ نے کہا۔

''صبح نہیں علینہ۔ یہ گھڑی تم مجھے ابھی دے دو۔ تھوڑی دیر کے لئے دے دو۔ پھر میں تمہیں واپس کر دوں گا''...... طارق محمود نے کہا اور پھر اس نے بے تکلفی سے علینہ کا ہاتھ پکڑ لیا۔ اس کا دوسرا ہاتھ گھڑی کی طرف بڑھا لیکن علینہ نے جھٹکے سے اپنا ہاتھ چھڑا لیا۔

''ڈیئر۔ تمہیں کیا ہو گیا ہے۔ میں نے کہا تو ہے کہ صبح لے لینا یہ گھڑی''...... علینہ نے ہلکے سے غصے میں کہا۔

''تمہیں یہ گھڑی اتنی ہی عزیز ہے کہ تم نے میرا ہاتھ جھٹک دیا ہے''...... طارق محمود نے بھی ناراض سے لہجے میں کہا۔ ویسے اب اس کا شک یقین میں بدل گیا تھا کہ گھڑی میں ٹرانسمیٹر فٹ ہے اور علینہ غیر ملکی ایجنٹ ہے۔

طارق محمود ایک عیاش اور حسن پرست آفیسر تھا لیکن وہ محب وطن بھی تھا۔ ایک عرصے سے اس کی ڈیوٹی گرین بلڈنگ میں تھی۔ گرین بلڈنگ پاکیشیا کی قومی سلامتی کے ادارے فرنٹ لائن کی حساس ترین عمارت تھی۔ طارق محمود وہاں سیکرٹری لیول کا آفیسر تھا جبکہ وہاں موجود باقی تمام افراد کا تعلق ملٹری سے تھا۔ اس عمارت میں کئی ریکارڈ رومز تھے جن میں پاکیشیا کی اہم ترین فائلیں موجود تھیں۔ علینہ سے اس کی ملاقات ایک دن پہلے ہی ہوئی تھی۔ یہ اتنی خوبصورت اور پرکشش تھی کہ طارق محمود اس کے لئے دیوانہ ہو گیا تھا۔ علینہ نے اسے بتایا تھا کہ وہ یونیورسٹی کی سٹوڈنٹ ہے اور ملک کے نامور سیاست دان کی بیٹی ہے لیکن اب طارق محمود کو محسوس ہو رہا تھا کہ علینہ نے اس سے جو کچھ کہا تھا وہ جھوٹ تھا۔

''گفٹ تو بہت قیمتی ہوتا ہے نا ڈیئر''...... علینہ نے ایک بار پھر لاڈ بھرے لہجے میں کہا۔

''بس۔ اب آخری بار کہہ رہا ہوں کہ یہ گھڑی مجھے دے

دو''...... طارق محمود نے اس مرتبہ سخت لہجے میں کہا۔

''مجھے یہ بات سمجھ میں نہیں آ رہی کہ تم اس گھڑی کے لئے اتنے جذباتی کیوں ہو رہے ہو''...... علینہ نے منہ بنا کر کہا لیکن اگلے ہی لمحے اس کی چیخ بلند ہوئی اور وہ اچھل کر بیڈ سے نیچے جا گری۔ طارق محمود کا ہاتھ اس کے منہ پر اس قدر زور سے پڑا تھا کہ اس کا ایک ہونٹ پھٹ گیا اور وہاں سے خون رسنے لگا۔

''تم شاید پاگل ہو گئے ہو طارق۔ میں اب یہاں ایک پل نہیں رک سکتی۔ تم مجھے اس بلڈنگ سے باہر چھوڑ دو''...... علینہ نے غصے سے کہا۔

''او کے۔ لیکن گھڑی تمہیں دینی ہو گی''...... طارق محمود نے کہا۔ اسے یقین ہو گیا تھا کہ علینہ غیر ملکی ایجنٹ ہے لیکن وہ اس کے خلاف یہاں کوئی کارروائی نہیں کرنا چاہتا تھا کیونکہ وہ خود اسے یہاں لایا تھا۔ اب اس کے خلاف کارروائی کرنے سے اس کے اپنے خلاف کارروائی ہوسکتی تھی۔ اس پر غداری کا مقدمہ قائم ہوسکتا تھا اس لئے طارق محمود نے سوچا کہ وہ علینہ کو اس بلڈنگ سے باہر لے جا کر اس کے خلاف کارروائی کرے گا۔

''او کے۔ اتار لو یہ گھڑی''...... علینہ نے منہ بنا کر کہا۔ اس نے اب جس انداز میں بات کی تھی طارق محمود اس سے شش و پنج میں پڑ گیا لیکن اس نے ریسٹ واچ کو چیک کرنا ضروری سمجھا۔ علینہ نے اپنی کلائی طارق محمود کی طرف کی ہوئی تھی۔ اس کا منہ اس طرح

پھولا ہوا تھا جیسے وہ طارق محمود سے سخت ناراض ہو گئی ہو۔ طارق محمود نے اس کی کلائی پکڑ لی۔ پھر جیسے ہی اس کا دوسرا ہاتھ ریسٹ واچ کی طرف بڑھا۔ بے اختیار اس کے منہ سے اوغ کی آواز نکلی اور وہ لڑکھڑا کر دو قدم پیچھے ہٹا۔ علینہ نے اس کی پیٹ میں ٹھوکر ماری تھی۔ لڑکھڑانے کے بعد ابھی وہ سنبھل ہی رہا تھا کہ اس کے منہ سے کراہ بلند ہوئی۔ علینہ نے اچھل کر اس کے منہ پر ٹکر ماری تھی۔ اس ٹکر سے طارق محمود کی آنکھوں کے سامنے ستارے سے جھلملانے لگے۔ ٹکر مارتے کے بعد علینہ نے اس کی کنپٹی پر مکا مارنا چاہا لیکن اب طارق محمود نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ ہاتھ پکڑتے ہی طارق محمود نے اسے جھٹکا دے کر بیڈ کی طرف دھکا دے دیا۔ علینہ بیڈ پر جا گری۔

''بس۔ اب تمہارا کھیل ختم۔ اب آرام اور سکون سے بیڈ پر بیٹھ جاؤ''...... طارق محمود نے کرخت لہجے میں کہا۔ اب اس کے ہاتھ میں ریوالور نظر آ رہا تھا۔ علینہ نے طارق محمود کو غصے سے دیکھا۔

''آخر تم میرے ساتھ یہ سلوک کیوں کر رہے ہو۔ کیا بگاڑا ہے میں نے تمہارا''...... علینہ نے غصے سے کہا۔

''کیا کافرستان میں مرد ایجنٹوں کی کمی ہو گئی ہے کہ اب عورتیں آنے لگیں ہیں''...... طارق محمود نے کہا۔ علینہ چند لمحے تو اسے غور سے دیکھتی رہی۔ پھر اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آ گئی۔

''تو تم مجھے کافرستانی سمجھ رہے ہو۔ احمق انسان۔ کیا کافرستانی

عورتوں کے جسم ایسے سرخ و سفید ہوتے ہیں۔ کیا ان کے نین نقش میرے جیسے ہوتے ہیں“...... علینہ نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

”میک اپ انڈسٹری نے خوب ترقی کر لی ہے۔ اب کسی بھی قومیت کا میک اپ کرنا مشکل نہیں رہا“...... طارق محمود نے کہا۔

”میں نے صرف چہرے کا میک اپ کیا ہوا ہے طارق اور یہ میک اپ بھی ایک پاکیشائی لڑکی کا ہے۔ میرے باقی جسم کا رنگ میرا اپنا ہے“...... علینہ نے بدستور طنزیہ لہجے میں کہا۔

”اوکے۔ تم کافرستانی نہیں ہو۔ یورپین ہو لیکن یہاں آ کر تم نے بہت بڑی غلطی کی ہے۔ اب تم زندہ واپس نہیں جا سکو گی“۔ طارق محمود نے سخت لہجے میں کہا۔

”احمق انسان۔ اس بلڈنگ میں میرے خلاف کوئی کارروائی نہ کرنا ورنہ مارے جاؤ گے“...... علینہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”میں اس کمرے میں تمہارے سینکڑوں ٹکڑے کروں گا اور پھر ان ٹکڑوں کو فلش میں بہا دوں گا“...... طارق محمود نے بدستور کرخت لہجے میں کہا۔

”میں تو شور مچا دوں گی۔ خود مری تو تمہیں بھی ساتھ لے کر مروں گی“...... علینہ نے کہا۔

”تم نجانے کیسی ایجنٹ ہو کہ تمہیں یہ بھی معلوم نہیں کہ تم جس کمرے میں ہو۔ وہ کمرہ ساؤنڈ پروف ہے“...... طارق محمود نے طنزیہ لہجے میں کہا تو علینہ کی مسکراہٹ میں اضافہ ہو گیا۔

”سنو علینہ۔ اگر تم مجھے اپنے اور اپنے مشن کے بارے میں بتا دو تو میں تمہیں رعایت دے سکتا ہوں۔ میں تمہیں صحیح سلامت اس بلڈنگ سے باہر پہنچا دوں گا“...... طارق محمود نے کہا۔

”اوکے۔ اگر تم یہ وعدہ کرتے ہو تو میں تمہیں اپنے بارے میں بتا دیتی ہوں“...... علینہ نے کہا اور پھر وہ یکدم ہی چونکی، اس کی نظریں طارق محمود کی پشت پر موجود دروازے کی طرف تھیں۔ گو کہ یہ حربہ بہت ہی پرانا تھا اور طارق محمود بھی اس حربے کے بارے میں جانتا تھا۔ اس کے باوجود اس نے لاشعوری طور پر گردن کو تھوڑا سا گھما کر دروازے کی طرف دیکھا۔ علینہ کے لئے اتنا موقع ہی کافی تھا۔ وہ بیڈ پر تھی اور اس کے قریب ہی گاؤ تکیہ رکھا ہوا تھا۔ وہ گاؤ تکیہ ایک سیکنڈ کے بھی ہزارویں حصے میں حرکت میں آیا اور اڑتا ہوا طارق محمود کے منہ سے جا ٹکرایا۔ گاؤ تکیے کے پیچھے علینہ نے بھی طارق محمود پر چھلانگ لگا دی۔ طارق محمود منہ پر پڑنے والے تکیے کو ہاتھ سے دور ہٹانے کی کوشش کر ہی رہا تھا کہ علینہ اس کے سر پر پہنچ گئی۔ اس نے طارق محمود کے ریوالور والے ہاتھ پر ہاتھ مارا تو ریوالور طارق محمود کے ہاتھ سے نکل گیا۔ علینہ نے پوری قوت سے اپنے سر کی ٹکر طارق محمود کے سینے پر ماری۔ ٹکر کھا کر طارق محمود لڑکھڑا کر دو قدم پیچھے ہٹ گیا جبکہ علینہ وہیں فرش پر گر گئی۔ وہ خود ہی فرش پر گری تھی کیونکہ وہاں ریوالور پڑا ہوا تھا۔ طارق محمود نے بھی سنبھلنے میں دیر نہ لگائی لیکن علینہ اسی دوران

ریوالور اٹھا چکی تھی۔ طارق محمود نے سنبھلتے ہی علینہ پر چھلانگ لگا دی لیکن علینہ اس دوران ریوالور سیدھا کر چکی تھی۔ اس لئے جیسے ہی طارق محمود نے اس پر چھلانگ لگائی اس نے ٹریگر دبا دیا۔ ایک دھماکا ہوا اور طارق محمود کی چیخ بلند ہوئی۔ گولی اس کے سینے میں لگی تھی۔ گولی کھا کر وہ علینہ پر ہی گر رہا تھا کہ اس نے بجلی کی سی تیزی سے کروٹ بدل لی۔ طارق محمود اس کے قریب ہی آ گرا۔ گرتے ہی اس کا ہاتھ حرکت میں آیا اور علینہ کے منہ سے چیخ نکل گئی۔ طارق محمود کا ہاتھ اس کے منہ پر پڑا تھا اور طارق محمود کی انگلیوں کے نشان علینہ کے رخسار پر ثبت ہو گئے۔ علینہ کو تھپڑ مارتے ہی طارق محمود ایک جھٹکے سے کھڑا ہوا لیکن اس کے حلق سے چیخ نکل گئی۔ اس کے سینے میں جو گولی لگی تھی اس کی وجہ سے اس کے جسم میں درد کی ایک ناقابل برداشت لہر دوڑتی چلی گئی تھی۔ جس کی وجہ سے بے اختیار اس کے منہ سے چیخ نکلی تھی اور بے اختیار دونوں ہاتھ اس کے سینے پر پہنچ گئے۔ جہاں سے گرم گرم خون ابل رہا تھا۔ طارق محمود نے اپنے سینے پر ہاتھ رکھا تو علینہ کو فائر کرنے کا موقع مل گیا۔ اس نے ٹریگر دبا دیا۔ ایک اور دھماکا ہوا اور اس بار بھی گولی اس کے سینے میں لگی۔ پسلیوں کو چیرتی ہوئی یہ گولی طارق محمود کے دل میں جا لگی۔ طارق محمود کے حلق سے دلدوز چیخ بلند ہوئی اور وہ کٹے ہوئے درخت کی طرح فرش پر گرتا چلا گیا۔ نیچے گر کر وہ چند لمحے تڑپا اور پھر اس نے آخری ہچکی لی اور

دم توڑ دیا۔ علینہ نے ایک طویل سانس لیا۔ پھر اس نے ریوالور جیب میں رکھ لیا اور ازدگرد نظر دوڑانے لگی۔ ابھی وہ ادھر ادھر دیکھ ہی رہی تھی کہ دروازے پر دستک ہوئی اور وہ اچھل پڑی۔

''کون آ گیا اس وقت''...... علینہ نے بڑبڑاتے ہوئے کہا۔ طارق محمود کی لاش دروازے کے سامنے ہی پڑی تھی۔ آنے والا فوراً اسے دیکھ سکتا تھا اس لئے علینہ نے طارق محمود کی لاش کو کالر سے پکڑا اور گھسیٹتے ہوئے تھری سیٹر صوفے کے پیچھے لے گئی۔ اسی دوران دستک ایک بار پھر ہوئی۔ علینہ نے ایک بار فرش کی طرف دیکھا فرش پر سرخ قالین بچھا ہوا تھا لیکن اس کے باوجود وہاں خون دکھائی دے رہا تھا۔ علینہ نے فوراً ہی بیڈ شیٹ کھینچ کر خون پر پھینک دی اور پھر وہ دروازے کی طرف بڑھی۔ کیونکہ دروازے پر اب مسلسل دستک ہو رہی تھی۔

''اتنی دیر لگا دی دروازہ کھولنے میں''...... جیسے ہی علینہ نے دروازہ کھولا۔ اسے ایک تیز آواز سنائی دی اور اس کے ساتھ ہی ایک سمارٹ سی لڑکی کمرے میں داخل ہوگئی۔

''تم۔ تمہاری وجہ سے دروازہ اتنی دیر سے کھلا ہے۔ مجھے گھر پر ہی اطلاع مل گئی تھی کہ میری عدم موجودگی میں طارق کسی بازاری لڑکی کو اپنے کمرے میں لے آیا ہے۔ کہاں ہے طارق''...... اس لڑکی نے علینہ کو دیکھ کر غصے ہوتے ہوئے کہا۔ اس کا انداز بتا رہا تھا کہ وہ طارق کی منگیتر راحیلہ ہے۔

''وہ باتھ روم میں ہیں''...... علینہ نے کہا۔ راحیلہ نے اسے بازاری عورت کہا تھا لیکن اسے اس بات پر غصہ نہیں آیا تھا۔ وہ کریمنل تھی اور اسے بہت سی سچوئشنز کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔ علینہ کی بات سن کر راحیلہ باتھ روم کی طرف بڑھی جبکہ علینہ نے دروازہ اندر سے بند کرلیا۔

''طارق باتھ روم میں تو نہیں ہے''...... راحیلہ نے باتھ روم کو چیک کرنے کے بعد کہا۔

''تم راحیلہ ہو نا۔ طارق صاحب کی منگیتر''...... علینہ نے پوچھا۔

''ہاں۔ میں راحیلہ ہی ہوں لیکن طارق کہاں ہے''...... راحیلہ نے بدستور غصیلے لہجے میں کہا۔

''طارق صاحب اس صوفے کے پیچھے چھپے ہوئے ہیں''۔ علینہ نے تھری سیٹر صوفے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

''صوفے کے پیچھے چھپا ہوا ہے لیکن کیوں''...... راحیلہ نے حیرت بھرے لہجے میں کہا۔

''شاید تمہاری وجہ سے۔ بہرحال تم دیکھ لو اسے''...... علینہ نے منہ بناتے ہوئے کہا۔ راحیلہ نے حیران و پریشان نظروں سے علینہ کو دیکھا اور پھر وہ صوفے کی طرف بڑھی۔ جیسے ہی وہ صوفے کے پیچھے پہنچی اس کی چیخ بلند ہوئی۔ چیخنے کے بعد اس کی نظر جیسے ہی علینہ پر پڑی تو خوف سے اس کی ایک اور چیخ نکل گئی کیونکہ اب

علینہ کے ہاتھ میں ریوالور تھا۔

''تم نے دیکھ لیا ہے طارق محمود کو''...... علینہ نے ریوالور کو انگلی پر گھماتے ہوئے کہا۔

''آں۔ ہاں۔ ہاں''...... اس نے ہکلاتے ہوئے کہا وہ بری طرح خوفزدہ ہو چکی تھی۔

''اوکے۔ اب تم صوفے پر بیٹھ جاؤ اور اپنے ہاتھ سر پر رکھ لو اور ہاں یہ بھی یاد رکھنا اگر تم نے میرا کوئی حکم ماننے سے انکار کیا تو تم بھی لاش میں تبدیل ہو جاؤ گی''...... علینہ نے غرا کر کہا۔

''نن۔ نن۔ نہیں۔ مم۔ مجھے مت مارنا۔ تت۔ تت۔ تم جو کہو گی۔ میں کروں گی''...... راحیلہ نے ہکلاتے ہوئے کہا اور اس کے ساتھ ہی وہ صوفے پر بیٹھ گئی اور اس نے اپنے ہاتھ اپنے سر پر رکھ لئے۔

''گڈ۔ تم سمجھدار لڑکی دکھائی دے رہی ہو۔ اگر تم نے اسی طرح سمجھداری سے کام لیا تو زندہ رہو گی اور اگر طارق کی طرح حماقت کی تو پھر ماری جاؤ گی''...... علینہ نے کہا تو راحیلہ نے اس مرتبہ صرف اثبات میں سر ہلا دیا۔

''تم یہاں کمپیوٹر آپریٹر ہو''...... علینہ نے پوچھا تو راحیلہ نے اس مرتبہ بھی سر ہلا کر اس کے سوال کا جواب دیا۔

''اس بلڈنگ کی تفصیل بتاؤ''...... علینہ نے پوچھا۔

''کس قسم کی تفصیل''...... راحیلہ نے پوچھا۔

’’یہ بلڈنگ کتنی بڑی ہے۔ اس کے کتنے حصے ہیں۔ یہاں کتنے افراد ہوتے ہیں وغیرہ وغیرہ‘‘...... علینہ نے کہا۔

’’یہ تو بہت بڑی بلڈنگ ہے۔ میں اس کے سارے حصوں میں نہیں گئی ہوئی کیونکہ بعض حصوں میں جانا میرے لئے بھی منع ہے۔ میں تو یہاں کے ملازمین کا ریکارڈ رکھتی ہوں بس‘‘...... راحیلہ نے کہا۔

’’تم طارق محمود کا نام استعمال کر کے اس بلڈنگ کے جس حصے میں جانا چاہو جا سکتی ہو۔ آخر تم طارق محمود کی منگیتر ہو کوئی عام لڑکی نہیں ہو‘‘...... علینہ نے اسے غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔

’’ہاں۔ جا تو سکتی ہو لیکن گئی کبھی نہیں۔ بلڈنگ کے کئی حصے ایسے ہیں جہاں جانے کی مجھے کبھی ضرورت محسوس نہیں ہوئی‘‘۔ راحیلہ نے کہا۔

’’ریکارڈ رومز میں گئی ہو کبھی‘‘...... علینہ نے پوچھا تو راحیلہ نے چونک کر اسے دیکھا۔

’’نہیں۔ میں ریکارڈ رومز کی طرف کبھی نہیں گئی۔ وہاں بھلا میرا کیا کام‘‘...... راحیلہ نے کہا۔

’’طارق محمود کا اسسٹنٹ میجر نادر ریکارڈ رومز کا انچارج ہے۔ اس کے ساتھ تمہارے تعلقات کیسے ہیں‘‘...... علینہ نے پوچھا۔

’’میں اس کے باس کی منگیتر ہوں۔ اس رشتے سے وہ میری عزت کرتا ہے‘‘...... راحیلہ نے جواب دیا۔

’’تم نوجوان ہو، پرکشش ہو، حسین ہو، میجر نادر کی آنکھوں میں تمہارے لئے کبھی پسند کے تاثرات پیدا ہوئے‘‘...... علینہ نے معنی خیز انداز میں مسکراتے ہوئے کہا۔

’’یہ تو مردوں کی نیچر ہوتی ہے کہ خوبصورت عورت کو دیکھ کر وہ اسے پانے کی خواہش کرتے ہیں لیکن ہر خواہش پوری تو نہیں ہوتی نا‘‘...... راحیلہ نے کہا تو علینہ نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ پھر وہ ڈریسنگ ٹیبل کی طرف بڑھی۔ اس نے ریوالور اپنے سامنے رکھا اور وہاں رکھا ہوا اپنا ہینڈ بیگ اٹھا کر اسے کھولنے لگی۔ پھر اس نے انتہائی پھرتی سے ریوالور اٹھایا اور کمرے میں دھماکا ہوا۔ گولی راحیلہ کے کان کے قریب سے گزرتی چلی گئی۔ راحیلہ کی چیخ بلند ہوئی اور وہ خوفزدہ ہو کر بیڈ پر گر گئی۔

’’اٹھ کر بیٹھو راحیلہ اور یہ مت سمجھنا کہ میں تمہاری طرف سے غافل ہوں اور یہ بھی مت سمجھنا کہ میرا نشانہ خطا ہو گیا ہے۔ میں نے خود تمہارے سر میں گولی نہیں ماری لیکن اب اگر تم نے ہلنے جلنے کی کوشش کی تو اگلی گولی تمہارے ماتھے میں سوراخ کر دے گی‘‘...... علینہ نے سرد لہجے میں کہا تو راحیلہ اٹھ بیٹھی۔ اس کی آنکھیں اور چہرہ دہشت زدہ ہو گیا تھا۔ گولی کی صورت میں موت اس کے کان کو چھوتے ہوئے گزر گئی تھی۔

’’پہلے کی طرح اپنے ہاتھ سر پر رکھ لو‘‘...... علینہ نے تحکمانہ لہجے میں کہا تو راحیلہ نے اس کے حکم کی تعمیل کی۔ علینہ چند لمحوں

تک اسے دیکھتی رہی پھر اس نے ریوالور ڈریسنگ ٹیبل پر رکھ دیا اور اپنا ہینڈ بیگ اٹھا لیا۔ ہینڈ بیگ میں اس کا چھوٹا سا میک اپ باکس تھا۔ اس نے وہ میک اپ باکس نکالا اور پھر اس کے ہاتھ اپنے چہرے پر چلنے لگے۔ اس دوران اس کی توجہ راحیلہ پر بھی رہی۔ راحیلہ اس سے بہت خوفزدہ ہو چکی تھی اس لئے اب وہ آرام سے بیٹھی رہی۔ تقریباً دس منٹ بعد راحیلہ نے علینہ کی طرف دیکھا تو حیرت سے اس کی چیخ نکل گئی۔ اب راحیلہ اور علینہ میں کوئی فرق نہیں رہا تھا۔ اسے اپنی شکل میں دیکھ کر راحیلہ کی آنکھیں حیرت سے پھٹنے لگیں۔

''تت۔ تت۔ تم''...... حیرت کی وجہ سے راحیلہ بات پوری نہ کر سکی۔

''تم سب کو بتا سکتی ہو کہ میں تمہاری جڑواں بہن ہوں''۔ علینہ نے مسکراتے ہوئے کہا اور پھر وہ ریوالور اٹھا کر راحیلہ کی طرف بڑھی۔ راحیلہ حیرت سے ساکت ہو چکی تھی۔ وہ علینہ کی بات کا جواب بھی نہ دے سکی۔

''اے کہاں کھو گئی ہو۔ اب ہاتھ نیچے کر لو۔ تمہاری مشکل ختم ہونے والی ہے''...... علینہ نے مسکراتے ہوئے کہا تو راحیلہ نے ہاتھ نیچے کر لئے۔

''میجر نادر کے روم کا نمبر کیا ہے''...... علینہ نے پوچھا۔

''دوسری گیلری میں روم نمبر سکس''...... راحیلہ نے جواب دیا۔

جیسے ہی اس کی بات مکمل ہوئی اس کی ایک چیخ بھی بلند ہوئی کیونکہ علینہ نے ریوالور کا دستہ اس کی کنپٹی پر رسید کر دیا تھا۔ راحیلہ بیڈ پر گرتی چلی گئی اور اس کی آنکھوں میں اندھیرا چھا گیا۔ ایک ہی وار نے اسے بے ہوش کر دیا تھا۔ جیسے ہی وہ بے ہوش ہوئی علینہ نے اس کا لباس اتار کر خود پہن لیا۔ اپنا لباس اس نے وہیں پھینک دیا۔ پھر اس نے ریوالور کا رخ راحیلہ کی طرف کر کے ٹریگر دبا دیا۔ راحیلہ کی چیخ بلند ہوئی اور وہ بیڈ پر تڑپنے لگی۔ علینہ نے اس کے تڑپنے کو نظر انداز کیا اور بیڈ کی سائیڈ ٹیبل کی دراز کی تلاشی لینے لگی۔ تلاشی کے دوران اسے ایک چابی نظر آ گئی۔ اس نے وہ چابی اٹھائی۔ ریوالور اپنے ہینڈ بیگ میں رکھا اور پھر دروازے کی طرف بڑھی۔ راحیلہ ابھی تک تڑپ رہی تھی لیکن علینہ نے اس کی طرف دیکھنا بھی گوارا نہ کیا۔ کمرے سے باہر آ کر اس نے دروازے میں لگے لاک کے ''کی ہول'' میں چابی گھمائی اور پھر وہ گیلری میں آگے بڑھی۔ چند قدم کے بعد گیلری مڑ گئی تھی۔ وہ بھی گیلری کے ساتھ مڑ گئی اور مطمئن انداز میں چلتی ہوئی دوسری گیلری میں آ گئی۔ اس گیلری میں بھی دونوں جانب کمرے تھے اور دروازوں پر نمبر لکھے ہوئے تھے۔ وہ کمرہ نمبر چھ پر رکی اور پھر اس نے دروازے پر دستک دی اور ساتھ ہی اس نے ہینڈل بھی دبایا۔ دروازے کو تالا نہیں لگا ہوا تھا۔ ہینڈل دبانے سے دروازہ کھل گیا اور اس نے اندر جھانکا۔ اندر ایک لمبا تڑنگا اور مضبوط جسم کا نوجوان کرسی پر بیٹھا ہوا

تھا اور اس کے ہاتھ میں کتاب تھی۔ دروازہ کھلتے دیکھ کر اس نے دروازے کی طرف دیکھا۔

''کیا میں اندر آ سکتی ہوں'' ...... علینہ نے گلوگیر لہجے میں کہا۔ میک اپ کے دوران اس نے آنکھوں میں ڈراپس بھی ڈال لئے تھے جس کی وجہ سے اس کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں اور ایسے محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ خوب روئی ہو۔

''جی۔ جی مس راحیلہ۔ تشریف لایئے'' ...... اسے دیکھ کر کرسی پر بیٹھے ہوئے نوجوان نے اٹھتے ہوئے کہا۔ یہ میجر نادر تھا۔ علینہ آہستہ آہستہ چلتی ہوئی اس کے قریب آ گئی۔ میجر نادر نے کتاب ٹیبل پر رکھ دی۔

''تشریف رکھیئے'' ...... میجر نادر نے کہا تو علینہ دوسری کرسی پر بیٹھ گئی۔ اس نے نظریں جھکا لیں۔ یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ اپنے آنسو روکنے کی کوشش کر رہی ہو۔

''تمہارے باس نے مجھ سے بے وفائی کی ہے اور اب میرا دل چاہ رہا ہے کہ میں خودکشی کر لوں'' ...... علینہ نے انتہائی گلوگیر لہجے میں کہا۔ اس طرح بات کرنے کے دو مقصد تھے۔ ایک تو میجر نادر نے اس سے متاثر ہونا تھا اور دوسرا اس نے بدلی ہوئی آواز پر توجہ نہیں دینی تھی۔ اس نے یہی سمجھنا تھا کہ رونے کی وجہ سے راحیلہ کی آواز بدلی ہوئی ہے۔

''مس راحیلہ۔ اب آپ نے اپنی آنکھوں سے طارق صاحب

کی بے وفائی دیکھ لی۔ میرے فون پر تو آپ کو یقین نہیں آ رہا تھا''۔ میجر نادر نے ہمدردانہ لہجے میں کہا۔

''ہاں۔ اس نے مجھے بے عزت کیا ہے۔ میری محبت کا مذاق اڑایا ہے۔ وہ اس وقت بھی اس فاحشہ عورت کے ساتھ رنگ رلیاں منا رہا ہے۔ بس میں نے اب خودکشی ہی کرنی ہے'' ...... علینہ نے کہا اور اس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔

''نہیں۔ ایک بے وفا کی خاطر آپ اپنی زندگی کا خاتمہ کیوں کرتی ہیں۔ اگر طارق صاحب نے آپ سے بے وفائی کی ہے تو آپ ان کا خیال ہی دل سے نکال دیں۔ زندگی بہت حسین چیز ہے۔ کسی کی خاطر اسے ختم نہیں کرنا چاہئے'' ...... نادر نے اسے سمجھانے والے انداز میں کہا۔

''طارق نے مجھے برباد کر دیا ہے میجر۔ اس نے مجھ سے منگنی کر کے میرے ساتھ کئی راتیں گزاری ہیں اور اب اس نے مجھ سے منگنی بھی توڑ دی ہے'' ...... علینہ نے بدستور روتے ہوئے کہا۔

''آپ بھول جائیں طارق محمود کو۔ آپ نوجوان، حسین اور پرکشش ہیں۔ کئی لوگ آپ سے شادی کرنے کو ترستے ہوں گے'' ...... میجر نے علینہ کو تسلی دیتے ہوئے کہا تو وہ سر جھکا کر بیٹھ گئی لیکن اس کی آنکھوں سے آنسو مسلسل گرتے رہے۔ پھر وہ یکدم چونکی۔

''جس طرح طارق نے مجھے برباد کیا ہے۔ میں بھی اسے اسی

طرح برباد کر دوں گی اور اس کے لئے تمہیں میرا ساتھ دینا ہو گا''...... علینہ نے چونکتے ہوئے کہا۔

''مم۔ میں۔ میں بھلا آپ کا کیا ساتھ دے سکتا ہوں اور وہ بھی طارق محمود کے خلاف۔ طارق محمود صاحب میرے باس ہیں''...... میجر نے ہکلاتے ہوئے کہا۔

''میجر۔ تمہارا کہیں نام نہیں آئے گا اور میں اسے اس طرح برباد کروں گی کہ وہ سروس میں ہی نہیں رہے گا بلکہ اس کا کورٹ مارشل ہو جائے گا۔ مجھے ایک زبردست بات یاد آ گئی ہے۔ بس تمہیں کچھ دیر کے لئے میرا ساتھ دینا ہو گا''...... علینہ نے میجر کا ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا۔ علینہ کا ہاتھ میجر کے ہاتھ میں آیا تو اس کے جسم پر چیونٹیاں سی رینگنے لگیں۔

''مم۔مم۔ مجھے کیا کرنا ہو گا''...... میجر نے جذبات میں ڈوبی ہوئی آواز میں کہا۔ علینہ کے لمس نے اسے بے خود کر دیا تھا۔

''ریکارڈ رومز میں طارق محمود کے متعلق ایک فائل ہے۔ تم میرے ساتھ چلو اور وہ فائل مجھے اٹھا دو''...... علینہ نے کہا۔

''طارق محمود کے متعلق فائل۔ یہ کیسے ممکن ہے۔ ریکارڈ رومز میں کسی کی پرسنل فائلیں تو نہیں ہوتیں''...... میجر نے کہا۔

''ہے ایک فائل۔ تم اس کے بارے میں نہیں جانتے لیکن میں جانتی ہوں۔ میں جب وہ فائل تمہیں دکھاؤں گی تو تم خود اپنی آنکھوں سے دیکھ لینا۔ میں تم سے غلط بیانی تو نہیں کر سکتی''۔ علینہ

نے جوشیلے لہجے میں کہا۔

''اچھا۔ چل کر دیکھتے ہیں لیکن کچھ دیر صبر کرو۔ اس وقت تمہاری حالت ٹھیک نہیں ہے۔ میں تمہارے لئے وہسکی کا پیگ بناتا ہوں۔ تم وہ پیو۔ کچھ دیر وقت ہم ساتھ گزارتے ہیں جس سے تمہاری طبیعت کافی حد تک ٹھیک ہو جائے گی اور تم فریش بھی ہو جاؤ گی۔ پھر ہم ریکارڈ رومز میں چلیں گے''...... میجر نادر نے کہا۔ وہ علینہ کا قرب حاصل کرنے کے لئے یہ اچھا موقع تھا اور میجر نادر اس موقع سے فائدہ اٹھانا چاہتا تھا۔

''نہیں۔ میں انتظار نہیں کر سکتی۔ تمہاری جو خواہش ہے وہ میری بھی ہے۔ ریکارڈ رومز سے واپسی پر ہم اپنی خواہش پوری کریں گے لیکن اب اگر تم نے انکار کیا تو میں تمہارے ریوالور سے خودکشی کر لوں گی''...... علینہ نے نہایت ہی جذباتی لہجے میں کہا اور پھر اس نے ٹیبل پر رکھا ہو میجر نادر کا ریوالور اٹھایا اور اپنی کنپٹی پر رکھ لیا۔ میجر نادر یکدم گھبرا گیا۔ انسانی تاریخ گواہ ہے کہ عورت کے سامنے بڑے بڑے سورماؤں کی طاقت خاک میں مل گئی۔ بڑے بڑے دانشوروں کی عقل خبط ہو گئی۔ بے چارے میجر نادر کی تو کوئی اوقات ہی نہیں تھی۔

''او کے۔ او کے۔ میں تمہارے ساتھ چلتا ہوں۔ یہ ریوالور مجھے دے دو۔ یہ چل جائے گا''...... میجر نادر نے گھبراتے ہوئے لہجے میں کہا۔

''اوہ۔ تھینک یو میجر۔ تھینک یو۔ مجھ سے دوستی کے حقدار صرف تم ہی ہو''...... علینہ نے خوش ہوتے ہوئے کہا اور پھر اس نے ریوالور میجر نادر کو دے دیا۔ میجر نادر نے ریوالور اپنی جیب میں رکھ لیا۔ اس کے بعد اس نے میز کی دراز کھول کر ایک چابی نکال لی۔

''آؤ''...... میجر نادر نے کہا اور پھر وہ دروازے کی طرف بڑھا۔ علینہ اس کے پیچھے چلنے لگی۔ اس کی آنکھوں میں ایک خاص چمک پیدا ہو چکی تھی۔

''ہاں میجر۔ یہ تو بتاؤ کہ آئی ٹن فائل کس سیف میں ہے''۔ چلتے چلتے علینہ نے پوچھا۔

''آئی ٹن فائل تو پاکیشیا سیکرٹ سروس نے منگوا لی ہے۔ وہ تو یہاں نہیں ہے''...... میجر نادر نے کہا تو علینہ مایوس ہو گئی لیکن وہ کچھ بولی نہیں۔ مختلف گیلریوں اور پلاٹوں سے گزرتے ہوئے وہ بلڈنگ کے دوسرے حصے میں آ گئے۔ راستے میں انہیں کئی فوجی ملے تھے جو جدید اسلحے سے مسلح تھے۔ ان سب نے میجر نادر اور علینہ کو مؤدبانہ انداز میں سلام کیا تھا۔ بلڈنگ کے اس حصے میں بھی پہلے برآمدہ تھا اور اس کے بعد گیلری، گیلری کی دونوں جانب کمرے دکھائی دے رہے تھے۔ وہ دونوں تیز تیز چلتے ہوئے برآمدے تک پہنچے۔ پھر جیسے ہی علینہ نے برآمدے کی سیڑھی پر قدم رکھا تو یکدم تیز سائرن بج اٹھا اور میجر نادر سمیت وہاں موجود تمام افراد اچھل پڑے۔ میجر نادر نے پلک جھپکتے ہی اپنی جیب سے ریوالور نکال کر

علینہ کی کنپٹی پر رکھ دیا۔ علینہ سائرن بجنے کی وجہ سے ساکت سی ہو گئی تھی۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ اس طرح سائرن بھی بج سکتا ہے۔ میجر نادر کے ساتھ ساتھ دوسرے فوجیوں کی مشین گنوں کے رخ بھی اس کی طرف ہو گئے۔ اب سائرن بند ہو گیا تھا۔

''یہ۔ یہ۔ کک۔ کیا ہے۔ مجھ پر اس طرح گنیں کیوں تان لی گئی ہیں''...... علینہ نے حیرت پر قابو پاتے ہوئے کہا۔ اسی لمحے گیلری سے ایک فوجی تیزی سے چلتا ہوا نمودار ہوا۔ اس نے میجر نادر کے قریب آ کر سلوٹ کیا۔

''کیپٹن۔ راحیلہ کے سیڑھی پر قدم رکھتے ہی خطرے کا الارم کیوں بجا ہے''...... میجر نادر نے اس فوجی سے پوچھا۔

''سر۔ یہ غیر ملکی لڑکی ہے مس راحیلہ نہیں ہے۔ اس کے ہینڈ بیگ میں ریوالور ہے اور اس نے جو ریسٹ واچ پہنی ہوئی ہے اس میں ٹرانسمیٹر فٹ ہے''...... کیپٹن نے مؤدبانہ لہجے میں کہا۔

''کک۔ کک۔ کیا''...... میجر نادر نے حیرت بھرے لہجے میں کہا اور پھر وہ خاموش ہو گیا۔ وہ علینہ کو غور سے دیکھتا رہا اور سوچتا رہا۔

''ہونہہ۔ تو یہ غیر ملکی سیکرٹ ایجنٹ ہے۔ اوہ مائی گاڈ۔ اس نے ہمیں کتنا بڑا ڈاج دیا ہے اور ہم آسانی سے اس سے دھوکا کھا گئے''...... میجر نادر نے انتہائی پریشان لہجے میں کہا۔

''سر۔ چند دن پہلے ہی یہاں جدید چیکنگ مشینری لگائی گئی

ہے۔ اگر یہ مشینری نہ ہوتی تو اس نے جس طرح آپ کو ڈاج دیا ہے۔اس نے کوئی بہت بڑا نقصان کرنا تھا۔ اللہ کا شکر ہے ہم اس نقصان سے بچ گئے ہیں''...... کیپٹن نے کہا۔

''اس نے صرف مجھے ہی ڈاج نہیں دیا۔ سر طارق کو بھی ڈاج دیا ہے۔ اے۔تم جاؤ اور سر طارق کو اطلاع دے کر آؤ''...... میجر نادر نے پہلے کیپٹن سے اور پھر ایک دوسرے فوجی سے کہا۔

''اوکے سر''...... اس فوجی نے سیلوٹ کرتے ہوئے کہا اور پھر وہ بھاگنے کے سے انداز میں رہائشی حصے کی طرف دوڑا۔ تقریباً دس منٹ بعد وہ فوجی دوڑتا ہوا آیا۔

''سر۔ دروازہ لاک ہے اور طارق صاحب دروازہ نہیں کھول رہے''...... فوجی نے مؤدبانہ لہجے میں کہا۔ میجر نادر پہلے ہی اندیشوں میں گھرا ہوا تھا۔ جس طرح سے یہ ایجنٹ لڑکی میک اپ میں تھی اس نے جس طرح میجر نادر کو ڈاج دیا تھا اس سے صاف ظاہر تھا کہ یہ لڑکی کوئی معمولی ایجنٹ نہیں ہے۔ اس کی چھٹی حس بتا رہی تھی کہ اس لڑکی نے طارق صاحب کو بھی ہاتھ دکھایا ہے۔ طارق صاحب خود ہی اسے لے کر آئے تھے اور اس کی وجہ سے اس نے راحیلہ کو فون کیا تھا۔ اب اسے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے طارق اور راحیلہ کے ساتھ کوئی انہونی ہو سکتی ہے۔ اس نے علینہ کے ہاتھ سے اس کا ہینڈ بیگ لے لیا۔

''تم بہت غلط کر رہے ہو میجر۔تمہیں مجھ سے معافی مانگنی پڑے

گی''...... علینہ نے کہا لیکن میجر نادر نے اس کی بات کا کوئی جواب نہ دیا۔ اس نے ہینڈ بیگ کھولا اور اس کی تلاشی لینے لگا۔ ہینڈ بیگ میں اسے ریوالور نظر آ گیا۔ ریوالور کے ساتھ ہی اسے چابی بھی نظر آ گئی۔ یہ چابی انہی کے رومز کی تھی۔ وہ ہینڈ بیگ میں موجود دیگر سامان بھی دیکھنے لگا۔ میجر نادر ہینڈ بیگ کی تلاشی لے رہا تھا جبکہ باقی فوجیوں کی توجہ میجر نادر کی طرف تھی۔ علینہ کو یقین ہو گیا تھا کہ اب اس کے بچنے کی کوئی امید نہیں۔ یہاں بھیجنے سے پہلے اس کے باس نے یہاں کے بارے میں معلومات بھی حاصل کی تھیں۔ ان معلومات میں چیکنگ مشینری کا ذکر نہیں تھا اور اس کی وجہ بھی اسے پتہ چل گئی تھی کہ یہ مشینری چند دن پہلے ہی یہاں لائی گئی تھی اور جس سے باس نے معلومات لی ہوں گی وہ اس مشینری کے بارے میں نہیں جانتا ہو گا۔ اس کا مشن تو ناکام ہو گیا تھا اب اس کے لئے جان بچانا ضروری تھا۔ لہٰذا اس نے اسی لمحے حرکت میں آنے کا فیصلہ کیا۔ میجر نادر کی نظریں ابھی ہینڈ بیگ پر ہی لگی ہوئی تھیں کہ علینہ نے جمپ لیا اور میجر نادر پر جا گری۔ میجر نادر کے ہاتھ سے ہینڈ بیگ نکل گیا اور وہ علینہ کے ساتھ ہی زمین پر آ گرا۔ علینہ نے اس کے ریوالور پر ہاتھ مارا اور ریوالور اس کے ہاتھ سے جھپٹ لیا۔ ریوالور جھپٹتے ہی اس نے رولنگ کی اور پھر اس کے ریوالور سے شعلے نکلے۔ اس نے ایک فائر میجر نادر پر کیا تھا اور باقی فائر دوسرے فوجیوں پر۔ علینہ کی یہ ساری کارروائی صرف ایک سیکنڈ

میں مکمل ہوئی تھی۔ اس نے میجر نادر پر جو گولی چلائی تھی وہ اس کے بازو میں لگی تھی جبکہ باقی فوجیوں کو گولیاں سر اور سینے میں لگی تھیں۔ ان کے منہ سے چیخیں بلند ہوئیں اور وہ زمین پر گر گئے۔ اس کے ساتھ ہی اس پر بھی گولیوں کی بوچھار ہوئی لیکن وہ تو چھلاوہ بن چکی تھی۔ رولنگ کرتے کرتے ہی یکدم اچھلی اور ایک مشین گن پر جا پڑی۔ یہ مشین گن ان فوجیوں میں سے کسی ایک کی تھی جو اس کے نشانے کی زد میں آئے تھے۔ مشین گن اٹھا کر وہ جمپ لگانا ہی چاہتی تھی کہ گولیوں کی ایک بوچھاڑ اور ہوئی۔ اس کے حلق سے تیز چیخ نکلی۔ اسے یوں محسوس ہوا جیسے اس کے پورے جسم میں ایک ساتھ کئی گرم سلاخیں گھس گئی ہوں۔ فوراً ہی اس کے ذہن پر اندھیروں نے یلغار کر دی اور پھر اس کا دماغ گہرے اندھیرے میں ڈوبتا چلا گیا۔

ڈاکٹر بلیک کی آنکھوں سے شعلے نکل رہے تھے۔ اس کی کرسی جھول رہی تھی۔ اس کا اسسٹنٹ رچی اس کے سامنے مؤدبانہ انداز میں کھڑا تھا۔

"پاکیشیا کے آفاق آفندی نے بہت بدتمیزی کی ہے۔ اگر میں پاکیشیا کو تاریخ نہ دے چکا ہوتا تو میں فوراً پاکیشیا کو ایٹم بموں سے تباہ کر دیتا"...... ڈاکٹر بلیک نے غصیلے لہجے میں کہا۔

"باس۔ پاکیشیا کو اس گستاخی کی سخت سزا ملنی چاہئے"......رچی نے خوشامدانہ لہجے میں کہا۔

"پاکیشیا۔ ایک چھوٹا سا ایشیائی ملک۔ وہ مجھے آنکھیں دکھائے اور تباہ ہونے سے بچ جائے۔ یہ نہیں ہوسکتا۔ میں اس کے ایک دو شہروں کو نہیں تمام شہروں کو تباہ کر دوں گا۔ اس کے بعد کسی کی جرأت نہیں ہوگی کہ اس طرح مجھ سے بات کرے"...... ڈاکٹر بلیک نے بدستور غصے سے کہا۔

''باس۔ ترقی یافتہ ممالک کے سربراہ آپ کی بات ماننے پر آمادہ دکھائی دے رہے تھے لیکن آفاق آفندی کی باتوں نے انہیں سوچ میں ڈال دیا''...... رچی نے کہا۔

''یہ سوچیں ان کی تباہی کا سبب بن جائیں گی۔ جو مجھے حاکم نہیں مانے گا وہ فنا ہو جائے گا''...... ڈاکٹر بلیک نے غراتے ہوئے کہا اور پھر اس کا دماغ تیزی سے سوچنے میں مصروف ہو گیا۔ کچھ دیر اسی طرح گزر گئی۔ پھر اچانک ڈاکٹر بلیک کے چہرے پر مسکراہٹ آ گئی۔

''رچی۔ روسیاہ کے حکمران راگاچوف کو بچانے کے لئے بے پناہ اقدامات کر رہے ہیں اور ایک ہم ہیں کہ بہت اطمینان سے بیٹھے ہوئے ہیں''...... ڈاکٹر بلیک نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''باس۔ ان کے انتظامات کرنے سے راگاچوف کی موت ٹل تو نہیں جائے گی۔ موت اس کا مقدر ہو چکی ہے۔ ہر صورت میں آئے گی''...... رچی نے مؤدبانہ لہجے میں کہا۔

''ہاں۔ راگاچوف کو مرنا ہے اور ہر حال میں مرنا ہے''۔ ڈاکٹر بلیک نے مطمئن لہجے میں کہا۔

''باس۔ جب آپ نے راگاچوف کی ڈیتھ کا منظر دکھایا تھا تو میں آپ کے حکم پر ایک کام میں مصروف تھا۔ میں نے وہ منظر نہیں دیکھا''...... رچی نے ڈاکٹر بلیک کا موڈ دیکھ کر اپنی ایک خواہش کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

''کوئی بات نہیں۔ ہم تمہیں ابھی وہ منظر دکھا دیتے ہیں''۔ ڈاکٹر بلیک نے مسکراتے ہوئے کہا۔ پھر اس نے اپنی کرسی آگے کی اور ایک سکرین پر لگے ہوئے بٹنوں میں سے ایک بٹن پریس کر دیا۔ جیسے ہی بٹن پریس ہوا سکرین پر ایک جھماکا ہوا اور سکرین روشن ہو گئی۔ سکرین کے روشن ہوتے ہی ڈاکٹر بلیک نے چند بٹن اور پریس کئے تو سکرین پر ایک منظر ابھر آیا۔ منظر میں ایک ہال کمرہ دکھائی دے رہا تھا۔ کمرے کے وسط میں شیشے کا ایک کیبن رکھا ہوا تھا۔ اس کیبن میں ایک کرسی پر راگاچوف بیٹھا ہوا تھا جس نے عجیب و غریب لباس پہنا ہوا تھا۔ شیشے کا یہ کیبن بلٹ پروف تھا۔ کیبن کی چھت میں چند سوراخ نظر آ رہے تھے اور یہ سوراخ ہوا کے لئے بنائے گئے تھے۔ اس کیبن میں ہوا کی آمد و رفت کا خصوصی انتظام کیا گیا تھا اور یہ ہوا آکسیجن کے کئی سلنڈروں سے دی جا رہی تھی۔ جس عمارت میں راگاچوف موجود تھا اسے سینکڑوں کمانڈوز نے گھیرا ہوا تھا۔ روسیاہ کی کئی سیکرٹ ایجنسیاں اس عمارت میں موجود تھیں۔ سائنس دانوں اور ڈاکٹروں کی ٹیمیں بھی موجود تھیں۔ سیکورٹی سے متعلق تمام مشینری اس بلڈنگ میں موجود تھی۔

''باس۔ انتظامات تو بہت اچھے ہیں''...... رچی نے طنزیہ انداز میں ہنستے ہوئے کہا۔

''ایکریمیا اور باچان کے انتظامات میں بھی کوئی کمی نہیں تھی۔ لیکن وہ بھی ڈاکٹر بلیک کی طاقت کے سامنے نہیں ٹھہر سکے۔ یہ بھی

نہیں ٹھہر سکیں گے''...... ڈاکٹر بلیک نے نخوت بھرے لہجے میں کہا۔

رچی نے ایک بار پھر سکرین پر نظر دوڑائی۔ اچانک راگاچوف کے چہرے پر تکلیف کے تاثرات ابھرے اور اس کا ہاتھ اپنے سینے پر گیا۔ وہ یکدم ہی کرسی سے کھڑا ہو گیا، کرسی سے کھڑے ہونے کے چند سیکنڈ بعد وہ زمین پر گرتا چلا گیا۔ فوراً ہی کمرے کا دروازہ کھلا اور ڈاکٹروں کی ٹیمیں دوڑتی ہوئی کمرے میں داخل ہوئیں۔ شیشے کا ایک ٹکڑا خود بخود اوپر اٹھتا چلا گیا اور وہاں ایک خلا بن گیا۔ ڈاکٹرز اس سے گزرتے ہوئے کیبن میں داخل ہوئے اور راگاچوف کو چیک کرنے لگے۔ جلد ہی ان کی آنکھوں میں مایوسی پھیلتی چلی گئی۔ راگاچوف کو ہارٹ اٹیک ہوا تھا اور یہ اتنا شدید ہوا تھا کہ راگاچوف جانبر نہیں ہو سکا تھا۔ یہ ہارٹ اٹیک بالکل نیچرل ہوا تھا۔ حالانکہ راگاچوف کو اس سے قبل کبھی دل کی تکلیف نہیں ہوئی تھی۔ ڈاکٹر بلیک نے خونی انداز میں مسکراتے ہوئے سکرین آف کر دی۔

''اوگو۔ تم نے ڈاکٹر بلیک کی طاقت دیکھ لی ہے''...... ٹی وی سکرین پر کھوپڑی اور دو ہڈیاں نمودار ہوئیں اور اس کے بعد ڈاکٹر بلیک کی غراتی ہوئی آواز سنائی دی۔ راگاچوف کی موت کی خبر ایک سیکنڈ سے بھی کم وقت میں پوری دنیا میں پھیل گئی تھی۔ ڈاکٹر بلیک کے دیئے گئے وقت سے پہلے ہی دنیا بھر کے لوگ اپنے کام کاج ترک کر کے ٹی وی کے سامنے بیٹھ گئے تھے۔ ٹی وی پر راگاچوف کو براہ راست دکھایا جا رہا تھا۔ راگاچوف کو بچانے کے لئے جو انتظامات کئے گئے تھے انہیں توڑنا کسی انسان کے بس میں تو نہیں تھا۔

کئی لوگ ان انتظامات سے مطمئن بھی تھے لیکن اکثریت کے دل تیزی سے دھڑک رہے تھے کیونکہ ایکریمیا اور باچان کے انتظامات بھی ناقابل تسخیر تھے لیکن اس کے باوجود ڈاکٹر بلیک کامیاب رہا تھا۔ ان کے خیال کے مطابق اب بھی ڈاکٹر بلیک نے

ہی کامیاب ہونا تھا اور پھر ان کے خدشات درست ثابت ہوئے تھے۔ روسیاہ کے تمام تر انتظامات دھرے رہ گئے تھے اور ڈاکٹر بلیک کے بتائے گئے وقت کے مطابق راگاچوف نے دم توڑ دیا تھا۔ اب روسیاہ میں خونی طوفان آنے والا تھا۔ ڈاکٹر بلیک عفریت بن کر روسیاہ پر ٹوٹنے والا تھا۔ راگاچوف کے دم توڑتے ہی ان لوگوں کی امیدوں نے بھی دم توڑ دیا تھا جو انتظامات دیکھ کر سوچ رہے تھے کہ شاید ڈاکٹر بلیک اب ناکام رہ جائے۔

''میری طاقت کو اپنی تقدیر سمجھو۔ اب سے ٹھیک دس گھنٹوں کے بعد روسیاہ پر قیامت ٹوٹنے والی ہے۔ ویسی ہی قیامت جیسی ایکریمیا اور باچان میں گزر چکی ہے لیکن تم اس قیامت کو روک سکتے ہو۔ ہاں روسیاہی لوگو۔ تم خود کو اور اپنے عزیزوں کی موت کو روک سکتے ہو۔ میرا یہ مخصوص نشان جو اس وقت ٹی وی اسکرین پر نظر آ رہا ہے۔ یہ سرخ رنگ کے جھنڈے پر بناؤ اور پورے روسیاہ پر یہ جھنڈا لہرا دو۔ سیکرٹریٹ، صدارتی محل، پارلیمنٹ بلڈنگ، قومی ٹی وی چینلز، ریڈیو بلڈنگ، سرکاری دفاتر۔ غرضیکہ ہر جگہ میرا جھنڈا ہونا چاہئے۔ روسیاہ کا قومی جھنڈا اتار دو۔ صدر استعفیٰ دے اور مجھے صدر نامزد کر دو۔

آج سے تم میری رعایا ہو اور میں تمہارا حکمران اور اگر تم نے دس گھنٹوں کے اندر میرے احکامات کی تعمیل نہ کی تو پھر ہر طرف خون ہی خون ہو گا، آگ ہی آگ ہو گی، موت ہی موت ہو گی،

اوکے۔ بائی بائی''...... ڈاکٹر بلیک کی غراتی ہوئی آواز سنائی دی اور اس کے بعد ٹی وی سکرین سے کھوپڑی اور ہڈیاں غائب ہو گئیں۔

ڈاکٹر بلیک کی تقریر کے تھوڑی ہی دیر بعد روسیاہ میں افراتفری پھیل گئی۔ روسیاہ کی عوام سڑکوں پر آ گئی۔ لوگ حکومت کے خلاف نعرے لگا رہے تھے۔ وہ مطالبہ کر رہے تھے کہ ان کی جانوں کے تحفظ کے لئے حکومت فوراً مستعفی ہو جائے۔ بعض لوگ تو یہ بھی کہہ رہے تھے کہ اگر حکومتی ارکان استعفیٰ دے کر حکومت ڈاکٹر بلیک کے حوالے نہیں کرتے تو وہ تمام حکومتی ارکان کو قتل کر دیں گے اور اگر روسیاہی صدر نے اپنا عہدہ نہ چھوڑا تو وہ اسے بھی قتل کر دیں گے۔ ملک کے ایک کونے سے لے کر دوسرے کونے تک ہنگامے پھوٹ پڑے تھے۔ ہر طرف عوام کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر نظر آ رہا تھا جو اپنی حکومت کے خلاف نعرے لگا رہا تھا۔ کئی لوگ ڈاکٹر بلیک کی ہدایت کے مطابق جھنڈے تیار کر رہے تھے۔ انہوں نے فیصلہ کر لیا تھا کہ اگر حکومت خود مستعفی نہ ہوئی تو وہ دارالحکومت کی اہم عمارتوں پر ڈاکٹر بلیک کا جھنڈا لہرا دیں گے اور حکومتی ارکان کے ٹکڑے کر دیں گے۔

ادھر روسیاہی پارلیمنٹ دو حصوں میں تقسیم ہو گئی تھی۔ ایک کا کہنا تھا کہ ڈاکٹر بلیک کا ڈٹ کر مقابلہ کیا جائے۔ مقابلے کی صورت میں ایک کروڑ انسانوں کی جانیں ضائع ہوں گی لیکن اگر حکومت ڈاکٹر بلیک کے حوالے کر دی گئی تو پھر کچھ نہیں بچے گا۔ وہ سفاک

اور ظالم آدمی کئی کروڑ انسانوں کی جانیں لے سکتا تھا لیکن دوسرے گروہ کی رائے تھی کہ حکومت ڈاکٹر بلیک کے حوالے کر کے اپنے ایک کروڑ افراد کی جانیں بچا لی جائیں۔ وہ اپنے ملک اور عوام کے لئے اپنی حکومت ہی نہیں اپنی جانیں بھی قربان کرنے کے لئے تیار تھے لیکن انہیں ڈاکٹر بلیک پر اعتماد نہیں تھا۔ وہ انسانی تاریخ کا سفاک ترین مجرم تھا۔ انسان کی کروڑوں اربوں سالہ تاریخ میں کوئی بھی ایسا درندہ نہیں ملتا تھا جس نے سیکنڈوں میں کروڑوں افراد کا خون بہایا ہو۔ ملک ایسے شخص کے حوالے کرنا ملک و قوم کے ساتھ ظلم تھا لیکن اب انہیں اس کے سوا کوئی صورت بھی نظر نہیں آ رہی تھی۔ ڈاکٹر بلیک کو ٹریس کرنے کا ہر حربہ ناکام ہو چکا تھا۔

روسیاہ کے حکمران، دانشور، سویلین و فوجی قیادت، اپوزیشن لیڈران، سب سر جوڑ کر بیٹھ گئے تھے۔ کبھی کوئی تجویز سامنے آ جاتی تو کبھی کوئی رائے لیکن وہ کسی طرح بھی حتمی فیصلے پر نہیں پہنچ رہے تھے۔ حکومت کی طرف سے ٹی وی چینلز پر بار بار اعلان کیا جا رہا تھا کہ عوام پر سکون رہے۔ قومی سلامتی کمیٹی کا اجلاس ہو رہا ہے اور اجلاس میں جو بھی فیصلہ ہو گا وہ عوام کی بہتری کو سامنے رکھ کر کیا جائے گا۔ آٹھ گھنٹے کے طویل اجلاس کے بعد روسیاہی صدر نے فیصلہ سنا دیا۔ اس نے کابینہ کے ہمراہ حکومت سے الگ ہونے کا اعلان کر دیا۔ انہوں نے یہ بھی اعلان کیا کہ وہ ڈاکٹر بلیک کو ملک کا صدر بنا رہے ہیں۔ ڈاکٹر بلیک اپنے ٹی وی پر یہ اجلاس براہ راست

دیکھ رہا تھا۔ روسیاہی صدر کے اعلان کے بعد اس کی آنکھوں میں چمک پیدا ہو گئی اور چہرہ دمکنے لگا۔ روسیاہ ایک بہت بڑا ملک تھا۔ اگر اس نے ڈاکٹر بلیک کے سامنے گھٹنے ٹیک دیئے تھے تو دوسرے ممالک نے بھی اس کے سامنے سر جھکا دینا تھا اور یوں اس نے دنیا بھر کا حاکم بن جانا تھا۔

ڈیتھ ماسٹر کرسی پر بیٹھا ہوا تھا۔ اس کے ایک ہاتھ میں سگار تھا اور دوسرے ہاتھ میں ایک بڑا گلاس تھا۔ جس میں وہسکی بھری ہوئی تھی۔ وہ دو تین گھونٹ وہسکی کے بھرتا تھا اور پھر دو تین کش سگار کے لگاتا تھا۔ تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ دروازے پر دستک ہوئی۔

”یس۔ کم ان“...... ڈیتھ ماسٹر نے بارعب لہجے میں کہا تو کمرے کا دروازہ کھلا اور زیرو ون اندر داخل ہوا۔ ڈیتھ ماسٹر کے قریب پہنچ کر اس نے مؤدبانہ انداز میں اسے سلام کیا۔

”زیرو ون۔ پاکیشیا میں آ کر تمہاری کارکردگی کو زنگ لگ گیا ہے۔ ہمارا بہت سا جانی اور مالی نقصان ہو گیا ہے اور ہم ابھی تک مشن سے بہت دور ہیں“...... ڈیتھ ماسٹر نے غراتے ہوئے کہا۔

”باس۔ بس ذرا قسمت عمران کا ساتھ دے رہی ہے لیکن اب یہ قسمت عمران کا ساتھ چھوڑنے والی ہے۔ ہمارا مشن مکمل ہونے ہی والا ہے“...... زیرو ون نے مؤدبانہ لہجے میں کہا۔

”تم نے اب تک جو کچھ کیا ہے وہ مختصراً بتا دو“...... ڈیتھ ماسٹر نے سخت لہجے میں کہا۔

”باس۔ یہ تو آپ جانتے ہیں کہ ہمارے آدمیوں نے عمران کو کور کر لیا تھا“...... زیرو ون نے کہا۔

”ہاں۔ اسے ویڈر کنٹرول کار میں بھی تم نے بٹھا دیا تھا اور وہ کار پہاڑی علاقے میں کسی گہری کھائی میں گر گئی تھی لیکن اس کے باوجود عمران زندہ بچ گیا“...... ڈیتھ ماسٹر نے طنزاً کہا۔

”یس باس۔ اسی لئے میں نے کہا ہے کہ قسمت عمران کا ساتھ دے رہی ہے۔ کار پر میری نظر تھی جیسے ہی کار کھائی میں گری تو میں نے اپنے آدمی ہیلی کاپٹر پر پہاڑی علاقے میں بھیجے تاکہ وہ مکمل تسلی کر آئیں۔ اس دوران ٹی الیون نے رپورٹ دی کہ اس کار میں ہمارا ایک اہم بریف کیس رہ گیا ہے۔ جس پر میں نے ہیلی کاپٹر پر جانے والے اپنے آدمیوں کو ہدایت دی کہ کار میں سے بریف کیس ضرور حاصل کریں۔ کار جہاں گری تھی میں نے لوکیشن کی نشان دہی بھی کر دی۔ میں کار کی لوکیشن کو کمپیوٹر پر دیکھ رہا تھا لیکن پھر ہمارا ہیلی کاپٹر تباہ ہو گیا اور ہمارے آدمیوں کا کچھ پتا نہیں چلا۔ البتہ عمران کو یہاں دارالحکومت میں دیکھا گیا ہے جس کا مطلب ہے کہ عمران نہ صرف زندہ بچ گیا تھا بلکہ اس نے ہمارے آدمی بھی مار دیئے تھے اور ہمارا ہیلی کاپٹر بھی تباہ کر دیا تھا“...... زیرو ون نے مسلسل بولتے ہوئے کہا۔

''یعنی اس سلسلے میں ہماری مکمل ناکامی''...... ڈیتھ ماسٹر نے غصیلے لہجے میں کہا۔

''لیکن ہم جلد کامیابی حاصل کر لیں گے''...... زیرو ون نے مؤدبانہ لہجے میں کہا۔

''سرسلطان کے بارے میں کیا رپورٹ ہے''...... ڈیتھ ماسٹر نے پوچھا۔

''باس۔ وہ ٹس سے مس نہیں ہو رہا۔ میں نے اسے کئی بار دھمکی دی ہے لیکن وہ میری دھمکی پر توجہ نہیں دیتا کیونکہ اسے ڈاکٹر بلیک نے بھی دھمکی دی ہوئی ہے۔ پاکیشیائی حکومت اور سرسلطان ڈاکٹر بلیک کی دھمکی کی وجہ سے پریشان ہیں''...... زیرو ون نے کہا۔

''وہ یہ بات نہیں جانتے کہ ڈیتھ ماسٹر، ڈاکٹر بلیک سے زیادہ خطرناک اور ظالم ہے۔ تم سپیشل فون پر سرسلطان کا نمبر ملا کر فون مجھے دو''...... ڈیتھ ماسٹر نے کہا۔

''یس باس''...... زیرو ون نے مؤدبانہ لہجے میں کہا اور پھر اس نے اپنی جیب سے سیل فون نکالا اور سرسلطان کے نمبرز پریس کرنے لگا۔

''باس۔ بیل جا رہی ہے''...... دوسری طرف بیل جانے لگی تو زیرو ون نے سیٹ ڈیتھ ماسٹر کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ ڈیتھ ماسٹر نے اس سے سیٹ لے لیا۔

''یس سلطان اسپیکنگ''...... دوسری طرف سے کال رسیو ہونے

کے بعد سرسلطان کی آواز سنائی دی۔

''سرسلطان۔ میں تمہاری موت ڈیتھ ماسٹر بول رہا ہوں''۔ ڈیتھ ماسٹر نے پھنکارتے ہوئے کہا۔

''اب کیا کہنا ہے تم نے''...... دوسری طرف سے سرسلطان نے غصیلے لہجے میں کہا۔

''سرسلطان۔ تم فائل آئی ٹن اور اس کی، کی کوڈ فائل ہمارے حوالے کر دو اور بہتر یہی ہے کہ ہم سے رقم لے لو ورنہ فائل تو ہم حاصل کر ہی لیں گے لیکن تم اپنی جان سے جاؤ گے''...... ڈیتھ ماسٹر نے کہا۔

''تم لوگ نجانے کس ڈھیٹ مٹی سے بنے ہو۔ میں کتنی بار انکار کر چکا ہوں''...... سرسلطان نے کہا۔

''سرسلطان۔ اگر تم نے فائل نہ دی تو پھر موت کا جو وقت ڈاکٹر بلیک نے تمہیں دیا ہوا ہے میں اسی وقت پر تمہیں شکار کر لوں گا تاکہ دنیا والوں کو پتہ لگے کہ ڈیتھ ماسٹر، ڈاکٹر بلیک سے زیادہ خطرناک اور طاقتور ہے۔ میں تمہیں اس طرح قتل کروں گا سرسلطان کہ تمہاری گردن کاٹ لوں گا۔ بتا دینا اپنے ایکسٹو کو اور اپنے اعلیٰ حکام کو بھی کہ تمہاری گردن کٹی لاش کو دیکھیں تو سمجھ جائیں کہ تمہیں میں نے قتل کیا ہے۔ کہیں میرا کارنامہ تم لوگ ڈاکٹر بلیک کے کھاتے میں نہ ڈال دینا''...... ڈیتھ ماسٹر نے کہا اور پھر اس نے کال کاٹ دی۔

''سرسلطان ایسے آدمیوں میں سے ہے جو اپنا سر تو کٹا سکتے ہیں لیکن اپنی زبان نہیں کھول سکتے۔ لہٰذا میں نے اس کے ڈیتھ وارنٹ پر دستخط کر دیئے ہیں۔ اسے تم نے ٹھکانے لگانا ہے لیکن اس طرح کہ اس کا سر، دھڑ سے الگ کر دینا''...... ڈیتھ ماسٹر نے زیرو ون سے کہا۔

''اوکے باس۔ آپ کے حکم کی حرف بہ حرف تعمیل ہو گی''۔ زیرو ون نے کہا۔

''زیرو ون۔ میں نے تمہیں جو ہدایات دی تھیں۔ تم نے ان سب پر عمل کیا ہے''...... ڈیتھ ماسٹر نے پوچھا۔

''یس باس۔ آپ کی ہدایات پر عمل ہو چکا ہے''...... زیرو ون نے مؤدبانہ لہجے میں کہا۔

''مجھے تفصیل سے بتاؤ کہ تم نے کیا کیا ہے''...... ڈیتھ ماسٹر نے تحکمانہ لہجے میں کہا۔

''یس باس۔ باس۔ ٹی سیون گرین بلڈنگ میں داخل ہونے میں کامیاب ہو گئی۔ اس نے جو ٹاپس پہنے ہوئے تھے۔ ان میں مائیکرو کیمرہ فٹ تھا۔ جس کی وجہ سے گرین بلڈنگ کی مکمل فلم ہمارے پاس بن گئی لیکن اب وہاں ریڈ کرنے کا کوئی فائدہ نہیں کیونکہ فائل آئی ٹن پاکیشیا سیکرٹ سروس کے ہیڈ کوارٹر میں ہے۔ افسوس ہے کہ ٹی سیون کی قربانی ضائع گئی اس کے علاوہ آپ کی ہدایت کے مطابق پاکیشیا سیکرٹ سروس کے ممبر خاور کو اس انداز

میں گولیاں ماری گئی ہیں کہ اس کی موت واقع نہ ہو۔ پھر اسے کنگ روڈ پر پھینکوا دیا گیا ہے اور اس کی اطلاع عمران کے فلیٹ کے ٹیلی فون پر دے دی گئی ہے۔ امید ہے کہ خاور زندہ بچ گیا ہو گا''۔ زیرو ون نے کہا۔

''امید سے تمہاری کیا مراد ہے۔ کیا تم نے اس کے بالوں میں ہیئر ڈکٹا فون ایچ ڈی فٹ نہیں کیا تھا''...... ڈیتھ ماسٹر نے یکدم ہی غراتے ہوئے کہا۔

''فٹ کر دیا تھا باس۔ لیکن چونکہ ابھی خاور کو اٹھا کر کہیں لے جایا جا رہا تھا اس لئے میں آپ کو رپورٹ دینے آ گیا اور ویسے بھی باس۔ ایچ ڈی کی موجودگی میں جو باتیں ہوں گی وہ یہاں ریکارڈ بھی ہو جائیں گی''...... زیرو ون نے کانپتے ہوئے کہا۔

''دفع ہو جاؤ اور ایچ ڈی کا رسیور اٹھا کر لے آؤ۔ میں خود اس کارروائی کا رزلٹ دیکھنا چاہتا ہوں۔ تم خود کوئی کام صحیح نہیں کر سکتے۔ ہر کام کے لئے تمہیں ہدایت دینی پڑتی ہے''...... ڈیتھ ماسٹر نے غصیلے لہجے میں کہا۔

''یس باس۔ اوکے باس''...... زیرو ون نے بوکھلائے ہوئے لہجے میں کہا اور پھر وہ الٹے قدموں بھاگ گیا۔ پھر جلد ہی وہ واپس آ گیا۔ اس کے ہاتھ میں ایک چھوٹے سے ریڈیو کے برابر مشین تھی۔ یہ ایچ ڈی کا رسیور تھا اور یہ رسیو ہونے والی آوازیں ریکارڈ بھی کر لیتا تھا۔ زیرو ون نے وہ رسیور ڈیتھ ماسٹر کے سامنے رکھا

اور پھر اس کا ایک بٹن بھی پریس کر دیا۔

''طاہر۔ ڈیتھ ماسٹر ایک عیار انسان ہے اور خاور کی جو حالت ہے مجھے خدشہ ہے کہ کہیں خاور نے انہیں دانش منزل کے بارے میں تفصیلات نہ بتا دی ہوں''...... ایچ ڈی رسیور سے آواز ابھری۔

''یہ کیسے ہو سکتا ہے عمران صاحب۔ خاور اپنی زبان نہیں کھول سکتا۔ یہ ناممکن ہے''...... ایک دوسری آواز سنائی دی۔

''طاہر۔ ڈیتھ ماسٹر صرف ہاتھ پاؤں چلانا ہی نہیں جانتا بلکہ وہ سائنس کی جدید ایجادات سے بھی استفادہ کرتا ہے۔ یہ ہو سکتا ہے کہ اس نے خاور کا مائینڈ چیک کیا ہو''۔عمران کی آواز سنائی دی۔

''جی ہاں۔ یہ ہو سکتا ہے''...... دوسرے آدمی کی آواز سنائی دی جسے عمران، طاہر کہہ کر مخاطب کر رہا تھا۔

''ڈیتھ ماسٹر اگر عیار ہے تو ہم اس کی عیاری اسی پر الٹ دیں گے۔ اس کی ایک ایجنٹ گرین بلڈنگ میں ماری گئی ہے اور اس کے ٹاپس سے مائیکرو کیمرہ اور مائیک برآمد ہوئے ہیں جس کا مطلب ہے کہ وہ ایجنٹ جتنی دیر وہاں رہی ہے اس کی فلم کہیں بنتی رہی ہے اور میجر نادر نے ایجنٹ کو بتا دیا ہے کہ فائل آئی ٹن پاکیشیا سیکرٹ سروس کے پاس ہے لہٰذا ڈیتھ ماسٹر اب گرین بلڈنگ کی طرف سے مطمئن ہو گیا ہو گا۔ اب وہ فائل کے حصول کے لئے دانش منزل پر ریڈ کر سکتا ہے لہٰذا تم آئی ٹن واپس گرین بلڈنگ کے ریکارڈ رومز میں بھجوا دو اور دانش منزل کے سیکورٹی انتظامات آن کر

دو۔ ہم نے ڈیتھ ماسٹر کا مشن نہ صرف ناکام بنانا ہے بلکہ اسے گرفتار بھی کرنا ہے''...... عمران کی آواز سنائی دی۔

''جی آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ میں آئی ٹن فائل واپس بھجوا دیتا ہوں اور عمران صاحب۔ خاور اب بہتر نظر آ رہا ہے۔ اسے دانش منزل سے اس کے فلیٹ میں شفٹ نہ کر دیں''...... دوسری آواز سنائی دی۔

''ہاں۔ اب یہ ہر قسم کے خطرے سے باہر ہے۔ میں کسی کو ہدایت کرتا ہوں کہ وہ دانش منزل کے میڈیکل روم سے اسے فلیٹ لے جائے''...... عمران کی آواز سنائی دی اور پھر قدموں کی آواز آنے لگی۔ ڈیتھ ماسٹر نے ہاتھ بڑھا کر ایچ ڈی رسیور کا بٹن پریس کر دیا اور پھر اس نے قہقہہ بلند کیا۔ خاور کو زندہ واپس بھجوانے کا اس کا مقصد پورا ہو چکا تھا۔ وہ چند لمحے کچھ سوچتا رہا پھر اس نے زیرو ون کو دیکھا۔

''زیرو ون۔ زیرو ٹو کو بھی بلا لو''...... ڈیتھ ماسٹر نے تحکمانہ لہجے میں کہا۔

''یس باس''...... زیرو ون نے مؤدبانہ لہجے میں کہا اور پھر اس نے جیب سے سیل فون نکالا اور زیرو ٹو کو باس کے کمرے میں پہنچنے کا حکم دیا۔ تھوڑی ہی دیر میں زیرو ٹو وہاں آ گیا۔ اس نے ڈیتھ ماسٹر کو سلام کیا اور زیرو ون کی طرح مؤدبانہ انداز میں ڈیتھ ماسٹر کے سامنے کھڑا ہو گیا۔

"مشن ہیں دو۔ اور یہ دونوں مشن ہم نے ایک ہی وقت میں مکمل کرنے ہیں۔ ایک مشن ہے سرسلطان کا خاتمہ اور دوسرا مشن ہے فائل آئی ٹن۔ پہلا مشن زیرو ون مکمل کرے گا جبکہ دوسرا مشن زیرو ٹو اور تنظیم کے دیگر ممبران میری قیادت میں مکمل کریں گے"۔ ڈیتھ ماسٹر نے کہا۔

"ہم تیار ہیں باس"۔ زیرو ون اور زیرو ٹو نے بیک آواز میں کہا

"زیرو ون کا یہ مشن اس کی زندگی کا سب سے بڑا چیلنج ہے

کیونکہ سرسلطان کے خاتمے کا اعلان ڈاکٹر بلیک نے بھی کیا ہوا ہے اور میں چاہتا ہوں کہ زیرو ون اسی وقت پر یہ مشن مکمل کرے تاکہ ڈاکٹر بلیک اور پوری دنیا پر واضح ہو جائے کہ ہم ڈاکٹر بلیک سے زیادہ طاقتور اور خطرناک ہیں اس کے لئے میں نے نشانی مقرر کی ہے اور زیرو ون سرسلطان کا سرتن سے جدا کر دے گا اور اس مشن کو میں نے مشکل مشن اس لئے کہا ہے کہ ڈاکٹر بلیک کی دھمکی کی وجہ سے سرسلطان کی حفاظت کے غیر معمولی انتظامات کئے جا رہے ہیں"...... ڈیتھ ماسٹر نے طویل گفتگو کرتے ہوئے کہا۔

"باس۔ زیرو ون نے کبھی ناکامی کا منہ نہیں دیکھا۔ یہاں بھی انتظامات کیسے ہی کیوں نہ ہوں کامیابی ہمارے مقدر میں لکھی گئی ہے"...... زیرو ون نے بااعتماد لہجے میں کہا۔

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو زیرو ون۔ ہم نے ہمیشہ کامیابیاں حاصل کی ہیں اور پاکیشیا میں بھی آخری کامیابی ہماری ہی ہے لیکن کامیابی

کبھی بھی اندھا دھند اقدام کرنے سے حاصل نہیں ہوتی۔ تم جانتے ہو کہ میں جو بھی قدم اٹھانے لگتا ہوں پہلے یہ دیکھ لیتا ہوں کہ یہ قدم اٹھانے سے ہمیں کیا کیا نقصانات ہو سکتے ہیں اور ان نقصانات سے کیسے بچنا ہے"...... ڈیتھ ماسٹر نے کہا۔

"باس۔ یہ آپ کی ذہانت اور قابلیت ہی ہے کہ ہم آج تک کسی بھی مشن میں ناکام نہیں ہوئے"...... زیرو ون نے خوشامدانہ لہجے میں کہا۔

"سرسلطان کی سیکورٹی کے لئے کیا پلان تیار کیا گیا ہے اس کی تفصیل ہمیں مل جائے گی۔ اس کی تفصیل کو دیکھنے کے بعد ہم پلاننگ کریں گے اور زیرو ون۔ میری پلاننگ ایسی ہو گی کہ تم باآسانی سرسلطان کو قتل کر سکو گے"...... ڈیتھ ماسٹر نے کہا۔

"یس باس۔ مجھے یقین ہے آپ نے آج تک جتنی بار بھی پلاننگ کی ہے بے داغ کی ہے۔ آپ کے دماغ کا مقابلہ کوئی نہیں کر سکتا"...... زیرو ون نے بدستور خوشامدانہ لہجے میں کہا۔

"اوکے۔ اب تم دونوں میرے سامنے بیٹھ جاؤ تاکہ ہم گرین بلڈنگ پر ایکشن کے لئے اپنی پلاننگ تیار کر لیں"...... ڈیتھ ماسٹر نے ان دونوں کو اپنے سامنے بیٹھنے کی اجازت دیتے ہوئے کہا تو وہ دونوں ڈیتھ ماسٹر کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کرسیوں پر بیٹھ گئے۔ مشن دونوں ہی مشکل تھے لیکن وہ مطمئن تھے کیونکہ انہیں یقین تھا کہ وہ یہ مشن مکمل کر لیں گے۔

زیرو ون کے سامنے ایک بڑی تصویر رکھی ہوئی تھی اور وہ اس تصویر کے مطابق میک اپ کر رہا تھا۔ اس میک اپ سے پہلے اس نے ایک اور میک اپ کیا تھا۔ یہ جدید ترین میک اپ تھے جو نہ تو کسی طرح واش ہوتے تھے اور نہ ہی انہیں کیمرہ چیک کر سکتا تھا۔ یہ تصویر اسے ڈیتھ ماسٹر نے مہیا کی تھی اور یہ تصویر سنٹرل پولیس کے آئی جی کی تھی۔ پلاننگ کے تحت زیرو ون کو آئی جی کے میک اپ میں خان ہاؤس جانا تھا کیونکہ سرسلطان کو خان ہاؤس میں رکھا گیا تھا اور خان ہاؤس کی سیکورٹی کے لئے حکومت پاکیشیا نے فول پروف انتظامات کئے تھے۔ ان انتظامات کی وجہ سے انسان تو انسان کسی چیونٹی کا بھی سرسلطان تک پہنچنا ممکن نہیں تھا۔ آرمی دستے، کمانڈوز، پاکیشیا سیکرٹ سروس کے ممبران، سنٹرل انٹیلی جنس اور دیگر ادارے بھی خان ہاؤس میں ڈیوٹی پر تعینات تھے۔ آئی جی سنٹرل پولیس کی بھی خان ہاؤس میں ڈیوٹی تھی اور ڈیتھ ماسٹر نے

زیرو ون کو اس کے میک اپ میں خان ہاؤس بھیجنے کی پلاننگ کی تھی۔ ڈیتھ ماسٹر کو خان ہاؤس کے سیکورٹی پلان کی تفصیلات معلوم ہو چکی تھیں اور اس نے ان تفصیلات کی روشنی میں اپنا پلان بنایا تھا اور زیرو ون کو ہدایات دی تھیں۔ جو پلاننگ انہوں نے کی تھی زیرو ون کو یقین تھا کہ وہ بغیر کسی وقت کے سرسلطان تک پہنچ جائے گا۔

ڈیتھ ماسٹر کو آئی جی کی ویڈیو بھی مل گئی تھی اور یہ ویڈیو زیرو ون نے درجنوں مرتبہ دیکھ لی تھی۔ اس نے آئی جی سنٹرل پولیس کی ایک ایک حرکت کا بغور مشاہدہ کیا تھا اور اب اسے خود پر اعتماد تھا کہ وہ آئی جی کا کردار بخوبی نبھا لے گا۔ وہ میک اپ سے فارغ ہوا تو ڈیتھ ماسٹر نے مطمئن انداز میں سر ہلایا۔

"کچھ ہی دیر میں ہمارے آدمی آئی جی کو اس کی گاڑی سمیت لے آئیں گے"...... ڈیتھ ماسٹر نے کہا۔

"یس باس"...... زیرو ون نے مؤدبانہ لہجے میں کہا۔

"سیکورٹی پلان ہمارے سامنے ہے اور ہم نے اس کے مطابق اپنا پلان بنانا ہے لیکن اگر گورنمنٹ نے اچانک کوئی تبدیلی کر دی تو اس تبدیلی کے بارے میں کرنل جبران تمہیں بتا دے گا اور تم اس کے مطابق اپنا لائحہ عمل تبدیل کر لینا۔ اس کے علاوہ بھی کرنل جبران تمہاری ہر ممکن مدد کرے گا"...... ڈیتھ ماسٹر نے اپنی باتوں کو دوہراتے ہوئے کہا۔

"لیس باس۔ مجھے آپ کی تمام ہدایات یاد ہیں"...... زیرو ون نے مؤدبانہ لہجے میں کہا۔ اسی لمحے کمرے کا دروازہ کھلا اور ون سیون کمرے میں داخل ہوا۔ اس نے ڈیتھ ماسٹر اور زیرو ون کو سلام کیا۔

"لے آؤ ہو تم آئی جی کو"...... ڈیتھ ماسٹر نے ون سیون سے کرخت لہجے میں کہا۔

"لیس باس۔ آئی جی اور اس کے محافظ یہاں پہنچ گئے ہیں۔ اس کے محافظوں کی جگہ ہمارے آدمی لے رہے ہیں۔ ہم نے آئی جی کی یونیفارم اتار لی ہے۔ زیرو ون ساتھ والے کمرے میں جا کر وہ یونیفارم پہن لیں۔ یونیفارم میں خان ہاؤس کا سپیشل انٹری کارڈ بھی موجود ہے"...... ون سیون نے کہا۔

"گڈ۔ ہمارے کام ٹھیک طریقے سے ہو رہے ہیں"...... ڈیتھ ماسٹر نے خوش ہوتے ہوئے کہا۔

"لیس باس۔ آخر کامیابی نے قدم تو ہمارے ہی چومنے ہیں"۔ زیرو ون نے کہا۔

"تم فوراً یونیفارم پہنو اور روانہ ہو جاؤ۔ خان ہاؤس پہنچنے میں تمہیں تاخیر نہیں ہونی چاہئے اور ون سیون۔ تم یہ بتاؤ کہ آئی جی اور اس کے ساتھیوں کی کیا پوزیشن ہے"...... ڈیتھ ماسٹر نے تحکمانہ لہجے میں زیرو ون اور پھر ون سیون سے کہا۔

"باس۔ وہ لوگ بے ہوش ہیں"...... زیرو ون نے دروازے کی

طرف مڑتے ہوئے ون سیون کی آواز سنی۔

"اوکے۔ انہیں اسی بے ہوشی کے عالم میں ملک عدم روانہ کر دو"...... زیرو ون نے ڈیتھ ماسٹر کی آواز سنی اور اس کے ساتھ ہی وہ کمرے سے باہر آ گیا۔ یونیفارم پہننے کے بعد وہ پارکنگ میں پہنچا تو وہاں ایک سرکاری جیپ کھڑی تھی۔ جیپ کے ساتھ ہی چار پولیس اہلکار بھی کھڑے تھے۔ زیرو ون جانتا تھا کہ یہ بھی اس کی تنظیم کے ممبرز ہیں۔ جیپ کے قریب پہنچنے پر ان چاروں نے اسے سلام کیا۔ وہ جیپ کی فرنٹ سیٹ پر بیٹھ گیا۔ ان چاروں میں سے ایک نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی جبکہ باقی تین پچھلی سیٹوں پر بیٹھ گئے۔ پھر جیپ سٹارٹ ہوئی اور کوٹھی سے نکل کر سڑک پر آ گئی۔ تقریباً دس منٹ کے بعد جیپ سنٹرل روڈ پر پہنچ گئی۔ اس روڈ پر خان ہاؤس تھا۔ اس روڈ پر ہر قسم کی ٹریفک کا داخلہ بند کر دیا گیا تھا۔ صرف ان سرکاری گاڑیوں کو اجازت تھی جو ان افسران کے استعمال میں تھیں جن کی ڈیوٹیاں خان ہاؤس پر لگی ہوئی تھیں۔ اس روڈ پر ہر سو گز کے بعد چوکی قائم کر دی گئی تھی جن پر آرمی اور پولیس کے جوان ڈیوٹی دے رہے تھے اور انہیں اختیارات دے دیئے گئے تھے کہ اگر کوئی زبردستی اس روڈ سے گزرنا چاہئے تو اسے وارننگ دیئے بغیر بم سے اڑا دیا جائے۔

آئی جی کی جیپ کی ونڈ سکرین پر ایک مخصوص سٹیکر لگا دیا گیا تھا۔ یہ سٹیکر حکومت کی جانب سے ان گاڑیوں پر لگائے گئے تھے

جنہیں خان ہاؤس تک جانے کی اجازت تھی۔ اس سٹیکر کے باوجود بھی پہلی چوکی پر جیپ کو روک لیا گیا۔ پولیس اور آرمی کے جوان جیپ کی طرف بڑھے۔ انہوں نے جیپ کو اور فرنٹ سیٹ پر بیٹھے ہوئے زیرو ون کو غور سے دیکھا۔

’’سر۔ آپ سپیشل انٹری کارڈ دکھائیں‘‘...... ایک فوجی نے اس سے قدرے نرم لہجے میں کہا۔ زیرو ون نے خاموشی سے سپیشل انٹری کارڈ نکالا اور اس کی طرف بڑھا دیا۔ فوجی نے غور سے کارڈ دیکھا اور پھر زیرو ون کو واپس کر دیا۔

’’تھینک یو سر‘‘...... فوجی نے پیچھے ہٹتے ہوئے کہا۔ اس کے پیچھے ہٹتے ہی دیگر جوان بھی پیچھے ہٹ گئے تو ڈرائیور نے جیپ آگے بڑھا دی۔ دوسری چوکی پر بھی جیپ کو روک لیا تھا لیکن یہاں انہیں صرف چند لمحے روکا گیا پھر انہیں آگے بڑھنے کا اشارہ کیا گیا۔ چوتھی چوکی پر پھر زیرو ون سے سپیشل انٹری کارڈ مانگا گیا اور اس کے بعد اسے آگے جانے کی اجازت ملی۔ ان تمام مراحل کے بارے میں پہلے ہی ڈیتھ ماسٹر نے اسے بتا دیا تھا اس لئے وہ مطمئن تھا۔ ان چوکیوں سے گزرتا ہوا وہ خان ہاؤس پہنچ گیا۔ خان ہاؤس سے پچاس قدم پہلے ہی جیپ روک لی گئی۔ یہاں سڑک پر ہر طرف فوجی ہی فوجی نظر آ رہے تھے۔

’’سر۔ آپ کیبن میں آ جائیں۔ آپ کا عملہ یہاں سے واپس جائے گا۔ انہیں خان ہاؤس جانے کی اجازت نہیں ہے‘‘۔ ایک

کیپٹن نے زیرو ون سے کہا۔

’’آئی نو‘‘...... اتنی دیر بعد زیرو ون نے پہلی مرتبہ زبان کھولی۔ اس کے ساتھی جیپ کو لے کر چلے گئے جبکہ زیرو ون کیبن میں آ گیا۔ جیسے ہی وہ کیبن میں داخل ہوا اس پر کئی قسم کی روشنی پڑی۔ پھر اس کا سپیشل انٹری کارڈ بھی چیک کیا گیا۔

’’اوکے سر۔ عاطف۔ تم سر کو گیٹ تک چھوڑ آؤ‘‘...... کیپٹن نے پہلے زیرو ون سے کہا اور اس کے بعد اس نے ایک فوجی کو حکم دیا۔

’’یس سر۔ آیئے سر‘‘...... اس فوجی نے پہلے کیپٹن سے اور پھر زیرو ون سے کہا۔

زیرو ون اس فوجی کے ساتھ کیبن سے باہر آ گیا اور پھر وہ دونوں خان ہاؤس کی طرف بڑھنے لگے۔ خان ہاؤس کے گیٹ پر پہنچ کر ساتھ آنے والا فوجی واپس چلا گیا۔ وہ گیٹ کے قریب پہنچا تو اسے فلیش لائٹ کی روشنی میں سے گزرنا پڑا۔ یہاں بھی ہر طرف فوجی ہی فوجی تھے۔ یہاں اس سے ایک میجر نے سپیشل انٹری کارڈ طلب کیا اور پھر اسے اندر جانے کی اجازت ملی۔

آئی جی سنٹرل پولیس نے غیر ممالک سے کئی تربیتی کورس کئے ہوئے تھے۔ اس کی پروفیشنل لائف تعریفی اسناد سے بھری ہوئی تھی اس لئے اس کی خان ہاؤس میں ڈیوٹی لگائی گئی تھی۔ اس نے خان ہاؤس کے چند مخصوص حصوں میں گہری نظر رکھنی تھی۔ خان ہاؤس میں داخل ہونے کے بعد وہ ڈیوٹی کاؤنٹر کی طرف بڑھا۔ اس نے

ڈیوٹی کاؤنٹر پر اپنی آمد کے بارے میں بتایا۔ کاؤنٹر پر موجود فوجی نے رجسٹر پر اس کا اندراج کر لیا اور اس کے سینے پر ایک بیج لگا دیا۔ خان ہاؤس میں اس وقت سینکڑوں لوگ موجود تھے۔ زیادہ تعداد فوجیوں کی تھی۔ کمانڈوز بھی تھے۔ سنٹرل انٹیلی جنس کے اہلکار بھی موجود تھے۔ اس نے ایک دو افراد کالے لباس اور کالے نقاب میں بھی دیکھے تھے۔ یہ پاکیشیا سیکرٹ سروس کے ممبرز تھے۔ باقی محکموں کے ملازمین پر تو یہاں کچھ پابندیاں لگی ہوئی تھیں لیکن پاکیشیا سیکرٹ سروس کے ممبران پر کسی قسم کی پابندی نہیں تھی۔ وہ جس وقت چاہتے اور جسے چاہتے روک کر اس سے پوچھ گچھ کر سکتے تھے۔ بلڈنگ کے جس حصے میں چاہتے بلا روک ٹوک جا سکتے تھے۔ انہیں نہ کوئی روک سکتا تھا اور نہ ہی ان سے کوئی سوال و جواب کر سکتا تھا اور اسی وجہ سے انہوں نے یہ مخصوص لباس پہنا ہوا تھا۔ زیرو ون نے بھی یہی لباس پہننا تھا اور اسے یہ لباس کرنل جبران نے مہیا کرنا تھا۔

"ہیلو۔ آئی جی رندھاوا صاحب"...... زیرو ون اپنے اردگرد کا جائزہ لے رہا تھا کہ اسے اپنے عقب سے آواز سنائی دی۔ اس نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو اس کے پیچھے ایک شخص کھڑا تھا۔ اس شخص کے سینے پر ایک ٹیگ لگا ہوا تھا جس پر سنٹرل انٹیلی جنس آفیسر جبران لکھا ہوا تھا۔ دونوں نے مصافحہ کیا۔

"ممکن ہی نہیں کہ ڈیتھ لائن کا ماسٹر یہاں کامیاب ہو

جائے"...... آفیسر جبران نے زیرو ون سے کہا۔

"ریڈ نائٹ کا ڈاکٹر بلیک بھی منہ کی کھائے گا"...... زیرو ون نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ڈیتھ لائن اور ریڈ نائٹ ان کے لئے کوڈ ورڈ تھے اور دونوں نے یہ کوڈ ورڈ ادا کر کے ایک دوسرے کو کنفرم کیا تھا۔

"آیئے۔ انتظامات کا جائزہ لیتے ہیں"...... آفیسر جبران نے کہا اور پھر وہ دونوں ایک طرف بڑھے۔ وہ کچھ دیر تک خان ہاؤس کے مختلف حصوں میں گھومتے رہے۔ پھر زیرو ون نے ریسٹ واچ پر نظر ڈالی۔ گیارہ بج کر دس منٹ ہو چکے تھے۔

"ایکسکیوزمی۔ مجھے واش روم جانا ہے"...... زیرو ون نے کہا۔

"سکس نمبر۔ اوکے اس طرف واش رومز ہیں"...... آفیسر جبران نے سکس نمبر دھیمی آواز میں اور باقی فقرہ اپنی معمول کی آواز میں کہا۔

"تھینک یو"...... زیرو ون نے آفیسر جبران کا شکریہ ادا کیا اور پھر وہ واش رومز کی طرف بڑھا۔ واش رومز ایک قطار میں تھے۔ وہ چھٹے واش روم میں داخل ہو گیا۔ واش روم میں داخل ہو کر اس نے دروازہ بند کیا اور سیدھا واٹر ٹینک کی طرف بڑھا۔ اس نے واٹر ٹینک کا ڈھکن اٹھایا۔ اس واٹر ٹینک میں ایک شاپنگ بیگ رکھا ہوا تھا۔ شاپنگ بیگ مکمل طور پر سیلڈ تھا۔ اس نے شاپنگ بیگ چاک کیا تو اس میں سے ایک کالا لبادہ، کالا نقاب، ایک کاغذ، ایک کٹر،

ایک ٹیپ، ایک خنجر اور ایک مشین پسٹل برآمد ہوئے۔ زیرو ون نے لبادہ پہنا اور نقاب چہرے پر لگایا۔ یہ ویسا ہی لبادہ اور نقاب تھا جیسے پاکیشیا سیکرٹ سروس کے ممبران نے پہنا ہوا تھا۔ لبادہ اور نقاب پہننے کے بعد زیرو ون نے کٹر، ٹیپ، خنجر اور مشین پسٹل جیب میں رکھے اور کاغذ کھول کر پڑھنے لگا۔ کاغذ میں یہ درج تھا کہ اس وقت سرسلطان کہاں ہیں۔ کاغذ پر نقشہ بھی بنا ہوا تھا۔ سرسلطان اس وقت ایک تہہ خانے میں تھے۔ تہہ خانے کا راستہ کس کمرے سے جاتا تھا اور تہہ خانہ کیسے کھلتا تھا یہ بھی کاغذ میں درج تھا۔ زیرو ون نے وہ کاغذ پڑھ کر اس کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کئے اور وہ ٹکڑے فلش میں ڈال کر پانی چلا دیا۔ اب وہ اپنے ایکشن کے لئے مکمل طور پر تیار تھا۔ وہ واش روم سے باہر نکل آیا۔ اب وہ چونکہ سیکرٹ سروس کے مخصوص لباس میں تھا۔ اس لئے اب اسے کوئی روک ٹوک نہیں سکتا تھا۔ وہ نقشے کے مطابق ایک مخصوص حصے کی طرف بڑھا۔ سرسلطان کے کمرے تک پہنچنے کے لئے اس کے پاس صرف ڈیڑھ منٹ تھا کیونکہ ڈیڑھ منٹ کے بعد دس سیکنڈ کے لئے بجلی نے آف ہونا تھا اور اس نے انہی دس سیکنڈوں میں سرسلطان کے کمرے میں داخل ہونا تھا۔

زیرو ون، سرسلطان کی موت کی صورت میں ان کے کمرے کی طرف بڑھ رہا تھا لیکن وہاں موجود افراد نہیں جانتے تھے کہ یہ سرسلطان کی موت ہے۔ وہاں ہر طرف سیکورٹی ایجنسیاں، فوجی اور

کمانڈوز موجود تھے اور زیرو ون نہایت اطمینان سے ان کے درمیان سے گزر رہا تھا۔ ڈیڑھ منٹ پورا ہونے میں ابھی آٹھ دس سیکنڈ باقی تھے کہ وہ اس کمرے کے عقب میں پہنچ گیا جو کمرہ سرسلطان کا تھا۔ یہاں بھی اردگرد کئی لوگ موجود تھے جو انتہائی چوکس تھے۔ زیرو ون وہاں کھڑے ہو کر اردگرد کا جائزہ لینے لگا۔ ابھی وہ جائزہ لے ہی رہا تھا کہ ماحول پر یکا یک تاریکی چھا گئی۔ زیرو ون اسی تاریکی کے انتظار میں تھا۔ جیسے ہی لائٹ آف ہوئی وہ بجلی کی سی تیزی سے کھڑکی کی طرف بڑھا۔ اس نے کھڑکی پر جھک کر شیشے پر ایک جگہ ٹیپ چپکائی اور اس نے گلاس کٹر شیشے پر پھیرا اور شیشے کو انگوٹھے سے دبایا تو شیشے کا چوکور حصہ کٹ کر لٹکنے لگا۔ زیرو ون نے ہاتھ اندر ڈال کر چٹخنی کھولی اور اگلے سیکنڈ میں وہ کمرے کے اندر تھا۔ اس ساری کارروائی میں اسے بمشکل پانچ سیکنڈ لگے تھے۔

اندر کمرے میں باہر سے بھی زیادہ اندھیرا تھا۔ وہ کمرے کا جائزہ لے رہا تھا اور ساتھ ہی اس نے جیب میں بھی ہاتھ ڈالا کہ اچانک جھماکا ہوا اور کمرہ روشن ہو گیا۔ ان کی پلاننگ کے مطابق لائٹ نے دس سیکنڈ کے لئے آف ہونا تھا اور یہ کام آفیسر جبران نے کرنا تھا۔ کمرہ یکدم روشن ہوا تو زیرو ون کی آنکھیں چندھیا گئیں لیکن چونکہ زیرو ون کے پاس زیادہ وقت نہیں تھا اس لئے اس نے فوراً ہی خود کو سنبھالا اور پھر تیزی سے دروازے کی طرف بڑھا۔ دروازے کے قریب دائیں جانب دیوار پر سرسلطان کی تصویر

لگی ہوئی تھی۔ زیرو ون نے وہ تصویر اتار کر بیڈ کی طرف اچھال دی۔ پھر اس نے اس کیل کو دبایا جس پر سرسلطان کی تصویر کا فریم لگا ہوا تھا۔ ایک کے بعد دوسری اور پھر تیسری بار اس نے کیل دبایا تو بائیں دیوار میں ایک خلا پیدا ہو گیا۔ زیرو ون تیزی سے خلا کی طرف بڑھا۔ خلا کی دوسری جانب سیڑھیاں تھیں جو نیچے جا رہی تھی۔ زیرو ون سیڑھیاں اترنے لگا۔ سیڑھیاں اترتے ہوئے اس نے جیب سے مشین پسٹل نکال لیا۔ وہ انتہائی تیزی سے لیکن احتیاط سے سیڑھیاں اتر رہا تھا۔ اس کے سیڑھیاں اترنے سے آواز بھی پیدا نہیں ہو رہی تھی۔ پھر جیسے ہی وہ سیڑھیاں اتر کر تہہ خانے میں پہنچا وہ چونک پڑا کیونکہ سرسلطان اس کے سامنے کھڑے تھے۔ ان کی آنکھوں میں نفرت کے تاثرات تھے اور ان کے ہاتھ میں ریوالور تھا جس کا رخ زیرو ون کی طرف تھا۔ زیرو ون کو دیکھتے ہی سرسلطان نے ٹریگر دبا دیا۔ ان کے ریوالور پر چونکہ سائیلنسر فٹ تھا اس لئے گولی چلنے کا دھماکا تو نہیں ہوا البتہ شعلہ زیرو ون کی طرف بڑھا لیکن زیرو ون سرسلطان کی انگلی کی حرکت پر ہی بجلی کی سی تیزی سے نیچے بیٹھ گیا۔ گولی زیرو ون کے اوپر سے گزر گئی۔ پھر زیرو ون نے سرسلطان کو فائر کرنے کا دوسرا موقع نہ دیا۔ اس نے مشین پسٹل کا رخ سرسلطان کی طرف کر کے ٹریگر دبا دیا۔ گولی ان کی پسلی توڑتی ہوئی ان کے دل میں جا لگی تھی۔ ان کے حلق سے چیخ بلند ہوئی۔ ریوالور ان کے ہاتھ سے گر گیا اور ساتھ ہی وہ بھی

فرش پر گرتے چلے گئے۔ سرسلطان کو فرش پر گرتے دیکھ کر زیرو ون تیزی سے ان کی طرف بڑھا۔ اب اس کے ہاتھ میں خنجر اور آنکھوں میں وحشت نظر آ رہی تھی۔ وہ تڑپتے ہوئے سرسلطان کے سینے پر سوار ہو گیا۔ اس نے اپنا گھٹنا اس طرح سرسلطان کے سینے پر رکھا کہ سرسلطان کا جسم تڑپ بھی نہیں سکتا تھا۔ پھر زیرو ون نے اپنا خالی ہاتھ سرسلطان کے سر پر رکھا اور خنجر سرسلطان کی گردن پر چلانے لگا۔ اس کا انداز انتہائی وحشیانہ تھا۔ گردن پر خنجر چلتے ہی سرسلطان کی شہ رگ کٹ گئی اور گردن سے خون کا فوارہ ابل پڑا۔ خون سے زیرو ون کے ہاتھ اور کالا لبادہ رنگین ہو گئے لیکن زیرو ون نے اس کی پرواہ نہ کی۔ اس نے شہ رگ کٹنے پر ہی بس نہ کی بلکہ وہ مردہ سرسلطان کی گردن پر تیز تیز خنجر چلانے لگا۔ اس کا انداز وحشت، بربریت اور جنونیت لئے ہوئے تھا۔ ایسا لگ رہا تھا کہ زیرو ون اپنی کسی پرانی دشمنی کی آگ میں پاگل ہو گیا ہے۔ چند ہی لمحوں میں اس نے سرسلطان کا سر تن سے جدا کر دیا۔ پھر وہ سرسلطان کے جسم سے نیچے اترا۔ اس نے سرسلطان کا بریدہ سر بالوں سے پکڑا اور اٹھ کھڑا ہوا۔ اٹھنے کے بعد اس نے سرسلطان کے سر کو ایک طرف اچھال دیا اور پھر خود سیڑھیوں کی طرف بڑھا لیکن ابھی وہ سیڑھیوں کے قریب بھی نہیں پہنچا تھا کہ سیڑھیوں میں چار آدمی دکھائی دیئے۔ پھر اس سے پہلے کہ زیرو ون سنبھلتا چار مشین گنوں سے شعلے نکلے۔ تہہ خانہ دھماکوں سے تھرتھرا اٹھا۔

درجنوں گولیاں زیرو ون کے سینے، منہ اور سر میں گھس گئیں۔ اس کی چیخ بلند ہوئی اور وہ زمین پر گر کر تڑپنے لگا۔ تہہ خانے میں آنے والے مسلح افراد نے زیرو ون کا خاتمہ تو کر دیا تھا لیکن وہ انتہائی بد حواس اور بوکھلائے ہوئے تھے۔ انہوں نے سر سلطان کا سر بریدہ بدن دیکھ لیا تھا اور اب ان کی نظروں کے سامنے خون ہی خون تھا۔ پاکیشیا کے بازاروں، گلیوں میں بہتا ہوا خون، ڈاکٹر بلیک یہاں بھی کامیاب ہو گیا تھا۔

عمران آپریشن روم میں داخل ہوا تو بلیک زیرو حسب معمول اپنی کرسی سے کھڑا ہو گیا۔

''کیا ہوا عمران صاحب''...... جب وہ دونوں اپنی اپنی کرسیوں پر بیٹھ چکے تو بلیک زیرو نے پوچھا۔

''ہوتا وہی ہے جو اللہ تعالیٰ کو منظور ہوتا ہے''...... عمران نے سنجیدہ لہجے میں کہا۔

''کک۔ کک۔ کیا مطلب عمران صاحب''...... بلیک زیرو نے یکدم ہی پریشان ہو کر پوچھا۔

''بیٹا ہو تو لوگ خوش ہوتے ہیں اور بیٹی ہو جائے تو لوگ دکھی ہو جاتے ہیں۔ حالانکہ بیٹا ہو یا بیٹی۔ اللہ تعالیٰ کی مرضی سے ہوتے ہیں''...... عمران نے بدستور سنجیدہ لہجے میں کہا تو بلیک زیرو نے اس طرح سانس لیا جیسے غبارے سے ہوا نکل رہی ہو۔

''عمران صاحب۔ میں ڈیتھ ماسٹر کے بارے میں پوچھ رہا

ہوں۔ آپ کا اندازہ تھا کہ ڈیتھ ماسٹر عین اس وقت گرین بلڈنگ پر حملہ کرے گا جو وقت ڈاکٹر بلیک نے سر سلطان کی موت کا دیا ہے اور ڈیتھ ماسٹر نے بھی اسی وقت پر سر سلطان کو قتل کی دھمکی دی ہوئی تھی اور آپ نصف ممبران کو لے کر گرین بلڈنگ گئے ہوئے تھے اور اب وہیں سے واپس آ رہے ہیں''...... بلیک زیرو نے کہا۔

''خاور کے بالوں میں ایچ ڈی فٹ کرنے سے تو اس کا مقصد یہی تھا کہ وہ ہماری گفتگو سن سکے اور ہم نے اس کی یہ چال اسی پر پلٹ دی وہ بیچارہ سمجھا کہ ہم نے فائل آئی ٹن دوبارہ سیکرٹ ریکارڈ رومز میں رکھ دی ہے۔ لہٰذا اس نے اس فائل کے حصول کے لئے گرین بلڈنگ پر دھاوا بولا اور بیچارہ پوری تنظیم سمیت ختم ہو گیا''...... عمران نے مسکراتے ہوئے کہا تو بلیک زیرو کے چہرے پر بھی مسکراہٹ آ گئی۔ اسی وقت ٹیلی فون کی گھنٹی بجنے لگی۔

''کال ریسیو کرو''...... عمران نے بلیک زیرو سے کہا تو اس نے ہاتھ بڑھا کر رسیور اٹھا لیا۔

''ایکسٹو''...... بلیک زیرو نے رسیور کان سے لگاتے ہوئے ایکسٹو کے مخصوص لہجے میں کہا۔

''سر۔ میں ملٹری سیکرٹری ٹو پریذیڈنٹ بول رہا ہوں۔ سر سلطان صاحب کا مرڈر ہو گیا ہے۔ پورا ملک غم کے سیلاب میں ڈوب چکا ہے۔ صدر مملکت نے فوری اجلاس بلایا ہے۔ آپ سے گزارش ہے کہ آپ اجلاس میں شریک ہوں''...... دوسری طرف سے صدر

مملکت کے ملٹری سیکرٹری کی مؤدبانہ آواز سنائی دی۔ بلیک زیرو نے عمران کی طرف دیکھا تو عمران نے اثبات کے انداز میں سر ہلا دیا۔

''اوکے۔ میں پہنچ رہا ہوں''...... بلیک زیرو نے سرد لہجے میں کہا اور پھر اس نے رسیور رکھ دیا۔

''میں ایکسٹو بنتا ہوں۔ تم متعلقہ سامان گاڑی میں رکھ دو''۔ عمران نے سنجیدہ لہجے میں بلیک زیرو سے کہا اور پھر وہ وارڈ روب میں آ گیا۔ جہاں ایکسٹو کا مخصوص کالا لباس اور کالا نقاب موجود تھا۔ کیونکہ میک اپ انڈسٹری نے بہت ترقی کر لی تھی۔ اب اصل چہرہ کے لئے نقاب کی ضرورت نہیں تھی۔ دنیا بھر کے سیکرٹ ایجنٹ اور بڑے مجرم میک اپ سے اپنے اصل چہرے کو چھپاتے تھے لیکن یہ لباس ایکسٹو کی شخصیت کا حصہ تھا۔ اس لباس میں رعب و دبدبہ تھا، ہیبت تھی۔ اس لباس کی وجہ سے لوگ ایکسٹو سے دہشت زدہ ہو جاتے تھے۔

بڑے بڑے سرکاری آفیسر، ایکسٹو سے بات نہیں کر سکتے تھے اس لئے عمران نے بحیثیت ایکسٹو یہ لباس ترک نہیں کیا تھا اور نہ ہی وہ کبھی اس لباس کو ترک کرنا چاہتا تھا۔ عمران نے ایکسٹو کا مخصوص لباس پہنا اور پھر وہ گیراج میں آ گیا۔ جہاں ایکسٹو کی مخصوص گاڑی موجود تھی۔ وہ گاڑی میں بیٹھا اور گاڑی سڑک پر آ گئی۔ سڑکوں پر افراتفری پھیلی ہوئی تھی۔ رات کا وقت تھا لیکن

سڑکوں پر دن سے بھی زیادہ رش تھا۔ کئی لوگ حکومت کے خلاف ہو گئے تھے اور وہ حکومت کے خلاف نعرے بازی کر رہے تھے۔ ان کا مطالبہ تھا کہ جس طرح روسیاہ نے ڈاکٹر بلیک کو اپنا حکمران بنا دیا ہے اسی طرح پاکیشیا بھی حکومت ڈاکٹر بلیک کے حوالے کر دے۔ ٹی وی چینلز کی سیٹلائٹ گاڑیاں ان مناظر کو کوریج دے رہی تھیں۔ وہ دکھا رہے تھے کہ لوگ کس قدر خوفزدہ ہو گئے ہیں اور چیخ و پکار کر رہے ہیں۔ عمران یہ مناظر دیکھتا ہوا خان ہاؤس کی طرف بڑھ رہا تھا۔ اسے ایک سڑک پر بچوں کا جلوس بھی نظر آیا۔ بچوں نے پلے کارڈ اٹھا رکھے تھے۔ جن پر مختلف تحریریں درج تھیں۔

''ہمیں جینے دو''۔

''ہم مرنا نہیں چاہتے''۔

''حکومت ڈاکٹر بلیک کے حوالے کر دو''۔

''ہمارا کیا قصور ہے۔ ہمیں کیوں قتل کیا جا رہا ہے''۔

عمران اس جلوس کو دیکھتا ہوا آگے بڑھتا چلا گیا۔ کچھ آگے نوجوانوں کا ایک جلوس تھا۔ انہیں نے بھی پلے کارڈ اٹھا رکھے تھے اور وہ پرجوش نعرے لگا رہے تھے۔

''پاکیشیا زندہ باد۔ ڈاکٹر بلیک مردہ باد''۔

''ہم مر جائیں گے لیکن پاکیشیا کو ڈاکٹر بلیک کے حوالے نہیں کریں گے''۔

''خونی ڈاکٹر بلیک۔ ہائے۔ ہائے''۔

عمران جانتا تھا کہ اس وقت لوگ دو حصوں میں تقسیم ہو گئے ہیں۔ ایک گروہ کا کہنا تھا کہ ہم مرتے ہیں تو مرنے دو لیکن اپنا وطن ڈاکٹر بلیک کے حوالے نہیں ہونا چاہئے لیکن دوسرا گروہ کہتا تھا کہ کروڑوں جانیں بچائی جائیں اور ڈاکٹر بلیک کی بات مان لی جائے۔ عمران کی گاڑی مختلف شاہراہوں سے گزرتی ہوئی پریذیڈنٹ آفس پہنچ گئی۔ عمران نے گاڑی کانفرنس ہال کے گیٹ کے سامنے روکی۔ کانفرنس ہال تک صرف ایکسٹو کی گاڑی ہی آتی تھی۔ باقی تمام گاڑیاں پارکنگ میں کھڑی کی جاتی تھیں۔ انہیں آگے آنے کی اجازت نہیں تھی۔

عمران گاڑی سے ایک باکس کے ساتھ نیچے اترا تو فوجیوں کے بوٹوں کی زور دار دھمک سنائی دی جبکہ وہ کانفرنس ہال کے گیٹ پر پہنچ گیا۔ گیٹ پر متعین فوجی افسر نے اسے سیلوٹ کیا اور پھر اس نے عمران کے لئے گیٹ کھول دیا۔ عمران کانفرنس ہال میں داخل ہوا تو صدر مملکت سمیت تمام لوگ اس کے استقبال کے لئے کھڑے ہو گئے۔ عمران باوقار انداز میں چلتا ہوا اپنی مخصوص کرسی تک پہنچا اور پھر وہ کرسی پر بیٹھ گیا۔ اس کے بیٹھنے کے بعد دیگر شرکاء بھی اپنی اپنی کرسیوں پر بیٹھ گئے۔ عمران نے ان سب کے چہروں کو دیکھا۔ ان سب کے چہرے اترے ہوئے تھے اور آنکھوں میں خوف تھا۔

''جناب ایکسٹو۔ یہ کیا ہو گیا ہے۔ تمام تر انتظامات کے باوجود

ڈاکٹر بلیک کامیاب ہو گیا ہے۔ اب ہمارے ملک کا انجام بھی ایکریمیا اور باچان جیسا ہو گا''...... صدر مملکت نے تمام آداب کو بالائے طاق رکھتے ہوئے پریشان لہجے میں کہا۔ ملک انتہائی نازک موڑ پر کھڑا تھا اس لئے انہوں نے آداب کو نظر انداز کر دیا تھا۔ اس وقت وہ خود کو ایک عام شہری سمجھ رہے تھے۔

''حوصلہ رکھیں جناب۔ انشاء اللہ کچھ نہیں ہو گا''...... عمران نے ایکسٹو کی آواز میں باوقار اور با اعتماد لہجے میں کہا تو ہال میں موجود تمام افراد نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔ ملک تباہی کے دہانے پر کھڑا تھا اور ایکسٹو کہہ رہا تھا کہ کچھ نہیں ہو گا جبکہ ایکریمیا اور باچان کی تباہی وہ اپنی آنکھوں سے دیکھ چکے تھے۔ روسیاہ ڈاکٹر بلیک کی طاقت کے سامنے سرنگوں ہو گیا تھا اس لئے وہ تباہی سے بچ گیا تھا۔ اب اگر وہ روسیاہ کی تقلید کرتے تھے تو بچ سکتے تھے لیکن دوسری صورت میں صرف تباہی اور بربادی تھی لیکن ایکسٹو کہہ رہا تھا کہ حوصلہ رکھیں۔ یہ ایکسٹو اب انہیں بہلا رہا تھا۔ سرسلطان کو تو یہ بچا نہیں سکا تھا۔

اب پاکیشیا کو کیسے تباہ ہونے سے بچا سکتا تھا۔ کئی افراد کے ذہنوں میں یہ باتیں آئیں لیکن فوراً ہی انہوں نے خیالات کو اپنے ذہنوں سے کھرچ ڈالا اور خوفزدہ نظروں سے ایکسٹو کی طرف دیکھا کیونکہ وہ جانتے تھے کہ ایکسٹو ذہن پڑھ لیتا ہے لیکن اب ایکسٹو ان کی طرف متوجہ نہیں تھا بلکہ اپنے ساتھ لایا ہوا باکس کھول رہا تھا

جو اس نے اپنے سامنے والی ٹیبل پر رکھ دیا تھا۔ باکس کھول کر اس نے اس میں سے ایک چھوٹا سا ٹی وی سیٹ نکال کر ٹیبل پر رکھا اور پھر اس نے ٹی وی سیٹ آن کر دیا۔ ٹی وی پر نیوز چینل چل رہا تھا اور پاکیشیا میں ہونے والی افراتفری کو براہ راست دکھا رہا تھا۔ ایکسٹو چند لمحے تو یہ دیکھتا رہا پھر اس نے ٹی وی کا ایریل باہر نکالا اور ٹی وی کے مختلف بٹن دبانے لگا۔ ساتھ ہی اس نے باکس سے ایک ہیڈ فون نکال کر ٹی وی سے منسلک کر دیا۔ ہیڈ فون ٹی وی سے منسلک کرنے کے بعد ایکسٹو نے اپنی مخصوص آواز میں کہا۔

''ہیلو۔ ایکسٹو فرام پاکیشیا۔ ڈاکٹر بلیک۔ میں تم سے بات کرنا چاہتا ہوں۔ کیا تم میری بات سن رہے ہو''...... ایکسٹو نے کہا تو اس کی آواز ٹی وی سے بھی سنائی دینے لگی۔ ایکسٹو نے تین چار بار یہ الفاظ دہرائے۔ ہال میں موجود تمام لوگ ایکسٹو کی اس کارروائی کو حیرت سے دیکھ رہے تھے پھر اچانک ہی ٹی وی سکرین پر کھوپڑی اور ہڈیاں نمودار ہو گئیں۔ ٹی وی کی نشریات رک گئیں۔

''یس مسٹر ایکسٹو۔ میں نہ صرف تمہاری آواز سن رہا ہوں بلکہ ہال میں جتنے بھی لوگ ہیں میں انہیں دیکھ بھی رہا ہوں اور اگر میں چاہوں تو اس وقت ہال کو اڑا کر تم سب کا خاتمہ کر دوں''...... ڈاکٹر بلیک کی غراتی ہوئی آواز سنائی دی تو ہال میں موجود تمام افراد کے چہرے سفید پڑ گئے۔ انہیں اپنی موت سامنے ہی دکھائی دینے لگی۔ ان میں سے اکثر یہ سوچنے لگے کہ کاش وہ کوئی بہانہ کر دیتے اور

اس میٹنگ میں نہ آتے۔

''میں جانتا ہوں ڈاکٹر بلیک کہ تم ایسا نہیں کر سکتے''...... ایکسٹو نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

''سنو مسٹر ایکسٹو۔ ایسا ہو گا اور ضرور ہو گا۔ تم اگر میری غلامی میں آ بھی جاؤ تو تب بھی پاکیشیا کی تباہی لازمی ہے کیونکہ تمہارے آفاق آفندی نے مجھے چیلنج کیا تھا۔ اس نے دعویٰ کیا تھا کہ ایکسٹو سرسلطان کو بچالے گا لیکن تم سرسلطان کو نہیں بچا پائے۔ سرسلطان موت کی اندھیری وادی میں اتر گیا ہے اور اس کی موت کی خبر سنتے ہی میں نے پاکیشیا میں نصب ایٹم بم کی ٹائمنگ آن کر دی ہے اور یہ سزا ہے اس گستاخی کی جو آفاق آفندی نے میرے ساتھ کی۔ اب اگر تم اجلاس میں فیصلہ کر بھی لیتے ہو کہ تم حکومت میرے حوالے کر رہے ہو تو تب بھی تمہیں کوئی فائدہ نہیں ہوگا کیونکہ میں جب اپنے نصب کئے ہوئے ٹائم بموں کی ٹائمنگ آن کر دیتا ہوں تو پھر میں یہاں سے انہیں آف بھی نہیں کر سکتا۔ اب تم لوگ چلاؤ، شور مچاؤ، گڑگڑاؤ، التجائیں کرو، معافیاں مانگو، تمہیں کچھ حاصل نہیں ہو گا۔ تمہارے حصے میں صرف تباہی و بربادی ہی آئے گی''...... ڈاکٹر بلیک کی سرد آواز سنائی دی۔ اس کی بات سن کر ہال میں بیٹھے ہوئے کئی افراد کی چیخیں نکل گئیں اور خوف سے ان کے چہرے بگڑ گئے۔

ان کا تو خیال تھا کہ وہ روسیاہ کی طرح ڈاکٹر بلیک کو اپنا حکمران

بنا لیں گے اور اس تباہی سے بچ جائیں گے لیکن ڈاکٹر بلیک نے ان کی تمام امیدوں پر پانی پھیر دیا تھا۔ ایکسٹو اور ڈاکٹر بلیک کے درمیان ہونے والی باتیں ساری دنیا کے ٹی وی چینلز پر براہ راست دکھائی جا رہی تھیں اس لئے ڈاکٹر بلیک کی بات سن کر دنیا میں تشویش کی لہر دوڑ گئی۔ سب کو یقین ہو گیا کہ اب پاکیشیا تباہی سے نہیں بچ سکتا۔ پاکیشیا میں آناً فاناً خوف کے سیاہ بادل چھا گئے۔ ہر طرف سسکیوں اور آہوں کا طوفان آ گیا۔ عورتوں نے فوراً ہی اپنے بچوں کو اپنے سینے سے لگایا اور دھاڑیں مار مار کر رونے لگیں۔ لاکھ کوشش کے باوجود صدر مملکت بھی اپنے جذبات پر قابو نہ پا سکے اور ان کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے لیکن اچانک ہی ساری دنیا چونک پڑی۔ لوگوں کو اپنی سماعت پر یقین نہ آیا۔ یکدم گہرا سکوت طاری ہو گیا اور لوگوں نے غور سے ٹی وی سکرین کی طرف دیکھا۔

''ڈاکٹر بلیک۔ تم ناکام ہو چکے ہو۔ تمہارے منصوبے خاک میں مل گئے ہیں۔ ڈاکٹر بلیک ایک بار پھر سن لو اور کان کھول کر سن لو کہ تم ذلیل خوار ہو گئے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے سرسلطان نہ صرف زندہ ہیں بلکہ مکمل طور پر صحت مند و توانا ہیں''۔ ایکسٹو کی تیز آواز سنائی دے رہی تھی اور لوگوں کے منہ کھلے کے کھلے رہ گئے تھے۔ ہال میں بیٹھے ہوئے لوگ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر ایکسٹو کو دیکھ رہے تھے۔ یہ بالکل انہونی بات تھی لیکن اس انہونی بات نے ان کے اندر خوشی کی لہریں دوڑا دی تھیں۔ اب جو چیخیں

ہال میں گونجی تھیں وہ خوشی کی تھیں۔ ان کے زرد چہرے یکدم ہی کھل اٹھے تھے۔ ایکسٹو کے الفاظ امرت بن کر ان کے کانوں میں رس گھول گئے تھے۔

"تم جھوٹ بولتے ہو۔ یہ ممکن نہیں ہے"...... ڈاکٹر بلیک کی چیختی ہوئی آواز سنائی دی۔

"نہیں ڈاکٹر بلیک۔ ہمیں جھوٹ بولنے کی ضرورت نہیں ہے۔ ڈاکٹر بلیک تم تکبر میں ابلیس سے آگے نکل گئے۔ تم نے فرعونیت کو پیچھے چھوڑ دیا۔ تم نے وحشت اور بربریت کی حدود کو بھی کراس کر لیا۔ تم نے کروڑوں معصوم اور بے گناہ لوگوں کا خون بہایا۔ تمہارا حساب تو ہونا تھا۔ ڈاکٹر بلیک اور تمہارا یہ حساب پاکیشیا میں ہو گا۔ کیا تم اپنے وعدہ کے مطابق خود کو حکومت پاکیشیا کے حوالے کرو گے یا اپنے وعدے سے پھر جاؤ گے"...... ایکسٹو نے سرد لہجے میں کہا۔

"میں اپنے وعدے سے منحرف نہیں ہوں گا مسٹر ایکسٹو۔ اگر تم نے سرسلطان کے زندہ ہونے کا ثبوت دے دیا تو میں خود کو اور اپنی تنظیم کو تمہارے حوالے کر دوں گا لیکن اتنا سن لو کہ اگر تم ثابت نہ کر سکے تو اب پاکیشیا کے ایک دو شہر نہیں بلکہ پورا پاکیشیا اڑا دوں گا۔ پاکیشیا میں موجود ایک آدمی بھی زندہ نہیں بچے گا"...... ڈاکٹر بلیک نے غراتے ہوئے کہا۔

"ڈاکٹر بلیک۔ مجھے تمہاری بات منظور ہے"...... ایکسٹو نے ٹھوس

لہجے میں کہا۔

"پیش کرو سرسلطان کو"...... ڈاکٹر بلیک نے کہا تو ایکسٹو نے جیب میں ہاتھ ڈال کر سیل فون نکال لیا۔ پھر ایکسٹو نے سیل فون پر نمبر پریس کئے اور سیٹ کان سے لگا لیا۔

"یس۔ کم"...... ایکسٹو نے مختصر سے لفظ کہے پھر اس نے کال کاٹ کر سیٹ واپس جیب میں رکھ لیا۔ اس کے ساتھ ہی ہال میں گہرا سناٹا چھا گیا۔ وہاں موجود لوگ تو ویسے بھی ایکسٹو کے سامنے بول نہیں سکتے تھے اور اب تو حالات ایسے تھے کہ ان کی زبانیں گنگ ہو کر رہ گئی تھیں۔ اس وقت وہاں اتنی خاموشی تھی کہ اگر وہاں سوئی بھی گرتی تو اس کی آواز بھی سب کو سنائی دیتی۔ تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ ہال کا دروازہ کھلا اور تین آدمی ہال میں داخل ہوئے۔ ان تینوں نے ایک صندوق اٹھایا ہوا تھا۔ انہوں نے وہ صندوق ایکسٹو کے سامنے موجود ٹیبل پر رکھ دیا اور اس کے بعد وہ ہال سے نکل گئے۔ ایکسٹو نے صندوق کا ڈھکن کھولا۔ لوگ چونکہ ٹیبل سے نیچے بیٹھے ہوئے تھے اس لئے انہیں صندوق میں براہ راست تو کچھ نظر نہ آیا لیکن ٹی وی سکرین پر صندوق کا اندرونی حصہ نظر آ گیا۔ اندرونی حصے کو دیکھ کر ہال میں پھر کئی چیخیں ابھریں کیونکہ صندوق میں ایک سربریدہ لاش پڑی ہوئی تھی۔ بدن کے ساتھ سر الگ پڑا ہوا تھا۔ ایکسٹو نے وہ سر اٹھا لیا۔ وہ سرسلطان کا تھا۔

''ڈاکٹر بلیک۔ اس سر کو دیکھ رہے ہو''...... ایکسٹو نے سرد لہجے میں اور بلند آواز میں کہا۔

''ہاں۔ میں اس سر کو دیکھ رہا ہوں۔ یہ سر سلطان کا سر ہے''۔ ٹی وی سے ڈاکٹر بلیک کی آواز آئی۔

''تو پھر تم تیار ہو جاؤ کیونکہ تم نے اپنی عقل پر ماتم کرنا ہے اور اپنے تجربے پر لعنت بھیجنی ہے''...... ایکسٹو نے طنزیہ لہجے میں کہا اور اس نے کٹے ہوئے سر کے کانوں کے نیچے انگلیاں پھیریں اور پھر ناخنوں سے اس کی جلد کو نوچنے لگا۔ جلد ہی ایک جھلی ایکسٹو کے ناخنوں میں آ گئی اور وہ اس جھلی کو کھینچنے لگا۔ تھوڑی ہی دیر بعد لوگ یکدم اچھل پڑے کیونکہ اب ان کے سامنے کٹا ہوا سر، سر سلطان کا نہیں بلکہ کسی اور کا تھا۔

''نہیں۔ نہیں۔ یہ نہیں ہو سکتا۔ قطعاً نہیں ہو سکتا۔ تم مجھے دھوکا دے رہے ہو''...... ڈاکٹر بلیک نے چیختے ہوئے کہا۔

''نہیں ڈاکٹر بلیک۔ تمہیں دھوکا نہیں دیا جا رہا۔ تم شکست کھا چکے ہو۔ ہم تمہیں مزید ثبوت بھی دیں گے۔ سر سلطان زندہ ہیں اور جو لاش تم دیکھ رہے ہو وہ ایک ایسے مجرم کی ہے جسے کل پھانسی کی سزا ملنے والی تھی۔ اسے اس ڈرامے کے لئے تیار کیا گیا تھا کہ اگر اس نے حملہ آور کو گولی مار کر ہلاک کر دیا تو اس کی پھانسی کی سزا معاف کر دی جائے گی اور اگر حملہ آور اسے مارنے میں کامیاب ہو گیا تو پھانسی کی سزا اسے ویسے ہی ہونی ہے۔ اس ڈرامے کا حصہ

بن کر اس نے ملک و قوم کی خدمت بھی کرنی ہے اور زندہ بچنے کا چانس بھی ہے اور اس چانس کی وجہ سے اس قیدی نے یہ کردار ادا کرنے کی حامی بھری اور اس نے کردار خوب نبھایا اور تم نے دیکھ لیا کہ پاکیشیا نے تمہیں کس طرح خاک میں ملا دیا ہے''...... ایکسٹو نے مسلسل بولتے ہوئے کہا۔

''تم میرے ساتھ دھوکا کر رہے ہو۔ میں ابھی اس لاش کی چیکنگ کر لیتا ہوں۔ میرے پاس اتنی طاقت ہے کہ میں یہاں بیٹھ کر اس لاش کو چیک کر سکتا ہوں''...... ڈاکٹر بلیک نے اب بھی یقین نہ آنے والے لہجے میں کہا۔ پھر چند سیکنڈوں کے بعد اچانک ہی نیلے رنگ کی روشنی عین لاش کے اوپر نمودار ہو گئی۔ لاش اور بریدہ سر تقریباً پندرہ سیکنڈ تک اس نیلی روشنی میں ڈوبے رہے۔ پھر روشنی غائب ہو گئی۔

''ہونہہ۔ یہ حقیقت ہے کہ یہ لاش سر سلطان کی نہیں ہے''۔ ڈاکٹر بلیک کی بڑبڑاہٹ سنائی دی۔

''ڈاکٹر بلیک۔ مجھے بھی معلوم ہے کہ تم نے نہ ایکریمیا اور باچان کی شخصیات کو مارا ہے اور نہ ہی ہمارے اس آدمی کو۔ اور نہ ہی انہیں مارنے کی تم نے کوششیں کی ہیں''...... ایکسٹو نے کہا۔

''تمہیں کیسے معلوم ہوا''...... ڈاکٹر بلیک کی حیرت زدہ آواز سنائی۔

''ڈاکٹر بلیک۔ یقیناً تمہیں سکتہ ہو گیا ہے۔ مزید سنو کہ تمہارا

اصل نام جونی وارگل ہے اور تم افریقی ہو''...... ایکسٹو نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

''اوہ۔ اوہ۔ تم انسان نہیں ہو شیطان ہو۔ تم میرے بارے میں سب کچھ جانتے ہو''...... کچھ دیر تک تو ڈاکٹر بلیک کی طرف سے خاموش رہی۔ پھر اس کی حیرت میں ڈوبی ہوئی آواز سنائی دی۔

''میں شیطان نہیں ہوں ڈاکٹر بلیک۔ اللہ کا شکر ہے کہ میں انسان ہوں۔ مسلمان ہوں''...... ایکسٹو نے کہا۔

''دنیا میں اربوں انسان رہتے ہیں۔ کوئی بھی میرے بارے میں نہیں جانتا۔ یہاں تک کہ میری تنظیم کے ممبرز بھی میری اصلیت سے ناواقف ہیں لیکن تم سب جانتے ہو۔ کیسے''...... ڈاکٹر بلیک نے چیختے ہوئے کہا۔

''میں تمہارا شاگرد ہوں ڈاکٹر بلیک۔ تم کچھ عرصہ گریٹ لینڈ کی ایک یونیورسٹی میں پروفیسر رہے ہو اور یاد کرو کہ ان دنوں تم نے ایک لیکچر کے دوران کہا تھا کہ تم ایک انوکھی ایجاد پر کام کر رہے ہو اور اس انوکھی ایجاد کو تم نے فیوچر مشین کا نام دیا تھا۔ پھر تم نے ایک دن بتایا کہ تم نے فیوچر مشین بنا لی ہے اور اس میں تم نے اپنے ایک شاگرد کی موت کا منظر دیکھا ہے۔ تمہارا وہ شاگرد تمہاری دی ہوئی تاریخ اور وقت کے مطابق مر گیا اور تم نے اس دن کے بعد یونیورسٹی چھوڑ دی اور غائب ہو گئے۔ غائب ہونے کے بعد یقیناً تم نے اپنی تنظیم ریڈ نائٹ کی بنیاد رکھی اور ساری دنیا پر حکمرانی

کے خواب دیکھے اور ایک طویل عرصہ تک اپنے اس خواب کی تعبیر پانے کی کوشش کرتے رہے''...... ایکسٹو نے تیز لہجے میں کہا۔

''تم جیت گئے ہو مسٹر ایکسٹو اور مجھے شکست فاش ہوئی ہے۔ دراصل میرے ذہن میں سوال ابھرا تھا کہ انسان علم کے ذریعے یہ جان لیتا ہے کہ سورج گرہن اور چاند گرہن کب کب ہوں گے۔ مشین کے ذریعے وہ یہ معلوم کر لیتا ہے کہ ماں کی کوکھ میں پلنے والا بچہ لڑکی ہے یا لڑکا۔ تو پھر اسے مستقبل قریب میں ہونے والے واقعات کا علم بھی ہو سکتا ہے۔ اس پر میں نے فیوچر مشین بنائی اور اسے سو فیصد درست جان لیا۔ حالانکہ انسانی علم ناقص ہے۔ اسی طرح انسان کی بنائی ہوئی چیزوں میں خامیاں بھی موجود ہیں۔ فیوچر مشین نے مستقبل قریب میں ہونے والی اموات تو دکھائیں لیکن یہ نہیں بتایا کہ مرنے والا میک اپ میں ہے۔ میں ان مرنے والے افراد کو دیکھتا تھا کہ اگر دنیا کی کوئی معروف شخصیت سامنے آ جاتی تھی تو میں اس کو نوٹ کر لیتا تھا لیکن گاڈ واقعی عظیم ہے۔ انسان اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا کہ انسان تو تنکے سے بھی زیادہ حقیر ہے۔

میں نے انسانی تاریخ پڑھی ہوئی تھی۔ مجھے علم تھا کہ گاڈ نے نمرود کو کیسے مارا۔ فرعون کا کیا انجام ہوا لیکن میں یہ سب باتیں بھول گیا۔ میں نے بھی فرعون بننا چاہا۔ مسٹر ایکسٹو۔ تم سر سلطان کو دکھا دو۔ اس کے بعد میں اپنے عہد کے مطابق خود کو اور اپنی تنظیم کو

حکومت پاکیشیا کے حوالے کر دوں گا''...... ڈاکٹر بلیک نے مسلسل بولتے ہوئے کہا۔

''ڈاکٹر جونی وارگل۔ ایکسٹو اپنے تمام اساتذہ میں سے سب سے زیادہ تمہاری عزت کرتا تھا کیونکہ تم ذہانت اور قابلیت میں سب سے آگے تھے۔ میں تو تمہاری سلامتی کے لئے دعائیں مانگتا تھا لیکن افسوس کہ تم نے انسانیت کی فلاح کی بجائے انسانیت کی تباہی کے راستے کو اپنا لیا۔ کروڑوں معصوم اور بے گناہ لوگوں کو قتل کر دیا۔ تم اگر انسانیت کی بہتری کے لئے کام کرتے تو اس دنیا کو جنت کی طرح بنا دیتے۔ ڈاکٹر بلیک اگر تم نے ایک دو قتل کئے ہوتے تو تمہیں شاید معاف کر دیا جاتا لیکن تم معافی کے قابل نہیں ہو''۔ ایکسٹو نے کہا۔

''میں جانتا ہوں کہ میں معافی کے قابل نہیں ہوں۔ میں تو کسی کی معمولی سی غلطی پر بھی موت کی سزا دے دیا کرتا ہوں۔ کروڑوں انسانوں کو قتل کر کے میں خود کو کیسے معافی کے قابل سمجھ سکتا ہوں۔ پاکیشیا میرے بارے میں جو فیصلہ کرے گا مجھے منظور ہو گا کیونکہ میں نے یہ عہد کیا تھا اور میں اپنا عہد کبھی توڑ نہیں سکتا۔ تم مجھے سرسلطان دکھاؤ تاکہ میں اپنا وعدہ پورا کروں اور خود کو تمہارے حوالے کر دوں''...... ڈاکٹر بلیک نے سنجیدہ لہجے میں کہا تو ایکسٹو نے ایک بار پھر سیل فون نکالا اور نمبرز پریس کر کے سیٹ کان سے لگا لیا۔

''یس کم''...... ایکسٹو نے مختصراً کہا اور پھر کال منقطع کر کے سیٹ جیب میں رکھ لیا۔

نصف منٹ بعد کانفرنس ہال کا دروازہ کھلا اور سرسلطان ہال میں داخل ہوئے۔ ان کے چہرے پر مسکراہٹ تھی۔ انہیں دیکھ کر ہال میں موجود تمام افراد اپنی کرسیوں سے کھڑے ہو گئے۔ خود صدر مملکت بھی مسکراتے ہوئے کھڑے ہو گئے۔ ہال میں صرف ایک شخصیت ایسی تھی جو کھڑی نہیں ہوئی تھی اور وہ شخصیت تھی ایکسٹو کی۔ ہال میں موجود افراد نے ان کے لئے تالیاں بجائیں۔ انہوں نے ہاتھ ہلا ہلا کر سب کی تالیوں کا جواب دیا اور پھر صدر مملکت کو سلام کرتے ہوئے ایک خالی کرسی کی طرف بڑھے اور کرسی پر بیٹھ گئے۔ جیسے ہی وہ کرسی پر بیٹھے نیلی روشنی آبشار کی مانند ان پر گرنے لگی۔ یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ روشنی کے اس سیلاب میں ڈوب گئے ہوں۔ سرسلطان پر نیلی روشنی پڑتے دیکھ کر کوئی بھی پریشان نہیں ہوا تھا کیونکہ وہ سمجھ گئے تھے کہ ڈاکٹر بلیک سرسلطان کو چیک کر رہا ہے۔ تقریباً نصف منٹ کے بعد نیلی روشنی یکا یک ختم ہو گئی۔

''اوکے۔ میں نے سرسلطان کی چیکنگ کر لی ہے۔ یہ سرسلطان ہی ہیں۔ اب میں پاکیشیا کا قیدی ہوں۔ میں دو گھنٹوں میں پاکیشیا کے دارالحکومت کے گریٹ پارک میں اپنے ساتھیوں کے ساتھ پہنچ رہا ہوں جہاں میں گرفتاری دوں گا۔ دنیا بھر کو یاد رہے کہ ڈاکٹر

بلیک مر تو سکتا ہے لیکن اپنے وعدے سے نہیں پھر سکتا''...... ڈاکٹر بلیک کی پرعزم آواز سنائی دی۔

''ڈاکٹر بلیک۔ ان ایٹم بموں کا کیا بنے گا جو تم نے پاکیشیا میں نصب کئے ہیں''...... صدر مملکت نے پوچھا۔

''میں نے پاکیشیا میں ایک ہی ایٹم بم نصب کیا ہے لیکن یہ اتنا طاقتور ہے کہ پاکیشیا کے تین چار شہروں کو تباہ کر سکتا ہے۔ اس ایٹم بم کا رابطہ میرے ہیڈکوارٹر سے منقطع ہو چکا ہے۔ اب اس سے صرف اسی صورت میں بچا جا سکتا ہے کہ اس کے پاس پہنچ کر اس کا نظام معطل کر دیا جائے اور وہ نظام بھی صرف میں ہی معطل کر سکتا ہوں۔ میں آ رہا ہوں اور آ کر ایٹم بم کو ناکارہ کرتا ہوں''...... ڈاکٹر بلیک کی آواز سنائی دی اور اس کے ساتھ ہی سکرین پر جھماکا ہوا اور سکرین سے کھوپڑی اور ہڈیاں غائب ہو گئیں۔

ہال میں موجود افراد فوراً ہی اٹھے اور ایک دوسرے کو مبارک باد دینے لگے اور ایک دوسرے سے گلے ملنے لگے۔ صدر مملکت نے ایکسٹو کو بھی مبارک باد دی۔ ان کا دل چاہتا تھا کہ اس موقع پر تمام پروٹوکول کو ایک طرف رکھتے ہوئے ایکسٹو سے گلے لگ جائیں لیکن ایکسٹو کی شخصیت ایسی تھی کہ وہ اپنی اس خواہش کو پورا نہیں کر سکے۔ ہال میں ایکسٹو زندہ باد کے نعرے لگ رہے تھے۔ صرف اس ہال میں ہی نہیں بلکہ پورا پاکیشیا ایکسٹو زندہ باد کے نعروں سے گونج رہا تھا۔ دنیا بھر کے ٹی وی چینلز یہ مناظر براہ راست دکھا رہے

تھے۔ دنیا بھر کی سیکرٹ ایجنسیاں اور سیکرٹ ایجنٹس ایکسٹو پر رشک کر رہے تھے۔ ایکریمی اور باچانی حکمران سوچ رہے تھے کہ کاش ایکسٹو ان کے ملک میں ہوتا تو ان کا ملک بھی تباہی سے بچ جاتا۔ روسیاہی بھی شرمندہ تھے کہ وہ ڈاکٹر بلیک کو شکست نہیں دے سکے اور اس کا غلام بننا انہوں نے منظور کر لیا۔ اب تاریخ میں وہ ایک غلام قوم کی حیثیت سے یاد رکھے جاتے۔

ہال میں عید کا سا سماں تھا۔ سرسلطان نے سرعبدالرحمٰن کو گلے لگایا اور پرجوش لہجے میں انہیں مبارک باد دی۔ سرعبدالرحمٰن یہی سمجھ رہے تھے کہ پاکیشیا کے تباہی سے بچ جانے کی خوشی میں سرسلطان انہیں مبارک باد دے رہے ہیں حالانکہ سرسلطان تو انہیں اس بات کی مبارک باد دے رہے تھے کہ ان کے بیٹے نے اتنا عظیم کارنامہ سر انجام دیا تھا کہ تاریخ میں جس کی مثال ملنا ممکن نہیں تھا۔ سرعبدالرحمٰن نہیں جانتے تھے کہ جس بیٹے کو وہ نالائق، آوارہ اور نکما سمجھتے ہیں وہی ایکسٹو ہے جس کی پوری دنیا عزت کرتی ہے اور جس کی دبدبے سے دہشت زدہ رہتی ہے۔

''مسٹر ایکسٹو۔ آپ نے سرسلطان کی حفاظت کے لئے ان کے میک اپ میں کسی اور کو آگے لانے کا پلان کیسے بنایا۔ یہ تو بالکل انوکھا طریقہ تھا''...... صدر مملکت نے کہا۔

''جناب صدر۔ میں نے سابقہ شخصیات کی اموات پر غور کیا تو یہ بات واضح طور پر محسوس ہوئی کہ ان شخصیات کے مرنے میں مجرم

کا کوئی ہاتھ نہیں۔ مجرم کی طرف سے کوشش تک نہیں کی گئی تھی۔ یہ بہت ہی انوکھی بات تھی۔ میں نے اس پر پہلے ہی غور کیا لیکن عقدہ حل نہیں ہو رہا تھا کہ یہ اموات کیسے ہوئیں۔ پھر میں نے ڈاکٹر بلیک کی آواز کو سنا۔ کئی بار سنا تو مجھے محسوس ہوا کہ یہ آواز میں نے کہیں سنی ہوئی ہے۔ پھر میں یہی سوچتا رہا کہ یہ آواز میں نے کہاں سنی ہے تو اچانک مجھے اپنا زمانہِ طالب علمی یاد آ گیا جب میں گریٹ لینڈ کی ایک یونیورسٹی میں پڑھ رہا تھا۔ پھر جیسے ہی مجھے یاد آیا کہ یہ آواز پروفیسر جونی وارگل کی ہے تو تمام حقیقت میرے سامنے آ گئی۔ میں جان گیا کہ جونی وارگل عرف ڈاکٹر بلیک نے ان شخصیات کی موت کے منظر اپنی فیوچر مشین پر دیکھے ہیں اور مشین سے تو غلطی ہوسکتی ہے۔ اس نے فیوچر میں سر سلطان کی شکل کے کسی آدمی کا منظر ریسیو کر لیا ہو گا۔ سو میں نے ایک قیدی کو تیار کیا اور یہ پلان مرتب کیا''۔ ایکسٹو نے جواب دیا اور پھر خاموش ہو گیا۔

''سر۔ میرا خیال ہے کہ اب ہمیں گریٹ پارک میں چلنا چاہئے کیونکہ ڈاکٹر بلیک نے گریٹ پارک میں آنا ہے''...... وزیر قانون نے مؤدبانہ لہجے میں صدر مملکت سے کہا۔

''جناب صدر۔ مجھے صرف دس منٹ دیئے جائیں تاکہ میں گریٹ پارک میں انتظامات کرا لوں''...... ہوم منسٹر نے بھی مؤدبانہ لہجے میں کہا تو صدر مملکت نے اسے اجازت دے دی۔ ہوم منسٹر

فوراً ہی ہال سے باہر چلا گیا۔ اس کے باہر جانے کے دس منٹ بعد ایکسٹو اپنی سیٹ سے اٹھا اور وہ بھی ہال سے باہر نکل آیا۔ اس کے پیچھے باقی افراد بھی اٹھے اور پھر ایک بڑا قافلہ گریٹ پارک پہنچ گیا۔ گریٹ پارک میں اعلیٰ شخصیات کے لئے کرسیاں لگا دی گئی تھیں اور اس سے کچھ فاصلے پر خار دار تار بھی لگا دی گئی تھی کیونکہ لوگوں کی ایک بڑی تعداد بھی گریٹ پارک پہنچ رہی تھی۔ فوج کے کئی دستوں نے پورے پارک کو اپنے گھیرے میں لے لیا تھا۔ خار دار تاروں کے قریب بھی فوجی تعینات کر دیئے گئے تھے تاکہ لوگ اسے کراس نہ کریں۔ پارک میں پہلے ہی کئی جگہوں پر ٹی وی سیٹ نصب تھے۔ ان ٹی وی سیٹوں پر پاکیشیا کے ہی مناظر دکھائے جا رہے تھے۔ ملک بھر میں عید کا سماں تھا۔ کچھ دیر پہلے جو چہرے زرد اور دہشت زدہ دکھائی دے رہے تھے اب وہ چہرے کھلے ہوئے تھے اور ان چہروں پر خوشیوں کے پھول کھلے ہوئے تھے۔ لوگ ٹی وی دیکھنے کے ساتھ ساتھ باتیں بھی کر رہے تھے کہ فضا میں گڑگڑاہٹ کی آواز سنائی دی۔ یہ ہیلی کاپٹرز کی آوازیں تھیں جلد ہی بڑے بڑے دو ہیلی کاپٹرز دکھائی دیئے۔ ڈاکٹر بلیک اپنے وعدے کے مطابق پہنچ گیا تھا۔ وہاں موجود لوگوں میں جوش و خروش پیدا ہو گیا۔ نیلے رنگ کے عجیب و غریب ساخت کے ہیلی کاپٹرز زمین پر اترے تو ایک فوجی دستے نے انہیں گھیرے میں لے لیا۔ پھر ہیلی کاپٹرز کے دروازے کھلے اور ان میں سے تقریباً پچیس کے

قریب آدمی نیچے اترے۔ چوبیس آدمی ماتحت لگ رہے تھے جبکہ ایک آدمی کی شخصیت رعب دار تھی۔ عمران نے اسے پہچان بھی لیا۔ وہ جونی وار گل تھا۔ اس کا استاد اور اب ڈاکٹر بلیک۔ ڈاکٹر بلیک اپنے آدمیوں کے آگے آگے چلتا ہوا سٹیج تک آ گیا۔ ایکسٹو اور صدر مملکت کے قریب پہنچ کر اس نے اپنے دونوں بازو آگے بڑھا دیئے۔

''ڈاکٹر بلیک گرفتاری کے لئے حاضر ہو گیا ہے مسٹر ایکسٹو۔ ڈاکٹر بلیک نے اپنا وعدہ پورا کر دیا ہے۔ اس کی تنظیم کے رکن بھی حاضر ہیں۔ کچھ پیچھے آ رہے ہیں اور جو نہ آئے وہ خود ہی ختم ہو جائیں گے۔ یوں میرا وعدہ پورا ہو جائے گا۔ اپنی ناکامی کی صورت میں، میں نے ریڈ نائٹ کو نیست و نابود کرنے کا وعدہ کیا تھا''۔ ڈاکٹر بلیک نے سپاٹ لہجے میں کہا۔ سرعبدلراحمٰن ہتھکڑی لے کر اس کے قریب کھڑے تھے اور اس انتظار میں تھے کہ صدر صاحب حکم دیں تو وہ انہیں اپنے ہاتھوں سے ہتھکڑی پہنائیں۔ سوپر فیاض اور ان کے چند اور ماتحت ان کے پیچھے کھڑے تھے۔

''ڈاکٹر بلیک۔ پہلے اس ایٹم بم کا کچھ کرو''...... صدر مملکت نے تیز لہجے میں کہا۔ ڈاکٹر بلیک نے جواب دینے کے لئے منہ کھولا ہی تھا کہ فضا میں ایک بار پھر گڑگڑاہٹ ہوئی اور ایک اور ہیلی کاپٹر دکھائی دیا۔ پھر وہ ہیلی کاپٹر بھی نیچے اتر آیا۔ اس ہیلی کاپٹر میں سے صرف ایک آدمی نیچے اترا۔

''باس''...... اس آدمی نے زور سے کہا اور ڈاکٹر بلیک کی طرف دوڑا۔ ڈاکٹر بلیک اس کی طرف دیکھنے لگا۔ کوئی بھی اس کے عزائم سے واقف نہیں تھا۔ سب اس کی طرف غور سے دیکھ رہے تھے۔ کسی نے اسے روکنے کی کوشش بھی نہیں کی کیونکہ وہ ڈاکٹر بلیک کا ساتھی تھا۔ پھر اچانک ہی ایکسٹو اپنی سیٹ سے اٹھا اور اس کی تیز آواز سنائی دی۔

''اسے روکو۔ اسے پکڑو''...... ایکسٹو نے چیخ کر کہا اور پھر اس سے پہلے کہ فوجی اس کی طرف بڑھتے۔ فضا ایک خوفناک دھماکے سے گونج اٹھی یہ دھماکا ریوالور کا تھا۔

ڈاکٹر بلیک نے بٹن دبا کر مشین آف کر دی۔ اس کے چہرے پر سنجیدگی چھائی ہوئی تھی جبکہ آنکھیں اداس اور غم میں ڈوبی ہوئی تھیں۔ وہ اپنے سپیشل روم سے اٹھ کر اپنے آفس میں آ گیا۔ وہ کافی تھکا تھکا سا دکھائی دے رہا تھا۔ وہ اپنی کرسی پر جیسے ڈھے سا گیا۔ چند منٹوں تک تو وہ کرسی پر بے حس و حرکت پڑا رہا پھر وہ سیدھا ہوا اور اس نے انٹرکام کا رسیور اٹھا کر نمبر پریس کیا۔

''رچی۔ میرے کمرے میں آؤ''...... اس نے رسیور کان سے لگاتے ہوئے سخت لہجے میں کہا اور پھر رچی کا جواب سنے بغیر اس نے رسیور واپس کریڈل پر رکھ دیا۔ ایک منٹ بعد کمرے کا دروازہ کھلا اور رچی کمرے میں داخل ہوا۔ اس نے مؤدبانہ انداز میں سلام کیا۔

''رچی۔ تم نے ایکسٹو اور میرے درمیان ہونے والی گفتگو سن لی ہے''...... ڈاکٹر بلیک نے پوچھا۔

''یس باس''...... رچی نے مؤدبانہ لہجے میں کہا۔

''رچی۔ میں ہار گیا ہوں۔ آج ڈاکٹر بلیک ہار گیا ہے''۔ ڈاکٹر بلیک نے رندھی ہوئی آواز میں کہا۔

''نو باس۔ آپ ناقابل شکست ہیں۔ آپ کبھی نہیں ہار سکتے''۔ رچی نے سپاٹ لہجے میں کہا۔

''کیا مطلب ہے تمہارا''...... ڈاکٹر بلیک نے چونکتے ہوئے پوچھا۔

''باس۔ آپ گریٹ پارک کو ہی اڑا دیں بلکہ گریٹ پارک ہی کیا۔ آپ پورے پاکیشیا کو اڑا دیں اور دنیا کو بتا دیں کہ آپ ناقابل شکست ہیں۔ پوری دنیا کو ہر حال میں آپ کے سامنے جھکنا ہے۔ آپ طاقتور ہیں اور ازل سے یہ دنیا طاقتوروں کے سامنے جھکتی چلی آئی ہے''...... رچی نے سنجیدہ لہجے میں کہا۔ اگلے ہی لمحے ڈاکٹر بلیک کا ہاتھ گھوما۔ چٹاخ کی آواز سے کمرہ گونج اٹھا۔ ڈاکٹر بلیک کی آنکھوں سے چنگاریاں سی نکلنے لگیں۔ رچی کے منہ پر ڈاکٹر بلیک کا ہاتھ اتنا سخت پڑا تھا کہ وہ لڑکھڑا کر ایک قدم پیچھے ہٹ گیا تھا۔

''رچی۔ یہ بات تم بھی اچھی طرح جانتے ہو کہ میں نے اپنے اصول اور وعدے پر اپنے حقیقی بیٹے کو قربان کر دیا تھا۔ اولاد جو والدین کو اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز ہوتی ہے۔ اگر میں اپنے بیٹے کو اپنے اصولوں پر قربان کر سکتا ہوں تو خود کو، تمہیں اور اس

تنظیم کو بھی قربان کر سکتا ہوں۔ میرے لئے انسانوں کی کوئی اہمیت نہیں۔ انسان میرے لئے کیڑے مکوڑے ہیں اور اس کا عملی ثبوت میں دے چکا ہوں۔ میں نے کروڑوں انسانوں کو اس طرح لمحوں میں مارا ہے کہ اس طرح مچھروں، مکھیوں کو بھی نہیں مارا جاتا لیکن میرے اصول اور میرے وعدے۔ میرے لئے انسانوں سے زیادہ قیمتی ہیں۔ میں خود کو حکومت پاکیشیا کے حوالے کر رہا ہوں''۔ ڈاکٹر بلیک نے غصیلے لہجے میں کہا۔

''باس۔ میں تو تنظیم کی اور آپ کی بھلائی کے لئے''...... رچی کی بات مکمل نہیں ہوئی تھی کہ ڈاکٹر بلیک دھاڑا۔

''بکواس بند کرو رچی۔ میں غلط مشورہ دینے والوں کو بھی عبرت کا نشان بنا دیا کرتا ہوں''...... ڈاکٹر بلیک نے گرج دار آواز میں کہا۔ پھر اس نے مائیک اٹھایا اور اپنے سامنے رکھی مشین کا بٹن پریس کر دیا۔

''تمام ممبران ہال میں پہنچ جائیں''...... ڈاکٹر بلیک نے تحکمانہ لہجے میں کہا اور پھر اس نے مائیک رکھا اور ایک بار پھر اس نے بٹن پریس کر دیا۔

''تم بھی ہال میں جا کر بیٹھو''...... ڈاکٹر بلیک نے کرخت لہجے میں رچی سے کہا۔

''او کے باس''...... رچی نے مؤدبانہ لہجے میں کہا اور پھر وہ کمرے سے باہر نکلتا چلا گیا جبکہ ڈاکٹر بلیک ایک بار پھر اپنے سپیشل

روم میں آ گیا۔ جس میں مشینیں ہی مشینیں تھی۔ وہ کچھ دیر تک اس کمرے میں موجود رہا اور پھر خود بھی ہال میں پہنچ گیا۔ جہاں تمام ممبران پہنچ چکے تھے۔ ڈاکٹر بلیک ہال میں داخل ہوا تو سب احتراماً کھڑے ہو گئے۔ ڈاکٹر بلیک اپنی کرسی پر جا کر بیٹھا اور پھر اس نے دوسروں کو بھی بیٹھنے کا حکم دیا۔ اس نے ہال میں بیٹھے ہوئے تمام افراد کا جائزہ لیا۔ ہال میں اس وقت تقریباً ستر کے قریب آدمی بیٹھے ہوئے تھے۔

''تمام لوگوں نے دیکھ لیا ہو گا کہ میں پاکیشیا سیکرٹ سروس کے چیف ایکسٹو سے شکست کھا گیا ہوں اور میں نے دنیا بھر کے سامنے اعلان کیا تھا کہ اگر کسی ملک نے مجھے شکست دے دی تو میں خود کو اور اپنی تنظیم کو اس ملک کے حوالے کر دوں گا۔سو، اب میں اپنے وعدے کے مطابق خود کو اور اپنی تنظیم ریڈ نائٹ کو حکومت پاکیشیا کے حوالے کر رہا ہوں۔تم سب لوگ یہ ہیڈکوارٹر چھوڑ دو اور میرے ساتھ خود کو پاکیشیا کے حوالے کر دو۔ ہیڈکوارٹر میں تم صرف دس منٹ تک رہ سکتے ہو۔ اس کے بعد تمہاری زندگی کی کوئی ضمانت نہیں ہے۔ باہر ہمارے خصوصی ہیلی کاپٹرز موجود ہیں تم ان ہیلی کاپٹرز میں سوار ہو کر پاکیشیا پہنچو''...... ڈاکٹر بلیک نے سپاٹ لہجے میں کہا اور اس کے ساتھ ہی وہ اٹھا اور تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا ہال کے دروازے کی طرف بڑھا۔ کچھ اور لوگ بھی اٹھ کر اس کے پیچھے چلنے لگے۔ لیکن کافی لوگ اپنی جگہوں پر بیٹھے رہے۔ وہ حیران و

پریشان تھے اور فیصلہ نہیں کر پا رہے تھے کہ کیا کریں۔ ڈاکٹر بلیک تیزی سے ہال سے باہر آیا اور مختلف گیلریوں سے گزرتا ہوا اپنے ہیڈکوارٹر کی عمارت سے باہر آ گیا۔ اس نے اس ہیڈکوارٹر پر ایسی ریز پھیلائی ہوئی تھیں کہ کسی چیکنگ سسٹم نے اس بلڈنگ کو چیک نہیں کیا تھا۔ دنیا بھر کے سیکرٹ ایجنٹ سیٹلائٹ اور دیگر تمام وسائل ناکام رہے تھے۔ کوئی بھی ڈاکٹر بلیک کا ہیڈکوارٹر ٹریس نہیں کر سکا تھا۔ اب ڈاکٹر بلیک نے وہ ریز آف کر دی تھیں۔ بلڈنگ سے باہر ایک کھلا میدان تھا جس میں پانچ ہیلی کاپٹرز کھڑے تھے۔ ڈاکٹر بلیک نے اپنے ساتھ آنے والوں کو دیکھا۔ اس کے اندازے کے مطابق ان سب کے لئے دو ہیلی کاپٹرز کافی تھے کیونکہ ہیلی کاپٹرز کافی بڑے تھے۔ وہ انتہائی جدید تھے اور عام ہیلی کاپٹروں سے کئی گنا تیز رفتار تھے۔ ڈاکٹر بلیک اور اس کے ساتھ آنے والے دیگر افراد دو ہیلی کاپٹروں میں بیٹھ گئے اور پھر ہیلی کاپٹرز فضا میں بلند ہوتے چلے گئے۔ جیسے ہی ہیلی کاپٹرز فضا میں بلند ہوئے رچی اپنی کرسی سے اٹھ کر ڈاکٹر بلیک کی کرسی پر جا کر بیٹھ گیا۔

''ممبرز۔ ڈاکٹر بلیک احمق ہے اور وہ اپنی حماقت ہم سب پر مسلط کرنا چاہتا ہے۔ ہم لوگ مجرم ہیں اور بھلا جرائم کی دنیا میں اصول اور وعدے کیا اہمیت رکھتے ہیں لیکن اگر وہ اپنے وعدے کی پابندی کرتے ہوئے خود کو موت کے حوالے کر رہا ہے تو ہم کیوں کریں۔ ہم اس کے وعدے کے پابند نہیں ہے۔ ہم ریڈ نائٹ کو

قائم و دائم رکھیں گے اور ریڈ نائٹ کے ذریعے اس دنیا پر حکومت کریں گے۔ اب تم بتاؤ کہ کیا تم میرا ساتھ دو گے یا ڈاکٹر بلیک کے ساتھ خود کو موت کے حوالے کر دو گے''...... رچی نے جوشیلے لہجے میں تقریر کرتے ہوئے کہا۔

''ہم نہیں مرنا چاہتے۔ تنظیم قائم رہے گی۔ ہم تنظیم کے وفادار رہیں گے''...... چند آوازیں ابھریں۔

''او کے۔ تو پھر تنظیم کے اصول کے مطابق میں ریڈ نائٹ کا نیا چیف ہوں اور تم سب لوگ میرا حکم مانو گے اور ہمیشہ میرے وفادار رہو گے''...... رچی نے تیز لہجے میں کہا۔

''ہم آپ کو اپنا باس تسلیم کرتے ہیں''...... سب نے بیک وقت کرسیوں سے اٹھ کر کہا اور اگلے لمحے وہ دوبارہ کرسیوں پر بیٹھ گئے لیکن ایک ممبر کھڑا رہا۔

''لیکن۔ لیکن باس''...... اس آدمی نے پریشان لہجے میں کہا وہ اپنی بات مکمل نہ کر سکا۔

''لیکن کیا۔ کیا تم ڈاکٹر بلیک سے ڈر رہے ہو۔ وہ تو وادی اجل کی طرف روانہ ہو گیا ہے اب اس کی واپسی ممکن نہیں اور بالفرض اگر وہ راستے سے واپس بھی آ جاتا ہے تو ہم اسے موت کی سزا دے دیں گے۔ اس کی زندگی اب ہم سب کی موت ہے''...... رچی نے کہا۔

''یہ بات نہیں ہے باس۔ ڈاکٹر بلیک نے ہمیں دس منٹ کا

وقت دیا ہے۔ ہمیں دس منٹ دینے میں اس کی کیا حکمت ہو سکتی ہے''...... اس ممبر نے بدستور پریشان لہجے میں کہا۔

''ڈاکٹر بلیک اب ہیڈکوارٹر سے جا چکا ہے۔ اب بھلا وہ کیا کرسکتا ہے۔ پھر بھی میں سپیشل روم میں جا کر چیک کرتا ہوں''۔ رچی نے کہا اور پھر وہ ہال سے باہر آ گیا۔ ڈاکٹر بلیک کے دیئے گئے دس منٹوں میں سے چھ منٹ گزر گئے تھے۔ رچی کے دل میں بھی اندیشے جنم لے چکے تھے۔ اس نے اپنے قدم تیز کئے اور پھر وہ دوڑنے لگا۔ ڈیڑھ منٹ بعد وہ سپیشل روم میں داخل ہوا اور اس نے ایک مشین آن کی۔ جیسے ہی مشین آن ہوئی اس پر سرخ لکیریں اوپر سے نیچے جلنے لگیں اور ان لکیروں کو دیکھتے ہی اس کے ہوش اڑ گئے۔

''بم''...... اس کے منہ سے بے اختیار نکلا اور اس نے دوڑ لگا دی۔ اب اس کے پاس وقت نہیں تھا کہ وہ ممبرز کو جا کر بتاتا کہ ڈاکٹر بلیک نے ہیڈکوارٹر میں بم نصب کر دیئے ہیں۔ ان کے پھٹنے میں اب صرف پونے دو منٹ باقی تھے۔ اگر وہ ہال کی طرف جاتا تو پونے دو منٹ وہیں پورے ہو جانے تھے۔ پھر ہیڈکوارٹر سے نکلنے کا وقت نہیں ملنا تھا۔ اب وہ طوفانی رفتار سے دوڑ رہا تھا۔ اس کے پیچھے واقعی موت لگی ہوئی تھی اس لئے اس کی رفتار بہت تیز تھی۔ وہ آندھی اور طوفان کی مانند اڑتا ہوا ہیلی کاپٹرز تک پہنچا اور پھر وہ ایک ہیلی کاپٹر میں سوار ہو گیا۔ اس نے ایک لمحہ ضائع کئے

بغیر ہیلی کاپٹر سٹارٹ کیا اور پھر ہیلی کاپٹر اوپر اٹھنے لگا۔ اب دس منٹ پورے ہونے میں صرف چند سیکنڈ باقی تھے۔ جب ہیلی کاپٹر بلند ہوا تو ہیڈکوارٹر کے ہال میں بیٹھے ہوئے افراد کو اس کی آواز سنائی دی۔ وہ یکدم ہی ہال سے باہر نکل آئے۔ ہیلی کاپٹر کو فضا میں بلند ہوتے دیکھ کر انہیں اندازہ ہو گیا کہ رچی فرار ہو رہا تھا اور وجہ بھی انہیں سمجھ آ گئی۔ یکدم ہی ان سب کو موت نظر آ گئی تھی۔ وہ سب چیختے چلاتے ہوئے گیٹ کی طرف دوڑے لیکن ابھی انہوں نے چند قدم ہی اٹھائے تھے کہ خوفناک دھماکے ہونے لگے۔

رچی کا ہیلی کاپٹر کافی بلندی پر پہنچ گیا تھا۔ دھماکوں کی آوازیں سن کر رچی نے نیچے دیکھا۔ ہیڈکوارٹر کی بلڈنگ کے پرخچے اڑ رہے تھے۔ دھوئیں اور آگ میں انسانی جسم بھی اڑتے ہوئے دکھائی دے رہے تھے۔ یہ منظر دیکھ کر رچی کی آنکھوں میں خون اتر آیا۔

''ڈاکٹر بلیک۔ تو نے سب کچھ تباہ کر دیا۔ اپنے ہاتھوں سے سب کچھ ختم کر دیا لیکن جس ملک کی خاطر تو نے ایسا کیا ہے میں تجھے اجازت نہیں دوں گا کہ تو اس ملک کو تباہ ہونے سے بچا سکے۔ میں تیرے ساتھ ساتھ پاکیشیا کو بھی صفحہ ہستی سے مٹا دوں گا''۔ رچی نے غراتے ہوئے کہا اور پھر اس کی نظریں ہیلی کاپٹر کے کنٹرول پینل پر جم گئیں۔ ہیلی کاپٹر کا رخ پاکیشیا کے دارالحکومت کی طرف تھا۔ غصے اور نفرت کی وجہ سے اُسے سفر کے کٹنے کا اندازہ ہی نہ ہوا۔ وہ اس وقت چونکا جب وہ پاکیشیا کے دارالحکومت

میں پہنچ چکا تھا۔ وہ اپنے ہیلی کاپٹر کو سیدھا گریٹ پارک کی طرف لے آیا۔ جب وہ گریٹ پارک پہنچا تو اس نے تنظیم کے دو ہیلی کاپٹرز دیکھ لئے۔ ڈاکٹر بلیک اور اس کے ساتھ آنے والے افراد وہاں پہنچ چکے تھے۔ اس نے بھی ہیلی کاپٹر کو نیچے اتارا۔ ہیلی کاپٹر نیچے اتارنے سے پہلے ہی اس نے ماحول کا جائزہ لے لیا تھا۔ ایک طرف سٹیج بنا ہوا تھا جس پر چند افراد بیٹھے ہوئے تھے۔ سٹیج کے سامنے بہت سی کرسیاں تھیں۔ ان کرسیوں پر بھی افراد بیٹھے ہوئے تھے۔ کچھ فاصلے پر باڑ لگی ہوئی تھی اور باڑ کی دوسری طرف لوگوں کی کثیر تعداد موجود تھی۔ اس کے علاوہ فوجیوں کی ایک بڑی تعداد تھی جو پارک میں موجود تھی۔ ڈاکٹر بلیک اور تنظیم کے دیگر ممبر سٹیج کے قریب ہی کھڑے تھے۔ رچی ہیلی کاپٹر سے نیچے اترا۔

''باس''...... اس نے ڈاکٹر بلیک کو آواز دی اور پھر اس انداز میں اس کی طرف بھاگا جیسے محبت کے جوش میں بھاگ رہا ہو۔ وہ چند قدم ہی بھاگا تھا کہ اس نے سٹیج پر بیٹھے ہوئے ایکسٹو کو اپنی کرسی سے اٹھتے ہوئے دیکھا۔ ایکسٹو نے نجانے کیا کہا تھا۔ لیکن اسی لمحے رچی نے ڈاکٹر بلیک کا بنایا ہوا ریوالور نکال لیا کیونکہ ڈاکٹر بلیک اس کی رینج میں آ گیا تھا۔ ریوالور نکالتے ہی رچی نے ایک لمحہ ضائع کئے بغیر ڈاکٹر بلیک پر گولی چلا دی۔ یہ مخصوص ریوالور تھا۔ ایک زور دار دھماکا ہوا۔ گولی ڈاکٹر بلیک کے ماتھے میں لگی اور اس کے سر کے پچھلے حصے سے نکل گئی۔ ڈاکٹر بلیک کا بھیجا بھی گولی کے

ساتھ ہی اس کی کھوپڑی سے نکل آیا۔ ڈاکٹر بلیک بغیر کوئی چیخ مارے زمین پر گرا اور فوراً ہی ساکت ہو گیا۔ رچی نے ڈاکٹر بلیک کو نشانہ بنانے کے بعد پاکیشیا کے صدرِمملکت کی طرف ریوالور کا رخ کیا لیکن اس سے پہلے کہ وہ ٹریگر دباتا۔ بیک وقت کئی دھماکے ہوئے اور رچی کو یوں محسوس ہوا جیسے درجنوں گرم سلاخیں اس کے جسم کے آر پار ہو گئی ہوں۔ وہ زمین پر گرتا چلا گیا اور اس کا ذہن تاریک ہو گیا۔

صرف گریٹ پارک میں ہی نہیں بلکہ پورا پاکیشیا سناٹے کے گہرے کنویں میں ڈوب چکا تھا۔ ڈاکٹر بلیک ایٹم بم کے بارے میں بتائے بغیر مر گیا تھا۔ ایکسٹو نے ڈاکٹر بلیک کے ساتھ آئے ہوئے افراد سے پوچھا لیکن وہ لا علم تھے۔ ایکسٹو نے ان کی سزائیں معاف کرنے اور انہیں کروڑوں روپے کا انعام دینے کا وعدہ بھی کیا کہ اگر ایٹم بم کے بارے میں معلوم ہے تو بتا دیں لیکن انہیں کچھ معلوم ہوتا تو بتاتے۔ ان کی طرف سے مایوس ہو کر ایکسٹو نے ڈاکٹر بلیک کے لباس کی تلاشی لی۔ اس کی جیب میں کوئی سامان نہیں تھا۔ اس کی ایک جیب سے تصویر نکلی۔ یہ تصویر چار نیزہ بردار وحشیوں کی تھی جنہوں نے ایک شہری عورت کو گھیر رکھا تھا۔ عورت کے چہرے پر خوف جبکہ وحشیوں کے چہرے پر خوشی کے تاثرات تھے۔ ایکسٹو کچھ دیر تک تصویر کو دیکھتا رہا پھر وہ کمشنر کی طرف بڑھا۔

''کمشنر صاحب۔ راک سٹار سینما کی انتظامیہ کو فوراً حاضر کریں۔ آپ خود بھی اس سینما میں پہنچیں۔ کچھ دیر میں میرا نمائندہ خصوصی علی عمران سینما میں پہنچ رہا ہے۔ آپ نے اس کے ہر حکم کی تعمیل کرنی ہے''...... ایکسٹو نے اپنے مخصوص سرد لہجے میں کمشنر کو حکم دیتے ہوئے کہا۔

''یس سر''...... کمشنر نے مؤدبانہ لہجے میں کہا تو ایکسٹو صدر مملکت کی طرف مڑا۔

''آپ بے فکر ہو کر تشریف لے جائیں۔ انشاء اللہ ایکسٹو کی زندگی میں پاکیشیا پر کبھی کوئی آفت نہیں آئے گی''۔ ایکسٹو نے باوقار لہجے میں کہا اور اس کے بعد وہ اس طرف بڑھا جس طرف اس کی گاڑی کھڑی تھی۔ پھر وہ گاڑی میں بیٹھا اور اس کی گاڑی تیز رفتاری سے چلتی ہوئی مین روڈ پر آ گئی۔ کار انتہائی تیز رفتاری سے دانش منزل پہنچ گئی۔ پھر جیسے ہی عمران آپریشن روم میں داخل ہوا۔ بلیک زیرو اس کے احترام میں کھڑا ہو گیا۔

''عمران صاحب۔ ایٹم بم کے بارے میں ڈاکٹر بلیک کچھ نہیں بتا سکا۔ صورت حال کافی تشویش ناک ہو گئی ہے''...... بلیک زیرو نے پریشان لہجے میں کہا۔

''ہاں۔ لیکن تم دعا کرو''...... عمران نے سنجیدہ لہجے میں کہا اس کے ساتھ ہی اس نے ایکسٹو کا مخصوص لباس اتارا اور ٹیلی فون کی طرف بڑھا۔ اس نے رسیور اٹھایا اور تیزی سے نمبرز پریس کرنے

لگا۔

''یس''...... رابطہ ملنے پر دوسری طرف سے مختصراً کہا گیا۔

''ایکسٹو''......عمران نے ایکسٹو کے مخصوص لہجے میں کہا۔

''یس سر۔ حکم سر''...... فوراً ہی دوسری طرف سے بوکھلائے ہوئے لہجے میں کہا گیا۔

''سرداور سے بات کراؤ''......عمران نے سرد لہجے میں کہا۔

''اوکے سر''...... دوسری طرف سے کہا گیا اور پھر ایک ہلکی سی کلک کی آواز سنائی دی۔

''یس۔ داور اسپیکنگ''...... دوسری طرف سے سر داور کی آواز سنائی دی۔

''ایکسٹو''......عمران نے کہا۔

''یس سر''...... اس بار سرداور کی مؤدبانہ آواز سنائی دی۔

''سرداور آپ نے ڈاکٹر بلیک اور میرے درمیان ہونے والی باتیں اور پھر گریٹ پارک میں ہونے والی کارروائی ٹی وی چینلز پر دیکھی ہو گی''......عمران نے پوچھا۔

''جی سر''......سر داور نے مختصراً جواب دیا۔

''سرداور۔ ہم نے ایٹم بم تلاش کرنا ہے۔ آپ تمام ضروری آلات اور متعلقہ ماہرین کو لے کر راک سٹار سینما پہنچ جائیں۔ علی عمران بھی وہاں پہنچ رہا ہے۔ آپ نے علی عمران کی رہنمائی میں ایٹم بم ٹریس کرنا ہے''......عمران نے ایکسٹو کی آواز میں کہا۔

''اوکے سر۔ آپ کے حکم کی تعمیل ہو گی''...... دوسری طرف سے سرداور نے کہا تو عمران نے رسیور رکھ دیا۔

''عمران صاحب۔ ایٹم بم کی تلاش اور ایک سینما گھر میں''۔ بلیک زیرو نے حیران ہو کر کہا۔

''ہاں۔ یہ تصویر دیکھو''......عمران نے کہا اور پھر اس نے ڈاکٹر بلیک کی جیب سے برآمد ہونے والی تصویر بلیک زیرو کی طرف بڑھائی۔

''اوہ۔ یہ تصویر تو ایک پاکیشیائی اداکارہ کی ہے۔ کیا یہ کسی پاکیشیائی فلم کا منظر ہے''......تصویر کو دیکھ کر بلیک زیرو نے چونکتے ہوئے کہا۔

''ہاں۔ راک سٹار سینما میں فلم لگی ہوئی ہے لو اِن جنگل۔ یہ اسی فلم کا ایک منظر ہے''......عمران نے کہا۔

''لیکن آپ نے یہ تصویر کیوں اٹھائی ہوئی ہے''...... بلیک زیرو نے حیرت بھرے لہجے میں کہا۔

''یہ تصویر ڈاکٹر بلیک کی جیب سے برآمد ہوئی ہے''......عمران نے کہا تو بلیک زیرو کی حیرت میں اضافہ ہو گیا۔

''ڈاکٹر بلیک کی جیب سے، لیکن اس نے یہ تصویر کیوں رکھی ہوئی تھی۔ اوہ۔ اوہ۔ کیا اس تصویر کا کوئی تعلق ایٹم بم سے ہے''۔ بلیک زیرو بات کرتے کرتے یکدم ہی چونکا۔

''تم خود سوچو کہ ڈاکٹر بلیک ہمیں ایٹم بم کے بارے میں بتانے

آیا تھا اور اس کی جیب میں صرف یہی تصویر تھی۔ ڈاکٹر بلیک کو فلمیں دیکھنے کا قطعاً کوئی شوق نہیں تھا کہ تصویر دیکھ کر یہ سمجھ لیا جائے کہ وہ اس پاکیشیائی فلم سٹار کا عاشق تھا اور اسی وجہ سے اس نے اپنی جیب میں یہ تصویر رکھی ہوئی تھی''...... عمران نے کہا۔

''عمران صاحب۔ آپ بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ واقعی اس تصویر کا تعلق ایٹم بم سے ہی ہو سکتا ہے''...... بلیک زیرو نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔

''اوکے۔ میں راک سٹار سینما میں جا رہا ہوں''...... عمران نے کہا اور پھر وہ کرسی سے کھڑا ہو گیا۔ اسے اٹھتے دیکھ کر بلیک زیرو بھی کرسی سے کھڑا ہو گیا۔ چند لمحوں بعد عمران اپنی فیورٹ سپورٹس کار میں بیٹھا تھا اور کار راک سٹار سینما کی طرف بڑھ رہی تھی۔ پھر تھوڑی ہی دیر بعد وہ راک سٹار سینما میں پہنچ گیا۔ کمشنر اور اس کے ساتھ چند دیگر افسران وہاں موجود تھے۔ البتہ ابھی سرداور اور ان کے ساتھی نہیں آئے تھے۔ جیسے ہی عمران کی کار سینما کے انٹر گیٹ کے سامنے رکی کمشنر کار کی طرف بڑھا۔ وہ عمران کو جانتا تھا اور اسے یہ بھی معلوم تھا کہ عمران سرخ سپورٹس کار استعمال کرتا ہے۔ جیسے ہی عمران کار سے نیچے اترا کمشنر نے اسے سلام کیا۔ عمران نے سنجیدہ لہجے میں کمشنر کے سلام کا جواب دیا۔ پھر عمران کی نظر پکچر پبلسٹی بورڈ پر گئی۔ بورڈ پر لکھا ہوا تھا آج شب کو اور بورڈ میں بہت سی تصاویر لگی ہوئی تھیں۔ ان میں سے اسی منظر کی ایک تصویر بھی تھی

جس منظر کی تصویر ڈاکٹر بلیک کی جیب سے برآمد ہوئی تھی۔ عمران ابھی اس بورڈ کو دیکھ ہی رہا تھا کہ وہاں ایک وین آ کر رکی۔ وین سے سرداور اور ان کے ساتھی نیچے اترے۔ ان کے پاس بم تلاش کرنے والے آلات بھی تھے۔ رسمی لیکن مختصر سی سلام دعا کے بعد سرداور اور ان کے ساتھیوں نے اپنی کارروائی شروع کر دی۔ عمران بھی ان کے ساتھ ساتھ تھا۔ سینما کی مکمل تلاشی کے بعد ان کے چہروں پر مایوسی سی آ گئی کیونکہ سینما گھر میں ایٹم بم کیا، کوئی کریکر بھی موجود نہیں تھا۔

''عمران بیٹے۔ اب کیا ہو گا۔ تیس گھنٹوں میں سے چار گھنٹے گزر بھی چکے ہیں''...... سرداور نے پریشان لہجے میں کہا۔

''آپ پریشان نہ ہوں۔ اللہ پر بھروسہ رکھیں۔ یہ میٹر اور مشین مجھے دے دیں''...... عمران نے سرداور کو تسلی دیتے ہوئے کہا۔ اس کے بعد وہ واپس اپنی کار میں بیٹھا اور اس کی کار دانش منزل کی طرف بڑھی۔

وہ آپریشن روم میں داخل ہوا تو کافی تھکا ہوا دکھائی دے رہا تھا۔ وہ کرسی پر گر گیا اور اس نے اپنی آنکھیں بند کر لیں۔ بلیک زیرو فوراً ہی کچن میں گیا اور چائے بنا لایا۔ عمران ابھی تک آنکھیں بند کئے بیٹھا تھا۔ بلیک زیرو کی زندگی میں یہ پہلا موقع تھا جب وہ عمران کو اس قدر پریشان دیکھ رہا تھا۔ عمران مضبوط اعصاب کا مالک تھا۔ وہ بڑے بڑے بحرانوں سے ہنستے مسکراتے گزر جاتا تھا۔

عمران موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال دیا کرتا تھا۔ کبھی کوئی مسئلہ، کوئی آفت، کوئی پریشانی عمران کے ماتھے پر بل تک نہیں لاسکی تھی لیکن اب معاملہ تھا کروڑوں انسانوں کی جانوں کا۔ ڈاکٹر بلیک نے کروڑوں معصوم، بے گناہ انسانوں کی موت کا پکا اہتمام کر دیا تھا۔ اگر اسے خود موت کا سامنا درپیش ہوتا تو وہ کبھی بھی پریشان نہ ہوتا لیکن اب کروڑوں انسانوں کی جانیں خطرے میں تھیں اور ایٹم بم کے بارے میں کوئی بھی نہیں جانتا تھا کہ وہ کہاں ہے اور وقت تھا کہ تیزی سے گزر رہا تھا۔

''عمران صاحب۔ آپ تو کبھی کسی معاملے پر پریشان نہیں ہوئے۔ اب کیوں پریشان ہیں''...... بلیک زیرو نے کہا۔

''طاہر۔ میرے آنکھوں کے سامنے چھوٹے چھوٹے بچے آ رہے ہیں۔ وہ بچے جو پاکیشیا کا مستقبل ہیں اور یہ معصوم بچے اس وقت شدید خطرے میں ہیں''...... عمران نے کہا۔

''عمران صاحب۔ اگر ان کی موت کا وقت آ گیا ہے تو کیا آپ انہیں بچا سکتے ہیں۔ نہیں عمران صاحب۔ آپ لاکھ کوشش کر کے دیکھ لیں آپ کسی کے لئے کچھ بھی نہیں کر سکیں گے اور اگر ان لوگوں کی موت نہیں آئی تو پھر ڈاکٹر بلیک ایک کیا ایک سو دس ایٹم بم بھی نصب کر دے تو کسی کو نہیں مار سکے گا''...... بلیک زیرو نے کہا۔

''تم ٹھیک کہہ رہے ہو طاہر۔ لیکن جب انسان بیمار ہو جاتا ہے

تو اس کا علاج کرانا فرض ہو جاتا ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے زندگی بچانے کا حکم بھی دیا ہے بلکہ زندگی بچانے کو فرض قرار دیا ہے۔ اس لئے ہم نے تو آخری دم تک کوشش کرنی ہے''...... عمران نے سنجیدہ لہجے میں کہا۔ پھر اس سے پہلے کہ بلیک زیرو کچھ کہتا ٹیلی فون کی گھنٹی بجنے لگی۔

''ایکسٹو''...... عمران نے رسیور کان سے لگاتے ہوئے ایکسٹو کے مخصوص لہجے میں کہا۔

''طاہر بیٹے۔ اگر عمران دانش منزل میں موجود ہے تو میری اس سے بات کراؤ''...... دوسری طرف سے سرسلطان کی آواز سنائی دی۔

''میں عمران ہی بول رہا ہوں''......عمران نے سنجیدہ لہجے میں کہا۔ عمران نے آج سے پہلے کبھی بھی اتنے سنجیدہ لہجے میں سرسلطان سے بات نہیں کی تھی۔

''عمران بیٹے۔ صدرِ مملکت پوچھ رہے ہیں کہ ایٹم بم کے بارے میں کچھ معلوم ہوا''...... سرسلطان نے پوچھا۔

''نہیں۔ ابھی تک معلوم نہیں ہوا لیکن آپ صدرِ مملکت سے کہیں کہ وہ حوصلہ رکھیں۔ ہم بم کو ٹریس کر لیں گے''...... عمران نے بدستور سنجیدہ لہجے میں کہا۔

''عمران بیٹے۔ مختلف ممالک کے سربراہان مملکت کے فون آ رہے ہیں۔ وہ صدرِ مملکت کو مبارک باد دینے کے ساتھ ساتھ ایکسٹو

کی کارکردگی کی تعریف بھی کر رہے ہیں اور کئی حکومتوں نے ایٹم بم کی تلاشی میں مدد دینے کی پیش کش کی ہے''...... دوسری طرف سے سرسلطان نے کہا۔

''تعریف کی ہمیں ضرورت نہیں ہے۔ البتہ اگر کوئی ایٹم بم کی تلاشی میں ہماری مدد کرنا چاہتا ہے تو ہم شکریئے کے ساتھ اس آفر کو قبول کرتے ہیں''...... عمران نے کہا۔

''صدرِمملکت ایکسٹو کی رائے جاننا چاہتے ہیں۔ اب میں ان سے کہہ دیتا ہوں کہ اگر کوئی ملک اپنے ماہرین پاکیشیا بھیجنا چاہتا ہے تو وہ بھیج دے''...... سرسلطان نے کہا۔

''اوکے''...... عمران نے کہا تو دوسری طرف سے سرسلطان نے اللہ حافظ کہہ کر رسیور رکھ دیا۔ عمران نے بھی رسیور کریڈل پر رکھا اور اس کے بعد اس نے ڈاکٹر بلیک کی جیب سے برآمد ہونے والی تصویر اپنی جیب سے نکال کر سامنے ٹیبل پر رکھی اور تصویر دیکھنے لگا۔ وہ کافی دیر تک تصویر دیکھتا رہا پھر اچانک کھڑا ہو گیا۔

''عمران صاحب۔ اس وقت کہاں کا ارادہ ہے''...... بلیک زیرو نے عمران کو اٹھتے ہوئے دیکھا تو بولا۔

''گرین سٹوڈیو اور سٹوڈیو میں رات ہی کو کام ہوتا ہے۔ گرین سٹوڈیو ابھی کھلا ہی ہو گا۔ تم دانش منزل کا آٹو سسٹم آن کرو اور میرے ساتھ چلو''...... عمران نے کہا اور اس کے ساتھ ہی وہ آپریشن روم سے باہر آ گیا۔ بلیک زیرو نے دانش منزل کا آٹو سسٹم آن کیا

اور پھر وہ عمران کے پیچھے دوڑا۔ رات نصف سے زیادہ بیت چکی تھی کئی دنوں کی پریشانی کے بعد آج لوگوں کو سکون نصیب ہوا تھا۔ ڈاکٹر بلیک اپنے عبرتناک انجام سے دو چار ہو چکا تھا اور ایکسٹو نے کہہ دیا تھا کہ وہ ایٹم بم کو تلاش کر لے گا اور ایکسٹو پر ان سب کو یقین تھا۔ اس لئے لوگ اب گھروں میں چلے گئے تھے اور اطمینان سے سو رہے تھے۔ سڑکوں پر اس وقت ٹریفک بالکل ہی نہیں تھی۔ اس لئے عمران کی کار انتہائی تیز رفتاری سے سٹوڈیو کی طرف بڑھ رہی تھی۔ ڈرائیونگ سیٹ پر عمران اور ساتھ والی سیٹ پر بلیک زیرو بیٹھا تھا۔ بلیک زیرو نے راستے میں ہی ماسک میک اپ کر لیا تھا۔ تقریباً بیس منٹ کی ڈرائیونگ کے بعد وہ گرین سٹوڈیو پہنچ گئے۔ سٹوڈیو کا مین گیٹ اس وقت بند تھا اور گیٹ کے قریب ایک سیکورٹی گارڈ کرسی پر بیٹھا ہوا تھا۔

''جی صاحب''...... عمران نے کار گیٹ کے قریب روکی تو سیکورٹی گارڈ نے قریب آ کر کہا۔

''گیٹ کھولو''...... عمران نے تحکمانہ لہجے میں اس سے کہا۔

''صاحب۔ آپ کون ہیں اور کس سے ملنے کے لئے آئے ہیں''...... سیکورٹی گارڈ نے پوچھا۔ جیسے سے ہی اس کی بات مکمل ہوئی ۔ رات کے سناٹے میں تھپڑ کی ایک تیز آواز گونجی اور سیکورٹی گارڈ لڑکھڑا کر دو قدم پیچھے ہٹ گیا۔ اسے یہ تھپڑ عمران نے مارا تھا۔

"کافی ہے یا اور تعارف بھی کراؤں"...... عمران نے کرخت لہجے میں کہا۔

"اوکے۔ اوکے صاحب۔ میں گیٹ کھولتا ہوں"...... سیکورٹی گارڈ نے عمران کے لہجے سے خوفزدہ ہوتے ہوئے کہا اور پھر اس نے گیٹ کھول دیا۔

"کمال جھلا کا آفس کدھر ہے"...... عمران نے بدستور کرخت لہجے میں سیکورٹی گارڈ سے کہا تو اس نے فلم ڈائریکٹر کمال جھلا کے آفس کے بارے میں بتا دیا۔ عمران نے کار آگے بڑھائی اور پھر وہ کمال جھلا کے آفس پہنچ گئے۔ عمران نے کار روکی اور پھر وہ دونوں کار سے نیچے اتر آئے اور آفس کی طرف بڑھے۔ استقبالیہ کمرے میں ایک میز، کرسی اور چند صوفے رکھے ہوئے تھے۔ کرسی پر ایک بدمعاش ٹائپ آدمی بیٹھا ہوا تھا جبکہ ایک سیکورٹی گارڈ بھی وہاں کھڑا تھا۔ دو افراد صوفوں پر بیٹھے ہوئے تھے۔

"ہدایت کار کمال جھلا کہاں ہے"...... عمران نے کرسی پر بیٹھے ہوئے آدمی سے تیز لہجے میں پوچھا۔ عمران کے تیز لہجے پر اس آدمی نے اور سیکورٹی گارڈ نے عمران کو گھور کر دیکھا۔

"ہدایت کار صاحب سے تمہاری ملاقات طے ہے"...... کرسی پر بیٹھے ہوئے آدمی نے منہ بنا کر کہا۔ اس کا منہ بنتا ہی اس کے منہ کو بگاڑ گیا۔ عمران کا بازو پوری قوت سے گھوما اور وہ آدمی کرسی سے اڑ کر دور جا گرا۔ صوفوں پر بیٹھے ہوئے آدمی گھبرا کر کھڑے ہو گئے

جبکہ سیکورٹی گارڈ اپنی گن سنبھالنے لگا لیکن ابھی وہ گن سنبھال ہی رہا تھا کہ بلیک زیرو نے اس سے گن چھین لی اور اس کی کنپٹی پر مکا رسید کر دیا۔ سیکورٹی گارڈ کے لئے یہ ایک مکا ہی کافی رہا۔ وہ بے ہوش ہو کر گر گیا۔

"تم لوگ جاؤ اس وقت"...... بلیک زیرو نے بھی سخت لہجے میں باقی آدمیوں سے کہا۔ وہ سب دروازے کی طرف دوڑے۔

"بولو۔ کہاں ہے کمال جھلا۔ جلدی بولو"...... عمران نے اس آدمی کو گردن سے پکڑتے ہوئے کہا۔ اس کے لہجے میں ایسی درندگی تھی کہ وہ آدمی سہم گیا۔

"وہ۔ وہ اندر ایک اداکارہ کا آڈیشن لے رہے ہیں"...... اس آدمی نے خوفزدہ لہجے میں کہا۔

"جاؤ طاہر۔ اسے یہاں گھسیٹ لاؤ"...... عمران نے بلیک زیرو سے کرخت لہجے میں کہا۔

"اوکے"...... بلیک زیرو نے جلدی سے کہا اور پھر وہ اندرونی کمرے کی طرف بڑھ گیا۔

"تم کون ہو"...... عمران نے اس آدمی سے پوچھا۔

"سس۔ سر۔ مم۔ میں آفس انچارج ہوں"...... اس آدمی نے خوفزدہ لہجے میں کہا۔ پھر اسی وقت اندرونی کمرے کا دروازہ کھلا اور بلیک زیرو ایک آدمی کو گردن سے پکڑ کر باہر لے آیا۔ اس آدمی نے صرف ٹراؤزر پہنا ہوا تھا اور عمران کے اندازے کے مطابق یہ

ٹراؤزر بھی اسے بلیک زیرو نے پہننے دیا ہو گا۔ یہ معروف ہدایت کار کمال جھلا تھا۔

''کون ہو تم لوگ''...... ہدایت کار کمال جھلا نے تیز لہجے میں کہا۔

''ہمارا تعلق سپیشل پولیس سے ہے''...... عمران نے سخت لہجے میں اس سے کہا۔

''ہوتا رہے۔ مجھے اس سے کیا۔ میں فلم ڈائریکٹر ایسوسی ایشن کا چیئرمین ہوں۔ میں تمہارے خلاف ایسوسی ایشن کا اجلاس بلاؤں گا''...... کمال جھلا نے دھمکی دیتے ہوئے کہا تو عمران نے اس کے منہ پر تھپڑ رسید کر دیا۔ تھپڑ کھا کر اس کی چیخ بلند ہوئی۔

''ایڈیٹ۔ اس وقت ملک تباہی کے دہانے پر کھڑا ہے۔ جو تباہی ایکریمیا اور باچان میں آئی ہے وہ پاکیشیا میں بھی آنے والی ہے اور تمہیں اس کی پرواہ ہی نہیں۔ تم ان حالات میں بھی اپنی عیاشیوں میں پڑے ہوئے ہو''...... عمران نے کرخت لہجے میں کہا۔

''مجھے معلوم ہے کہ موت ہم سے چند گھنٹے کی دوری پر ہے۔ اسی لئے تو میں نے چند گھنٹوں کی زندگی کو خوب انجوائے کرنے کا فیصلہ کیا ہے''...... کمال جھلا نے کہا تو عمران نے اسے ایک اور تھپڑ رسید کر دیا۔

''ایڈیٹ''...... عمران نے غصیلے لہجے میں کہا اور مزید ایک تھپڑ رسید کر دیا۔

''ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ ان چند گھنٹوں کی مہلت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے تم اپنی اور اپنے وطن کی سلامتی کی دعائیں کرتے۔ توبہ کرتے''...... عمران نے افسوس زدہ لہجے میں کہا۔

''ٹھیک ہے۔ میں اب ایسا ہی کروں گا لیکن تم یہ بتاؤ کہ تم میرے پاس کیوں آئے ہو اور تم نے مجھ پر اس قدر تشدد کیوں کیا ہے''...... کمال جھلا نے منہ بناتے ہوئے کہا۔

''یہ آدمی ٹیڑھی کھیر ہے اسے ہیڈکوارٹر لے جانا پڑے گا''۔ بلیک زیرو نے کرخت لہجے میں کہا۔

''لل۔ لیکن۔ مم۔ میرا قصور کیا ہے''...... ہیڈکوارٹر کا سن کر کمال جھلا کی اکڑ ختم ہو گئی۔

''اس لئے کہ تم ہمارے ساتھ تعاون نہیں کر رہے''...... بلیک زیرو نے بدستور کرخت لہجے میں کہا۔

''میں آپ کے لئے کولڈ ڈرنکس منگواتا ہوں''...... کمال جھلا نے جلدی سے کہا تو عمران نے اسے گھورا۔

''یہ تمہاری فلم'' لو ان جنگل'' کا سین ہے نا''...... عمران نے اسے تصویریں دکھاتے ہوئے کہا۔

''جی ہاں۔ یہ ہیروئن میری نئی دریافت ہے۔ بالکل ینگ لڑکی ہے صرف سترہ سال عمر ہے۔ میری ایک کال پر یہ دوڑی آئے گی۔ آپ اس کا انٹرویو کرنا چاہتے ہیں تو کر لیں۔ یہیں میرے آفس میں یا جہاں آپ چاہیں''...... کمال جھلا نے کہا تو اس کی ایک چیخ

اور بلند ہوئی۔ یہ تھپڑ سابقہ تھپڑوں سے زیادہ سخت تھا۔ تھپڑ کھا کر وہ لڑکھڑایا اور فرش پر گر گیا۔ جیسے ہی وہ فرش پر گرا عمران نے اس کی گردن پر پاؤں رکھا اور گردن پر پاؤں کا دباؤ ڈالا۔ اس کے حلق سے خرخر کی آوازیں نکلنے لگیں۔

''تمہیں میں چھوڑ رہا ہوں لیکن اب اگر تم نے بکواس کی تو تمہاری یہ گردن ٹوٹ جائے گی۔ ایڈیٹ۔ تمہیں احساس ہی نہیں ہو رہا کہ ہم پر اس وقت کتنی بڑی آفت آئی ہوئی ہے''...... عمران نے غراتے ہوئے کہا۔ پھر اس نے کمال جھلا کی گردن سے پاؤں ہٹا لیا۔ عمران کے ایکشن اور غراہٹ پر کمال جھلا اب سہم چکا تھا۔ وہ فرش پر لیٹے لیٹے عمران کو خوفزدہ نظروں سے دیکھنے لگا۔

''کھڑے ہو جاؤ''...... عمران نے کرخت لہجے میں کہا تو وہ فوراً ہی کھڑا ہو گیا۔

''اب بکو کہ یہ سین کہاں فلمایا گیا ہے''...... عمران نے سرد لہجے میں کہا۔

''ناگان جنگل کے شروع میں ایک چشمہ ہے۔ اس فلم میں جتنے بھی جنگل سین ہیں وہ اسی لوکیشن کے ہیں''...... کمال جھلا نے اس مرتبہ صحیح طریقے سے جواب دیتے ہوئے کہا۔

''اوکے۔ تمہیں ہمارے ساتھ چلنا ہو گا''...... عمران نے تحکمانہ لہجے میں اس سے کہا۔

''بہتر سر۔ لیکن مجھے کپڑے پہننے کی اجازت تو دی جائے''۔

کمال جھلا نے مؤدبانہ لہجے میں کہا۔

''صرف ایک منٹ ہے تمہارے پاس''...... عمران نے کہا تو وہ تیزی سے اندرونی دروازے کی طرف دوڑا پھر ایک منٹ بعد ہی وہ واپس آ گیا۔ اب وہ مکمل لباس میں تھا۔

''آؤ۔ ہمارے ساتھ''...... عمران نے اس سے کہا اور پھر وہ مڑا۔ تینوں ہی تیز تیز قدم اٹھاتے ہوئے کار تک آئے اور پھر کار مین روڈ پر آ گئی۔ اب صبح ہو رہی تھی لیکن سڑکیں سنسان تھیں۔ رات گئے تک تو لوگ جاگتے رہے تھے اور پھر ایکسٹو کے وعدے پر کہ ایٹم بم تلاش کر کے ناکارہ کر دیا جائے گا لوگ مطمئن ہو کر سو گئے تھے۔ ایمرجنسی حالت کی وجہ سے حکومت نے پہلے ہی تاحکم ثانی تعطیلات کا اعلان کیا ہوا تھا۔ لہٰذا لوگوں کو دفتر جانے اور بچوں کو سکول جانے کی فکر بھی نہیں تھی۔ حالات کی وجہ سے پرائیویٹ سیکٹر نے بھی چھٹیاں کی ہوئی تھیں۔ عمران کی کار جلد ہی گریٹ پارک میں پہنچ گئی۔ ڈاکٹر بلیک کے تینوں ہیلی کاپٹر ابھی گریٹ پارک میں کھڑے تھے اور کار کو گریٹ پارک میں مڑتے دیکھ کر بلیک زیرو سمجھ گیا تھا کہ ناگان جنگل تک جانے کے لئے عمران ڈاکٹر بلیک کا ہیلی کاپٹر استعمال کرنا چاہتا ہے۔ پھر اس کے خیال کی تصدیق بھی ہو گئی جب عمران نے کار ہیلی کاپٹرز کے قریب روکی۔ ہیلی کاپٹرز کی سیکورٹی کے لئے چند سپاہی اور ایک پولیس انسپکٹر وہاں موجود تھے اور انسپکٹر عمران کو جانتا تھا اس لئے جیسے ہی عمران، بلیک

زیرو اور کمال جھلا ان کے قریب پہنچے تو انسپکٹر نے عمران کو سیلوٹ کیا۔ اس کے ماتحتوں نے بھی اس کی پیروی کی۔ عمران نے انسپکٹر سے حال احوال پوچھا اور پھر وہ تینوں ایک ہیلی کاپٹر میں سوار ہو گئے۔ پائلٹ سیٹ عمران نے ہی سنبھالی اور پھر ہیلی کاپٹر بلند ہوتا چلا گیا۔ کچھ ہی دیر میں وہ ناگان جنگل کے قریب پہنچ گئے۔

''بس سر۔ ہیلی کاپٹر یہیں اتار لیں''...... کمال جھلا نے نیچے دیکھتے ہوئے کہا تو عمران نے ہیلی کاپٹر زمین پر اتار لیا۔ وہاں قریب ہی ایک ریلوے لائن گزر رہی تھی۔ اس سے کچھ فاصلے پر جنگل شروع ہو رہا تھا اور جنگل کے آغاز پر ایک چشمہ تھا۔ فلم کی شوٹنگ کے لئے یہ لوکیشن بہت اچھی تھی۔ عمران اور بلیک زیرو نے ڈیڑھ دو منٹ تک اردگرد کا جائزہ لیا۔ پھر عمران نے بم ٹیسٹ میٹر و مشین آن کی اور میٹر زمین سے لگایا۔ میٹر پر سبز بلب سپارک کرنے لگا۔ جس کا مطلب تھا کہ پچیس مربع فٹ تک زمین کے اندر کوئی بم نہیں ہے۔ اس کے بعد عمران کم از کم سنتالیس فٹ آگے بڑھا اور اس نے ایک بار پھر میٹر زمین پر رکھ دیا۔ آدھ گھنٹے کے اندر اندر انہوں نے جنگل کا سارا حصہ چیک کر لیا لیکن میٹر نے کہیں بھی بم کی نشاندہی نہ کی۔ وہ واپس چشمے کے قریب آ گئے۔ اس کے بعد عمران چیکنگ کرتا ہوا ریلوے ٹریک کی طرف بڑھنے لگا۔ ریلوے لائن کے قریب پہنچ کر عمران نے ایک جگہ میٹر زمین پر رکھا تو سبز بلب کی بجائے میٹر پر سرخ بلب سپارک کرنے لگا۔

''طاہر۔ ایٹم بم مل گیا''...... عمران نے خوشی سے چلاتے ہوئے کہا۔ عمران اس وقت جتنا خوش دکھائی دے رہا تھا بلیک زیرو نے اس سے قبل عمران کو اتنا خوش نہیں دیکھا تھا۔ عمران نے میٹر کی ناب گھمائی اور زمین پر بیٹھ کر آگے بڑھا۔ وہ چار قدم چلا تھا کہ سپارکنگ تیز ہوگئی عمران رک گیا۔ سپارکنگ تیز ہونے کا مطلب یہ تھا کہ وہ بم کی جگہ پر پہنچ گئے ہیں۔ عمران نے پھر ادھر ادھر دیکھا۔ ریلوے لائن اب چار پانچ قدم کے فاصلے پر تھی۔

''طاہر۔تم نے کھدائی مشین کار سے نکال کر ہیلی کاپٹر میں رکھ دی تھی نا''...... عمران نے پوچھا۔

''جی ہاں۔ میں لاتا ہوں''...... بلیک زیرو نے مؤدبانہ لہجے میں کہا اور پھر وہ ہیلی کاپٹر کی طرف بڑھا۔ چند لمحوں بعد وہ واپس آیا تو اس کے ہاتھ میں کھدائی کی جدید مشین تھی۔ گو کہ یہ مشین چھوٹی تھی لیکن کارکردگی میں بے مثال تھی۔

''دکھاؤ مجھے۔ میں زمین کھودتا ہوں''...... عمران نے بلیک زیرو سے کہا تو بلیک زیرو نے مشین اس کی طرف بڑھا دی۔ عمران نے مشین لی اور زمین کی کھدائی کرنے لگا۔ یہ مشین گھنٹوں کا کام منٹوں میں کر رہی تھی۔ تھوڑی ہی دیر میں وہاں کافی چوڑا اور گہرا گڑھا ہو گیا۔ پھر اچانک عمران کا ہاتھ رک گیا۔ اس کی آنکھوں میں دکھ اور مایوسی کے تاثرات پیدا ہوتے چلے گئے۔ وہ وہیں گڑھے میں بیٹھتا چلا گیا۔

''طاہر۔اب پاکیشیا کا اللہ حافظ ہے''...... عمران کی دکھ میں ڈوبی ہوئی آواز سنائی دی۔ بلیک زیرو نے فوراً ہی گڑھے میں جھانکا۔ گڑھے میں جھانک کر اس کی آنکھوں میں نمی سی آ گئی۔ کمال جھلا کو بھی اب صورت حال کا صحیح اندازہ ہو چکا تھا۔ اس نے بلیک زیرو کی آنکھوں میں نمی دیکھی تو اس نے بلیک زیرو کے کاندھے پر ہاتھ رکھا جیسے اس کا حوصلہ بڑھا رہا ہو۔ وہ ایکسٹو کے بارے میں شاید جانتا ہی نہیں تھا۔ اگر پاکیشیا سیکرٹ سروس کے ممبران یا وہ آدمی جو ایکسٹو کے بارے میں جانتا تھا اس لمحے بلیک زیرو کو دیکھ لیتا تو یقیناً وہ حیرت سے مر جاتا۔ پاکیشیا سیکرٹ سروس کے ممبران کبھی تصور بھی نہیں کر سکتے تھے کہ ایکسٹو کی آنکھوں میں بھی نمی آ سکتی تھی۔ وہ تو یہی سمجھتے تھے کہ ایکسٹو کے سینے میں دل نہیں پتھر ہے لیکن اس وقت ایکسٹو موم کی مانند دکھائی دے رہا تھا۔

گڑھے میں ایک ٹائم بم نظر آ رہا تھا اور شاید یہ ٹائم بم کسی ٹرین کو اڑانے کے لئے کسی تخریب کار نے یہاں لگایا تھا۔ بلیک زیرو نے ٹائم بم اٹھا کر دیکھا اور پھر اس نے ٹائم بم ناکارہ کر دیا۔ ایٹم بم کا کچھ پتا نہیں تھا اور نہ ہی اب اس کے ٹریس ہونے کی کوئی امید تھی۔

سورج کافی بلندی پر آ چکا تھا اور پاکیشیا کے لوگ سہمے سے دکھائی دے رہے تھے۔ پورے ملک پر ایک دہشت طاری تھی کیونکہ ڈاکٹر بلیک کی ایٹم بم سے منسلک گھڑی ٹی وی چینل پر نظر آ رہی تھی۔ جس کا واضح مطلب یہی تھا کہ حکومت پاکیشیا ابھی تک ایٹم بم کو تلاش نہیں کر سکی۔ حکومت کی جانب سے بھی مکمل خاموشی ہو گئی تھی۔ ڈاکٹر بلیک کے ہلاک ہوتے ہی دنیا بھر کے سربراہان کی طرف سے مبارک باد کے پیغام آنے لگے تھے۔ ان پیغامات کے ساتھ اکثر ممالک نے اپنے ماہرین بھیجنے کی پیش کش بھی کی تھی اور ایکسٹو کی رضامندی کے بعد صدر مملکت نے یہ پیش کش قبول کر لی تھی۔

یوں چند گھنٹوں کے اندر اندر ماہرین کی درجنوں ٹیمیں پاکیشیا پہنچ گئی تھیں اور انہوں ایٹم بم کی تلاشی کا کام بھی شروع کر دیا تھا لیکن دوسرے ممالک کے چینلز نے حکومت پاکیشیا کی ناکامی کے

تبصرے شروع کر دیئے تھے۔ ان کے مطابق پاکیشیائی عوام نے منزل پر پہنچ کر دم توڑا تھا۔ کافرستان کے میڈیا نے اس موقع پر بھی اپنی روایت برقرار رکھی تھی اور وہ ایسے پروگرام پیش کر رہے تھے جس سے پاکیشیا میں خوف و دہشت بڑھ رہی تھی۔ ان کے ایک چینل نے تو خبر نشر کر دی تھی کہ ایٹم بم کی تلاش میں ناکامی پر صدرِ مملکت آف پاکیشیا کو دل کا دورہ پڑ گیا ہے اور صدارتی محل میں ڈاکٹروں کی فوج ان کا علاج کر رہی ہے۔ ایک اسرائیلی چینل نے خبر دی کہ پاکیشیا سیکرٹ سروس کے چیف ایکسٹو اور صدر آف پاکیشیا کے درمیان تلخ کلامی ہو گئی ہے کیونکہ پاکیشیا سیکرٹ سروس ایٹم بم کو تلاش کرنے میں بری طرح ناکام ہو گئی ہے۔

اس قسم کی خبروں اور تبصروں نے پاکیشیا میں طوفان کھڑا کر دیا تھا۔ لوگ دارالحکومت سے ہجرت کرنے لگے۔ وہ لوگ جو سوتے وقت پرامید تھے اب وہ بدحواس ہو چکے تھے۔ وہ سمجھ رہے تھے کہ پاکیشیا سیکرٹ سروس یا حکومت کا کوئی قصور نہیں ہے۔ پاکیشیا سیکرٹ سروس نے تو مجرم کو گرفتار کر لیا تھا۔ اب مجرم کچھ بتانے سے قبل مارا گیا تھا تو اس میں پاکیشیا سیکرٹ سروس کا کیا قصور تھا۔ اب پاکیشیا کا دارالحکومت اور اس سے جڑے ہوئے دیگر شہر بہت وسیع تھے۔

درجنوں جنگل، پہاڑ اور میدان تھے۔ ان سب جگہوں پر اتنے محدود وقت میں چیکنگ کر لینا ممکن نہیں تھا۔ لہٰذا انہیں اپنی حکومت

اور پاکیشیا سیکرٹ سروس سے کوئی گلہ نہیں تھا۔ وہ جانیں بچانے کے لئے ہجرت کر رہے تھے لیکن کچھ لوگ ایسے بھی تھے جو ہجرت کے حق میں نہیں تھے۔ ان کا کہنا تھا کہ اگر ان کی موت آ چکی ہے تو پھر چاہے وہ جہاں بھی چلے جائیں بچ نہیں سکیں گے لیکن اگر ان کی موت نہیں آئی تو پھر دارالحکومت میں رہتے ہوئے بھی کوئی انہیں مار نہیں سکتا۔ ان کا خیال تھا کہ وہ کسی دوسرے شہر میں جائیں تو ہو سکتا ہے کہ ڈاکٹر بلیک نے اسی شہر میں ایٹم بم فٹ کیا ہوا ہو۔ دارالحکومت سے دور دراز علاقوں کے لوگ دارالحکومت میں رہنے والے اپنے عزیزوں اور رشتے داروں کو فون کر کے اپنے ہاں بلا رہے تھے۔

اس وقت پاکیشیا قیامت کا منظر پیش کر رہا تھا ہر طرف افراتفری پھیلی ہوئی تھی۔ جو لوگ دارالحکومت سے ہجرت کر رہے تھے ان کی کوشش تھی کہ وہ جلد سے جلد دارالحکومت کو چھوڑ دیں اور کسی محفوظ علاقے میں پہنچ جائیں لیکن پاکیشیا کا کوئی بھی علاقہ اس وقت محفوظ تصور نہیں کیا جا سکتا تھا۔ پاکیشیا میں کئی شہروں میں دیگیں پکا کر خیرات کی جا رہی تھی اور اس کے ساتھ ساتھ دعائیں مانگی جا رہی تھیں۔ کئی لوگ مساجد میں جا کر بیٹھ گئے تھے۔ انہوں نے اپنے اہل خانہ کو ہدایت کر دی تھی کہ حکومت کی طرف سے جیسے ہی اعلان ہو کہ ایٹم بم تلاش کر کے ناکارہ بنا دیا گیا ہے وہ مسجد میں آ کر یہ خوشخبری انہیں سنا دیں۔ ملک بھر میں لاکھوں دیگیں پکا کر خیرات کی

جا رہی تھی اور دعائیں مانگی جا رہی تھیں کہ اللہ تعالیٰ اس مصیبت کی گھڑی کو ٹال دے۔ ملکی اور غیر ملکی میڈیا نے ماحول کو اتنا خوفزدہ بنا دیا تھا کہ وہ لوگ بھی سجدے میں گرے ہوئے تھے جنہوں نے کبھی نماز عید بھی ادا نہیں کی تھی۔ بس اس وقت پاکیشیا میں ایک عجیب سا عالم تھا۔ فضا میں خوف و امید کی آمیزش تھی۔ پھر ٹی وی چینلز نے ماہرین کی ان ٹیموں کو براہ راست دکھانا شروع کر دیا جو ایٹم بم کو ٹریس کر رہی تھیں۔ سینکڑوں مشینیں حرکت میں تھیں۔ سرکاری و غیر سرکاری وسائل اور ذرائع استعمال کئے جا رہے تھے۔ ملٹی نیشنل کمپنیاں اور این جی اوز بھی متحرک ہو چکی تھیں لیکن ابھی تک ایٹم بم ٹریس نہیں ہو سکا تھا۔ عمران اور بلیک زیرو ناگان جنگل سے ناکام واپسی کے بعد دانش منزل پہنچ چکے تھے۔ کمال جھلا کو انہوں نے گریٹ پارک میں ہی چھوڑ دیا تھا۔

''عمران صاحب۔ میں چائے بنا کر لاتا ہوں''...... آپریشن روم میں پہنچ کر بلیک زیرو نے کہا۔ عمران نے اس کی بات کا کوئی جواب نہ دیا۔ بلیک زیرو کچن میں چلا گیا اور چائے بنا لایا۔ چائے کے ساتھ وہ بسکٹ بھی لے آیا تھا۔ اس نے چائے اور بسکٹ عمران کے سامنے رکھ دیئے۔

''عمران صاحب۔ کیا آپ مایوس ہو چکے ہیں''...... بلیک زیرو نے چائے پینے کے دوران پوچھا۔

''مایوسی کو گناہ کہا جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ ہمیں گناہوں سے

بچائے۔ میں ہرگز ہرگز مایوس نہیں ہوں۔ بس سوچ رہا ہوں کہ ڈاکٹر بلیک یہ تصویر اپنے ساتھ کیوں لایا تھا''...... عمران نے کہا۔ پھر اس سے پہلے کہ بلیک زیرو اس کی بات کے جواب میں کچھ کہتا ٹیلی فون کی گھنٹی بجنے لگی۔

''ایکسٹو''...... عمران نے رسیور اٹھا کر کان سے لگایا اور ایکسٹو کے مخصوص لہجے میں بولا۔

''میں سلطان بول رہا ہوں طاہر بیٹے۔ کیا عمران موجود ہے''۔ دوسری طرف سے سرسلطان کی آواز سنائی دی۔

''تو آپ کا کیا خیال ہے کہ میں دارالحکومت سے فرار ہو چکا ہوں۔ بائی دا وے۔ آپ کس شہر سے بول رہے ہیں''۔ عمران نے کہا۔ کافی دیر کے بعد اس کے چہرے پر مسکراہٹ آئی تھی۔

میں بھی دارالحکومت میں ہی ہوں۔ میں نے بھاگ کر کہاں جانا ہے''...... سرسلطان نے کہا۔

''کیا آپ کو موت سے ڈر نہیں لگتا۔ موت اب چند گھنٹوں کی دوری پر ہے''...... عمران نے کہا۔

''میں اپنی زندگی جی چکا ہوں عمران بیٹے۔ اور اگر اب میری موت آ گئی ہے تو میں دنیا کے کسی حصے میں بھی چلا جاؤں موت کے فرشتے نے مجھے نہیں چھوڑنا۔ تم اپنی فکر کرو''...... سرسلطان کی آواز سنائی دی۔

''میں تو فکر میں مبتلا ہوں۔ آ کر دیکھیں کہ میں کتنا دبلا ہو گیا

ہوں''...... عمران نے کہا۔

''میں چشم تصور سے دیکھ رہا ہوں عمران بیٹے کہ تم واقعی فکر میں بہت دبلے ہو گئے ہو لیکن یہ فکر تمہیں اپنی نہیں ہے بلکہ پاکیشیا کے معصوم اور بے گناہ لوگوں کی ہے۔ اب تم بتاؤ کہ ایٹم بم کو تلاش کرنے کے لئے تم نے کیا کیا ہے''...... دوسری طرف سے سرسلطان نے سنجیدہ لہجے میں کہا۔

''ڈاکٹر بلیک کی جیب سے ایک تصویر برآمد ہوئی تھی۔ میں نے اس کے مطابق ایٹم بم ٹریس کرنے کی کوشش کی ہے لیکن مجھے ناکامی ہوئی ہے''...... عمران نے کہا۔

''عمران بیٹے۔ تمہیں معلوم ہے کہ اس وقت دنیا بھر کے اربوں مسلمان دل سے پاکیشیا کی سلامتی کے لئے دعائیں مانگ رہے ہیں۔ اللہ تو اپنے ایک بندے کی دل سے نکلی ہوئی دعا رد نہیں کرتا تو پھر اربوں بندوں کی دعائیں کیسے رد کرے گا۔ مجھے یقین ہے عمران بیٹے کہ تم ناکام نہیں ہو سکتے۔ اللہ تعالیٰ تمہیں ضرور کامیابی سے ہمکنار کرے گا۔ ابھی وقت ہے تم کوشش جاری رکھو''۔ سرسلطان نے کہا۔

''آپ بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ ہماری کوششیں جاری ہیں۔ آپ دعائیں جاری رکھیں''...... عمران نے ایک نئے عزم کے ساتھ کہا۔

''او کے۔ اللہ حافظ''...... دوسری طرف سے سرسلطان نے کہا

اور پھر کال منقطع ہو گئی تو عمران نے بھی رسیور رکھ دیا۔

''عمران صاحب۔ سرسلطان کی باتوں سے تو ایک نیا حوصلہ پیدا ہوا ہے''...... بلیک زیرو نے کہا۔

''ہاں۔ بزرگ ہمیشہ حوصلہ بڑھاتے ہیں''...... عمران نے کہا اور پھر اس نے رسیور اٹھایا اور نمبر پریس کرنے لگا۔

''جولیا سپیکنگ''...... رابطہ ہونے پر دوسری طرف سے جولیا کی آواز سنائی دی۔

''ایکسٹو''...... عمران نے ایکسٹو کے مخصوص لہجے میں کہا۔

''یس چیف۔ حکم''...... دوسری طرف سے جولیا نے مؤدبانہ لہجے میں کہا۔

''تمام ممبران کو ہدایت کر دو کہ وہ تمام دارالحکومت میں پھیل جائیں اور حالات پر نظر رکھیں۔ ممکن ہے کہ انہیں ایٹم بم کے بارے میں کوئی اطلاع مل جائے''...... عمران نے کہا۔

''او کے چیف''...... جولیا نے کہا تو عمران نے رسیور کریڈل پر رکھ دیا۔

''عمران صاحب۔ ڈاکٹر بلیک کے ساتھ جو لوگ آئے ہیں آپ ان سے تو پوچھ گچھ کریں۔ ہو سکتا ہے کہ ان سے کوئی اشارہ مل جائے''...... بلیک زیرو نے کہا۔

''امید تو نہیں ہے لیکن پوچھ گچھ کرنی پڑے گی۔ ہو سکتا ہے کہ کچھ معلوم ہو ہی جائے''...... عمران نے کہا۔

''عمران صاحب۔ کوشش کرنا ہمارا کام ہے اس لئے ہمیں کوشش کرتے رہنا چاہئے''...... بلیک زیرو نے کہا۔

''اوکے۔ میں سنٹرل انٹیلی جنس کے ہیڈکوارٹر جا رہا ہوں''۔ عمران نے کرسی سے اٹھتے ہوئے کہا اور پھر وہ آپریشن روم سے باہر نکلتا چلا گیا۔

اس نے ڈاکٹر بلیک کے تمام گرفتار شدہ ساتھیوں سے پوچھ گچھ کی لیکن ان میں سے کسی کو بھی ایٹم بم کے بارے میں معلوم نہیں تھا۔ عمران وہاں سے اٹھ کر سیکرٹریٹ گیا۔ وہاں سے اس نے باہر سے آنے والے ماہرین کے بارے میں معلومات حاصل کیں اور پھر وہ ماہرین کے ساتھ چیکنگ کرنے لگا۔ وہ کبھی ایک ٹیم کے ساتھ شامل ہو جاتا تو کبھی دوسری کے ساتھ۔ تمام دن یونہی گزر گیا۔ رات ہو گئی۔ اب دارالحکومت پر سناٹا چھا گیا تھا۔ شام سے پہلے تک بہت سے لوگوں کو امید تھی لیکن جیسے ہی سورج نے ڈھلنا شروع کیا۔

لوگوں کی امیدوں کے چراغ بھی گل ہونے لگے۔ میڈیا نے اعلان کر دیا کہ اب پاکیشیا کے بچنے کی کوئی امید نہیں اس لئے لوگ دارالحکومت چھوڑ کر جا رہے تھے۔ رات ہونے پر دوسرے ممالک سے آئے ہوئے ماہرین کی واپسی کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ وہ لوگ مایوس ہو گئے تھے اور اب چونکہ ایٹم بم کے پھٹنے میں بہت کم وقت رہ گیا تھا اس لئے وہ پاکیشیا سے نکل جانا چاہتے تھے تاکہ وہ محفوظ

رہ سکیں۔ انہوں نے دیکھ لیا تھا کہ موت نے اپنے سیاہ پر کھول دیئے تھے اور پاکیشیا پر موت کے ان سیاہ پروں کا سایہ پھیل چکا تھا اور اب پاکیشیا کو تباہی سے کوئی نہیں بچا سکتا تھا۔ عمران تمام دن کے جدوجہد کے بعد دانش منزل کے آپریشن روم میں داخل ہوا تو بلیک زیرو حسب معمول اس کے احترام میں کھڑا ہو گیا۔ عمران بہت تھکا ہوا دکھائی دے رہا تھا۔ عمران کے چہرے کو دیکھتے ہی بلیک زیرو نے اندازہ لگا لیا کہ عمران نے سارا دن کچھ نہیں کھایا پیا۔ عمران اپنی کرسی پر بیٹھا تو بلیک زیرو اس کے لئے چائے بنانے چلا گیا جبکہ اسی لمحے ٹیلی فون کی گھنٹی بجنے لگی۔

''ایکسٹو''...... عمران نے رسیور اٹھا کر کان سے لگایا اور ایکسٹو کے مخصوص لہجے میں کہا۔

''باس۔ جولیا بول رہی ہوں''...... دوسری طرف سے جولیا کی آواز سنائی دی۔

''یس جولیا۔ کس لئے فون کیا ہے''...... عمران نے مخصوص لہجے اور انداز میں کہا۔

''چیف۔ اس وقت تمام ممبرز میرے فلیٹ میں جمع ہیں اور آپ کے حکم کے منتظر ہیں''...... دوسری طرف سے جولیا نے مؤدبانہ لہجے میں کہا۔

''جولیا۔ بحثیت مسلمان ہماری امیدیں اب بھی قائم ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ ابھی تک ایٹم بم ٹریس نہیں ہو سکا اور ہم کسی خوش

فہمی کا شکار بھی نہیں ہیں۔ لہٰذا اگر تم میں سے کوئی یا تم سب دارالحکومت چھوڑنا چاہتے ہو تو تمہیں اجازت ہے۔ جہاں جانا چاہو چلے جاؤ اور اس مقصد کے لئے اگر تم لوگ ہیلی کاپٹر استعمال کرنا چاہو تو دانش منزل کے ہیلی پیڈ پر آ جاؤ۔ تمہیں ہیلی کاپٹر استعمال کرنے کی بھی اجازت ہے''...... عمران نے سپاٹ لہجے میں کہا۔

''نو چیف۔ ایسا نہیں ہو گا۔ ہم سب اس موضوع پر پہلے ہی بات کر چکے ہیں۔ ہمارا مشترکہ فیصلہ یہ ہے کہ ہم مصیبت کی اس گھڑی میں اپنے دارالحکومت کو تنہا نہیں چھوڑیں گے۔ ہمیں دارالحکومت سے محبت ہے۔ دارالحکومت پر جو مصیبت آئے گی وہی مصیبت ہم پر بھی آئے گی''...... جولیا نے جذباتی لہجے میں کہا۔

''جولیا۔ تم یہ کیوں بھول رہی ہو کہ سیکرٹ ایجنٹ کو جذباتی نہیں ہونا چاہئے''...... عمران نے کرخت لہجے میں کہا۔

''ج۔ ج۔ جی۔ چچ۔ چیف''...... جولیا نے بری طرح ہکلاتے ہوئے کہا۔ اس کے تو تصور میں بھی نہیں تھا کہ ایکسٹو ایسے موقع پر بھی یہ بات کہہ سکتا ہے۔

''ہاں۔ سیکرٹ ایجنٹ آخری سانس تک حالات سے مایوس نہیں ہوتا اور اپنا فرض ادا کرتا رہتا ہے اور ملک کی سلامتی کے لئے جدوجہد کرنا ہمارا اولین فرض ہے۔ لہٰذا ہم لوگوں نے یہ فرض آخری سانس تک ادا کرنا ہے''...... عمران نے کہا اور پھر اس نے رسیور کریڈل پر رکھ دیا۔ رسیور کریڈل پر رکھنے کے بعد عمران نے ڈاکٹر

بلیک کی جیب سے برآمد ہونے والی تصویر اپنے سامنے ٹیبل پر رکھی اور اسے گھورنے لگا۔ بلیک زیرو اس دوران چائے اور سلائس بنا لایا۔ حالات کی وجہ سے ابھی تک عمران کو بھوک تو نہیں لگی تھی۔ اس کے باوجود بھی عمران نے دو سلائس کھا لئے اور چائے پینے لگا۔ اس دوران عمران کی نظریں مسلسل تصویر پر تھیں اور وہ یہ سوچ رہا تھا کہ اگر اس تصویر کا ایٹم بم سے تعلق نہیں ہے تو پھر ڈاکٹر بلیک اسے خصوصی طور پر اپنے ساتھ کیوں لایا تھا۔

''عمران صاحب۔ بڑے ہدایت کار عموماً تین تین چار چار فلموں کی ہدایات بیک وقت دے رہے ہوتے ہیں اور ان کا طریقہ کار یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے اسسٹنٹ کو کام سمجھا کر دوسری فلم کے سیٹ پر چلے جاتے ہیں اور پھر وہاں تیسری فلم کی شوٹنگ پر۔ یوں کام ان کے اسسٹنٹ کرتے ہیں اور نام ان کا چلتا ہے''...... بلیک زیرو نے کہا تو عمران اس کی بات سن کر اچھل پڑا۔ اس کی آنکھوں میں یکدم چمک پیدا ہو گئی۔ پھر اس کا ہاتھ تیزی سے رسیور کی طرف بڑھا اور اس نے رسیور اٹھا کر نمبرز پریس کئے۔

''ایکسٹو''...... جیسے ہی دوسری طرف سے رسیور اٹھایا گیا عمران نے تیز لہجے میں کہا۔

''یس چیف جولیا۔ سپیکنگ''...... دوسری طرف سے جولیا کی مؤدبانہ آواز سنائی دی۔

''جولیا۔ تم اپنے ساتھ تنویر اور صفدر کو گرین اسٹوڈیو لے جاؤ۔

ہدایت کار کمال جھلا اور فلم ''لو ان جنگل'' کے اسسٹنٹ ہدایت کار اور کیمرہ مین کو ہر حال میں دانش منزل کے ڈارک روم میں پہنچا دو۔ چاہے وہ جہاں کہیں بھی ہوں اور اس کام کے لئے تمہارے پاس صرف ایک گھنٹہ ہے''...... عمران نے بدستور تیز لہجے میں کہا اور پھر اس نے جولیا کا جواب سنے بغیر رسیور رکھ دیا۔ تقریباً چالیس منٹ بعد ٹیلی فون کا گھنٹی بجی تو ان دونوں نے سی ایل آئی کی طرف دیکھا۔ جولیا کے سیل فون کا نمبر فلیش ہو رہا تھا۔

''ایکسٹو''...... عمران نے رسیور اٹھا کر کان سے لگاتے ہوئے ایکسٹو کے مخصوص لہجے میں کہا۔

''چیف۔ جولیا بول رہی ہوں۔ تینوں مطلوبہ افراد اس وقت ہماری تحویل میں ہیں اور ہم دانش منزل کی طرف آ رہے ہیں''۔ جولیا کی آواز سنائی دی۔

''او کے۔ عمران بھی ڈارک روم میں پہنچ چکا ہے۔ وہی ان سے پوچھ گچھ کرے گا''...... عمران نے ایکسٹو کے لہجے میں کہا اور پھر اس نے رسیور رکھ دیا۔ اس کے بعد وہ اٹھا اور ڈارک روم میں آ گیا۔ تھوڑی دیر ہی گزری تھی کہ ڈارک روم میں صفدر، تنویر اور جولیا داخل ہوئے۔ صفدر اور تنویر کے کاندھوں پر ایک ایک بے ہوش آدمی تھا۔ انہوں نے بے ہوش آدمیوں کو کرسیوں پر ڈالا اور تنویر ڈارک روم سے باہر چلا گیا۔

''صفدر۔ انہیں ہوش میں لے آؤ''...... عمران نے سنجیدہ لہجے

میں کہا تو صفدر آگے بڑھا اور اس نے کمال جھلا کے منہ اور ناک پر ہاتھ رکھ دیا۔ اس کے جسم میں جھٹکا لگا تو صفدر نے اسے چھوڑا اور دوسرے آدمی کی طرف بڑھا۔ اس نے دوسرے آدمی کے ساتھ بھی وہی سلوک کیا۔ اس دوران تنویر پھر ڈارک روم میں داخل ہوا۔ اس نے تیسرے آدمی کو کاندھے پر اٹھایا ہوا تھا۔ تنویر نے اسے بھی کرسی پر پھینکا اور پھر اس کے منہ اور ناک پر ہاتھ رکھ دیا۔

''تت۔ تت۔ تم۔ یا۔ یعنی کہ آپ۔ ہم۔ ہم کہاں ہیں''۔ کمال جھلا نے ہوش میں آتے ہی کہا۔

''تم اس وقت ہمارے ہیڈکوارٹر میں ہو اور تمہارے جھوٹ کی وجہ سے تباہی پاکیشیا کے سر پر پہنچ چکی ہے۔ کروڑوں معصوم اور بے گناہ لوگ موت کے سمندر میں غرق ہونے والے ہیں''...... عمران نے سرد لہجے میں کہا۔

''میں نے کوئی جھوٹ نہیں بولا۔ آپ خود چیکنگ کر چکے ہیں''...... کمال جھلا نے احتجاجی لہجے میں کہا۔

''بکواس بند کرو۔ اس سین کا تعلق ایٹم بم سے ہے۔ بتاؤ یہ سین کہاں فلمایا تھا''...... عمران نے کہا۔

''یہ سین ناگان جنگل میں ہی فلمایا گیا ہے''...... کمال جھلا نے بااعتماد لہجے میں کہا۔

''یہ سین تمہاری آنکھوں کے سامنے فلمایا گیا تھا''...... عمران نے تیز لہجے میں پوچھا۔

’’اس سین کی ریکارڈنگ کی مکمل تیاری کے بعد میں دوسری شوٹنگز پر چلا گیا تھا۔ یہ سین جمشید جیلانی نے شوٹ کیا ہے‘‘۔ کمال جھلا نے اپنے ساتھی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

’’یہ جمشید جیلانی ہے تمہارا اسسٹنٹ اور یہ ’’لو ان جنگل‘‘ کا کیمرہ مین ہے‘‘...... عمران نے اس کے ساتھیوں کے بارے میں پوچھا۔

’’یس‘‘...... کمال جھلا نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔

’’تم بتاؤ جمشید جیلانی۔ تم نے یہ سین کہاں شوٹ کیا ہے‘‘۔ عمران نے سخت لہجے میں جمشید جیلانی سے کہا۔

’’سر۔ ہم نے یہ سین ناگان جنگل میں ہی شوٹ کیا ہے‘‘۔ جمشید جیلانی نے کہا۔ جیسے ہی اس کا جملہ مکمل ہوا۔ اس کی چیخ بھی بلند ہو گئی کیونکہ عمران کا بھرپور تھپڑ اس کے منہ پر پڑا تھا۔ وہ الٹ کر کرسی سے نیچے گرا اور اس کا ہونٹ پھٹ گیا۔

’’کھڑے ہو جاؤ جمشید جیلانی‘‘...... عمران نے سرد لہجے میں کہا تو وہ کھڑا ہو گیا۔

’’میرے ہاتھ میں ریوالور ہے اور یہ ریوالور فلموں کی شوٹنگ میں استعمال ہونے والا نہیں ہے۔ یہ بالکل اوریجنل ریوالور ہے اس کی ایک گولی تمہارا خاتمہ کر سکتی ہے۔ لہٰذا سچ سچ بتاؤ کہ تم نے یہ سین کہاں شوٹ کیا ہے‘‘...... عمران نے سرد لہجے میں کہا۔

’’میری بات کا یقین کریں جناب۔ یہ سین‘‘...... اس کی بات

مکمل ہی نہیں ہوئی تھی کہ اس کے منہ سے ایک بار پھر چیخ نکل گئی۔ اس مرتبہ ایک دھماکا بھی ہوا تھا۔ یہ دھماکا عمران کے ریوالور سے ہوا تھا۔ گولی جمشید جیلانی کے کان کے قریب سے گزر گئی تھی۔ جمشید کی چیخ کے ساتھ ساتھ اس کا ایک ہاتھ اپنے کان پر چلا گیا تھا۔

’’جمشید جیلانی۔ ہم لوگوں کے نشانے خطا نہیں ہوتے۔ میں نے تمہیں ایک موقع دیا ہے۔ دوسری گولی تمہاری کھوپڑی کے ٹکڑے کر دے گی‘‘...... عمران نے کرخت لہجے میں کہا۔

’’سس۔ سس۔ سر۔ کم۔ کم۔ کمال صاحب بہت سخت طبیعت کے ہیں۔ اس لئے مجھے جھوٹ بولنا پڑا۔ شوٹنگ کے بعد جب یونٹ واپس آ گیا تھا تو اس سین میں تکنیکی غلطی تھی۔ اب دوبارہ یونٹ کے ساتھ ناگان جنگل جانا بہت مہنگا تھا اور یہ سین بھی صرف تیس چالیس سیکنڈ کا تھا۔ اس لئے میں نے انہیں بتائے بغیر یہ سین دوبارہ سٹوڈیوز میں شوٹ کر لیا‘‘...... جمشید جیلانی نے خوفزدہ لہجے میں جواب دیا تو عمران نے ایک طویل سانس لیا۔

’’اگر تم یہ بات پہلے بتا دیتے تو ہمیں اتنی پریشانیوں سے نہ گزرنا پڑتا‘‘...... کمال جھلا نے اپنے اسسٹنٹ کو گالیاں دیتے ہوئے کہا۔ اس کے ساتھ ہی عمران کی نظر گھڑی کی طرف گئی۔ ایٹم بم پھٹنے میں اب صرف پینتالیس منٹ باقی تھے۔

’’چلو۔ دکھاؤ ہمیں وہ جگہ۔ جہاں تم نے یہ سین شوٹ کیا

ہے''...... عمران نے تیز لہجے میں کہا۔ پھر تین کاریں تیز رفتاری سے گرین اسٹوڈیوز کی طرف بڑھنے لگیں۔ سڑک پر چونکہ ایک بھی گاڑی دکھائی نہیں دے رہی تھی لہٰذا ان کی کاریں طوفانی رفتار سے چل رہی تھیں۔ تھوڑی ہی دیر میں وہ اسٹوڈیوز پہنچ گئے۔ اسٹوڈیوز کے مین گیٹ پر بڑا تالا لگا ہوا تھا۔ گیٹ کے قریب بنچ تو رکھا ہوا تھا لیکن سیکورٹی گارڈ موجود نہیں تھا۔ عوام کی اکثریت کی طرح سیکورٹی گارڈ بھی دارالحکومت چھوڑ کر جا چکا تھا۔ وہ سب کاروں سے نیچے اترے اور گیٹ کے قریب پہنچ گئے۔

''میں ملک صاحب کو فون کرتا ہوں۔ وہ ابھی آ جائیں گے''۔ کمال جھلا نے کہا اور اپنی جیب سے سیل فون نکالا اور نمبرز پریس کرنے لگا۔ نمبرز پریس کرنے کے بعد اس نے کال اوکے کا بٹن پریس کیا اور سیٹ کان سے لگا لیا۔

''بیل جا رہی ہے''...... کمال جھلا نے سیل فون کان سے لگاتے ہوئے کہا۔

''فون کوئی نہیں اٹھا رہا۔ لگتا ہے کہ سب لوگ شہر چھوڑ گئے ہیں''...... تھوڑی دیر بعد کمال جھلا نے کہا۔ عمران کے لئے ایک ایک لمحہ قیمتی تھا۔ اب بات گھنٹوں کی نہیں بلکہ منٹوں کی رہ گئی تھی۔

''میں سیل فون پر کال کرتا ہوں''...... کمال جھلا نے کہا اور دوبارہ نمبر پریس کرنے لگا۔

''رہنے دو۔ اتنا وقت نہیں ہے کہ ہم فون کرتے رہیں۔ تنویر۔

تالا توڑ دو''...... عمران نے کرخت لہجے میں پہلے کمال جھلا سے اور پھر تنویر سے کہا تو تنویر نے جیب سے ریوالور نکالا اور اس نے نال ''کی ہول'' سے لگا کر ٹریگر دبا دیا۔ بڑے تالے کے پرخچے اڑ گئے۔ تنویر نے گیٹ کو ٹھوکر ماری تو گیٹ زوردار دھماکے سے کھل گیا۔ وہ سب دوبارہ کاروں میں بیٹھے اور کاریں سٹوڈیو میں داخل ہو گئیں۔

''کہاں ہے وہ جگہ''...... عمران نے بے چینی سے جمشید جیلانی سے پوچھا۔

''اس طرف چلیں سر''...... جمشید جیلانی نے ایک طرف ہاتھ کا اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ عمران نے کار اس طرف موڑ دی۔ جلد ہی وہ درختوں کے ایک جھنڈ کے قریب پہنچ گئے یہ ایک چھوٹا سا جنگل تھا۔ عمران جانتا تھا کہ فلم سٹوڈیوز میں جنگل، میدان، شہر، گاؤں وغیرہ کا ماحول موجود ہوتا ہے۔ اس لئے زیادہ تر فلمیں سٹوڈیوز میں بنائی جاتی ہیں۔ اس طرح سے فلمیں کم بجٹ میں تیار ہو جاتی ہیں۔ البتہ بھاری بجٹ کی فلموں کی شوٹنگ دور دراز کے علاقوں میں ہی کی جاتی ہے۔

''بس سر۔ کار یہیں روک لیں''...... جمشید جیلانی کے کہنے پر عمران نے کار روک لی۔ پھر وہ سب ہی کاروں سے نیچے اترے۔ ان سب کے دلوں کی دھڑکن انتہائی تیز ہو چکی تھی کیونکہ اب وقت بہت ہی کم رہ گیا تھا۔ انہیں جانوں کی پرواہ نہیں تھی۔ انہیں فکر تھی تو

پاکیشیا کی تھی۔ گو کہ دارالحکومت کی آبادی کا پچانوے فیصد سے زائد حصہ ہجرت کر چکا تھا لیکن اس کے باوجود دارالحکومت کا تباہ ہونا پاکیشیا کی ریڑھ کی ہڈی کے ٹوٹنے کے برابر تھا۔ تابکاری اثرات کئی سالوں تک رہنے تھے۔ تباہی صرف دارالحکومت تک محدود نہیں رہنی تھی بلکہ دارالحکومت کے جڑواں شہروں نے بھی تباہ ہو جانا تھا۔

''سر۔ یہ سین یہاں شوٹ ہوا ہے''...... جمشید جیلانی نے ایک جگہ کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ عمران نے اثبات میں سر ہلایا۔ پھر اس نے اپنی کار میں سے بم ٹیسٹ میٹر اور مشین نکالی اور زمین چیک کرنے لگا۔ جلد ہی میٹر پر سرخ بلب جل اٹھا اور سپارکنگ کرنے لگا۔ سرخ لائٹ کو دیکھتے ہی بے اختیار عمران کے منہ سے نعرہ تکبیر بلند ہوا۔ اربوں مسلمانوں کے سجدے بارآور ثابت ہوئے تھے اور دعائیں قبول ہوگئی تھیں۔

عمران نے کھدائی کی جدید مشین اٹھائی اور کھدائی کرنے لگا۔ جلد ہی ایک پائپ نمودار ہو گیا۔ پھر تھوڑی سی مزید کوشش کے بعد ایک بڑی ٹنکی برآمد ہوگئی جس کے ساتھ مختلف میٹر لگے ہوئے تھے اور اس کے ساتھ شیشے کا ایک سلنڈر بھی منسلک تھا۔ ٹنکی کے اوپر ایک گھڑی بھی لگی ہوئی تھی۔ یہ وہی گھڑی تھی جو ٹی وی چینلز پر دکھائی دے رہی تھی۔ ان کے ساتھ ہی ویژن کنٹرول سسٹم کا جال بچھا ہوا تھا۔ یہ وہ ایٹم بم تھا جو پاکیشیا کی تباہی کے لئے نصب کیا گیا تھا۔ اگلے ہی لمحے عمران نے جیب سے اپنا سیل فون سیٹ نکالا

اور تیزی سے نمبرز پریس کرنے لگا۔

''یس عمران بیٹے۔ کیا ایٹم بم ٹریس ہوا''...... دوسری طرف سے فوراً ہی سرداور کی آواز سنائی دی۔

''جی ہاں سرداور۔ ایٹم بم گرین سٹوڈیوز میں نصب ہے اور میں نے کھدائی کر کے اسے برآمد کر لیا ہے۔ اب اس کے پھٹنے میں صرف پندرہ منٹ باقی ہیں۔ اب اگر آپ یہاں پہنچ کر اسے ناکارہ کر سکتے ہیں تو آ جائیں''...... عمران نے کہا اور اس کے ساتھ ہی اس نے کال کاٹ دی۔

''سس۔ سس۔ سر۔ ہم۔ ہمیں اجازت ہے''...... کمال جھلا نے انتہائی وحشت زدہ لہجے میں کہا۔ ایٹم بم دیکھ کر کمال جھلا، جمشید جیلانی اور کیمرہ مین انتہائی خوف زدہ ہو گئے تھے۔

''ہاں۔ تم لوگ جتنی دور جا سکتے ہو چلے جاؤ۔ ہماری ایک کار لے جاؤ''...... عمران نے سنجیدہ لہجے میں کہا۔

''شش۔ شش۔ شکریہ۔ سر''...... کمال جھلا نے کہا اور پھر وہ تینوں تیزی سے ایک کار کی طرف بڑھے۔ اگلے ہی لمحے کار آندھی اور طوفان کی مانند بیک ہوئی، پھر سیدھی ہوئی اور پھر گیٹ کی طرف بڑھی اور دیکھتے ہی دیکھتے نظروں سے اوجھل ہو گئی۔ پھر دس منٹ ہی گزرے تھے کہ دو بڑی جیپیں وہاں پہنچ گئیں۔ ان جیپوں سے سرداور اور تقریباً پندرہ افراد اور نیچے اترے۔ ان میں سے دس افراد سائنس دان تھے۔ وہ ایٹم بم ناکارہ بنانے والی مشینری ساتھ

لائے تھے۔ سرداور اور دیگر سائنس دانوں نے ایٹم بم کا معائنہ کیا اور پھر ان سب کی آنکھوں میں اندھیرا چھانے لگا۔ سبھی کے چہرے موت کے خوف سے سیاہ پڑ گئے۔ ان میں سے تین سائنس دان تو نیچے گرے اور ساکت ہو گئے۔ وہ نجانے بے ہوش ہوئے تھے یا ان کے دلوں کی دھڑکن ہی تھم گئی تھی۔ جولیا، تنویر اور صفدر کے لئے ان کا یہ عمل نہایت حیران کن تھا لیکن عمران کو اسی بات کی توقع تھی کیونکہ اس نے بھی ایٹم بم کا معائنہ کیا تھا۔ ایٹم بم کے ساتھ شیشے کا سلنڈر لگا ہوا تھا۔

اس شیشے کے سلنڈر کے ساتھ مشین لگی ہوئی تھی اور اس مشین سے ایک تار نکل کر گھڑی سے منسلک ہو رہی تھی۔ اب اس کا انتظام کچھ یوں تھا کہ آخری گھنٹے میں اس مشین سے ایک گیس نکل کر اس سلنڈر میں بھرنا شروع ہو جاتی اور وقت مکمل ہونے پر سلنڈر نے گیس سے بھر جانا تھا اور اس گیس کے بھرتے ہی سلنڈر نے پھٹ جانا تھا اور جیسے ہی سلنڈر نے پھٹنا تھا ایٹم بم نے بھی اسی کے ساتھ پھٹ جانا تھا۔ ایٹم بم اور سلنڈر جڑے ہوئے تھے اور انہیں الگ کرنے کا وقت نہیں تھا۔ الگ کرنے کی کوشش میں بھی سلنڈر پھٹ جانا تھا۔ اس پریشانی کے باوجود بھی سرداور اور دیگر سائنس دانوں نے اپنی کوشش شروع کر دی۔ انہوں نے مختلف شعاعیں سلنڈر پر پھینکیں لیکن ان شعاعوں سے کچھ بھی نہ ہوا۔ عمران نے گھڑی پر نظر دوڑائی اب بم پھٹنے میں صرف دو منٹ بچ

گئے تھے۔ مزید ایک منٹ تک کوششیں کرتے رہنے کے بعد سائنس دان پیچھے ہٹ گئے۔ ان کی آنکھیں بجھ گئی تھیں۔ ان کی زبانوں سے کلمہ طیبہ جاری ہو گیا تھا کیونکہ انہیں اپنی موت کا یقین ہو گیا تھا۔ جولیا، صفدر اور تنویر نے ان کی یہ حالت دیکھی اور انہیں کلمہ طیبہ پڑھتے دیکھا تو وہ بھی کلمہ طیبہ پڑھنے لگے۔ عمران نے جیب سے ریوالور نکالا اور پھر اس نے غم اور غصے کی حالت میں گھڑی پر فائر کر دیا۔ جس پر صرف پچاس سیکنڈ باقی تھے۔ اس کے بعد عمران نے ریوالور پھینکا اور کلمہ طیبہ پڑھتے ہوئے وہ زمین پر لیٹ گیا۔ وہ سب افراد زور زور سے کلمہ طیبہ پڑھتے ہوئے زمین پر لیٹ گئے۔ انہوں نے اپنی آنکھیں بند کرلیں اور خود کو اللہ تعالیٰ کے سامنے محسوس کرنے لگے۔

ایک ایک سیکنڈ قیامت بن کر گزر رہا تھا۔ پھر کافی دیر گزر گئی لیکن دھماکا نہ ہوا۔ وہ دھماکے کا انتظار کرتے رہے۔ صرف پچاس سیکنڈ باقی تھے۔ تو کیا اب تک وہ پچاس سیکنڈ پورے نہیں ہوئے تھے۔ عمران نے آہستہ سے سر اٹھا کر دیکھا۔ وہ سبھی صحیح سالم تھے۔ عمران نے اپنی ریسٹ واچ پر نظر ڈالی۔ تین منٹ زیادہ ہو گئے تھے۔ عمران اٹھ کر کھڑا ہوا تو اس کی حرکت دوسروں نے بھی محسوس کر لی۔ وہ سبھی کھڑے ہو گئے۔ انہوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ پھر ایٹم بم کی طرف دیکھا اور پھر سرداور عمران کی طرف بڑھے اور اسے سینے سے لگا لیا۔

"تم گریٹ ہو عمران بیٹے۔ گریٹ"...... سر داور نے خوشی سے معمور اور جذباتی آواز میں کہا۔

"مم۔ مم۔ میں۔ لل۔ لیکن۔ کیوں سر داور"...... عمران نے بوکھلائے ہوئے لہجے میں کہا۔

"عمران بیٹے۔ تم نے گھڑی تباہ کر کے سارا نظام ہی روک دیا اور جیسے ہی گھڑی کا نظام رکا سوئی آگے بڑھنے سے رک گئی ہے۔ جیسے ہی سوئی رکی مشین سے گیس کی سپلائی رک گئی اور سلنڈر پھٹنے سے بچ گیا ہے اور سلنڈر پھٹنے سے بچا ہے تو ایٹم بم بھی پھٹنے سے بچ گیا ہے"...... سرداور نے تفصیل بتاتے ہوئے کہا۔ سرداور کی بات سنتے ہی وہاں موجود تمام افراد دیوانہ وار عمران سے لپٹ گئے۔

سیکرٹ سروس کے تمام ممبران اس وقت دانش منزل کے میٹنگ ہال میں موجود تھے۔ ایکسٹو نے خصوصی طور پر میٹنگ طلب کی تھی۔ وہ سب مؤدبانہ انداز میں بیٹھے ہوئے تھے جبکہ عمران حسب عادت اپنی کرسی پر سویا ہوا تھا۔ اس کے خراٹے ہال میں گونج رہے تھے لیکن آج تنویر اسے غصے سے نہیں دیکھ رہا تھا کیونکہ عمران کے عمل سے ایٹم بم پھٹنے سے بچ گیا تھا۔

"السلام علیکم ممبرز"...... اچانک ہی ہال میں ایکسٹو کی آواز گونجی اور سب ممبران وعلیکم السلام کہہ کر مستعد ہو گئے۔ جبکہ عمران بدستور خراٹے لیتا رہا۔

"عمران"...... ایکسٹو کی تیز آواز ہال میں گونجی تو عمران یکدم ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا۔

"بچپن کی وادیوں سے کس نے ہمیں پکارا۔ آواز دے دوبارہ"۔ عمران نے اٹھتے ہی گانا شروع کر دیا۔

''عمران۔ کیا تمہیں ہوش نہیں ہے کہ تم کہاں ہو''...... ایکسٹو کی سرد آواز سنائی دی۔

''میں ہوں وہاں جہاں کی مجھے خود خبر نہیں''...... عمران بھلا اتنی آسانی سے کہاں باز آنے والا تھا۔

''ممبرز۔ میں نے یہ میٹنگ اس لئے کال کی ہے کہ کچھ باتوں سے آپ لاعلم ہیں۔ ان باتوں کا جاننا آپ کے لئے ضروری ہے''...... ایکسٹو نے کہنا شروع کیا تو عمران بھی خاموش ہو گیا۔

''اس بار ہمارے مقابلے پر بیک وقت دو عالمی مجرم تھے۔ ڈیتھ ماسٹر جو کافی کائیاں، ذہین اور طاقتور مجرم تھا۔ اسے کافرستان نے پاکیشیا سے ایک اہم فائل آئی ٹن چرانے کا ٹاسک دیا۔ کافرستان یہ فائل اپنے کسی ایجنٹ کے ذریعے نہیں چرانا چاہتا تھا۔ ڈیتھ ماسٹر نے سرسلطان پر کافی دباؤ ڈالا لیکن سرسلطان جیسے لوگ کسی بھی دباؤ کو قبول نہیں کرتے اور نہ ہی انہیں کسی لالچ کے ذریعے سے خریدا جا سکتا ہے۔ اس نے سرسلطان کے خاتمے کا بھی فیصلہ کر لیا اور اپنے ان دونوں مشنز پر اس نے کام بھی شروع کر دیا۔ ڈیتھ ماسٹر کے کام کرنے کا طریقہ یہی ہے کہ وہ بیک وقت مختلف ذرائع استعمال کرتا ہے۔ یہاں بھی اس نے یہی طریقے استعمال کئے۔ ڈیتھ ماسٹر کے کارندوں نے عمران پر بھی قاتلانہ حملہ کیا اور خاور کو بھی اغوا کر لیا۔ پھر انہوں نے خاور کو زندہ حالت میں کنگ روڈ پر پھینک دیا اور اس کی اطلاع بھی عمران کو کر دی۔

دراصل انہوں نے خاور کے بالوں میں جدید ایچ ڈی فٹ کر دیا تھا۔ خاور کو دانش منزل کے میڈیکل روم میں ہی علاج فراہم کیا گیا اور ایچ ڈی کو بھی مارک کر لیا گیا۔ ایچ ڈی کو مارک کرتے ہی میں نے دانستہ عمران کو فون پر ایسی ہدایات دیں جس سے ڈیتھ ماسٹر خود ہی اپنے جال میں پھنس گیا۔ اس نے ایک ہی وقت میں سرسلطان کو قتل کرنے اور فائل آئی ٹن اڑانے کا منصوبہ بنایا۔ اس کے دونوں مشنز ناکامی سے دو چار ہوئے اور اس کی ساری تنظیم کا خاتمہ ہو گیا۔ دوسری طرف ڈاکٹر بلیک تھا جو حقیقتاً انتہائی ذہین اور باصلاحیت انسان تھا۔ تم لوگوں نے اس کے ساتھ میری گفتگو سنی ہو گی۔ وہ میرا استاد تھا اور کاش کہ وہ تخریب کی بجائے تعمیر کی طرف آ جاتا تو پوری دنیا کو جنت کا نمونہ بنا سکتا تھا''۔ ایکسٹو نے مسلسل بولتے ہوئے کہا اور پھر وہ چند لمحوں کے لئے خاموش ہو گیا۔

''اس نے بہت سی عظیم ایجادات کیں۔ اس کی ایجادات میں ایک ڈیتھ فورس ہے۔ یہ روبوٹس پر مشتمل تھی جو لمحوں میں شعاعوں کے ذریعے ایک ملک سے دوسرے ملک میں پہنچ جاتی تھی۔ ڈاکٹر بلیک نے اسی ڈیتھ فورس کے ذریعے مختلف ملکوں میں ایٹم بم نصب کئے۔ یہ ڈیتھ فورس اس کے دیگر کام بھی آسانی سے کر لیتی تھی۔ ڈاکٹر بلیک کی ایک اور انقلابی ایجاد فیوچو مشین تھی۔ یہ مشین مستقبل میں ہونے والی اموات کا منظر دکھاتی تھی۔ ڈاکٹر بلیک ان مناظر کو دیکھتا تھا اور اگر کسی اہم شخصیت کی موت مشین پر آ جاتی تو وہ اسے

ریکارڈ کر لیتا تھا۔ اس نے اس مشین کے ذریعے پوری دنیا پر حکمرانی کرنے کا سوچا اور اس پر عمل بھی کرنے لگا۔ اس نے ایکریمیا اور باچان کے کروڑوں لوگوں کو آناً فاناً ہلاک کر دیا۔ یوں وہ انسانی تاریخ کا بدترین مجرم بنا۔ اس نے پاکیشیا کو بھی اپنی لسٹ میں شامل کرلیا کیونکہ اس نے سرسلطان کی موت کا منظر بھی مشین پر دیکھ لیا تھا لیکن یہ حقیقی سرسلطان نہیں تھے بلکہ ڈیتھ ماسٹر کی کارروائی کے نتیجے میں قتل ہونے والا ایک قیدی تھا۔ ڈاکٹر بلیک کی دھمکی اور ڈیتھ ماسٹر کی کارروائیوں کی وجہ سے میں نے پلاننگ کی تھی۔ سرسلطان کو دانش منزل بلا لیا تھا اور ان کے میک اپ میں ایک قیدی کو خان ہاؤس پہنچا کر سیکورٹی کے تمام انتظامات وہاں کر دیئے گئے تھے۔ اس قیدی کی حقیقت سے صدر مملکت بھی واقف نہ تھے۔ یوں ڈاکٹر بلیک کی مشین نے مستقبل کا جو منظر دکھایا تھا اس منظر میں سرسلطان نہیں بلکہ ان کے میک اپ میں کوئی اور تھا کیونکہ ڈاکٹر بلیک کی فیوچر مشین یہ نشاندہی نہیں کر سکتی تھی کہ مرنے والا میک اپ میں ہے یا بغیر میک اپ کے۔ یوں ڈاکٹر بلیک کو پاکیشیا کے مقابلے میں شکست ہوئی اور اس نے خود کو پاکیشیا کے حوالے کر دیا لیکن اس کے اسسٹنٹ نے اسے قتل کر دیا۔ ڈاکٹر بلیک نے اپنی تمام انقلابی ایجادات کے ساتھ اپنے ہیڈکوارٹر کو اپنے ہاتھوں تباہ کر دیا تھا۔ ڈاکٹر بلیک اپنے وعدے اور عہد کے مطابق پاکیشیا آ گیا تاکہ ایٹم بم کو ناکارہ کر سکے لیکن اس کے قتل کے بعد ہمارا سکون ختم

ہو گیا کیونکہ وہ ایٹم بم کے بارے میں کچھ نہیں بتا سکا تھا اس کی جیب سے میں نے ایک فوٹو برآمد کیا جو ایک مقامی فلم کا تھا۔ اس فوٹو کے مطابق ہم نے ایٹم بم ٹریس کرنے کی کوشش کی۔ شروع میں ہمیں ناکامی ہوئی لیکن پھر اللہ تعالیٰ کی رحمت اور کرم سے ایٹم بم ٹریس ہو گیا اور یہ اللہ تعالیٰ کا ہی فضل تھا کہ ایٹم بم پھٹنے سے صرف پچاس سیکنڈ پہلے عمران نے غیر ارادی طور پر ایٹم بم سے منسلک گھڑی کو فائر مار کر تباہ کر دیا اور یوں ایٹم بم پھٹنے سے رہ گیا اور اللہ تعالیٰ نے پاکیشیا کو ایک بڑی تباہی سے بچا لیا''۔ ایکسٹو نے مسلسل بولتے ہوئے کہا اور پھر خاموش ہو گیا۔

''اگر تم لوگ کچھ پوچھنا چاہتے ہو تو پوچھ سکتے ہو''...... چند لمحوں کی خاموشی کے بعد ایکسٹو کی آواز دوبارہ سنائی دی۔ عمران نے ادھر ادھر دیکھا کوئی بھی کھڑا نہ ہوا تو عمران کھڑا ہو گیا۔

''یس چیف۔ میں کچھ پوچھنا چاہتا ہوں''...... عمران نے مؤدبانہ لہجے میں کہا۔

''ہاں بولو۔ کیا پوچھنا ہے تم نے''...... ایکسٹو نے کہا۔

''باس۔ فیوچر مشین سے پوچھ کر بتائیں کہ میرا اور جولیا کا کیا فیوچر ہے۔ یعنی ہمارے بچے کتنے ہوں گے۔ ان میں کاکے کتنے ہوں گے اور کاکیاں کتنی''...... عمران نے بظاہر سنجیدہ لہجے میں کہا۔

''انسان کی جتنی بھی ایجادات ہیں ان میں خامیاں موجود ہیں۔ فیوچر مشین کی اطلاع حتمی تو نہیں ہو سکتی۔ سرسلطان کے بارے میں

تم اس کی کارکردگی دیکھ ہی چکے ہو۔ لہٰذا کبھی بھی مشینوں پر اعتماد نہ کرنا۔ اوکے گڈبائی''...... ایکسٹو کی آواز سنائی دی اور اس کے بعد خاموشی چھا گئی۔

''اچھا۔ تو تم فیوچر مشین سے اپنے اور میرے فیوچر کے بارے میں جاننا چاہتے ہو''۔ جولیا نے عمران کو آنکھیں دکھاتے ہوئے کہا۔

''میں تو اپنے اور تمہارے فیوچر کے بارے میں اچھی طرح جانتا ہوں''...... عمران نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''عمران صاحب۔ کیا جانتے ہیں آپ''...... صدیقی نے پوچھا۔

''یہی کہ جولیا ابھی اپنا سینڈل اتارے گی اور میری طرف اچھالے گی''...... عمران نے معصومیت سے کہا تو سب کے چہروں پر مسکراہٹ آ گئی۔ اس دوران جولیا نے واقعی اپنا جوتا اتار لیا تھا۔

''دیکھا دیکھا۔ میں نے فیوچر کی پیشین گوئی بالکل درست کی ہے نا''...... عمران نے کہا تو جولیا نے اسے جوتا مار بھی دیا۔ عمران یکدم نیچے بیٹھ گیا اور جوتا اس کے پیچھے جا گرا۔

''اب جولیا دوسرا جوتا بھی اتارے گی''...... عمران نے کہا تو جولیا واقعی جوتا اتارنے کے لئے جھکی جبکہ عمران نے چھلانگ لگائی اور ہال سے باہر نکل گیا۔ اسے اپنے پیچھے ممبران کے قہقہے سنائی دیئے۔

ختم شد

نے جب اس دھمکی کو عملی جامہ پہنایا تو کیا نتیجہ برآمد ہوا ——؟

☆ ہاٹ لائن۔ ایک بین الاقوامی مجرم تنظیم۔ جس نے عمران، کرنل فریدی، میجر پرمود، کرنل زیدا اور کرنل ڈیوڈ جیسے تجربہ کار سیکرٹ ایجنٹوں کو چکرا کر رکھ دیا۔؟

☆ پاکیشیا، کافرستان، بلگارنیہ، اراڈان اور اسرائیل کا مشترکہ دشمن جو انہیں تباہ کرنے کے منصوبے بنا رہا تھا اور ان پانچوں ممالک کے سیکرٹ ایجنٹ اسے تلاش کرنے میں ناکام ہو گئے تھے۔ اس خطرناک دشمن کے بارے میں انہیں آخر تک معلوم نہ ہو سکا۔ کیوں ——؟

☆ چیکو معصوم اور بھولی بھالی نظر آنے والی حسینہ، ہاٹ لائن کی سفاک اور سنگدل سیکشن انچارج، جو انسانی گوشت کا قیمہ بنا کر افریقہ کے وحشی قبیلے کو کھلا دیتی تھی۔

☆ ٹینا۔ کرنل فریدی کی ساتھی جس نے بے ہوش ٹائیگر پر مشین پسٹل سے فائر کھول دیا۔ کیا ٹائیگر زندہ بچ سکا ——؟

☆ جب مجرموں کا کوئی سراغ نہیں مل رہا تھا تو کرنل فریدی پر مایوسی چھا گئی۔ اس مایوسی کا کیا نتیجہ برآمد ہوا ——؟

☆ شالما جنگل۔ افریقہ کا خوفناک، ہیبت ناک اور وحشت ناک جنگل جہاں قدم قدم پر موت نے ڈیرے ڈالے ہوئے تھے۔

☆ اس خوفناک جنگل میں میجر پرمود اور کرنل فریدی کی ٹیموں کے درمیان خونی ٹکراؤ ہو گیا۔ نتیجہ کیا نکلا ——؟

☆ راکا دیوی۔ شاؤکا قبیلے کی حسین اور خونی دیوی جس کے قدموں میں عمران کو قربان کیا جانے لگا۔

☆ عمران راکا دیوی سے اپنی زندگی کی بھیک مانگنے لگا لیکن خونی دیوی بھلا سے کیوں چھوڑ دیتی۔ کیا عمران کو قربان کر دیا گیا ——؟

☆ ہاٹ لائن نے کرنل فریدی کو قیمہ بنانے کے لئے اس کے جسم میں کٹر مشین فٹ کر دی۔ کیا کرنل فریدی کا جسم قیمے میں تبدیل ہو گیا ——؟

☆ شاکاکانا۔ ایک چالاک وعیار وحشی انسان۔ جس نے کرنل ڈیوڈ کا ساتھی بن کر اس کی اور اس کے ساتھیوں کی موت کا اہتمام کر دیا۔

☆ کرنل فریدی کے لئے وہ لمحات کس قدر بے بسی کے تھے کہ جنگلی سردار اس کی ساتھی لڑکیوں ریکھا اور روزا سے شادی کر رہا تھا۔

☆ سلور پلان۔ جس کی وجہ سے عمران، کرنل فریدی، کرنل زید اور میجر پرمود ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہو گئے اور وحشی درندوں کی طرح ایک دوسرے پر ٹوٹ پڑے۔

☆ جوزف نے کرنل فریدی کو گولیاں مار دیں۔ کیا کرنل فریدی ہلاک ہو گیا؟ کرنل فریدی کو گولیاں مارنے کے بعد جوزف نے خود کو بھی گولیوں سے اڑا دیا؟

سطر سطر سسپنس، لفظ لفظ تحیر، صفحہ صفحہ ایکشن، موڑ موڑ موت کی سنسناہٹ، قدم قدم پر بکھرے خونی واقعات۔ جنگل ایڈونچر، ہنگامہ آرائیاں، پل پل بدلتی سچوئیشنز اور مزاح سے بھرپور ایک لازوال و یادگار اور دلوں پر گہرے نقش چھوڑ دینے والا تہلکہ خیز ناول۔ (تحریر۔ ارشاد العصر جعفری)

ارسلان پبلی کیشنز اوقاف بلڈنگ پاک گیٹ ملتان

Mob
0333-6106573
0336-3644440
0336-3644441
Ph 061-4018666

E.Mail.Address arsalan.publications@gmail.com

عمران سیریز میں مزاح، ایکشن، ایڈونچر اور خوف و دہشت

میں لپٹی ہوئی لازوال داستان

ماورائی نمبر

ڈیول ورلڈ

مصنف

ارشاد العصر جعفری

☆ وحشت و بربریت کے وہ سنسنی خیز لمحات۔ جب تنویر کو اس کے فلیٹ میں قتل کر کے اس کی لاش کو آگ لگا دی گئی۔

☆ ذیلون۔ ایک خطرناک شیطانی عامل، جس نے عمران کو شیطانی عمل سے پاگل کرنے کا منصوبہ بنایا۔ کیا عمران پاگل ہو گیا ——؟

☆ عمران نے جولیا، صفدر اور خاور کو الٹا لٹکا کر ان کے نیچے آگ لگا دی۔ کیا یہ حرکت عمران نے پاگل ہو جانے کی وجہ سے کی تھی۔ یا ——؟

☆ ذیلون۔ عمران کے ساتھ موت کا کھیل کھیلنے لگا۔ موت کے اس بھیانک کھیل کا انجام کیا ہوا ——؟

☆ خوف کے وہ بھیانک لمحات۔ جب عمران اور اس کے ساتھی ریت کے طوفان میں تنکوں کی طرح اڑ گئے۔

☆ دنیا کا خوفناک ترین صحرا۔ صحرائے نشکان۔ جس کے ریتلے طوفان میں عمران اور اس کے ساتھی زندہ دفن ہو گئے۔

☆ زندگی میں پہلی بار عمران کے دل میں موت کا خوف پیدا ہوا کیونکہ وہ موت کو اپنی جانب بڑھتے ہوئے دیکھ رہا تھا لیکن بے بسی کی وجہ سے وہ حرکت کرنے سے بھی قاصر تھا۔

☆ ذیلون۔ جس نے عمران اور اس کے ساتھیوں کی لاشوں کے درمیان فتح ے جشن کا اعلان کر دیا۔

☆ گریٹ لینڈ کی ایجنسیوں نے عمران اور اس کے ساتھیوں کو جاسوسی کے ام میں گرفتار کر لیا۔ کیا عمران اور اس کے ساتھی گریٹ لینڈ کی جاسوسی کر ہے تھے ——؟

☆ عمران اور اس کے ساتھیوں کو جلتی ہوئی برقی بھٹی میں ڈالا جانے لگا تو؟

☆ عمران۔ شیطانی طاقتوں کے خوف سے ایک کمرے میں چھپ کر بیٹھ گیا۔ ر کیا ہوا ——؟

☆ ہزاروں خونخوار کتوں نے عمران اور اس کے ساتھیوں پر حملہ کر دیا۔ کیا وہ ا حملے سے بچ پائے ——؟

☆ عمران اور اس کے ساتھی کھلے سمندر میں غوطے کھا رہے تھے کہ مگرمچھوں کی ب بڑی تعداد نے ان پر حملہ کر دیا۔ پھر کیا ہوا ——؟

☆ جوزف نے جولیا کو بے ہوش کیا اور پھر اس پر تھپڑوں کی بارش کر دی۔ زف نے ایسا کیوں کیا ——؟

قدم قدم رقص اجل، لمحہ لمحہ خوف و دہشت، سطر سطر سسپنس،
ایکشن اور مزاح سے بھرپور یادگار اور لازوال ناول۔

رسلان پبلی کیشنز اوقاف بلڈنگ پاک گیٹ ملتان
Mob
0333-6106573
0336-3644440
0336-3644441
Ph 061-4018666
E.Mail.Address arsalan.publications@gmail.com

عمران سیریز میں سسپنس اور ایکشن سے بھرپور منفرد ناول

مکمل ناول

گولڈ سرکل

مصنف
ارشاد العصر جعفری

ڈاکٹر گولڈ — ایک ایسا سائنسدان جس نے دنیا بھر کی معیشت کو تباہ کرنے کا منصوبہ بنایا اور پاکیشیا سمیت کئی ممالک اس منصوبے کی لپیٹ میں آ گئے۔

ڈاکٹر گولڈ — جس نے پاکیشیا سیکرٹ سروس کو چیلنج کر دیا کہ وہ پاکیشیا کو تباہ کر دے گا۔

ڈاکٹر گولڈ — جو پاکیشیا سیکرٹ سروس کی موجودگی میں پاکیشیا میں کامیاب کارروائیاں کرنے لگا۔

ڈاکٹر گولڈ — جس کے بارے میں دنیا کا کوئی شخص نہیں جانتا تھا۔ عمران اور پاکیشیا سیکرٹ سروس ڈاکٹر گولڈ کی تلاش میں سرگرداں تھی لیکن اس کا کہیں نام ونشان نہیں تھا۔

جوانا — جس نے ایکریمیا واپس جا کر اپنا پرانا پیشہ دوبارہ اختیار کر لیا۔ کیوں؟

جوانا — جس نے گولڈ سرکل کو عمران کے بارے میں معلومات فراہم کر دیں۔

ڈاکٹر گولڈ — جس نے پاکیشیا سیکرٹ سروس کی موجودگی میں پاکیشیا کے مرکزی بینک سے اربوں ڈالرز کے سونے کے ذخائر چوری کر لئے۔ کیسے —؟

عمران، ٹائیگر اور تنویر کو بے ہوش کر کے ان پر فائرنگ کر دی گئی۔ کیا وہ ہلاک ہو گئے؟

جزیرہ مارکن — جہاں قدم رکھتے ہی پاکیشیا سیکرٹ سروس کی ٹیم پر بموں کی بارش کر دی گئی۔ پاکیشیا سیکرٹ سروس کا کیا انجام ہوا —؟

ریاست بالان — ڈاکٹر گولڈ نے اس ریاست کی معیشت مکمل طور پر تباہ کر دی۔

ڈاکٹر گولڈ کی پاکیشیا کے خلاف کامیاب کارروائیوں کا کیا انجام ہوا؟

کیا ریاست بالان کی طرح پاکیشیا کی معیشت بھی مکمل طور پر تباہ ہو گئی؟

ایک یادگار لازوال ناول جو مدتوں یاد رکھا جائے گا۔

ارسلان پبلی کیشنز — اوقاف بلڈنگ، پاک گیٹ — ملتان

Mob
0333-6106573
0336-3644440
0336-3644441
Ph 061-4018666

E.Mail.Address arsalan.publications@gmail.com

محترم قارئین۔

سلام مسنون

میرا نیا ناول ''ڈاکٹر بلیک'' آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ اس ناول میں آپ بیک وقت دو عالمی مجرموں سے ملیں گے جو ذہانت، چالاکی اور طاقت میں بے مثال ہیں۔ ان میں ایک مجرم ڈاکٹر بلیک تو انسانی تاریخ کا سفاک ترین بھی ہے۔ ڈاکٹر بلیک ایک عظیم سائنس دان ہے اور اس سائنس دان نے پوری دنیا کو بدحواس کر دیا ہے۔ ڈاکٹر بلیک ایک ایسا سفاک درندہ تھا جس نے لمحوں میں کروڑوں انسانوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا تھا۔ ایکریمیا، باچان اور دیگر ممالک میں خون کے دریا بہا دیئے ہیں لیکن اس تک رسائی کسی کے بس میں نہیں تھی۔ اس ظالم درندے نے پاکیشیا کو بھی اپنی تباہی کی لسٹ میں شامل کر لیا اور پوری دنیا کو سرسلطان کے قتل کا منظر بھی دکھا دیا اور پاکیشیا میں ایٹم بم بھی نصب کر دیا۔

میں تو پیش لفظ میں ہی تفصیل بتانے بیٹھ گیا۔ اگر میں نے انہی صفحات میں آپ کو سب کچھ بتا دیا تو پھر آپ کو ناول پڑھنے کی ضرورت تو نہیں رہے گی لہٰذا اس کردار کے بارے میں مزید تفصیل آپ کو کتاب کے اگلے صفحوں پر ہی ملے گی۔ میں یہاں صرف اتنا ہی کہوں گا کہ یہ ناول آپ کے اعلیٰ ذوق کے عین مطابق ہے اور یقیناً آپ کو پسند آئے گا اور یہ تو آپ جانتے ہی ہیں کہ میں نے

ہمیشہ یہی کوشش کی ہے کہ میں جو کچھ لکھوں آپ کو پسند آئے۔ آپ کی پسند اور نا پسند کا اندازہ مجھے آپ کے خطوط سے بھی ہوتا ہے۔ اس تیز ترین اور مہنگائی کے دور میں خط لکھنا بالکل ہی ختم ہو چکا ہے لیکن علی عمران کے شیدائی ایسے ہیں جو اس دور میں بھی خط لکھتے ہیں۔ اپنی پسند اور نا پسند کا اظہار کرتے ہیں اور اپنے مشوروں سے نوازتے ہیں۔ اس بات کا اعتراف تو میں کئی بار کر چکا ہوں کہ قارئین کے خط ہی مجھے لکھنے کا حوصلہ دیتے ہیں۔ امید ہے کہ آپ ہمیشہ کی طرح میری حوصلہ افزائی کرتے رہیں گے۔ انشاء اللہ اگلے ناول میں پھر ملاقات ہوگی۔

والسلام

ارشاد العصر جعفری

علی عمران اور پاکیشیا سیکرٹ سروس کا ہنگامہ خیز ایڈونچر

مکمل ناول

شاکس پلان

مصنف ارشاد العصر جعفری

ارسلان پبلی کیشنز اوقاف بلڈنگ پاک گیٹ ملتان
Mob 0333-6106573
0336-3644440
0336-3644441
Ph 061-4018666
E.Mail.Address arsalan.publications@gmail.com

رات نصف سے زیادہ بیت چکی تھی۔ سارا ماحول گہری تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا۔ اس گہری تاریکی میں ایک آدمی ایک کھڑکی پر جھکا ہوا تھا۔ اس آدمی نے سر پر گردن تک سیاہ نقاب اوڑھا ہوا تھا اور اس کا باقی جسم بھی سیاہ لبادے میں چھپا ہوا تھا اس لئے وہ آدمی تاریکی کا ہی جزو دکھائی دے رہا تھا۔

کھڑکی پر جھک کر اس آدمی نے شیشے پر ایک جگہ ٹیپ چپکائی اور پھر گلاس کٹر سے شیشے پر ایک چوکور لکیر ڈال کر انگوٹھے سے شیشے کو دبایا تو شیشے کا چور حصہ کٹ کر لٹکنے لگا۔ چونکہ وہ ٹیپ سے چپکا ہوا تھا اس لئے نیچے نہ گرا اور نقاب پوش چاہتا بھی یہی تھا کہ کٹ جانے والا شیشے کا ٹکڑا فرش پر نہ گرے۔ جیسے ہی شیشہ کٹا نقاب پوش نے ہاتھ اندر ڈال کر چٹخنی کھولی اور کھڑکی کا ایک پٹ کھول کر اندر داخل ہوگیا۔ اسے اس کارروائی میں بمشکل پانچ سیکنڈ لگے تھے۔ اندر کمرے میں باہر سے زیادہ اندھیرا تھا۔ اسے محسوس ہو رہا

تھا جیسے وہ اندھیری قبر میں اتر آیا ہو۔

اندر کمرے میں داخل ہوتے ہی اس نے اپنی جیب میں ہاتھ ڈالنا چاہا۔ شاید اس کی جیب میں ٹارچ تھی لیکن اس سے پہلے کہ اس کا ہاتھ جیب میں جاتا ایک جھماکا ہوا اور کمرہ روشن ہو گیا۔ ایک لمحے کے لئے نقاب پوش کی آنکھیں چندھیا گئیں لیکن اگلے ہی لمحے اس نے خود کو سنبھالا اور چاروں طرف نظر دوڑائی۔ کمرے میں ایک جہازی سائز بیڈ موجود تھا لیکن اس وقت بیڈ خالی تھا۔ کمرے کے ایک کونے میں ایک ٹیبل اور ایک کرسی رکھی ہوئی تھی۔ ٹیبل پر منرل واٹر کی ایک بوتل، ایک گلاس اور دو تین کتابیں رکھی ہوئی تھیں۔ ایک لیپ ٹاپ بیڈ پر پڑا ہوا تھا جو اس وقت آف تھا۔ کمرہ اس وقت کسی بھی انسانی وجود سے یکسر خالی تھا۔ نقاب پوش نے ایک سیکنڈ سے بھی کم وقت میں کمرے کا جائزہ لیا اور پھر وہ تیزی سے دروازے کی طرف بڑھا۔ پھر وہ دروازے کے قریب پہنچ کر رک گیا۔ دروازے کی دائیں طرف دیوار میں ایک بڑا فریم لگا ہوا تھا۔ اس فریم میں سرسلطان کی ایک ہنستی مسکراتی تصویر دکھائی دے رہی تھی۔ نقاب پوش نے تصویر اتار کر بیڈ پر پھینک دی۔ تصویر ایک بڑے اور موٹے کیل سے لٹکی ہوئی تھی۔ تصویر کے اترتے ہی وہ کیل عیاں ہو گیا تھا۔ نقاب پوش نے اس کیل کو تین بار اپنے انگوٹھے سے دبایا۔ جیسے ہی کیل پر اس کے انگوٹھے کا دباؤ تیسری بار پڑا بائیں دیوار میں ایک خلا پیدا ہو گیا۔ ایسے محسوس ہو رہا تھا جیسے

پہلے یہاں ایک چھوٹا سا دروازہ لگایا گیا تھا اور اب وہ دروازہ اتار دیا گیا ہو۔ نقاب پوش نے اس خلا میں جھانکا۔ وہاں سیڑھیاں تھیں جو نیچے جا رہی تھیں۔ وہاں بھی روشنی موجود تھی۔ نقاب پوش نے سیڑھیوں پر قدم رکھا اور ساتھ ہی اس کا ہاتھ جیب میں گیا۔ اس کا ہاتھ جیب سے باہر آیا تو اس میں ایک مشین پسٹل موجود تھا۔ اس نے مشین پسٹل کے دستے کو مضبوطی سے پکڑ لیا اور سیڑھیاں اترنے لگا۔ وہ تیزی سے لیکن احتیاط سے نیچے اترنے لگا۔ اس کے سیڑھیاں اترنے سے آواز بالکل پیدا نہیں ہو رہی تھی۔ تقریباً گیارہ بارہ سیڑھیاں تھیں جو نقاب پوش نے محض چند سیکنڈوں میں عبور کر لی تھیں۔ پھر جیسے ہی وہ تہہ خانے میں پہنچا اس نے سرسلطان کو دیکھا۔ وہ تہہ خانے میں اس کے سامنے کھڑے تھے۔ ان کی آنکھوں میں نفرت اور طنز کے ملے جلے تاثرات تھے۔ ان کے ایک ہاتھ میں ریوالور تھا جس کا رخ نقاب پوش کی طرف تھا۔ نقاب پوش کو دیکھتے ہی سرسلطان نے ٹریگر دبا دیا۔ دھاکا تو نہ ہوا کیونکہ ریوالور پر سائیلنسر فٹ تھا البتہ سرخ شعلہ سا نکل کر نقاب پوش کی طرف بڑھا لیکن نقاب پوش کی نظریں سرسلطان کی انگلی پر تھیں اس لئے جیسے ہی سرسلطان نے ٹریگر دبایا نقاب پوش فرش پر بیٹھ گیا اور شعلہ اس کے اوپر سے گزر گیا۔ پھر اس سے پہلے کہ سرسلطان دوبارہ ٹریگر دباتے نقاب پوش کا ہاتھ سیدھا ہوا صرف ٹریگر دبنے کی آواز سنائی دی اور سرسلطاق کے حلق سے ایک دلدوز چیخ بلند ہوئی۔

گولی ان کی پسلی توڑتی ہوئی ان کے دل میں جا لگی تھی۔ ریوالور ان کے ہاتھ سے نیچے جا گرا اور وہ ریت کی خالی ہوتی ہوئی بوری کی مانند فرش پر گرتے چلے گئے۔ ابھی انہوں نے تڑپنا شروع ہی کیا تھا کہ نقاب پوش ان کے قریب پہنچ گیا۔ اب اس کے ہاتھ میں خنجر اور آنکھوں میں وحشت دکھائی دے رہی تھی۔ وہ سرسلطان کے تڑپتے ہوئے جسم پر سوار ہو گیا۔ اس نے اپنا گھٹنا سرسلطان کے سینے پر رکھا۔ اب سرسلطان کا جسم تڑپ بھی نہیں سکتا تھا۔ نقاب پوش نے ایک ہاتھ سرسلطان کے سر پر رکھا اور دوسرے ہاتھ میں تھاما ہوا خنجر سرسلطان کی گردن پر چلا دیا۔ سرسلطان کی شہ رگ کٹ گئی اور گردن سے خون کا فوارہ ابل پڑا۔ اس خون سے نقاب پوش کے ہاتھ اور سیاہ لبادہ رنگین ہو گئے۔ نقاب پوش نے شہ رگ کٹنے پر ہی اکتفا نہ کیا بلکہ وہ مردہ سرسلطان کی گردن پر تیز تیز خنجر چلانے لگا۔ اس کے انداز میں وحشت، بربریت اور جنونیت تھی۔ ایسے لگ رہا تھا جیسے نقاب پوش اپنی کسی پرانی دشمنی کی آگ میں پاگل ہو گیا تھا اور یہ آگ سرسلطان کی ہلاکت سے بھی سرد نہیں ہوئی تھی۔ چند ہی لمحوں میں سرسطان کا سرتن سے جدا ہو گیا۔ نقاب پوش نے سرسلطان کے بریدہ سر کو بالوں سے پکڑا اور پھر وہ کھڑا ہو گیا۔ کھڑے ہونے کے بعد اس نے سرسلطان کا سر دور اچھال دیا اور خود سیڑھیوں کی طرف بڑھا لیکن ابھی وہ سیڑھیوں کے قریب نہیں پہنچا تھا کہ سیڑھیوں میں چار آدمی دکھائی دیئے۔ پھر اس سے پہلے

کہ وہ سنبھلتا بیک وقت چار مشین گنوں نے شعلے اگلے اور درجنوں گولیاں نقاب پوش کے سینے، منہ اور سر سے ٹکرائیں۔ اس کی بھی ایک چیخ بلند ہوئی اور وہ زمین پر گر کر مرغ بسمل کی مانند تڑپنے لگا۔

اس کے ساتھ ہی منظر ساکن ہو گیا اور سکرین پر ایک تاریخ اور وقت ابھر آیا جبکہ ہال میں بیٹھے ہوئے افراد نے گہرے سانس لئے۔ یہ درمیانے سائز کا ہال تھا اور اس میں بیس کے قریب افراد بیٹھے تھے۔ ان کے سامنے ایک بڑی میز تھی اور اس میز پر ایک ٹی وی رکھا ہوا تھا۔ ٹی وی سکرین کے آف ہوتے ہی ہال میں بیٹھے ہوئے افراد سوچنے لگے کہ انہوں نے ٹی وی پر کس کے قتل کا منظر دیکھا ہے کیونکہ ہال میں بیٹھے ہوئے افراد میں سے کوئی بھی قتل ہونے والی شخصیت کے بارے میں نہیں جانتا تھا۔

”ممبرز۔ میری فیوچر مشین نے جس شخصیت کی موت کا منظر کیچ کیا ہے اسے دنیا سرسلطان کے نام سے جانتی ہے اور یہ ایشیائی ملک پاکیشیا کا سیکرٹری خارجہ ہے۔ یہ دنیا کی اہم شخصیات میں سے ایک ہے۔ دنیا کے اکثر ممالک میں اسے عزت کی نظر سے دیکھا جاتا ہے چونکہ فیوچر مشین نے اس کی موت کا وقت بتا دیا ہے لہذا اب پاکیشیا بھی ہماری لسٹ میں شامل ہو گیا ہے“...... ہال میں بیٹھے ہوئے افراد نے ایک غراہٹ سے مشابہہ آواز سنی۔ یہ ڈاکٹر بلیک کی آواز تھی جو ریڈ نائٹ تنظیم کا سربراہ تھا اور ہال میں بیٹھے ہوئے افراد تنظیم کے سینئر ارکان تھے۔ ڈاکٹر بلیک کی آواز سن کر وہ

یکدم چوکس ہو گئے تھے۔ ڈاکٹر بلیک بات کرتے کرتے چند لمحوں کے رکا تھا اور پھر اس کی بارعب آواز دوبارہ ہال میں گونجنے لگی۔

''ممبرز۔ تمہیں معلوم ہے کہ میری ایجاد کردہ فیوچر مشین ایک انقلابی اور کرشماتی ایجاد ہے۔ یہ ایجاد ایسی ہے جس کی وجہ سے بہت جلد یہ دنیا میری محکوم ہو جائے گی۔ دنیا پر قبضہ کرنے کے لئے ہمیں انہیں حکم نہیں دینا پڑے گا بلکہ وہ خود ہم سے درخواست کریں گے، روئیں گے، گڑگڑائیں گے، چیخیں گے، چلائیں گے۔ اب یہ میری مرضی ہو گی کہ میں ان کے گڑگڑانے، رونے پیٹنے پر توجہ دوں یا نہ دوں۔ مثال کے طور پر اس شخصیت کو لے لو جس کی موت کا منظر تم نے ابھی دیکھا ہے۔ اس عظیم شخصیت کی ڈیٹ آف ڈیتھ اور ٹائم آف ڈیتھ نوٹ کر لیا ہے۔ اب ہم حکومت پاکیشیا کو اس کی موت کی تاریخ اور وقت سے آگاہ کریں گے اور ان سے کہیں گے کہ وہ اگر سرسلطان کو بچا سکتے ہیں تو بچا لیں لیکن اب دنیا کی کوئی بھی طاقت اسے موت سے نہیں بچا سکے گی کیونکہ اس کی موت کا فیصلہ میں نہیں کیا بلکہ کاتب تقدیر نے کیا ہے اور میرا یقین کامل ہے کہ انسان کی موت کا جو وقت متعین ہے۔ انسان نے بہرحال اس وقت پر مرنا ہے''...... ڈاکٹر بلیک نے مسلسل بولتے ہوئے کہا اور پھر سانس لینے کے لئے رکا۔ ہال میں بیٹھے ہوئے افراد خاموش ہی بیٹھے رہے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ ڈاکٹر بلیک کی بات ابھی مکمل نہیں ہوئی۔

''ممبرز۔ میں جن شخصیات کی موت کا اعلان کروں گا۔ ان کے ملک کے دارالحکومت یا کسی اور اہم شہر میں ایٹم بم فٹ کرا دوں گا اور یہ ایٹم بم بھی ڈیتھ فورس فٹ کرے گی اور تم لوگ جانتے ہو کہ ڈیتھ فورس جیتے جاگتے انسانوں پر مشتمل نہیں ہے بلکہ چھوٹے چھوٹے روبوٹس پر مشتمل ہے۔ جنہیں میں ٹائم مشین کے ذریعے منٹوں میں دنیا کے ایک کونے سے دوسرے کونے تک پہنچا سکتا ہوں۔ یہ ڈیتھ فورس میرے حکم کی پابند ہے۔ ہاں۔ تو میں تمہیں بتا رہا تھا کہ میں جن شخصیات کا ڈیتھ ٹائم ڈیکلیئر کروں گا اس کے ملک کے دارالحکومت میں کسی جگہ ٹائم بم بھی فٹ کر دوں گا اور اس ملک کی حکومت کو بتا دوں گا کہ اگر تم نے اپنی شخصیت کو بچا لیا تو ایٹم بم ناکارہ کر دیا جائے گا اور اگر تم اپنی شخصیت کو نہ بچا سکے تو اس شخصیت کے مرنے کے تیس گھنٹے بعد ایٹم بم پھٹ جائے گا اور اس ملک کا دارالحکومت تباہ ہو جائے گا اور یہ تیس گھنٹے بھی انہیں اس لئے دیئے جائیں گے کہ اگر وہ ایٹم بم تلاش کر کے اسے ناکارہ کرنا چاہیں تو کر لیں''...... ڈاکٹر بلیک نے تکبر بھرے لہجے میں کہا اور پھر اس نے طویل قہقہہ لگایا۔

''وہ گڑگڑائیں گے''......تحقیر میں ڈوبے ہوئے قہقہے کے بعد ڈاکٹر بلیک نے دوبارہ بولنا شروع کیا۔

''فریاد کریں گے، آہ وزاری کریں گے، التجائیں کریں گے، اپنے ملک کے کروڑوں افراد کی زندگی کی بھیک مانگیں گے۔ اب

میری مرضی ہو گی کہ میں انہیں بھیک دوں یا نہیں اور سنو ممبرز۔ میں نے تمہیں ہال میں اس لئے بلایا ہے کہ ہمارا مشن مکمل طور پر تیار ہو گیا ہے۔ اب ہم کل سے آپریشن شروع کر رہے ہیں۔ تم میں سے اگر کسی کے ذہن میں کوئی سوال ہو تو تمہیں اجازت ہے تم مجھ سے سوال پوچھ سکتے ہو''...... ڈاکٹر بلیک نے نخوت بھرے لہجے میں کہا۔

''باس۔ اگر کسی ملک نے اپنی شخصیت کو بچا لیا تو''...... ایک آدمی نے اپنی جگہ پر کھڑے ہو کر کہا۔

''تمہارے سر میں دماغ ہے یا بھوسہ بھرا ہوا ہے ایڈیٹ''۔ ڈاکٹر بلیک نے پھنکارتے ہوئے کہا تو وہ آدمی کانپنے لگا۔

''احمق۔ مستقبل میں جو کچھ ہونے والا ہے کیا ہم اسے روک سکتے ہیں۔ یاد رکھو۔ جس طرح ہم ماضی کے حالات ذرہ برابر بھی تبدیل نہیں کر سکتے اسی طرح مستقبل کے حالات کو بھی نہیں ہلا سکتے۔ جو کچھ تقدیر میں لکھا جا چکا ہے وہ ہو کر رہے گا''...... ڈاکٹر بلیک نے غراتے ہوئے کہا۔ پھر اس نے ایک ہنکارہ بھرا اور دوبارہ گویا ہوا۔

''بفرض محال اگر مجھ سے کسی غلطی کی بنا پر میری بتائی گئی شخصیت مرنے سے بچ گئی تو میں جو وعدہ کرتا ہوں اسے پورا بھی کرتا ہوں اور آئندہ بھی ایسا ہی ہو گا۔ بچ جانے والی شخصیت کا ملک تباہی سے بچ جائے گا۔ چاہے اس کے لئے مجھے اپنی جان کی قربانی ہی کیوں نہ دینی پڑے''...... ڈاکٹر بلیک نے پرعزم لہجے میں اعلان

کرتے ہوئے کہا۔

''لیکن باس۔ یہ تنظیم۔ آپ''...... ایک اور آدمی بوکھلا کر بولا۔ اس سے اصل مقصد ہی ادا نہیں ہو سکا۔

''مسٹر لوکارٹ۔ میں تمہارا مقصد سمجھتا ہوں لیکن یاد رکھو اگر ایسا وقت آ گیا تو میں اپنے وعدے کو نبھانا ضروری سمجھوں گا اور یہ بات تم سب اچھی طرح جانتے ہو کہ میں نے اپنے اصولوں پر اپنے بیٹے کو قربان کر دیا تھا اور اب بھی میں اپنے وعدے پر اور اپنے اصولوں پر سب کچھ قربان کر سکتا ہوں۔ خود کو بھی اور اس تنظیم کو بھی''...... ڈاکٹر بلیک نے ٹھوس لہجے میں کہا۔ پھر وہ خاموش ہو گیا۔ چند لمحے خاموش رہنے کے بعد اس نے دوبارہ بولنا شروع کیا۔

''تمہیں یہ یقین رکھنا چاہئے کہ اگر میں اپنی زندگی کو شرط کی بھٹی میں جھونک رہا ہوں تو مجھے اس بات کا سو فیصد یقین ہے کہ اس میں میری زندگی کو کوئی خطرہ نہیں اور کامیابی صرف میری ہو گی''...... ڈاکٹر بلیک کے ان الفاظ نے ہال میں بیٹھے ہوئے افراد کے جسموں میں زندگی کی نئی لہر دوڑا دی۔

''باس۔ ہمیں یقین ہے کہ ہماری تنظیم یہ گریٹ کامیابی حاصل کرے گی اور پوری دنیا ہماری محکوم ہو جائے گی''...... ایک اور آدمی نے کرسی سے اٹھتے ہوئے مؤدبانہ لہجے میں کہا۔

''کسی کے ذہن میں کوئی اور سوال ہو تو وہ پوچھ سکتا ہے''۔ ڈاکٹر بلیک نے پوچھا لیکن سب خاموش رہے۔

''اوکے۔ آج کی میٹنگ برخاست کی جاتی ہے''...... ڈاکٹر بلیک نے کہا تو وہ سب کرسیوں سے اٹھ کھڑے ہوئے اور پھر دروازے کی طرف بڑھے اور ایک ایک کر کے ہال سے باہر نکلتے چلے گئے۔ ڈاکٹر بلیک ایک کمرے میں ریوالونگ چیئر پر بیٹھا تھا۔ اس کے سامنے ٹی وی رکھا ہوا تھا اور اس ٹی وی پر ہال کا منظر دکھائی دے رہا تھا۔ میٹنگ برخاست ہونے کے بعد جب تمام افراد ہال سے نکل گئے تو وہ بھی اپنی جگہ سے اٹھا اور دروازے سے باہر آ گیا۔ باہر ایک لمبی راہداری تھی۔ راہداری کو عبور کرنے کے بعد وہ آخر میں پہنچ گیا جہاں ایک سپاٹ دیوار تھی۔ اس کا ہاتھ جیب میں گیا اور جب ہاتھ باہر آیا تو اس میں ایک عجیب و غریب ریوالور دکھائی دے رہا تھا۔ ڈاکٹر بلیک نے ریوالور کا رخ دیوار کی طرف کر کے بٹن دبا دیا۔ بٹن کے دبتے ہی ریوالور سے سبز رنگ کی شعاع نکلی اور دیوار سے ٹکرائی۔ شعاع دیوار سے جس جگہ ٹکرائی تھی وہاں ایک گول سرخ رنگ کا دھبہ پیدا ہو گیا۔ اس دھبے کو دیکھ کر ڈاکٹر بلیک کی آنکھوں میں حیرت کے تاثرات پیدا ہوئے۔ پھر حیرت کی بجائے اس کی آنکھوں میں غصے کے تاثرات پیدا ہوئے اور غصے کی وجہ سے اس کا چہرہ بھی سرخ ہوتا چلا گیا۔ اس کے منہ سے بھیڑیئے جیسی غراہٹ نکلی اور پھر وہ تیزی سے پلٹا اور بھاگنے کے سے انداز میں چلتا ہوا ایک دروازے کے قریب پہنچ کر رکا۔ اس نے دروازہ کھولا اور پھر کمرے میں داخل ہو گیا۔ کمرے کے ایک

کونے میں ایک اور دروازہ دکھائی دے رہا تھا۔ ڈاکٹر بلیک تیزی سے اس دروازے کی طرف بڑھا۔ اس دروازے کی دوسری جانب سیڑھیاں تھیں جو نیچے جا رہی تھیں۔ ڈاکٹر بلیک نے تیزی سے سیڑھیاں عبور کیں اور تہہ خانے میں پہنچ گیا۔ تہہ خانے میں ایک دیوار پر ایک بہت بڑی سکرین لگی ہوئی تھی اور اس کے سامنے بٹنوں کا ایک جال سا بچھا ہوا تھا۔ ڈاکٹر بلیک نے غصے سے کانپتے ہوئے چند بٹن پریس کر دیئے۔ دیکھتے ہی دیکھتے سکرین آن ہو گئی۔ ڈاکٹر بلیک نے ایک اور بٹن دبایا تو منظر بدلنے لگے اور پھر ایک ایسا منظر نظر آیا جس پر نظر پڑتے ہی ڈاکٹر بلیک کی حالت غصے سے غیر ہونے لگی اور پھر اس کا ہاتھ مختلف بٹنوں پر جا پڑا اور سکرین پر جھپاکے ہونے لگے۔

''آج موت تمہارا مقدر ہے''...... ڈاکٹر بلیک نے چنگھاڑتے ہوئے کہا اور اس کی آنکھوں سے شعلے سے نکلنے لگے۔

کافرستان کا سیکرٹری دفاع جگن ناتھ اپنے آفس میں بیٹھا ایک فائل دیکھ رہا تھا کہ انٹرکام کی گھنٹی بجنے لگی۔

''یس''...... اس نے انٹرکام کا رسیور اٹھا کر کان سے لگایا اور بارعب لہجے میں بولا۔

''سر۔ سپیشل سروس کے چیف اپنے کسی مہمان کے ساتھ تشریف لائے ہیں''...... دوسری طرف سے سیکرٹری نے بتایا۔

''اوکے۔ بھجوا دو انہیں''...... جگن ناتھ نے خشک لہجے میں کہا اور پھر اس نے رسیور کریڈل پر رکھ دیا۔

چند لمحوں بعد اس کے آفس کا دروازہ کھلا اور کافرستانی سپیشل سروس کا چیف ارجن ایک غیر ملکی آدمی کے ساتھ اندر داخل ہوا۔ جگن ناتھ نے غیر ملکی کا جائزہ لیا۔ اس کی آنکھوں میں ذہانت اور سفاکی واضح طور پر دکھائی دے رہی تھی۔ وہ چہرے کے خدو خال سے ہی ایک ظالم انسان دکھائی دے رہا تھا۔

''نمستے مہاراج''...... ارجن نے ٹیبل کے قریب آ کر جگن ناتھ کو پرنام کرتے ہوئے کہا۔ غیر ملکی نے ہاتھ کے اشارے سے سلام کیا اس کے انداز میں تکبر اور نخوت دکھائی دے رہی تھی۔

''نمستے''...... جگن ناتھ نے مصافحے کے بعد ان دونوں سے کہا تو وہ کرسیوں پر بیٹھ گئے۔

''شکریہ سر''...... کرسیوں پر بیٹھنے کے بعد ارجن نے جگن ناتھ سے کہا تو اس نے صرف سر ہلا دیا۔

''سر۔ یہ ڈیتھ ماسٹر ہیں۔ ڈیتھ لائن کے چیف''...... ارجن نے اپنے ساتھ والے کا تعارف کراتے ہوئے کہا۔

''اوہ۔ ڈیتھ لائن۔ ہم نے تو اس کی بہت شہرت سنی ہے''۔ جگن ناتھ نے چونکتے ہوئے کہا۔

''یس سر۔ ڈیتھ لائن جرائم کی دنیا کا ایک انمول نام ہے۔ کسی حکومت کا تختہ الٹنا ہو، کسی عالمی شخصیت کو قتل کرانا ہو، حکومتوں کے راز چرانے ہوں، کوئی چیز ایک ملک سے دوسرے ملک پہنچانی ہو، اسلحہ یا منشیات کی ڈیلنگ کرنی ہو، ڈیتھ لائن ہر کام انتہائی راز داری اور سرعت سے کرتی ہے کہ کسی کو کانوں کان خبر نہیں ہوتی۔ ان کا نام کامیابی کی ضمانت ہے''...... ارجن نے عالمی مجرم تنظیم ڈیتھ لائن کی تعریف کے پل باندھتے ہوئے کہا تو جگن ناتھ نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

''ہاں۔ ہم نے ڈیتھ لائن کے بارے میں ایسا ہی سنا ہے۔

تھینک یو مسٹر ڈیتھ ماسٹر کہ آپ ہماری دعوت پر یہاں آئے"۔ جگن ناتھ نے پہلے ارجن سے اور پھر ڈیتھ ماسٹر سے کہا تو ڈیتھ ماسٹر کے چہرے پر مسکراہٹ آ گئی۔

"آپ کی اس تعریف کا شکریہ جگن ناتھ صاحب۔ آپ یہ بتائیں کہ آپ ہم سے کیا کام لینا چاہتے ہیں"...... ڈیتھ ماسٹر نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ہم نے پاکیشیا سے ایک فائل حاصل کرنی ہے"...... جگن ناتھ نے ڈیتھ ماسٹر کو غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"فائل تو ہم لا دیں گے لیکن یہ بتائیں کہ صرف ایک فائل کے لئے آپ ہماری خدمات کیوں حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ آپ کے پاس دنیا کے بہترین ایجنٹس اور خطرناک ترین ایجنسیاں ہیں"۔ ڈیتھ ماسٹر نے کہا۔

"پاکیشیا کی ایجنسیوں کے افراد رات کے کھانے میں کیا لیتے ہیں۔ صبح کا ناشتہ کس چیز سے کرتے ہیں۔ سگریٹ کون سی پیتے ہیں۔ ہمیں ان کے ایک ایک پل کی رپورٹ ملتی ہے۔ اسی طرح ہمارے سیکرٹ ایجنٹوں کی پل پل کی خبریں انہیں مل جاتی ہیں اور آج کل دونوں طرف سے دوستی، دوستی کا شور مچایا جا رہا ہے۔ اس لئے ہم چاہتے ہیں کہ ہم ایسی لاٹھی استعمال کریں کہ وہ ٹوٹے بھی نہ اور سانپ بھی مر جائے"...... جگن ناتھ نے کہا تو بات ڈیتھ ماسٹر کی سمجھ میں آ گئی اور اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"ہونہہ۔ اب آپ اس فائل کے بارے میں بتائیں"...... ڈیتھ ماسٹر نے کہا۔

"فائل کا نام ہے آئی ٹن۔ یہ پاکیشیا کی ایٹمک انرجی سے متعلق ہے"...... جگن ناتھ نے کہا۔

"اوکے۔ آپ سمجھیں کہ فائل آپ کے پاس پہنچ گئی۔ اب معاوضے کی بات کریں"...... ڈیتھ ماسٹر نے کہا۔

"ہم آپ کو اس کام کا ایک کروڑ ڈالرز دیں گے"...... جگن ناتھ نے ڈیتھ ماسٹر کو معاوضہ بتایا۔

"سوری۔ ڈیتھ لائن اتنے معمولی معاوضے نہیں لیا کرتی۔ آپ کوئی اور تنظیم دیکھ لیں۔ آپ کا کام دو چار لاکھ ڈالرز میں بھی ہو جائے گا"...... ڈیتھ ماسٹر نے خشک لہجے میں کہا اور اس کے ساتھ ہی وہ اٹھنے لگا۔

"آپ بیٹھیں مسٹر ڈیتھ ماسٹر اور بتائیں کہ آپ کیا معاوضہ طلب کرتے ہیں"...... جگن ناتھ نے کہا۔

"دس کروڑ ڈالرز اور اخراجات کی مد میں مزید دو کروڑ ڈالرز اور وہ بھی ایڈوانس اور اگر اخراجات بڑھ گئے تو وہ اخراجات بھی آپ کو ادا کرنے ہوں گے"...... ڈیتھ ماسٹر نے کہا۔

"اتنے اخراجات ہو جائیں گے"...... جگن ناتھ نے حیران ہو کر کہا تو ڈیتھ ماسٹر کے چہرے پر طنزیہ مسکراہٹ آ گئی۔

"شاید آپ کو معلوم نہیں کہ پاکیشیا میں آج کل پیسے کے حصول

کے لئے دوڑ لگی ہوئی ہے۔ ہر بندہ زیادہ سے زیادہ پیسہ سمیٹ لینا چاہتا ہے۔ فائل کے بارے میں معلومات حاصل کرنے اور فائل تک پہنچنے کے لئے ہمیں پیسے کا بے دریغ استعمال کرنا ہوگا اور جو رقم میں نے بتائی ہے وہ بہت معمولی ہے''...... ڈیتھ ماسٹر نے کہا۔

''ہونہہ۔ چلئے اخراجات کے لئے تو یہ رقم مناسب ہے لیکن معاوضہ آپ نے دس کروڑ زیادہ طلب کیا ہے''...... جگن ناتھ چونکہ بنیا تھا اس لئے وہ کم سے کم رقم خرچ کرنا چاہتا تھا۔

''جگن ناتھ۔ اگر مجھے یہ مشن کافرستان میں کرنا ہوتا تو میں اس کا معاوضہ ایک کروڑ ہی لیتا لیکن یہ مشن ہے پاکیشیا میں۔ اور پاکیشیا میں رہتا ہے ایک بھوت، جس کا نام ہے علی عمران۔ اس عمران کے پاکیشیا میں بھوتوں کا ایک پورا ٹولہ موجود ہے جسے پاکیشیا سیکرٹ سروس کہتے ہیں ان کی وجہ سے پاکیشیا میں کوئی مشن آسان نہیں ہوتا''...... ڈیتھ ماسٹر نے طنزیہ لہجے میں کہا۔ اس کی بات سن کر جگن ناتھ اور ارجن دونوں کے چہرے غصے سے سرخ ہو گئے۔ لیکن دونوں ہی برداشت کر گئے کیونکہ انہوں نے ڈیتھ ماسٹر سے کام لینا تھا اور انہیں صدر صاحب سے ہدایت یہی ملی تھی کہ یہ کام کسی غیر ملکی پرائیویٹ تنظیم سے کرایا جائے۔ اگر انہیں یہ ہدایت نہ ملی ہوتی تو ارجن نے تو لازماً ڈیتھ ماسٹر کو اس بات پر جوتے مار کر بھگا دینا تھا۔ اس نے واشگاف لفظوں میں انہیں نااہل قرار دیا تھا اور پاکیشیا سیکرٹ سروس کی تعریف کی تھی۔

''تمہاری یہ سوچ کسی طرح بھی درست نہیں ہے ڈیتھ ماسٹر مجبوری کی وجہ سے ہم یہ کام خود نہیں کر رہے۔ برسوں سے کافرستان اور پاکیشیا میں دشمنی چلی آ رہی ہے اور اس وقت دوستی، دوستی کا کھیل کھیلا جا رہا ہے۔ ہماری معمولی سی کسی غفلت کی وجہ سے یہ کھیل خراب ہو سکتا ہے۔ اس لئے ہم خود اس پر کام نہیں کرنا چاہتے ورنہ پاکیشیا سیکرٹ سروس تو ہمارے قدموں کی مٹی کے برابر بھی نہیں ہے''...... ارجن نے سخت لہجے میں کہا۔

''اوکے۔ آپ کی مجبوریاں ہوں گی۔ ہمیں تو بہرحال اپنے کام سے غرض ہے۔ ہمیں جب ہماری پسند کا معاوضہ مل جاتا ہے تو پھر ہم کام پارٹی کی مرضی کا کرتے ہیں۔ اب آگے آپ کی مرضی ہے کہ آپ ہمیں کام دیں یا نہ دیں''...... ڈیتھ ماسٹر نے اس مرتبہ نرم لہجے کہا۔ اس نے بارہ کروڑ ڈالرز سے زیادہ رقم طلب کی تھی اور اسے یقین تھا کہ اسے یہ رقم مل جائے گی اور وہ اس رقم کو کھونا نہیں چاہتا تھا۔

''اوکے۔ ہم آپ کو بارہ کروڑ ڈالرز دینے کو تیار ہیں۔ نصف رقم ایڈوانس اور باقی رقم کام مکمل ہو جانے کے بعد''...... جگن ناتھ نے بھی نرم لہجے میں کہا۔

''نصف رقم لینا میرے اصول کے خلاف ہے۔ میں تمام رقم پیشگی لیا کرتا ہوں۔ ہاں اگر مزید اخراجات ہو گئے تو پھر فائل آپ کے حوالے کرنے سے پہلے آپ سے وہ رقم لے لوں گا''...... ڈیتھ

ماسٹر نے کہا۔

''اور اگر تم مشن میں ناکام ہو گئے تو پھر ہم کیا کریں گے''۔ جگن ناتھ نے کہا۔

''تم نے ڈیتھ لائن کا نام سنا ہے جگن ناتھ۔ یہ ایسی تنظیم ہے جس کا نام سن کر ایکریمیا، کرانس، گریٹ لینڈ، روسیاہ اور دیگر بڑی طاقتوں کے ایوانوں میں زلزلہ آ جاتا ہے۔ ڈیتھ لائن آج تک اپنے کسی مشن میں ناکام نہیں ہوئی۔ اس کے باوجود تم تسلی رکھو۔ اگر میں اس مشن میں ناکام ہو گیا تو تمہیں دوگنی رقم واپس کروں گا''...... ڈیتھ ماسٹر نے اس مرتبہ سرد لہجے میں کہا۔

''اوکے۔ میں تمہیں بارہ کروڑ ڈالرز کا چیک لکھ دیتا ہوں لیکن ایک بات کا خیال رہے کہ کسی بھی موقع پر کافرستان کا نام سامنے نہیں ہونا چاہئے اور یہ کام نہایت ہی سیکرٹ انداز میں ہونا چاہئے''...... جگن ناتھ نے کہا۔

''ہم پروفیشنل لوگ ہیں۔ اگر ہم اپنے پروفیشن کی ڈیمانڈ کا خیال نہیں رکھیں گے تو اپنے پروفیشن کو کس طرح جاری رکھ سکیں گے''...... ڈیتھ ماسٹر نے خشک لہجے میں کہا تو جگن ناتھ نے مطمئن انداز میں سر ہلا دیا۔ پھر اس نے اپنی میز کی دراز کھولی اور اس میں سے چیک بک نکال لی۔ اس کے بعد اس نے چیک پر اندراجات کئے اور چیک پھاڑ کر ڈیتھ ماسٹر کی طرف بڑھایا۔ ڈیتھ ماسٹر نے چیک لے کر تین چار بار اسے اچھی طرح چیک کیا اور پھر چیک

جیب میں رکھ لیا۔

''ایک ہفتے کے اندر فائل آئی ٹن آپ کے پاس پہنچ جائے گی''...... ڈیتھ ماسٹر نے جگن ناتھ سے کہا۔

''ہمیں آپ کی کارکردگی پر ناز ہو گا''...... جگن ناتھ نے مسکراتے ہوئے لہجے میں کہا۔

''اوکے۔ تھینک یو''...... ڈیتھ ماسٹر نے جگن ناتھ کا شکریہ ادا کیا اور اس کے بعد وہ کھڑا ہو گیا اور مطمئن انداز میں چلتے ہوئے کمرے سے باہر نکلتا چلا گیا۔

سیکورٹی گارڈ نے انتہائی مؤدبانہ انداز میں سلام کیا اور پھر اس نے دروازہ کھول دیا۔ عمران نے بڑے ادب سے اس کے سلام کا جواب دیا پھر اس نے جیب میں ہاتھ ڈال کر چیونگم کا ایک پیکٹ نکالا۔ چیونگم نکال کر اس نے منہ میں ڈالی اور خالی ریپر سیکورٹی گارڈ کے ہاتھ پر رکھا اور پھر ہال میں داخل ہو گیا۔ سیکورٹی گارڈ پھٹی پھٹی آنکھوں سے دیکھنے لگا۔ وہ زیادہ دیر تک حیران بھی نہ رہ سکا کیونکہ کچھ اور لوگ دروازے کی طرف بڑھ رہے تھے اور اسے ان کے لئے دروازہ کھولنا تھا۔

عمران اس وقت اپنے مخصوص ٹیکنی کلر لباس میں تھا اور آج اس نے یہ لباس کافی دنوں بعد زیب تن کیا تھا۔ سیکرٹ سروس کے پاس کوئی کیس نہ تھا اور کتابوں کا مطالعہ کر کے آج وہ بور ہو گیا تھا۔ انٹرنیشنل سائنس میگزین کو وہ دو نئے مضمون لکھ کر بھیج چکا تھا اور اب جبکہ کوئی مصروفیت نہیں تھی تو اس نے ہوٹلنگ کرنے کا فیصلہ کیا اور

اپنا مخصوص لباس پہنا کیونکہ وہ تفریح کے موڈ میں تھا۔ ہوٹلنگ کا فیصلہ کر کے وہ ڈان ہوٹل آ گیا۔ ڈان ہوٹل کا شمار دارالحکومت کے بہترین ہوٹلوں میں ہوتا تھا۔

ہال میں داخل ہونے کے بعد وہ ایک جگہ رک گیا اور آنکھیں مٹکا مٹکا کر ہال کا جائزہ لینے لگا۔ اس وقت اس کے چہرے پر حماقت چھما چھم برس رہی تھی۔ ہال کا مکمل جائزہ لینے کے بعد وہ ایک خالی میز کی طرف بڑھا اور پھر اس نے میز پر ہی بیٹھنے کی کوشش کی لیکن قریب کھڑے ویٹر نے اسے میز پر بیٹھنے سے روکا اور اسے کرسی پر بیٹھنے میں مدد دی۔ کرسی پر بیٹھنے کے بعد وہ اداس بکری کی طرح جگالی کرنے لگا۔ جگالی کرتے کرتے اس نے اپنا ایک ہاتھ میز پر دے مارا۔ فوراً ہی ویٹر اس کے قریب آ گیا۔

''یس سر''...... ویٹر نے مؤدبانہ لہجے میں کہا لیکن عمران اس طرح خاموش بیٹھا رہا جیسے اس نے کچھ سنا ہی نہ ہو۔

''یس سر''...... ویٹر نے اس مرتبہ کچھ بلند آواز میں کہا۔ شاید اس کا خیال تھا کہ یہ نوجوان کچھ اونچا سنتا ہے۔ ویٹر کی تیز آواز سن کر عمران یکدم ہڑبڑا گیا جس کی وجہ سے کرسی کا توازن بگڑ گیا اور عمران کرسی سمیت فرش پر گر گیا۔ اس کے گرنے سے ہال میں اچھی خاصی آواز پیدا ہوئی اور وہاں موجود لوگوں نے اس کی طرف دیکھا جبکہ ویٹر کے چہرے پر پریشانی کے تاثرات پیدا ہوئے اور وہ عمران کو اٹھانے کے لئے جھکا۔

"ہائے ظالم۔ مار دیا۔ کیا اس ہوٹل میں کسٹومار کے ساتھ یہی سلوک ہوتا ہے"...... عمران نے کراہتے ہوئے کہا اور اٹھنے کی کوشش کرنے لگا لیکن اٹھتے اٹھتے وہ ایک بار پھر گر گیا۔ ویٹر کی پریشانی میں اور زیادہ اضافہ ہو گیا۔ پریشان ہونے کے ساتھ ساتھ وہ خجل بھی نظر آنے لگا۔

"سوری سر۔ سوری۔ پلیز معاف کر دیجئے"...... ویٹر نے عمران سے معذرت کرتے ہوئے کہا۔ ساتھ ہی اس نے مضبوطی سے عمران کا باز پکڑا اور اسے اٹھایا۔ عمران ہائے ہائے کرتا ہوا اٹھا اور پھر کرسی پر بیٹھ گیا۔

"ہائے بڑھاپا۔ ہڈیاں درد کر رہی ہیں"...... عمران نے کراہتے ہوئے کہا۔ ویٹر نے حیرت سے عمران کی طرف دیکھا۔

"بڑھاپا"...... ویٹر بڑبڑایا۔ اسے تو یہ بندہ ابھی کالج بوائے دکھائی دے رہا تھا۔ اس کے چہرے پر موجود معصومیت بتا رہی تھی کہ اس نوجوان کو ابھی زمانے کی ہوا ہی نہیں لگی اور یہاں یہ اپنے بڑھاپے کا رونا رو رہا تھا۔

"لازماً اس نوجوان کا دماغ کھسکا ہوا ہے"...... ویٹر نے دل میں سوچا لیکن وہ عمران سے کچھ کہہ نہیں سکتا تھا۔ اسے اپنی سروس میں بہت سے تجربات ہوئے تھے۔ بظاہر غریب اور مفلس نظر آنے والے کروڑ پتی نکلتے تھے اور بعض اوقات بادشاہ دکھائی دینے والے مفلس نکلتے تھے اور یہ ان کی سروس کا حصہ تھا کہ وہ سب سے

احترام سے پیش آئیں۔

"سوری سر۔ میری وجہ سے آپ گرے۔ معاف کر دیجئے"۔ ویٹر نے ایک بار پھر معذرت کرتے ہوئے کہا۔

"اچھا۔ یہ بتاؤ کہ تم نے میرے قریب آ کر مجھے کیوں ڈرایا"۔ عمران نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔

"سر۔ آپ نے مجھے خود طلب کیا تھا"...... ویٹر نے مؤدبانہ لہجے میں کہا۔

"اچھا۔ تم حسین و جمیل لڑکی ہو کہ میں تمہیں طلب کروں گا"۔ عمران نے اسے گھورتے ہوئے کہا تو ویٹر بے چارہ کھسیانا ہو گیا اور پھر اس نے وہاں سے کھسک جانے میں ہی اپنی عافیت جانی۔

عمران کو تنگ کرنے کے لئے ایک اچھا شکار ملا تھا لیکن جب ویٹر بھاگ گیا تو عمران اس طرح ہاتھ ملنے لگا جیسے شکار کے بھاگنے پر شکاری ہاتھ ملتا رہ جاتا ہے۔ وہ چند لمحے تک ہاتھ ملتا اور منہ بناتا رہا پھر پہلے کی طرح جگالی کرنے لگا۔ چیونگم بھی آج اس نے بڑے عرصے بعد استعمال کی تھی۔

"ایکسکوزمی"...... وہ سر جھکا کر جگالی کر رہا تھا کہ اسے ایک مترنم سی آواز سنائی دی۔ وہ ایک بار پھر ہڑبڑا گیا۔ کرسی کا توازن اس بار بھی بگڑا لیکن اس بار وہ گرنے سے محفوظ رہا۔ سنبھلنے کے بعد اس نے سامنے دیکھا۔ سامنے دیکھ کر اس کی آنکھوں میں وہ چمک آ گئی جو کسی نوجوان کی آنکھوں میں لڑکیوں کو دیکھ کر آتی ہے۔ اس

کے سامنے تین خوبصورت اور نوجوان لڑکیاں کھڑی تھیں۔

''کیا ہم آپ کے ساتھ بیٹھنے کا اعزاز حاصل کر سکتی ہیں''۔ ان میں سے ایک لڑکی نے شوخ سے لہجے میں کہا پھر عمران کی طرف سے اجازت ملنے سے پیشتر ہی وہ تینوں خالی کرسیوں پر بیٹھ گئیں۔

''کمال ہے آپ میرا نام تک جانتی ہیں لیکن مجھے لگتا ہے کہ میں نے کبھی آپ کو دیکھا ہی نہیں''...... عمران نے طوطے کی طرح آنکھیں مٹکا مٹکا کر انہیں دیکھتے ہوئے کہا۔

''ہم آپ کا نام جانتی ہیں؟۔ کیا نام ہے آپ کا''...... دوسری لڑکی نے حیرت بھرے لہجے میں کہا۔

''ابھی انہوں نے محبت بھرے انداز میں اپنی سریلی آواز میں میرا نام لیا ہے۔ اعزاز''...... عمران نے شرماتے ہوئے کہا۔

''اوہ۔ یس یس''...... لڑکی نے کہا اور پھر اس نے مسکرا کر دوسری لڑکیوں کی طرف دیکھا۔ یہ تینوں لڑکیاں عمران کی قریبی ٹیبل پر بیٹھی ہوئی تھیں۔ عمران کا چہرہ، عمران کا لباس اور ویٹر کے ساتھ باتیں سن کر وہ عمران کی ٹیبل پر آ گئی تھیں۔ ان کے ہاتھ مفت کی تفریح آ رہی تھی۔

''ہاں۔ واقعی آپ ہمیں بھول چکے ہیں۔ خیر بھول گئے ہیں تو ہم اپنا تعارف دوبارہ کرا دیتی ہیں۔ میرا نام نشاء ہے۔ یہ زارا ہے اور یہ انجلینا ہے۔ ہم مقامی یونیورسٹی میں پڑھتی ہیں۔ انجلینا غیر ملکی ہے۔ یونیورسٹی ہاسٹل میں رہتی ہے اور یونیورسٹی کی ہونہار طالبہ

ہے۔ چونکہ اسے یہاں رہتے ہوئے دو سال ہو گئے ہیں اس لئے یہ ہماری زبان بھی بول لیتی ہے''...... ایک لڑکی نے تعارف کراتے ہوئے کہا۔

''بس بڑھاپے کی وجہ سے میں تمہیں بھول گیا۔ تم سے میری ملاقات ضرور ہوئی ہو گی''...... عمران نے کہا۔

''ایسا نہ کہیں اعزاز صاحب۔ ہم تو یونیورسٹی کی طالبہ ہیں لیکن آپ تو کالج بوائے لگتے ہیں۔ اچھا ان باتوں کو چھوڑیں اور یہ بتائیں کہ آپ کیا پینا پسند کریں گے''...... زارا نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''دودھ۔ نہیں نہیں سوڈا واٹر ٹھیک رہے گا۔ اوکے۔ سوڈا واٹر منگوا لیں''...... عمران نے کہا۔

''جی۔ سوڈا واٹر''...... زارا نے حیرت بھرے لہجے میں کہا پھر حیرت کی جگہ اس کے چہرے پر مسکراہٹ آ گئی۔

''لگتا ہے آپ اس صدی سے تعلق نہیں رکھتے''...... زارا نے مسکراتے ہوئے کہا تو عمران آنکھیں گھما گھما کر دیکھنے لگا جیسے اسے ان لڑکیوں کے مسکرانے کی وجہ سمجھ نہ آ رہی ہو۔

''اچھا اعزاز صاحب۔ یہ بتائیے کہ آپ کس کالج میں پڑھتے ہیں''...... اس مرتبہ انجلینا نے پوچھا۔

''میں پڑھتا نہیں ہوں محترمات۔ میں پڑھاتا ہوں۔ کنگ آرٹس کالج میں''...... عمران نے کہا تو لڑکیوں نے اسے اس انداز میں

دیکھا جیسے انہیں عمران کی بات پر یقین نہ آیا ہو۔

"نہیں۔ہم یہ بات نہیں مان سکتیں"...... نشاء نے انکار کی صورت میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔

"اب میں تمہیں کیسے یقین دلا سکتا ہوں"...... عمران نے بے چارگی سے کہا اور ایک بار پھر جگالی کرنے لگا۔

"اچھا۔ آپ کون سا سبجیکٹ پڑھاتے ہیں کنگ آرٹس کالج میں"...... زارا نے پوچھا۔

"پامسٹری"...... عمران نے جواب دیا تو تینوں لڑکیوں نے چونک کر عمران کو دیکھا۔

"ہائیں۔ آپ پامسٹ ہیں"...... نشاء نے یقین نہ آنے والے انداز میں کہا۔ باقی دونوں بھی حیران تھیں۔

"ہاں۔ میرا مکمل نام پروفیسر اعزاز جنگ آزادی ہے"۔ عمران نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ عمران کا مکمل نام سن کر تینوں لڑکیوں کے چہروں پر مسکراہٹ آ گئی۔

"جی۔ تو پروفیسر جنگ آزادی صاحب۔ آپ نے کتنی جنگیں لڑی ہیں اور کتنے اعزاز حاصل کیے ہیں"...... زارا نے پوچھا۔

"آپ۔ آپ"...... عمران کا لہجہ رندھ گیا اور اس کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو گرنے لگے۔

"آپ بھی دوسروں کی طرح میرا مذاق اڑا رہی ہیں"۔ عمران نے ہچکیاں بھرتے ہوئے کہا تو تینوں لڑکیاں گھبرا گئیں۔ وہ ایک

ہوٹل کے ہال میں بیٹھی ہوئی تھیں اور عمران کے رونے پر وہ تماشہ بن سکتی تھیں۔ بہت ہی عجیب نوجوان سے ان کا واسطہ پڑ گیا تھا۔ عمران کا رونا بڑھ گیا تھا اور وہ سوچ رہی تھیں کہ اسے کیسے ہینڈل کیا جائے جبکہ عمران کا رونا لحہ بہ لحہ تیز ہوتا جا رہا تھا۔

"ارے۔ کتنا پیارا نام ہے اعزاز جنگ آزادی"...... انجلینا نے عمران کو بہلانے کی خاطر کہا۔

"ہاں۔ جس طرح نام پیارا ہے۔ اس طرح پروفیسر صاحب بھی بہت پیارے اور کیوٹ ہیں"...... نشاء نے کہا۔ اب عمران کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آ گئی پھر عمران چونک پڑا۔ ایک باوردی ڈرائیور ان کی میز کی طرف آ رہا تھا عمران اس ڈرائیور کو جانتا تھا۔ یہ ڈرائیور مشتاق احمد کا سرکاری ڈرائیور تھا اور مشتاق احمد سائنس ڈیپارٹمنٹ میں آفس سپرنٹنڈنٹ تھے۔ میز کے قریب آ کر ڈرائیور نے سلام کیا اور نشاء سے مخاطب ہوا۔

"مس۔ کار پہنچ چکی ہے"...... اس کا لہجہ نہایت ہی مؤدبانہ تھا۔

"او کے۔ تم باہر رکو۔ ہم آتی ہیں"...... نشاء نے کہا تو ڈرائیور مڑا اور پھر وہاں سے چلا گیا جبکہ نشاء نے ویٹر کو بلایا۔

"چار پیگ وہسکی لے آؤ"...... نشاء نے ویٹر کو آرڈر دیتے ہوئے کہا۔

"ارے نہیں نہیں۔ اماں بی کو پتہ چل گیا کہ میں نے وہسکی پی ہے تو وہ اپنی جوتی سے میرا سر گنجا کر دیں گی"...... عمران نے یکدم

ہی بوکھلائے ہوئے لہجے میں کہا تو وہ تینوں لڑکیاں ایک بار پھر حیران ہو گئیں جبکہ ویٹر بھی رک گیا۔

''اوکے۔ چار کولڈ ڈرنکس لے آؤ''...... چند لمحے حیران رہنے کے بعد نشاء نے آرڈر تبدیل کرتے ہوئے کہا۔

''نہیں۔ چائے''...... عمران نے کہا۔

''جی بہت بہتر''...... ویٹر نے مؤدبانہ لہجے میں کہا اور پھر وہ واپس چلا گیا۔

''جی۔ پروفیسر جنگ آزادی صاحب۔ آپ بتا رہے تھے کہ آپ پامسٹ ہیں''...... زارا نے کہا۔

''مارچ پاسٹ۔ یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں مس زارا''...... عمران نے حیرت بھری آواز میں کہا۔

''جنگ آزادی ہونے کی وجہ سے مارچ پاسٹ یاد آ رہا ہے''۔ نشاء نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

''شکر ہے کہ تم یاد نہیں آ رہی ہو۔ ورنہ تو میرا اللہ حافظ تھا''۔ عمران نے چھت کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''وہاٹ''...... نشاء نے غصیلے لہجے میں کہا۔

''نشاء صاحبہ تو بہت غصے میں ہیں۔ کیا یہ اپنے شوہر سے لڑ کر آئی ہیں''...... عمران نے زارا اور انجلینا سے کہا۔

''کیا۔ میرا شوہر۔ وہ''...... نشاء یکدم بوکھلا کر بولی لیکن پھر فوراً ہی خاموش ہو گئی لیکن اس کی بوکھلاہٹ سے عمران کو اندازہ ہو گیا

کہ دال میں کچھ کالا ضرور ہے۔

''تم دنیا بھر سے چھپا سکتی ہو لیکن مجھ سے نہیں۔ میں تو ماتھا دیکھ کر ہی جان لیتا ہوں۔ آخر میرا نام پروفیسر اعزاز جنگ آزادی ہے اور میں پامسٹری کا پروفیسر ہوں''...... عمران نے فخریہ لہجے میں کہا۔

''اوہ۔ نشاء۔ تم نے خفیہ شادی کی ہوئی ہے۔ ہمیں بھی نہیں بتایا''...... زارا نے حیرت بھرے لہجے میں کہا۔

''وہ۔ وہ۔ دراصل''...... نشاء بری طرح بوکھلا چکی تھی۔ وہ کچھ کہہ ہی نہ سکی۔ عمران نے تو ویسے ہی مذاق میں ایک بات کہہ دی تھی اور اس کی وہ بات سچ ثابت ہو گئی تھی۔

''لیکن نشاء۔ تمہیں خفیہ شادی کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ تمہارے والدین تو کافی آزاد خیال ہیں''...... انجلینا نے بھی حیرت بھرے انداز میں کہا۔

''نہیں۔ میری شادی کی معاملے میں وہ آزاد خیال نہیں ہیں۔ اسی لئے مجھے مجبوراً یہ قدم اٹھانا پڑا''...... نشاء نے دھیمی آواز میں اور سر جھکاتے ہوئے کہا۔

''چلیئے پروفیسر صاحب۔ اب آپ میرے بارے میں بھی کچھ بتائیے''...... انجلینا نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''دکھائیے اپنا ہاتھ''...... عمران نے کہا اور پھر اس نے انجلینا کا ہاتھ پکڑ لیا۔ جیسے ہی عمران نے انجلینا کا ہاتھ پکڑا عمران کی کلائی

پر بندھی ہوئی گھڑی میں ایک سبز نقطہ روشن ہو گیا۔ جسے صرف عمران ہی دیکھ سکا۔ عمران انجلینا کو دیکھ کر اس کی قومیت کے بارے میں جان چکا تھا۔ اس لئے اس نے اس قومیت کی مخصوص عادات و اطوار اور خفیہ خصوصیات کو مدنظر رکھتے ہوئے چند باتیں بتائیں تو انجلینا حیران ہو گئی۔

''واؤ۔ پروفیسر اعزاز جنگ آزادی۔ آپ تو گریٹ پامسٹ ہیں''...... انجلینا نے کہا۔ وہ عمران سے بہت متاثر ہو گئی تھی۔

''لیکن لوگ مجھے گریٹ کیا بوتلوں کا کریٹ بھی نہیں سمجھتے''۔ عمران نے یکدم ہی دکھی ہوتے ہوئے کہا۔

''اوہ۔ اوہ۔ وہ کیوں''...... انجلینا نے عمران کو دکھی ہوتے دیکھا تو فوراً جذبات میں آ کر بولی۔

''اگر لوگ مجھے گریٹ سمجھتے تو میری اب تک شادی نہ ہو چکی ہوتی''...... عمران نے حسرت بھرے لہجے میں کہا۔

''آپ اداس نہ ہوں پروفیسر۔ آپ کی شادی ضرور ہو گی اور جس لڑکی سے آپ کی شادی ہو گی وہ بہت ہی خوش قسمت ہو گی۔ رئیلی یو آر ویری گریٹ''...... انجلینا نے بدستور جذباتی لہجے میں کہا۔

''تھینک یو۔ کیا وہ خوش قسمت لڑکی آپ بننا پسند کریں گی''۔ عمران نے پر امید نظروں سے انجلینا کو دیکھتے ہوئے کہا۔ انجلینا اس کی بات سن کر یکدم خاموش ہو گئی۔ نشاء اور زارا نے حیرت سے پہلے عمران کو اور پھر انجلینا کو دیکھا اور پھر وہ سوچنے لگیں کہ انجلینا

نجانے عمران کو کیا جواب دیتی ہے۔

''یس پروفیسر اعزاز۔ میں آپ سے شادی کرنے کے لئے تیار ہوں''...... کچھ دیر کی خاموشی کے بعد انجلینا نے کہا تو عمران خوشی سے اچھل پڑا۔ اس طرح اچھلنے کی وجہ سے اس کا توازن بگڑا اور وہ کرسی سمیت نیچے گر گیا۔ گرنے سے بچنے کے لئے اس نے انجلینا کی کرسی کو پکڑنا چاہا۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ انجلینا بھی کرسی سمیت نیچے آ گری۔ صرف ایک دو سیکنڈوں میں ہی عمران نے انجلینا کا ہینڈ بیگ کھولا اور اس میں موجود چیزوں کو ٹٹولا اور اس کی لپ اسٹک عمران کی جیب میں منتقل ہو گئی۔ ان دونوں کو گرتے دیکھ کر دو تین ویٹر ان کی طرف دوڑے تاکہ اٹھنے میں ان کی مدد کریں۔ نشاء اور زارا بھی اپنی کرسیوں سے اٹھ کھڑی ہوئی تھیں اور ان کے چہروں پر خجالت سی ابھر آئی تھی۔ ایک ویٹر عمران کو اور دوسرا انجلینا کو اٹھانے لگا۔

''خبردار۔ خبردار۔ ہماری ہونے والی وائف کو ہاتھ نہ لگانا۔ اب یہ ہماری عزت ہے اور ہم برداشت نہیں کر سکتے کہ کسی غیر مرد کے ہاتھ ہماری عزت کی طرف بڑھیں''...... عمران نے اس ویٹر کو ڈانٹتے ہوئے کہا جو انجلینا کو اٹھنے میں مدد دے رہا تھا۔ عمران کی بات سن کر وہ بے چارہ اچانک رک گیا اور اس کے چہرے پر شرمساری کے تاثرات آ گئے۔

''بھئی لڑکیو۔ تم اپنی فرینڈ اور ہماری ہونے والی بیوی کو

اٹھاؤ"...... عمران نے نشاء اور زارا سے کہا لیکن اس کی نوبت نہیں آئی تھی کیونکہ اس دوران انجلینا خود ہی اٹھ کر کھڑی ہوگئی۔

"ہائے لڑکیو۔ مجھے تو اٹھاؤ۔ ہائے یہ بڑھاپا"...... اس مرتبہ عمران نے کراہتے ہوئے کہا تو تینوں لڑکیوں نے اس کی طرف ہاتھ بڑھانے چاہئے لیکن وہ کرسیوں کا سہارہ لے کر خود ہی کھڑا ہو گیا اور پھر کراہتا ہوا وہ کرسی پر بیٹھ گیا۔

"اوکے پروفیسر صاحب۔ ہمیں اجازت دیجئے۔ پھر ملاقات ہو گی"...... نشاء نے عمران سے کہا۔ وہ اب عمران کے ساتھ بیٹھے ہوئے شرمندگی محسوس کر رہی تھی اس لئے اس نے اب اٹھ جانا ہی بہتر سمجھا۔

"ہاں۔ میں درد کی دوا دیکھتا ہوں۔ تم ذرا چائے منگوا لو۔ پھر چلی جانا"...... عمران نے کہا اور پھر اس نے جیب میں ہاتھ ڈالا۔

"ہاں ہاں۔ نشاء۔ ابھی تم بیٹھو۔ ابھی تو میرے اور پروفیسر صاحب کے درمیان شادی کے معاملات طے ہونے ہیں"۔ انجلینا نے کہا تو نشاء نے زبردستی مسکرانے کی کوشش کی۔ عمران نے اس دوران جیب میں رکھے سیل فون کا بٹن پریس کر دیا اور پھر جیب سے پین کلر ٹیبلٹ نکال لی۔

"انجلینا غیر ملکی لڑکی ہے اور ٹھیک کہہ رہی ہے کہ ابھی ہمارے درمیان شادی کے معاملات طے پانے باقی ہیں۔ اب ہم ڈان ہوٹل میں بیٹھے ہیں یہیں شادی تو نہیں کر سکتے نا"...... عمران نے

انجلینا کو محبت بھری نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"ہاں ہاں نشاء۔ بہتر ہے کہ یہ شادی کے معاملات طے کر لیں۔ ہمارے لئے یہ خوشی کی بات ہے کہ انجلینا کسی پاکیشیائی نوجوان سے شادی کر لے اور پھر پروفیسر اعزاز جنگ آزادی جیسا بھولا نوجوان انجلینا کو پوری دنیا میں نہیں ملے گا"...... زارا نے کہا تو نشاء کے چہرے پر ایک بار پھر مسکراہٹ آ گئی۔ اسی دوران ویٹر نے انہیں چائے سرو کر دی۔ وہ چائے پی رہے تھے کہ عمران نے خاور کو ہال میں داخل ہوتے دیکھا۔ ہال میں داخل ہونے کے بعد وہ ایک میز کی طرف بڑھ گیا تھا۔

"انجلینا۔ اگر تم اجازت دو تو میں کل اپنے بزرگوں سمیت تمہارے ہاسٹل آ جاؤں۔ میرے بزرگ تمہارے رشتے کے لئے ہاسٹل وارڈن کے سامنے اپنا دامن پھیلائیں گے"...... عمران نے انجلینا سے کہا۔

"رشتے کے لئے ہاسٹل وارڈن کے سامنے دامن پھیلائیں گے۔ میں سمجھی نہیں"...... انجلینا نے حیران ہو کر کہا۔

"اعزاز صاحب۔ آپ اور آپ کے بزرگوں کو ہاسٹل وارڈن کی ضرورت نہیں ہے۔ انجلینا خود مختار ہے۔ بس آپ اپنے بزرگوں کو تیار کریں اس کے بعد نکاح کی تاریخ مقرر کریں اور ہمیں فون کر دیں۔ ہم انجلینا کو تیار کر کے آپ کے بتائے ہوئے میرج کلب میں پہنچ جائیں گے"...... زارا نے کہا۔

"اچھا۔ شادی کرنا اتنا آسان ہے۔ میں ایسے ہی پریشان ہو رہا تھا"...... عمران نے خوش ہوتے ہوئے کہا۔

"جی ہاں۔ ہمارے ملک کو چھوڑ کر باقی تمام ممالک میں شادی کرنا بہت آسان ہے۔ میرا سیل نمبر نوٹ کر لیں اور جب آپ کی طرف سے تیاری مکمل ہو جائے تو ہمیں فون کر لیں"...... زارا نے کہا اور ساتھ ہی اس نے اپنا سیل نمبر بھی بتا دیا۔ نشاء کی نسبت وہ زیادہ اس رشتے پر خوش نظر آ رہی تھی۔

"مجھے پھر اجازت دو۔ مجھے تو شادی کی تیاری کے لئے کئی دن لگ سکتے ہیں"...... عمران نے کہا اور پھر وہ کرسی سے اٹھ کھڑا ہوا۔ اس نے محبت بھرے انداز میں انجلینا کو دیکھا لیکن اگلے ہی لمحے اس نے شرما کر اپنا ہاتھ اپنے منہ پر رکھ لیا اور پھر شرمائے شرمائے انداز میں گیٹ کی طرف بڑھا۔ اس کے اس انداز پر تینوں لڑکیاں کھلکھلا کر ہنس پڑیں۔

عمران ہال سے باہر آ کر پارکنگ کی طرف بڑھا اور پھر تھوڑی دیر بعد اس کی کار مین روڈ پر تھی۔ مین روڈ پر آتے ہی اس نے جیب میں ہاتھ ڈال کر انجلینا کی لپ اسٹک نکالی اور اس کا معائنہ کرنے لگا۔ اچانک ہی لپ اسٹک سے ٹوں ٹوں کی آواز نکلنے لگی۔ یہ ٹرانسمیٹر کی مخصوص آواز تھی اور اس آواز کو سن کر عمران کے چہرے پر مسکراہٹ آ گئی۔ عمران نے لپ اسٹک کو ایک جگہ سے دبایا تو ٹوں ٹوں کی آواز بند ہو گئی۔

"عمران۔ تم نے مجھ سے ٹکرا کر زندگی کی بھیانک ترین غلطی کی ہے۔ اوور"...... دوسری طرف سے ایک کرخت آواز سنائی دی۔

"بھائی جی تم کون ہو۔ میں تو یہ لپ اسٹک اپنی ہونے والی بیوی کے پرس سے لایا ہوں تاکہ سہاگ رات کو اس جیسی لپ اسٹک کا بنڈل اسے گفٹ دے سکوں لیکن اگر لپ اسٹک کو ہونٹوں سے لگانا بھیانک ترین غلطی ہے تو میں اسے ضائع کر دیتا ہوں۔ تم ناراض کیوں ہوتے ہو۔ اوور"...... عمران نے بدحواس ہو کر کہا۔

"لپ اسٹک کے ضائع ہوتے ہی تمہاری سانسیں بھی ضائع ہو جائیں گی مسٹر علی عمران اور لپ اسٹک تم کیوں ضائع کرو گے میں خود اسے ضائع کر رہا ہوں۔ اوور اینڈ آل"...... دوسری طرف سے بدستور کرخت لہجے میں کہا گیا اور اس کے ساتھ ہی لپ اسٹک ہلکی سی گرم ہوئی اور پھر ایک ہلکے سے دھماکے سے پھٹ گئی۔ لپ اسٹک کے پھٹتے ہی کار میں دھواں پھیل گیا اور عمران کی آنکھوں میں اندھیرا سا پھیلنے لگا۔ اس کے ساتھ ہی عمران پر کھانسی کا بھی دورہ پڑ گیا اس کا سر بری طرح چکرانے لگا۔ پھر اچانک ہی اس کے سامنے ایک ہیوی ٹرک نمودار ہوا۔ عمران پر کھانسی کا دورہ پڑا ہوا تھا اور اس کی آنکھوں میں دھند سی چھائی ہوئی تھی اس کے باوجود اس نے بچنے کی لاشعوری کوشش کی لیکن اس کی کوشش بار آور ثابت نہ ہوئی۔ ایک زور دار دھماکا ہوا اور کار ٹرک سے ٹکرا کر دور تک اڑتی چلی گئی۔

پوری دنیا میں آج کل ایک جوش پایا جاتا تھا۔ پوری دنیا کے امن پسند لوگ سرلوکارٹ کے ہمنوا تھے جنہوں نے امن اور دوستی کا نعرہ لگایا تھا۔ مختلف ممالک کے دورے کئے تھے اور تمام بڑی طاقتوں کو امن کے لئے کام کرنے پر قائل کیا تھا۔ اقوام متحدہ نے سرلوکارٹ کی کاوشوں کو سراہا تھا۔

آج سرلوکارٹ اقوام متحدہ کے پلیٹ فارم سے دنیا بھر کے افراد سے خطاب کرنے والے تھے۔ دنیا بھر کا الیکٹرانک میڈیا ان کے اس خطاب کو براہ راست ٹیلی کاسٹ کر رہا تھا۔ ان کے خطاب سے پہلے دنیا بھر کے اربوں انسان اپنے کام کاج چھوڑ کر ٹی وی سیٹوں کے سامنے بیٹھ گئے تھے۔ وہ سمجھتے تھے کہ ان کے کام کاج سے زیادہ اہم امن ہے۔ اگر دنیا میں امن اور سکون ہو گا تو کام کاج بہتر ہو گا لیکن اگر دنیا میں امن سلامتی نہیں ہو گی تو کاروبار ٹھپ ہو جائیں گے۔ سرلوکارٹ کی کاوشوں اور کارنامے کی وجہ

سے دنیا بھر کے اربوں انسان ان کے مداح بن چکے تھے اور وہ ایک عالمی ہیرو کا درجہ حاصل کر چکے تھے۔ اب لوگ اپنے اس ہیرو کی تقریر سننے کے لئے بے چین تھے۔ پھر لوگوں کے انتظار کی گھڑیاں ختم ہوئیں۔ امن ٹی وی چینل کی خوبصورت اناؤنسر کا مسکراتا ہوا چہرہ دکھائی دیا۔ امن ٹی وی کی یہ نشریات دنیا کے تمام ٹی وی چینل دکھا رہے تھے۔ اناؤنسر نے اعلان کیا۔

''عالمی امن کانفرنس کے سربراہ سرلوکارٹ دنیا بھر کے امن پسند لوگوں سے خطاب کرنے والے ہیں''...... ٹی وی اناؤنسر نے مسکراتے ہوئے کہا اور پھر وہ سکرین سے غائب ہو گئی اور اس کی جگہ سرلوکارٹ دکھائی دینے لگے ان کی شخصیت اتنی باوقار اور سحر انگیز تھی کہ انہیں دیکھنے والے ان سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔

''عزیز دوستو۔ آپ جانتے ہیں کہ جنگوں نے ہمیشہ انسانیت کو نقصان پہنچایا۔ جنگوں سے انسان کو سوائے تباہی و بربادی کے کچھ نہیں ملتا جبکہ امن انسان کو ترقی کی معراج پر پہنچا دیتا ہے۔ صحت، تندرستی امن ہی کی مرہون منت ہے''...... سرلوکارٹ کا خطاب شروع ہوا۔ ان کی آواز بھی دلوں کو مسخر کر لینے والی تھی۔ جو شخص بھی ان کی باتوں کو سن رہا تھا اس کے دل پر اثر ہو رہا تھا۔ ان کا خطاب ابھی جاری تھا کہ سکرین پر ایک جھماکا سا ہوا اور پھر سکرین پر بجلیاں سی کوندنے لگیں۔ چند لمحوں بعد منظر صاف ہوا تو سکرین سے سرلوکارٹ غائب تھے اور ان کی جگہ ایک کھوپڑی دکھائی دنے

رہی تھی۔ جس کے دائیں بائیں خون میں ڈوبی ہوئی دو ہڈیاں بھی موجود تھیں۔ لوگ اس صورت حال کے لئے قطعاً تیار نہیں تھے۔ اس لئے دنیا بھر کے لوگ ششدر رہ گئے۔ ٹی وی سکرین پر کھوپڑی اور ہڈیاں دیکھ کر کچھ لوگ تو خوفزدہ بھی ہو گئے۔ انہیں آنے والے خطرے کی بو محسوس ہو گئی۔ پھر اس سے پہلے کہ یہ لوگ حیرت کے حصار سے باہر نکلتے اور اس واقعے پر تبصرے شروع ہوتے ٹی وی پر ایک بھیانک اور خونخوار آواز سنائی دی۔

''اس دنیا کے باسیو۔ ڈاکٹر بلیک تم سے مخاطب ہے۔ سنو اور غور سے سنو کہ میں نے ایک ایسی طاقت حاصل کر لی ہے جس سے میں اس دنیا پر قیامت برپا کر دوں گا لیکن اس مین بھی میری کچھ شرائط ہوں گی کیونکہ میں بھی امن کا اتنا ہی قائل ہوں جتنا سرلوکارٹ ہے۔ بہرحال میں تمہیں آگاہ کرنا چاہتا ہوں کہ میں نے فی الحال چند ملکوں کے عظیم رہنماؤں کی موت کا وقت فکس کیا ہے اور میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ جو وقت میں کسی رہنما کی موت کا بتا رہا ہوں اسے اسی وقت پر موت ضرور آئے گی۔ کوئی اپنی اس شخصیت کو بچانا چاہے تو میری طرف سے کوئی رکاوٹ نہیں ڈالی جائے گی۔ ہاں اگر میرے بتائے ہوئے وقت کے مطابق کسی رہنما کو موت نہ آئی تو میں وعدہ کرتا ہوں کہ میں اپنی تنظیم ریڈ نائٹ کا خاتمہ کر دوں گا اور خود کو اس ملک کے حوالے کر دوں گا جس ملک نے اپنی شخصیت کو بچا لیا ہو گا۔ میں اس ملک کا وفادار بن جاؤں

گا۔ میرا ہر لمحہ، ہر ساعت اور ہر گھڑی اس ملک کی عظمت کے چراغ جلانے میں صرف ہو گا۔ میں اپنی سائنسی قابلیت سے اس ملک کو ترقی کے عروج پر پہنچا دوں گا اور اگر وہ ملک مجھے پھانسی پر چڑھانا چاہئے گا تو میں ہنسی خوشی موت کو گلے لگا لوں گا اور اگر کوئی ملک میری ٹارگٹ کردہ شخصیت کو مرنے سے نہیں بچا سکے گا تو میں اس ملک کے کسی بھی اہم شہر یا دارالحکومت کو ایٹم بم سے اڑا دوں گا۔ ہاں ایٹم بم کو تلاش کرنے اور ناکارہ کرنے کے لئے بھی اس ملک کو تیس گھنٹے کا وقت دوں گا۔ لوگو۔ مجھے تو یقین ہے تم بھی یقین کر لو کہ میرے چیلنج کا کوئی توڑ نہیں ہے۔ دریا الٹا چل سکتا ہے، سورج مشرق کی بجائے مغرب سے طلوع ہو سکتا ہے لیکن میرے بتائے آدمی کو موت سے کوئی نہیں بچا سکتا۔ اب میں ان لوگوں کے نام بتا رہا ہوں جو جام اجل پینے کے لئے تیار ہیں۔

نمبر ایک۔ جنرل ڈی سوزا آف ایکریمیا۔ آج سے ٹھیک تین دن بعد شام سات بجے اور ایکریمیا کی ریاست فلوایا۔

نمبر دو۔ راکو موتو۔ وزیراعظم آف باچان۔ جنرل ڈی سوزا سے تین دن بعد صبح نو بج کر ایک منٹ۔ شہر ناکیو۔

نمبر تین۔ راگا چیف۔ سابق صدر آف روسیاہ۔ آٹھ مارچ رات گیارہ بج کر پچاس منٹ پر۔ ریاست جانئہ

نمبر چار۔ سرسلطان آف پاکیشیا فارن سیکرٹری۔ پندرہ مارچ رات گیارہ بج کر بیس منٹ پر۔ دارالحکومت۔

نمبر پانچ۔ ژالی کانت۔ سابق چانسلر آف کرانس یونیورسٹی کرانس۔ سولہ مارچ چھ بج کر تین منٹ۔ دارالحکومت۔

نمبر چھ۔ جنرل شکتی رام آف کافرستان۔ اٹھارہ مارچ دن ایک بج کر دس منٹ۔ دارالحکومت۔

ان کے علاوہ دوسرے سربراہ میرے دوسرے اعلان کا بے چینی سے انتظار کریں۔ میں ناانصافی کسی کے ساتھ بھی نہیں کروں گا۔ دنیا کے تمام ممالک کے ساتھ یکساں سلوک کروں گا لیکن میں نے گروپ بنا دیئے ہیں۔ پہلے گروپ میں یہ ملک آتے ہیں۔ اوکے ڈیئرز۔ تم سے دوسری ملاقات ان ملکوں کی تباہی کے بعد ہو گی''۔ کرخت اور خونخوار آواز یکدم خاموش ہو گئی۔ آواز بند ہوئی تو ایسے محسوس ہوا جیسے ساری دنیا سکوت میں ڈوبی ہوئی ہو۔

''پیارے بدنصیب لوگو۔ اب گورنمنٹ آف ایکریمیا کا فرض ہے کہ وہ اپنے ایک جنرل کو بچا لے تاکہ اس کے کروڑوں افراد بھی موت سے بچ سکیں۔ میں نے ایکریمیا میں نصب ایٹم بم کا بٹن بھی دبا دیا ہے۔ ایٹم بم کی گھڑی حرکت میں آ گئی ہے۔ ہاں میرا وعدہ ہے کہ اگر ایکریمی حکومت نے اپنے جنرل کو بچا لیا تو میں ایکریمیا کا وفادار بن جاؤں گا اور ایکریمیا کی ریاست فلوایا بھی تباہی سے بچ جائے گی۔ ریاست فلوایا میں ایک کروڑ انسان بستے ہیں۔ گورنمنٹ آف ایکریمیا کو چاہیے کہ وہ اپنے ان ایک کروڑ افراد کو بچانے کے انتظامات کرے۔ اوکے۔ بائے بائے''...... اس

کے بعد کھوپڑی اور ہڈیاں سکرین سے غائب ہو گئیں۔ ٹی وی سکرین پر ایک بار پھر جھماکے ہونے لگے۔ کچھ دیر بعد سکرین کلیئر ہوئی اور اناؤنسر دکھائی دی جو کافی بدحواس دکھائی دے رہی تھی۔

''لیڈیز اینڈ جینٹس۔ نامعلوم طریقے سے ہمارا نشریاتی نظام روک دیا گیا تھا۔ اب ہمارا نظام بحال ہوا ہے تو آپ سرلوکارٹ کی باقی ماندہ تقریر سنیں''...... اناؤنسر یہ کہہ کر خاموش ہو گئی اور اگلے لمحے سرلوکارٹ دکھائی دیئے۔

''ڈیئر سسٹرز اینڈ برادرز۔ ہم قیام امن کے لئے کوشاں ہیں اور رہیں گے۔ اس کے لئے ہمیں دنیا بھر کے لوگوں کی حمایت حاصل ہے۔ اب اس موضوع پر ہم بعد میں گفتگو کریں گے۔ پہلے اس نئی آفت سے مقابلہ ضروری ہے جس کی لپیٹ میں تمام دنیا آنے والی ہے''...... سرلوکارٹ نے یہ کہہ کر اپنی تقریر ختم کر دی۔ اس کے بعد ٹی وی سکرین پر امن کے لئے تیار کیا گیا خصوصی نغمہ پیش کیا جانے لگا۔ دوسری طرف دنیا بھر کے لوگ گہری سوچوں میں ڈوب گئے تھے۔ اس اچانک اور بدحواس کر دینے والی سچوئیشن نے سب کے ذہن مفلوج کر دیئے تھے۔ دنیا بھر کی حکومتوں کے ایوانوں میں زلزلہ آ گیا۔ دنیا بھر میں موت کی سی تاریکی چھانے لگی۔ لوگ مختلف گروپس میں تقسیم ہو گئے۔ ایک گروپ کا خیال تھا کہ ڈاکٹر بلیک ایک دیوانہ اور خبطی انسان ہے۔ اس نے ایک ہوائی اڑائی ہے۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ ایک انسان چند دنوں میں ہی کروڑوں انسانوں کو

موت کے گھاٹ اتار دے۔ دوسرے گروپ کا خیال تھا کہ جو آدمی سائنس میں اتنا ترقی یافتہ ہے کہ جدید نشریاتی نظام پر قبضہ کر سکتا ہے تو وہ اور بھی بہت کچھ کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو گا۔ تیسرا گروہ ایسا بھی تھا جس کا خیال تھا کہ ڈاکٹر بلیک کسی دوسرے سیارے کی مخلوق ہے اور وہ زمینی آبادی کو ختم کر کے زمین پر قبضہ کرنا چاہتے تھے لیکن یہ سب قیاس ہی تھے اور مختلف باتیں ہو رہی تھیں۔ کوئی مدلل بات کسی انسان کے پاس نہیں تھی۔

دوسری طرف جن لوگوں کی موت کی خبر ڈاکٹر بلیک نے دی تھی وہ انتہائی گھبراہٹ کا شکار ہو چکے تھے کیونکہ وہ بھی سمجھ رہے تھے کہ یہ کسی کی خالی خولی دھمکی نہیں ہو سکتی۔ خالی دھمکیاں دینے والا کبھی اس طرح سائنس سسٹم کو قبضے میں نہیں لے سکتا۔ نجانے ڈاکٹر بلیک سائنس میں کس قدر ترقی یافتہ تھا۔ وہ انہیں کسی سائنسی حربے سے ہی موت کے گھاٹ اتار سکتا تھا۔ انہوں نے اپنی حکومتوں سے فوری رابطے کئے تھے تاکہ حکومتیں ان کی زندگی بچانے کے لئے فوری اقدامات کریں اور ان ملکوں نے جو ڈاکٹر بلیک کی دھمکی میں شامل تھے۔ اپنی اپنی شخصیت کو بچانے کے لئے انتظامات شروع کر دیئے تھے۔ ڈاکٹر بلیک کی دھمکی سے پوری دنیا میں ایک ہنگامہ سا ہو گیا تھا۔

پاکیشیا کے لوگوں نے بھی ڈاکٹر بلیک کی اس خونی دھمکی کو سنا تھا۔ جو لوگ ڈاکٹر بلیک کو بہت بڑی بلا سمجھ رہے تھے اور ان کا

خیال تھا کہ ڈاکٹر بلیک نے جو دھمکی دی ہے وہ اس پر عمل بھی کرے گا۔ ان لوگوں کے مطابق سر سلطان کی زندگی کا چراغ اب ٹمٹما رہا تھا۔ جو ڈاکٹر بلیک کے بتائے گئے وقت پر بجھ جانا تھا لیکن سر سلطان اس کے لئے پریشان نہیں تھے۔ وہ پختہ ایمان کے انسان تھے۔ ان کا یقین کامل تھا کہ موت کا ایک وقت مقرر ہے جو کوئی بھی ادھر ادھر نہیں کر سکتا۔ اگر ان کی موت لکھی ہے تو کوئی ٹال نہیں سکتا اور اگر ابھی ان کی زندگی باقی ہے تو پھر ایک لاکھ ڈاکٹر بلیک بھی کوشش کر لیں تو ان کی زندگی کا خاتمہ نہیں کر سکتے۔ پھر انہیں اس بات پر بھی یقین تھا کہ جس طرح عمران نے اب تک ہزاروں مجرموں کی گردنیں توڑی ہیں اسی طرح وہ اس ڈاکٹر بلیک کی گردن بھی توڑ دے گا۔ اللہ تعالیٰ نے پاکیشیا کو عمران جیسا فرزند عطا کیا ہے اور اسے اس طرح صلاحیتوں اور خوبیوں سے نوازا ہے کہ ذہین سے ذہین مجرم بھی اس کے سامنے بے نقاب ہو جاتے ہیں۔ انہیں یقین تھا کہ اللہ تعالیٰ اب بھی پاکیشیا کو عزت سے نوازے گا اور ڈاکٹر بلیک کا انجام عمران کے ہاتھوں میں ہی ہو گا۔ سوچوں کے سلسلے کے بعد ان کے دل سے عمران کے لئے دعائیں نکلنے لگیں۔

یہ ایک بڑے سائز کا کمرہ تھا۔ جس کے ایک کونے میں ریوالونگ چیئر اور اس کے سامنے ایک بڑی سی ٹیبل رکھی ہوئی تھی۔ کمرے میں قدرے اندھیرا تھا۔ ریوالونگ چیئر پر ڈیتھ ماسٹر بیٹھا ہوا تھا۔ اس کے سامنے ٹیبل پر ایک ٹیلی فون سیٹ، ایک ٹی وی سکرین، ایک کمپیوٹر اور ایک لانگ رینج ٹرانسمیٹر رکھا ہوا تھا۔ ڈیتھ ماسٹر کمپیوٹر پر ایک فائل دیکھ رہا تھا کہ ٹیلی فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ اس نے کمپیوٹر سکرین سے نظریں ہٹائیں اور ہاتھ بڑھا کر ٹیلی فون کا رسیور اٹھا لیا۔

''ڈیتھ ماسٹر اسپیکنگ''...... اس نے رسیور کان سے لگاتے ہوئے بھیڑیئے کی آواز میں غراتے ہوئے کہا۔

''باس۔ زیرو ون بول رہا ہوں''...... دوسری طرف سے ایک مؤدبانہ آواز سنائی دی۔

''یس۔ رپورٹ''...... ڈیتھ ماسٹر نے بدستور غراتے ہوئے کہا۔

''باس۔ علی عمران زیرو فائیو تک پہنچ گیا ہے''...... دوسری طرف سے زیرو ون نے کہا تو ڈیتھ ماسٹر حقیقتاً کرسی سے اچھل پڑا اور اس کی آنکھیں حیرت سے پھیلتی چلی گئیں۔

''کیسے زیرو ون۔ اسے تو ہم نے یورنیورسٹی کی ایک اسٹوڈنٹ کی جگہ ایڈجسٹ کیا تھا''...... ڈیتھ ماسٹر نے حیرت بھرے لہجے میں کہا۔

''یس باس۔ زیرو فائیو انجلینا کا کردار خوب نبھا رہی تھی۔ ہم نے ایک دو روز میں سائنس آفس کے سپرنٹنڈنٹ تک پہنچ جانا تھا لیکن اس شیطان عمران کو نجانے کیسے علم ہو گیا۔ میں آپ کو زیرو فائیو اور عمران کی ملاقات کی ویڈیو کمپیوٹر پر بھیج رہا ہوں۔ آپ پہلے وہ دیکھ لیں''...... دوسری طرف سے زیرو ون نے کہا۔

''اوکے۔ جلدی سے بھیجو''...... ڈیتھ ماسٹر نے کہا اور اس کے بعد اس نے رسیور کریڈل پر رکھ دیا۔ چند سیکنڈ بعد کمپیوٹر کی سکرین پر ایک ہلکی سی بیل بجی تو اس نے تیزی سے بٹن دبانے شروع کر دیئے۔ تین چار سیکنڈ کے بعد کمپیوٹر اسکرین پر ایک منظر ابھر آیا۔ یہ ایک ہوٹل کا منظر تھا۔ اس منظر میں تین لڑکیاں ایک بیوقوف سے نوجوان کے ساتھ بیٹھی ہوئی تھیں۔ ان تین لڑکیوں میں سے ایک انجلینا تھی جو دراصل زیرو فائیو تھی۔ اصل انجلینا کو انہوں نے غائب کر دیا تھا اور اس بیوقوف سے نوجوان کو ڈیتھ ماسٹر اچھی طرح جانتا تھا۔ یہ علی عمران تھا جو دنیا میں خطرناک سیکرٹ ایجنٹ سمجھا جاتا تھا۔

ڈیتھ ماسٹر جب کسی ملک میں کسی مشن پر جاتا تھا تو وہ مشن کی تکمیل کا کوئی ایک طریقہ نہیں اپناتا تھا بلکہ وہ مختلف طریقے اختیار کرتا تھا اور کسی ایک طریقے سے اسے کامیابی بھی حاصل ہو جاتی تھی۔ پاکیشیا آنے سے پہلے اس نے کافی معلومات حاصل کیں۔ پھر پاکیشیا آ کر بھی اس نے پہلے جائزہ لیا، معلومات حاصل کیں تو اسے یہ بھی معلوم ہوا کہ سائنس آفس کے آفس سپرنٹنڈنٹ مشتاق احمد کی ایک بیٹی مقامی یونیورسٹی میں پڑھتی ہے اور اس کے ساتھ ایک غیر ملکی لڑکی انجلینا بھی پڑھ رہی تھی۔ مشتاق احمد ان کے مشن میں ان کی مدد کر سکتا تھا۔ اس لئے ڈیتھ ماسٹر نے انجلینا کو اغوا کرایا اور اس کی جگہ اپنی ایک کارکن زیرو فائیو کو یونیورسٹی بھیج دیا جبکہ فائل کے حصول کے لئے وہ دیگر ذرائع اور طریقے بھی استعمال کر رہا تھا۔ زیرو ون کی طرف سے بھیجی گئی ویڈیو اس نے دو منٹ میں ہی دیکھ لی اس ویڈیو میں ڈیتھ ماسٹر نے دیکھ لیا تھا کہ عمران نے زیرو فائیو کا ٹرانسمیٹر اڑا لیا ہے۔ جس کا پتا زیرو فائیو کو نہیں لگا۔ ڈیتھ ماسٹر نے کمپیوٹر کے کی بورڈ پر دو تین بٹن اور پریس کئے تو کمپیوٹر سکرین پر ایک اور منظر ابھر آیا۔ اس منظر میں عمران ایک کار میں سوار دکھائی دے رہا تھا۔

''عمران۔ تم نے زیرو فائیو کا ٹرانسمیٹر چرا کر اپنی موت کا اپنے ہاتھوں سے اہتمام کیا ہے''...... ڈیتھ ماسٹر نے طنزیہ لہجے میں کہا اور پھر اس نے ایک اور بٹن دبایا۔ اب وہ عمران سے بات کر سکتا

تھا۔ اس نے عمران سے باتیں شروع کر دیں اور اسے دھمکیاں دینے لگا جواب میں عمران صرف معصومیت کا اظہار کر رہا تھا۔ کچھ دیر تک باتیں کرنے کے بعد ڈیتھ ماسٹر نے ایک اور بٹن دبایا اور اس کے ساتھ ہی منظر غائب ہو گیا اور ڈیتھ ماسٹر کے چہرے پر خونی مسکراہٹ نمودار ہوئی کیونکہ وہ جانتا تھا کہ اب ٹرانسمیٹر پھٹ گیا ہو گا اور عمران بے ہوش ہو گیا ہو گا اور لازمی بات تھی کہ اس کے بے ہوش ہوتے ہی اس کی کار نے کسی حادثے کا ہی شکار ہو جانا تھا۔

جگواش اس وقت اپنے آفس میں بیٹھا ہوا تھا۔ وہ ڈاکٹر بلیک کا نائب تھا اس لئے ریڈ نائٹ کا سیکنڈ چیف تھا۔ ڈاکٹر بلیک کے اس خطاب کی فلم دیکھ رہا تھا جو اس نے دنیا بھر کے لوگوں سے کیا تھا کہ دروازے پر دستک ہوئی اور ساتھ ہی دروازہ تھوڑا سا کھلا۔

''یس کم اِن''...... جگواش نے بلند اور سخت آواز میں کہا تو دروازہ کھلا اور رچی کمرے میں داخل ہوا۔ رچی، جگواش کا نائب تھا جگواش کے قریب پہنچ کر اس نے مؤدبانہ انداز میں اسے سلام کیا لیکن جگواش نے اس کے سلام کا جواب دینا گوارہ نہ کیا۔ اس نے رچی کے چہرے کی طرف دیکھا۔

''رچی۔ کوئی خاص بات ہے جو تم کہنا چاہتے ہو''...... جگواش نے اسے غور سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''یس باس۔ ایک بات نے بہت ہی پریشان کیا ہوا ہے۔ وہ آپ سے ڈسکس کرنا چاہتا ہوں''...... رچی نے کہا۔ جگواش چند

لمحوں تک تو اسے غور سے دیکھتا رہا پھر اس نے کرسی کی طرف اشارہ کیا۔

''بیٹھ جاؤ رچی اور اطمینان سے بات کرو''...... جگواش نے اسے اپنے سامنے بیٹھنے کی اجازت دیتے ہوئے کہا۔

''تھینک یو باس''...... رچی نے جگواش کا شکریہ ادا کیا اور پھر وہ کرسی پر بیٹھ گیا۔

''ہاں بولو۔ کس بات نے تمہیں پریشان کیا ہوا ہے''...... جگواش نے اس سے پوچھا۔

''باس۔ ہماری گفتگو باہر تو نہیں جائے گی نا''...... رچی نے مؤدبانہ لہجے میں پوچھا۔

''نہیں۔ میرے کمرے میں ہونے والی گفتگو باہر نہیں جا سکتی۔ یہ بات تم اچھی طرح جانتے ہو''...... جگواش نے کہا تو رچی نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

''باس۔ یہ درست ہے کہ ریڈ نائٹ کی بنیاد ڈاکٹر بلیک نے رکھی تھی لیکن اس کی تکمیل میں بہت سے افراد کا ہاتھ ہے۔ اسے چلانے کے لئے بورڈ آف گورنر ہے۔ پہلے جو ممبران اس بورڈ کے عہدیدار تھے تنظیم کی تکمیل اور عروج کے بعد یکے بعد دیگرے مختلف حادثات کا شکار ہو کر مرتے چلے گئے اور ان کی جگہ تنظیم میں سے دیگر ممبر ترقی کر کے بورڈ آف گورنر کے ممبران بنتے چلے گئے لیکن سابقہ ممبران کے پاس بہت سے اختیارات تھے اور اب جو ممبران

ہیں وہ برائے نام ہیں۔ اسی لئے عام خیال یہی ہے کہ تنظیم کے ان افراد کو ڈاکٹر بلیک نے ہلاک کیا ہے تا کہ وہ تن تنہا تنظیم کا مالک بن جائے اور اب حقیقت میں ہے بھی ایسا۔ ہم کٹھ پتلیاں ہیں۔ ڈاکٹر بلیک ہمیں اپنی انگلیوں پر جس طرح نچانا چاہتا ہے ہم اسی طرح ناچنے پر مجبور ہیں کیونکہ ایک تو ہمارے پاس اختیارات کچھ نہیں اور دوسری بات یہ کہ ہم ذہنی طور پر ڈاکٹر بلیک سے خوفزدہ ہیں۔ ہماری معمولی سی غفلت اور کوتاہی پر وہ ہمیں عبرتناک موت سے ہمکنار کر سکتا ہے''...... رچی نے مسلسل بولتے ہوئے کہا اور پھر وہ سانس لینے کے لئے رکا۔

''ہاں۔ یہ باتیں تو تنظیم کا ہر آدمی جانتا ہے۔ تم یہ باتیں کیوں کر رہے ہو''...... جگواش نے غصے سے کہا۔

''باس۔ آپ نے ڈاکٹر کا رویہ بھی دیکھا ہے اور اب دنیا بھر سے اس نے جو خطاب کیا ہے اس سے بھی آپ نے اندازہ لگایا ہو گا کہ ڈاکٹر بلیک دنیا پر تنظیم کی حکومت نہیں بلکہ تن تنہا اپنی حکومت قائم کرنا چاہتا ہے''...... رچی نے کہا۔

''ہاں۔ بالکل ایسا ہے اور یہ اس کا حق بھی ہے کیونکہ اس سلسلے میں جو ورک بھی ہوا ہے ڈاکٹر بلیک نے ہی کیا ہے۔ تمام سائنسی ایجادات اسی کی ہیں اور یہ بھی سچ ہے کہ اس تنظیم میں ہم اس کے مہرے ہیں۔ مالک اور چیف وہی ہے''...... جگواش نے کہا۔

''آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں باس۔ لیکن ڈاکٹر بلیک کا کہنا ہے کہ

اگر اس کی کسی غلطی کی وجہ سے کوئی شخصیت مرنے سے بچ گئی تو وہ خود کو اور تنظیم کو اس ملک کے حوالے کر دے گا اور باس ڈاکٹر بلیک انسان ہے۔ انسان سے غلطی ہو سکتی ہے اور انسان کی ایجادات میں بھی غلطیاں ہوتی ہیں۔ یوں اس کی غلطی کی سزا پوری تنظیم کو ملنی ہے''...... رچی نے کہا تو جگواش سوچنے لگا۔

''ہونہہ۔ بات تو تمہاری بالکل درست ہے۔ ڈاکٹر بلیک نے دنیا والوں سے جو وعدہ کیا ہے وہ ضرور پورا کرے گا کیونکہ ڈاکٹر بلیک وعدے کا بہت پابند ہے''...... جگواش نے سوچ میں ڈوبے لہجے میں کہا۔

''باس۔ اگر ہم میں سے کوئی غلطی کرتا ہے تو سزا صرف اسے ہی ملتی ہے تو ڈاکٹر بلیک کی غلطی کی سزا ہم سب کو کیوں ملے''۔ رچی نے کہا تو جگواش نے اثبات میں سر ہلایا۔

''تم ٹھیک کہہ رہے ہو لیکن اب تم فکر مت کرو۔ اگر ایسی نوبت آئی تو ڈاکٹر بلیک کی غلطی کی سزا صرف ڈاکٹر بلیک کو ملے گی۔ ہم نہ تنظیم کو خطرے میں ڈالیں گے اور نہ ہی تنظیم کے کسی اور فرد کو''...... رچی کی باتیں سن کر جگواش کی آنکھوں میں ایک خاص چمک پیدا ہو گئی تھی۔ اس نے رچی کو تسلی دیتے ہوئے کہا۔

''باس۔ ڈاکٹر بلیک اپنے تمام سسٹم کو ڈیتھ روم سے ہی کنٹرول کرتا رہتا ہے نا''...... رچی نے پوچھا۔

''ہاں۔ ڈیتھ روم اس کی کل کائنات ہے۔ وہ سائنسی ایجادات

کی ایک ایسی دنیا ہے جو عجائبات کی دنیا کہلائی جا سکتی ہے“۔ جگواش نے کہا۔

”باس۔ ڈاکٹر بلیک اسی کمرے سے تنظیم کو کنٹرول کرتا ہے۔ اسی کمرے میں بیٹھ کر اس نے دنیا بھر کے ٹی وی چینلز کی نشریات پر قابو پایا ہے۔ اس کمرے میں بیٹھ کر وہ ایٹم بم کنٹرول کرتا ہے۔ اسی کمرے میں بیٹھ کر اس نے فیوچر مشین پر دنیا کی اہم شخصیات کے منظر دیکھے اور محفوظ کئے ہیں اور آئندہ بھی وہ اس مشین سے فوائد حاصل کرے گا۔ اسی کمرے میں بیٹھ کر وہ دنیا بھر پر حکومت بھی کرے گا“...... رچی نے کہا۔

”ہاں۔ تم بالکل ٹھیک کہہ رہے ہو۔ وہ کمرہ ڈاکٹر بلیک کی کل کائنات ہے“...... جگواش نے کہا۔

”کبھی آپ اس ڈیتھ روم میں گئے ہیں باس“...... رچی نے کہا تو جگواش چونک پڑا۔

”نہیں رچی۔ تم جانتے ہو کہ اس کمرے میں ڈاکٹر بلیک کے علاوہ کوئی نہیں جا سکتا۔ یہ اس کا ایک اصول ہے اور جو اس کا اصول توڑتا ہے ڈاکٹر بلیک اس کی زندگی کے سانسوں کی ڈوری توڑ دیتا ہے۔ خود ڈاکٹر بلیک کے سگے بیٹے نے یہ اصول توڑا تھا تو ڈاکٹر بلیک نے اسے بھی موت کی سزا دے دی تھی“...... جگواش نے تیز لہجے میں کہا تو رچی کے چہرے پر طنزیہ مسکراہٹ آ گئی۔

”باس۔ اگر آپ ڈیتھ روم کو سمجھ لیں تو دنیا کے حکمران آپ

اور نائب حکمران میں ہو سکتا ہوں اور ہماری تنظیم کو کوئی خطرہ نہیں ہو سکتا۔ دنیا کی حکمران تنظیم کو بھلا کس سے کیا خطرہ ہو سکتا ہے اور پھر وعدے کی پابندی، اصولوں کی پابندی۔ یہ باتیں ڈاکٹر بلیک ہی کر سکتا ہے۔ ہم کسی کے وعدے اور اصول کے پابند نہیں ہیں۔ ہم اپنا کام نکلوانے کے لئے وعدہ تو کر سکتے ہیں لیکن وعدہ نبھانا ہمارے لئے ضروری نہیں ہے“...... رچی نے کہا تو جگواش پھر گہری سوچ میں پڑ گیا۔

”تم ٹھیک کہہ رہے ہو رچی۔ ہم نے تنظیم کو بچانا ہے اور تنظیم کے مشن بھی پورے کرنے ہیں۔ اوکے۔ تم اب جاؤ میں سوچتا ہوں کہ ڈاکٹر بلیک کا کیا کیا جائے۔ وہ تو جب چاہے سکیننگ مشین لگا کر ہمارے دماغ بھی چیک کر سکتا ہے“...... جگواش نے کہا۔

”اوکے باس۔ میں اب جاتا ہوں۔ آپ نے اس مسئلے پر ضرور کچھ کرنا ہے“...... رچی نے کرسی سے اٹھتے ہوئے کہا۔ جگواس نے اثبات میں سر ہلایا تو رچی کمرے سے باہر نکلتا چلا گیا۔

”رچی۔ اگر مجھے ڈاکٹر بلیک کو ہلاک کرنا پڑا تو تجھے بھی ساتھ ہی مرنا ہو گا ورنہ تیری آنکھیں بتا رہی ہیں کہ ریڈ نائٹ کا مالک تو بننا چاہ رہا ہے“...... جگواش نے بڑبڑاتے ہوئے کہا اور پھر اس نے اپنی آنکھیں بند کر لیں۔ کچھ دیر تک سوچنے کے بعد اس نے اپنی آنکھیں کھولیں۔

”اس وقت ڈاکٹر بلیک ممبران سے میٹنگ کر رہا ہے۔ موقع اچھا

ہے۔ میں ریڈیائی لہریں آن کر کے ڈیتھ روم کا ایک چکر لگا لوں‘‘۔ جگواش نے بڑبڑاتے ہوئے کہا پھر اس نے کمپیوٹر کے کی بورڈ پر چند بٹن پریس کئے۔ ممبران ہال میں موجود تھے اور ٹی وی سکرین پر سرسلطان کی موت کا منظر دکھائی دے رہا تھا۔ جگواش جلدی سے اٹھا اور تیز تیز قدموں کے ساتھ چلتا ہوا گیلری میں ایک طرف بڑھنے لگا۔ چلتے چلتے وہ ایک کمرے کے دروازے پر رک گیا۔ دروازہ کھول کر وہ کمرے میں داخل ہو گیا۔ یہ کمرہ آٹو کنٹرول روم تھا۔ اس کمرے میں چند مشینیں فٹ تھیں جن کے اوپر سکرینیں لگی تھیں اور سامنے بٹنوں کے جال تھے۔ وہ ایک مشین کی طرف بڑھا تو اس کا دل تیزی سے دھڑکنے لگا۔ وہ ڈیتھ روم کی لہریں آف کرنا چاہتا تھا۔ اس کے کیمرے بھی آف کرنا چاہتا تھا تاکہ ڈاکٹر بلیک کو معلوم نہ ہو کہ اس کمرے میں کوئی آیا ہے۔ اس نے دھڑکتے دل کے ساتھ ایک مشین کے چند بٹن پریس کئے اور پھر کنٹرول روم سے باہر آ گیا۔ کنٹرول روم سے باہر آ کر اس نے اپنے ہاتھ سے ماتھے پر آیا ہوا پسینہ صاف کیا۔ رچی نے اسے ایک عجیب سا خواب دکھایا تھا اور اب وہ اس خواب کی تعبیر پانا چاہتا تھا۔ اسے یہ بھی معلوم تھا کہ اس کی معمولی سی غفلت اور کوتاہی اسے موت سے ہمکنار کر دے گی۔ ڈیتھ روم میں سب کا داخلہ سختی سے ممنوع تھا۔ خلاف ورزی کرنے والے کو ہر حال میں اذیت ناک موت کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔ ڈاکٹر بلیک کا ایک ہی بیٹا تھا جس

نے ڈیتھ روم میں داخل ہونے کی غلطی کی تھی اور ڈاکٹر بلیک نے اسے گولی مار دی تھی۔ جب ڈاکٹر بلیک اپنے سگے بیٹے کو گولی مار سکتا تھا تو جگواش کی اس کے سامنے کوئی حیثیت ہی نہیں تھی لیکن اس کے باوجود تنظیم کو بچانے اور دنیا پر حکومت کرنے کے لئے اسے رسک لینا تھا۔ کوشش اس نے کر لی تھی کہ ڈاکٹر بلیک کو اس کے ڈیتھ روم میں جانے کا علم نہ ہو۔ کنٹرول روم سے باہر آ کر وہ گیلری میں آگے بڑھنے لگا۔ گیلری کے آخر میں پہنچ کر وہ رک گیا۔ دیوار پر اس نے ایک جگہ ہاتھ رکھا اور پھر اس جگہ پر دباؤ ڈالا تو وہ جگہ آٹومیٹک کنٹرول دروازے کی طرح کھلتی چلی گئی۔ جگواش کے چہرے پر خوشی اور تجسس کے تاثرات پیدا ہو گئے۔ وہ تیزی سے اندر داخل ہو گیا۔ یہ ایک انتہائی وسیع و عریض کمرہ تھا جس میں لاتعداد چھوٹی بڑی مشینیں رکھی ہوئی تھیں۔ ان مشینوں کے اوپر سکرینیں دکھائی دے رہی تھیں۔ مشینوں کے سامنے لاتعداد بٹن اور ہینڈل تھے۔ اتنی ساری مشینوں کو دیکھ کر جگواش کا سر چکرانے لگا۔ وہ کسی ایک سکرین کے سسٹم کے بارے میں بھی نہیں جانتا تھا۔

’’مجھے پہلے ان مشینوں کی فائل تلاش کرنی پڑے گی‘‘۔ جگواش نے خود کلامی کرتے ہوئے کہا اور پھر وہ جہازی سائز ٹیبل کی طرف بڑھا۔ اس نے ٹیبل کی دراز کھول کر تلاشی لی لیکن دراز میں اسے کوئی فائل دکھائی نہ دی۔ پھر اس نے گھڑی کی طرف دیکھا اور چونک پڑا۔ ڈاکٹر بلیک کی ممبران کے ساتھ میٹنگ کا وقت ختم ہو رہا

تھا اور اب یہاں مزید رکنا سو فیصد خطرہ تھا اس لئے وہ تیزی سے واپس مڑا اور ڈیتھ روم سے باہر آ گیا۔ پھر وہ بھاگتے ہوئے کنٹرول روم میں آیا۔ جس مشین کے بٹن اس نے پہلے پریس کئے تھے اس مشین کے بٹن اس نے دوبارہ پریس کئے اور پھر دوڑتے ہوئے وہ واپس اپنے کمرے میں پہنچا اور اپنی کرسی پر بیٹھ کر گہرے گہرے سانس لینے لگا۔ اسے محسوس ہو رہا تھا جیسے اس نے میلوں کا سفر دوڑ کر کیا ہو۔ اس کے سانس کو اعتدال میں آتے ہوئے کچھ وقت لگ گیا۔ جیسے ہی اس کا سانس بحال ہوا اسے کھٹاک کی ایک آواز سنائی دی اور وہ اچھل پڑا۔ اچانک چھت سے ایک پنجرہ اس پر آ گرا تھا اور وہ شیر کی طرح اس پنجرے میں بند ہو گیا تھا۔ اب اس کے چہرے پر موت کی زردی چھا گئی تھی۔ لہریں اور کیمرے آف کرنے کے باوجود بھی ڈاکٹر بلیک کو معلوم ہو گیا تھا کہ ڈیتھ روم میں کون داخل ہوا ہے۔ اب جگواش کو اپنی موت چند قدموں کے فاصلے پر کھڑی صاف دکھائی دے رہی تھی۔ ڈاکٹر بلیک سے کسی رحم کی توقع کرنا عبث تھا۔

ڈاکٹر بلیک تہہ خانے سے نکل کر اپنے آفس میں آ گیا۔ اس کا چہرہ پکے ہوئے ٹماٹر کی طرح سرخ ہو رہا تھا۔ چہرے کے عضلات پھڑک رہے تھے۔ آنکھوں سے چنگاریاں نکل رہی تھیں۔ اپنے آفس میں آ کر وہ اپنی کرسی پر بیٹھا اور اس کے بعد اس نے مائیک اٹھایا اور سامنے لگے بہت سے بٹنوں میں سے ایک بٹن دبایا۔

”تمام ممبرز دو منٹ کے اندر اندر میٹنگ ہال میں پہنچ جائیں“...... ڈاکٹر بلیک نے پھنکارتی ہوئی آواز میں کہا۔ اس کے بعد اس نے مائیک واپس میز پر رکھا اور بٹن ایک بار پھر پریس کر دیا۔ بٹن پریس کرنے کے بعد اس نے کمپیوٹر کے ”کی بورڈ“ پر لگے دو تین بٹن پریس کئے تو سکرین پر ہال کا منظر ابھر آیا۔ ابھی کوئی ممبر ہال میں نہیں پہنچا تھا۔ پھر دیکھتے ہی دیکھتے ممبرز ہال میں آنے لگے اور دو منٹ کے اندر اندر تمام ممبرز ہال میں پہنچ گئے۔ جب سب ممبرز ہال میں جمع ہو چکے تو ڈاکٹر بلیک نے ”کی بورڈ“ کے دو

بٹن اور پریس کئے اور مائیک اٹھا کر اپنے منہ کے قریب کیا۔

"سی ون۔ کیا تم تک میری آواز پہنچ رہی ہے"...... ڈاکٹر بلیک نے غراتی ہوئی آواز میں کہا۔

"یس ڈاکٹر بلیک۔ میں آپ کی آواز سن رہا ہوں"...... کمپیوٹر پر ایک مشینی آواز ابھری۔

"سی ون۔ جگواش اپنے کمرے میں جنگلے میں قید ہے۔ تم اپنی ڈیتھ فورس کے سی ٹو، سی تھری، سی فور اور سی فائیو کو بھیجو۔ وہ جگواش کو پنجرے سمیت میٹنگ ہال میں پہنچا دیں"...... ڈاکٹر بلیک نے سخت لہجے میں کہا۔

"حکم کی تعمیل ہو گی ڈاکٹر بلیک"...... کمپیوٹر پر ایک بار پھر مشینی آواز ابھری تو ڈاکٹر بلیک نے ایک بٹن دبا دیا۔ اس کے بعد اس نے مائیک رکھ دیا اور سکرین کو غور سے دیکھنے لگے۔ تقریباً نصف منٹ کے بعد اس کے تیار کردہ چار روبوٹس جگواش کے کمرے میں داخل ہوئے۔ جگواش جو پنجرے میں قید تھا۔ ان روبوٹس کو دیکھ کر اس کا چہرہ تاریک ہو گیا۔ روبوٹس نے پنجرہ اٹھایا اور پھر وہ میٹنگ ہال میں پہنچ گئے۔ میٹنگ ہال میں موجود تمام ممبرز جگواش کو پنجرے میں بند دیکھ کر حیران رہ گئے۔ انہیں معلوم ہو گیا کہ جگواش نے ڈاکٹر سے غداری کی ہے اور اب سب کے سامنے اسے سزائے موت دی جائے گی۔

"ممبرز۔ تم سمجھ ہی چکے ہو کہ تم جگواش کا آخری دیدار کر رہے

ہو"...... ڈاکٹر بلیک نے ایک بار پھر مائیک اٹھا کر منہ سے لگاتے ہوئے کہا۔ اس سے پہلے اس نے ایک بٹن بھی پریس کر دیا تھا۔

"رحم۔ باس رحم۔ مجھے معاف کر دو۔ مجھے موقع دو"......جگواش نے رحم کی بھیک مانگتے ہوئے کہا۔

"رحم۔ ہاہاہا"...... ڈاکٹر بلیک نے کہا اور پھر اس نے ایک طویل قہقہہ لگایا۔

"رحم۔ جگواش۔ تمہیں معلوم ہے کہ اصول توڑنے پر میں نے اپنے اکلوتے بیٹے کو موت کے حوالے کر دیا تھا۔ تمہاری کیا حیثیت ہے"......طویل قہقہہ لگانے کے بعد ڈاکٹر بلیک نے بھیڑیئے کی مانند غراتے ہوئے کہا۔

"باس۔ صرف ایک موقع۔ صرف ایک بار معاف کر دیں"۔ جگواش نے ہاتھ باندھتے ہوئے کہا۔

"جگواش"...... ڈاکٹر بلیک نے حلق کے بل چیختے ہوئے کہا تو میٹنگ ہال میں موجود افراد کانپ کر رہ گئے۔

"ریڈ نائٹ کا ایک عام کارکن بھی اتنا بزدل نہیں ہوتا کہ موت کو سامنے دیکھ کر اس طرح گڑگڑانے لگے اور تم تو ریڈ نائٹ کے سکینڈ باس ہو۔ مجھے دکھ ہو رہا ہے کہ موت کو سامنے دیکھ کر تم اس طرح کانپ رہے ہو"......ڈاکٹر بلیک نے سانپ کی مانند پھنکارتے ہوئے کہا تو جگواش کی کپکپاہٹ میں اضافہ ہو گیا۔ موت کو سامنے دیکھ کر اسے خود پر اختیار ہی نہیں رہا تھا۔ موت کا کھیل جگواش کو

بہت پسند تھا اس نے اب تک سینکڑوں انسانوں کو موت کے گھاٹ اتارا تھا۔ ان انسانوں میں اکثریت ایسے لوگوں کی تھی جنہوں نے اپنی زندگی کے لئے اس سے فریادیں کی تھیں، اس کے سامنے گڑگڑائے تھے، اس کے سامنے ہاتھ باندھے تھے، روئے تھے، چلائے تھے، لیکن جگواش پر ان کے رونے پیٹنے کا کوئی اثر نہیں ہوتا تھا۔ وہ ان لمحات کو انجوائے کرتا تھا جب کوئی آدمی رو رو کر اس سے زندگی کی بھیک مانگتا تھا تو اسے خوشی محسوس ہوتی تھی۔ اس کی نس نس میں طمانیت دوڑ جاتی تھی اور وہ زیادہ سفاکانہ طریقے سے اس انسان کو قتل کرتا تھا۔ اب اپنی موت کو سامنے دیکھ کر بہت سے چہرے اس کی آنکھوں کے سامنے آ گئے تھے۔ اس کا حلق اس قدر خشک ہو گیا تھا کہ اب اس کے منہ سے کوئی لفظ نہیں نکل رہا تھا۔ موت کو سامنے دیکھ کر وہ خود غرض ہو گیا تھا وہ ڈاکٹر بلیک کو بتانا چاہتا تھا کہ اس نے یہ غداری رچی کی باتوں میں آ کر کی ہے۔ وہ اپنے ساتھ ساتھ رچی کی بھی موت چاہتا تھا۔ یہ حقیقت ہی تھی کہ اس نے رچی کی باتوں میں آ کر ڈاکٹر بلیک سے غداری کی تھی لیکن اب اس کی زبان حرکت ہی نہیں کر رہی تھی۔ اس نے بولنے کی بہت کوشش کی لیکن وہ بول نہ سکا تو اس نے ممبرز کی طرف دیکھا۔ ان ممبرز میں رچی موجود تھا۔ جس کے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ تھی۔

''بولو جگواش۔ بولو۔ تم کچھ کہنا چاہتے ہو۔ جو کچھ کہنا ہے کہہ

ڈالو کیونکہ اب تمہاری زندگی کی گھڑی کے آخری سیکنڈ چل رہے ہیں۔ چند سیکنڈوں کے بعد تمہاری زندگی کی گھڑی ہمیشہ کے لئے رکنے والی ہے''...... ڈاکٹر بلیک نے طنزیہ ہنسی ہنستے ہوئے کہا پھر اس نے قہقہہ بھی لگایا۔ جگواش کا منہ کھلا لیکن اس کے حلق سے کوئی آواز نہ نکل سکی۔

''ممبرز۔ اب تم غداری کا انجام اپنی آنکھوں سے دیکھو گے۔ یہ انجام تمہارے لئے عبرت اور نصیحت ہو گا۔ اگر کوئی اور غداری کی کوشش کرے گا تو اس کا انجام بھی اسی طرح عبرتناک ہو گا''۔ قہقہہ کے بعد ڈاکٹر بلیک نے غراتے ہوئے کہا۔ پھر اس نے کمپیوٹر کے ''کی بورڈ'' کے چند بٹن پریس کئے اور دوبارہ سکرین کی طرف دیکھنے لگا۔ ہال میں جہاں پنجرہ موجود تھا وہاں چھت سے ایک چھوٹا سا نیلے رنگ کا شعلہ برآمد ہوا۔ سب ممبرز اس شعلے کو دیکھنے لگے۔ ان سب کی آنکھوں میں خوف امڈ آیا تھا۔ شعلہ پنجرے کی چھت کو کراس کرتا ہوا جگواش کے جسم سے آ ٹکرایا۔ جیسے ہی وہ جگواش سے ٹکرایا۔ بھک کی آواز سنائی دی۔ بالکل ایسے جیسے یکدم آگ بھڑک اٹھی ہو اور واقعی یکدم ہی آگ بھڑک اٹھی تھی اور اگلے ہی لمحے جگواش شعلوں میں گھرا ہوا نظر آیا۔ ابھی چند لمحے پہلے اس کا حلق خشک ہو گیا تھا اور اس کے منہ سے کوئی لفظ نہیں نکل رہا تھا لیکن اب وہ فلک شگاف چیخیں مار رہا تھا۔ اس کی دردناک و اذیت ناک چیخیں ریڈ نائٹ کے ممبرز کو خوفزدہ کر رہی تھیں اور وہ سوچ

رہے تھے کہ وہ ڈاکٹر بلیک سے غداری کا کبھی تصور بھی نہیں کریں گے۔ جگواش ادھر ادھر بھاگ کر خود کو شعلوں سے بچانا چاہتا تھا لیکن وہ پنجرے میں بند تھا لہٰذا بھاگ بھی نہیں سکتا تھا۔

اس کا سارا بدن نیلے شعلوں میں گھر گیا تھا اور اس کی چیخیں دل دہلا رہی تھیں۔ پھر اس کی چیخیں معدوم ہونے لگیں۔ معدوم ہوتے ہوتے اس کی چیخیں ختم ہو گئیں۔ ساتھ ہی اس کا وجود بھی مٹ گیا۔ اس کی ہڈیاں تک راکھ میں تبدیل ہو چکی تھیں۔ فرش پر جہاں پنجرہ رکھا ہوا تھا وہاں تھوڑی سی راکھ نظر آ رہی تھی۔ ریڈ نائٹ کے تمام ممبرز اپنی اپنی جگہوں پر دم سادھے بیٹھے تھے۔ جب جگواش راکھ میں تبدیل ہو چکا تو روبوٹس آگے بڑھے۔ انہوں نے خالی پنجرہ اٹھایا اور میٹنگ ہال سے باہر نکل گئے۔

''ممبرز۔ تم لوگوں نے ایک غدار کا انجام دیکھ لیا۔ مجھے یقین ہے کہ آئندہ کوئی بھی سانپ کے بل میں ہاتھ ڈالنے کی کوشش نہیں کرے گا اور نہ ہی کوئی بچھو کا زہر نکالنے کی جرأت کرے گا''۔ ڈاکٹر بلیک نے سرد لہجے میں کہا۔ وہ چند لمحوں کے لئے خاموش ہوا اور ممبرز کے چہروں کا جائزہ لینے لگا۔ ان سب کے چہروں پر ڈاکٹر بلیک کی دہشت دکھائی دے رہی تھی اور یہ دہشت دیکھ کر ڈاکٹر بلیک کے چہرے پر مسکراہٹ آ گئی۔

''جگواش میرا اسسٹنٹ اور ریڈ نائٹ کا سیکنڈ باس تھا۔ جگواش کا اسسٹنٹ رچی ہے۔ اب ترتیب کے اعتبار سے رچی میرا

اسسٹنٹ اور ریڈ نائٹ کا سیکنڈ باس ہو گا۔ رچی۔ تمہیں مبارک ہو۔ تم فوراً میرے کمرے میں پہنچو''...... ڈاکٹر بلیک نے اس مرتبہ نرم آواز میں کہا اور پھر اس نے مائیک میز پر رکھا اور کی بورڈ پر لگے بٹنوں میں سے ایک بٹن پریس کر دیا۔ اس دوران وہ سکرین کی طرف دیکھتا رہا تھا۔ اس کا حکم سنتے ہی رچی فوراً اپنی جگہ سے اٹھا اور میٹنگ ہال سے باہر نکل گیا تھا۔ اس کے بعد باقی ممبرز بھی کرسیوں سے اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔ ان سب کو اٹھتے دیکھ کر ڈاکٹر بلیک نے میٹنگ ہال کا منظر آف کر دیا۔ کچھ دیر کے بعد اس کے دروازے پر ہلکی سی دستک ہوئی۔

''یس۔ کم اِن''...... ڈاکٹر بلیک نے سانپ کی مانند پھنکارتے ہوئے کہا تو دروازہ کھلا اور رچی کا چہرہ دکھائی دیا۔ وہ مؤدبانہ انداز میں چلتا ہوا ڈاکٹر بلیک کی میز کے قریب پہنچا اور مؤدبانہ انداز میں اس کے سامنے کھڑا ہو گیا۔

''رچی۔ اب تم ریڈ نائٹ کے سیکنڈ چیف ہو اور تم نے اس عہدے کے لئے حلف دینا ہے''...... ڈاکٹر بلیک نے کہا۔

''یس باس۔ میں حلف کے لئے تیار ہوں''...... رچی نے مؤدبانہ لہجے میں کہا۔ پھر ڈاکٹر بلیک نے اس سے حلف لیا۔

''تمہارے بعد روتھ کا نمبر ہے لہٰذا روتھ تمہارا اسسٹنٹ ہے۔ جگواش کے کیا کیا فرائض تھے تم ان سے واقف ہو گے۔ اب وہ فرائض تم نے سرانجام دینے ہیں اور تمہارے ذمے جو کام تھے وہ تم

نے اب روتھ سے لینے ہیں۔ یہ تمام ممبرز کی ایک ایک درجے ترقی ہوگئی ہے تم نے ان سب کو ترقی کا نوٹیفکیشن جاری کرنا ہے اور عام ارکان میں سے جو سب سے سینئر ہو اسے ممبر بنانا ہے‘‘...... ڈاکٹر بلیک نے کہا۔

’’یس باس‘‘...... آپ کے احکامات کی تعمیل ہو گی‘‘...... رچی نے مؤدبانہ لہجے میں کہا۔

’’اوکے۔ اب تم جا سکتے ہو‘‘...... ڈاکٹر بلیک نے تحکمانہ لہجے میں کہا تو رچی اس کے کمرے سے نکلتا چلا گیا۔

کار میں پھیلنے والا دھواں بہت ہی زود اثر تھا حالانکہ عمران نے سانس بھی روک لیا تھا اس کے باوجود اس کی آنکھوں کے سامنے دھند سی چھا رہی تھی۔ پھر دھندلائی ہوئی آنکھوں سے اس نے ٹرک کو دیکھ لیا جو نہایت تیزی سے کار کے سامنے آ گیا تھا اور حادثے میں صرف ایک سیکنڈ کا وقت رہ گیا تھا۔ لہٰذا عمران نے ایک سیکنڈ کے بھی ہزارویں حصے میں کار کا دروازہ کھولا اور کار سے باہر چھلانگ لگا دی۔ چھلانگ لگانے کے بعد ابھی وہ فضاء میں ہی تھا کہ اسے خوفناک دھماکے کی آواز سنائی دی۔ یہ دھماکا کار اور ٹرک کے ٹکرانے سے ہوا تھا۔ اس دوران عمران زمین پر جا گرا اور دور تک قلابازیاں کھاتا چلا گیا۔ قلابازیاں کھانے کے بعد جب وہ رکا تو اس نے کار کی طرف دیکھا۔ کار کے پرخچے اڑ گئے تھے اور اسے آگ لگی ہوئی تھی۔ ٹرک بھی بری طرح تباہ ہو گیا تھا۔ عمران کار اور ٹرک کے قریب آیا اور اس نے ٹرک کا معائنہ کیا۔ ٹرک ڈرائیور

ٹرپ رہا تھا۔ پھر اس سے پہلے کہ عمران اس کی کوئی مدد کرتا اس نے دم توڑ دیا۔ اسے مرتا دیکھ کر عمران آگے بڑھا۔ اب تک کوئی گاڑی وہاں سے نہیں گزری تھی۔ چھ سات منٹ پیدل چلنے کے بعد عمران کو ایک ٹیکسی دکھائی دی تو عمران نے اسے رکنے کا اشارہ کیا تو ٹیکسی اس کے قریب آ کر رک گئی۔ عمران ٹیکسی میں بیٹھا اور اس نے ڈرائیور کو کنگ روڈ چلنے کے لئے کہا۔ اس کے بعد اس نے آنکھیں بند کر لیں اور سوچوں میں گم ہو گیا۔ وہ آج کے واقعات کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ دارالحکومت میں مجرموں کا کوئی گروپ موجود تھا۔ عمران اور اس کے ساتھی ان کی موجودگی سے لاعلم تھے۔

"صاحب۔ کنگ روڈ آ گیا ہے"...... وہ سوچوں میں ڈوبا ہوا تھا کہ اسے ڈرائیور کی آواز سنائی دی۔ وہ چونکا۔

"اوکے۔ ایک سائیڈ پر اتار دو"...... عمران نے کہا تو ڈرائیور نے ٹیکسی ایک سائیڈ پر روک لی۔ عمران نے اسے کرایہ دیا اور پھر وہ ٹیکسی سے اتر کر اپنے فلیٹ میں آ گیا۔ وہ فلیٹ میں داخل ہوا تو اسے سلیمان کی آواز سنائی دی۔ سلیمان بلند آواز میں بول رہا تھا جس سے عمران سمجھ گیا کہ سلیمان فون پر کسی سے باتیں کر رہا ہے۔ عمران دبے پاؤں وہاں پہنچا تو سلیمان نے اسے دیکھ لیا۔ عمران کو دیکھ کر سلیمان نے رسیور رکھنے کی کوشش کی لیکن عمران نے اس سے رسیور جھپٹ لیا اور کان سے لگا لیا۔ سلیمان منہ بناتا ہوا وہاں سے

نو دو گیارہ ہو گیا۔

"جناب۔ آپ اس قدر وجیہہ اور دل کش ہیں کہ دل چاہتا ہے آپ کو من میں بسا لوں"...... دوسری طرف سے ایک نسوانی آواز سنائی دی۔ آواز نہایت ہی خوبصورت تھی اور آواز سے محسوس ہو رہا تھا کہ اتنی خوبصورت آواز کی مالکہ خود بھی انتہائی خوبصورت ہو گی۔

"لیکن آپ کا من اتنا بڑا تو نہیں کہ میں اس میں سما جاؤں"۔ عمران نے بوکھلا کر سلیمان کی آواز میں کہا۔ عمران کی بات سن کر دوسری طرف سے ہنسی کی آواز سنائی دی۔ ہنسی میں بھی بہت مٹھاس تھی۔

"سلیمان صاحب۔ آپ خود تو دلکش ہیں ہی مگر باتیں بھی نہایت دلچسپ کرتے ہیں"...... دوسری طرف سے لڑکی نے کہا۔

"تھینک یو۔ تھینک یو۔ اچھا یہ تو بتاؤ کہ تمہاری عمر کتنی ہے"۔ عمران نے شوخ سے لہجے میں کہا۔

"مجھے کیا معلوم۔ البتہ ممی اور ڈیڈی مجھے سولہ سال کی کہتے ہیں"...... لڑکی کی شرماتی ہوئی آواز سنائی دی۔

"آج کے دور میں اور اتنی شرمائی ہوئی آواز۔ حیرت ہے"۔ عمران نے بڑبڑاتے ہوئے کہا۔

"جی۔ کیا کہا آپ نے۔ ذرا بلند آواز میں بولیں مجھے سنائی نہیں دیا کہ آپ نے کیا کہا ہے"...... لڑکی نے کہا۔

"میں نے یہ کہا ہے کہ آپ سترہ سال کی کیوں نہیں ہیں"۔

عمران نے اس سے پوچھا۔

''جج۔ جج۔ جی۔ کیا کہا آپ نے''...... لڑکی نے یکدم ہی ہکلاتے ہوئے پوچھا۔

''میں نے آپ سے یہ پوچھا ہے کہ آپ مجھے دل و جان سے چاہتی ہیں نا''...... عمران نے کہا۔

''نہیں۔ آپ نے کوئی اور بات کی ہے۔ عمر کے بارے میں کچھ کہا ہے''...... دوسری طرف سے لڑکی نے کہا۔

''میری اس بات کا مطلب یہی ہے کہ آپ مجھ سے کس قدر محبت کرتی ہیں''...... عمران نے کہا۔

''یہ تو پوچھنے والی بات نہیں ہے سلیمان صاحب۔ میں بے انتہا محبت کرتی ہوں۔ اگر محبت کی پیمائش کرنے والا کوئی آلہ ہوتا تو پھر شاید میں بتا سکتی کہ میں کس قدر محبت کرتی ہوں۔ اب تو میں آپ سے صرف یہی کہہ سکتی ہوں کہ میں آپ سے دل و جان سے پیار کرتی ہوں''...... دوسری طرف سے لڑکی نے مخمور لہجے میں کہا۔

''بس پھر ٹھیک ہے۔ میں اس بڑھیا کو طلاق دے دیتا ہوں۔ اب روز روز نخرے کرنے لگ گئی ہے''...... عمران نے جوشیلے لہجے میں کہا۔

''بڑھیا۔ طلاق۔ میں کچھ سمجھی نہیں سلیمان صاحب''...... دوسری طرف سے لڑکی حیرت کے جھٹکے کھا کر بولی۔

''چھوڑو ان باتوں کو۔ اب ہمارے راستے میں کوئی رکاوٹ نہیں

رہے گی۔ میں نے اپنے لڑکے کی شادی تو پہلے ہی کر دی تھی۔ شادی کے بعد وہ مردود ایکریمیا بھاگ گیا۔ اب رہ گئی وہ بڑھیا تو میں تمہیں گواہ بنا کر اسے ابھی طلاق دے دیتا ہوں۔ اے بڑھیا ادھر آ۔ میں نے تجھے طلاق دی۔ میں نے تجھے طلاق دی۔ میں نے تجھے طلاق دی۔ لو جی اب ہمارے ہنی مون منانے میں کوئی بھی رکاوٹ نہیں بنے گا۔ کیوں ڈارلنگ۔ اب تم بتاؤ کہ میں سہرا باندھ کر کب تمہارے گھر آ جاؤں اور اگر تمہارے گھر والے راضی نہ ہوں تو پھر ہم کورٹ میرج کر لیتے ہیں۔ آج کل کورٹ میرج کرنے والوں کو بہت قانونی تحفظ فراہم کیا جا رہا ہے''...... عمران کی زبان رواں ہوئی تو پھر چلتی ہی چلی گئی۔

''یہ۔ یہ تم کیسی باتیں کر رہے ہو۔ تم نے تو کہا تھا کہ تم کنوارے ہو۔ تم نے مجھے دھوکا دیا ہے۔ فریب کیا ہے میرے ساتھ۔ تم نے تو اپنی عمر پچیس سال بتائی تھی۔ فراڈیئے''...... دوسری طرف سے لڑکی کی رندھی ہوئی آواز سنائی دی۔

''یہ تمہارا قصور ہے ڈارلنگ۔ تم محبت میں اتنی آگے نکل گئی تھیں کہ میں تمہارا دل نہیں توڑ سکتا تھا لیکن اب جبکہ ہم شادی کا فیصلہ کر رہے ہیں تو سچ بولنا ضروری ہے''...... عمران نے کہا۔

''نہیں۔ تم جھوٹ بول رہے ہو۔ تمہاری عمر اتنی نہیں ہے''۔ لڑکی نے یقین نہ کرتے ہوئے کہا۔

''اگر تمہیں یقین نہیں ہے تو میرے گھر کے قریب جو جنزل

سٹور ہے اس کے مالک سے پوچھ سکتی ہو کہ ہیئر کلر کا میرا ماہانہ خرچہ کیا ہے۔ میں اسی سے ہیئر کلر ادھار لیتا ہوں''...... عمران نے کہا۔

''چکر باز، لوفر، لفنگے، دغا باز، تم نے اب تک مجھے دھوکے میں رکھا اور اب ایک اور دھوکا کرنا چاہتے ہو''...... دوسری طرف سے لڑکی نے گالیوں کی بوچھاڑ کرتے ہوئے کہا تو عمران کے چہرے پر مسکراہٹ آ گئی۔

''دھوکا نہیں شادی کرنا چاہتا ہوں اور کیا ہوا کہ میری عمر پچپن کی ہے۔ دل تو میرا ابھی بچپن کا ہے۔ امنگیں جوان ہیں اور پھر میں تمہیں یہ بھی یقین دلاتا ہوں کہ میرے ہیئر کلر کا خرچہ تمہارے حساب میں درج نہیں ہو گا۔ ہاں تم نے یہ بھی بتایا تھا کہ تم ملازمت کرتی ہو۔ بھلا کہاں کا بتایا تھا''...... عمران نے کہا۔

''فراڈی، جعلساز، دھوکے باز''...... لڑکی ابھی اور بھی گالیاں سناتی کہ عمران نے اسے ٹوک دیا۔

''بس بس۔ تین بیٹوں کے نام کافی ہیں۔ زیادہ بچے اچھے نہیں لگتے۔ بے چارے فیملی پلاننگ والے کیا کہیں گے ہاں۔ اگر تم اصرار کر ہی رہی ہو تو ایک عدد لڑکی کا نام ہی بتا دو۔ بھئی لڑکوں کے ساتھ ساتھ لڑکی کا ہونا بھی ضروری ہے۔ لڑکی کے بغیر گھر میں رونق نہیں ہوتی''...... عمران نے جلدی جلدی بولتے ہوئے کہا۔

''شٹ اپ''...... دوسری طرف سے لڑکی نے غراتی ہوئی آواز

میں کہا تو عمران کی مسکراہٹ میں اضافہ ہو گیا۔

''لیکن یہ تو مغربی نام ہے اور مغربی نام تو مجھے سخت نا پسند ہیں۔ کیا تمہارے ذہن میں کوئی مشرقی نام نہیں آ رہا''...... عمران نے کہا تو دوسری طرف سے رسیور پٹخ دیا گیا۔ سلسلہ منقطع ہوا تو عمران نے بھی مسکراتے ہوئے رسیور کریڈل پر رکھ دیا۔

''سلیمان''...... رسیور رکھنے کے بعد عمران نے سلیمان کو آواز دی تو وہ دروازے کی اوٹ سے باہر نکل آیا۔

''اب تم نے چھپ چھپ میری باتیں بھی سننا شروع کر دی ہیں''...... عمران نے سخت لہجے میں کہا۔

''کسی سے فون کا رسیور چھین کر اس کی آواز میں باتیں کرنا کیا اخلاق کے دائرے میں آتا ہے''...... سلیمان نے منہ بناتے ہوئے کہا۔

''ہائیں۔ تو یہ فون تمہارے لئے تھا''...... عمران نے انجان بنتے ہوئے اور حیرت کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

''بس صاحب بس۔ آپ نے میری زندگی آگ کی مانند کر دی ہے''...... سلیمان نے مایوس آواز میں کہا۔

''تو پھر جاؤ۔ اس آگ پر پانی ڈالو۔ مرغ کی طرح کھڑے اذانیں کیوں دے رہے ہو''...... عمران نے منہ بنا کر کہا۔

''جیلسی کی بھی حد ہوتی ہے صاحب۔ شادی کے لئے آپ سے تو کوئی لڑکی پرپوز نہیں ہوتی اور میں جسے پرپوز کرتا ہوں آپ

اسے بھگا دیتے ہیں۔ آپ تو خود بھی کنوارے مرنا چاہتے ہیں اور ساتھ ہی مجھے بھی کنوارہ مارنا چاہتے ہیں''...... سلیمان نے بھی اس مرتبہ منہ بنا کر کہا۔

''ہونہہ۔ واقعی تمہاری شادی کی عمر نکلتی جا رہی ہے۔ اب تمہاری شادی ہو جانی چاہئے''...... عمران نے اسے غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔

''میری عمر کو کیا ہو گیا ہے صاحب۔ آپ سے بس دو چار مہینے ہی بڑا ہوں''...... سلیمان نے بدستور منہ بنا کر کہا۔

''اگر تو مجھ سے دو چار مہینے بڑا ہے تو پھر تیری شادی میری شادی سے دو چار مہینے پہلے ہو گی۔ اب کچن میں جا اور میرے لئے چائے بنا کر لا''...... عمران نے کہا۔

''چائے نہیں بن سکتی''...... سلیمان نے کہا۔

''کیوں۔ کیا تمہارے ہاتھوں پر مہندی لگی ہوئی ہے''...... عمران نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔

''نہیں لیکن اب مارکیٹ والوں نے کنواروں کو ادھار دینا بند کر دیا ہے۔ انہوں نے اپنی دکانوں پر بڑے بڑے پینا فلیکس لگوا لئے ہیں کہ یہاں کنواروں کو ادھار نہیں دیا جاتا اور یہ بات صرف مارکیٹ والے ہی نہیں بلکہ پوری دنیا کے لوگ جانتے ہیں کہ آپ اور آپ کا باورچی کنوارے ہیں''...... سلیمان نے کہا۔

''ہمارے کنوارے پن سے ادھار کا کیا تعلق''...... عمران نے

حیرت بھرے لہجے میں کہا۔

''دکانداروں کا کہنا ہے کہ بہت زیادہ تعلق ہے۔ کنوارہ جب ادھار لیتا ہے تو اسے واپس کرنے کی پرواہ نہیں کرتا جبکہ شادی شدہ سب سے پہلے ادھار چکاتا ہے تاکہ اسے ادھار ملتا رہے۔ اگر اسے ادھار نہیں ملے گا تو اس کی بیگم اسے گھر میں نہیں گھسنے دے گی۔ پھر کنوارے کی زندگی میں کوئی ربط نہیں ہوتا جبکہ شادی شدہ مرد کی زندگی میں ربط پیدا ہو جاتا ہے۔ کنوارہ ادھار لے کر بھی اکڑ اکڑ کر چلتا ہے جبکہ شادی شدہ کو اس کی بیوی گیدڑ بنا دیتی ہے اور وہ بے چارہ بھیگی بلی بنا پھرتا ہے''...... سلیمان نے کنوارے اور شادی شدہ میں فرق بتاتے ہوئے کہا۔

''گیدڑ اور بھیگی بلی۔ یہ تم نے کیسی مثالیں دی ہیں''...... عمران نے ایک بار پھر حیرت بھرے لہجے میں کہا۔

''وہ مثالیں دی ہیں جو شادی شدہ پر فٹ آتی ہیں''...... سلیمان نے روانی میں کہا۔

''یعنی شادی شدہ بندہ گیدڑ بھی ہوتا ہے اور بھیگی بلی بھی۔ اس کے باوجود تم شادی کرنا چاہتے ہو۔ یعنی تم شیر کی نہیں گیدڑ کی سی زندگی گزارنا چاہتے ہو''...... عمران نے کہا۔

''ایسی شیر جیسی زندگی کا کیا فائدہ کہ دکاندار چائے کی پتی اور چینی بھی ادھار نہ دیں اور انسان چائے کے لئے ترستا رہے''۔ سلیمان نے منہ بنا کر کہا اور کچن کی طرف بڑھ گیا جبکہ عمران کے

چہرے پر مسکراہٹ آ گئی۔ سلیمان کے کمرے سے باہر جانے کے بعد عمران ٹیلی فون کی طرف بڑھا۔ وہ بلیک زیرو سے خاور کی رپورٹ لینا چاہتا تھا لیکن اس سے پہلے کہ وہ رسیور اٹھاتا ٹیلی فون کی گھنٹی بج اٹھی۔

"یس۔ علی عمران ایم ایس سی۔ ڈی ایس سی (آکسن) اسپیکنگ"...... عمران نے اپنے مخصوص لہجے میں کہا۔

"عمران۔ میں ڈیتھ ماسٹر بول رہا ہوں۔ ڈیتھ ماسٹر کا مطلب جانتے ہو نا"...... ایک کرخت آواز سنائی دی۔

"یار۔ آپس کی بات ہے۔ یہ جو ڈگریوں کی لمبی قطار ہے نا میرے نام کے ساتھ۔ یہ میں نے بس رعب کے لئے لگائی ہوئی ہے۔ اب ڈیتھ کا کیا ہے اور ماسٹر کیا ہے۔ مجھے کیا معلوم"۔ عمران نے شوخ سے لہجے میں کہا۔ ویسے وہ اس آواز کو پہچان گیا تھا۔ کار میں ٹرانسمیٹر پر اس نے یہی آواز سنی تھی اور ویسے بھی وہ ڈیتھ ماسٹر کے بارے میں اچھی طرح جانتا تھا۔ ڈیتھ ماسٹر عالمی مجرم تنظیم ڈیتھ لائن کا سربراہ تھا اور اس کے بارے میں کہا جاتا تھا کہ وہ انتہائی سفاک اور درندہ صفت انسان ہے۔

"عمران۔ تمہاری یہ ساری شوخیاں تم سمیت ختم ہونے والی ہیں۔ میں تمہارے خاتمے کا مشن لے کر ہی آیا ہوں۔ کچھ دیر پہلے تم خوش قسمتی سے بچ گئے ہو لیکن یہ خوش قسمتی ہر وقت تمہارے ساتھ نہیں رہے گی"...... دوسری طرف سے ڈیتھ ماسٹر کی غراتی ہوئی

آواز سنائی دی۔

"ڈیتھ ماسٹر۔ جب گیدڑ کی موت آتی ہے تو وہ شہر کا رخ کرتا ہے۔ اس طرح جب کسی مجرم کی موت آتی ہے تو وہ پاکیشیا کا رخ کرتا ہے۔ اب تم پاکیشیا آ گئے ہو تو یہاں سے جا نہیں سکو گے"۔ عمران نے اس مرتبہ بدلے ہوئے لہجے میں کہا۔ اس کے اس لہجے میں درندوں کی سی غراہٹ عود آئی تھی۔

"تم اپنی خیر مناؤ عمران۔ میری صورت میں صرف تمہاری ہی نہیں بلکہ ایکسٹو کی موت بھی پاکیشیا میں آ گئی ہے اور اس موت سے بچنا تمہارے بس کی بات نہیں ہے"...... ڈیتھ ماسٹر کی طنزیہ آواز سنائی دی۔

"تم جیسے ہزاروں کیڑے مکوڑے ایکسٹو کے معمولی کارکنوں کے ہاتھوں جہنم رسید ہو چکے ہیں۔ تمہارا انجام بھی ان سے مختلف نہیں ہو گا"...... عمران نے بدستور غراتے ہوئے کہا۔

"میں چڑیوں کی جرأت پر صرف قہقہے ہی لگایا کرتا ہوں۔ ہاہاہا"...... دوسری طرف سے ڈیتھ ماسٹر نے کہا پھر اس کا فلک شگاف قہقہہ سنائی دیا اور اس کے بعد رابطہ منقطع ہو گیا۔ عمران نے بھی رسیور کریڈل پر رکھ دیا۔

خاور نے ان تینوں لڑکیوں کو اٹھتے اور پھر گیٹ کی طرف بڑھتے دیکھا۔ جب وہ گیٹ سے باہر نکل گئیں تو وہ بھی اٹھ کھڑا ہوا۔ اس نے کافی کے کپ کے نیچے ہی ایک بڑا نوٹ رکھ دیا کیونکہ اس کے پاس اتنا وقت نہیں تھا کہ وہ ویٹر کو بلا کر یا کاؤنٹر پر جا کر بل ادا کرتا۔ وہ باہر آیا تو مقامی لڑکیاں ایک کار میں سوار ہو رہی تھیں جبکہ غیر ملکی لڑکی دوسری کار کا گیٹ کھول رہی تھی۔ عمران نے موبائل فون پر اسے کال دی تھی لیکن جب خاور نے کال سنی تو عمران نے اس سے بات نہیں کی بلکہ اسے عمران اور لڑکیوں کی گفتگو سنائی دی۔ اس گفتگو میں عمران نے ڈان ہوٹل کا نام لیا تو وہ سمجھ گیا کہ اسے فوری طور پر ڈان ہوٹل پہنچنا ہے۔ لہٰذا وہ آندھی اور طوفان کی مانند ڈان ہوٹل پہنچ گیا۔ جب تک کال چلتی رہی تھی خاور کال سنتا رہا تھا۔ اس کال میں ہی عمران نے اسے اشارہ دے دیا تھا کہ اس نے غیر ملکی لڑکی انجلینا کا تعاقب کرنا ہے۔

پھر عمران تو اٹھ کر چلا گیا لیکن لڑکیاں مزید کچھ دیر تک وہیں بیٹھی رہیں۔ ان کے انداز سے ایسے لگ رہا تھا جیسے وہ کسی اہم مسئلے پر بات چیت کر رہی ہوں پھر وہ اٹھیں اور ہال سے باہر آ گئیں۔ خاور بھی ان کے پیچھے باہر آ گیا۔ اس نے مقامی لڑکیوں کو نظر انداز کر دیا اور غیر ملکی لڑکی کا تعاقب کرنے لگا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ کیا کوئی نیا کیس شروع ہو گیا ہے اور یہ کہ غیر ملکی لڑکی انجلینا کون ہے جس کے تعاقب کا عمران نے حکم دیا ہے۔ مختلف سڑکوں سے گزرنے کے بعد کار ایک نیلے رنگ کی بلڈنگ کے گیٹ پر رکی۔ خاور نے اس سے کچھ فاصلے پر کار روک لی۔ پھر اس بلڈنگ کا گیٹ کھلا تو انجلینا کی کار اندر داخل ہو گئی۔ اب خاور سوچنے لگا کہ وہ کیا کرے۔ بلڈنگ کے اندر جائے یا باہر رک کر لڑکی کے واپس آنے کا انتظار کرے۔ پھر اس نے سوچا کہ پہلے وہ جولیا کو رپورٹ دے دے۔ گو کہ اسے اس غیر ملکی لڑکی کے تعاقب کا حکم عمران نے دیا تھا لیکن رپورٹ وہ پہلے جولیا کو دینا چاہتا تھا اور جولیا سے مزید ہدایات لینا چاہتا تھا۔ اس نے اپنا مخصوص سیل فون سیٹ جیب سے نکالا اور جولیا کے نمبرز پریس کر دیئے۔

''یس۔ جولیا اسپیکنگ''...... کال رسیو ہونے کے بعد جولیا کی آواز سنائی دی۔

''مس جولیا۔ میں خاور بول رہا ہوں''...... خاور نے کہا۔

''ہاں خاور۔ کیسے ہو تم۔ بہت دنوں بعد تم نے فون کیا ہے۔

کہاں ہوتم''...... جولیا کی آواز سنائی دی۔

''مس جولیا۔ اس وقت تو میں ایک غیر ملکی لڑکی انجلینا کا تعاقب کر رہا ہوں''...... خاور نے کہا۔

''ارے۔تم نے کب سے غیر ملکی لڑکیوں کا پیچھا کرنا شروع کیا ہے''...... جولیا کی شوخ آواز سنائی دی۔

''میں خود پیچھا نہیں کر رہا مس جولیا۔ مجھے اس کام کا حکم عمران صاحب نے دیا ہے''...... خاور نے ہنستے ہوئے کہا۔

''اچھا۔ کیا سلسلہ ہے یہ''...... جولیا نے پوچھا۔ جس کا مطلب تھا کہ جولیا کو ابھی کچھ معلوم نہیں تھا۔ خاور نے اسے تفصیل بتا دی کہ عمران نے اسے کس طرح انجلینا کے تعاقب کا حکم دیا ہے۔

''ضرور کوئی نیا چکر شروع ہو گیا ہے لیکن ابھی عمران بھی کنفرم نہیں ہے کہ کیا چکر ہے اس لئے اس نے ابھی چیف کو رپورٹ نہیں دی۔ میں عمران سے بات کرتی ہوں۔تم کچھ دیر باہر ہی لڑکی کا انتظار کرو اور اگر کچھ دیر تک لڑکی باہر نہ آئے تو پھر عمران سے ہدایات لے لینا''...... جولیا نے کہا۔

''اوکے مس جولیا۔ تھینک یو اینڈ اللہ حافظ''...... خاور نے کہا اور پھر اس نے کال منقطع کر دی۔ اس کے بعد اس نے بلڈنگ کی طرف دیکھا۔ گیٹ بدستور بند تھا۔ خاور انتظار کرنے لگا۔ اسے انتظار کرتے ہوئے ابھی زیادہ وقت نہیں ہوا تھا کہ بلڈنگ کا گیٹ کھلا اور انجلینا کی کار گیٹ سے باہر آ گئی۔ کار مین روڈ پر آ کر ایک

طرف بڑھی تو خاور ایک بار پھر اس کا تعاقب کرنے لگا۔ کچھ دیر بعد خاور نے انجلینا کی کار کو شہر سے باہر جانے والی سڑک پر مڑتے دیکھا۔ انجلینا کو اپنے تعاقب کا احساس ہو گیا تھا یا اسے اس طرف ہی جانا تھا اس کا اندازہ خاور کو نہیں ہو رہا تھا۔ لہٰذا خاور نے تعاقب جاری رکھا۔ وجہ جو بھی تھی سامنے آ جانی تھی۔ انجلینا کی سفید ٹیوٹا کرولا تیزی سے شالما پہاڑی کی طرف بڑھ رہی تھی۔ خاور نے کار کا فاصلہ بہت بڑھا دیا تھا کیونکہ ٹریفک اب بہت کم تھی اور اگر انجلینا اس تعاقب سے بے خبر تھی تو اسے بے خبر ہی رہنا چاہئے تھا۔ دونوں کاروں کی رفتار کافی بڑھ چکی تھی پھر ایک وقت ایسا بھی آیا کہ اس طویل اور کشادہ سڑک پر صرف دو کاریں ہی رہ گئیں۔ انجلینا کی کار آگے تھی اور خاور کی کار کافی فاصلے پر اس کے پیچھے تھی۔

کچھ دیر بعد شالما پہاڑی کا ویران اور سنسان علاقہ آ گیا۔ انجلینا کی کار ایک موڑ مڑ گئی تھی۔ جب خاور کی کار اس موڑ پر پہنچی تو اس نے بریک لگائی۔ اسے دور دور تک انجلینا کی کار دکھائی نہیں دے رہی تھی۔ خاور کے ہونٹ سکڑ گئے اور وہ اپنی کار سے نیچے اتر آیا آگے راستہ اونچا نیچا تھا۔ وہ اس راستے کا جائزہ لینے کے لئے چند قدم آگے بڑھا۔ اس نے سامنے دور دور تک نظر دوڑائی لیکن انجلینا کار سمیت گدھے کے سر سے سینگ کی مانند غائب ہو چکی تھی۔ اچھی طرح جائزہ لینے کے بعد خاور کار کی جانب واپس مڑا اور جیسے

ہی وہ واپس مڑا یکدم اچھل پڑا۔ اس کی کار کے قریب پانچ افراد کھڑے تھے اور ان پانچوں کے پاس مشین گنیں تھیں اور ان سب مشین گنوں کا رخ خاور کی طرف تھا۔

''اپنے ہاتھ اپنے سر پر رکھ لو مسٹر ورنہ تمہارا سارا جسم روشندان بن جائے گا''...... ان میں سے ایک آدمی نے کرخت لہجے میں کہا۔ وہ پانچوں مقامی دکھائی دے رہے تھے لیکن بولنے کی آواز اور لہجے نے بتا دیا تھا کہ وہ مقامی نہیں ہیں جس کا واضح مطلب تھا کہ وہ پانچوں میک اپ میں تھے۔ اس آدمی کے حکم پر خاور نے اپنے ہاتھ اپنے سر پر رکھ لئے۔

''نمبر سکسٹین۔ اس کی تلاشی لو''...... جس آدمی نے خاور کو ہاتھ اٹھانے کا حکم دیا تھا اسی نے اپنے ایک آدمی کو حکم دیا تو وہ آدمی آگے بڑھا اور خاور کے قریب آ گیا۔ قریب آ کر اس نے خاور کی تلاشی لینے کی کوشش کی لیکن خاور نے یکدم اس کی گردن میں ہاتھ ڈالا اور اسے ڈھال بنانا چاہا لیکن اس سے پیشتر ہی پہاڑی علاقے میں فائرنگ کی تیز آواز گونجی اور اس آدمی کی بھی ایک تیز چیخ پہاڑیوں سے ٹکرانے لگی جسے خاور نے ڈھال بنانا چاہا تھا۔ نمبر سکسٹین کے اپنے ہی انچارج نے اس پر مشین گن کا فائر کھول دیا تھا۔ چیخ کے ساتھ ہی نمبر سکسٹین تڑپنے لگا۔ خاور نے یکدم ہی تڑپتے ہوئے نمبر سکسٹین کو اٹھایا اور باقی افراد کی طرف اچھال دیا۔ نمبر سکسٹین توپ سے نکلے ہوئے گولے کی مانند ان چاروں پر جا

گرا۔ انہیں خاور سے اس عمل کی توقع ہرگز نہیں تھی لہٰذا جیسے ہی نمبر سکسٹین ان سے ٹکرایا تو وہ بوکھلا گئے۔ خاور نے ایک لانگ جمپ لگایا اور کسی پرندے کی طرح اڑتا ہوا ایک ابھری ہوئی چٹان کی دوسری جانب جا گرا۔ نیچے گرتے ہی خاور نے جیب سے اپنا مشین پسٹل نکال لیا اور چٹان سے ظاہر ہو کر فائر کر دیا۔ اس کے مشین پسٹل سے بیک وقت کئی گولیاں نکلیں۔ جس سے ایک بار پھر پہاڑی فضاء گونج اٹھی اور ان چاروں میں سے ایک آدمی کی دلدوز چیخ بھی بلند ہوئی اور وہ وہیں ڈھیر ہو گیا۔ پانچ آدمیوں میں سے اب تین آدمی بچ گئے تھے۔ ان تینوں نے چٹانوں کے پیچھے جمپ لگائے اور وہ چٹانوں کے پیچھے چھپ گئے۔ اب ان میں اور خاور کے درمیان فائرنگ کا باقاعدہ تبادلہ ہونے لگا۔ خاور تربیت یافتہ سیکرٹ ایجنٹ تھا تو کم وہ بھی دکھائی نہیں دے رہے تھے۔ وہ بھی بہت ہی محتاط فائرنگ کر رہے تھے۔ خاور جس چٹان کے پیچھے چھپا ہوا تھا اچانک اس کے ابھرے ہوئے حصے پر زبردست فائرنگ ہوئی جس سے چٹان کے سنگریز ٹوٹ کر ادھر ادھر گرے۔ چند سنگریز خاور کو بھی آ لگے۔ خاور کو یوں محسوس ہوا جیسے اس کے جسم سے موٹی سوئیاں ٹکرائی ہوں اور اسے زخمی کر گئی ہوں۔ اس نے ایک بار پھر لانگ جمپ لگایا اور اڑتا ہوا دوسری چٹان کے قریب جا گرا۔ اس کے جمپ لگاتے ہی مشین گنوں نے شعلے اگلے اور یہ شعلے خاور کے اردگرد سے گزر گئے۔ پھر اس سے پہلے کہ اس پر دوسری بوچھاڑ

ہوتی وہ دوسری پہاڑی کے عقب میں پہنچ چکا تھا۔ اس پہاڑی کے عقب میں پہنچ کر وہ اس پہاڑی کی طرف دیکھ رہا تھا جس کے پیچھے اس کے دشمن چھپے ہوئے تھے کہ اسے خطرے کا احساس ہوا۔ اس نے تیزی سے گردن گھما کر دیکھا لیکن اسے دیر ہو چکی تھی۔ مشین گن کا بٹ اس کے سر پر پڑا اور اس کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا سا چھا گیا۔ دوسری ضرب نے اسے دنیا و مافیہا سے بالکل ہی غافل کر دیا۔ اس کے ہاتھ پاؤں ڈھیلے پڑ گئے۔ اس کے ہاتھ سے مشین پسٹل نکل کر نیچے جا گرا۔

آج ایکریمیا میں افراتفری پھیلی ہوئی تھی۔ ہر چہرے پر موت کی زردی دکھائی دے رہی تھی۔ ریاست فلوایا تو ڈاکٹر بلیک کے اعلان کرتے ہی خالی ہونا شروع ہو گئی تھی حالانکہ حکومت بار بار اعلان کرا رہی تھی اور شہریوں کو پرسکون رہنے کی تلقین کر رہی تھی لیکن عوام کا سکون تو ڈاکٹر بلیک کی تقریر کے ساتھ ہی اڑ گیا تھا۔ ایکریمیا کی عوام کی اکثریت کا خیال تھا کہ ڈاکٹر بلیک نے جو اعلان کیا ہے وہ اسے عملی جامہ ضرور پہنائے گا۔ ان کی فلموں میں دکھایا جاتا تھا کہ سائنسی ایجادات سے فلم کا ہیرو کس طرح ناممکنات کو ممکنات میں بدل دیتا تھا تو ڈاکٹر بلیک بھی کوئی سٹھیایا ہوا سائنس دان ہی تھا جس نے لازماً کوئی ایسی طاقت حاصل کر لی تھی جس کی مدد سے وہ کروڑوں افراد کو لقمۂ اجل بنا سکتا تھا۔ اس لئے حکومت کی طرف سے بار بار تسلیاں دینے اور پرسکون رہنے کی تلقین کے باوجود کوئی شخص بھی پرسکون نہیں تھا۔ ایسے لگتا تھا جیسے انہیں اپنی

حکومت پر اعتماد ہی نہ ہو۔

ریاست فلوایا میں اب بہت ہی کم لوگ رہ گئے تھے۔ ریاست فلویا قبرستان کا منظر پیش کر رہی تھی۔ انسان تو انسان، جانور اور پرندے بھی اس ریاست سے ہجرت کر گئے تھے۔ ریاست میں فوج گشت کر رہی تھی یا ماہرین کی ایک ٹیم جو ایٹم بم کی تلاش میں مگن تھی۔ عوام میں سے چند لوگ ایسے تھے جنہوں نے ہجرت نہیں کی تھی۔ یہ گنتی کے وہ لوگ تھے جنہیں اپنی حکومت پر یقین تھا کہ ان کی حکومت یہ انہونی نہیں ہونے دے گی۔

حکومت ایکریمیا نے جنرل ڈی سوزا کی حفاظت کے تمام انتظامات کر لئے تھے۔ ان انتظامات کے ساتھ ساتھ حکومت ایکریمیا نے اپنے سائنس دانوں اور ماہرین کی مدد سے اس جگہ کو تلاش کرنے کی کوشش کی تھی جہاں سے ڈاکٹر بلیک نے سیٹلائٹ سسٹم پر قبضہ کر کے خطاب کیا تھا لیکن ایکریمیا کے تمام سائنس دان، ماہرین اور مشینری یکسر ناکام رہے تھے اور اس ناکامی نے انہیں پریشان کر دیا تھا لیکن اس کے باوجود وہ اپنی عوام کو تسلی ہی دے رہے تھے اور اپنی کوششوں میں مسلسل مصروف تھے۔

حکومت نے جنرل ڈی سوزا کی حفاظت کے لئے سائنسی انتظامات کئے تھے۔ اسے جس بلڈنگ میں رکھا گیا تھا وہاں ایک مکھی بھی پر نہیں مار سکتی تھی۔ ماہر ڈاکٹرز کی ایک ٹیم اس بلڈنگ میں موجود تھی۔ بلڈنگ کو سینکڑوں کمانڈوز نے گھیر رکھا تھا۔ جنرل ڈی

سوزا کے تمام طبی ٹیسٹ کئے گئے تھے۔ ٹیسٹ کے مطابق وہ بالکل ٹھیک تھے۔ انہیں جو کھانا پیش کیا گیا تھا وہ بھی لیبارٹری ٹیسٹڈ تھا۔ ان تمام انتظامات کے بعد حکومت ایکریمیا کو یقین تھا کہ ڈاکٹر بلیک، جنرل ڈی سوزا کا بال بھی بیکا نہیں کر سکے گا۔ ان تمام انتظامات کی تفصیل بھی حکومت نے میڈیا کو دے دی تھی اور جب میڈیا نے یہ تفصیلات جاری کیں تو دنیا بھر کے لوگوں نے اطمینان کا سانس لیا۔ ان سب کو یقین ہو گیا کہ ڈاکٹر بلیک ناکام رہے گا۔ ایسے انتظامات کے بعد ڈاکٹر بلیک کا کامیاب ہونا ناممکنات میں سے تھا۔

ڈاکٹر بلیک کے دیئے گئے وقت سے تین گھنٹے پہلے ڈاکٹرز کی ٹیم نے جنرل ڈی سوزا کا ایک بار پھر معائنہ کیا۔ وہ مکمل طور پر صحت مند اور تندرست تھا۔ حکومت نے اس کی حفاظت کے لئے جو انتظامات کئے تھے وہ ان انتظامات سے مطمئن بھی تھا۔ اس لئے اس کے چہرے پر پریشانی کے تاثرات بھی نہیں تھے۔ وہ کافی مسرور دکھائی دے رہا تھا۔ ڈاکٹرز کے معائنے کے بعد اسے ریڈیائی الیکٹرک روم میں بند کر دیا گیا۔ اس روم میں تین سکرینیں لگی ہوئی تھیں جو آٹو کنٹرول تھیں۔ روم میں کیمرے بھی لگے ہوئے تھے۔ یوں جنرل ڈی سوزا کی ایک ایک حرکت مین کنٹرول روم میں بیٹھے افراد دیکھ رہے تھے۔

ریڈیائی الیکٹرک روم کا کنٹرول جنرل ڈی سوزا کے پاس تھا اور

مین کنٹرول روم میں چار کرنل بیٹھے ہوئے تھے۔ اب اس ریڈیائی روم میں نہ کوئی داخل ہو سکتا تھا اور نہ ہی کوئی روم سے باہر آ سکتا تھا۔ جب تک جنرل ڈی سوزا ریڈیائی سسٹم آف نہ کر دے اور اب ریڈیائی سسٹم کو بھی آف کرنا جنرل سوزا کے اختیار میں نہیں تھا۔ اس کے سوئچ پینل کو ایک تجوری میں رکھ دیا گیا تھا اور تجوری کی چابی دوسرے کمرے میں بیٹھے ہوئے ایک جنرل کے پاس تھی۔ اس طرح سے کوئی بھی اپنی مرضی سے اب اس ریڈیائی کنٹرول روم کو نہیں کھول سکتا تھا۔

جنرل ڈی سوزا کے کھانے کے لئے پھل اور پینے کے لئے شراب ٹیسٹ کے بعد جنرل کے ساتھ ہی کمرے میں پہنچا دی گئی تھی۔ اس کے کھانے کے لئے پھلوں اور شراب کا معائنہ ڈاکٹرز کے پینل نے کیا تھا اور رپورٹ پر تمام ڈاکٹرز نے دستخط کئے تھے۔ اب ڈاکٹر بلیک کا بتایا گیا وقت بہت ہی قریب تھا۔ سب ایک ایک لمحہ گن رہے تھے اور ایک ایک لمحہ انہیں ایک صدی کے برابر لگ رہا تھا۔

مین کنٹرول روم میں بیٹھے ہوئے افراد نے پلیٹ کھسکنے کی آواز سنی تو سب نے چونک کر سکرین کی طرف دیکھا۔ سکرین جنرل ڈی سوزا کی ایک ایک حرکت دکھا رہی تھی۔ جنرل ڈی سوزا کے چہرے پر تشویش تھی نہ خوف بلکہ وہ مطمئن اور مسرور دکھائی دے رہا تھا۔ اس نے پلیٹ اپنی طرف کھسکائی تھی پھر پلیٹ میں چاول اور شوربہ

ڈالا اور چاول کھانے لگا۔ چاول کھانے کے بعد جنرل ڈی سوزا نے پلیٹ ایک طرف رکھی اور گلاس میں شراب ڈال کر گھونٹ گھونٹ پینے لگا۔ شراب پینے کے بعد اس نے جیب میں سگار کے لئے ہاتھ ڈالا۔ یہ اس کی عادت ہی تھی کہ وہ کھانے کے بعد شراب پیتا تھا اور شراب کے بعد سگار۔ لیکن اس وقت اس کی جیب میں سگار نہیں تھا۔ کسی خیال کے پیش نظر اس سے سگار لے لیا گیا تھا۔ سگار کو جیب میں نہ پا کر اس نے سر کو ہلکا سا جھٹکا دیا۔ پھر کمرے میں ادھر ادھر نظریں دوڑائیں اور اس کے بعد وہ آرام کرسی کی طرف بڑھا۔

وہ آرام کرسی پر لیٹ گیا اور سوچنے لگا کہ زندگی اور موت میں کتنا فرق ہے۔ کتنے بڑے بڑے لوگ گمنامی کی موت مارے جاتے ہیں اور کئی ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں جن کی موت انہیں ہیرو بنا دیتی ہے۔ ڈاکٹر بلیک نے موت کے لئے اس کا نام لیا تھا۔ ڈاکٹر بلیک خود تو اپنے مقصد میں ناکام ہو رہا تھا لیکن جنرل ڈی سوزا کو اس نے گمنامی کے عمیق گڑھوں سے نکال کر شہرت کی بلندیوں پر پہنچا دیا تھا۔ پچھلے چند دنوں سے وہ عالمی میڈیا کی شہ سرخی بن گیا تھا۔ دنیا بھر کے اخبارات نے اس کی تصاویر شائع کی تھیں۔ اس پر تبصرے کئے تھے اور اس پر مضامین لکھے تھے۔ الیکٹرانگ میڈیا بھی دن رات سکرین پر اسے ہی دکھا رہا تھا۔ اسے ایسی شہرت ملی تھی جس کا وہ کبھی تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔ پھر جنرل

ڈی سوزا سوچنے لگا کہ اگر ڈاکٹر بلیک نے اس کی موت کے ساتھ کروڑوں لوگوں کی موت کی دھمکی نہ دی ہوتی تو شاید اس کو بچانے کے اس قدر انتظامات نہ کئے جاتے۔ صرف ایک دو ڈاکٹر اور دو تین فوجی اس کے لئے کافی سمجھے جاتے لیکن اب اس کی زندگی سے کروڑوں لوگوں کی زندگیاں وابستہ تھیں اس لئے حکومت نے اس کی زندگی بچانے کے لئے غیر معمولی انتظامات کئے تھے۔

جنرل ڈی سوزا انہی سوچوں میں گم تھا کہ اچانک اس کے پیٹ میں درد اٹھا۔ اس نے اپنے سینے پر ہاتھ پھیرا۔ درد پسلیوں کے قریب دائیں جانب ہو رہا تھا۔ اس نے درد برداشت کرنے کی کوشش کی لیکن درد بڑھتا ہی چلا گیا اور اس قدر بڑھا کہ اس کی برداشت سے باہر ہو گیا۔ اس کے چہرے سے وحشت عیاں ہونے لگی اور پھر وہ ایک چیخ مار کر رہ گیا۔

کنٹرول روم میں بیٹھے ہوئے افراد نے اس کی یہ حالت دیکھی تو وہ یکدم گھبرا گئے۔ پلک جھپکتے ہی خطرے کی گھنٹیاں بجنے لگیں اور ہر طرف ایک کہرام بپا ہو گیا۔ فوراً ہی تمام ڈاکٹرز، سائنس دان، ایجنٹس اور حکومت کی اعلیٰ شخصیات کنٹرول روم میں جمع ہو گئیں اور فیصلہ کیا گیا کہ کچھ دیر کے لئے ریڈیائی سسٹم جام کر دیا جائے تاکہ وہ سب کمرے میں داخل ہو سکیں اور جنرل ڈی سوزا کو بروقت طبی امداد دی جا سکے۔ لہٰذا اس فیصلے پر فوراً ہی عمل کیا گیا۔

ڈاکٹرز فوراً ہی جنرل ڈی سوزا کے پاس پہنچے جو اس وقت تک

بے ہوش ہو چکا تھا۔ معائنے کے بعد تمام ڈاکٹرز کے ہونٹ دائرے کی مانند سکڑ گئے۔ یہ اب قسمت کا ہی کھیل تھا کہ ہر طرح سے صحت مند اور توانا جنرل ڈی سوزا کا اپنڈکس پھٹ گیا تھا۔ آنت کے پھٹ جانے کی وجہ سے زہر اس کے جسم میں پھیل رہا تھا اور یہ پھیلتا ہوا زہر اس کی زندگی کے چراغ کو گل کر رہا تھا۔

اس بلڈنگ میں ہمہ قسم کے آپریشن کا بھی بندوبست کیا گیا تھا۔ ڈاکٹرز کے گروپ میں سرجن بھی شامل تھے لہٰذا جنرل ڈی سوزا کو فوراً ہی آپریشن روم کی طرف لے جایا جانے لگا۔ موت کا فرشتہ آپریشن روم کے دروازے پر ہی کھڑا تھا اس لئے جیسے ہی جنرل ڈی سوزا آپریشن روم کے دروازے پر پہنچا موت کے فرشتے نے اسے جکڑ لیا اور اس کی روح کو اس کے جسم سے کھینچ لیا۔ جنرل ڈی سوزا نے آخری ہچکی لی۔ اس کا سر ایک بار بلند ہوا اور پھر جب اس کا سر نیچے ہوا تو اس کی آنکھیں بے نور ہو چکی تھیں۔ سب کی نظریں بے اختیار گھڑی کی طرف گئیں۔

یہ وہی وقت تھا جس کا اعلان ڈاکٹر بلیک نے کیا تھا۔ وہاں موجود سب افراد کے چہرے دہشت و وحشت کی زیادتی کی وجہ سے بگڑ گئے۔ خوف ان کے لہو میں شامل ہو کر ان کی رگوں میں دوڑنے لگا۔ اگر جنرل ڈی سوزا، ڈاکٹر بلیک کے بتائے وقت کے مطابق مر گیا تھا تو اس کا مطلب ہے کہ اب ایکریمیا میں موت کا بازار گرم ہو جائے گا۔ ایکریمیا کی گلیوں اور بازاروں میں موت

رقص کرتی نظر آئے گی۔ ہر طرف لاشیں ہی لاشیں ہوں گی اور ان لاشوں کے درمیان ڈاکٹر بلیک کے قہقہے گونجیں گے۔ ڈاکٹر بلیک جو یقیناً شیطان کا ساتھی تھا کروڑوں لوگوں کو موت کے حوالے کر دے گا۔ وہاں موجود لوگ چشم تصور سے دیکھنے لگے کہ ایکریمیا شعلوں میں ڈوبا ہوا تھا اور ان شعلوں میں فلک شگاف دھماکے زندگی کو مٹا رہے تھے۔

ڈاکٹر بلیک اس وقت اپنے مخصوص کمرے میں بیٹھا ہوا تھا۔ اس کمرے کو اس نے ڈیتھ روم کا نام دیا ہوا تھا۔ یہ بہت بڑا کمرہ تھا جس میں لاتعداد مشینیں تھیں۔ ڈاکٹر بلیک کی زندگی کا ایک بڑا حصہ اس کمرے کی نذر ہو گیا تھا۔ یہ کمرہ نہیں بلکہ سائنس کی ایک مکمل دنیا تھا۔ اس کمرے میں بیٹھ کر ڈاکٹر بلیک اپنی ساری کارروائیاں کرتا تھا اور یہی وہ کمرہ تھا جس میں کسی اور کو آنے کی اجازت نہیں تھی۔

تمام مشینوں کے سامنے بیٹھنے کے لئے کرسیاں رکھی ہوئی تھیں۔ ان مشینوں کو آپریٹ کرنے والا کوئی نہیں تھا کیونکہ یہ سب آٹو تھیں۔ ڈاکٹر بلیک اس وقت ایک مشین کے سامنے بیٹھا ہوا تھا اور اس کا چہرہ اس قدر بگڑا ہوا تھا کہ وہ کسی طور بھی انسان دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ وہ اس وقت ایک ایسا بھیڑیا نظر آ رہا تھا جو بھیڑوں کے ریوڑ کو تہس نہس کرنے کا ارادہ کئے ہوئے ہو۔ اس کی آنکھوں

کی سرخی اس کی بربریت کا اعلان کر رہی تھی۔ وہ جس مشین کے سامنے بیٹھا ہوا تھا اس مشین کی سکرین روشن تھی۔ بٹن پینل پر درجنوں بٹن تھے۔ سکرین پر نظر آنے والی تحریر کو پڑھتے ہوئے ڈاکٹر بلیک مشین کے بٹن دبا رہا تھا۔ چند بٹنوں کو دبانے کے بعد اس نے مشین کے کونے میں لگا ہوا رسیور نیچے کیا۔ اس کے چند لمحوں بعد کمرے میں رکھے ہوئے ٹی وی سیٹ پر نظر آنے والی نشریات رک گئیں اور ٹی وی سکرین پر ایک کھوپڑی اور دو ہڈیاں نظر آنے لگیں۔ ڈاکٹر بلیک نے دنیا کے سب سے معروف اور مقبول ٹی وی چینل کی نشریات پر قبضہ کر لیا تھا۔ اب وہ اس چینل کے ذریعے دنیا بھر کے لوگوں سے مخاطب ہو سکتا تھا۔ ٹی وی سکرین پر ایک نظر ڈالنے کے بعد ڈاکٹر بلیک نے سفید رنگ کا ایک بٹن پریس کیا اور پھر وہ کرخت لہجے میں بولا۔

”لیڈیز اینڈ جینٹس۔ تم نے دیکھ لیا کہ میرے بتائے ہوئے وقت کے مطابق موت کی ظالم اور تند و تیز آندھی نے جنرل ڈی سوزا کی زندگی کے چراغ کو گل کر دیا۔ حالانکہ اس کی حفاظت کے انتظامات دنیا کی سب سے بڑی سپر پاور نے کئے تھے اور یقیناً ان انتظامات میں کوئی کمی یا خامی نہیں تھی لیکن تمہیں یاد رکھنا چاہئے کہ ڈاکٹر بلیک کا وعدہ اٹل وعدہ ہے جو کبھی ٹل نہیں سکتا اور میں نے تم سے وعدہ کیا تھا کہ اگر حکومت ایکریمیا نے جنرل ڈی سوزا کو مرنے سے بچا لیا تو ٹھیک ورنہ اس کی ریاست فلوایا جو اس کے

دارالحکومت کے قریب تر ہے کو صفحۂ ہستی سے مٹا دیا جائے گا۔ میرا ایک وعدہ تو پورا ہو چکا۔ جنرل ڈی سوزا زندگی سے ناطہ توڑ چکا ہے اور اب سے ٹھیک انتیس گھنٹے بعد فلوایا پر قیامت ٹوٹ پڑے گی لیکن فلوایا خالی ہو چکا ہے تو اس کے صفحۂ ہستی سے مٹنے سے کوئی خاص فرق نہیں پڑنا جبکہ مجھے ایکریمیا سے کم از کم ایک کروڑ انسانوں کی قربانی چاہئے تو ٹھیک ہے فلوایا خالی ہو گیا ہے تو ہوتا رہے۔ ایکریمیا کا دارالحکومت تو ہے نا۔ دارالحکومت کے ساتھ ساتھ دوسرے شہر بھی ہیں نا۔ مجھے تو ایک کروڑ انسانوں کی لاشیں دیکھنی ہیں وہ لاشیں دارالحکومت اور اردگرد کے شہروں میں بھی دیکھی جا سکتی ہیں۔ اب دنیا صرف انتیس گھنٹے انتظار کرے۔ انتیس گھنٹے بعد ایکریمیا ایک کروڑ انسانوں کی قربانی دیتا ہوا دکھائی دے گا۔ فلوایا اور دارالحکومت کی بلند و بالا عمارتیں زمین بوس ہو کر کھنڈرات میں تبدیل ہو جائیں گی۔ صرف اٹھائیس گھنٹے پچاس منٹ بعد ایکریمیا میں موت کا رقص ہو گا اور تم لوگ یہ دلچسپ مناظر لائیو دیکھ سکو گے۔ پیپلز۔ تم خوش نصیب لوگ ہو کہ میری آواز دوبارہ بھی سنو گے لیکن ایکریمیا کے ان ایک کروڑ بدنصیب لوگوں کے بارے میں سوچو جو اب دوبارہ میری آواز نہیں سن سکیں گے۔ اوکے۔ گڈ بائی“...... ڈاکٹر بلیک نے مسلسل بولتے ہوئے کہا اور پھر آخر میں اس نے قہقہہ بھی بلند کیا۔ یقیناً اس کا قہقہہ موت کے قہقہے جیسا ہی تھا۔ ڈاکٹر بلیک نے مشین کا لیور اوپر اٹھایا اور پھر چند بٹن پریس

کئے۔ جیسے ہی بٹن پریس ہوئے ٹی وی سکرین سے کھوپڑی اور ہڈیاں غائب ہوگئیں اور ٹی وی چینل کی نشریات بحال ہوگئیں۔

ڈاکٹر بلیک کی سرخ آنکھوں میں خونی چمک پیدا ہو چکی تھی۔ وہ خونی مسکراہٹ چہرے پر لا کر ٹی وی سکرین کی طرف دیکھنے لگا۔ ٹی وی سکرین پر ایکریمی دارالحکومت کے لائیو مناظر دکھائے جا رہے تھے۔ وہاں قیامت کا سماں پیدا ہو چکا تھا۔ فلوایا کے زیادہ تر لوگ فلوایا چھوڑ کر دارالحکومت میں آ گئے تھے لیکن اب ڈاکٹر بلیک کے خطاب نے ان کے اوسان خطا کر دیئے تھے۔ لوگ دارالحکومت سے نکلنا چاہتے تھے لیکن اتنی تعداد میں گاڑیاں موجود نہ تھیں کہ دارالحکومت سے کروڑوں لوگوں کو دور دراز منتقل کر دیا جائے۔ پرائیویٹ گاڑیاں رکھنے والے افراد اپنی اپنی گاڑیوں پر نکلنے کی کوشش کر رہے تھے اور افراتفری کا شکار ہو رہے تھے جس کی وجہ سے چند منٹوں میں ہی سینکڑوں حادثات ہو گئے اور سڑکیں بلاک ہوگئیں۔ اب وہاں امدادی کارروائیاں بھی نہیں ہوسکتی تھیں کیونکہ ہر آدمی ہی دارالحکومت سے نکل جانا چاہتا تھا لیکن اب دارالحکومت سے نکلنا آسان نہیں رہا تھا۔

حکومت ٹی وی چینلز اور ریڈیو کے ذریعے مسلسل عوام سے اپیل کر رہی تھی کہ عوام پرسکون رہیں۔ ڈاکٹر بلیک کی بات پوری نہیں ہو گئی۔ افراتفری کی وجہ سے بہت نقصان ہو رہا تھا۔ حادثات کا شکار ہو کر گاڑیاں تباہ ہو گئی تھیں اور سینکڑوں افراد پیدل ہی بھاگ

پڑے تھے۔ اس طرح بھاگنے سے دارالحکومت میں اور زیادہ دہشت پھیل گئی تھی۔ کئی افراد نیچے گرے تھے اور انہیں دوبارہ اٹھنا نصیب نہیں ہوا تھا۔ بھاگنے والوں نے انہیں اپنے قدموں میں روند دیا تھا۔ پوری عوام کے چہرے دہشت و خوف سے زرد ہو چکے تھے اور یہ مناظر لائیو دیکھ کر ڈاکٹر بلیک مکروہ انداز میں مسکرا رہا تھا۔ قہقہے لگا رہا تھا۔ خونی اور شیطانی قہقہے۔

''بھاگ رہے ہو موت سے بھاگ رہے ہو۔ بھلا موت سے بھی کوئی بھاگ سکتا ہے۔ ہاہاہا''...... ڈاکٹر بلیک نے ان مناظر کو دیکھا اور پھر وہ قہقہے لگانے لگا۔ وہ کافی دیر تک پاگلوں کی طرح قہقہے لگاتا رہا۔ ڈاکٹر بلیک کے قہقہے تھمے تو اس نے ایک بار پھر ٹی وی سکرین کی طرف دیکھا۔ اب ایکریمیا کے دارالحکومت میں ہیلی کاپٹر گشت کرتے دکھائی دے رہے تھے۔ دارالحکومت کی فضائی نگرانی شروع کر دی گئی تھی۔

دوسری طرف ایٹم بم تلاش کرنے والے ماہرین کی کئی ٹیمیں مصروف عمل ہو چکی تھیں۔ وہ ایٹم بم کو تلاش کر کے ناکارہ کر سکتے تھے لیکن وہ اس جگہ کے بارے میں نہیں جانتے تھے جہاں ایٹم بم نصب کیا گیا تھا۔ بس وہ اپنی کوششیں کر رہے تھے لیکن وہ بھی مایوسی کا شکار ہو چکے تھے۔ جیسے جیسے وقت گزر رہا تھا ویسے ویسے ماہرین کی پریشانیوں میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ حکومت نے ان ماہرین کو بچانے کے خصوصی انتظامات کئے تھے۔ ڈاکٹر بلیک کے

بتائے ہوئے وقت سے ایک گھنٹے پہلے ہی ان ماہرین کو ہیلی کاپٹرز میں بٹھا کر دور لے جایا جانا تھا۔

یہ تو خصوصی انتظامات تھے جو خاص افراد کے لئے تھے لیکن عام افراد کو بچانے کے لئے وسیع انتظامات کی ضرورت تھی اور اتنے بڑے پیمانے پر انتظامات کرنا حکومت کے بس میں نہیں تھا۔ حکومتی ارکان کے دماغ ماؤف ہو چکے تھے۔ حکومتی مشینری جام ہو گئی تھی۔ ایکریمیا میں اس وقت قیامت کا منظر دکھائی دے رہا تھا۔ ڈاکٹر بلیک کافی دیر تک یہ مناظر دیکھتا رہا پھر اس نے دو بٹن اور پریس کئے۔ ان بٹنوں کے پریس ہوتے ہی ٹی وی سکرین پر ایک گھڑی دکھائی دینے لگی۔ یہ گھڑی ایٹم بم سے منسلک تھی۔ اس پر تمیں گھنٹے فکس کئے گئے تھے جو نفی ہو رہے تھے۔ اب تک تین گھنٹے نفی ہو چکے تھے۔ یہ گھڑی جی اے ٹی وی چینل کی نشریات کے دوران نظر آنے لگی تھی اور چونکہ دنیا بھر کے ٹی وی چینل اس وقت جی اے ٹی وی کی نشریات دکھا رہے تھے اس لئے یہ گھڑی پوری دنیا میں نظر آ رہی تھی۔ جی اے ٹی وی نے خصوصی انتظامات کئے تھے۔ سیٹلائٹ کے ذریعے فلوایا اور دارالحکومت کے مناظر واضح دکھا رہے تھے۔

ڈاکٹر بلیک کافی دیر تک وہاں بیٹھا رہا پھر وہ وہاں سے اٹھا۔ وہ اپنے مختلف کمروں میں گھومتا رہا۔ مشینوں کو چیک کرتا رہا پھر سو گیا۔ پھر وہ دوبارہ مخصوص کمرے میں داخل ہوا تو ایٹم بم پھٹنے میں

صرف آدھا گھنٹہ باقی تھا۔ اس نے ٹی وی سکرین کو دیکھا تو اس کے چہرے پر زہریلی مسکراہٹ آ گئی۔ ٹی وی سکرین پر اب بھی فلوایا اور ایکریمی دارالحکومت کے مناظر دکھائی دے رہے تھے۔ فلوایا تو قبرستان کا سا منظر پیش کر رہا تھا البتہ دارالحکومت میں لوگوں کا اژدھام تھا لیکن ان لوگوں کے چہرے موت کے خوف کی وجہ سے سفید پڑ چکے تھے۔ کئی لوگوں نے خندقیں کھود لی تھیں اور وہ ان میں پناہ لئے ہوئے تھے۔ کئی لوگ زمین پر لیٹے ہوئے تھے۔ بہت سے لوگ ایسے بھی تھے جو ابھی تک بدحواسی کے عالم میں بھاگتے ہوئے دکھائی دے رہے تھے۔ وہ چند میٹرز تک ایک طرف بھاگتے، پھر رک کر ادھر ادھر دیکھتے۔ اس کے بعد واپس بھاگتے ہوئے آتے۔ لگتا تھا کہ موت کی دہشت نے انہیں پاگل کر دیا ہو۔

"ہاہاہا۔ چوہے، موت سے خوفزدہ ہو کر کس طرح دوڑ رہے ہیں۔ اوئے۔ اس طرح دوڑنے سے کیا موت تم پر ترس کھا کر تمہیں چھوڑ دے گی۔ نہیں چھوڑے گی۔ موت کا ظالم شکنجہ تمہاری گردنیں دبانے کے لئے بالکل تیار ہے۔ اب صرف چند منٹ باقی ہیں۔ صرف چند منٹ۔ چوہو۔ بھاگو دوڑو اور زیادہ تیز بھاگو اور تیز، اور تیز۔ ہاہاہا"...... ڈاکٹر بلیک نے تیز لہجے میں کہا اور پھر وہ ہذیانی انداز میں قہقہے لگانے لگا۔ اسے موت سے پہلے کا یہ منظر بہت ہی اچھا لگ رہا تھا اور وہ اس منظر کو انجوائے کر رہا تھا۔ تمیں گھنٹے پورے ہونے والے تھے۔ ٹی وی سکرین پر گھڑی کے ساتھ

ہی ایک سرخ رنگ کا بلب نمودار ہو گیا تھا۔ یہ بلب تیزی سے جل بجھ رہا تھا۔ اچانک ہی ڈاکٹر بلیک کا چہرہ پتھروں کی مانند سخت ہو گیا۔ اس کی آنکھوں کی سرخی میں اضافہ ہو گیا۔ اس کی آنکھوں سے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے وہاں دو سرخ بلب روشن ہو گئے ہوں۔ تباہی، قیامت خیز تباہی۔ اب منٹوں کی نہیں بلکہ سیکنڈوں کی دوری پر تھی۔ پھر جیسے ہی تیس گھنٹے پورے ہوئے ٹی وی سکرین پر یکا یک آگ کا ایک طوفان سا اٹھتا ہوا دکھائی دیا اور آناً فاناً کالے دھوئیں نے ہر چیز کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ ڈاکٹر بلیک قہقہے لگانے لگا۔ خون میں ڈوبے ہوئے قہقہے۔ بھیانک موت کے بھیانک قہقہے۔

عمران نے کار سرسلطان کی سرکاری کوٹھی کے گیٹ پر روکی۔ گیٹ پر ایک سیکورٹی گارڈ کھڑا تھا۔ اسے دیکھ کر عمران کار سے نیچے اترا۔ یہ سیکورٹی گارڈ نیا تھا اور عمران سے واقف نہیں تھا۔ سیکورٹی گارڈ کو ہدایت کی گئی تھی کہ کوٹھی پر جو بھی ملاقاتی آئے اس کے ساتھ مؤدبانہ انداز میں گفتگو کی جائے اس لئے جیسے ہی عمران کار سے نیچے اترا سیکورٹی گارڈ نے مؤدبانہ انداز میں اسے سلام کیا۔ عمران نے اس کے سلام کے جواب میں خالصتاً لکھنوی انداز اپنایا۔ وہ ہاتھ ہلا ہلا کر اور سر جھکا جھکا کر سیکورٹی گارڈ کو آداب کرنے لگا۔ سیکورٹی گارڈ کو سرسلطان کے کسی ملاقاتی سے اس انداز کی قطعاً امید نہیں تھی اس لئے وہ یکدم پریشان ہو گیا اور حیران و پریشان نظروں سے عمران کو دیکھنے لگا۔

''محترم جناب اعلیٰ حضرت اعلیٰ افسر صاحب۔ آپ کے مزاج گرامی کیسے ہیں''...... عمران نے لکھنوی لب و لہجے میں کہا تو بے

چارہ سیکورٹی گارڈ اور زیادہ پریشان ہو گیا۔

''سر۔ آپ''...... پریشانی کی وجہ سے وہ بے چارہ اپنی بات بھی پوری نہیں کر سکا۔

''اعلیٰ حضرت۔ سر تو آپ ہیں۔ ہم تو قدم ہیں بلکہ قدموں کی دھول ہیں''...... عمران نے عاجزانہ لہجے میں کہا پھر اس نے جیب سے چیونگم کا ایک پیکٹ نکالا۔ ریپر کھول کر چیونگم منہ میں ڈالا اور خالی ریپر سیکورٹی گارڈ کے ہاتھ میں دے دیا۔ عمران کی اس حرکت نے اس بے چارے کو اور زیادہ پریشان کر دیا۔

''جناب۔ آپ کون ہیں اور آپ کو کس سے ملنا ہے''۔ سیکورٹی گارڈ نے پریشان لہجے میں کہا۔

''جو صاحب اس بنگلے میں رہتے ہیں ہمیں ان سے ہی ملنا ہے۔ بھلا کیا نام ہے ان صاحب کا''...... عمران نے کہا تو سیکورٹی گارڈ سمجھ گیا کہ یہ نوجوان سر سلطان کا ملنے والا نہیں ہے بلکہ کوئی ایسا احمق ہے جسے کسی نے بے وقوف بنا کر یہاں بھیج دیا ہے اس لئے اس نے اب سخت لہجہ اپنانے کا فیصلہ کیا۔

''یہ بنگلہ جس صاحب کا بھی ہے لیکن تم اس میں داخل نہیں ہو سکتے۔ چلو بھاگو یہاں سے''...... سیکورٹی گارڈ نے سخت لہجے میں کہا تو عمران اسے اس طرح دیکھنے لگا جیسے اسے سیکورٹی گارڈ کے رویئے کی تبدیلی پر حیرت ہو رہی ہو۔

''لل۔ لل۔ لیکن۔ سس۔ سس۔ سر''...... عمران نے حیرت کی

شدت سے ہکلاتے ہوئے کہا۔

''لیکن ویکن کچھ نہیں ہے۔ بھاگو یہاں سے ورنہ گولی مار دوں گا''...... سیکورٹی گارڈ نے اور زیادہ سخت لہجے میں کہا۔

''بلال خان۔ کیا بات ہے۔ کس سے الجھ رہے ہو''...... عمران کو بابا کرم دین کی آواز سنائی دی۔ بابا کرم دین سر سلطان کے پرانے ملازم تھے۔ اس آواز کے ساتھ ہی گیٹ کی ذیلی کھڑکی کھلی اور بابا کرم دین کا چہرہ دکھائی دیا۔

''بابا۔ یہ۔ یہ''...... سیکورٹی گارڈ جس کا نام بابا کرم دین نے بلال خان لیا تھا، نے عمران کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا لیکن اس کی بات مکمل ہونے سے پہلے بابا کرم دین نے عمران کو دیکھ لیا اور اس نے بلال خان کی بات مکمل نہ ہونے دی۔

''السلام علیکم۔ چھوٹے صاحب۔ آپ یہاں کیوں کھڑے ہیں۔ بڑے صاحب بہت بے چینی سے آپ کا انتظار کر رہے ہیں اور بلال خان۔ میں نے تم سے کہا تھا کہ جیسے ہی چھوٹے صاحب آئیں تم نے انہیں فوراً اندر بھیجنا ہے۔ تم نے انہیں یہاں گیٹ پر روکا ہوا ہے اور ان سے تم کس لہجے میں بات کر رہے تھے''...... بابا کرم دین نے پہلے عمران سے اور پھر سیکورٹی گارڈ سے کہا تو وہ یکدم بوکھلا گیا۔

''اوہ۔ اوہ۔ یہ چھوٹے صاحب ہیں۔ لیکن۔ لیکن''...... بلال خان نے اس مرتبہ گھبرائے ہوئے لہجے میں کہا۔

''اب منہ کیا دیکھ رہے ہو۔ گیٹ کھولو تاکہ چھوٹے صاحب اندر آ سکیں''...... بابا کرم دین نے بدستور سخت لہجے میں کہا تو بلال خان اور زیادہ پریشان ہو گیا۔ اس نے فوراً ہی گیٹ کھول دیا۔

''سس۔ سس۔ سوری سر۔ آیئے سر۔ تشریف لایئے''...... اس نے گھبرائے ہوئے لہجے میں عمران سے کہا۔

''لیکن میرا نام سس سس۔ سوری سر تو نہیں ہے''...... عمران نے حیرت بھرے لہجے میں کہا۔

''چھوٹے صاحب۔ جلدی آیئے۔ بڑے صاحب انتہائی بے چینی سے آپ کا انتظار کر رہے ہیں''...... اس سے پہلے کہ بلال خان عمران کی بات کے جواب میں کچھ کہتا بابا کرم دین نے منت بھرے لہجے میں عمران سے کہا۔

''ہائیں۔ کیا اب سلطان بھی بے چین ہونے لگے ہیں''۔ عمران نے بابا کرم دین سے بھی حیرت بھرے لہجے میں کہا۔

''آیئے چھوٹے صاحب آیئے۔ بلال خان۔ تم صاحب کی گاڑی اندر لے آؤ''...... بابا کرم دین نے پہلے عمران سے اور پھر سیکورٹی گارڈ سے کہا اور اس کے ساتھ ہی وہ مڑا اور آگے بڑھنے لگا۔ سیکورٹی گارڈ بلال خان بے چارہ ہونق بنا کھڑا تھا۔ عمران نے جیب سے چیونگم کا ایک پیکٹ اور نکالا۔ ریپر اتار کر اس نے چیونگم منہ میں ڈالا اور ریپر سیکورٹی گارڈ کے ہاتھ میں دے دیا اور پھر وہ بابا کرم دین کے پیچھے دوڑا۔ بے چارے سیکورٹی گارڈ کی حالت

دیکھنے والی تھی۔

''بڑے صاحب ریڈنگ روم میں ہیں۔ آپ وہیں تشریف لے جایئے''...... بابا کرم دین نے کہا تو عمران نے اثبات میں سر ہلایا اور پھر وہ سرسلطان کے ریڈنگ روم میں پہنچ گیا۔ سرسلطان کرسی پر بیٹھے تھے اور ان کی آنکھیں بند تھیں۔ ان کے چہرے سے صاف محسوس ہو رہا تھا کہ وہ سوچوں میں گم ہیں۔ عمران ریڈنگ روم میں داخل ہوا تو سرسلطان کو محسوس ہو گیا۔ انہوں نے آنکھیں کھول کر عمران کی طرف دیکھا اور ان کے چہرے پر مسکراہٹ آ گئی۔

''السلام علیکم''...... عمران نے سلام کیا تو سرسلطان نے اس کے سلام کا جواب دیا۔

''بیٹھو عمران بیٹے''...... سرسلطان نے کہا تو عمران دوسری کرسی پر بیٹھ گیا۔

''تم ڈاکٹر بلیک کو جانتے ہو''...... عمران کے کرسی پر بیٹھ جانے کے بعد سرسلطان نے گفتگو کا آغاز کرتے ہوئے کہا۔

''جی ہاں۔ ڈاکٹر بلیک ایک ایسا سائنس دان ہے جس کا ذہنی توازن بگڑ گیا ہے۔ اس نے ایکریمیا کے کروڑوں معصوم اور بے گناہ افراد کو موت کے گھاٹ اتار دیا ہے اور اس نے آپ کو بھی موت کی دھمکی دی ہوئی ہے اور اگر اس کے بتائے ہوئے وقت کے مطابق خدانخواستہ آپ کی موت واقع ہو گئی تو پاکیشیا کے بھی کروڑوں لوگ بے گناہ مارے جائیں گے لیکن کیا آپ اس کی

دھمکی کی وجہ سے پریشان ہیں''...... عمران نے سنجیدہ لہجے میں کہا۔ اسی وقت کمرے کا دروازہ کھلا اور بابا کرم دین چائے کے برتن لئے اندر داخل ہوا۔

''نہیں۔ میں موت سے خوفزدہ نہیں ہوں۔ الحمدُ للہ۔ میں مسلمان ہوں اور موت و حیات پر میرا ایمان ہے۔ جو رات میں نے قبر میں گزارنی ہے وہ میں باہر نہیں گزار سکتا۔ دنیا بھر کی تمام طاقتیں مل کر مجھے بچانے کی جس قدر چاہیں کوشش کر لیں۔ اسی طرح اگر ابھی میری موت کا وقت نہیں آیا تو ایک ڈاکٹر بلیک کیا اس جیسے ایک لاکھ ڈاکٹر بلیک بھی آ جائیں تو وہ میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ میرا اللہ سب سے بڑا اور سب سے طاقتور ہے۔ زندگی دینے والا اور زندگی واپس لینے والا صرف وہی ہے''...... سر سلطان نے مضبوط لہجے میں کہا تو عمران کے چہرے پر مسکراہٹ آ گئی۔ بابا کرم دین اس دوران ان کے سامنے چائے رکھ کر باہر چلا گیا۔

''آپ کے خیالات سن کر مجھے خوشی ہو رہی ہے''...... عمران نے مسکراتے ہوئے کہا اور چائے کا کپ اٹھا لیا۔

''یہ صرف میرا ہی عقیدہ نہیں ہے عمران بیٹے بلکہ یہ ہر مسلمان کا عقیدہ ہے اور اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو اس عقیدے پر قائم و دائم رکھے''...... سر سلطان نے دعائیہ انداز میں کہا۔

''آمین''...... عمران نے فوراً ہی کہا۔

''عمران بیٹے۔ جرائم دنیا بھر میں ہوتے ہیں اور دنیا بھر میں

ان جرائم کا سدباب بھی کیا جاتا ہے اور مجرموں کو ان کے کئے کی سزائیں بھی دی جاتی ہیں۔ ڈاکٹر بلیک بھی ایک مجرم ہے۔ وہ کروڑوں انسانوں کا قاتل ہے۔ تم نے اس کے بارے میں کیا سوچا ہے''...... سر سلطان نے سنجیدہ لہجے میں کہا۔

''ابھی تو میں نے کچھ نہیں سوچا اور میں اس وقت تک کچھ سوچ بھی نہیں سکتا جب تک دو تین سگریٹ نہ پی لوں لیکن میں سگریٹ تو لایا ہی نہیں۔ خیر آپ کی بڑی ٹیبل کی دراز میں جو سگریٹ رکھے ہیں میں ان میں سے ایک سگریٹ لے لیتا ہوں اور اس کے بعد ڈاکٹر بلیک کے بارے میں سوچتا ہوں''...... عمران نے کہا تو سر سلطان کا منہ حیرت سے کھل گیا۔ وہ جانتے تھے کہ عمران سگریٹ نہیں پیتا اور نہ ہی ان کی ٹیبل کی دراز میں سگریٹ موجود ہیں کیونکہ وہ خود بھی سموکر نہیں تھے۔ پھر انہوں نے کچھ کہنا چاہا لیکن ان کے کہنے سے پہلے ہی عمران کرسی سے اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ وہ انتہائی تیزی سے ٹیبل کی طرف بڑھا۔ پھر جیسے ہی وہ ٹیبل کے قریب پہنچا وہ بجلی کی سی تیزی سے حرکت میں آیا اس نے ایک جھٹکے سے کھڑکی کھولی اور پھر ایک آدمی اڑتا ہوا کمرے میں آ گرا۔ آدمی کھڑکی سے کان لگائے کھڑا تھا۔ عمران نے اسے گردن سے پکڑ کر اندر کھینچ لیا تھا۔ جیسے ہی وہ قالین پر آ کر گرا اس نے اٹھنے کی کوشش کی لیکن عمران نے اس کی پسلیوں میں ٹھوکر رسید کر دی۔ اس کے منہ سے ایک چیخ بلند ہوئی۔ عمران نے ایک ہی لمحے میں

اس کا جائزہ لے لیا تھا۔ وہ ملازم ٹائپ آدمی تھا۔ اسے ٹھوکر مارنے کے بعد عمران واپس کرسی پر بیٹھ گیا لیکن اب اس کے ہاتھ میں ریوالور تھا۔ سر سلطان اس سچویشن پر انتہائی حیران تھے۔

''اپنے ہاتھ سر پر رکھ لو اور خاموشی سے کھڑے ہو جاؤ۔ اگر تم نے کوئی حرکت کرنے کی کوشش کی تو اس ریوالور کی ساری گولیاں تمہارے ماتھے میں گھس جائیں گی''...... عمران نے کرخت لہجے میں کہا تو اس آدمی نے عمران کے کہنے پر عمل کیا۔

''انکل۔ کون ہے یہ''...... عمران نے سر سلطان سے پوچھا جن کے چہرے پر ابھی تک حیرت کے تاثرات موجود تھے۔

''یہ۔ یہ کمال ہے۔ ملازم ہے ہمارا''...... سر سلطان نے کہا۔

''کب سے ملازم ہے یہ۔ میں نے تو اسے پہلے کبھی نہیں دیکھا''...... اس مرتبہ عمران نے حیران ہو کر کہا۔

''یہ آج ہی آیا ہے۔ ہمارے دفتر میں ایک اردلی تھا۔ پچھلے سال اس کا انتقال ہو گیا تھا۔ یہ اس کا بیٹا ہے۔ اس نے آ کر بتایا کہ ان کے حالات بہت خراب ہیں لہٰذا میں اسے دفتر میں ملازم رکھ لوں۔ دفتر میں ابھی کوئی سیٹ نہیں تھی اس لئے اسے کوٹھی پر رکھ لیا''...... سر سلطان نے کہا۔

''ہاں تو مسٹر کمال۔ اب تم بتاؤ کہ تم ہماری باتیں کس خوشی میں سن رہے تھے''...... عمران نے ملازم سے پوچھا۔

''نہیں صاحب۔ آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے۔ میں آپ کی باتیں

نہیں سن رہا تھا''...... کمال نے کہا۔

''اچھا اچھا۔ تمہارے کان میں خارش ہو رہی تھی اور تم کھڑکی سے کان کھجا رہے تھے''...... عمران نے سر ہلاتے ہوئے کہا تو کمال نے اسے حیرت سے دیکھا۔ پہلے عمران کا لہجہ کرخت تھا اور اب وہ میٹھے انداز میں بات کر رہا تھا اور کمال کو اسی بات پر حیرت ہو رہی تھی۔

''نن۔ نن۔ نہیں صاحب۔ ایسی بھی کوئی بات نہیں ہے''۔ کمال نے کہا تو عمران کرسی سے کھڑا ہو گیا۔

''پھر کیا تم کڑک ہو گئے تھے اور کھڑکی کے پاس انڈا دینے گئے تھے''...... عمران نے ایک مرتبہ پھر سخت لہجے میں کہا۔

''نہیں صاحب۔ یہ بات بھی نہیں ہے۔ میں تو وہاں صفائی کرنے گیا تھا۔ کھڑکی پر پنسل سے کوئی نشان بنا ہوا تھا میں اسے صاف کر رہا تھا اور آپ نجانے کیا سمجھ بیٹھے''...... کمال نے اس مرتبہ منہ بنا کر کہا جیسے ہی اس کی بات مکمل ہوئی عمران کا بازو گھوما اور کمرہ چٹاخ کی آواز سے گونج اٹھا۔ عمران نے پوری قوت سے کمال کے منہ پر تھپڑ مارا تھا۔ تھپڑ کھا کر وہ لڑکھڑا گیا۔ اس کا ہونٹ اور گال پھٹ گیا اور وہاں سے خون رسنے لگا۔

''جلدی سے بولو ورنہ تمہاری لاش کا بھی نام و نشان نہیں ملے گا''...... عمران نے اتنے سرد لہجے میں کہا کہ سر سلطان کو اپنے جسم میں سردی کی لہر دوڑتی ہوئی محسوس ہوئی۔

''میں کچھ نہیں جانتا۔ مجھے کچھ نہیں معلوم۔ میں تو یہاں ملازمت کرنے آیا ہوں اور آپ نجانے کیا سمجھ رہے ہیں۔ کاش میں آتا ہی نہ۔ میں کہاں آ کر پھنس گیا ہوں''...... کمال نے اس مرتبہ روتے ہوئے کہا۔ اس کو روتے ہوئے دیکھ کر سرسلطان کا دل پسیج گیا جبکہ عمران نے اس کے منہ پر ایک مکا رسید کر دیا۔ مکا کھا کر وہ نیچے گر گیا۔ سرسلطان عمران کو منع کرنا چاہتے تھے لیکن اس وقت عمران کے چہرے پر جو تاثرات تھے انہیں دیکھ کر وہ ہمت ہی نہیں کر پائے کہ عمران کو روکیں۔ کمال نیچے گرا تو عمران نے آگے بڑھ کر اس کی پسلیوں میں ٹھوکر مارنی چاہی جیسے ہی عمران کی لات حرکت میں آئی کمال نے عمران کا پاؤں پکڑ کر گھما دیا۔ جس سے عمران توازن برقرار نہ رکھ سکا۔ اسے امید ہی نہیں تھی کہ یہ ملازم ٹائپ کمال یہ حرکت کرے گا۔ لہٰذا توازن بگڑنے کی وجہ سے وہ فرش پر گر گیا۔ کمال فوری طور پر اٹھا اور اس نے دروازے کی طرف دوڑ لگائی۔ عمران نے لیٹے لیٹے ہی جمپ لگایا اور کسی پرندے کی مانند اڑتا ہوا کمال پر جا گرا جو دروازے کے بالکل قریب پہنچ گیا تھا۔ عمران اسے ساتھ لیتا ہوا فرش پر آ گرا۔ اسے نیچے گراتے ہی عمران نے اس کی پسلیوں اور منہ پر مکوں کی بارش کر دی۔ اس کی چیخیں بلند ہونے لگیں چونکہ وہ تربیت یافتہ ایجنٹ نہیں تھا اس لئے عمران اسے ہلکے مکے مار رہا تھا ورنہ تو وہ عمران کا ایک مکا بھی برداشت نہیں کر سکتا تھا۔ چند مکے مارنے کے بعد عمران کھڑا ہو گیا

اور اس نے کمال کا گریبان پکڑ کر اسے بھی کھڑا کر دیا۔

''بولو۔ میرے سوالوں کے جواب دو گے''...... عمران نے کرخت لہجے میں اس سے کہا۔

''مجھے کچھ معلوم ہو گا تو میں جواب دوں گا نا۔ تم مجھے نجانے کیا سمجھ کے مارے جا رہے ہو''...... کمال نے ہچکیاں لے کر روتے ہوئے کہا تو عمران اس کی اداکاری پر عش عش کر اٹھا۔ وہ سمجھ رہا تھا کہ کمال کے کس بل نکل گئے ہوں گے لیکن وہ عمران کی توقع سے کہیں زیادہ سخت جان ثابت ہوا تھا۔

''عمران بیٹے۔ ہو سکتا ہے کہ یہ ٹھیک کہہ رہا ہو۔ جو کچھ تم اسے سمجھ رہے ہو یہ وہ نہ ہو''...... کمال کے بری طرح رونے سے متاثر ہو کر سرسلطان نے کہا تو عمران کے چہرے پر طنزیہ مسکراہٹ آ گئی۔

''یہ ابھی بولے گا اور فرفر بولے گا۔ میری نرمی کی وجہ سے اس نے ابھی تک زبان نہیں کھولی''...... عمران نے طنزاً کہا۔ اس کے ساتھ ہی اس کے ہاتھ میں ایک بار پھر ریوالور نظر آنے لگا۔ عمران نے ریوالور اپنی انگلی پر گھمایا اور کمال کی آنکھوں میں دیکھا۔ ریوالور دیکھ کر وہ کچھ خوفزدہ سا ہو گیا تھا۔ پھر عمران نے ریوالور کا رخ اس کی طرف کر کے ٹریگر دبا دیا۔ ایک خوفناک دھماکہ ہوا کمال کی چیخ بلند ہوئی اور وہ الٹ کر گر گیا۔ گولی نے صرف اس کے کان کی لو اڑا دی تھی۔

''اٹھ کر کھڑے ہو جاؤ کمال۔ میں نے تمہارے کان کا کچھ حصہ اڑایا ہے۔ میں چاہتا تو تمہاری کھوپڑی بھی اڑ جاتی''۔ عمران نے غراتے ہوئے کہا۔ کمال اٹھ کر کھڑا ہو گیا اور خود کو ایسے دیکھنے لگا جیسے اسے اپنے زندہ بچ جانے کا یقین نہ ہو رہا ہو۔

''اب جو گولی چلے گی وہ تمہاری کھوپڑی کے پرخچے اڑا دے گی۔ میں تین تک گنوں گا۔ تین کے بعد گولی چل جائے گی''۔ عمران نے بدستور غراتے ہوئے کہا۔ کمال اب کافی خوفزدہ ہو گیا تھا۔ خوف کی وجہ سے اس کے چہرے پر پسینہ آ گیا تھا۔

''ایک۔ دو''...... عمران نے گنتی شروع کی۔

''بب۔ بب۔ بتاتا ہوں۔ بتاتا ہوں''...... دو سنتے ہی کمال نے چیخ کر کہا۔

''ہاں بولو۔ تم ہماری باتیں سن رہے تھے''...... عمران نے ایک بار پھر کرخت لہجے میں کہا۔

''ہاں۔ میں کھڑکی سے لگا تم لوگوں کی باتیں سن رہا تھا''۔ کمال نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کہا تو سرسلطان نے ہونٹ بھینچ لئے۔ وہ سادہ سے انسان تھے۔ کمال کو روتے دیکھ کر متاثر ہو گئے تھے۔

''کیوں''...... عمران نے سخت لہجے میں کہا۔

''میں تمہارے ہر سوال کا جواب دینے کے لئے تیار ہوں لیکن مجھے سگریٹ کی شدید طلب ہو رہی ہے۔ اگر تم اجازت دو تو میں دو

چار کش سگریٹ کے لے لوں''...... کمال نے منت بھرے لہجے میں کہا۔

''اوکے''...... عمران نے کہا تو کمال نے جیب میں ہاتھ ڈال کر سگریٹ کا ایک پیکٹ نکالا اور اس میں سے ایک سگریٹ منتخب کر کے ہونٹوں میں دبا لی۔

''ماچس نہیں ہے میرے پاس۔ کیا تم مجھے ماچس دو گے''۔ کمال نے سگریٹ کا فلٹر دانتوں سے چباتے ہوئے کہا۔

''ہم سگریٹ نہیں پیتے اس لئے ماچس ہمارے پاس بھی نہیں ہے''...... عمران نے اسے غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔ پھر اسی لمحے وہ بری طرح چونکا۔ اس نے کمال کو لہراتے ہوئے دیکھا۔ کمال دائیں بائیں لہرایا اور پھر وہ نیچے گرتا چلا گیا۔ عمران تیزی سے اس کے قریب پہنچا۔ وہ آخری سانسیں لے رہا تھا۔ اس کا چہرہ نیلا پڑتا جا رہا تھا۔ پھر دیکھتے ہی دیکھتے اس نے ہچکی لی اور اس کی آنکھیں بے نور ہوتی چلی گئیں۔

''یہ۔ یہ کیسے مر گیا ہے عمران بیٹے''...... سرسلطان نے حیرت بھرے لہجے میں پوچھا۔

''سریع الاثر زہر سے جو اس کے سگریٹ میں تھا۔ مجھے تو یہ موت کے خوف سے سہا ہوا لگ رہا تھا لیکن اس نے خودکشی کر لی ہے۔ کمال ہے''...... عمران نے حیرت بھرے لہجے میں کہا۔

''اس کا خیال ہو گا کہ تم اسے اذیت ناک موت مارو گے اس

لئے اس نے آسان موت کا انتخاب کیا''...... سر سلطان نے کہا تو عمران نے اثبات میں سر ہلایا۔

''کیا یہ ڈاکٹر بلیک کا آدمی ہو سکتا ہے۔ نہیں۔ ڈی سوزا کی موت سے یہ ظاہر ہو رہا ہے کہ ڈاکٹر بلیک اپنی سائنسی ایجادات سے تو کام لے رہا ہے لیکن اس نے کہیں کسی انسان سے کام نہیں لیا۔ پھر یہ کس کا آدمی ہو سکتا ہے''...... عمران نے سوچتے ہوئے اور بڑبڑاتے ہوئے کہا۔ اس کی یہ بڑبڑاہٹ سر سلطان نے بھی سن لی۔

''اگر یہ ڈاکٹر بلیک کا آدمی نہیں ہے تو پھر یہ ڈیتھ ماسٹر کا آدمی ہو گا''...... سر سلطان نے کہا تو عمران چونک پڑا۔

''ڈیتھ ماسٹر کا۔ لیکن ڈیتھ ماسٹر کا آپ سے کیا رشتہ ہے''۔ عمران نے حیرت بھرے لہجے میں کہا۔

''ڈیتھ ماسٹر سے رشتہ۔ میرا بھلا اس سے کیا رشتہ ہو سکتا ہے''...... سر سلطان نے غصیلے لہجے میں کہا۔

''میرا مطلب یہ ہے کہ آپ کا اس سے کیا تعلق ہے۔ آپ یہ نام کیسے جانتے ہیں''...... عمران نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''کل رات کوٹھی پر ایک آدمی مجھ سے ملنے آیا تھا۔ میں اس سے ملا تو اس نے مجھ سے کہا کہ اسے فائل آئی ٹن کی ضرورت ہے لہٰذا میں اسے فائل آئی ٹن اور اس کی ڈی کوڈ فائل اسے دے دوں اس کے عوض وہ مجھے دو کروڑ ڈالرز دینے پر تیار تھا۔ میں نے سختی سے انکار کیا تو اس نے بتایا کہ وہ ڈیتھ ماسٹر کا آدمی ہے اور اگر

میں نے دو کروڑ ڈالرز کے عوض یہ دونوں فائلیں اس کے حوالے نہ کیں تو وہ مجھے اور میرے اہل خانہ کو ہلاک کر دے گا اور فائلیں کسی اور ذریعے سے حاصل کر لے گا''...... سر سلطان نے کہا۔

''ہونہہ۔ تو ڈیتھ ماسٹر کا اصل مشن آئی ٹن فائل حاصل کرنا ہے''...... عمران نے ہنکارہ بھرتے ہوئے کہا۔

''کون ہے یہ ڈیتھ ماسٹر''...... اب سر سلطان نے پوچھا۔

''مجرموں کی ایک عالمی تنظیم ہے ڈیتھ لائن۔ یہ مجرم تنظیم ہر قسم کے جرائم میں ملوث ہے لیکن اونچے پیمانے پر۔ اس ڈیتھ لائن کے چیف کا نام ڈیتھ ماسٹر ہے''...... عمران نے کہا۔

''فائل آئی ٹن سیکرٹ ریکارڈ روم میں ہے اور ڈی کوڈ فائل دانش منزل میں ہے اس لئے فائل کو تو کوئی خطرہ نہیں ہے''۔ سر سلطان نے کہا۔

''فائل کو کوئی خطرہ نہیں لیکن آنٹی کو شدید خطرہ ہے۔ آپ انہیں گاؤں بھجوا دیں''...... عمران نے سنجیدہ لہجے میں کہا۔

''یعنی میں ایک مجرم سے خوفزدہ ہو جاؤں''...... سر سلطان نے غصیلے لہجے میں کہا۔

''نہیں۔ ڈر خوف کی وجہ سے نہیں بلکہ مصلحت کی وجہ سے''۔ عمران نے بدستور سنجیدہ لہجے میں کہا۔

''اگر تمہیں یہ اندیشہ ہو کہ میں کہیں تمہاری آنٹی کی وجہ سے مجبور نہ ہو جاؤں تو تمہارا اندیشہ غلط ہے۔ مجھے اپنی اور تمہاری آنٹی

کی جان عزیز نہیں ہے اپنے ملک کی حرمت عزیز ہے“۔ سرسلطان نے کہا۔

”میں یہ بات اچھی طرح جانتا ہوں لیکن میں درخواست کر رہا ہوں اور اگر آپ مجھے اپنا بیٹا سمجھتے ہیں تو میری اس بات کو ضرور مانیں گے“...... عمران نے کہا تو سرسلطان سوچنے لگے۔

”او کے۔ تم اتنا اصرار کر رہے ہو تو اس کی بھی وجہ ہو گی“۔ سرسلطان نے دھیمے لہجے میں کہا۔

”تھینک یو انکل۔ یہ ڈیتھ ماسٹر اپنا مقصد حاصل کرنے کے لئے بیک وقت کئی ذرائع اور طریقے استعمال کرتا ہے اور اس کا کوئی نہ کوئی طریقہ کامیاب ہو ہی جاتا ہے۔ یہاں بھی وہ اپنے طریقہ کار کے مطابق مختلف ذرائع سے اس فائل کے حصول کے لئے کوشاں ہے“...... عمران نے کہا۔

”اور کیا کچھ کر رہا ہے یہ ڈیتھ ماسٹر“...... سرسلطان نے پوچھا۔

”اس کے آدمی سائنس ڈیپارٹمنٹ کے آفس سپرنٹنڈنٹ مشتاق احمد کو کور کئے ہوئے تھے اور یہ اتفاق ہے کہ وہ میری نظروں میں آ گئے لیکن مجھے ان کا مقصد معلوم نہیں تھا۔ ان کا مقصد آپ سے معلوم ہو گیا“...... عمران نے کہا۔

”ڈیتھ ماسٹر اور اس کی تنظیم اس وقت پاکیشیا میں موجود ہے اور مجھے یقین ہے کہ تم انہیں گھیر بھی لو گے۔ ڈیتھ ماسٹر کا انجام اسے پاکیشیا میں کھینچ کے لایا ہے لیکن ڈاکٹر بلیک کے بارے میں تم

نے کیا سوچا ہے“...... سرسلطان نے کہا۔

”میں نے اس کے بارے میں کیا سوچنا ہے۔ بڑی طاقتیں اس کے بارے میں نہ صرف سوچ رہی ہیں بلکہ اس کے خلاف حرکت میں بھی آ چکی ہیں۔ ایک آدھ دن میں وہ بھی اپنے انجام کو پہنچ جائے گا“...... عمران نے لاپرواہی سے کہا۔

”اگر تم اس کے خلاف ایکشن لیتے تو میں مطمئن ہو جاتا“۔ سرسلطان نے کہا۔

”ڈاکٹر بلیک کے خلاف کام کرنے کے لئے مجھے پاکیشیا سے باہر جانا پڑے گا جبکہ اس وقت حالات ایسے نہیں ہیں کہ میں ملک سے باہر جاؤں۔ اگر میں ملک سے باہر چلا جاؤں تو اس کا فائدہ ڈیتھ لائن کو ہو گا“...... عمران نے کہا تو سرسلطان نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

”دنیا کی بڑی طاقتوں نے ڈاکٹر بلیک کی تلاش کے لئے بہت سے سپر ایجنٹوں کو متحرک کیا ہے لیکن انہوں نے پاکیشیا سیکرٹ سروس کو نظر انداز کر دیا ہے حالانکہ پاکیشیا سیکرٹ سروس نے متعدد بار ان پر اپنی برتری ثابت کی ہے اور ایسے مشترکہ مشنز میں ان کے ایجنٹوں سے بہتر کارکردگی کا مظاہرہ کیا ہے“...... سرسلطان نے کہا۔

”اس میں ناراض ہونے والی کوئی بات نہیں ہے۔ اس مرتبہ انہیں ہماری ضرورت محسوس نہیں ہوئی ہو گی۔ جب انہیں ضرورت محسوس ہوئی تو وہ لازماً ہمیں بلائیں گے“...... عمران نے کہا پھر اس

سے پہلے کہ سرسلطان، عمران کی بات کا جواب دیتے ٹیلی فون کی گھنٹی بج اٹھی۔ سرسلطان چونکے اور پھر وہ ٹیلی فون سیٹ کی طرف بڑھے۔

''یس۔ سلطان اسپیکنگ''...... سرسلطان نے رسیور کان سے لگاتے ہوئے بارعب لہجے میں کہا۔

''سرسلطان۔ میں تمہاری موت ڈیتھ ماسٹر بول رہا ہوں''۔ دوسری طرف سے غراتی ہوئی آواز سنائی دی تو سرسلطان بری طرح چونکے اور اس کے ساتھ ہی انہوں نے لاؤڈر کا بٹن بھی پریس کر دیا۔

''ڈیتھ ماسٹر۔ کس لئے فون کیا ہے تم نے''...... سرسلطان نے سخت لہجے میں کہا۔

''تمہاری کوٹھی پر میرا ایک آدمی مرا ہے۔ اس کے بدلے میں یہاں لاشوں کے انبار لگا دوں گا اور سنو سرسلطان۔ ڈاکٹر بلیک تمہیں مارے یا نہ مارے میں تمہیں لازماً ہلاک کر دوں گا۔ ڈیتھ ماسٹر کی طاقت کے سامنے ڈاکٹر بلیک کی طاقت کچھ بھی نہیں''...... دوسری طرف سے ڈیتھ ماسٹر کی غراتی ہوئی آواز سنائی دی۔

''شٹ اپ۔ حقیر کیڑے۔ تمہاری موت ہی تمہیں پاکیشیا میں لائی ہے۔ اگر تمہیں اپنی جان عزیز ہے تو اب بھی وقت ہے جان بچا کر بھاگ جاؤ کیونکہ ابھی ایکسٹو نے تمہاری طرف نظر اٹھا کر نہیں دیکھا اگر ایکسٹو تمہاری طرف متوجہ ہو گیا تو پھر تمہیں بھاگنے

کا موقع بھی نہیں ملے گا''...... سرسلطان نے غصیلے لہجے میں کہا۔

''ہاہاہا۔ ایکسٹو۔ کیا پدی اور کیا پدی کا شوربہ۔ مسٹر سرسلطان۔ تمہیں ڈیتھ ماسٹر کی قوت کا اندازہ نہیں ہے۔ تم ڈیتھ ماسٹر کے بارے میں ایکسٹو سے ہی پوچھ لینا۔ میرا نام سنتے ہی تمہارا ایکسٹو تھر تھر کانپنے لگے گا اور سنو سرسلطان۔ میں تمہیں زندگی بچانے کا ایک موقع دیتا ہوں۔ تم فائل آئی ٹن چوبیس گھنٹوں کے اندر اندر میرے حوالے کر دو ورنہ ڈاکٹر بلیک کے بتائے ہوئے وقت کے مطابق میں تمہیں موت کے حوالے کر دوں گا''...... دوسری طرف سے ڈیتھ ماسٹر کی کرخت آواز سنائی دی۔

''شٹ اپ''...... سرسلطان نے غصے سے کہا لیکن دوسری طرف سے کال منقطع ہو چکی تھی۔ سرسلطان نے بھی رسیور رکھ دیا۔ عمران آگے بڑھا اور اس نے رسیو کال میموری چیک کی۔ سرسلطان کو یہ کال سیٹلائٹ سیل فون سے کی گئی تھی اور نمبرز ایکریمیا کی ایک کمپنی کے تھے جو اپنے کسٹمرز کو انتہائی محفوظ نمبرز مہیا کرتی تھی۔ لہٰذا اس کال سے یہ معلوم نہیں کیا جا سکتا تھا کہ کال کہاں سے کی جا رہی ہے۔

''انکل۔ اب آپ کو پریشان ہونے اور گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے۔ آپ صاف صاف بچ گئے''...... عمران نے کہا۔

''کیا مطلب ہے تمہارا۔ میں تمہاری بات نہیں سمجھا''۔ سرسلطان نے حیران ہو کر کہا۔

"جس طرح دو ملاؤں میں مرغی حرام کی مثال مشہور ہے۔ اسی طرح دو مجرموں میں آپ بھی حرام ہو گئے"...... عمران نے کہا۔

"کیا"...... سرسلطان نے عمران کو گھورتے ہوئے کہا۔

"سوری سوری۔ آپ تو حلال ہیں اور دونوں مجرم آپ کو حلال کرنا چاہتے ہیں"...... عمران نے بوکھلا کر کہا۔

"پوری دنیا اس وقت کرب وغم میں ڈوبی ہوئی ہے اور تم پٹڑی سے اتر رہے ہو"...... سرسلطان نے کہا۔

"آپ فکر نہ کریں۔ میں اپنے ایک آدمی کی ڈیوٹی یہاں لگا دوں گا۔ وہ آپ کے سائے کی حفاظت کرے گا"...... عمران نے شوخ لہجے میں کہا تو سرسلطان نے اسے گھور کر دیکھا۔

"مم۔ مم۔ میرا مطلب ہے کہ وہ آپ کی حفاظت کرے گا۔ آپ پریشان نہ ہوں"...... عمران نے ہکلاتے ہوئے کہا۔

"میں ہرگز پریشان نہیں ہوں۔ مجھے یقین ہے یہ مجرم بھی اپنے انجام کو پہنچ جائے گا"...... سرسلطان نے کہا۔

"جب آپ کو یقین ہے تو پھر انشاء اللہ ایسا ہی ہو گا۔ میں اپنا ایک ساتھی یہاں بھیج دیتا ہوں۔ وہ یہاں حالات کا جائزہ لیتا رہے گا"...... عمران نے کہا اور اٹھنے لگا۔

"اس لاش کا کیا کرنا ہے"...... سرسلطان نے پوچھا۔

"انٹیلی جنس کے حوالے کر دیں اور انہیں بتا بھی دیں کہ یہ آپ کی جاسوسی کر رہا تھا اور سیکرٹ سروس کے ممبر کے ہاتھوں پکڑے

جانے کے بعد اس نے خودکشی کر لی ہے"...... عمران نے کہا تو سرسلطان نے اثبات کے انداز میں سر ہلا دیا پھر عمران نے الوداعی کلمات کہے اور اس کے بعد وہ گیٹ پر آ گیا۔ گیٹ کے قریب ہی اس کی کار کھڑی تھی۔ وہ کار میں بیٹھا تو سیکورٹی گارڈ نے گیٹ کھول دیا۔ عمران کی کار گیٹ سے باہر آئی تو سیکورٹی گارڈ نے اسے سلام کیا۔ عمران نے اسے سلام کا جواب دیا اور سیکورٹی گارڈ کو قریب بلایا۔ جب سیکورٹی گارڈ عمران کے قریب آیا تو اس نے جیب سے چیونگم کا ایک پیکٹ نکالا اور چوکیدار کے ہاتھ پر رکھ دیا۔

"لو کھاؤ۔ ہمارے ساتھ رہو گے تو موجاں کرو گے"...... عمران نے کہا اور پھر اس نے کار آگے بڑھا دی جبکہ بے چارہ سیکورٹی گارڈ حیران و پریشان کھڑا رہ گیا۔ اس نے ایسا عجیب وغریب کردار پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ عمران کی کار تیز رفتاری سے دانش منزل کی طرف بڑھ رہی تھی کہ اسے اپنے تعاقب کا احساس ہو گیا۔

تعاقب کا احساس ہوتے ہی عمران نے کار دوسری سڑک پر ڈال دی۔ نیلے رنگ کی ٹیوٹا بھی مڑ گئی جس سے عمران کنفرم ہو گیا۔ اس نے کار کی رفتار بڑھائی اور پھر پندرہ منٹ بعد وہ ایسی سڑک پر پہنچ گیا جو شہر سے باہر جاتی تھی۔ نیلی ٹیوٹا اب بھی اس کے پیچھے تھی۔ اس سڑک پر ٹریفک بہت کم رہ گئی تھی۔ مزید چار پانچ منٹ گزرنے کے بعد سڑک پر اب صرف یہی دو کاریں نظر آ رہی تھیں۔ پھر اچانک ہی عمران کو بریک لگانے پڑے کیونکہ سڑک پر ایک ٹرک

اس طرح کھڑا تھا کہ کار وہاں سے نہیں گزر سکتی تھی۔ عمران نے ٹرک کے قریب ہی کار روک لی اور کار سے نیچے اتر آیا۔

''ٹرک والے کہاں گئے سب بھئی''...... عمران نے بلند آواز میں کہا تو اسی وقت مختلف درختوں کے پیچھے سے نو، دس آدمی باہر نکل آئے وہ سب مشین گنوں سے مسلح تھے اور ان سب کی مشین گنوں کے رخ عمران کی طرف تھے اور ان کے چہروں پر کرختگی کے تاثرات تھے۔ اسی لمحے نیلی ٹیوٹا بھی وہاں پہنچ گئی۔ اس میں سے بھی تین افراد باہر نکلے۔ ان کے ہاتھوں میں ریوالور تھے۔

''چلو مسٹر عمران۔ کار میں بیٹھ جاؤ''...... کار میں سے اترنے والوں میں سے ایک نے سخت لہجے میں کہا۔

''کک۔ کک۔ کیا۔ تم مجھے کڈنیپ کر رہے ہو''...... عمران نے خوفزدہ لہجے میں کہا۔

''ہاں۔ جلدی کرو۔ باتوں میں وقت ضائع مت کرو''...... اسی آدمی نے تیز لہجے میں کہا۔

''بھائی جی۔ تمہیں اغوا کرنے کی جلدی تو ہو گی لیکن مجھے اغوا ہونے کی کوئی جلدی نہیں ہے''...... عمران نے معصوم سے لہجے میں کہا۔

''شٹ اپ۔ فضول باتیں نہ کرو ورنہ ان سب مشین گنوں کی گولیاں تمہارے جسم کو شہد کے چھتے میں تبدیل کر دیں گی''...... اس آدمی نے انتہائی کرخت لہجے میں کہا۔

''تم تو بہت ہی خوفناک باتیں کر رہے ہو بھائی جی''...... عمران نے کہا اور پھر وہ نیلی ٹیوٹا کی طرف بڑھا۔ کار کے قریب پہنچ کر اس نے کار کا جائزہ لیا۔ کار خالی تھی۔

''چلو۔ پچھلی سیٹ پر بیٹھ جاؤ''...... اسی آدمی نے تحکمانہ لہجے میں عمران سے کہا۔

''نہیں جناب۔ پہلے آپ''...... عمران نے انتہائی اخلاق بھرے لہجے میں اس سے کہا۔

''شٹ اپ۔ تمہیں جو حکم دیا جا رہا ہے۔ تم اس پر عمل کرو۔ ورنہ تمہیں بھون دیا جائے گا''...... اس آدمی نے کرخت لہجے میں کہا۔

''عجیب لوگ ہو۔ اس قدر اخلاق پر بھی غصے ہو جاتے ہو''۔ عمران نے منہ بنا کر کہا اور پھر کار کی پچھلی سیٹ پر بیٹھ گیا۔

''چلو۔ اب تو تم لوگ بھی کار میں بیٹھ جاؤ''...... کار میں بیٹھنے کے بعد عمران نے مسلح افراد سے کہا مگر ان میں ایک آدمی بھی کار میں نہ بیٹھا۔ وہ سب ٹرک کی طرف بڑھتے چلے گئے۔ پھر وہ سبھی ٹرک میں سوار ہوئے اور ٹرک حرکت میں آ گیا۔ وہ سیدھا ہوا اور پھر کار کے قریب سے گزرتا چلا گیا۔

''ارے بھائیو۔ تم مجھے کار میں بٹھا کر خود کہاں جا رہے ہو''...... عمران نے بلند آواز میں کہا لیکن اس کی بات جیسے کسی نے سنی ہی نہ ہو۔

''عجیب لوگ ہیں۔ ایک کار سے اتار کر مجھے دوسری کار میں بٹھا دیا ہے اور خود چلے گئے ہیں''...... عمران نے بڑبڑاتے ہوئے کہا اور پھر اس نے کار کا دروازہ کھولنا چاہا لیکن اس سے کار کا درواز نہ کھلا۔

''ہائیں۔ اس دروازے کو کیا ہو گیا ہے۔ یہ کیوں نہیں کھل رہا''...... عمران نے بدستور بڑبڑاتے ہوئے کہا۔ اس نے ایک با پھر کوشش کی اور ناکامی پر وہ دوسرے دروازے کی طرف بڑھا دوسرا دروازہ بھی نہ کھلا تو وہ فرنٹ سیٹ پر آ گیا۔ یہاں بھی اس نے دونوں دروازوں پر زور لگایا لیکن یہ دروازے بھی نہ کھلے۔

''حیرت ہے بھائی۔ یہ دروازے کیوں جام ہو گئے ہیں'' عمران نے خود کلامی کرتے ہوئے کہا اور اس کے ساتھ ہی وہ حیرت سے اچھل پڑا۔ کیونکہ کار میں ایک قہقہہ گونجا تھا اور اس نے اس قہقہے کو پہچان لیا تھا۔ یہ قہقہہ ڈیتھ ماسٹر کا تھا۔

''عمران۔ تم چوہے دان میں پھنس چکے ہو اور یہ تو تمہیں معلو ہی ہو گا کہ جس وقت چوہے کی موت آتی ہے تو وہ چوہے دان میں پھنستا ہے''...... قہقہے کے بعد ڈیتھ ماسٹر کی آواز سنائی دی۔

''بب۔ بب بڑے بھائی۔ تت تم نے اس کار کے درواز کیسے جام کر دیئے ہیں۔ کیا تم نے کوئی جادو کیا ہے''...... عمران نے حیران و پریشان لہجے میں کہا تو ڈیتھ ماسٹر کا ایک اور قہقہہ سنا دیا۔

''یہ جادو نہیں ہے عمران سائنس ہے اور تم تو خود سائنس دان ہو۔ چلو اگر تم سائنس دان ہو تو پھر اس کار کا کنٹرول حاصل کرو اور اس سے باہر نکلو ورنہ یہ کار تمہیں کسی گہری کھائی میں گرا کر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے دنیا والوں کی نظروں سے دور کر دے گی اور بے چارہ تمہارا ایکسٹو تمہاری لاش ہی تلاش کرتا رہ جائے گا''...... ڈیتھ ماسٹر کی طنزیہ آواز سنائی دی اور اس کے ساتھ ہی کار اسٹارٹ ہو گئی سٹارٹ ہونے کے بعد کار آگے بڑھنے لگی۔ عمران نے اس کا اسٹیرنگ کنٹرول کرنا چاہا لیکن بے سود۔ اسٹیرنگ بالکل فری تھا۔ عمران نے اس کے بریک پر پاؤں رکھا لیکن بریک بھی بالکل فری تھا۔ عمران نے اگنیشن دیکھا۔ اگنیشن میں چابی نہیں تھی جبکہ کار کی رفتار آہستہ آہستہ تیز ہوتی جا رہی تھی۔ تھوڑی ہی دیر میں کار پہاڑی علاقے میں پہنچ گئی تھی اور اس کی رفتار اتنی تیز ہو چکی تھی کہ پہاڑ انتہائی تیزی سے پیچھے بھاگتے ہوئے محسوس ہو رہے تھے۔ یہ سڑک بھی کافی تنگ تھی۔ پھر اچانک ہی سامنے ایک موڑ آ گیا۔ کار نہ تو رکی اور نہ ہی آہستہ ہوئی۔ صاف محسوس ہو رہا تھا کہ کار اس موڑ پر پہاڑ سے ٹکرا جائے گی۔ کار پلک جھپکتے ہی موڑ پر پہنچ گئی۔ کار کا پہاڑ سے ٹکرانا لازمی تھا۔ بچنے کی کوئی صورت نظر نہیں آ رہی تھی۔ عمران نے اپنی آنکھیں بند کر لیں۔ جیسے ہی عمران نے آنکھیں بند کیں۔ اسے ڈیتھ ماسٹر کا قہقہہ سنائی دیا۔ عمران نے آنکھیں کھولیں تو کار اچانک مڑ گئی۔ کار نے باحفاظت موڑ کاٹ لیا تھا۔

عمران نے ایک گہرا سانس لیا۔

''عمران۔ ابھی سے گھبرا گئے۔ گھبراؤ نہیں یہ کار کسی پہاڑی سے نہیں ٹکرائے گی بلکہ کسی ایسی کھائی میں گرے گی جو ہزاروں فٹ گہری ہو گی۔ راستے میں سینکڑوں نوکیلے پتھر ہوں گے۔ کھائی کی تہہ میں پہنچنے سے پہلے ہی ان پتھروں سے ٹکرا کر کار اور تمہارے سینکڑوں ٹکڑے ہو جائیں گے اور تمہارا ایک ٹکڑا بھی کسی کے ہاتھ نہیں لگ سکے گا۔ کوئی نہیں جان سکے گا کہ تمہارا کیا انجام ہوا''۔

ڈیتھ ماسٹر کی غراتی ہوئی آواز سنائی دی تو فوراً ہی عمران نے اپنی جیب میں ہاتھ ڈالا اور مشین پسٹل نکال لیا۔ اس نے کار کی کھڑکی پر فائر کر دیا۔ کئی گولیاں شیشے سے ٹکرائیں لیکن شیشے کو خراش تک نہ آئی۔ شیشہ بلٹ پروف تھا۔ یہ دیکھ کر عمران نے ایک طویل سانس لیا جبکہ ڈیتھ ماسٹر کا ایک اور قہقہہ سنائی دیا۔

''عمران۔ اگر تم مجھ سے زندگی کی بھیک مانگو تو ہو سکتا ہے میں تم پر ترس کھاتے ہوئے تمہیں زندگی بھیک میں دے دوں''۔ قہقہے کے بعد ڈیتھ ماسٹر کی تکبر میں ڈوبی ہوئی آواز سنائی دی۔

''میں تم پر اور تمہاری بھیک پر لعنت بھیجتا ہوں''...... عمران نے منہ بناتے ہوئے کہا۔

''پھر ایک سودا کر لیتے ہیں''...... ڈیتھ ماسٹر نے کہا۔

''کیسا سودا''...... عمران نے پوچھا۔

''عمران۔ میں جانتا ہوں کہ تم زبان کے پکے ہو۔ جو وعدہ

کرتے ہو پورا کرتے ہو۔ تم اگر مجھ سے وعدہ کرو کہ تم آئی ٹن فائل اور اس کی کوڈ فائل مجھے لا دو گے تو میں تمہیں چھوڑ دیتا ہوں''...... ڈیتھ ماسٹر نے کہا۔

''یہ بھی ممکن نہیں ہے ڈیتھ ماسٹر اور سنو اگر مجھے تم جیسے لوگوں کے ہاتھوں مرنا ہوتا تو میں کب کا مر چکا ہوتا۔ تم سے بڑے بڑے مجرم میری موت کی حسرت دل میں لئے آئے اور فنا ہو گئے اور وہ مجرم جرم کی دنیا کے ایسے ایسے بھیڑیئے تھے کہ تم تو ان کے سامنے کتے کے پلے نظر آتے ہو''...... عمران نے غراتے ہوئے کہا۔

''شٹ اپ۔ اپنی زبان کو لگام دو''...... ڈیتھ ماسٹر نے اتنے زور سے چیخ کر کہا کہ پھر اسے کھانسی کا دورہ پڑ گیا۔ وہ کچھ دیر تک کھانستا رہا پھر اس کی غراتی ہوئی آواز سنائی دی۔

''میں نے تو چاہا تھا کہ تمہیں چھوڑ دوں لیکن تمہیں اپنی زندگی عزیز نہیں ہے تو میں کیا کروں''...... ڈیتھ ماسٹر نے کہا اور اس کے بعد اس کی آواز بند ہو گئی۔ عمران نے دائیں بائیں نظر دوڑائی۔ دونوں اطراف میں گہری کھائیاں تھیں اور عمران کے اندازے کے مطابق کار اس وقت ایک سو پچاس کی رفتار سے چل رہی تھی۔ عمران نے ایک بار پھر کار کے شیشے پر فائرنگ کی لیکن نتیجہ پہلے جیسا برآمد ہوا۔ پھر عمران نے دروازے کے لاک پر گولیوں کی بوچھاڑ کر دی۔ اسی لمحے عمران کی نظر سامنے اٹھی۔ سامنے ایک خطرناک پہاڑی موڑ تھا اور اس کے اردگرد گہری کھائیاں تھیں۔ اگر

کار پہاڑ سے ٹکرا جاتی تو یقیناً کسی گہری کھائی میں گر جاتی۔ نیچے کھائیاں عمران اور کار دونوں کا سرمہ بنانے کے لئے بے تاب کھڑی تھیں اور پھر ایک برق سی چمکی۔ ایک خوفناک دھماکا ہوا اور کار پہاڑ سے ٹکرانے کے بعد فٹ بال کی مانند فضاء میں بلند ہوئی اور پھر نیچے موجود ہزاروں فٹ گہرے گڑھوں میں گرتی چلی گئی۔ جو اژدھے کی مانند منہ کھولے اسے نگلنے کے لئے تیار کھڑے تھے۔

پورے باچان کو گہرے سناٹے نے نگل لیا تھا۔ باچان کے مشرق سے مغرب اور شمال سے جنوب تک موت کے سیاہ بادل چھا گئے تھے۔ ڈاکٹر بلیک نے راکو موتو کے لئے موت کا جو وقت بتایا تھا اس میں اب صرف ایک گھنٹہ باقی رہ گیا تھا یعنی ڈاکٹر بلیک کے مطابق باچان کے وزیراعظم راکو موتو کی زندگی کا سفر اب تمام ہونے والا تھا۔

وزیراعظم راکو موتو انتہائی نفیس انسان تھے۔ انتہائی محبِّ وطن اور عوام سے پیار کرنے والے تھے۔ اپنے دور اقتدار میں انہوں نے باچان کی ترقی کے لئے دن رات کام کیا تھا۔ وہ دنیا کے چند اچھے حکمرانوں میں شمار کئے جاتے تھے۔ دنیا بھر کے رہنماؤں سے ان کے اچھے تعلقات تھے۔ باچانی عوام بھی اپنے وزیراعظم سے بہت محبت کرتی تھی۔ یہ عوام کی پسند ہی تھی کہ وہ تین بار وزیراعظم بن چکے تھے اور باچانی عوام انہیں تاحیات وزیراعظم دیکھنا چاہتی تھی۔

باچان کو اس سے قبل راکو موتو جیسا رہنما نصیب نہیں ہوا تھا اس لئے باچانی عوام اور ان کا دل ایک ساتھ دھڑکتا تھا۔ اس وقت عوام کی زبان تو خاموش ہو چکی تھی لیکن ان کے دل سے اپنے وزیراعظم کے لئے دعائیں نکل رہی تھیں۔ وزیراعظم کی موت کے ساتھ ساتھ عوام کو اپنے سروں پر بھی موت کے پروں کی سنسناہٹ محسوس ہو رہی تھی۔ ڈاکٹر بلیک نے اپنی دھمکی پر ضرور عمل کرنا تھا۔ وزیراعظم کے ساتھ ساتھ اس نے کروڑوں بیگناہ افراد کو بھی موت کی نیند سلا دینا تھا اور اس سلسلے میں اس نے کسی قسم کی رعایت نہیں کرنی تھی۔ ایکریمیا کی مثال ان کے سامنے تھی۔

ڈاکٹر بلیک نے جس وحشت اور بربریت کا مظاہرہ کیا تھا اس سے قبل انسانی تاریخ میں اس کی مثال نہیں ملتی تھی۔ اس نے لمحوں میں کروڑوں بیگناہ اور معصوم لوگوں کو لقمۂ اجل بنا دیا تھا۔ ان کروڑوں انسانوں میں بوڑھے، جوان، مرد، عورتیں اور بچے سب شامل تھے۔ ننھے ننھے معصوم بچوں کی صورتیں بھی اسے درندگی سے باز نہیں رکھ سکی تھیں۔ نجانے وہ انسان بھی تھا کہ نہیں۔ اس نے ایکریمیا میں خون کا سیلاب بہا دیا تھا۔ اس کے ایٹم بم سے جو تباہی و بربادی ہوئی تھی وہ تو ہو چکی تھی۔ اب ایکریمیا میں تابکاری اثرات پھیل رہے تھے اور ایکریمیا مشکلات میں پھنس چکا تھا۔ اس کی معیشت بالکل تباہ ہو گئی تھی اور ایک کروڑ سے زائد افراد کی ہلاکت کی وجہ سے نظام زندگی ایسا درہم برہم ہو گیا تھا کہ اب کئی

سالوں تک ایکریمیا سنبھل نہیں سکتا تھا اور اب باچان بھی اس سچوئیشن سے دو چار ہو چکا تھا۔

باچانی حکومت چاہتی تھی کہ وہ ڈاکٹر بلیک سے رابطہ کرے۔ اس سلسلے میں حکومت نے پرنٹ میڈیا اور الیکٹرانک میڈیا کا سہارا لیا تھا اور ڈاکٹر بلیک سے بار بار کہا تھا کہ اگر اس کے مطالبات ہیں تو وہ حکومت باچان کو پیش کرے۔ حکومت باچان اس کے مطالبات پر غور کرے گی لیکن ڈاکٹر بلیک کی طرف سے خاموشی تھی۔

حکومت باچان نے دنیا بھر کے ماہرین کے مشورے سے پرائم منسٹر راکو موتو کے لئے حفاظتی اقدامات کئے تھے۔ باچانی حکومت اپنی معیشت اور کروڑوں بے گناہ افراد کو صرف اسی صورت بچا سکتی تھی جب وہ راکو موتو کو بچا لیتی تھی۔ کروڑوں افراد کی زندگیاں پرائم منسٹر کی زندگی سے مشروط ہو چکی تھیں۔ باچانی حکومت نے ڈاکٹر بلیک کو ٹریس کرنے کی بھی بہت کوشش کی تھی لیکن ڈاکٹر بلیک ٹریس نہیں ہوا تھا۔ سپر پاورز کے کئی ذہین اور قابل سائنس دان بھی باچان پہنچے ہوئے تھے جنہوں نے راکو موتو کی حفاظت کا پلان بنایا تھا اور وہ انتظامات سے مطمئن بھی تھے۔ انہیں یقین تھا کہ اس بار ڈاکٹر بلیک شکست کھائے گا لیکن اس یقین کے باوجود سب کے دلوں کی دھڑکنیں گھڑی کی ٹک ٹک کے ساتھ حرکت کر رہی تھیں۔ راکو موتو کی موت کا بتایا گیا وقت قریب سے قریب تر ہوتا جا رہا تھا۔

پرائم منسٹر راکو موتو کے لئے ایک خصوصی گولہ بنایا گیا تھا جس میں انہیں بند کر دیا گیا تھا۔ اس گولے پر ایٹم بم بھی اثر نہیں کر سکتا تھا۔ راکو موتو کو ہمہ قسمی خوراک سے روک دیا گیا تھا۔ انہیں طاقت کے ایسے انجکشن لگائے گئے تھے جو کئی گھنٹوں تک ان کی غذا کی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے کافی تھے۔ ان انجکشنوں کی وجہ سے کئی گھنٹوں تک انہیں بھوک پیاس محسوس نہیں ہونی تھی۔ انجکشنوں کو ماہر ڈاکٹرز کی ٹیم نے اوکے کیا تھا۔

راکو موتو کے لئے جو گولہ تیار کیا گیا تھا اس میں کوئی رخنہ نہیں تھا جس کی وجہ سے گولے میں ہوا بھی داخل نہیں ہو سکتی تھی۔ گولے میں آکسیجن کے سلنڈر رکھ دیئے گئے تھے اور راکو موتو کو یہ آکسیجن مہیا کی جا رہی تھی۔ ماہرین کے مشورے پر انہیں طویل بے ہوشی کا انجکشن بھی لگا دیا تھا تاکہ ان کے ذہن میں معمولی سی پریشانی اور موت کا خوف بھی پیدا نہ ہو۔ راکو موتو کے کئی بار معائنے کے بعد انہیں گولے میں رکھا گیا تھا۔ گولے میں گیس سلنڈر کے علاوہ کیمرے اور انتہائی حساس مائیک بھی فٹ تھے جو بے ہوش راکو موتو کو دکھا رہے تھے اور ان کی سانس کی آواز بھی اس قدر بلند سنائی دے رہی تھی کہ بہرہ آدمی بھی اسے با آسانی سن سکتا تھا اور اس سسٹم کو ٹی وی نشریات سے منسلک کر دیا گیا تھا۔ دنیا بھر کے لوگ راکو موتو کو لائیو دیکھ رہے تھے۔ ان کے چہرے کی سرخی اور سانسوں کی آواز دنیا بھر کے لوگوں کو مطمئن کر رہی تھی۔ انتظامات

کی جو تفصیل ٹی وی پر بتائی جا رہی تھی اسے سن کر لوگوں کی اکثریت مطمئن تھی۔ یہ انتظامات ایسے تھے کہ ایک چیونٹی بھی راکو موتو تک نہیں پہنچ سکتی تھی۔ چیونٹی تو چیونٹی ہوا کی رسائی بھی راکو موتو تک ممکن نہیں تھی جبکہ لوگوں کے دوسرے گروہ کا خیال تھا کہ ڈاکٹر بلیک اب بھی کامیاب رہے گا۔ ڈی سوزا کی مثال ان کے سامنے تھی۔ اسے بچانے کے لئے ایکریمین حکومت نے سرتوڑ کوشش کی تھی اور ڈی سوزا کو بچانے کیلئے فول پروف انتظامات کئے تھے لیکن اس کے باوجود بھی ڈاکٹر بلیک کامیاب رہا تھا۔ جس کمرے میں گولہ رکھا گیا تھا۔ اس کمرے کو چاروں طرف سے باچان سیکرٹ سروس کے اراکین نے گھیرا ہوا تھا۔ چھت پر بھی سیکرٹ سروس کے ممبران موجود تھے۔ پھر اس پوری بلڈنگ کو انٹرنیشنل آرمی نے گھیرا ہوا تھا۔ آرمی کے سینکڑوں جوان دور دور تک پھیلے ہوئے تھے۔ اس کے علاوہ باچان کی دیگر فعال اور تیز طرار ایجنسیاں بھی یہاں موجود تھیں۔ اس بلڈنگ تک آنے والے تمام زمینی اور فضائی راستے بند کر دیئے گئے تھے۔ اب اگر ایک چڑیا بھی اس بلڈنگ کی طرف آتی تو بلڈنگ سے بہت پہلے ماری جاتی۔ یہ ایسے انتظامات تھے جن کی وجہ سے لوگوں کی اکثریت مطمئن اور مسرور تھی۔ باچان سیکرٹ سروس کے چیف اور دیگر اعلیٰ حکام اسی بلڈنگ کے ایک اور کمرے میں بیٹھے ہوئے تھے۔ ان کے سامنے سکرین روشن تھی۔ سکرین پر راکو موتو دکھائی دے رہے تھے۔

باچانی حکام، عوام کے ساتھ ساتھ دنیا بھر کے لوگ اب کافی حد تک مطمئن ہو گئے تھے۔ دنیا بھر کے لوگ اپنے کام کاج چھوڑ کر ٹی وی سکرینوں کے سامنے بیٹھے ہوئے تھے۔ اب چونکہ ڈاکٹر بلیک کے بتائے ہوئے وقت میں صرف چار منٹ باقی تھے اور راکو موتو بالکل ٹھیک تھے اس لئے سب لوگ مطمئن ہو گئے تھے۔ چار منٹوں میں کسی تندرست و توانا انسان کا مرنا کافی محال تھا۔ جس طرح کئی گھنٹے گزر گئے تھے اسی طرح یہ چار منٹ بھی گزر جانے تھے۔ لوگ خوش تھے کہ باچان نے ڈاکٹر بلیک کو شکست دے دی۔ چار منٹوں میں سے دو منٹ مزید گزر گئے اور دنیا بھر کے لوگ سوچ رہے تھے کہ ڈاکٹر بلیک کی ناکامی پر وہ اٹھ کر ناچنا شروع کر دیں کہ اچانک ہی وہ اچھل پڑے اور ان کے چہرے خوف سے سیاہ ہوتے چلے گئے۔ کنٹرول روم میں بیٹھی ہوئی باچانی شخصیات بے چین ہو کر کھڑی ہو گئیں اور بے اختیار ان کی چیخیں بلند ہونے لگیں۔ کمپیوٹر سکرین پر نیلی لائنیں مٹ رہی تھیں۔ متعدد لکیروں کی بجائے اب ایک لائن تھی جو بڑھتی اور گھٹتی ہوئی دکھائی دے رہی تھی۔ پرائم منسٹر راکو موتو کا سینہ پھول اور پچک رہا تھا۔ ان کا منہ بار بار کھل رہا تھا اور بند ہو رہا تھا۔ یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ سانس نہ لے پا رہے ہوں۔

پرائم منسٹر راکو موتو کی اس حالت سے دنیا بھر میں ایک طوفان نے جنم لے لیا۔ ایک زلزلہ آ گیا۔ لوگوں کے روشن چہرے تاریک

ہونے لگے۔ کھوپڑیاں گویا بھک سے اڑنے لگیں اور دماغ آتش فشاں پہاڑوں میں تبدیل ہونے لگے۔ ایک ایسا سیلاب آ گیا تھا جس میں سب کچھ بہہ جانا تھا۔ تباہی، بربادی، موت، خون کا سمندر اور ہر طرف بکھری لاشیں۔ چشم تصور سے ہی یہ منظر دیکھ کر دنیا بھر کے لوگوں کی چیخیں بلند ہو رہی تھیں۔

ماہرین اور سائنس دان تیزی سے اٹھ کر کمپیوٹر کی طرف بڑھے۔ وہ اس حد تک بدحواس ہو چکے تھے کہ ایک دوسرے سے ٹکرا گئے۔ ان کے ہاتھ، پاؤں اور جسم اس طرح کانپ رہے تھے جیسے وہ ملیریا کے مریض ہوں اور ان کا ملیریا آخری اسٹیج پر پہنچ گیا ہو۔ باچانی سیکرٹ سروس کے چیف نے کمپیوٹر کے ”کی بورڈ“ پر دو تین بٹن پریس کئے تو فوراً ہی اسکرین پر ”نو برتھینگ“ کے الفاظ چمکنے لگے۔

”اوہ۔ اوہ۔ آکسیجن نہیں پہنچ رہی۔ مم۔ مگر۔ کک۔ کیوں“۔ باچانی سیکرٹ سروس کے چیف نے بوکھلائے ہوئے لہجے میں کہا۔ باچانی سیکرٹ سروس کے چیف مضبوط اعصاب کے مالک تھے۔ اپنی پروفیشنل لائف میں وہ سینکڑوں مرتبہ موت کے منہ سے نکل آئے تھے اور کبھی نہیں گھبرائے تھے۔ وہ دنیا کے ٹاپ سیکرٹ سروس ایجنٹوں میں سے تھے۔ خوف اور دہشت ان کے قریب نہیں پھٹک سکتی تھی لیکن اس وقت سچویشن ایسی ہو گئی تھی کہ ان کی تمام تر تربیت دھری کی دھری رہ گئی تھی۔ کروڑوں بے گناہ اور معصوم

انسانوں کی موت کے تصور نے انہیں بھی بدحواس اور دہشت زدہ کر دیا تھا۔ پھر اس سے قبل کہ وہ یا دیگر ماہرین و سائنس دان، پرائم منسٹر راکو موتو کے لئے کچھ کرتے ایک تیز زور دار سانس کی ڈوبی ہوئی لہر سنائی دی اور ایک زور دار ہچکی کے ساتھ آواز آنا بند ہو گئی سکرین پر راکو موتو بے سدھ پڑے ہوئے تھے۔ ان کے سینے میں سانس کا زیروبم دم توڑ چکا تھا۔ ان کے چہرے پر موت کی زردی چھا چکی تھی۔ کئی لوگوں نے لاشعوری طور پر اپنی گھڑیوں کی طرف دیکھا۔ یہ وہی وقت تھا جس کا اعلان ڈاکٹر بلیک نے کیا تھا۔ ڈاکٹر بلیک ایک بار پھر کامیاب ہو گیا تھا۔

پورے باچان میں یکدم شور برپا ہو گیا۔ لوگ چیخ و پکار کرنے لگے۔ عورتیں اپنے معصوم اور چھوٹے بچوں کو اپنے سینے سے لگائے روتے پیٹتے سڑکوں پر آ گئیں۔ انہیں یقین ہو گیا تھا کہ ان میں اور ان کے پیاروں کے درمیان جدائی کا وقت آ گیا ہے۔ موت انہیں ان کے پیاروں سے جدا کرنے والی ہے۔ کچھ لوگوں پر موت کی ایسی دہشت طاری ہو گئی تھی کہ وہ اپنے پیاروں کو ہی بھول گئے تھے۔ وہ اندھا دھند اور دیوانہ وار بھاگ کھڑے ہوئے تھے۔ بچے، بوڑھے، جوان، عورتیں، مرد ہر کوئی رو رہا تھا، چیخ رہا تھا، چلا رہا تھا اور باچانی دارالحکومت سے نکل جانا چاہتا تھا۔

دوسری طرف ڈاکٹرز، سائنس دان اور دیگر اعلیٰ حکام اس کمرے میں داخل ہوئے جس میں گولہ رکھا گیا تھا۔ گولے کو کھولا

گیا اور سب آکسیجن سلنڈر کی طرف بڑھے۔ جو خالی ہو چکا تھا جبکہ اس سلنڈر نے ابھی دو گھنٹے مزید آکسیجن فراہم کرنی تھی۔ آکسیجن کا معائنہ کرنے پر ان کے جبڑے بھنچ گئے اور آنکھوں میں خون چھلک آیا۔ آکسیجن سلنڈر لیک ہو گیا تھا اور اس سے آکسیجن خارج ہوتی رہی تھی۔ جس آکسیجن نے چار گھنٹوں میں ختم ہونا تھا۔ وہ دو گھنٹوں میں ہی ختم ہو گئی تھی۔ ڈاکٹر، سائنس دان اور دیگر ماہرین نے اپنی تمام تر توجہ گولے، کمرے اور پرائم منسٹر راکو موتو پر صرف کر دی تھی لیکن گیس سلنڈر کا معائنہ باریک بینی سے نہیں کیا گیا تھا۔

کوئی تصور بھی نہیں کر سکتا تھا کہ گیس سلنڈر لیک بھی ہو سکتا ہے۔ ان کا تو خیال تھا کہ ڈاکٹر بلیک کسی سائنسی حربے سے راکو موتو کی موت کا سامان کرے گا اور اس کے سائنسی حربے کو ناکام بنانے کے لئے سائنس دانوں نے انتظام کئے تھے لیکن ڈاکٹر بلیک نے تو کچھ بھی نہیں کیا تھا۔ اپنے پرائم منسٹر راکو موتو کو انہوں نے اپنے ہاتھوں سے موت کے حوالے کر دیا تھا اور اب وہ رو رہے تھے، چیخ رہے تھے جبکہ دوسرے ممالک سے آئے ہوئے سائنس دان اور دیگر ماہرین اب باچان سے نکل جانے کا سوچ رہے تھے کیونکہ تیس گھنٹوں کے بعد باچان میں قیامت آنے والی تھی۔ پھر اچانک ہی ٹی وی سکرین پر کھوپڑی اور دو ہڈیاں نمودار ہو گئیں۔

''لوگو۔ تم نے دیکھ لیا کہ پرائم منسٹر راکو موتو بھی موت کی

ٹھنڈی، یخ بستہ وادی میں اتر گیا ہے اور ساری دنیا جانتی ہے کہ موت کی وادی ایسی ہے جہاں کوئی ایک بار چلا جائے تو واپس نہیں آتا۔ لوگو۔ تم یہ بھی جانتے ہو کہ باچانی حکومت نے راکو موتو کو بچانے کے لئے انتہائی جدید سائنسی انتظامات کئے تھے اور ان انتظامات میں باچانی حکومت کو عالمی سائنس دانوں اور ماہرین کی معاونت بھی حاصل تھی لیکن افسوس کہ راکو موتو کو کوئی بھی نہیں بچا سکا اور کوئی بچا بھی نہیں سکتا تھا کیونکہ میری طاقت لازوال و بے مثال ہے۔ تم دوسرے سیاروں کی مخلوقات کی مدد لے لو تو تب بھی ڈاکٹر بلیک کی لازوال طاقت کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ ڈاکٹر بلیک کی طاقت ایک آندھی ہے اور تم خس و خاشاک۔ ڈاکٹر بلیک کی طاقت ایسا سیلاب ہے جس کے سامنے تم بند نہیں باندھ سکتے۔ ہاہاہا''۔ ٹی وی سکرین پر کھوپڑی اور ہڈیوں کے نمودار ہونے کے چند لمحوں بعد ڈاکٹر بلیک کی نخوت میں ڈوبی ہوئی آواز سنائی دی اور پھر اس کا طاغوتی قہقہہ بلند ہوا۔

''ڈیئر پیپلز۔ باچانی حکومت راکو موتو کو بچانے میں ناکام رہی ہے''...... ڈاکٹر بلیک نے دوبارہ بولنا شروع کیا۔

''اب میرا حق بنتا ہے کہ میں باچان کے ایک کروڑ افراد کی جانوں کا نذرانہ لوں لیکن دارالحکومت کی نصف آبادی تو پہلے ہی دارالحکومت خالی کر چکی ہے اور اگلے تیس گھنٹوں میں باقی لوگ بھی فرار ہو جائیں گے جبکہ میں نے تو لازماً ایک کروڑ جانوں کا نذرانہ

لینا ہے۔ اس لئے میرا فیصلہ ہے کہ میں پورے باچان سے یہ نذرانہ لوں گا۔ ہر شہر اور ہر قصبے سے قربانی کے لئے آدمی چنوں گا۔ کم از کم ایک کروڑ افراد تیار رہیں اور ایک دوسرے سے الوداعی ملاقات کر لیں۔ نہ جانے کس کی قربانی قبول کر لی جائے اس کے علاوہ میں یہ بھی جانتا ہوں کہ تم لوگ مجھ سے بات چیت کے خواہش مند ہو۔ مجھ پر دباؤ ڈالنا چاہتے ہو اور مجھ سے یہ فیصلہ تبدیل کرانا چاہتے ہو۔ میں تمہاری بات چیت والی خواہش پوری کر دیتا ہوں۔ میں ان سربراہوں سے ملاقات کے لئے تیار ہوں جو مجھ سے ملاقات کے خواہش مند ہیں۔ باچان کی تباہی کے ایک گھنٹے بعد نائس لینڈ کے گورنمنٹ ہاؤس میں، میں سربراہوں سے ملاقات کروں گا۔

ہماری یہ ملاقات ٹی وی کے ذریعے ہو گی۔ وہاں جو ٹی وی سیٹ موجود ہو گا۔ اس کے ذریعے آپ کی اور میری گفتگو ہو سکے گی۔ اوکے۔ وش یو گڈ لک اینڈ گڈ بائی''...... اس کے ساتھ ہی ڈاکٹر بلیک کی آواز آنا بند ہو گئی۔ ٹی وی اسکرین سے کھوپڑی اور ہڈیاں غائب ہو گئیں اور پھر ٹھیک تیس گھنٹے بعد باچان کئی ساعت شکن دھماکوں سے لرز اٹھا۔ بلند و بالا بلڈنگز تنکوں کی مانند فضاؤں میں اڑتی ہوئی دکھائی دیں۔ تاحد نظر کٹے پھٹے انسانی اعضا نظر آنے لگے۔ انسانی خون اس طرح بہنے لگا جس طرح ندی نالے بہتے ہیں۔ باچان کے دارالحکومت میں صرف بلڈنگز تباہ ہوئی تھیں۔ کیونکہ

پورا دارالحکومت انسانوں سے خالی ہو گیا تھا۔ یہاں تک کہ حکومت نے ضروری مشینری اور ریکارڈ بھی دوسرے شہر شفٹ کر دیا تھا۔ دارالحکومت کے علاوہ سات دیگر شہروں اور قصبات میں دھماکے ہوئے تھے اور ایک کروڑ سے زائد افراد ان دھماکوں کی نذر ہو گئے تھے۔ دنیا بھر کا الیکٹرانک میڈیا تباہ ہونے والے حصوں کو لائیو دکھا رہا تھا۔ اکثر لاشیں جل کر سیاہ ہو چکی تھیں۔ کچھ لاشیں ایسے دکھائی دے رہی تھیں جیسے کچلا ہوا بھس۔

خاور کو ہوش آیا تو اس نے اردگرد دیکھا۔ وہ ایک چھوٹے سائز کے کمرے میں تھا۔ کمرے میں فرنیچر نام کی کوئی چیز نہیں تھی۔ وہ ننگے فرش پر پڑا ہوا تھا۔ ہوش آنے کے بعد وہ چند لمحوں تک تو کمرے کا جائزہ لیتا رہا پھر اٹھ کر بیٹھ گیا۔ کمرے میں ایک ہی دروازہ تھا جو فولاد کا تھا۔ خاور نے اس دروازے کا جائزہ لیا۔ دروازہ انتہائی مضبوط تھا۔ خاور واپس کمرے کے درمیان میں آ کر فرش پر بیٹھ گیا۔ اس نے کلائی کی طرف دیکھا لیکن اس کی کلائی پر ریسٹ واچ نہیں تھی۔ اس لئے اسے یہ اندازہ نہ ہو سکا کہ وہ کتنی دیر بے ہوش رہنے کے بعد ہوش میں آیا ہے۔ اس نے اپنی جیبوں کی بھی تلاشی لی۔ اس کی جیبیں بھی خالی تھیں۔

اس کی جیب میں پاکیشیا سیکرٹ سروس کے پرسنل نیٹ ورک کا سیل فون سیٹ تھا۔ وہ بھی ان لوگوں نے نکال لیا تھا۔ خاور سوچ رہا تھا کہ اسے دروازے پر دستک دینی چاہئے کہ اچانک اسے قدموں

کی آواز سنائی دی۔ یہ آواز ایک سے زائد افراد کے قدموں کی تھی۔ قدموں کی یہ آوازیں دروازے پر آ کر رک گئیں پھر دروازہ کھلا اور پانچ آدمی کمرے میں داخل ہوئے۔ ان پانچوں کے پاس مشن گنیں تھیں۔ وہ پانچوں شکل و صورت سے تو مقامی لگ رہے تھے لیکن خاور کو محسوس ہو گیا کہ وہ میک اپ میں تھے۔

''تو تمہیں ہوش آ گیا ہے مسٹر خاور۔ اوکے۔ اب تم ایسا کرو کہ اپنے دونوں ہاتھ اپنے سر پر رکھ لو''...... ان میں سے ایک نے تحکمانہ لہجے میں کہا۔

''اگر میں تمہاری بات پر عمل نہ کروں تو''...... خاور نے منہ بناتے ہوئے کہا۔

''تو پھر پانچوں مشین گنیں موت کے شعلے اگلیں گی اور ایک ایک شعلے کا شکار تو تم ہو ہی جاؤ گے اور چونکہ یہ موت کے شعلے ہیں اس لئے یہ شعلے تمہیں میٹھی نیند سلا دیں گے لیکن اس میٹھی نیند سے پہلے جس اذیت سے گزرنا پڑے گا اس کا شاید تمہیں اندازہ ہی نہیں''...... اسی آدمی نے جو باقی چار کا انچارج تھا، طنزیہ لہجے میں کہا۔ خاور نے ان پانچوں کا جائزہ لیا اور پھر ان کی دھمکی پر غور کیا۔ فی الحال مخالف کی ہدایت پر عمل کرنا ضروری تھا۔ موقع ملنے پر ہی وہ ان کے خلاف حرکت میں آ سکتا تھا۔

''اوکے''...... خاور نے کہا اور پھر اس نے اپنے ہاتھ بلند کر کے سر پر رکھ لئے۔

''گڈ۔ تم کافی عقلمند دکھائی دیتے ہو مسٹر خاور۔ اب تم نے اس کمرے سے نکلنا ہے اور ہمارے آگے آگے چلنا ہے لیکن یہ ذہن میں رہے کہ تمہاری معمولی سی غلط حرکت تمہیں موت کے سپرد کر سکتی ہے''...... انچارج نے کہا۔

''تم مجھے کہاں لے جا رہے ہو''...... خاور نے پوچھا اور اس کے ساتھ ہی اس نے دروازے کی طرف قدم بھی بڑھائے۔

''باس۔ تمہارا انٹرویو کرنے کے لئے بے قرار ہے''...... انچارج نے طنزیہ انداز میں مسکراتے ہوئے کہا۔

''کس لئے''...... خاور نے کہا۔

''ٹی وی پر چلانے کے لئے''...... انچارج نے بدستور طنزیہ لہجے میں کہا تو خاور نے اس طرح سر ہلایا جیسے اسے انچارج کی بات پر یقین آ گیا ہو۔ اس کے ساتھ ہی وہ کمرے سے باہر نکل آیا۔ باہر راہداری تھی۔ جس کے دونوں اطراف میں کمرے تھے اور وہ اس راہداری میں چلنے لگے۔

''بس رک جاؤ''...... چند قدم چلنے کے بعد انچارج نے کہا تو خاور رک گیا۔ پانچوں آدمیوں میں سے ایک نے اپنے سامنے والا دروازہ کھولا۔

''چلو اندر''...... انچارج نے خاور کو حکم دیا تو خاور کمرے میں داخل ہو گیا۔ یہ ایک بڑا کمرہ تھا۔ کمرے کی دیواروں پر تشدد کے آلات لٹکے ہوئے تھے۔ اتنے بڑے کمرے میں ایک ہی کرسی تھی

اور اس کرسی پر ایک غیر ملکی بیٹھا ہوا تھا۔ خاور اور وہ پانچوں افراد اندر داخل ہوئے تو اس نے خاور کو غور سے دیکھا۔ خاور سمجھ گیا کہ یہی باس ہے۔

"اسے ستون کے ساتھ باندھ دو"...... باس نے تحکمانہ لہجے میں کہا تو خاور کو ایک ستون کے ساتھ باندھ دیا گیا۔

"مسٹر خاور۔ ہم اچھی طرح جانتے ہیں کہ تمہارا تعلق پاکیشیا سیکرٹ سروس سے ہے۔ لہٰذا اس بات سے تو تم انکار نہیں کر سکتے"...... باس نے خاور کی طرف دیکھتے ہوئے فخریہ لہجے میں کہا تو خاور کے چہرے پر مسکراہٹ آ گئی۔

"اوکے۔ نہیں کرتا انکار۔ اب خوش"...... خاور نے طنزیہ انداز میں مسکراتے ہوئے کہا۔

"شٹ اپ۔ مجھ پر طنز کرنے کی کوشش بھی مت کرنا"۔ باس نے یکدم ہی غراتے ہوئے کہا۔ خاور اسے مزید غصہ دلانا چاہتا تھا لیکن پھر وہ یہ سوچ کر خاموش رہا کہ پہلے ان کا مقصد معلوم کرے۔ انہوں نے اسے کیوں اغوا کیا ہے اور اب کیا پوچھنا چاہتے ہیں۔

"ج۔ جج۔ جی۔ بب۔ بہت۔ بہتر"...... خاور نے خوفزدہ ہونے کی اداکاری کرتے ہوئے کہا تو باس اسے گھورنے لگا۔

"ہم تم سے یہ نہیں پوچھیں گے کہ تمہارے دیگر ساتھیوں کے نام کیا ہیں"...... باس نے دوبارہ بولنا شروع کیا۔

"اور نہ ہی ساتھیوں کے ایڈریس پوچھیں گے۔ مجھے یہ بھی معلوم نہیں کرنا کہ پاکیشیا سیکرٹ سروس کا ہیڈکوارٹر کہاں ہے"۔ باس نے کرخت لہجے میں کہا۔

"جب تم نے مجھ سے کچھ بھی نہیں پوچھنا تو پھر مجھے اس طرح باندھنے کا مقصد"...... خاور نے منہ بنا کر کہا۔

"ہاں۔ ایک سوال تو ایسا ہے جس کا جواب ہمیں چاہئے۔ ہر حال میں، ہر صورت میں اور اگر تم نے اس سوال کا جواب نہ دیا تو پھر تمہاری روح پر خاردار کوڑے برسائے جائیں گے اور جب تمہاری روح خاردار کوڑے میں پھنس جائے گی تو پھر اسے تمہارے جسم سے باہر کھینچا جائے گا۔ اب تم خود تصور کر سکتے ہو کہ یہ کتنا اذیت ناک مرحلہ ہو گا تمہارے لئے"...... باس نے غراتی ہوئی آواز میں کہا۔

"ہاں واقعی۔ یہ بہت اذیت ناک عمل ہو گا۔ تم پوچھو۔ تم نے کیا پوچھنا ہے"...... خاور نے کہا تو باس اندازہ نہ کر سکا کہ خاور نے طنز کیا ہے یا سنجیدگی سے یہ بات کی ہے۔ وہ ایک بار پھر خاور کو گھورنے لگا۔

"سیکرٹ ریکارڈ روم بلیو بلڈنگ میں ہے اور اس بلیو بلڈنگ کے لئے ایک خفیہ راستہ بھی بنایا گیا ہے۔ تم ہمیں اس راستے کی تفصیلات بتاؤ"...... باس نے خاور کو گھورتے ہوئے کہا۔

"میں تو کبھی بلیو بلڈنگ میں نہیں گیا۔ اس کے خفیہ راستے کے

بارے میں مجھے کیا معلوم ہو سکتا ہے''...... خاور نے کہا۔

''شٹ اپ۔ تم سیکرٹ سروس کے ممبر ہو۔ تم بلیو بلڈنگ سے کیسے لاتعلق ہو سکتے ہو''...... باس نے غرا کر کہا۔

''میں پاکیشیا سیکرٹ سروس کا ممبر ہوں چیف نہیں''......خاور نے منہ بناتے ہوئے کہا۔

''تم اپنے حق میں بہت برا کر رہے ہو خاور۔ ابھی یہاں تمہاری چیخیں گونجیں گی''...... باس نے کرخت لہجے میں کہا۔

''جو سچ تھا وہ میں نے بتا دیا ہے۔ ایک سچ تمہیں میں اور بھی بتا دوں اگر تم سننا چاہو تو''...... خاور نے کہا۔

''کون سا سچ''...... باس نے کہا۔

''وہ سچ یہ ہے کہ تم احمق آدمی ہو اور احمقانہ حرکتیں کرتے پھر رہے ہو۔ جس طرح بلیو بلڈنگ کا خفیہ راستہ تلاش کر رہے ہو۔ بھلا اس طرح ایسے راستے ملا کرتے ہیں''...... خاور نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

''شٹ اپ۔ یہ ہم بہتر جانتے ہیں کہ ہم نے کیا کیا اقدامات کرنے ہیں اور ہم جو بھی قدم اٹھاتے ہیں سوچ سمجھ کر اٹھاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہماری تنظیم ڈیتھ لائن ہمیشہ کامیاب رہتی ہے''...... باس نے غصے سے کہا۔

''اچھا۔ تو تم ڈیتھ لائن کے باس ہو۔ حیرت ہے ڈیتھ لائن کا چیف اتنا احمق ہے''...... خاور نے کہا۔

''بکواس بند کرو۔ چیف کی شان میں کوئی گستاخی کی تو تمہاری موت سے پہلے میں تمہاری زبان کاٹ دوں گا۔ ڈیتھ لائن کے چیف ڈیتھ ماسٹر ہیں اور ڈیتھ ماسٹر تم جیسے معمولی آدمیوں کے سامنے آنا بھی پسند نہیں کرتے اور اب باتوں کا وقت گزر گیا ہے۔ تمہارے پاس صرف پانچ سیکنڈ ہیں۔ ان پانچ سیکنڈوں میں اگر تم نے زبان نہ کھولی تو پھر میں اپنے طریقے سے تمہاری زبان کھلواؤں گا''...... باس نے بھیڑیئے کی مانند غراتے ہوئے کہا لیکن ظاہر سی بات ہے کہ اس کی دھمکی کا خاور نے کیا اثر لینا تھا۔ اس کے بعد باس کرسی سے اٹھا اور خاور کے قریب آ کر اس نے زور دار تھپڑ خاور کو رسید کر دیا۔ یہ تھپڑ اتنا زور دار تھا کہ خاور کا منہ مڑ گیا اور تھپڑ کی آواز پورے کمرے میں گونج کر رہ گئی۔

''بولو۔ مسٹر خاور بولو۔ اگر تم نہیں بولو گے تو تمہاری روح بولے گی۔ بتانا تو بہرحال تمہیں پڑے گا''......باس نے چیختے ہوئے کہا تو خاور نے اسے شعلہ بار نظروں سے دیکھا۔ خاور کو فولادی زنجیر سے ستون کے ساتھ باندھا گیا تھا۔ اس لئے وہ اپنے ناخنوں میں فٹ مخصوص کیمیکل لگے بلیڈوں سے بھی کام نہیں لے سکتا تھا کہ یہ بلیڈ رسی کو کاٹ سکتے تھے فولاد کو نہیں۔ زنجیر مضبوط اتنی تھی کہ شاید اسے جوزف اور جوانا بھی نہیں توڑ سکتے تھے۔ خاور کو اس زنجیر سے رہائی کی کوئی صورت دکھائی نہیں دے رہی تھی۔

''مسٹر خاور۔ میں جانتا ہوں کہ سیکرٹ ایجنٹ ڈھیٹ مٹی سے

بنے ہوتے ہیں۔ ان کی مرضی کے خلاف ان کی زبان کھلوانا آسان نہیں ہوتا لیکن مجھے تم جیسے ڈھیٹ سیکرٹ ایجنٹوں کی زبان کھلوانے کے کئی گُر آتے ہیں۔ تم ابھی فر فر بولتے نظر آؤ گے“۔ باس نے بدستور غراتے ہوئے کہا۔

”میں تمہیں پہلے ہی بتا چکا ہوں کہ میں سیکرٹ ریکارڈ روم کے کسی بھی خفیہ راستے سے واقف نہیں ہوں اور تمہیں اس خفیہ راستے ہی کی تلاش کیوں ہے۔ اگر تم نے وہاں کوئی کارروائی کرنی ہے تو تم عام راستے سے جا کر بھی کارروائی کرا سکتے ہو۔ تمہارا تعلق ڈیتھ لائن سے ہے کسی عام تنظیم سے تو نہیں ہے“...... خاور نے طنزیہ لہجے میں کہا تو باس کا چہرہ غصے سے سرخ ہوتا چلا گیا اور اس کے ساتھ ہی باس کے ہاتھ اور پاؤں حرکت میں آ گئے۔

”میں تمہاری ہڈیوں، پسلیوں کا سرمہ بنا دوں گا۔ ایڈیٹ۔ نانسنس“...... باس نے طمانچے، مکے اور ٹھوکریں مارتے ہوئے کہا۔ وہ اس قدر غصے میں آ گیا تھا کہ اس کے منہ سے کف جاری ہو گیا تھا۔ تھوڑی دیر بعد وہ تھک گیا اور ہانپنے لگا۔

”اب کیا خیال ہے تمہارا۔ بتاؤ گے“...... باس اپنا سانس بحال کرتے ہوئے بولا تو خاور مسکرانے لگا۔

”مسٹر باس۔ میں تم پر واضح کر چکا ہوں کہ میں بلیو بلڈنگ کے کسی بھی خفیہ راستے سے واقف نہیں ہوں اور اگر میں واقف ہوتا بھی تو تمہارا کیا خیال ہے میں تمہیں بتا دیتا۔ نہیں مسٹر احمق باس۔

ہرگز نہیں۔ سیکرٹ ریکارڈ روم پاکیشیا کا دل ہے اور جس طرح دل کو کوئی نقصان پہنچ جائے تو انسان زندہ نہیں رہ سکتا اسی طرح اگر سیکرٹ ریکارڈر روم کو کوئی نقصان ہوتا ہے تو پورے پاکیشیا پر اس کے بھیانک اثرات مرتب ہوں گے۔ پاکیشیا کی سلامتی خطرے میں پڑ سکتی ہے اس لئے میں کب چاہوں گا کہ تم جیسے مجرم سیکرٹ ریکارڈ روم تک پہنچیں اس لئے اگر مجھے خفیہ راستہ معلوم بھی ہوتا تو میں تمہیں کبھی نہ بتاتا۔ چاہے میرے جسم کے ہزاروں ٹکڑے کر دیئے جاتے“...... خاور نے مسلسل بولتے ہوئے کہا۔

”تم سیکرٹ ایجنٹ ہو اور تمہیں اپنی قوت برداشت اور قوت ارادی پر بھروسہ ہے لیکن میں تمہارے اس بھروسے کو پاش پاش کر دوں گا۔ تمہاری کیا جرأت کہ تم میرے سامنے زبان نہ کھولو۔ میرے سامنے تو گونگے فر فر بولنے لگتے ہیں۔ پتھروں کو زبان لگ جاتی ہے۔ تمہاری اوقات ہی کیا ہے“...... باس نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

”الیکٹرک راڈ لے آؤ۔ میں الیکٹرک راڈ سے اس کے سارے جسم میں سوراخ کر دوں گا۔ اس کی زبان نہ بولی تو اس کے جسم میں ہونے والے سوراخ ضرور بولیں گے“...... باس نے خونی لہجے میں کہا تو اس کا ایک ماتحت دیوار کی طرف بڑھا۔ اس دیوار پر تشدد کے دیگر آلات کے ساتھ ساتھ الیکٹرک راڈ بھی لٹکا ہوا تھا لیکن اس سے پہلے کہ وہ دیوار تک پہنچتا۔ اچانک ہی کمرے کا دروازہ کھلا اور

ایک نوجوان لڑکی کمرے میں داخل ہوئی۔ خاور اسے دیکھ کر چونک پڑا۔ وہ اس لڑکی کو ہزاروں میں پہچان سکتا تھا۔ یہ انجلینا تھی جس کا اس نے تعاقب کیا تھا اور اسی تعاقب کے نتیجے میں وہ اس وقت یہاں تھا۔ کمرے میں داخل ہونے کے بعد انجلینا اس کی طرف توجہ دیئے بغیر دیوار کی طرف بڑھی۔ اس دیوار میں ایک الماری تھی اس نے الماری کھولی تو الماری میں ایک سکرین دکھائی دی۔ جس پر کئی بٹن لگے ہوئے تھے۔ انجلینا نے دو بٹن پریس کئے اور پھر وہ جسم کو خم کر کے مؤدبانہ لہجے میں بولی۔

''ٹی الیون حاضرِ خدمت ہے چیف''...... اس نے دو تین بار یہ فقرہ ادا کیا تو سکرین پر ایک جھماکا ہوا اور پھر اسکرین پر بجلیاں سی چمکنے لگیں۔ بجلیوں کے چمکنے کے بعد سکرین پر ایک انتہائی سیاہ اور خوفناک چہرہ دکھائی دیا۔ اس چہرے کو دیکھتے ہی کمرے میں موجود تمام افراد مؤدب ہو گئے۔ خاور بھی سمجھ گیا کہ یہ ڈیتھ لائن کا چیف ڈیتھ ماسٹر ہے جس نے خوفناک انداز کا ماسک پہنا ہوا ہے تاکہ یہ اپنے نام کی طرح خوفناک دکھائی دے۔ اس طرح کے ماسک سے اس کی دہشت اس کے اپنے آدمیوں پر اور مخالفین پر پڑتی تھی لیکن خاور پر اس کا معمولی سا اثر بھی نہ ہوا۔

''یس رپورٹ''...... سکرین سے ایک غراتی ہوئی آواز برآمد ہوئی۔ غراہٹ درندوں کی آواز سے مشابہہ تھی۔

''چیف۔ میرا مشن کامیابی کے قریب ہے۔ آفیسر نے آج مجھے

سیکرٹ ریکارڈ روم میں لے جانا ہے۔ آج رات فائل آپ کے پاس پہنچ جائے گی''...... انجلینا، جس نے اپنا نام ٹی الیون بتایا تھا نے مؤدبانہ لہجے میں کہا۔

''گڈ۔ آج وہ فائل میرے پاس پہنچ جانی چاہئے۔ تمہاری پہلی کوتاہی کو معاف اس لئے کیا گیا تھا کہ تم یہ فائل حاصل کرو گی ورنہ عمران کو اپنے پیچھے لگانے کی سزا صرف عبرتناک موت ہی ہو سکتی تھی''...... چیف کی سرد اور غراتی ہوئی آواز سنائی دی تو ٹی الیون کے جسم میں کپکپی سی پیدا ہو گئی۔

''آپ گریٹ ہیں چیف۔ آپ نے میری ایک کوتاہی معاف کر کے مجھ پر احسان کیا اور مجھے خدمت کا ایک اور موقع عطا کیا۔ اب مجھ سے کوئی کوتاہی نہیں ہو گی۔ فائل بہرحال آج رات آپ تک پہنچ جائے گی''...... ٹی الیون نے بدستور مؤدبانہ لہجے میں کہا۔

''اوکے۔ اب تم جا سکتی ہو''...... ڈیتھ ماسٹر نے سرد لہجے میں کہا تو ٹی الیون نے ایک بار پھر سر جھکایا اور اس کے بعد وہ دروازے کی طرف بڑھی۔ دروازے کی طرف جاتے ہوئے اس نے خاور کی طرف دیکھا اور اس کے ہونٹوں پر ایک طنزیہ مسکراہٹ آ گئی۔ اس نے شرارتاً ایک آنکھ کو دبایا اور پھر وہ دروازے سے نکلتی چلی گئی۔ ٹی الیون کے کمرے سے چلے جانے کے بعد باس مؤدبانہ انداز میں سکرین کے قریب پہنچا۔

''چیف۔ میرے لئے کیا حکم ہے''...... اس نے بھی پہلے سر کو

جھکایا اور پھر مؤدبانہ لہجے میں بولا۔

''اگر تمہیں یہ ایجنٹ کچھ معلومات دے سکتا ہے تو اس سے معلومات نلے لو ورنہ اسے ٹھکانے لگا دو''...... ڈیتھ ماسٹر نے اپنی مخصوص غراتی ہوئی آواز میں کہا۔

''اوکے چیف۔ آپ کے حکم کی حرف بہ حرف تعمیل ہو گی''۔ باس نے مؤدبانہ لہجے میں کہا۔

جیسے ہی باس کا جملہ مکمل ہوا سکرین پر جھماکا ہوا اور پھر سکرین تاریک ہو گئی۔ باس نے ایک طویل سانس لیا اور پھر اس نے الماری بند کر دی اور پھر وہ خاور کے قریب آ کر اسے خونی نظروں سے دیکھنے لگا۔

''تم نے سن لیا ہو گا مسٹر خاور۔ چیف نے تمہارے لئے حکم دیا ہے کہ میں تمہیں ٹھکانے لگا دوں''...... باس نے کہا۔

''میں نے تمہارا کیا بگاڑا ہے کہ تم مجھے ٹھکانے لگاؤ گے۔ تمہارے سوال کا جواب میرے پاس ہے ہی نہیں اور ویسے بھی تمہاری ساتھی انجلینا سیکرٹ ریکارڈ روم تک پہنچنے والی ہے۔ تمہارا مشن مکمل ہونے والا ہے پھر مجھ کو تشدد کرنے یا مجھے ہلاک کرنے سے تمہیں کیا فائدہ حاصل ہو گا''...... خاور نے کہا۔

''اگر تم موت سے بچنا چاہتے ہو تو پھر میرے سوال کا جواب دو''...... باس نے کرخت لہجے میں کہا۔

''اب میں کتنی بار تم سے کہوں کہ میں بلیو بلڈنگ کے کسی خفیہ

راستے سے واقف نہیں ہوں۔ کہو تو اسٹامپ پیپر پر لکھ کر دے دوں''۔ خاور نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

''شٹ اپ۔ میں نے کہا تھا کہ مجھ سے طنزیہ لہجے میں بات نہ کرنا''...... باس نے انتہائی درشت لہجے میں کہا اور اس کے ساتھ ہی اس نے خاور کے منہ پر تھپڑ رسید کر دیا۔ اس تھپڑ سے بھی خاور کا منہ پھر گیا اور اس کا ہونٹ پھٹ گیا جہاں سے خون کے چند قطرے نکل آئے۔ اس کے بعد باس نے ایک ہاتھ آگے بڑھایا۔ اس کا آدمی الیکٹرک راڈ دیوار سے اتار لایا تھا اور اس نے تار بجلی کے بورڈ میں بھی لگا دی تھی۔ راڈ سرخ ہو چکا تھا۔

''تمہاری چیخیں اور تمہارے جلتے ہوئے گوشت کی بو میرے دل و دماغ پر بہت اچھا اثر ڈالے گا۔ کیونکہ ایسے موقعوں پر میں دلی سکون محسوس کرتا ہوں''...... باس نے زہریلے انداز میں مسکراتے ہوئے کہا اور پھر اس نے خاور کے گریبان میں ہاتھ ڈال کر قمیض کو ایک جھٹکا دیا تو خاور کی قمیض پھٹتی چلی گئی۔ باس کے چہرے پر زہریلی مسکراہٹ ابھری اور اس نے راڈ خاور کے سینے کی طرف بڑھایا لیکن اگلے ہی لمحے باس کی چیخ بلند ہوئی اور وہ اڑتا ہوا دور جا گرا جبکہ الیکٹرک راڈ اس کے ہاتھ سے نکل کر اس کے ایک ماتحت کے منہ سے جا ٹکرایا۔ اس کے ماتحت کی بھی چیخ بلند ہوئی اور ساتھ ہی گوشت جلنے کی سرانڈ بھی محسوس ہوئی۔ الیکٹرک راڈ نے ایک سیکنڈ سے بھی کم وقت میں اس آدمی کا چہرہ جلا دیا تھا۔

خاور کے جسم کا اوپر والا حصہ اور بازو تو زنجیروں میں جکڑے ہوئے تھے لیکن اس کی ٹانگیں آزاد تھیں۔ اس لئے جیسے ہی باس نے خاور کو الیکٹرک راڈ لگانا چاہا خاور نے اس کے سینے میں ٹھوکر رسید کر دی جس کے نتیجے مین وہ اڑتا ہوا دور جا گرا تھا۔ باس اور الیکٹرک راڈ سے زخمی ہونے والا آدمی دونوں ہی خاور کو شعلہ بار نظروں سے دیکھنے لگے۔ باس کی آنکھوں سے تو باقاعدہ غضب کی چنگاریاں سی نکل رہی تھیں۔

''اب تم نے خود اپنی موت کو آواز دے دی ہے۔ میں تو تم سے کافی رعایت کرنا چاہتا تھا''...... باس نے غیظ و غضب میں پھنکارتے ہوئے کہا۔ پھر اس نے جیب میں ہاتھ ڈالا اور جب اس کا ہاتھ جیب سے باہر آیا تو اس کے ہاتھ میں ریوالور تھا۔ اس نے ریوالور کا رخ خاور کی طرف کیا اور یکے بعد دیگرے ٹریگر دباتا چلا گیا۔ کمرہ دھماکوں سے گونج اٹھا اور خاور کا بندھا ہوا جسم جھٹکے کھانے لگا۔

عمران کا سر کار کی چھت سے ٹکرایا تو اسے یوں محسوس ہوا جیسے اس کے سر پر کسی نے ہتھوڑا مار دیا ہو۔ چھت سے ٹکرانے کے بعد وہ سیٹ پر آ گرا اور اس کے فوراً ہی بعد وہ ایک بار پھر کار کی چھت سے ٹکرایا۔ کار قلابازیاں کھا رہی تھی اور وہ کار کی چھت اور سیٹ کے درمیان فٹ بال بن گیا تھا۔ اس کے حواس بار بار معطل ہو رہے تھے لیکن وہ اپنی قوت ارادی کے بل بوتے پر اپنے حواس کو قابو کئے ہوئے تھا۔ وہ جانتا تھا کہ ہوش میں رہ کر ہی وہ اپنی جان بچانے کی کوشش کر سکتا ہے۔ بے ہوشی کی صورت میں تو موت یقینی تھی۔ کار فٹ بال کی مانند اچھلتی، کودتی ہوئی نیچے گر رہی تھی۔ نیچے گرتے ہوئے وہ پتھروں سے ٹکرا رہی تھی اور پتھروں سے ٹکرانے کی وجہ سے دھماکے ہو رہے تھے۔ گزرنے والی ہر ساعت عمران کو موت کے منہ میں ہی دھکیل رہی تھی۔ پھر ایک زور دار چھپاکا ہوا اور کار کی حرکت بند ہو گئی۔ عمران نے خود کو سنبھالا اور پھر کار کے

بلٹ پروف شیشوں سے باہر دیکھا۔ کار پانی میں ہچکولے کھا رہی تھی اور بتدریج ڈوب رہی تھی۔

پہاڑوں سے جھرنوں اور نالوں کی صورت میں بہنے والا پانی نیچے دریا کی مانند بہہ رہا تھا۔ اس پانی کا بہاؤ بہت تیز تھا۔ اگر کار مکمل طور پر اس میں ڈوب جاتی تو پھر عمران کا اس میں سے زندہ نکلنا مشکل تھا۔ اس لئے عمران نے کار کا جائزہ لیا۔ کار کی حالت بہت خراب ہو چکی تھی۔ اس کی باڈی بری طرح پچک گئی تھی۔ بونٹ کا نام و نشان تک مٹ گیا تھا اور چونکہ کار کے شیشے بلٹ پروف تھے اس لئے عمران بچ گیا تھا ورنہ اس کا حشر بھی ویسا ہی ہونا تھا جیسا کار کی باڈی کا ہوا تھا۔

عمران ابھی جائزہ ہی لے رہا تھا کہ اسے اپنے اردگرد پانی کا احساس ہوا۔ وہ فوراً ہی چونکا۔ پانی کار کے اندر داخل ہو گیا تھا۔ عمران نے کار کے دروازے کو توڑنے کے لئے جو فائرنگ کی تھی اس سے لاک میں اور دروازے میں سوراخ ہو گئے تھے۔ لاک میں سوراخ ہوتے ہی کار گہری کھائی میں گر گئی تھی اور عمران کو لاک ٹوٹنے کے بعد دروازہ کھولنے کا موقع ہی نہیں ملا تھا۔ اب پانی کو ان سوراخوں سے اندر آتے دیکھ کر اس نے دروازہ کھولنا چاہا لیکن دروازہ اب بھی نہ کھلا تو عمران کی نظر باہر گئی۔ کار پانی میں پڑے ہوئے ایک بہت بڑے پتھر سے چپکی ہوئی تھی۔ یہ پتھر یقیناً کئی ٹن وزنی تھا۔ اب جب تک کار اس سے دور نہ ہو جاتی۔ کار کا دروازہ

نہیں کھل سکتا تھا۔ عمران کے لئے سب سے بڑا مسئلہ کار سے نکلنا تھا اور اس کا ذہن مسلسل یہی سوچ رہا تھا کہ کیسے کار سے باہر نکلا جائے۔ پھر وہ چونکا۔ اس نے اپنے ریوالور کو تلاش کیا۔ جلد ہی اسے ریوالور مل گیا۔ اس نے ریوالور کی نال دوسرے دروازے کے لاک پر رکھ کر ٹریگر دبانا چاہا لیکن ریوالور پانی میں بری طرح بھیگ چکا تھا۔ اس لئے اب اس سے فائر نہ ہوا۔

''اگر یہ ریوالور واٹر پروف ہوتا تو کتنی اچھی بات تھی''۔ عمران نے بڑبڑاتے ہوئے اپنے آپ سے کہا۔ اس نے ریوالور وہیں پھینکا اور اپنی جیبوں کی تلاشی لینے لگا۔ اچانک اس کے ہاتھ میں ایک ڈبیہ آ گئی اور اس کی آنکھیں چمکنے لگیں۔ عمران نے وہ ڈبیہ نکال لی۔ پھر اس نے اسے کھول کر اس میں سے ایک سلاخ باہر نکال لی۔ سلاخ کا سرا لائٹر کی مانند تھا۔ لائٹر کے اوپر تین انچ کا خنجر کا پھل نظر آ رہا تھا۔ ڈبیہ کے اندر اور باہر ایک ایک بٹن لگا ہوا تھا۔ عمران نے باہر والا بٹن پریس کیا تو صرف تین چار سیکنڈ بعد خنجر کا پھل انتہائی سرخ ہو گیا۔ جیسے ہی خنجر سرخ ہوا عمران نے ڈبیہ کے اندر والا بٹن بھی پریس کیا اور پھر وہ کار کی چھت کی طرف متوجہ ہوا۔ چھت پتھروں سے ٹکرانے کی وجہ سے انتہائی خستہ ہو چکی تھی۔ عمران نے وہ خنجر کار کی چھت پر ایک جگہ رکھا اور زور لگانے لگا۔ تھوڑی ہی دیر میں وہ سرخ خنجر باڈی میں داخل ہو گیا۔ لوہے کی چھت آہستہ آہستہ کٹنے لگی۔ تقریباً پندرہ منٹ کی جدوجہد کے بعد

چھت کا ایک چوکور حصہ کٹ چکا تھا۔ پھر اچانک ہی عمران کو ایک زور دار جھٹکا لگا اور پانی کا ایک ریلا طوفانی رفتار سے کار میں داخل ہو گیا جبکہ کٹ جانے والا چوکور ٹکرا پانی میں کہیں جا گرا۔ کار پانی سے بھر گئی۔ عمران اب فوری طور پر اس پانی سے باہر نکلنا چاہتا تھا۔ عمران نے ڈبیہ پر لگائے بٹن پریس کئے اور پھر ڈبیہ واپس جیب میں رکھ لی۔ عمران اب ایک لمحہ بھی ضائع نہیں کرنا چاہتا تھا۔ کار کے پانی سے بھر جانے کی وجہ سے عمران نے اپنا سانس روکا ہوا تھا۔ اس نے اپنے دونوں ہاتھ چھت کے کٹے ہوئے حصے پر جمائے اور پھر اس کا جسم بلند ہوتا چلا گیا۔ وہ پلک جھپکتے ہی کٹے ہوئے چوکور حصے میں سے کار کی چھت پر پہنچ گیا۔ پانی کا بہاؤ بہت ہی تیز تھا اور عمران کو کار کی چھت پر قدم جمانا مشکل ہو رہا تھا۔ اس لئے اس نے تیرنا شروع کر دیا۔ تھوڑی دیر تیرنے کے بعد عمران نے پانی میں سے سر باہر نکالا اور اردگرد کا جائزہ لیا۔ سڑک بہت اوپر تھی۔ پانی کئی جگہوں سے پہاڑوں کی چوٹیوں سے گرتا، شور مچاتا ہوا دریا میں گر رہا تھا۔ یہ پانی چونکہ انتہائی یخ بستہ تھا اس لئے عمران کا جسم سن ہو رہا تھا۔ عمران فوراً ہی دریا کے کنارے پر آ گیا اور پھر پتھروں پر مضبوطی سے قدم جماتا ہوا دریا سے باہر نکل آیا۔ وہ دریا کے کنارے کنارے چلنے لگا۔ کنارے سے چند قدموں کے فاصلے پر بلند بالا پہاڑوں کا سلسلہ تاحد نظر پھیلا ہوا تھا۔ عمران نے اب ان پہاڑوں میں سے ہی راستہ تلاش کرنا تھا اور سڑک تک

پہنچنا تھا۔ تھوڑی سی تلاش کے بعد عمران کو پہاڑ کا ایک قدرتی راستہ نظر آ گیا۔ وہ اس راستے پر چلتے ہوئے پہاڑ کے اوپر چڑھنے لگا۔ وہ تھوڑی دور ہی چلا تھا کہ اچانک چونک اٹھا۔ اسے ہیلی کاپٹر کی آواز سنائی دی تھی اس نے اپنے قدم تیز کئے اور ایک چوڑے پتھر پر پہنچ کر رک گیا پھر اس نے اردگرد کا جائزہ لیا تو اسے دور ایک جگہ پر ہیلی کاپٹر اترتا ہوا نظر آیا۔ عمران نے غور سے ہیلی کاپٹر کو دیکھا۔ ہیلی کاپٹر پر کہیں بھی پاکیشیا کا نشان نہیں بنا ہوا تھا جس کا مطلب تھا کہ یہ پاکیشیا کا سرکاری ہیلی کاپٹر نہیں تھا۔ اس پر کسی ادارے یا کمپنی کا مونوگرام بھی دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ عمران جس پتھر پر موجود تھا اس سے چند قدم کے فاصلے پر ایک اور ابھرا ہوا پتھر موجود تھا۔ عمران اس پتھر کی اوٹ میں ہو کر ہیلی کاپٹر کو دیکھنے لگا۔ اس کے دیکھتے ہی دیکھتے ہیلی کاپٹر ایک مسطح چٹان پر اترا اور اس میں سے چار آدمی نیچے کودے۔ ان آدمیوں کو دیکھ کر عمران ایک بار پھر چونک پڑا کیونکہ وہ چاروں مشین گنوں سے مسلح تھے اور انہوں نے غوطہ خوری کے لباس پہنے ہوئے تھے۔ ہیلی کاپٹر سے نیچے اترنے کے بعد وہ نہایت احتیاط سے چلتے ہوئے اس طرف بڑھنے لگے جس طرف عمران کی کار پانی میں ڈوبی ہوئی تھی۔

عمران نے چاروں طرف کا جائزہ لیا۔ چند لمحوں کے لئے کچھ سوچا اور پھر وہ پتھروں کی اوٹ لیتا ہوا ہیلی کاپٹر کی جانب بڑھنے لگا۔ ایک طویل چکر کاٹ کر وہ ہیلی کاپٹر کے عقب میں پہنچ گیا۔

ہیلی کاپٹر میں اس وقت بھی دو آدمی بیٹھے ہوئے تھے جو کافی چوکس دکھائی دے رہے تھے۔ عمران ان آدمیوں کا انتظار کرنے لگا جو ڈوبی ہوئی کار کی طرف گئے تھے اور اسے زیادہ انتظار نہ کرنا پڑا۔ عمران جو کہ ایک چٹان کے پیچھے چھپا ہوا تھا، کو باتوں کی آواز سنائی دی۔

''اب باس کو کیا رپورٹ دیں۔ صحیح رپورٹ دینے سے کہیں باس غصے میں ہی نہ آ جائے''...... عمران نے ایک آدمی کی آواز سنی۔

''غلط رپورٹ بھی تو نہیں دے سکتے۔ رپورٹ غلط ثابت ہونے پر گولی مار دی جاتی ہے''...... ایک اور آواز سنائی دی۔ عمران نے چٹان کے پیچھے سے انہیں دیکھا۔ وہ ایسے زاویہ پر تھا کہ وہ تو ان چاروں کو دیکھ سکتا تھا لیکن وہ چاروں اسے نہیں دیکھ سکتے تھے۔ ان چاروں میں سے ایک آدمی نے ایک بریف کیس بھی اٹھایا ہوا تھا۔ وہ آپس میں باتیں کرتے کرتے بے فکری سے ہیلی کاپٹر کی طرف بڑھ رہے تھے۔

''معلوم نہیں۔ عمران کیسے بچ نکلا ہے اس کے بچ نکلنے پر شامت ہماری ہی آنی ہے''...... ایک اور آدمی نے کہا۔ وہ اس چٹان سے آگے بڑھ گئے تھے جس کے پیچھے عمران چھپا ہوا تھا۔ عمران نے صرف ایک لمحے کے لئے کچھ سوچا اور پھر اچانک ہی وہ عقاب کی مانند اچھلا اور اڑتا ہوا ان چاروں پر آ گرا۔ وہ چاروں

اس حملے کے لئے تیار نہ تھے۔ ان کے تو وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ اس ویران و سنسان اور سنگلاخ چٹانوں کے درمیان ان پر کوئی مصیبت بھی آ سکتی تھی لہٰذا وہ چاروں ہی پتھریلی زمین پر گرتے چلے گئے۔ عمران نے پلک جھپکتے ہی ایک آدمی سے مشین گن چھینی اور پھر پہاڑیاں فائرنگ کی تیز آواز سے گونج اٹھیں۔ اس فائرنگ کی آواز میں چار انسانی چیخوں کی آوازیں بھی شامل ہو گئیں۔ وہ چاروں چٹانوں پر مرغ بسمل کی طرح تڑپنے لگے۔ اسی لمحے عمران پر بھی فائرنگ ہوئی۔ یہ فائرنگ ہیلی کاپٹر میں بیٹھے ہوئے آدمیوں نے کی تھی اور چونکہ عمران کو ان کی طرف سے اس حملے کی توقع تھی اس لئے وہ ان کی طرف سے چوکنا تھا۔ اس لئے جیسے ہی یہ فائرنگ ہوئی اس نے فضا میں غوطہ لگا دیا۔ اسی لمحے ہیلی کاپٹر سے ایک آدمی نے نیچے چھلانگ لگائی اور اس کے ساتھ ہی ہیلی کاپٹر کے پر بھی حرکت میں آ گئے۔ نیچے چھلانگ لگانے والا آدمی مشن گن سے فائرنگ کرتا ہوا اس طرف بھاگا جہاں بریف کیس گرا ہوا تھا۔ اس نے انتہائی تیزی اور پھرتی کے ساتھ بریف کیس اٹھایا اور واپس ہیلی کاپٹر کی طرف دوڑا۔ وہ دوڑ بھی رہا تھا اور مشین گن سے فائرنگ بھی کر رہا تھا۔ ہیلی کاپٹر کے قریب پہنچ کر اس نے جمپ لگایا لیکن اس سے پہلے کہ وہ ہیلی کاپٹر کے اندر پہنچتا عمران نے اس پر فائر کھول دیا۔ درجنوں گولیاں اس کی گردن کے آر پار ہو گئیں۔ اس کی کربناک چیخ سے پہاڑیاں ایک بار پھر گونج

اٹھیں۔ وہ بریف کیس سمیت نیچے گرا اور تڑپنے لگا جبکہ ہیلی کاپٹر بلند ہو گیا۔ عمران اب ہیلی کاپٹر کو بھی واپس نہیں جانے دینا چاہتا تھا۔ اس نے مشین گن کا رخ ہیلی کاپٹر کی طرف کر کے ٹریگر دبا دیا۔ درجنوں گولیاں ہیلی کاپٹر کے شیشے کو توڑتی ہوئیں پائلٹ کو جا لگیں۔ ہیلی کاپٹر کی آواز کافی تیز تھی لیکن پائلٹ کی چیخ اس سے بھی زیادہ تیز تھی۔ اس کی چیخ کے ساتھ ہی ہیلی کاپٹر ڈگمگایا، لہرایا اور پھر ایک طرف گرتا چلا گیا۔ اگلے لمحے ایک ہولناک سماعت شکن دھماکا ہوا۔ یہ دھماکا اس قدر شدید تھا کہ پہاڑیاں تک لرز اٹھیں۔ ہیلی کاپٹر کے چٹان سے ٹکرانے کے بعد اس کے شعلوں میں ڈوبے ہوئے ٹکڑے دور دور گرتے ہوئے دکھائی دیئے۔

عمران نے بریف کیس کی طرف دیکھا جو ایک آدمی کی لاش کے نیچے دبا ہوا تھا۔ عمران بریف کیس کی طرف بڑھا۔ اس نے لاش کے نیچے سے بریف کیس کھینچ لیا۔ بریف کیس بالکل نیا، خوبصورت اور مضبوط تھا۔ معائنے پر عمران کو محسوس ہو گیا کہ یہ بریف کیس واٹر پروف اور فائر پروف ہے۔ بریف کیس کے معائنے کے بعد عمران نے اس کے تالے کا بھی معائنہ کیا۔ تالا بھی جدید ساخت کا تھا لیکن تالا کیسا ہی کیوں نہ ہو اسے کھولنا عمران اور اس کے ساتھیوں کے لئے کوئی مسئلہ نہیں تھا۔ عمران نے اپنی جیبوں میں ہاتھ ڈالا اور پھر ''ماسٹر کی'' کی موجودگی کو محسوس کر کے مطمئن انداز میں سر ہلانے لگا۔ عمران نے ماسٹر کی نکالی اور پھر اس

نے ''کی'' بریف کیس کے تالے میں ڈالی اور اسے مخصوص انداز میں گھمانے لگا۔ تھوڑی سی کوشش کے بعد ہلکی سی کھٹک کی آواز سنائی دی اور تالا کھل گیا۔ عمران نے بریف کیس کھولا اور اس کا جائزہ لینا ہی چاہتا تھا کہ بریف کیس کے ایک کونے میں سے ایک لمبا سا راڈ نکل آیا پھر اس سے پہلے کہ عمران چونکتا اس راڈ میں سے کئی سوئیاں نکلیں اور عمران کے سینے میں آ لگیں۔ عمران نے ان سے خود کو بچانے کی شعوری اور لاشعوری کوشش کی لیکن وہ ناکام رہا۔

عمران اپنے سینے کی طرف دیکھ ہی رہا تھا کہ بے اختیار اس کے منہ سے چیخ نکل گئی کیونکہ اسے ایسا محسوس ہوا تھا جیسے یکدم ہی اس کے بدن میں آگ بھڑک اٹھی ہو۔ عمران کا چہرہ یکدم ہی آگ کی مانند سرخ ہوتا چلا گیا۔ ایک دو سیکنڈ بعد ہی اس کی پیشانی کی رنگت نیلی ہونے لگی اور اس کے ہاتھوں کی رگیں پھولنے لگیں۔ اس کا تمام چہرہ اور جسم پسینے میں شرابور ہو گیا۔ اس کے منہ سے ایک خوفناک غراہٹ نکلی اور یکدم ہی اس کی آنکھوں سے بے بسی جھلکنے لگی۔ عمران نے اپنی جگہ سے اٹھنے کی کوشش کی تو تھوڑی سی کوشش کے بعد وہ کھڑا ہو گیا لیکن کھڑے ہوتے ہی اس کی ٹانگوں میں لرزہ طاری ہو گیا۔ اس کی ٹانگیں اس کا وزن سہارنے سے قاصر ہو رہی تھیں۔ وہ لڑکھڑایا اور پھر پتھریلی زمین پر گرتا چلا گیا۔ گرتے ہی اس کا جسم کانپا، متعدد بار تڑپا اور پھر ساکت ہو گیا۔

بلیک زیرو آپریشن روم میں اپنی مخصوص کرسی پر بیٹھا ہوا تھا۔ اس کے سامنے ٹی وی آن تھا۔ ٹی وی پر ایکریمیا کے تباہ شدہ علاقے دکھائے جا رہے تھے۔ ڈاکٹر بلیک کی بربریت سے جو لوگ ہلاک ہو گئے تھے وہ الگ تھے لیکن جو لوگ زخمی ہوئے تھے وہ موت سے بھی بدتر زندگی گزار رہے تھے۔ تابکاری اثرات نے ان کی زندگیوں کو جہنم بنا دیا تھا۔ ان زخمی افراد میں سے جو ہوش میں تھے وہ التجائیں کر رہے تھے کہ انہیں زہر کا ٹیکہ لگا کر اس عذاب سے نجات دلا دی جائے۔ انسانوں کے کٹے پھٹے اعضا دیکھ کر جسم میں ایک جھرجھری سی پیدا ہوتی تھی۔ کئی افراد کے چہرے زخمی ہو کر اس قدر بھیانک ہو گئے تھے کہ انہیں دیکھنے والا خوف کا شکار ہو جاتا تھا۔ ایکریمیا کے ساتھ ساتھ باچان میں بھی یہی صورت حال تھی۔

جب سے ڈاکٹر بلیک کا نام دنیا کے سامنے آیا تھا دنیا پر گویا ایک نحوست سی چھا گئی تھی۔ دنیا بھر کے لوگ ہر وقت خوفزدہ اور

سہمے ہوئے رہتے تھے۔ کئی کمزور دل افراد تو راتوں کو چیخیں مار کر اٹھ بیٹھتے تھے کیونکہ خواب میں انہیں ڈاکٹر بلیک دکھائی دیتا تھا۔ میڈیا، ایکریمیا اور باچان کے مناظر دکھا رہا تھا۔ ان مناظر کو دیکھ کر دل کے کئی مریض اپنی زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھے تھے کیونکہ ڈاکٹر بلیک نے پاکیشیا کو بھی دھمکی دی ہوئی تھی اور اس کی لسٹ میں سرسلطان کا نام بھی شامل تھا اس لئے پاکیشیا میں بھی سرکاری سطح پر میٹنگز ہو رہی تھیں۔ سرسلطان کی حفاظت کے پلان تیار کئے جا رہے تھے۔ کئی شخصیات سرسلطان کے لئے پریشان تھیں لیکن سرسلطان پریشان نہیں تھے۔ بلیک زیرو بھی ٹی وی دیکھنے کے ساتھ ساتھ سرسلطان کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ سرسلطان ان دنوں دو عالمی مجرموں کے نشانے پر تھے۔ ڈاکٹر بلیک کی کارکردگی تو دنیا بھر کے سامنے آ چکی تھی۔ ڈیتھ لائن بھی کم خطرناک نہیں تھی۔ ڈیتھ لائن ان دنوں پاکیشیا میں تھی۔ خاور ڈیتھ لائن کے ایجنٹوں کے تعاقب میں گیا تھا اور پھر اس کی طرف سے کوئی رپورٹ نہیں آئی تھی۔ اس کا مخصوص سیل فون سیٹ بھی آف تھا۔ جس کا واحد مطلب یہی تھا کہ خاور کسی مشکل میں پھنس چکا ہے۔ بلیک زیرو نے جولیا کو ہدایت کر دی تھی کہ وہ ممبران سے کہہ دے کہ تمام ممبران، ڈیتھ لائن کے ایجنٹوں اور خاور کو ٹریس کریں۔ سیکرٹ سروس کے تمام ممبران اس کی ہدایت پر عمل کر رہے تھے لیکن ابھی کسی طرف سے کوئی مثبت رپورٹ نہیں آئی تھی۔ عمران بھی سرسلطان سے ملنے

گیا تھا اور ابھی تک واپس نہیں آیا تھا۔ عمران کا خیال آتے ہی بلیک زیرو نے بے اختیار وال کلاک کی طرف دیکھا۔ عمران کو گئے ہوئے بہت وقت ہو گیا تھا۔ وہ وال کلاک کی طرف دیکھ ہی رہا تھا کہ ٹیلی فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ وہ چونکا اور پھر اس نے رسیور کی طرف ہاتھ بڑھایا

''ایکسٹو''...... بلیک زیرو نے رسیور اٹھا کر کان سے لگایا اور مخصوص لہجے میں بولا۔

''طاہر صاحب۔ میں جوزف بول رہا ہوں''...... دوسری طرف سے جوزف کی تیز آواز سنائی دی۔

''جوزف۔ کیا ہوا ہے۔ یہ تم کس طرح سے بول رہے ہو''۔ بلیک زیرو نے کچھ سخت لہجے میں کہا۔

''طاہر صاحب۔ مجھے ابھی ابھی فادر جوشوا نے خبر دی ہے کہ باس کے سر پر باکھی جھیل کی بدروح منڈلا رہی ہے اور جب کسی کے سر پر باکھی جھیل کی روح منڈلاتی ہے تو اس کا بچنا ناممکن ہوتا ہے۔ موت اسے اپنا مہمان بنا کر لے جاتی ہے''...... دوسری طرف سے جوزف کی گھبرائی ہوئی آواز سنائی دی تو بلیک زیرو حیران ہو گیا۔

''یہ تم کیا کہہ رہے ہو جوزف۔ کہیں تم نے دوبارہ شراب پینا تو شروع نہیں کر دی''...... بلیک زیرو نے کہا۔

''طاہر صاحب۔ باتوں میں وقت ضائع مت کریں۔ ہم نے

باس کو موت کے جبڑے سے کھینچنا ہے۔ اگر ہمیں تاخیر ہو گئی تو پھر موت کا اژدھا باس کو نگل جائے گا۔ میں آندھی کی رفتار سے دانش منزل آ رہا ہوں۔ آپ پلیز دانش منزل کے ہیلی پیڈ پر پہنچ جائیں۔ ہم نے ہیلی کاپٹر میں جانا ہے''...... دوسری طرف سے جوزف نے ایک بار پھر تیز لہجے میں کہا اور پھر کال منقطع ہو گئی جبکہ بلیک زیرو ہیلو ہیلو کرتا رہ گیا۔ پھر بلیک زیرو نے جبڑے بھینچے، کریڈل پر انگلی رکھ کر ہٹائی اور اس کے بعد تیزی سے عمران کے نمبر پریس کرنے لگا۔ جیسے ہی نمبرز مکمل ہوئے کمپیوٹر نے بتا دیا کہ نمبر آف ہے۔ پھر اس سے پہلے کہ بلیک زیرو کچھ سوچتا بیل کی ہلکی مگر مترنم آواز سنائی دینے لگی۔ بلیک زیرو نے کمپیوٹر کی بورڈ کے دو بٹن پریس کئے تو دانش منزل کا گیٹ کھلتا چلا گیا اور زوں کی آواز کے ساتھ جوزف کی جہازی سائز کار اندر داخل ہو گئی۔ کار ایک جھٹکے سے رکی اور جوزف کار سے نیچے اتر کر آپریشن روم کی طرف دوڑا۔ وہ ایک سیکنڈ سے بھی کم وقت میں آپریشن روم میں پہنچ گیا۔

''طاہر صاحب۔ میں نے تم سے کہا تھا کہ ہیلی پیڈ پر پہنچو اور تم ابھی تک آپریشن روم میں بیٹھے ہو''...... جوزف نے درشت لہجے میں کہا تو بلیک زیرو نے چونک کر اس کے چہرے کی طرف دیکھا۔ اس کا سیاہ چہرہ اور زیادہ سیاہ ہو گیا تھا۔ اس کے چہرے پر وحشت پھیلی ہوئی تھی۔ جوزف نے بلیک زیرو سے کبھی بھی اس لہجے میں بات نہیں کی تھی۔ وہ جس طرح عمران کا احترام کرتا تھا اسی طرح

بلیک زیرو کا احترام کرتا تھا لیکن آج نجانے اسے کیا ہو گیا تھا۔

''جوزف۔ کیا ہو گیا ہے تمہیں۔ تمہیں معلوم ہے کہ تم کس سے بات کر رہے ہو''...... بلیک زیرو نے غصے سے کہا۔

''اگر باس کو کچھ ہو گیا تو میں پوری دنیا کو آگ لگا دوں گا۔ اس دنیا کا ایک آدمی بھی زندہ نہیں بچے گا''...... جوزف نے کہا۔ اس کے لہجے میں درجنوں درندوں کی غراہٹ شامل تھی۔ یہ کہہ کر وہ مڑا۔

''طاہر صاحب۔ اگر تم نہیں جانا چاہتے تو نہ جاؤ۔ میں جا رہا ہوں''...... جوزف نے مڑتے ہوئے کہا اور وہ جس رفتار سے آپریشن روم میں آیا تھا اسی رفتار سے باہر کی طرف بھاگا۔

لازماً کوئی ایسی بات تھی جو جوزف کی یہ حالت ہو گئی تھی۔ وہ اس وقت کسی پاگل درندے کی طرح دکھائی دے رہا تھا۔ بلیک زیرو جانتا تھا کہ جوزف کا عمران سے روحانی تعلق تھا۔ کئی موقعوں پر وہ ناقابل یقین باتیں کہہ چکا تھا۔ وہ اس کے فادر جوشوا کے بارے میں بھی جانتا تھا۔ اس لئے جیسے ہی جوزف دروازے کی طرف دوڑا بلیک زیرو بھی اس کے پیچھے دوڑا۔ دونوں طوفانی رفتار سے دوڑتے ہوئے چند سیکنڈوں میں ہی دانش منزل کے ہیلی پیڈ تک پہنچ گئے۔ پھر ایک لمحہ بھی ضائع کئے بغیر وہ دونوں ہیلی کاپٹر میں سوار ہو چکے تھے اور ہیلی کاپٹر بلند ہو رہا تھا۔

''کس طرف جانا ہے''...... بلیک زیرو نے کہا۔

''شالا بار پہاڑی سلسلے کی طرف لیکن ہیلی کاپٹر کو تیز سے تیز اڑائیں طاہر صاحب۔ گاڈ باس کی حفاظت کرے''...... جوزف نے کہا تو بلیک زیرو نے اثبات کے انداز میں سر ہلایا۔ اس نے ہیلی کاپٹر کا رخ شالا بار پہاڑی سلسلے کی طرف کر دیا اور اس کے ساتھ ہی اس نے اپنے سیل فون سے عمران کے سیل فون پر کال دی لیکن عمران کا سیل فون بدستور آف تھا۔

''جوزف۔ اب تو بتا دو کیا ہوا ہے عمران صاحب کو''...... بلیک زیرو نے سنجیدہ لہجے میں کہا۔

''طاہر صاحب۔ میں نے بتایا تو ہے کہ باس پر باکھی جھیل کی روح منڈلا رہی ہے اور باس بے بس ہو چکا ہے اور موت بلی کی مانند قدم بہ قدم اس کی طرف بڑھ رہی ہے''...... جوزف نے کہا۔ جوزف کی باتیں بلیک زیرو کو سمجھ نہیں آ رہی تھیں۔

''جوزف۔ شالا بار کا پہاڑی سلسلہ تو بہت وسیع ہے۔ ہم عمران صاحب کو کہاں تلاش کریں گے''...... بلیک زیرو نے کہا۔

''مجھے فادر جوشوا نے تصور میں وہ جگہ دکھائی ہے۔ طاہر صاحب۔ تم ہیلی کاپٹر کا کنٹرول مجھے دے دو''...... جوزف نے کہا۔

''اوکے۔ مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے''...... بلیک زیرو نے کاندھے اچکاتے ہوئے کہا۔ تھوڑی ہی دیر میں ہیلی کاپٹر شالا بار پہاڑی سلسلے میں پہنچ گیا اور پھر نصف منٹ بعد جوزف نے ہیلی کاپٹر پہاڑوں کے درمیان ایک مسطح جگہ پر اتار دیا۔ جونہی بلیک

زیرو کی نظر نیچے گئی وہ بری طرح چونک پڑا۔ اس نے ایک جگہ عمران کو ساکت پڑے ہوئے دیکھ لیا۔ وہاں قریب اور آدمیوں کی لاشیں بھی پڑی ہوئی تھیں۔ پھر تو بلیک زیرو نے ہیلی کاپٹر کے رکنے کا صحیح طرح انتظار بھی نہ کیا اس نے کھڑکی کا شیشہ سائیڈ پر کیا اور نیچے چھلانگ لگا دی اور دوڑتا ہوا عمران کے قریب پہنچ گیا۔ عمران بالکل ساکت پڑا ہوا تھا اس کا چہرہ نیلا ہو چکا تھا اور ہاتھوں کی رگیں پھولی ہوئی تھیں۔ بلیک زیرو، عمران کا معائنہ کر ہی رہا تھا کہ جوزف بھی وہاں پہنچ گیا۔

"باس۔ باس۔ آنکھیں کھولو۔ دیکھو تمہارا غلام آ گیا ہے۔ غلام تمہیں مرنے نہیں دے گا باس۔ تم گریٹ ہو باس اور گریٹ لوگ مرتے نہیں ہیں"...... جوزف نے تیز لہجے میں کہا اور اس کے ساتھ ہی اس نے اپنی جیب سے کچھ پتے نکال لئے۔ پتے تر و تازہ تھے۔ اس نے اپنے ایک ہاتھ سے عمران کا منہ کھولا اور دوسرے ہاتھ میں پکڑے ہوئے پتوں کو عمران کے منہ کے قریب لا کر پتوں کو نچوڑا تو پتوں سے سبز رنگ کا سیال چند قطروں کی صورت میں نکلا اور عمران کے منہ میں چلا گیا۔ جوزف نے عمران کا منہ چھوڑ دیا اور پھر وہ عمران کا جسم دیکھنے لگا۔ عمران کے سینے پر لگی چند سوئیاں اسے نظر آ گئیں۔ اس نے جلدی جلدی سے وہ ساری سوئیاں نکال کر دور پھینک دیں۔ اس کے بعد اس نے اپنی جیب سے ایک خنجر نکالا اور عمران کے بازو پر ایک گہرا کٹ لگا دیا۔ عمران کے بازو سے

خون نکلنے لگا لیکن بلیک زیرو اس خون کو دیکھ کر حیران ہونے لگا کیونکہ اس خون کا رنگ نیلا تھا۔ کٹ لگانے کے بعد جوزف نے وہ پتے دوبارہ اٹھا لئے جو اس نے عمران کے منہ میں نچوڑے تھے۔ جوزف نے ایک بار پھر عمران کا منہ کھولا اور وہ سارے پتے دوبارہ نچوڑ کر ان کا رس عمران کے منہ میں ٹپکا دیا۔ اس کے بعد وہ عمران کا چہرہ غور سے دیکھنے لگا۔ اس کی نظریں بازو پر بھی تھیں جہاں سے خون بہہ رہا تھا۔ تقریباً نصف منٹ گزرا ہو گا کہ بہنے والے خون کی نیلاہٹ ختم ہونے لگی۔ مزید پندرہ بیس سیکنڈ بعد خون سرخ ہو گیا۔ اس کے ساتھ ہی عمران کے چہرے پر موجود نیلاہٹ بھی ختم ہو گئی تو جوزف نے ایک طویل سانس لیا پھر اس نے جیب سے رومال نکال کر عمران کے زخم پر باندھ دیا۔ خون کی روانی رک گئی۔ جوزف کے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ آ گئی اور پھر اس نے چاروں طرف غور سے دیکھا۔ اس کے بعد وہ پتھروں پر اگی جھاڑیوں کی طرف بڑھتا چلا گیا۔ کچھ دیر بعد وہ واپس آیا تو اس کے ہاتھ میں موٹے پتوں والی جھاڑیاں تھیں۔ اس نے ان جھاڑیوں کو بھی ہاتھ سے نچوڑ کر ان میں سے چند قطرے نکالے اور یہ قطرے عمران کے حلق میں ٹپکا دیئے۔ اب وہ مکمل طور پر مطمئن دکھائی دے رہا تھا۔

بلیک زیرو جاننا چاہتا تھا کہ عمران کو کیا ہوا ہے لیکن وہ جوزف سے نہیں پوچھ سکتا تھا کیونکہ اسے معلوم تھا کہ جوزف نے یہی جواب دینا ہے کہ باس کے سر پر باکھی جھیل کی روح منڈلا رہی

ہے اور بلیک زیرو کو روحوں اور بدروحوں پر بالکل یقین نہیں تھا۔ وہ دونوں ہی خاموشی سے عمران کو دیکھے جا رہے تھے پھر اچانک ہی عمران کے جسم میں حرکت پیدا ہوئی۔ اس حرکت کو دیکھتے ہی وہ دونوں خوش ہو گئے۔ حرکت کا مطلب یہی تھا کہ اب عمران موت سے دور اور زندگی کے قریب آ رہا تھا۔

''میں عمران صاحب کو طاقت کے انجکشن لگاتا ہوں''...... بلیک زیرو نے کہا تو جوزف نے دھیمے سے اثبات میں سر ہلا دیا۔ ہیلی کاپٹر میں میڈیکل باکس موجود تھا۔ بلیک زیرو ہیلی کاپٹر میں گیا۔ اس نے دو انجکشن تیار کئے اور پھر واپس آ کر وہ انجکشن عمران کو لگا دیئے۔ ان انجکشنز نے اچھا اثر دکھایا اور عمران تیزی سے ہوش میں آنے لگا۔ تھوڑی ہی دیر میں اسے ہوش آ گیا اور خالی الذہن سے ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ اس کے چہرے پر اب بھی کمزوری کے تاثرات موجود تھے۔

''اے شب دیجور کی اولاد۔ تو قبر میں بھی آ گیا ہے۔ کہیں بھی چین سے نہیں رہنے دے گا''...... عمران نے کہا۔

''تھینک گاڈ۔ باس تمہیں ہوش آ گیا''...... جوزف نے خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

''عمران صاحب۔ آپ کی حالت تو انتہائی مخدوش ہو چکی تھی''۔ بلیک زیرو نے کہا۔

''ہاں۔ مجھے اندازہ ہے کہ سانسوں کی مالا میں بس ایک دو موتی

رہ گئے تھے۔ اگر تم دونوں نہ آتے تو میں اس وقت جنت کے باغوں میں پہنچ چکا ہوتا''...... عمران نے کہا۔ اس کے چہرے سے نقاہت صاف عیاں ہو رہی تھی۔

''عمران صاحب۔ اللہ تعالیٰ نے ابھی آپ کو بچانا تھا اس لئے اس نے جوزف کو بھیج دیا۔ جوزف نے چند عام سے پتوں سے آپ کا علاج کیا ہے''...... بلیک زیرو نے کہا اور پھر اس نے عمران کو مختصراً تمام حالات بتا دیئے۔

''سوری طاہر صاحب۔ میں نے آپ سے تیز لہجے میں بات کی لیکن مجھے مجبوراً ایسا کرنا پڑا۔ اگر میں ایسا نہ کرتا تو مجھے آپ کے بہت سے سوالوں کے جواب دینے پڑے جبکہ ہمارے پاس وقت بالکل نہیں تھا۔ اگر مزید دو سیکنڈ تک شلمی پتوں کا رس باس کے حلق سے نیچے نہ اترتا تو لاکھی جھیل کی روح اپنے مقصد میں کامیاب ہو جاتی۔ باس موت کے حلق تک پہنچ گیا تھا۔ ہم نے زبردستی باس کو باہر کھینچا ہے''...... جوزف نے بلیک زیرو سے معذرت کرتے ہوئے کہا تو عمران نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

''تم نے طاہر سے تیز لہجے میں بات کی ہے۔ جانتے ہو نا طاہر کون ہے''...... عمران نے غصیلے لہجے میں کہا۔

''نہیں عمران صاحب۔ اس نے مجھ سے گستاخانہ لہجے میں بات نہیں کی۔ ہاں۔ یہ آپ کی وجہ سے پریشان تھا اور اس کے انداز سے پریشانی محسوس ہو رہی تھی۔ اس پریشان لہجے کو اس نے شاید تیز

محسوس کیا ہو''...... بلیک زیرو نے جوزف کی طرف محبت بھرے انداز میں دیکھتے ہوئے کہا۔ یہ درست تھا کہ اسے جوزف کے لہجے پر ایک دو لمحوں کے لئے غصہ آیا تھا لیکن جوزف کا وہ انداز فطری تھا۔ اس کے اس لہجے میں عمران کے لئے محبت اور وفاداری کا جذبہ موجود تھا۔ اس وقت جوزف کو احساس ہی نہیں تھا کہ وہ کس سے اور کیا بات کر رہا ہے۔

''او کے۔ تم کہتے ہو تو اسے معاف کر دیتا ہوں ورنہ اس نے اس پہاڑی علاقے میں ایک ہزار ایک ڈنڈ لگانے تھے اور ان پہاڑی سلسلوں میں فاکا ماکا کی بدروحیں بھی چہل قدمی کرتی رہتی ہیں اور ایک ہزار ایک ڈنڈ لگانے والے کو تو وہ بہت پسند کرتی ہیں''...... عمران نے سنجیدہ لہجے میں کہا تو جوزف کا سیاہ چہرہ مزید سیاہ ہو گیا اور اس کے جسم میں کپکپی پیدا ہو گئی۔

''تم گریٹ ہو باس۔ بہت ہی گریٹ۔ اپنے غلام کا بہت خیال رکھتے ہو''...... جوزف نے کپکپاتے ہوئے کہا۔

''عمران صاحب۔ اگر آپ بہتر محسوس کر رہے ہوں تو ہم واپس چلیں''...... بلیک زیرو نے سوالیہ انداز میں کہا۔

''لاکھانہ زہر سے شاید ہی آج تک کوئی بچا ہو۔ یہ میری خوش قسمتی ہے کہ میں نہ صرف اس سے بچ گیا ہوں بلکہ اتنی جلدی خود کو نارمل بھی محسوس کر رہا ہوں''...... عمران نے کہا اور اس کے ساتھ ہی وہ کھڑا ہو گیا۔

''عمران صاحب۔ آپ کو کچھ نہیں ہو گا۔ آپ کے سر پر کروڑوں معصوم لوگوں کی دعاؤں کا سایہ ہے اور ہاں آپ یہ تو بتائیں کہ آپ تو سر سلطان سے ملنے گئے تھے پھر آپ ان پہاڑوں تک کیسے پہنچ گئے۔ زہر کا شکار کیسے ہوئے اور اردگرد لاشیں کن لوگوں کی تھیں''...... بلیک زیرو نے ایک ساتھ کئی سوال پوچھے۔ اس کے ساتھ ہی اس نے عمران کو ہیلی کاپٹر میں سوار ہونے کے لئے مدد بھی دینی چاہی لیکن عمران خود ہی اچھل کر ہیلی کاپٹر میں سوار ہو گیا۔ اس کے بعد بلیک زیرو اور پھر جوزف ہیلی کاپٹر میں سوار ہوئے۔

''ان سب سوالوں میں سے کتنے سوالوں کا جواب دینا ضروری ہیں''...... عمران نے ہیلی کاپٹر سٹارٹ کرتے ہوئے کہا۔

''عمران صاحب۔ سب کے جواب دینا ہی ضروری ہیں''۔ بلیک زیرو نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''شکر ہے کہ تم سیکرٹ سروس میں آ گئے ہو۔ کسی امتحانی بورڈ میں نہیں چلے گئے۔ تم نے تو ایک سٹوڈنٹ کو بھی پاس نہیں ہونے دینا تھا''...... عمران نے کہا تو بلیک زیرو بے اختیار ہنسنے لگا۔ جب اس کی ہنسی کو بریک لگی تو عمران نے اسے اپنے ساتھ پیش آنے والے حالات بتا دیئے۔

نائس لینڈ کا پارلیمنٹ ہال اس وقت عالمی رہنماؤں سے بھرا ہوا تھا۔ ہال میں سینما سکرین جتنا ٹی وی سیٹ بھی رکھا ہوا تھا۔ ڈاکٹر بلیک نے ان سے یہاں مخاطب ہونا تھا۔ پاکیشیا کی سینٹ کے چیئرمین آفاق آفندی اس اجلاس میں پاکیشیا کی نمائندگی کر رہے تھے۔ آفاق آفندی پاکیشیا کے دلیر لیڈر تھے اور عوام میں بہت ہی مقبول تھے۔ ڈاکٹر بلیک کے ملاقات کے اعلان کے بعد پاکیشیا میں پارلیمنٹ کا ہنگامی اجلاس ہوا تھا اور متفقہ طور پر فیصلہ کیا گیا تھا کہ نائس لینڈ میں ہونے والے اجلاس میں آفاق آفندی کو بھیجا جائے۔

اس اجلاس میں شرکت کے لئے ایکریمی اور باچان کے سربراہ بھی آئے ہوئے تھے۔ ان ممالک کے سربراہ ایک گروپ کی صورت میں بیٹھے ہوئے تھے جنہیں ڈاکٹر بلیک تباہی کی تاریخ دے چکا تھا۔ ان ممالک کے سربراہان ایک الگ گروپ کی صورت میں بیٹھے ہوئے تھے جنہیں ابھی ڈاکٹر بلیک نے کوئی تاریخ نہیں دی تھی

لیکن اس نے یہ ضرور کہا تھا کہ وہ باقی ممالک کے بارے میں بھی جلد بتائے گا۔ اس لئے سب سربراہان پریشان تھے اور چاہتے تھے کہ یہ مصیبت دنیا سے ٹل جائے۔ ہال میں بیٹھے ہوئے تمام سربراہان دھیمی آواز میں محو گفتگو تھے۔ ٹی وی سکرین روشن تو تھی لیکن اس کی آواز بہت آہستہ رکھی گئی تھی کیونکہ ڈاکٹر بلیک نے جو وقت دیا تھا اس میں ابھی کچھ دیر باقی تھی۔ پھر ڈاکٹر بلیک کا دیا گیا وقت آ گیا اور اچانک ہی ٹی وی سکرین پر ایک جھماکا ہوا۔ ٹی وی کی نشریات معطل ہو گئیں اور سکرین پر ایک کھوپڑی اور خون میں ڈوبی ہوئی دو ہڈیاں نظر آنے لگیں۔ سارے ہال میں یکدم سناٹا چھا گیا۔ ٹی وی کا والیوم بلند کر دیا گیا۔ ٹی وی سے موسیقی کی آواز ابھرنے لگی۔ موسیقی وحشت اور بربریت کے سروں میں ڈھلی ہوئی تھی۔ یہ ایسی موسیقی تھی جسے سن کر دلوں پر ہیبت طاری ہو رہی تھی۔ پھر اچانک ہی موسیقی کی آواز بند ہو گئی اور ڈاکٹر بلیک کی بارعب آواز سنائی دی۔

''دنیا کے سربراہو۔ ڈاکٹر بلیک تم سے مخاطب ہے۔ مجھے معلوم ہوا تھا کہ تم سب مجھ سے ملاقات کے متمنی ہو تو میں نے تمہاری یہ تمنا پوری کرنے کا فیصلہ کیا۔ میں جانتا اور سمجھتا ہوں کہ تم کیوں مجھ سے ملنا چاہتے ہو لیکن میں نے ابھی تمہارے مسئلے پر سوچا نہیں ہے۔ تم لوگ اس وقت تاریخ کے سب سے بڑے مسئلے سے دوچار ہو لیکن میرے ساتھ بھی ایک مسئلہ ہے اور وہ یہ ہے کہ میں اس

وقت اپنے ایک مشن پر ہوں اور میں تم لوگوں کی خاطر اپنا مشن ادھورا کیوں چھوڑوں۔ میں نے چند مزید ممالک کے لئے موت کا پروانہ تیار کر لیا ہے اور میں چاہتا ہوں کہ ہماری باہمی گفتگو شروع ہونے سے پہلے میں اس لسٹ کا بھی اعلان کر دوں''...... ڈاکٹر بلیک کی آواز سنائی دی اور پھر وہ سانس لینے کے لئے رکا۔

''میکس کانڈی دی سن آف انوگ کانڈی صدر مملکت آف کانڈا پندرہ مئی دوپہر بارہ بجے''...... چند لمحوں کے بعد ڈاکٹر بلیک کی آواز دوبارہ ہال میں گونجنے لگی۔

''ناما تاچن۔ کمانڈر انچیف آف آرمی آف شوگران سترہ مئی رات دس بجے۔ سنگ کاسٹر آف نارمن۔ صدر آف سوشل پارٹی انیس مئی شام ساڑھے سات بجے۔ مادام جولی دی فارن منسٹر آف نائس لینڈ۔ بیس مئی رات آٹھ بج کر تین منٹ پر۔ ابھی میں نے ان چار ممالک کی لسٹ تیار کی ہے۔ باقی ممالک کے بارے میں جونہی فیصلہ کروں گا تم سب کو اس فیصلے سے آگاہ کر دوں گا تاکہ یہ ممالک اپنی اپنی شخصیات کو بچانے کے لئے اقدامات کر سکیں کیونکہ میں سمجھتا ہوں کہ اپنے آدمیوں کو بچانے کی کوشش کرنا تمہارا حق ہے اس لئے تم اپنا حق استعمال کرتے رہو اور میں اپنی طاقت استعمال کرتا رہوں گا اور میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ میری طاقت کے سامنے تمہاری سب کوششیں بے کار جائیں گی''...... ڈاکٹر بلیک نے مسلسل بولتے ہوئے کہا۔ اس کے بعد وہ غالباً پھر سانس لینے

کے لئے رکا۔

''میں تم لوگوں کو تمہاری کارکردگی سے بھی آگاہ کرتا چلوں''۔

چند لمحوں کے بعد ڈاکٹر بلیک کی آواز دوبارہ آنے لگی۔

''ایکریمیا، روسیاہ، اسرائیل، کانڈا، گریٹ لینڈ، نائس لینڈ وغیرہ کے درجنوں ٹاپ سیکرٹ ایجنٹس میرے خلاف حرکت میں آئے ہیں۔ انہوں نے مجھے ٹریس کرنے کی کوشش کی ہے۔ میں نے اس بات کا بھی برا نہیں منایا کیونکہ یہ بھی تمہارا حق ہے۔ البتہ میں نے ان سیکرٹ ایجنٹوں کو ٹھکانے لگا دیا ہے کیونکہ یہ میرا حق ہے کہ اگر کوئی میرے خلاف حرکت میں آتا ہے تو میں اس کا خاتمہ کر دوں۔ ان تمام سیکرٹ ایجنٹوں کی لاشیں پاڈان کے ساحلی علاقے میں پڑی ہوئی ہیں۔ ان لاشوں کو اٹھا کر ان کے وارثان کے حوالے کر دیا جائے اور میری رحم دلی کے ترانے گائے جائیں کہ مجھے لاشوں کی کتنی فکر ہے۔ ہاہاہا''...... ڈاکٹر بلیک نے کہا اور اس کے ساتھ ہی اس کا وحشت میں ڈوبا ہوا قہقہہ بھی گونجا۔

''مجھے ٹریس کرنے کے لئے تم لوگ مزید سیکرٹ ایجنٹس حرکت میں لانا۔ تم اپنے سیکرٹ ایجنٹوں اور سیکرٹ ایجنسیوں کا انجام دیکھ لو گے۔ احمقو۔ ڈاکٹر بلیک کو ٹریس کرنا ممکن نہیں ہے۔ تم لوگ ڈاکٹر بلیک کے سامنے گندگی کے کیڑوں سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتے۔ میں جب چاہوں اور جیسے چاہوں تمہیں مسل کر رکھ دوں لیکن میں نے تمہیں بتایا ہوا ہے کہ میرے کچھ اصول ہیں اور میں اپنے

اصولوں کا پابند ہوں۔ اب میں تم لوگوں کی رائے معلوم کرنا پسند کروں گا۔ تمہاری میٹھی میٹھی باتیں سنوں گا اور ان کے جواب دوں گا۔ تم بے خوف و خطر مجھ سے بات کر سکتے ہو۔ میں یہاں تمہارے خلاف کوئی کارروائی نہیں کروں گا''...... ڈاکٹر بلیک کی آواز سنائی دی اور اس کے بعد خاموشی طاری ہو گئی۔ ڈاکٹر بلیک کے خاموش ہوتے ہی روسیاہ کا نمائندہ کرسی سے کھڑا ہوا اور بارعب لہجے میں بولا۔

''ڈاکٹر بلیک۔ آخر تمہارا مقصد کیا ہے۔ تم کیوں خون کے دریا بہا رہے ہو جن کروڑوں افراد کو تم موت کے گھاٹ اتار چکے ہو ان مظلوموں اور معصوم لوگوں کا کیا قصور تھا اور انہوں نے کون سا جرم کیا ہے جن کی موت کا سامان تم کر رہے ہو''...... روسیاہ کے سربراہ نے جذباتی لہجے میں کہا۔

''آرام سے مناکاف۔ آرام سے۔ میں نے اس کانفرنس میں شرکت کرنے والوں کو جان کی امان دی ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ تم مجھے غصہ دکھانے لگو۔ یہ اپنے ذہن میں رکھو کہ تم اپنے کسی غلام سے مخاطب نہیں ہو بلکہ اس وقت تم اپنے آقا کے سامنے ہو اور آقا کے سامنے اس طرح نہیں بولا جاتا۔ اب کیا تمہیں آداب بھی میں نے سکھانے ہیں''...... ڈاکٹر بلیک نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

''ڈاکٹر بلیک۔ تم ہمارے کروڑوں افراد کے قاتل ہو۔ تم پر غصہ آنا فطری عمل ہے۔ ہمارے تو کروڑوں افراد جاں بحق ہو چکے ہیں

لیکن ہم چاہتے ہیں کہ تم یہ سلسلہ روک دو اور ہمیں بتاؤ کہ تم کیا چاہتے ہو۔ یہ سب کیوں کر رہے ہو''...... باچان کے سربراہ نے غمگین لہجے میں کہا۔ انہوں نے اپنے کروڑوں آدمیوں کو ہلاک ہوتے دیکھا تھا۔ لاکھوں آدمی تابکاری اثرات سے متاثر ہوئے تھے۔ ان کی حالت دیکھی نہیں جاتی تھی اس لئے باچان کے سربراہ کی آنکھوں میں اب بھی نمی تھی۔ اپنے منصب کے آداب کے خلاف وہ اب بھی باتیں کرتے کرتے سسک سے پڑتے تھے۔

''تم نے بالکل ٹھیک بات کی ہے طائی۔ میں جو یہ سب کر رہا ہوں تو میرا کوئی نہ کوئی مقصد تو ہو گا۔ میں نے بلاوجہ تو کروڑوں انسانوں کو وادیٔ اجل میں دھکا نہیں دیا۔ کیا تمہیں کوئی اندازہ ہے کہ میں یہ سب کس لئے کر رہا ہوں''...... ڈاکٹر بلیک نے طنزیہ لہجے میں پوچھا۔

''ہاں۔ حکومت، دولت، عزت، انسان انہی چیزوں کی خاطر عجیب وغریب کام کرتا ہے''......اس مرتبہ کافرستانی صدر نے کہا اور ٹی وی سکرین کی طرف ایسے دیکھا جیسے وہ ڈاکٹر بلیک کو دیکھ رہے ہوں۔

''ہاہاہا''...... ڈاکٹر بلیک کا ایک قہقہہ بلند ہوا۔ یہ قہقہہ کافی طویل بھی ثابت ہوا۔

''ڈاکٹر بلیک کو دولت کی کوئی کمی نہیں ہے۔ میں جس وقت چاہوں کسی بھی ملک کا خزانہ اٹھا لوں۔ جس طرح تم اپنی شخصیات کو

نہیں بچا سکے۔ اسی طرح اپنی دولت کو بھی نہیں بچا سکتے۔ باقی رہی عزت تو یہ بھی حقیقت ہے کہ میں تمہارے دلوں میں گھر کر گیا ہوں۔ اب تم میری عزت کرنے پر مجبور ہو اگر تم میری عزت نہیں بھی کرو گے تو مجھے اس سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ اب رہ جاتی ہے حکومت۔ تو سنو، غور سے سنو۔ واقعی مجھے حکومت کی ضرورت ہے۔ تم سب لوگ مجھے اپنا حکمران مان لو۔ میں تم سب کا کنگ ہوں۔ میری باشاہت کا اعلان کر دو۔ میرے تابع ہو جاؤ اور سنو۔ تم میں سے جو میرا غلام بننا پسند کرے گا صرف اسے ہی جینے کا حق دیا جائے گا۔ باقی سب کی گردنیں اڑا دی جائیں گی“...... اس مرتبہ ڈاکٹر بلیک کی غراتی ہوئی آواز سنائی دی۔

”یہ قابل عمل نہیں ہے ڈاکٹر بلیک۔ تم کوئی ایسا طریقہ بتاؤ جو ہمارے لئے قابل عمل ہو“...... ایکریمیا کے نمائندے نے کہا۔

”بس۔ میرے پاس تو پھر یہی ایک طریقہ ہے کہ میں ایک ایک ملک تباہ کرتا آؤں“...... ڈاکٹر بلیک نے غصے سے پھنکارتے ہوئے کہا تو وہاں موجود سربراہوں کے چہرے تاریک ہوتے چلے گئے۔

”تو پھر سن لو ڈاکٹر بلیک کہ تمہارے ارادے ٹوٹیں گے، تمہاری سوچیں خاک میں مل جائیں گی اور تمہارا یہ تکبر پاؤں کے تلے روند دیا جائے گا“...... پاکیشیا کے نمائندے آفاق آفندی نے جوشیلے لہجے میں کہا۔

”شٹ اپ آفاق آفندی۔ میرے سامنے تمہاری حیثیت ہی کیا ہے۔ تم گندگی میں پیدا ہونے والے کیڑے کی مانند ہو۔ جسے میں جب چاہوں اپنے پیروں تلے مسل دوں“...... ڈاکٹر بلیک نے غراتے ہوئے کہا۔

”یہ تمہاری بھول ہے ڈاکٹر بلیک۔ انشاء اللہ۔ تم ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکو گے۔ تم کروڑوں معصوم اور بے گناہ لوگوں کے قاتل ہو، تم درندوں سے بڑھ کر ہو، تمہارا انجام بہت قریب ہے ڈاکٹر بلیک“۔ آفاق آفندی نے بدستور جوشیلے لہجے میں کہا۔

”کاش۔ کاش۔ میں نے پاکیشیا کو ڈیٹ نہ دی ہوتی تو میں ابھی پاکیشیا کو ایٹم بموں سے اڑا دیتا۔ آفاق آفندی۔ مجھ سے اونچے لہجے میں بات کر کے تم بہت بڑی غلطی کر رہے ہو اور ہال میں بیٹھے ہوئے سربراہو سنو۔ اگر تم نے میری ہدایات پر عمل نہ کیا تو میں تم سب کو موت کی نیند سلا دوں گا۔ تمہارے ملکوں کے پرخچے اڑا دوں گا۔ تم نے ایکریمیا اور باچان کی تباہی سے کوئی سبق نہیں سیکھا۔ میں تمہیں سبق سکھا دوں گا۔ تمہیں ہر حال میں میرے سامنے جھکنا پڑے گا“...... ڈاکٹر بلیک نے بپھرے ہوئے درندے کی مانند غراتے ہوئے کہا۔ تمام سربراہوں نے آفاق آفندی کو غصیلی نظروں سے دیکھا۔ جس نے ڈاکٹر بلیک کو اس قدر ناراض کر دیا تھا۔

”یہ تمہاری خوش فہمی ہے ڈاکٹر بلیک کہ ہم تمہارے سامنے جھکیں

گے یا تمہاری کوئی بات مان لیں گے۔ تمہیں معلوم ہی ہو گا کہ مسلمان صرف اللہ کے سامنے جھکتا ہے اور تم جیسے متکبر، ظالم اور کمینے انسان کو ہم اپنی ٹھوکروں پر رکھتے ہیں''...... آفاق آفندی نے اس مرتبہ طنزیہ لہجے میں کہا۔

''آفاق آفندی۔ میں نے تمہاری قسمت کا فیصلہ بھی کر لیا ہے لیکن تمہارا انجام کروڑوں لوگوں سے مختلف ہو گا۔ تمہارے ملک کی تباہی کے بعد میں تمہارا وہ حشر کروں گا کہ دنیا تمہارے انجام سے عبرت حاصل کرے گی اور تم جانتے نہیں ہو کہ ڈاکٹر بلیک کتنا ظالم اور سفاک درندہ ہے۔ ایکریمیا اور باچان میری درندگی کی معمولی مثالیں ہیں اور آفاق آفندی اب تم خاموش رہو گے۔ میں نے باقی لوگوں سے باتیں کرنی ہیں''...... ڈاکٹر بلیک نے کرخت لہجے میں کہا لیکن ہال میں بیٹھے ہوئے باقی افراد اس طرح سر جھکائے بیٹھے تھے جیسے انہوں نے اب کبھی سر نہ اٹھانے کا فیصلہ کر لیا ہو۔ وہ ایسے خاموش تھے جیسے انہیں سانپ سونگھ گیا ہو۔ انہوں نے ایکریمیا اور باچان کی تباہی کے مناظر اپنی آنکھوں سے دیکھے تھے۔ کروڑوں انسان لمحہ بھر میں لقمۂ اجل بن گئے تھے اور یہ سب ڈاکٹر بلیک نے کیا تھا۔ اب بھی ڈاکٹر بلیک ان پر گرج رہا تھا لیکن وہ ڈاکٹر بلیک کو ناراض نہیں کرنا چاہتے تھے۔ ان کے خیال کے مطابق ڈاکٹر بلیک ایسا درندہ تھا جو کسی بھی لمحے انہیں ہڑپ کر سکتا تھا۔ وہ ایک ایسا عیار سائنس دان تھا جو ان سب کی نظروں سے روپوش تھا۔ تمام

ترقی یافتہ ممالک کے سائنس دان اور ٹیکنالوجی کے ماہرین نے اسے ٹریس کرنے کی کوششیں کر لی تھیں۔ انہوں نے اپنی تمام مشینری، سیٹلائٹ اور دیگر وسائل استعمال کئے تھے لیکن انہیں معلوم نہیں ہو سکا تھا کہ ڈاکٹر بلیک کہاں بیٹھ کر اور کیسے ٹی وی نشریات پر کنٹرول حاصل کر لیتا تھا۔ وہ ماہرین جو انٹرنیٹ اور موبائل فون کا غلط استعمال کرنے والے کو لمحوں میں ٹریس کر لیتے تھے یہاں انہوں نے اپنی ناکامی کی رپورٹ دی تھی۔ اب بھی ڈاکٹر بلیک ان سے مخاطب تھا تو انہوں نے اپنی مشینری سیٹ کی ہوئی تھی تاکہ جان سکیں کہ ڈاکٹر بلیک کہاں سے بول رہا ہے لیکن ان کی مشینری انہیں کچھ نہیں بتا رہی تھی۔ انہیں یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے ان کی تمام تر سائنسی ترقی دھری کی دھری رہ گئی ہے۔

''معزز سربراہو۔ کیا ہو گیا ہے تمہیں۔ تم خاموش کیوں ہو۔ کیا ابھی تمہارے پاس کچھ اور سپر سیکرٹ ایجنٹس باقی بچے ہوئے ہیں جنہیں تم قربان کرنا چاہتے ہو''...... ڈاکٹر بلیک نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

''ڈاکٹر بلیک۔ کیا یہ تمہارا حتمی فیصلہ ہے۔ کیا تم اپنے فیصلے پر نظر ثانی نہیں کر سکتے''...... نائس لینڈ کے سربراہ نے کہا۔

''میں ایک بات ایک بار ہی کرتا ہوں۔ بار بار ایک ہی بات کرنے سے وقت ضائع ہوتا ہے۔ تمہارے لئے بس دو ہی صورتیں ہیں۔ تباہی و بربادی یا میری غلامی۔ اور بس''...... ڈاکٹر بلیک نے

ایک بار پھر غرا کر کہا۔

اجلاس میں جتنے لوگ بھی شامل تھے وہ اپنے ملک و قوم کے لئے ہر قربانی دے سکتے تھے۔ حکمرانی بھی ڈاکٹر بلیک کے حوالے کر سکتے تھے لیکن ڈاکٹر بلیک کوئی شریف، رحم دل اور نیک انسان نہیں تھا۔ اس نے جتنے انسانوں کا خون بہایا تھا تاریخ انسانی میں آج تک کسی نے بھی نہیں بہایا تھا۔ یہ تو کروڑوں انسانوں کو لمحوں میں آگ میں جھونک دینے والا درندہ تھا۔ ملک اس کے حوالے کرنے کے بعد بھی ملک اور عوام امن میں نہیں رہ سکتے تھے۔ نجانے ڈاکٹر بلیک ان پر کیا ستم ڈھاتا، ان کے ساتھ کیا سلوک کرتا۔ ان کے پاس ایک ہی راستہ تھا کہ وہ ڈاکٹر بلیک کے سامنے ڈٹ جائیں اور اس کا مقابلہ کریں لیکن موت کے سائے اپنی تاریکی بڑھا رہے تھے اور جبر و استبداد آکٹوپس کی مانند اپنے پنجے گاڑے جا رہا تھا۔ وہ سب سوچ رہے تھے کہ کیا جواب دیں۔

''تمہاری سانسیں کیا رک گئی ہیں جو تم لوگ بول نہیں رہے''۔ ڈاکٹر بلیک نے غصیلے لہجے میں کہا۔

ڈاکٹر بلیک۔ ہمیں کچھ وقت دو''...... کانڈا کے سربراہ نے کرسی سے اٹھتے ہوئے کہا۔

''ہونہہ۔ تو میرا اندازہ درست ہے۔ تم میری تلاش میں مزید سیکرٹ ایجنٹس بھیجنا چاہتے ہو۔ تمہارے درجنوں سیکرٹ ایجنٹ مارے جا چکے ہیں۔ تمہاری ٹریسنگ مشینری و آلات مجھے ٹریس

کرنے میں ناکام ہو چکے ہیں۔ اب بھی تمہیں امید ہے کہ مجھے ٹریس کر کے پھانسی پر چڑھا دو گے یا فائرنگ اسکواڈ کے حوالے کر دو''...... ڈاکٹر بلیک نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

''ڈاکٹر بلیک۔ ابھی کئی شیر ایسے ہیں جن کے آہنی پنجوں سے تم بچے ہوئے ہو۔ یاد رکھو اگر وہ حرکت میں آ گئے تو وہ تمہیں پاتال سے بھی نکال لیں گے''...... آفاق آفندی نے ایک بار پھر جوشیلے لہجے میں کہا۔

''ہاہاہا۔ اچھا۔ ذرا میں بھی ان شیروں کے نام سنوں۔ جو مجھے پکڑ سکتے ہیں''...... ڈاکٹر بلیک نے قہقہہ لگانے کے بعد طنزاً کہا۔

''ڈاکٹر بلیک۔ ابھی تک ایکسٹو نے تمہاری طرف نگاہ نہیں اٹھائی ورنہ اب تک تم خاکستر ہو چکے ہوتے۔ بہرحال اب ایکسٹو سے تمہارا مقابلہ لازمی ہے کیونکہ ایکسٹو نے ہر حال میں سرسلطان کو بچانا ہے۔ ڈاکٹر بلیک کیا تم اپنے وعدے پر قائم رہو گے''۔ آفاق آفندی نے کہا۔

''ایسا کبھی سوچنا بھی مت کہ ڈاکٹر بلیک اپنا عہد توڑے گا۔ وعدہ خلافی کرے گا۔ تمہیں یقین ہونا چاہئے کہ ڈاکٹر بلیک مر تو سکتا ہے لیکن اپنے اصول نہیں توڑ سکتا۔ میں نے اپنے اصولوں پر اپنا بیٹا قربان کیا ہوا ہے''...... ڈاکٹر بلیک نے کہا۔

''تو پھر تم یہ جان لو ڈاکٹر بلیک۔ ایکسٹو کے ہاتھوں تمہیں شکست فاش ہو گی''...... آفاق آفندی نے اعتماد بھرے لہجے میں

کہا۔

''تو پھر تم بھی یہ سن لو کہ پاکیشیا کی بربادی کے بعد میں ایکسٹو کو گریٹ لینڈ کے معروف چوک میں الٹا لٹکا دوں گا اور الٹے لٹکے ہوئے ہی وہ تڑپ تڑپ کر اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھے گا۔ اس کی اس عبرتناک موت کے بعد میں دنیا والوں کو تمہارا حشر بھی دکھاؤں گا۔ تمہارا نمبر میں نے بعد میں اس لئے کیا ہے تاکہ تم اپنی آنکھوں سے ایکسٹو کا انجام دیکھو۔ تمہیں اپنے ایکسٹو پر بہت اعتماد ہے''۔ ڈاکٹر بلیک نے چیلنج کرتے ہوئے کہا۔

''ڈاکٹر بلیک۔ تم نے میری بات کا جواب نہیں دیا''...... انہوں نے سوالیہ لہجے میں کہا۔

''مجھے تمہاری بات کا جواب دینے کی ضرورت نہیں ہے۔ تمہارے چہرے جواب دے رہے ہیں۔ اب میں وہی کروں گا جو میرا دل چاہے گا''...... ڈاکٹر بلیک نے خونخوار آواز میں کہا۔ اس کا لہجہ پاگل کتے جیسا ہو گیا تھا۔ اس کے انداز سے صاف محسوس ہو رہا تھا جیسے اسے اپنے مقصد میں بری طرح ناکامی ہوئی ہے اور اس کے منصوبوں کا شیرازہ بکھر گیا ہے۔ دراصل اس کا خیال تھا کہ اجلاس میں شریک سربراہ اس کی آواز سنتے ہی گڑگڑائیں گے اور فوراً ہی اسے اپنا حاکم تسلیم کر کے اس کے سامنے سر جھکا دیں گے۔ لیکن کسی ایک سربراہ نے بھی اسے حکومت دینے کی بات نہیں کی تھی۔

''ڈاکٹر بلیک۔ پھر ہم کیا سمجھیں''...... کرانس کے سربراہ نے تیز تیز لہجے میں کہا۔

''سنو اور غور سے سنو دنیا کے سربراہو۔ جو میرے حکم پر چلے گا اپنے ملک میں میری حکومت قائم کرے گا خود کو میری غلامی میں دے دے گا اس کے لئے اور اس کی عوام کے لئے خوشیاں ہیں۔ امن ہے اور خوشحالی ہے لیکن جو قوم مجھے اپنا آقا نہیں مانے گی اس کے لئے موت اور بس موت ہے۔ عتربناک موت''...... ڈاکٹر بلیک نے غرا کر کہا۔

''ڈاکٹر بلیک۔ ہمیں سوچنے کے لئے مہلت دو''...... گبان کے صدر نے کرسی سے اٹھتے ہوئے کہا۔

''او کے۔ اب میں تمہیں سوچنے کی اجازت دے سکتا ہوں۔ پاکیشیا کی تباہی کے بعد میں تم سے دوبارہ میٹنگ کروں گا۔ اس سے پہلے قطعاً نہیں۔ اور اب روسیاہ تیار ہو جائے کیونکہ میری لسٹ کے مطابق راگا چوف نے آٹھ مارچ کو جام اجل پی لینا ہے''۔ ڈاکٹر بلیک کی آواز سنائی دی۔ اس کے ساتھ ہی ٹی وی سکرین پر بجلیاں سی چمکیں اور کھوپڑی اور ہڈیاں سکرین سے غائب ہو گئیں۔

''صبح تم نے بتایا تھا کہ تمہیں آئس کریم پسند ہے اس لئے میں نے تمہارے لئے آئس کریم منگوائی ہے''...... طارق محمود نے محبت پاس نظروں سے علینہ کو دیکھتے ہوئے کہا اور پھر اس نے فریج کھولا اور آئس کریم نکال کر علینہ کے سامنے رکھ دی۔ علینہ نے اسے مسکراتی ہوئی نظروں سے دیکھا۔

''ڈیئر۔ میں تو بہت کچھ کھا چکی ہوں۔ اب مزید کوئی چیز کھانے کی گنجائش نہیں ہے''...... علینہ نے لاڈ بھرے لہجے میں کہا۔

''آئس کریم کوئی ٹھوس چیز تو نہیں ہے۔ یہ تو آرام سے کھائی جا سکتی ہے۔ تم کھاؤ نا پلیز۔ میری خاطر''...... طارق محمود نے نہایت ہی میٹھے لہجے میں کہا۔

''اب تم اتنی ضد کر رہے ہو تو کھانا ہی پڑے گی۔ مجبوری ہے تمہاری کسی بات سے انکار تو کیا ہی نہیں جا سکتا''...... علینہ نے مسکراتے ہوئے کہا اور پھر وہ آئس کریم کھانے لگی۔ علینہ آئس کریم

کھا رہی تھی کہ طارق محمود کی آنکھوں میں یکدم حیرت کے تاثرات ابھر آئے اور دوسرے لمحے وہ تاثرات معدوم ہو گئے۔

''کہو۔ آئس کریم پسند آئی''...... علینہ آئس کریم کھا چکی تو طارق محمود نے مسکراتے ہوئے کہا۔

ہاں۔ بہت مزے دار تھی۔ مزہ آ گیا''...... علینہ نے ٹشو سے ہونٹ صاف کرتے ہوئے کہا۔

''علینہ۔ تمہاری گھڑی بہت خوبصورت ہے۔ کہاں سے لی ہے یہ''...... طارق محمود نے علینہ کی ریسٹ واچ کو دیکھتے ہوئے کہا تو طارق محمود کی بات پر علینہ ایک لمحے کے لئے چونکی لیکن پھر وہ فوراً ہی سنبھل گئی۔ علینہ کے چونکنے پر طارق محمود کے شک کو تقویت ملی تھی۔ طارق محمود کو بس یونہی شک ہوا تھا کہ علینہ کی ریسٹ واچ میں ٹرانسمیٹر فٹ ہے۔ اسے اپنے اس شک کی کوئی وجہ تو سمجھ نہیں آئی تھی لیکن اس نے چیک کرنے کا فیصلہ کیا تھا اور یہ فیصلہ کر کے ہی اس نے علینہ سے گھڑی کا ذکر کیا تھا۔

''یہ میرے ایک دوست نے مجھے گفٹ کی تھی۔ خوبصورت ہے نا''...... علینہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''ہاں۔ بہت خوبصورت ہے۔ ذرا دکھاؤ مجھے''...... طارق محمود نے کہا اور ہاتھ علینہ کی طرف بڑھا دیا۔

''گھڑی کو چھوڑو طارق تم یہ بتاؤ کہ تمہاری منگیتر کہاں ہے۔ تم نے کہا تھا کہ وہ بھی یہاں ہوتی ہے۔ یہاں وہ کمپیوٹر آپریٹر

ہے''...... علینہ نے مسکرا کر بات بدلتے ہوئے کہا۔

''راحیلہ۔ وہ آج صبح گھر گئی تھی۔ اگر وہ یہاں ہوتی تو میں تمہیں یہاں لانے کی جرأت نہیں کر سکتا تھا''...... طارق محمود نے کہا۔

''او ہو۔ شادی سے پہلے ہی اس سے اتنا ڈرنے لگ گئے ہو''۔ علینہ نے زور زور سے ہنستے ہوئے کہا۔

''علینہ۔ تمہاری گھڑی مجھے بہت اچھی لگ رہی ہے۔ پلیز یہ مجھے گفٹ کر دو''...... طارق محمود نے اصل بات کی طرف آتے ہوئے کہا تو علینہ کے چہرے کے تاثرات یکدم بدل گئے لیکن جلد ہی اس نے اپنے تاثرات چھپا لئے۔

''ڈیئر۔ میں نے تمہیں بتایا تو ہے یہ مجھے ایک دوست نے گفٹ میں دی تھی''...... علینہ نے کہا۔

''میں بھی تو تمہارا دوست ہوں۔ تم مجھے گفٹ کر دو''...... طارق محمود نے ضد کرتے ہوئے کہا۔

''اب میں تمہیں کیسے سمجھاؤں۔ اچھا ٹھیک ہے۔ صبح جب میں جانے لگوں گی تو پھر لے لینا یہ گھڑی''...... علینہ نے کہا۔

''صبح نہیں علینہ۔ یہ گھڑی تم مجھے ابھی دے دو۔ تھوڑی دیر کے لئے دے دو۔ پھر میں تمہیں واپس کر دوں گا''...... طارق محمود نے کہا اور پھر اس نے بے تکلفی سے علینہ کا ہاتھ پکڑ لیا۔ اس کا دوسرا ہاتھ گھڑی کی طرف بڑھا لیکن علینہ نے جھٹکے سے اپنا ہاتھ چھڑا لیا۔

''ڈیئر۔ تمہیں کیا ہو گیا ہے۔ میں نے کہا تو ہے کہ صبح لے لینا یہ گھڑی''...... علینہ نے ہلکے سے غصے میں کہا۔

''تمہیں یہ گھڑی اتنی ہی عزیز ہے کہ تم نے میرا ہاتھ جھٹک دیا ہے''...... طارق محمود نے بھی ناراض سے لہجے میں کہا۔ ویسے اب اس کا شک یقین میں بدل گیا تھا کہ گھڑی میں ٹرانسمیٹر فٹ ہے اور علینہ غیر ملکی ایجنٹ ہے۔

طارق محمود ایک عیاش اور حسن پرست آفیسر تھا لیکن وہ محب وطن بھی تھا۔ ایک عرصے سے اس کی ڈیوٹی گرین بلڈنگ میں تھی۔ گرین بلڈنگ پاکیشیا کی قومی سلامتی کے ادارے فرنٹ لائن کی حساس ترین عمارت تھی۔ طارق محمود وہاں سیکرٹری لیول کا آفیسر تھا جبکہ وہاں موجود باقی تمام افراد کا تعلق ملٹری سے تھا۔ اس عمارت میں کئی ریکارڈ رومز تھے جن میں پاکیشیا کی اہم ترین فائلیں موجود تھیں۔ علینہ سے اس کی ملاقات ایک دن پہلے ہی ہوئی تھی۔ یہ اتنی خوبصورت اور پرکشش تھی کہ طارق محمود اس کے لئے دیوانہ ہو گیا تھا۔ علینہ نے اسے بتایا تھا کہ وہ یونیورسٹی کی سٹوڈنٹ ہے اور ملک کے نامور سیاست دان کی بیٹی ہے لیکن اب طارق محمود کو محسوس ہو رہا تھا کہ علینہ نے اس سے جو کچھ کہا تھا وہ جھوٹ تھا۔

''گفٹ تو بہت قیمتی ہوتا ہے نا ڈیئر''...... علینہ نے ایک بار پھر لاڈ بھرے لہجے میں کہا۔

''بس۔ اب آخری بار کہہ رہا ہوں کہ یہ گھڑی مجھے دے

دو“...... طارق محمود نے اس مرتبہ سخت لہجے میں کہا۔

”مجھے یہ بات سمجھ میں نہیں آ رہی کہ تم اس گھڑی کے لئے اتنے جذباتی کیوں ہو رہے ہو“...... علینہ نے منہ بنا کر کہا لیکن اگلے ہی لمحے اس کی چیخ بلند ہوئی اور وہ اچھل کر بیڈ سے نیچے جا گری۔ طارق محمود کا ہاتھ اس کے منہ پر اس قدر زور سے پڑا تھا کہ اس کا ایک ہونٹ پھٹ گیا اور وہاں سے خون رسنے لگا۔

”تم شاید پاگل ہو گئے ہو طارق۔ میں اب یہاں ایک پل نہیں رک سکتی۔ تم مجھے اس بلڈنگ سے باہر چھوڑ دو“...... علینہ نے غصے سے کہا۔

”او کے۔ لیکن گھڑی تمہیں دینی ہو گی“...... طارق محمود نے کہا۔ اسے یقین ہو گیا تھا کہ علینہ غیر ملکی ایجنٹ ہے لیکن وہ اس کے خلاف یہاں کوئی کارروائی نہیں کرنا چاہتا تھا کیونکہ وہ خود اسے یہاں لایا تھا۔ اب اس کے خلاف کارروائی کرنے سے اس کے اپنے خلاف کارروائی ہو سکتی تھی۔ اس پر غداری کا مقدمہ قائم ہو سکتا تھا اس لئے طارق محمود نے سوچا کہ وہ علینہ کو اس بلڈنگ سے باہر لے جا کر اس کے خلاف کارروائی کرے گا۔

”او کے۔ اتار لو یہ گھڑی“...... علینہ نے منہ بنا کر کہا۔ اس نے اب جس انداز میں بات کی تھی طارق محمود اس سے شش و پنج میں پڑ گیا لیکن اس نے ریسٹ واچ کو چیک کرنا ضروری سمجھا۔ علینہ نے اپنی کلائی طارق محمود کی طرف کی ہوئی تھی۔ اس کا منہ اس طرح

پھولا ہوا تھا جیسے وہ طارق محمود سے سخت ناراض ہو گئی ہو۔ طارق محمود نے اس کی کلائی پکڑ لی۔ پھر جیسے ہی اس کا دوسرا ہاتھ ریسٹ واچ کی طرف بڑھا۔ بے اختیار اس کے منہ سے اوغ کی آواز نکلی اور وہ لڑکھڑا کر دو قدم پیچھے ہٹا۔ علینہ نے اس کی پیٹ میں ٹھوکر ماری تھی۔ لڑکھڑانے کے بعد ابھی وہ سنبھل ہی رہا تھا کہ اس کے منہ سے کراہ بلند ہوئی۔ علینہ نے اچھل کر اس کے منہ پر ٹکر ماری تھی۔ اس ٹکر سے طارق محمود کی آنکھوں کے سامنے ستارے سے جھلملانے لگے۔ ٹکر مارتے کے بعد علینہ نے اس کی کنپٹی پر مکا مارنا چاہا لیکن اب طارق محمود نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ ہاتھ پکڑتے ہی طارق محمود نے اسے جھٹکا دے کر بیڈ کی طرف دھکا دے دیا۔ علینہ بیڈ پر جا گری۔

”بس۔ اب تمہارا کھیل ختم۔ اب آرام اور سکون سے بیڈ پر بیٹھ جاؤ“...... طارق محمود نے کرخت لہجے میں کہا۔ اب اس کے ہاتھ میں ریوالور نظر آ رہا تھا۔ علینہ نے طارق محمود کو غصے سے دیکھا۔

”آخر تم میرے ساتھ یہ سلوک کیوں کر رہے ہو۔ کیا بگاڑا ہے میں نے تمہارا“...... علینہ نے غصے سے کہا۔

”کیا کافرستان میں مرد ایجنٹوں کی کمی ہو گئی ہے کہ اب عورتیں آنے لگیں ہیں“...... طارق محمود نے کہا۔ علینہ چند لمحے تو اسے غور سے دیکھتی رہی۔ پھر اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آ گئی۔

”تو تم مجھے کافرستانی سمجھ رہے ہو۔ احمق انسان۔ کیا کافرستانی

عورتوں کے جسم ایسے سرخ و سفید ہوتے ہیں۔ کیا ان کے نین نقش میرے جیسے ہوتے ہیں''...... علینہ نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

''میک اپ انڈسٹری نے خوب ترقی کر لی ہے۔ اب کسی بھی قومیت کا میک اپ کرنا مشکل نہیں رہا''...... طارق محمود نے کہا۔

''میں نے صرف چہرے کا میک اپ کیا ہوا ہے طارق اور یہ میک اپ بھی ایک پاکیشیائی لڑکی کا ہے۔ میرے باقی جسم کا رنگ میرا اپنا ہے''...... علینہ نے بدستور طنزیہ لہجے میں کہا۔

''او کے۔ تم کافرستانی نہیں ہو۔ یورپین ہو لیکن یہاں آ کر تم نے بہت بڑی غلطی کی ہے۔ اب تم زندہ واپس نہیں جا سکو گی''۔ طارق محمود نے سخت لہجے میں کہا۔

''احمق انسان۔ اس بلڈنگ میں میرے خلاف کوئی کارروائی نہ کرنا ورنہ مارے جاؤ گے''...... علینہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''میں اس کمرے میں تمہارے سینکڑوں ٹکڑے کروں گا اور پھر ان ٹکڑوں کو فلش میں بہا دوں گا''...... طارق محمود نے بدستور کرخت لہجے میں کہا۔

''میں تو شور مچا دوں گی۔ خود مری تو تمہیں بھی ساتھ لے کر مروں گی''...... علینہ نے کہا۔

''تم نجانے کیسی ایجنٹ ہو کہ تمہیں یہ بھی معلوم نہیں کہ تم جس کمرے میں ہو۔ وہ کمرہ ساؤنڈ پروف ہے''...... طارق محمود نے طنزیہ لہجے میں کہا تو علینہ کی مسکراہٹ میں اضافہ ہو گیا۔

''سنو علینہ۔ اگر تم مجھے اپنے اور اپنے مشن کے بارے میں بتا دو تو میں تمہیں رعایت دے سکتا ہوں۔ میں تمہیں صحیح سلامت اس بلڈنگ سے باہر پہنچا دوں گا''...... طارق محمود نے کہا۔

''او کے۔ اگر تم یہ وعدہ کرتے ہو تو میں تمہیں اپنے بارے میں بتا دیتی ہوں''...... علینہ نے کہا اور پھر وہ یکدم ہی چونکی، اس کی نظریں طارق محمود کی پشت پر موجود دروازے کی طرف تھیں۔ گو کہ یہ حربہ بہت ہی پرانا تھا اور طارق محمود بھی اس حربے کے بارے میں جانتا تھا۔ اس کے باوجود اس نے لاشعوری طور پر گردن کو تھوڑا سا گھما کر دروازے کی طرف دیکھا۔ علینہ کے لئے اتنا موقع ہی کافی تھا۔ وہ بیڈ پر تھی اور اس کے قریب ہی گاؤ تکیہ رکھا ہوا تھا۔ وہ گاؤ تکیہ ایک سیکنڈ کے بھی ہزارویں حصے میں حرکت میں آیا اور اڑتا ہوا طارق محمود کے منہ سے جا ٹکرایا۔ گاؤ تکئے کے پیچھے علینہ نے بھی طارق محمود پر چھلانگ لگا دی۔ طارق محمود منہ پر پڑنے والے تکئے کو ہاتھ سے دور ہٹانے کی کوشش کر ہی رہا تھا کہ علینہ اس کے سر پر پہنچ گئی۔ اس نے طارق محمود کے ریوالور والے ہاتھ پر ہاتھ مارا تو ریوالور طارق محمود کے ہاتھ سے نکل گیا۔ علینہ نے پوری قوت سے اپنے سر کی ٹکر طارق محمود کے سینے پر ماری۔ ٹکر کھا کر طارق محمود لڑکھڑا کر دو قدم پیچھے ہٹ گیا جبکہ علینہ وہیں فرش پر گر گئی۔ وہ خود ہی فرش پر گری تھی کیونکہ وہاں ریوالور پڑا ہوا تھا۔ طارق محمود نے بھی سنبھلنے میں دیر نہ لگائی لیکن علینہ اسی دوران

ریوالور اٹھا چکی تھی۔ طارق محمود نے سنبھلتے ہی علینہ پر چھلانگ لگا دی لیکن علینہ اس دوران ریوالور سیدھا کر چکی تھی۔ اس لئے جیسے ہی طارق محمود نے اس پر چھلانگ لگائی اس نے ٹریگر دبا دیا۔ ایک دھماکا ہوا اور طارق محمود کی چیخ بلند ہوئی۔ گولی اس کے سینے میں لگی تھی۔ گولی کھا کر وہ علینہ پر ہی گر رہا تھا کہ اس نے بجلی کی سی تیزی سے کروٹ بدل لی۔ طارق محمود اس کے قریب ہی آ گرا۔ گرتے ہی اس کا ہاتھ حرکت میں آیا اور علینہ کے منہ سے چیخ نکل گئی۔ طارق محمود کا ہاتھ اس کے منہ پر پڑا تھا اور طارق محمود کی انگلیوں کے نشان علینہ کے رخسار پر ثبت ہو گئے۔ علینہ کو تھپڑ مارتے ہی طارق محمود ایک جھٹکے سے کھڑا ہوا لیکن اس کے حلق سے چیخ نکل گئی۔ اس کے سینے میں جو گولی لگی تھی اس کی وجہ سے اس کے جسم میں درد کی ایک ناقابل برداشت لہر دوڑتی چلی گئی تھی۔ جس کی وجہ سے بے اختیار اس کے منہ سے چیخ نکلی تھی اور بے اختیار دونوں ہاتھ اس کے سینے پر پہنچ گئے۔ جہاں سے گرم گرم خون ابل رہا تھا۔ طارق محمود نے اپنے سینے پر ہاتھ رکھا تو علینہ کو فائر کرنے کا موقع مل گیا۔ اس نے ٹریگر دبا دیا۔ ایک اور دھماکا ہوا اور اس بار بھی گولی اس کے سینے میں لگی۔ پسلیوں کو چیرتی ہوئی یہ گولی طارق محمود کے دل میں جا لگی۔ طارق محمود کے حلق سے دلدوز چیخ بلند ہوئی اور وہ کٹے ہوئے درخت کی طرح فرش پر گرتا چلا گیا۔ نیچے گر کر وہ چند لمحے تڑپا اور پھر اس نے آخری ہچکی لی اور

دم توڑ دیا۔ علینہ نے ایک طویل سانس لیا۔ پھر اس نے ریوالور جیب میں رکھ لیا اور ازدگرد نظر دوڑانے لگی۔ ابھی وہ ادھر ادھر دیکھ ہی رہی تھی کہ دروازے پر دستک ہوئی اور وہ اچھل پڑی۔

''کون آ گیا اس وقت''...... علینہ نے بڑبڑاتے ہوئے کہا۔ طارق محمود کی لاش دروازے کے سامنے ہی پڑی تھی۔ آنے والا فوراً اسے دیکھ سکتا تھا اس لئے علینہ نے طارق محمود کی لاش کو کالر سے پکڑا اور گھسیٹتے ہوئے تھری سیٹر صوفے کے پیچھے لے گئی۔ اسی دوران دستک ایک بار پھر ہوئی۔ علینہ نے ایک بار فرش کی طرف دیکھا فرش پر سرخ قالین بچھا ہوا تھا لیکن اس کے باوجود وہاں خون دکھائی دے رہا تھا۔ علینہ نے فوراً ہی بیڈ شیٹ کھینچ کر خون پر پھینک دی اور پھر وہ دروازے کی طرف بڑھی۔ کیونکہ دروازے پر اب مسلسل دستک ہو رہی تھی۔

''اتنی دیر لگا دی دروازہ کھولنے میں''...... جیسے ہی علینہ نے دروازہ کھولا۔ اسے ایک تیز آواز سنائی دی اور اس کے ساتھ ہی ایک سمارٹ سی لڑکی کمرے میں داخل ہوگئی۔

''تم۔ تمہاری وجہ سے دروازہ اتنی دیر سے کھلا ہے۔ مجھے گھر پر ہی اطلاع مل گئی تھی کہ میری عدم موجودگی میں طارق کسی بازاری لڑکی کو اپنے کمرے میں لے آیا ہے۔ کہاں ہے طارق''...... اس لڑکی نے علینہ کو دیکھ کر غصے ہوتے ہوئے کہا۔ اس کا انداز بتا رہا تھا کہ وہ طارق کی منگیتر راحیلہ ہے۔

’’وہ باتھ روم میں ہیں‘‘...... علینہ نے کہا۔ راحیلہ نے اسے بازاری عورت کہا تھا لیکن اسے اس بات پر غصہ نہیں آیا تھا۔ وہ کریمنل تھی اور اسے بہت سی سچوئشنز کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔ علینہ کی بات سن کر راحیلہ باتھ روم کی طرف بڑھی جبکہ علینہ نے دروازہ اندر سے بند کر لیا۔

’’طارق باتھ روم میں تو نہیں ہے‘‘...... راحیلہ نے باتھ روم کو چیک کرنے کے بعد کہا۔

’’تم راحیلہ ہو نا۔ طارق صاحب کی منگیتر‘‘...... علینہ نے پوچھا۔

’’ہاں۔ میں راحیلہ ہی ہوں لیکن طارق کہاں ہے‘‘...... راحیلہ نے بدستور غصیلے لہجے میں کہا۔

’’طارق صاحب اس صوفے کے پیچھے چھپے ہوئے ہیں‘‘۔ علینہ نے تھری سیٹر صوفے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

’’صوفے کے پیچھے چھپا ہوا ہے لیکن کیوں‘‘...... راحیلہ نے حیرت بھرے لہجے میں کہا۔

’’شاید تمہاری وجہ سے۔ بہرحال تم دیکھ لو اسے‘‘...... علینہ نے منہ بناتے ہوئے کہا۔ راحیلہ نے حیران و پریشان نظروں سے علینہ کو دیکھا اور پھر وہ صوفے کی طرف بڑھی۔ جیسے ہی وہ صوفے کے پیچھے پہنچی اس کی چیخ بلند ہوئی۔ چیخنے کے بعد اس کی نظر جیسے ہی علینہ پر پڑی تو خوف سے اس کی ایک اور چیخ نکل گئی کیونکہ اب

علینہ کے ہاتھ میں ریوالور تھا۔

’’تم نے دیکھ لیا ہے طارق محمود کو‘‘...... علینہ نے ریوالور کو انگلی پر گھماتے ہوئے کہا۔

’’آں۔ ہاں۔ ہاں‘‘...... اس نے ہکلاتے ہوئے کہا وہ بری طرح خوفزدہ ہو چکی تھی۔

’’اوکے۔ اب تم صوفے پر بیٹھ جاؤ اور اپنے ہاتھ سر پر رکھ لو اور ہاں یہ بھی یاد رکھنا اگر تم نے میرا کوئی حکم ماننے سے انکار کیا تو تم بھی لاش میں تبدیل ہو جاؤ گی‘‘...... علینہ نے غرا کر کہا۔

’’نن۔ نن۔ نہیں۔ مم۔ مجھے مت مارنا۔ تت۔ تت۔ تم جو کہو گی۔ میں کروں گی‘‘...... راحیلہ نے ہکلاتے ہوئے کہا اور اس کے ساتھ ہی وہ صوفے پر بیٹھ گئی اور اس نے اپنے ہاتھ اپنے سر پر رکھ لئے۔

’’گڈ۔ تم سمجھدار لڑکی دکھائی دے رہی ہو۔ اگر تم نے اسی طرح سمجھداری سے کام لیا تو زندہ رہو گی اور اگر طارق کی طرح حماقت کی تو پھر ماری جاؤ گی‘‘...... علینہ نے کہا تو راحیلہ نے اس مرتبہ صرف اثبات میں سر ہلا دیا۔

’’تم یہاں کمپیوٹر آپریٹر ہو‘‘...... علینہ نے پوچھا تو راحیلہ نے اس مرتبہ بھی سر ہلا کر اس کے سوال کا جواب دیا۔

’’اس بلڈنگ کی تفصیل بتاؤ‘‘...... علینہ نے پوچھا۔

’’کس قسم کی تفصیل‘‘...... راحیلہ نے پوچھا۔

’’یہ بلڈنگ کتنی بڑی ہے۔ اس کے کتنے حصے ہیں۔ یہاں کتنے افراد ہوتے ہیں وغیرہ وغیرہ‘‘...... علینہ نے کہا۔

’’یہ تو بہت بڑی بلڈنگ ہے۔ میں اس کے سارے حصوں میں نہیں گئی ہوئی کیونکہ بعض حصوں میں جانا میرے لئے بھی منع ہے۔ میں تو یہاں کے ملازمین کا ریکارڈ رکھتی ہوں بس‘‘...... راحیلہ نے کہا۔

’’تم طارق محمود کا نام استعمال کر کے اس بلڈنگ کے جس حصے میں جانا چاہو جا سکتی ہو۔ آخر تم طارق محمود کی منگیتر ہو کوئی عام لڑکی نہیں ہو‘‘...... علینہ نے اسے غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔

’’ہاں۔ جا تو سکتی ہو لیکن گئی کبھی نہیں۔ بلڈنگ کے کئی حصے ایسے ہیں جہاں جانے کی مجھے کبھی ضرورت محسوس نہیں ہوئی‘‘۔ راحیلہ نے کہا۔

’’ریکارڈ رومز میں گئی ہو کبھی‘‘...... علینہ نے پوچھا تو راحیلہ نے چونک کر اسے دیکھا۔

’’نہیں۔ میں ریکارڈ رومز کی طرف کبھی نہیں گئی۔ وہاں بھلا میرا کیا کام‘‘...... راحیلہ نے کہا۔

’’طارق محمود کا اسسٹنٹ میجر نادر ریکارڈ رومز کا انچارج ہے۔ اس کے ساتھ تمہارے تعلقات کیسے ہیں‘‘...... علینہ نے پوچھا۔

’’میں اس کے باس کی منگیتر ہوں۔ اس رشتے سے وہ میری عزت کرتا ہے‘‘...... راحیلہ نے جواب دیا۔

’’تم نوجوان ہو، پرکشش ہو، حسین ہو، میجر نادر کی آنکھوں میں تمہارے لئے کبھی پسند کے تاثرات پیدا ہوئے‘‘...... علینہ نے معنی خیز انداز میں مسکراتے ہوئے کہا۔

’’یہ تو مردوں کی نیچر ہوتی ہے کہ خوبصورت عورت کو دیکھ کر وہ اسے پانے کی خواہش کرتے ہیں لیکن ہر خواہش پوری تو نہیں ہوتی نا‘‘...... راحیلہ نے کہا تو علینہ نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ پھر وہ ڈریسنگ ٹیبل کی طرف بڑھی۔ اس نے ریوالور اپنے سامنے رکھا اور وہاں رکھا ہوا اپنا ہینڈ بیگ اٹھا کر اسے کھولنے لگی۔ پھر اس نے انتہائی پھرتی سے ریوالور اٹھایا اور کمرے میں دھماکا ہوا۔ گولی راحیلہ کے کان کے قریب سے گزرتی چلی گئی۔ راحیلہ کی چیخ بلند ہوئی اور وہ خوفزدہ ہو کر بیڈ پر گر گئی۔

’’اٹھ کر بیٹھو راحیلہ اور یہ مت سمجھنا کہ میں تمہاری طرف سے غافل ہوں اور یہ بھی مت سمجھنا کہ میرا نشانہ خطا ہو گیا ہے۔ میں نے خود تمہارے سر میں گولی نہیں ماری لیکن اب اگر تم نے ہلنے جلنے کی کوشش کی تو اگلی گولی تمہارے ماتھے میں سوراخ کر دے گی‘‘...... علینہ نے سرد لہجے میں کہا تو راحیلہ اٹھ بیٹھی۔ اس کی آنکھیں اور چہرہ دہشت زدہ ہو گیا تھا۔ گولی کی صورت میں موت اس کے کان کو چھوتے ہوئے گزر گئی تھی۔

’’پہلے کی طرح اپنے ہاتھ سر پر رکھ لو‘‘...... علینہ نے تحکمانہ لہجے میں کہا تو راحیلہ نے اس کے حکم کی تعمیل کی۔ علینہ چند لمحوں

تک اسے دیکھتی رہی پھر اس نے ریوالور ڈریسنگ ٹیبل پر رکھ دیا اور اپنا ہینڈ بیگ اٹھا لیا۔ ہینڈ بیگ میں اس کا چھوٹا سا میک اپ باکس تھا۔ اس نے وہ میک اپ باکس نکالا اور پھر اس کے ہاتھ اپنے چہرے پر چلنے لگے۔ اس دوران اس کی توجہ راحیلہ پر بھی رہی۔ راحیلہ اس سے بہت خوفزدہ ہو چکی تھی اس لئے اب وہ آرام سے بیٹھی رہی۔ تقریباً دس منٹ بعد راحیلہ نے علینہ کی طرف دیکھا تو حیرت سے اس کی چیخ نکل گئی۔ اب راحیلہ اور علینہ میں کوئی فرق نہیں رہا تھا۔ اسے اپنی شکل میں دیکھ کر راحیلہ کی آنکھیں حیرت سے پھٹنے لگیں۔

''تت۔ تت۔ تم''...... حیرت کی وجہ سے راحیلہ بات پوری نہ کر سکی۔

''تم سب کو بتا سکتی ہو کہ میں تمہاری جڑواں بہن ہوں''۔ علینہ نے مسکراتے ہوئے کہا اور پھر وہ ریوالور اٹھا کر راحیلہ کی طرف بڑھی۔ راحیلہ حیرت سے ساکت ہو چکی تھی۔ وہ علینہ کی بات کا جواب بھی نہ دے سکی۔

''اے کہاں کھو گئی ہو۔ اب ہاتھ نیچے کر لو۔ تمہاری مشکل ختم ہونے والی ہے''...... علینہ نے مسکراتے ہوئے کہا تو راحیلہ نے ہاتھ نیچے کر لئے۔

''میجر نادر کے روم کا نمبر کیا ہے''...... علینہ نے پوچھا۔

''دوسری گیلری میں روم نمبر سکس''...... راحیلہ نے جواب دیا۔

جیسے ہی اس کی بات مکمل ہوئی اس کی ایک چیخ بھی بلند ہوئی کیونکہ علینہ نے ریوالور کا دستہ اس کی کنپٹی پر رسید کر دیا تھا۔ راحیلہ بیڈ پر گرتی چلی گئی اور اس کی آنکھوں میں اندھیرا چھا گیا۔ ایک ہی وار نے اسے بے ہوش کر دیا تھا۔ جیسے ہی وہ بے ہوش ہوئی علینہ نے اس کا لباس اتار کر خود پہن لیا۔ اپنا لباس اس نے وہیں پھینک دیا۔ پھر اس نے ریوالور کا رخ راحیلہ کی طرف کر کے ٹریگر دبا دیا۔ راحیلہ کی چیخ بلند ہوئی اور وہ بیڈ پر تڑپنے لگی۔ علینہ نے اس کے تڑپنے کو نظر انداز کیا اور بیڈ کی سائیڈ ٹیبل کی دراز کی تلاشی لینے لگی۔ تلاشی کے دوران اسے ایک چابی نظر آ گئی۔ اس نے وہ چابی اٹھائی۔ ریوالور اپنے ہینڈ بیگ میں رکھا اور پھر دروازے کی طرف بڑھی۔ راحیلہ ابھی تک تڑپ رہی تھی لیکن علینہ نے اس کی طرف دیکھنا بھی گوارا نہ کیا۔ کمرے سے باہر آ کر اس نے دروازے میں لگے لاک کے ''کی ہول'' میں چابی گھمائی اور پھر وہ گیلری میں آگے بڑھی۔ چند قدم کے بعد گیلری مڑ گئی تھی۔ وہ بھی گیلری کے ساتھ مڑ گئی اور مطمئن انداز میں چلتی ہوئی دوسری گیلری میں آ گئی۔ اس گیلری میں بھی دونوں جانب کمرے تھے اور دروازوں پر نمبر لکھے ہوئے تھے۔ وہ کمرہ نمبر چھ پر رکی اور پھر اس نے دروازے پر دستک دی اور ساتھ ہی اس نے ہینڈل بھی دبایا۔ دروازے کو تالا نہیں لگا ہوا تھا۔ ہینڈل دبانے سے دروازہ کھل گیا اور اس نے اندر جھانکا۔ اندر ایک لمبا تڑنگا اور مضبوط جسم کا نوجوان کرسی پر بیٹھا ہوا

تھا اور اس کے ہاتھ میں کتاب تھی۔ دروازہ کھلتے دیکھ کر اس نے دروازے کی طرف دیکھا۔

"کیا میں اندر آ سکتی ہوں"...... علینہ نے گلوگیر لہجے میں کہا۔ میک اپ کے دوران اس نے آنکھوں میں ڈراپس بھی ڈال لئے تھے جس کی وجہ سے اس کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں اور ایسے محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ خوب روئی ہو۔

"جی۔ جی مس راحیلہ۔ تشریف لائیے"...... اسے دیکھ کر کرسی پر بیٹھے ہوئے نوجوان نے اٹھتے ہوئے کہا۔ یہ میجر نادر تھا۔ علینہ آہستہ آہستہ چلتی ہوئی اس کے قریب آ گئی۔ میجر نادر نے کتاب ٹیبل پر رکھ دی۔

"تشریف رکھیئے"...... میجر نادر نے کہا تو علینہ دوسری کرسی پر بیٹھ گئی۔ اس نے نظریں جھکا لیں۔ یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ اپنے آنسو روکنے کی کوشش کر رہی ہو۔

"تمہارے باس نے مجھ سے بے وفائی کی ہے اور اب میرا دل چاہ رہا ہے کہ میں خودکشی کر لوں"...... علینہ نے انتہائی گلوگیر لہجے میں کہا۔ اس طرح بات کرنے کے دو مقصد تھے۔ ایک تو میجر نادر نے اس سے متاثر ہونا تھا اور دوسرا اس نے بدلی ہوئی آواز پر توجہ نہیں دینی تھی۔ اس نے یہی سمجھنا تھا کہ رونے کی وجہ سے راحیلہ کی آواز بدلی ہوئی ہے۔

"مس راحیلہ۔ اب آپ نے اپنی آنکھوں سے طارق صاحب

کی بے وفائی دیکھ لی۔ میرے فون پر تو آپ کو یقین نہیں آ رہا تھا"۔ میجر نادر نے ہمدردانہ لہجے میں کہا۔

"ہاں۔ اس نے مجھے بے عزت کیا ہے۔ میری محبت کا مذاق اڑایا ہے۔ وہ اس وقت بھی اس فاحشہ عورت کے ساتھ رنگ رلیاں منا رہا ہے۔ بس میں نے اب خودکشی ہی کرنی ہے"...... علینہ نے کہا اور اس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔

"نہیں۔ ایک بے وفا کی خاطر آپ اپنی زندگی کا خاتمہ کیوں کرتی ہیں۔ اگر طارق صاحب نے آپ سے بے وفائی کی ہے تو آپ ان کا خیال ہی دل سے نکال دیں۔ زندگی بہت حسین چیز ہے۔ کسی کی خاطر اسے ختم نہیں کرنا چاہئے"...... نادر نے اسے سمجھانے والے انداز میں کہا۔

"طارق نے مجھے برباد کر دیا ہے میجر۔ اس نے مجھ سے منگنی کر کے میرے ساتھ کئی راتیں گزاری ہیں اور اب اس نے مجھ سے منگنی بھی توڑ دی ہے"...... علینہ نے بدستور روتے ہوئے کہا۔

"آپ بھول جائیں طارق محمود کو۔ آپ نوجوان، حسین اور پرکشش ہیں۔ کئی لوگ آپ سے شادی کرنے کو ترستے ہوں گے"...... میجر نے علینہ کو تسلی دیتے ہوئے کہا تو وہ سر جھکا کر بیٹھ گئی لیکن اس کی آنکھوں سے آنسو مسلسل گرتے رہے۔ پھر وہ یکدم چونکی۔

"جس طرح طارق نے مجھے برباد کیا ہے۔ میں بھی اسے اسی

طرح برباد کر دوں گی اور اس کے لئے تمہیں میرا ساتھ دینا ہو گا''...... علینہ نے چونکتے ہوئے کہا۔

''مم۔ میں۔ میں بھلا آپ کا کیا ساتھ دے سکتا ہوں اور وہ بھی طارق محمود کے خلاف۔ طارق محمود صاحب میرے باس ہیں''...... میجر نے ہکلاتے ہوئے کہا۔

''میجر۔ تمہارا کہیں نام نہیں آئے گا اور میں اسے اس طرح برباد کروں گی کہ وہ سروس میں ہی نہیں رہے گا بلکہ اس کا کورٹ مارشل ہو جائے گا۔ مجھے ایک زبردست بات یاد آ گئی ہے۔ بس تمہیں کچھ دیر کے لئے میرا ساتھ دینا ہو گا''...... علینہ نے میجر کا ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا۔ علینہ کا ہاتھ میجر کے ہاتھ میں آیا تو اس کے جسم پر چیونٹیاں سی رینگنے لگیں۔

''مم۔مم۔ مجھے کیا کرنا ہو گا''...... میجر نے جذبات میں ڈوبی ہوئی آواز میں کہا۔ علینہ کے لمس نے اسے بے خود کر دیا تھا۔

''ریکارڈ رومز میں طارق محمود کے متعلق ایک فائل ہے۔ تم میرے ساتھ چلو اور وہ فائل مجھے اٹھا دو''...... علینہ نے کہا۔

''طارق محمود کے متعلق فائل۔ یہ کیسے ممکن ہے۔ ریکارڈ رومز میں کسی کی پرسنل فائلیں تو نہیں ہوتیں''...... میجر نے کہا۔

''ہے ایک فائل۔ تم اس کے بارے میں نہیں جانتے لیکن میں جانتی ہوں۔ میں جب وہ فائل تمہیں دکھاؤں گی تو تم خود اپنی آنکھوں سے دیکھ لینا۔ میں تم سے غلط بیانی تو نہیں کر سکتی''۔ علینہ

نے جوشیلے لہجے میں کہا۔

''اچھا۔ چل کر دیکھتے ہیں لیکن کچھ دیر صبر کرو۔ اس وقت تمہاری حالت ٹھیک نہیں ہے۔ میں تمہارے لئے وہسکی کا پیگ بناتا ہوں۔ تم وہ پیو۔ کچھ دیر وقت ہم ساتھ گزارتے ہیں جس سے تمہاری طبیعت کافی حد تک ٹھیک ہو جائے گی اور تم فریش بھی ہو جاؤ گی۔ پھر ہم ریکارڈ رومز میں چلیں گے''...... میجر نادر نے کہا۔ وہ علینہ کا قرب حاصل کرنے کے لئے یہ اچھا موقع تھا اور میجر نادر اس موقع سے فائدہ اٹھانا چاہتا تھا۔

''نہیں۔ میں انتظار نہیں کر سکتی۔ تمہاری جو خواہش ہے وہ میری بھی ہے۔ ریکارڈ رومز سے واپسی پر ہم اپنی خواہش پوری کریں گے لیکن اب اگر تم نے انکار کیا تو میں تمہارے ریوالور سے خودکشی کر لوں گی''...... علینہ نے نہایت ہی جذباتی لہجے میں کہا اور پھر اس نے ٹیبل پر رکھا ہو میجر نادر کا ریوالور اٹھایا اور اپنی کنپٹی پر رکھ لیا۔ میجر نادر یکدم گھبرا گیا۔ انسانی تاریخ گواہ ہے کہ عورت کے سامنے بڑے بڑے سورماؤں کی طاقت خاک میں مل گئی۔ بڑے بڑے دانشوروں کی عقل خبط ہو گئی۔ بے چارے میجر نادر کی تو کوئی اوقات ہی نہیں تھی۔

''اوکے۔ اوکے۔ میں تمہارے ساتھ چلتا ہوں۔ یہ ریوالور مجھے دے دو۔ یہ چل جائے گا''...... میجر نادر نے گھبراتے ہوئے لہجے میں کہا۔

''اوہ۔ تھینک یو میجر۔ تھینک یو۔ مجھ سے دوستی کے حقدار صرف تم ہی ہو''...... علینہ نے خوش ہوتے ہوئے کہا اور پھر اس نے ریوالور میجر نادر کو دے دیا۔ میجر نادر نے ریوالور اپنی جیب میں رکھ لیا۔ اس کے بعد اس نے میز کی دراز کھول کر ایک چابی نکال لی۔

''آؤ''...... میجر نادر نے کہا اور پھر وہ دروازے کی طرف بڑھا۔ علینہ اس کے پیچھے چلنے لگی۔ اس کی آنکھوں میں ایک خاص چمک پیدا ہو چکی تھی۔

''ہاں میجر۔ یہ تو بتاؤ کہ آئی ٹن فائل کس سیف میں ہے''۔ چلتے چلتے علینہ نے پوچھا۔

''آئی ٹن فائل تو پاکیشیا سیکرٹ سروس نے منگوا لی ہے۔ وہ تو یہاں نہیں ہے''...... میجر نادر نے کہا تو علینہ مایوس ہو گئی لیکن وہ کچھ بولی نہیں۔ مختلف گیلریوں اور پلاٹوں سے گزرتے ہوئے وہ بلڈنگ کے دوسرے حصے میں آ گئے۔ راستے میں انہیں کئی فوجی ملے تھے جو جدید اسلحے سے مسلح تھے۔ ان سب نے میجر نادر اور علینہ کو مؤدبانہ انداز میں سلام کیا تھا۔ بلڈنگ کے اس حصے میں بھی پہلے برآمدہ تھا اور اس کے بعد گیلری، گیلری کی دونوں جانب کمرے دکھائی دے رہے تھے۔ وہ دونوں تیز تیز چلتے ہوئے برآمدے تک پہنچے۔ پھر جیسے ہی علینہ نے برآمدے کی سیڑھی پر قدم رکھا تو یکدم تیز سائرن بج اٹھا اور میجر نادر سمیت وہاں موجود تمام افراد اچھل پڑے۔ میجر نادر نے پلک جھپکتے ہی اپنی جیب سے ریوالور نکال کر

علینہ کی کنپٹی پر رکھ دیا۔ علینہ سائرن بجنے کی وجہ سے ساکت سی ہو گئی تھی۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ اس طرح سائرن بھی بج سکتا ہے۔ میجر نادر کے ساتھ ساتھ دوسرے فوجیوں کی مشین گنوں کے رخ بھی اس کی طرف ہو گئے۔ اب سائرن بند ہو گیا تھا۔

''یہ۔ یہ۔ کک۔ کیا ہے۔ مجھ پر اس طرح گنیں کیوں تان لی گئی ہیں''...... علینہ نے حیرت پر قابو پاتے ہوئے کہا۔ اسی لمحے گیلری سے ایک فوجی تیزی سے چلتا ہوا نمودار ہوا۔ اس نے میجر نادر کے قریب آ کر سلوٹ کیا۔

''کیپٹن۔ راحیلہ کے سیڑھی پر قدم رکھتے ہی خطرے کا الارم کیوں بجا ہے''...... میجر نادر نے اس فوجی سے پوچھا۔

''سر۔ یہ غیر ملکی لڑکی ہے مس راحیلہ نہیں ہے۔ اس کے ہینڈ بیگ میں ریوالور ہے اور اس نے جو ریسٹ واچ پہنی ہوئی ہے اس میں ٹرانسمیٹر فٹ ہے''...... کیپٹن نے مؤدبانہ لہجے میں کہا۔

''کک۔ کک۔ کیا''...... میجر نادر نے حیرت بھرے لہجے میں کہا اور پھر وہ خاموش ہو گیا۔ وہ علینہ کو غور سے دیکھتا رہا اور سوچتا رہا۔

''ہونہہ۔ تو یہ غیر ملکی سیکرٹ ایجنٹ ہے۔ اوہ مائی گاڈ۔ اس نے ہمیں کتنا بڑا ڈاج دیا ہے اور ہم آسانی سے اس سے دھوکا کھا گئے''...... میجر نادر نے انتہائی پریشان لہجے میں کہا۔

''سر۔ چند دن پہلے ہی یہاں جدید چیکنگ مشینری لگائی گئی

ہے۔ اگر یہ مشینری نہ ہوتی تو اس نے جس طرح آپ کو ڈاج دیا ہے۔اس نے کوئی بہت بڑا نقصان کرنا تھا۔ اللہ کا شکر ہے ہم اس نقصان سے بچ گئے ہیں''...... کیپٹن نے کہا۔

''اس نے صرف مجھے ہی ڈاج نہیں دیا۔ سر طارق کو بھی ڈاج دیا ہے۔ اے۔ تم جاؤ اور سر طارق کو اطلاع دے کر آؤ''...... میجر نادر نے پہلے کیپٹن سے اور پھر ایک دوسرے فوجی سے کہا۔

''او کے سر''...... اس فوجی نے سیلوٹ کرتے ہوئے کہا اور پھر وہ بھاگنے کے سے انداز میں رہائشی حصے کی طرف دوڑا۔ تقریباً دس منٹ بعد وہ فوجی دوڑتا ہوا آیا۔

''سر۔ دروازہ لاک ہے اور طارق صاحب دروازہ نہیں کھول رہے''...... فوجی نے مؤدبانہ لہجے میں کہا۔ میجر نادر پہلے ہی اندیشوں میں گھرا ہوا تھا۔ جس طرح سے یہ ایجنٹ لڑکی میک اپ میں تھی اس نے جس طرح میجر نادر کو ڈاج دیا تھا اس سے صاف ظاہر تھا کہ یہ لڑکی کوئی معمولی ایجنٹ نہیں ہے۔ اس کی چھٹی حس بتا رہی تھی کہ اس لڑکی نے طارق صاحب کو بھی ہاتھ دکھایا ہے۔ طارق صاحب خود ہی اسے لے کر آئے تھے اور اس کی وجہ سے اس نے راحیلہ کو فون کیا تھا۔ اب اسے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے طارق اور راحیلہ کے ساتھ کوئی انہونی ہو سکتی ہے۔ اس نے علینہ کے ہاتھ سے اس کا ہینڈ بیگ لے لیا۔

''تم بہت غلط کر رہے ہو میجر۔ تمہیں مجھ سے معافی مانگنی پڑے

گی''...... علینہ نے کہا لیکن میجر نادر نے اس کی بات کا کوئی جواب نہ دیا۔ اس نے ہینڈ بیگ کھولا اور اس کی تلاشی لینے لگا۔ ہینڈ بیگ میں اسے ریوالور نظر آ گیا۔ ریوالور کے ساتھ ہی اسے چابی بھی نظر آ گئی۔ یہ چابی انہی کے رومز کی تھی۔ وہ ہینڈ بیگ میں موجود دیگر سامان بھی دیکھنے لگا۔ میجر نادر ہینڈ بیگ کی تلاشی لے رہا تھا جبکہ باقی فوجیوں کی توجہ میجر نادر کی طرف تھی۔ علینہ کو یقین ہو گیا تھا کہ اب اس کے بچنے کی کوئی امید نہیں۔ یہاں بھیجنے سے پہلے اس کے باس نے یہاں کے بارے میں معلومات بھی حاصل کی تھیں۔ ان معلومات میں چیکنگ مشینری کا ذکر نہیں تھا اور اس کی وجہ بھی اسے پتہ چل گئی تھی کہ یہ مشینری چند دن پہلے ہی یہاں لائی گئی تھی اور جس سے باس نے معلومات لی ہوں گی وہ اس مشینری کے بارے میں نہیں جانتا ہو گا۔ اس کا مشن تو ناکام ہو گیا تھا اب اس کے لئے جان بچانا ضروری تھا۔ لہٰذا اس نے اسی لمحے حرکت میں آنے کا فیصلہ کیا۔ میجر نادر کی نظریں ابھی ہیند بیگ پر ہی لگی ہوئی تھیں کہ علینہ نے جمپ لیا اور میجر نادر پر جا گری۔ میجر نادر کے ہاتھ سے ہینڈ بیگ نکل گیا اور وہ علینہ کے ساتھ ہی زمین پر آ گرا۔ علینہ نے اس کے ریوالور پر ہاتھ مارا اور ریوالور اس کے ہاتھ سے جھپٹ لیا۔ ریوالور جھپٹتے ہی اس نے رولنگ کی اور پھر اس کے ریوالور سے شعلے نکلے۔ اس نے ایک فائر میجر نادر پر کیا تھا اور باقی فائر دوسرے فوجیوں پر۔ علینہ کی یہ ساری کارروائی صرف ایک سیکنڈ

میں مکمل ہوئی تھی۔ اس نے میجر نادر پر جو گولی چلائی تھی وہ اس کے بازو میں لگی تھی جبکہ باقی فوجیوں کو گولیاں سر اور سینے میں لگی تھیں۔ ان کے منہ سے چیخیں بلند ہوئیں اور وہ زمین پر گر گئے۔ اس کے ساتھ ہی اس پر بھی گولیوں کی بوچھار ہوئی لیکن وہ تو چھلاوہ بن چکی تھی۔ رولنگ کرتے کرتے ہی یکدم اچھلی اور ایک مشین گن پر جا پڑی۔ یہ مشین گن ان فوجیوں میں سے کسی ایک کی تھی جو اس کے نشانے کی زد میں آئے تھے۔ مشین گن اٹھا کر وہ جمپ لگانا ہی چاہتی تھی کہ گولیوں کی ایک بوچھاڑ اور ہوئی۔ اس کے حلق سے تیز چیخ نکلی۔ اسے یوں محسوس ہوا جیسے اس کے پورے جسم میں ایک ساتھ کئی گرم سلاخیں گھس گئی ہوں۔ فوراً ہی اس کے ذہن پر اندھیروں نے یلغار کر دی اور پھر اس کا دماغ گہرے اندھیرے میں ڈوبتا چلا گیا۔

ڈاکٹر بلیک کی آنکھوں سے شعلے نکل رہے تھے۔ اس کی کرسی جھول رہی تھی۔ اس کا اسسٹنٹ رچی اس کے سامنے مؤدبانہ انداز میں کھڑا تھا۔

''پاکیشیا کے آفاق آفندی نے بہت بدتمیزی کی ہے۔ اگر میں پاکیشیا کو تاریخ نہ دے چکا ہوتا تو میں فوراً پاکیشیا کو ایٹم بموں سے تباہ کر دیتا''...... ڈاکٹر بلیک نے غصیلے لہجے میں کہا۔

''باس۔ پاکیشیا کو اس گستاخی کی سخت سزا ملنی چاہئے''...... رچی نے خوشامدانہ لہجے میں کہا۔

''پاکیشیا۔ ایک چھوٹا سا ایشیائی ملک۔ وہ مجھے آنکھیں دکھائے اور تباہ ہونے سے بچ جائے۔ یہ نہیں ہو سکتا۔ میں اس کے ایک دو شہروں کو نہیں تمام شہروں کو تباہ کر دوں گا۔ اس کے بعد کسی کی جرأت نہیں ہو گی کہ اس طرح مجھ سے بات کرے''...... ڈاکٹر بلیک نے بدستور غصے سے کہا۔

''باس۔ ترقی یافتہ ممالک کے سربراہ آپ کی بات ماننے پر آمادہ دکھائی دے رہے تھے لیکن آفاق آفندی کی باتوں نے انہیں سوچ میں ڈال دیا''...... رچی نے کہا۔

''یہ سوچیں ان کی تباہی کا سبب بن جائیں گی۔ جو مجھے حاکم نہیں مانے گا وہ فنا ہو جائے گا''...... ڈاکٹر بلیک نے غراتے ہوئے کہا اور پھر اس کا دماغ تیزی سے سوچنے میں مصروف ہو گیا۔ کچھ دیر اسی طرح گزر گئی۔ پھر اچانک ڈاکٹر بلیک کے چہرے پر مسکراہٹ آ گئی۔

''رچی۔ روسیاہ کے حکمران راگاچوف کو بچانے کے لئے بے پناہ اقدامات کر رہے ہیں اور ایک ہم ہیں کہ بہت اطمینان سے بیٹھے ہوئے ہیں''...... ڈاکٹر بلیک نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''باس۔ ان کے انتظامات کرنے سے راگاچوف کی موت ٹل تو نہیں جائے گی۔ موت اس کا مقدر ہو چکی ہے۔ ہر صورت میں آئے گی''...... رچی نے مؤدبانہ لہجے میں کہا۔

''ہاں۔ راگاچوف کو مرنا ہے اور ہر حال میں مرنا ہے''۔ ڈاکٹر بلیک نے مطمئن لہجے میں کہا۔

''باس۔ جب آپ نے راگاچوف کی ڈیتھ کا منظر دکھایا تھا تو میں آپ کے حکم پر ایک کام میں مصروف تھا۔ میں نے وہ منظر نہیں دیکھا''...... رچی نے ڈاکٹر بلیک کا موڈ دیکھ کر اپنی ایک خواہش کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

''کوئی بات نہیں۔ ہم تمہیں ابھی وہ منظر دکھا دیتے ہیں''۔ ڈاکٹر بلیک نے مسکراتے ہوئے کہا۔ پھر اس نے اپنی کرسی آگے کی اور ایک سکرین پر لگے ہوئے بٹنوں میں سے ایک بٹن پریس کر دیا۔ جیسے ہی بٹن پریس ہوا سکرین پر ایک جھماکا ہوا اور سکرین روشن ہو گئی۔ سکرین کے روشن ہوتے ہی ڈاکٹر بلیک نے چند بٹن اور پریس کئے تو سکرین پر ایک منظر ابھر آیا۔ منظر میں ایک ہال کمرہ دکھائی دے رہا تھا۔ کمرے کے وسط میں شیشے کا ایک کیبن رکھا ہوا تھا۔ اس کیبن میں ایک کرسی پر راگاچوف بیٹھا ہوا تھا جس نے عجیب و غریب لباس پہنا ہوا تھا۔ شیشے کا یہ کیبن بلٹ پروف تھا۔ کیبن کی چھت میں چند سوراخ نظر آ رہے تھے اور یہ سوراخ ہوا کے لئے بنائے گئے تھے۔ اس کیبن میں ہوا کی آمد و رفت کا خصوصی انتظام کیا گیا تھا اور یہ ہوا آکسیجن کے کئی سلنڈروں سے دی جا رہی تھی۔ جس عمارت میں راگاچوف موجود تھا اسے سینکڑوں کمانڈوز نے گھیرا ہوا تھا۔ روسیاہ کی کئی سیکرٹ ایجنسیاں اس عمارت میں موجود تھیں۔ سائنس دانوں اور ڈاکٹروں کی ٹیمیں بھی موجود تھیں۔ سیکورٹی سے متعلق تمام مشینری اس بلڈنگ میں موجود تھی۔

''باس۔ انتظامات تو بہت اچھے ہیں''...... رچی نے طنزیہ انداز میں ہنستے ہوئے کہا۔

''ایکریمیا اور باچان کے انتظامات میں بھی کوئی کمی نہیں تھی۔ لیکن وہ بھی ڈاکٹر بلیک کی طاقت کے سامنے نہیں ٹھہر سکے۔ یہ بھی

نہیں ٹھہر سکیں گے‘‘...... ڈاکٹر بلیک نے نخوت بھرے لہجے میں کہا۔
رچی نے ایک بار پھر سکرین پر نظر دوڑائی۔ اچانک راگاچوف کے چہرے پر تکلیف کے تاثرات ابھرے اور اس کا ہاتھ اپنے سینے پر گیا۔ وہ یکدم ہی کرسی سے کھڑا ہو گیا، کرسی سے کھڑے ہونے کے چند سیکنڈ بعد وہ زمین پر گرتا چلا گیا۔ فوراً ہی کمرے کا دروازہ کھلا اور ڈاکٹروں کی ٹیمیں دوڑتی ہوئی کمرے میں داخل ہوئیں۔ شیشے کا ایک ٹکڑا خود بخود اوپر اٹھتا چلا گیا اور وہاں ایک خلا بن گیا۔ ڈاکٹرز اس سے گزرتے ہوئے کیبن میں داخل ہوئے اور راگاچوف کو چیک کرنے لگے۔ جلد ہی ان کی آنکھوں میں مایوسی پھیلتی چلی گئی۔ راگاچوف کو ہارٹ اٹیک ہوا تھا اور یہ اتنا شدید ہوا تھا کہ راگاچوف جانبر نہیں ہو سکا تھا۔ یہ ہارٹ اٹیک بالکل نیچرل ہوا تھا۔ حالانکہ راگاچوف کو اس سے قبل کبھی دل کی تکلیف نہیں ہوئی تھی۔ ڈاکٹر بلیک نے خونی انداز میں مسکراتے ہوئے سکرین آف کر دی۔

’’اوگو۔ تم نے ڈاکٹر بلیک کی طاقت دیکھ لی ہے‘‘...... ٹی وی سکرین پر کھوپڑی اور دو ہڈیاں نمودار ہوئیں اور اس کے بعد ڈاکٹر بلیک کی غراتی ہوئی آواز سنائی دی۔ راگاچوف کی موت کی خبر ایک سیکنڈ سے بھی کم وقت میں پوری دنیا میں پھیل گئی تھی۔ ڈاکٹر بلیک کے دیئے گئے وقت سے پہلے ہی دنیا بھر کے لوگ اپنے کام کاج ترک کر کے ٹی وی کے سامنے بیٹھ گئے تھے۔ ٹی وی پر راگاچوف کو براہ راست دکھایا جا رہا تھا۔ راگاچوف کو بچانے کے لئے جو انتظامات کئے گئے تھے انہیں توڑنا کسی انسان کے بس میں تو نہیں تھا۔

کئی لوگ ان انتظامات سے مطمئن بھی تھے لیکن اکثریت کے دل تیزی سے دھڑک رہے تھے کیونکہ ایکریمیا اور باچان کے انتظامات بھی ناقابل تسخیر تھے لیکن اس کے باوجود ڈاکٹر بلیک کامیاب رہا تھا۔ ان کے خیال کے مطابق اب بھی ڈاکٹر بلیک نے

ہی کامیاب ہونا تھا اور پھر ان کے خدشات درست ثابت ہوئے تھے۔ روسیاہ کے تمام تر انتظامات دھرے رہ گئے تھے اور ڈاکٹر بلیک کے بتائے گئے وقت کے مطابق راگاچوف نے دم توڑ دیا تھا۔ اب روسیاہ میں خونی طوفان آنے والا تھا۔ ڈاکٹر بلیک عفریت بن کر روسیاہ پر ٹوٹنے والا تھا۔ راگاچوف کے دم توڑتے ہی ان لوگوں کی امیدوں نے بھی دم توڑ دیا تھا جو انتظامات دیکھ کر سوچ رہے تھے کہ شاید ڈاکٹر بلیک اب ناکام رہ جائے۔

”میری طاقت کو اپنی تقدیر سمجھو۔ اب سے ٹھیک دس گھنٹوں کے بعد روسیاہ پر قیامت ٹوٹنے والی ہے۔ ویسی ہی قیامت جیسی ایکریمیا اور باچان میں گزر چکی ہے لیکن تم اس قیامت کو روک سکتے ہو۔ ہاں روسیاہی لوگو۔ تم خود کو اور اپنے عزیزوں کی موت کو روک سکتے ہو۔ میرا یہ مخصوص نشان جو اس وقت ٹی وی اسکرین پر نظر آ رہا ہے۔ یہ سرخ رنگ کے جھنڈے پر بناؤ اور پورے روسیاہ پر یہ جھنڈا لہرا دو۔ سیکرٹریٹ، صدارتی محل، پارلیمنٹ بلڈنگ، قومی ٹی وی چینلز، ریڈیو بلڈنگ، سرکاری دفاتر۔ غرضیکہ ہر جگہ میرا جھنڈا ہونا چاہئے۔ روسیاہ کا قومی جھنڈا اتار دو۔ صدر استعفیٰ دے اور مجھے صدر نامزد کر دو۔

آج سے تم میری رعایا ہو اور میں تمہارا حکمران اور اگر تم نے دس گھنٹوں کے اندر میرے احکامات کی تعمیل نہ کی تو پھر ہر طرف خون ہی خون ہو گا، آگ ہی آگ ہو گی، موت ہی موت ہو گی،

او کے۔ بائی بائی“...... ڈاکٹر بلیک کی غراتی ہوئی آواز سنائی دی اور اس کے بعد ٹی وی سکرین سے کھوپڑی اور ہڈیاں غائب ہو گئیں۔

ڈاکٹر بلیک کی تقریر کے تھوڑی ہی دیر بعد روسیاہ میں افراتفری پھیل گئی۔ روسیاہ کی عوام سڑکوں پر آ گئی۔ لوگ حکومت کے خلاف نعرے لگا رہے تھے۔ وہ مطالبہ کر رہے تھے کہ ان کی جانوں کے تحفظ کے لئے حکومت فوراً مستعفی ہو جائے۔ بعض لوگ تو یہ بھی کہہ رہے تھے کہ اگر حکومتی ارکان استعفیٰ دے کر حکومت ڈاکٹر بلیک کے حوالے نہیں کرتے تو وہ تمام حکومتی ارکان کو قتل کر دیں گے اور اگر روسیاہی صدر نے اپنا عہدہ نہ چھوڑا تو وہ اسے بھی قتل کر دیں گے۔ ملک کے ایک کونے سے لے کر دوسرے کونے تک ہنگامے پھوٹ پڑے تھے۔ ہر طرف عوام کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر نظر آ رہا تھا جو اپنی حکومت کے خلاف نعرے لگا رہا تھا۔ کئی لوگ ڈاکٹر بلیک کی ہدایت کے مطابق جھنڈے تیار کر رہے تھے۔ انہوں نے فیصلہ کر لیا تھا کہ اگر حکومت خود مستعفی نہ ہوئی تو وہ دارالحکومت کی اہم عمارتوں پر ڈاکٹر بلیک کا جھنڈا لہرا دیں گے اور حکومتی ارکان کے ٹکڑے کر دیں گے۔

ادھر روسیاہی پارلیمنٹ دو حصوں میں تقسیم ہو گئی تھی۔ ایک کا کہنا تھا کہ ڈاکٹر بلیک کا ڈٹ کر مقابلہ کیا جائے۔ مقابلے کی صورت میں ایک کروڑ انسانوں کی جانیں ضائع ہوں گی لیکن اگر حکومت ڈاکٹر بلیک کے حوالے کر دی گئی تو پھر کچھ نہیں بچے گا۔ وہ سفاک

اور ظالم آدمی کئی کروڑ انسانوں کی جانیں لے سکتا تھا لیکن دوسرے گروہ کی رائے تھی کہ حکومت ڈاکٹر بلیک کے حوالے کر کے اپنے ایک کروڑ افراد کی جانیں بچا لی جائیں۔ وہ اپنے ملک اور عوام کے لئے اپنی حکومت ہی نہیں اپنی جانیں بھی قربان کرنے کے لئے تیار تھے لیکن انہیں ڈاکٹر بلیک پر اعتماد نہیں تھا۔ وہ انسانی تاریخ کا سفاک ترین مجرم تھا۔ انسان کی کروڑوں اربوں سالہ تاریخ میں کوئی بھی ایسا درندہ نہیں ملتا تھا جس نے سیکنڈوں میں کروڑوں افراد کا خون بہایا ہو۔ ملک ایسے شخص کے حوالے کرنا ملک و قوم کے ساتھ ظلم تھا لیکن اب انہیں اس کے سوا کوئی صورت بھی نظر نہیں آ رہی تھی۔ ڈاکٹر بلیک کو ٹریس کرنے کا ہر حربہ ناکام ہو چکا تھا۔

روسیاہ کے حکمران، دانشور، سویلین و فوجی قیادت، اپوزیشن لیڈران، سب سر جوڑ کر بیٹھ گئے تھے۔ کبھی کوئی تجویز سامنے آ جاتی تو کبھی کوئی رائے لیکن وہ کسی طرح بھی حتمی فیصلے پر نہیں پہنچ رہے تھے۔ حکومت کی طرف سے ٹی وی چینلز پر بار بار اعلان کیا جا رہا تھا کہ عوام پر سکون رہے۔ قومی سلامتی کمیٹی کا اجلاس ہو رہا ہے اور اجلاس میں جو بھی فیصلہ ہو گا وہ عوام کی بہتری کو سامنے رکھ کر کیا جائے گا۔ آٹھ گھنٹے کے طویل اجلاس کے بعد روسیاہی صدر نے فیصلہ سنا دیا۔ اس نے کابینہ کے ہمراہ حکومت سے الگ ہونے کا اعلان کر دیا۔ انہوں نے یہ بھی اعلان کیا کہ وہ ڈاکٹر بلیک کو ملک کا صدر بنا رہے ہیں۔ ڈاکٹر بلیک اپنے ٹی وی پر یہ اجلاس براہ راست

دیکھ رہا تھا۔ روسیاہی صدر کے اعلان کے بعد اس کی آنکھوں میں چمک پیدا ہو گئی اور چہرہ دمکنے لگا۔ روسیاہ ایک بہت بڑا ملک تھا۔ اگر اس نے ڈاکٹر بلیک کے سامنے گھٹنے ٹیک دیئے تھے تو دوسرے ممالک نے بھی اس کے سامنے سر جھکا دینا تھا اور یوں اس نے دنیا بھر کا حاکم بن جانا تھا۔

ڈیتھ ماسٹر کرسی پر بیٹھا ہوا تھا۔ اس کے ایک ہاتھ میں سگار تھا اور دوسرے ہاتھ میں ایک بڑا گلاس تھا۔ جس میں وہسکی بھری ہوئی تھی۔ وہ دو تین گھونٹ وہسکی کے بھرتا تھا اور پھر دو تین کش سگار کے لگاتا تھا۔ تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ دروازے پر دستک ہوئی۔

''یس۔ کم اِن''...... ڈیتھ ماسٹر نے بارعب لہجے میں کہا تو کمرے کا دروازہ کھلا اور زیرو ون اندر داخل ہوا۔ ڈیتھ ماسٹر کے قریب پہنچ کر اس نے مؤدبانہ انداز میں اسے سلام کیا۔

''زیرو ون۔ پاکیشیا میں آ کر تمہاری کارکردگی کو زنگ لگ گیا ہے۔ ہمارا بہت سا جانی اور مالی نقصان ہو گیا ہے اور ہم ابھی تک مشن سے بہت دور ہیں''...... ڈیتھ ماسٹر نے غراتے ہوئے کہا۔

''باس۔ بس ذرا قسمت عمران کا ساتھ دے رہی ہے لیکن اب یہ قسمت عمران کا ساتھ چھوڑنے والی ہے۔ ہمارا مشن مکمل ہونے ہی والا ہے''...... زیرو ون نے مؤدبانہ لہجے میں کہا۔

''تم نے اب تک جو کچھ کیا ہے وہ مختصراً بتا دو''...... ڈیتھ ماسٹر نے سخت لہجے میں کہا۔

''باس۔ یہ تو آپ جانتے ہیں کہ ہمارے آدمیوں نے عمران کو کور کر لیا تھا''...... زیرو ون نے کہا۔

''ہاں۔ اسے ویذر کنٹرول کار میں بھی تم نے بٹھا دیا تھا اور وہ کار پہاڑی علاقے میں کسی گہری کھائی میں گر گئی تھی لیکن اس کے باوجود عمران زندہ بچ گیا''...... ڈیتھ ماسٹر نے طنزاً کہا۔

''یس باس۔ اسی لئے میں نے کہا ہے کہ قسمت عمران کا ساتھ دے رہی ہے۔ کار پر میری نظر تھی جیسے ہی کار کھائی میں گری تو میں نے اپنے آدمی ہیلی کاپٹر پر پہاڑی علاقے میں بھیجے تاکہ وہ مکمل تسلی کر آئیں۔ اس دوران ٹی الیون نے رپورٹ دی کہ اس کار میں ہمارا ایک اہم بریف کیس رہ گیا ہے۔ جس پر میں نے ہیلی کاپٹر پر جانے والے اپنے آدمیوں کو ہدایت دی کہ کار میں سے بریف کیس ضرور حاصل کریں۔ کار جہاں گری تھی میں نے لوکیشن کی نشان دہی بھی کر دی۔ میں کار کی لوکیشن کو کمپیوٹر پر دیکھ رہا تھا لیکن پھر ہمارا ہیلی کاپٹر تباہ ہو گیا اور ہمارے آدمیوں کا کچھ پتا نہیں چلا۔ البتہ عمران کو یہاں دارالحکومت میں دیکھا گیا ہے جس کا مطلب ہے کہ عمران نہ صرف زندہ بچ گیا تھا بلکہ اس نے ہمارے آدمی بھی مار دیئے تھے اور ہمارا ہیلی کاپٹر بھی تباہ کر دیا تھا''...... زیرو ون نے مسلسل بولتے ہوئے کہا۔

''یعنی اس سلسلے میں ہماری مکمل ناکامی''...... ڈیتھ ماسٹر نے غصیلے لہجے میں کہا۔

''لیکن ہم جلد کامیابی حاصل کر لیں گے''...... زیرو ون نے مؤدبانہ لہجے میں کہا۔

''سرسلطان کے بارے میں کیا رپورٹ ہے''...... ڈیتھ ماسٹر نے پوچھا۔

''باس۔ وہ ٹس سے مس نہیں ہو رہا۔ میں نے اسے کئی بار دھمکی دی ہے لیکن وہ میری دھمکی پر توجہ نہیں دیتا کیونکہ اسے ڈاکٹر بلیک نے بھی دھمکی دی ہوئی ہے۔ پاکیشیائی حکومت اور سرسلطان ڈاکٹر بلیک کی دھمکی کی وجہ سے پریشان ہیں''...... زیرو ون نے کہا۔

''وہ یہ بات نہیں جانتے کہ ڈیتھ ماسٹر، ڈاکٹر بلیک سے زیادہ خطرناک اور ظالم ہے۔ تم سپیشل فون پر سرسلطان کا نمبر ملا کر فون مجھے دو''...... ڈیتھ ماسٹر نے کہا۔

''یس باس''...... زیرو ون نے مؤدبانہ لہجے میں کہا اور پھر اس نے اپنی جیب سے سیل فون نکالا اور سرسلطان کے نمبرز پریس کرنے لگا۔

''باس۔ بیل جا رہی ہے''...... دوسری طرف بیل جانے لگی تو زیرو ون نے سیٹ ڈیتھ ماسٹر کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ ڈیتھ ماسٹر نے اس سے سیٹ لے لیا۔

''یس سلطان اسپیکنگ''...... دوسری طرف سے کال رسیو ہونے

کے بعد سرسلطان کی آواز سنائی دی۔

''سرسلطان۔ میں تمہاری موت ڈیتھ ماسٹر بول رہا ہوں''۔ ڈیتھ ماسٹر نے پھنکارتے ہوئے کہا۔

''اب کیا کہنا ہے تم نے''...... دوسری طرف سے سرسلطان نے غصیلے لہجے میں کہا۔

''سرسلطان۔ تم فائل آئی ٹن اور اس کی، کی کوڈ فائل ہمارے حوالے کر دو اور بہتر یہی ہے کہ ہم سے رقم لے لو ورنہ فائل تو ہم حاصل کر ہی لیں گے لیکن تم اپنی جان سے جاؤ گے''...... ڈیتھ ماسٹر نے کہا۔

''تم لوگ نجانے کس ڈھیٹ مٹی سے بنے ہو۔ میں کتنی بار انکار کر چکا ہوں''...... سرسلطان نے کہا۔

''سرسلطان۔ اگر تم نے فائل نہ دی تو پھر موت کا جو وقت ڈاکٹر بلیک نے تمہیں دیا ہوا ہے میں اسی وقت پر تمہیں شکار کر لوں گا تاکہ دنیا والوں کو پتہ لگے کہ ڈیتھ ماسٹر، ڈاکٹر بلیک سے زیادہ خطرناک اور طاقتور ہے۔ میں تمہیں اس طرح قتل کروں گا سرسلطان کہ تمہاری گردن کاٹ لوں گا۔ بتا دینا اپنے ایکسٹو کو اور اپنے اعلیٰ حکام کو بھی کہ تمہاری گردن کٹی لاش کو دیکھیں تو سمجھ جائیں کہ تمہیں میں نے قتل کیا ہے۔ کہیں میرا کارنامہ تم لوگ ڈاکٹر بلیک کے کھاتے میں نہ ڈال دینا''...... ڈیتھ ماسٹر نے کہا اور پھر اس نے کال کاٹ دی۔

''سر سلطان ایسے آدمیوں میں سے ہے جو اپنا سر تو کٹا سکتے ہیں لیکن اپنی زبان نہیں کھول سکتے۔ لہٰذا میں نے اس کے ڈیتھ وارنٹ پر دستخط کر دیئے ہیں۔ اسے تم نے ٹھکانے لگانا ہے لیکن اس طرح کہ اس کا سر، دھڑ سے الگ کر دینا''...... ڈیتھ ماسٹر نے زیرو ون سے کہا۔

''او کے باس۔ آپ کے حکم کی حرف بہ حرف تعمیل ہو گی''۔ زیرو ون نے کہا۔

''زیرو ون۔ میں نے تمہیں جو ہدایات دی تھیں۔ تم نے ان سب پر عمل کیا ہے''...... ڈیتھ ماسٹر نے پوچھا۔

''یس باس۔ آپ کی ہدایات پر عمل ہو چکا ہے''...... زیرو ون نے مؤدبانہ لہجے میں کہا۔

''مجھے تفصیل سے بتاؤ کہ تم نے کیا کیا ہے''...... ڈیتھ ماسٹر نے تحکمانہ لہجے میں کہا۔

''یس باس۔ باس۔ ٹی سیون گرین بلڈنگ میں داخل ہونے میں کامیاب ہو گئی۔ اس نے جو ٹاپس پہنے ہوئے تھے۔ ان میں مائیکرو کیمرہ فٹ تھا۔ جس کی وجہ سے گرین بلڈنگ کی مکمل فلم ہمارے پاس بن گئی لیکن اب وہاں ریڈ کرنے کا کوئی فائدہ نہیں کیونکہ فائل آئی ٹن پاکیشیا سیکرٹ سروس کے ہیڈکوارٹر میں ہے۔ افسوس ہے کہ ٹی سیون کی قربانی ضائع گئی اس کے علاوہ آپ کی ہدایت کے مطابق پاکیشیا سیکرٹ سروس کے ممبر خاور کو اس انداز

میں گولیاں ماری گئی ہیں کہ اس کی موت واقع نہ ہو۔ پھر اسے کنگ روڈ پر پھینکوا دیا گیا ہے اور اس کی اطلاع عمران کے فلیٹ کے ٹیلی فون پر دے دی گئی ہے۔ امید ہے کہ خاور زندہ بچ گیا ہو گا''۔ زیرو ون نے کہا۔

''امید سے تمہاری کیا مراد ہے۔ کیا تم نے اس کے بالوں میں ہیئر ڈکٹا فون ایچ ڈی فٹ نہیں کیا تھا''...... ڈیتھ ماسٹر نے یکدم ہی غراتے ہوئے کہا۔

''فٹ کر دیا تھا باس۔ لیکن چونکہ ابھی خاور کو اٹھا کر کہیں لے جایا جا رہا تھا اس لئے میں آپ کو رپورٹ دینے آ گیا اور ویسے بھی باس۔ ایچ ڈی کی موجودگی میں جو باتیں ہوں گی وہ یہاں ریکارڈ بھی ہو جائیں گی''...... زیرو ون نے کانپتے ہوئے کہا۔

''دفع ہو جاؤ اور ایچ ڈی کا رسیور اٹھا کر لے آؤ۔ میں خود اس کارروائی کا رزلٹ دیکھنا چاہتا ہوں۔ تم خود کوئی کام صحیح نہیں کر سکتے۔ ہر کام کے لئے تمہیں ہدایت دینی پڑتی ہے''...... ڈیتھ ماسٹر نے غصیلے لہجے میں کہا۔

''یس باس۔ او کے باس''...... زیرو ون نے بوکھلائے ہوئے لہجے میں کہا اور پھر وہ الٹے قدموں بھاگ گیا۔ پھر جلد ہی وہ واپس آ گیا۔ اس کے ہاتھ میں ایک چھوٹے سے ریڈیو کے برابر مشین تھی۔ یہ ایچ ڈی کا رسیور تھا اور یہ رسیو ہونے والی آوازیں ریکارڈ بھی کر لیتا تھا۔ زیرو ون نے وہ رسیور ڈیتھ ماسٹر کے سامنے رکھا

اور پھر اس کا ایک بٹن بھی پریس کر دیا۔

''طاہر۔ ڈیتھ ماسٹر ایک عیار انسان ہے اور خاور کی جو حالت ہے مجھے خدشہ ہے کہ کہیں خاور نے انہیں دانش منزل کے بارے میں تفصیلات نہ بتا دی ہوں''...... ایچ ڈی رسیور سے آواز ابھری۔

''یہ کیسے ہو سکتا ہے عمران صاحب۔ خاور اپنی زبان نہیں کھول سکتا۔ یہ ناممکن ہے''...... ایک دوسری آواز سنائی دی۔

''طاہر۔ ڈیتھ ماسٹر صرف ہاتھ پاؤں چلانا ہی نہیں جانتا بلکہ وہ سائنس کی جدید ایجادات سے بھی استفادہ کرتا ہے۔ یہ ہو سکتا ہے کہ اس نے خاور کا مائنڈ چیک کیا ہو''۔عمران کی آواز سنائی دی۔

''جی ہاں۔ یہ ہو سکتا ہے''...... دوسرے آدمی کی آواز سنائی دی جسے عمران، طاہر کہہ کر مخاطب کر رہا تھا۔

''ڈیتھ ماسٹر اگر عیار ہے تو ہم اس کی عیاری اسی پر الٹ دیں گے۔ اس کی ایک ایجنٹ گرین بلڈنگ میں ماری گئی ہے اور اس کے ٹاپس سے مائیکرو کیمرہ اور مائیک برآمد ہوئے ہیں جس کا مطلب ہے کہ وہ ایجنٹ جتنی دیر وہاں رہی ہے اس کی فلم کہیں بنتی رہی ہے اور میجر نادر نے ایجنٹ کو بتا دیا ہے کہ فائل آئی ٹن پاکیشیا سیکرٹ سروس کے پاس ہے لہٰذا ڈیتھ ماسٹر اب گرین بلڈنگ کی طرف سے مطمئن ہو گیا ہو گا۔ اب وہ فائل کے حصول کے لئے دانش منزل پر ریڈ کر سکتا ہے لہٰذا تم آئی ٹن واپس گرین بلڈنگ کے ریکارڈ رومز میں بھجوا دو اور دانش منزل کے سیکورٹی انتظامات آن کر

دو۔ ہم نے ڈیتھ ماسٹر کا مشن نہ صرف ناکام بنانا ہے بلکہ اسے گرفتار بھی کرنا ہے''...... عمران کی آواز سنائی دی۔

''جی آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ میں آئی ٹن فائل واپس بھجوا دیتا ہوں اور عمران صاحب۔ خاور اب بہتر نظر آ رہا ہے۔ اسے دانش منزل سے اس کے فلیٹ میں شفٹ نہ کر دیں''...... دوسری آواز سنائی دی۔

''ہاں۔ اب یہ ہر قسم کے خطرے سے باہر ہے۔ میں کسی کو ہدایت کرتا ہوں کہ وہ دانش منزل کے میڈیکل روم سے اسے فلیٹ لے جائے''...... عمران کی آواز سنائی دی اور پھر قدموں کی آواز آنے لگی۔ ڈیتھ ماسٹر نے ہاتھ بڑھا کر ایچ ڈی رسیور کا بٹن پریس کر دیا اور پھر اس نے قہقہہ بلند کیا۔ خاور کو زندہ واپس بھجوانے کا اس کا مقصد پورا ہو چکا تھا۔ وہ چند لمحے کچھ سوچتا رہا پھر اس نے زیرو ون کو دیکھا۔

''زیرو ون۔ زیرو ٹو کو بھی بلا لو''...... ڈیتھ ماسٹر نے تحکمانہ لہجے میں کہا۔

''یس باس''...... زیرو ون نے مؤدبانہ لہجے میں کہا اور پھر اس نے جیب سے سیل فون نکالا اور زیرو ٹو کو باس کے کمرے میں پہنچنے کا حکم دیا۔ تھوڑی ہی دیر میں زیرو ٹو وہاں آ گیا۔ اس نے ڈیتھ ماسٹر کو سلام کیا اور زیرو ون کی طرح مؤدبانہ انداز میں ڈیتھ ماسٹر کے سامنے کھڑا ہو گیا۔

''مشن ہیں دو۔ اور یہ دونوں مشن ہم نے ایک ہی وقت میں مکمل کرنے ہیں۔ ایک مشن ہے سرسلطان کا خاتمہ اور دوسرا مشن ہے فائل آئی ٹن۔ پہلا مشن زیرو ون مکمل کرے گا جبکہ دوسرا مشن زیرو ٹو اور تنظیم کے دیگر ممبران میری قیادت میں مکمل کریں گے''۔ ڈیتھ ماسٹر نے کہا۔

''ہم تیار ہیں باس''۔ زیرو ون اور زیرو ٹو نے بیک آواز میں کہا

''زیرو ون کا یہ مشن اس کی زندگی کا سب سے بڑا چیلنج ہے کیونکہ سرسلطان کے خاتمے کا اعلان ڈاکٹر بلیک نے بھی کیا ہوا ہے اور میں چاہتا ہوں کہ زیرو ون اسی وقت پر یہ مشن مکمل کرے تاکہ ڈاکٹر بلیک اور پوری دنیا پر واضح ہو جائے کہ ہم ڈاکٹر بلیک سے زیادہ طاقتور اور خطرناک ہیں اس کے لئے میں نے نشانی مقرر کی ہے اور زیرو ون سرسلطان کا سرتن سے جدا کر دے گا اور اس مشن کو میں نے مشکل مشن اس لئے کہا ہے کہ ڈاکٹر بلیک کی دھمکی کی وجہ سے سرسلطان کی حفاظت کے غیر معمولی انتظامات کئے جا رہے ہیں''...... ڈیتھ ماسٹر نے طویل گفتگو کرتے ہوئے کہا۔

''باس۔ زیرو ون نے کبھی ناکامی کا منہ نہیں دیکھا۔ یہاں بھی انتظامات کیسے ہی کیوں نہ ہوں کامیابی ہمارے مقدر میں لکھی گئی ہے''...... زیرو ون نے بااعتماد لہجے میں کہا۔

''تم ٹھیک کہہ رہے ہو زیرو ون۔ ہم نے ہمیشہ کامیابیاں حاصل کی ہیں اور پاکیشیا میں بھی آخری کامیابی ہماری ہی ہے لیکن کامیابی

کبھی بھی اندھا دھند اقدام کرنے سے حاصل نہیں ہوتی۔ تم جانتے ہو کہ میں جو بھی قدم اٹھانے لگتا ہوں پہلے یہ دیکھ لیتا ہوں کہ یہ قدم اٹھانے سے ہمیں کیا کیا نقصانات ہو سکتے ہیں اور ان نقصانات سے کیسے بچنا ہے''...... ڈیتھ ماسٹر نے کہا۔

''باس۔ یہ آپ کی ذہانت اور قابلیت ہی ہے کہ ہم آج تک کسی بھی مشن میں ناکام نہیں ہوئے''...... زیرو ون نے خوشامدانہ لہجے میں کہا۔

''سرسلطان کی سیکورٹی کے لئے کیا پلان تیار کیا گیا ہے اس کی تفصیل ہمیں مل جائے گی۔ اس کی تفصیل کو دیکھنے کے بعد ہم پلاننگ کریں گے اور زیرو ون۔ میری پلاننگ ایسی ہو گی کہ تم باآسانی سرسلطان کو قتل کر سکو گے''...... ڈیتھ ماسٹر نے کہا۔

''یس باس۔ مجھے یقین ہے آپ نے آج تک جتنی بار بھی پلاننگ کی ہے بے داغ کی ہے۔ آپ کے دماغ کا مقابلہ کوئی نہیں کر سکتا''...... زیرو ون نے بدستور خوشامدانہ لہجے میں کہا۔

''اوکے۔ اب تم دونوں میرے سامنے بیٹھ جاؤ تاکہ ہم گرین بلڈنگ پر ایکشن کے لئے اپنی پلاننگ تیار کر لیں''...... ڈیتھ ماسٹر نے ان دونوں کو اپنے سامنے بیٹھنے کی اجازت دیتے ہوئے کہا تو وہ دونوں ڈیتھ ماسٹر کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کرسیوں پر بیٹھ گئے۔ مشن دونوں ہی مشکل تھے لیکن وہ مطمئن تھے کیونکہ انہیں یقین تھا کہ وہ یہ مشن مکمل کر لیں گے۔

زیرو ون کے سامنے ایک بڑی تصویر رکھی ہوئی تھی اور وہ اس تصویر کے مطابق میک اپ کر رہا تھا۔ اس میک اپ سے پہلے اس نے ایک اور میک اپ کیا تھا۔ یہ جدید ترین میک اپ تھے جو نہ تو کسی طرح واش ہوتے تھے اور نہ ہی انہیں کیمرہ چیک کر سکتا تھا۔ یہ تصویر اسے ڈیتھ ماسٹر نے مہیا کی تھی اور یہ تصویر سنٹرل پولیس کے آئی جی کی تھی۔ پلاننگ کے تحت زیرو ون کو آئی جی کے میک اپ میں خان ہاؤس جانا تھا کیونکہ سرسلطان کو خان ہاؤس میں رکھا گیا تھا اور خان ہاؤس کی سیکورٹی کے لئے حکومت پاکیشیا نے فول پروف انتظامات کئے تھے۔ ان انتظامات کی وجہ سے انسان تو انسان کسی چیونٹی کا بھی سرسلطان تک پہنچنا ممکن نہیں تھا۔ آرمی دستے، کمانڈوز، پاکیشیا سیکرٹ سروس کے ممبران، سنٹرل انٹیلی جنس اور دیگر ادارے بھی خان ہاؤس میں ڈیوٹی پر تعینات تھے۔ آئی جی سنٹرل پولیس کی بھی خان ہاؤس میں ڈیوٹی تھی اور ڈیتھ ماسٹر نے

زیرو ون کو اس کے میک اپ میں خان ہاؤس بھیجنے کی پلاننگ کی تھی۔ ڈیتھ ماسٹر کو خان ہاؤس کے سیکورٹی پلان کی تفصیلات معلوم ہو چکی تھیں اور اس نے ان تفصیلات کی روشنی میں اپنا پلان بنایا تھا اور زیرو ون کو ہدایات دی تھیں۔ جو پلاننگ انہوں نے کی تھی زیرو ون کو یقین تھا کہ وہ بغیر کسی وقت کے سرسلطان تک پہنچ جائے گا۔

ڈیتھ ماسٹر کو آئی جی کی ویڈیو بھی مل گئی تھی اور یہ ویڈیو زیرو ون نے درجنوں مرتبہ دیکھ لی تھی۔ اس نے آئی جی سنٹرل پولیس کی ایک ایک حرکت کا بغور مشاہدہ کیا تھا اور اب اسے خود پر اعتماد تھا کہ وہ آئی جی کا کردار بخوبی نبھا لے گا۔ وہ میک اپ سے فارغ ہوا تو ڈیتھ ماسٹر نے مطمئن انداز میں سر ہلایا۔

''کچھ ہی دیر میں ہمارے آدمی آئی جی کو اس کی گاڑی سمیت لے آئیں گے''...... ڈیتھ ماسٹر نے کہا۔

''یس باس''...... زیرو ون نے مؤدبانہ لہجے میں کہا۔

''سیکورٹی پلان ہمارے سامنے ہے اور ہم نے اس کے مطابق اپنا پلان بنانا ہے لیکن اگر گورنمنٹ نے اچانک کوئی تبدیلی کر دی تو اس تبدیلی کے بارے میں کرنل جبران تمہیں بتا دے گا اور تم اس کے مطابق اپنا لائحہ عمل تبدیل کر لینا۔ اس کے علاوہ بھی کرنل جبران تمہاری ہر ممکن مدد کرے گا''...... ڈیتھ ماسٹر نے اپنی باتوں کو دوہراتے ہوئے کہا۔

"یس باس۔ مجھے آپ کی تمام ہدایات یاد ہیں"...... زیرو ون نے مؤدبانہ لہجے میں کہا۔ اسی لمحے کمرے کا دروازہ کھلا اور ون سیون کمرے میں داخل ہوا۔ اس نے ڈیتھ ماسٹر اور زیرو ون کو سلام کیا۔

"لے آؤ ہو تم آئی جی کو"...... ڈیتھ ماسٹر نے ون سیون سے کرخت لہجے میں کہا۔

"یس باس۔ آئی جی اور اس کے محافظ یہاں پہنچ گئے ہیں۔ اس کے محافظوں کی جگہ ہمارے آدمی لے رہے ہیں۔ ہم نے آئی جی کی یونیفارم اتار لی ہے۔ زیرو ون ساتھ والے کمرے میں جا کر وہ یونیفارم پہن لیں۔ یونیفارم میں خان ہاؤس کا سپیشل انٹری کارڈ بھی موجود ہے"...... ون سیون نے کہا۔

"گڈ۔ ہمارے کام ٹھیک طریقے سے ہو رہے ہیں"...... ڈیتھ ماسٹر نے خوش ہوتے ہوئے کہا۔

"یس باس۔ آخر کامیابی نے قدم تو ہمارے ہی چومنے ہیں"۔ زیرو ون نے کہا۔

"تم فوراً یونیفارم پہنو اور روانہ ہو جاؤ۔ خان ہاؤس پہنچنے میں تمہیں تاخیر نہیں ہونی چاہئے اور ون سیون۔ تم یہ بتاؤ کہ آئی جی اور اس کے ساتھیوں کی کیا پوزیشن ہے"...... ڈیتھ ماسٹر نے تحکمانہ لہجے میں زیرو ون اور پھر ون سیون سے کہا۔

"باس۔ وہ لوگ بے ہوش ہیں"...... زیرو ون نے دروازے کی

طرف مڑتے ہوئے ون سیون کی آواز سنی۔

"او کے۔ انہیں اسی بے ہوشی کے عالم میں ملک عدم روانہ کر دو"...... زیرو ون نے ڈیتھ ماسٹر کی آواز سنی اور اس کے ساتھ ہی وہ کمرے سے باہر آ گیا۔ یونیفارم پہننے کے بعد وہ پارکنگ میں پہنچا تو وہاں ایک سرکاری جیپ کھڑی تھی۔ جیپ کے ساتھ ہی چار پولیس اہلکار بھی کھڑے تھے۔ زیرو ون جانتا تھا کہ یہ بھی اس کی تنظیم کے ممبرز ہیں۔ جیپ کے قریب پہنچنے پر ان چاروں نے اسے سلام کیا۔ وہ جیپ کی فرنٹ سیٹ پر بیٹھ گیا۔ ان چاروں میں سے ایک نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی جبکہ باقی تین پچھلی سیٹوں پر بیٹھ گئے۔ پھر جیپ سٹارٹ ہوئی اور کوٹھی سے نکل کر سڑک پر آ گئی۔ تقریباً دس منٹ کے بعد جیپ سنٹرل روڈ پر پہنچ گئی۔ اس روڈ پر خان ہاؤس تھا۔ اس روڈ پر ہر قسم کی ٹریفک کا داخلہ بند کر دیا گیا تھا۔ صرف ان سرکاری گاڑیوں کو اجازت تھی جو ان افسران کے استعمال میں تھیں جن کی ڈیوٹیاں خان ہاؤس پر لگی ہوئی تھیں۔ اس روڈ پر ہر سو گز کے بعد چوکی قائم کر دی گئی تھی جن پر آرمی اور پولیس کے جوان ڈیوٹی دے رہے تھے اور انہیں اختیارات دے دیئے گئے تھے کہ اگر کوئی زبردستی اس روڈ سے گزرنا چاہئے تو اسے وارننگ دیئے بغیر بم سے اڑا دیا جائے۔

آئی جی کی جیپ کی ونڈ سکرین پر ایک مخصوص سٹیکر لگا دیا گیا تھا۔ یہ سٹیکر حکومت کی جانب سے ان گاڑیوں پر لگائے گئے تھے

جنہیں خان ہاؤس تک جانے کی اجازت تھی۔ اس سٹیکر کے باوجود بھی پہلی چوکی پر جیپ کو روک لیا گیا۔ پولیس اور آرمی کے جوان جیپ کی طرف بڑھے۔ انہوں نے جیپ کو اور فرنٹ سیٹ پر بیٹھے ہوئے زیرو ون کو غور سے دیکھا۔

"سر۔ آپ سپیشل انٹری کارڈ دکھائیں"...... ایک فوجی نے اس سے قدرے نرم لہجے میں کہا۔ زیرو ون نے خاموشی سے سپیشل انٹری کارڈ نکالا اور اس کی طرف بڑھا دیا۔ فوجی نے غور سے کارڈ دیکھا اور پھر زیرو ون کو واپس کر دیا۔

"تھینک یو سر"...... فوجی نے پیچھے ہٹتے ہوئے کہا۔ اس کے پیچھے ہٹتے ہی دیگر جوان بھی پیچھے ہٹ گئے تو ڈرائیور نے جیپ آگے بڑھا دی۔ دوسری چوکی پر بھی جیپ کو روک لیا تھا لیکن یہاں انہیں صرف چند لمحے روکا گیا پھر انہیں آگے بڑھنے کا اشارہ کیا گیا۔ چوتھی چوکی پر پھر زیرو ون سے سپیشل انٹری کارڈ مانگا گیا اور اس کے بعد اسے آگے جانے کی اجازت ملی۔ ان تمام مراحل کے بارے میں پہلے ہی ڈیتھ ماسٹر نے اسے بتا دیا تھا اس لئے وہ مطمئن تھا۔ ان چوکیوں سے گزرتا ہوا وہ خان ہاؤس پہنچ گیا۔ خان ہاؤس سے پچاس قدم پہلے ہی جیپ روک لی گئی۔ یہاں سڑک پر ہر طرف فوجی ہی فوجی نظر آ رہے تھے۔

"سر۔ آپ کیبن میں آ جائیں۔ آپ کا عملہ یہاں سے واپس جائے گا۔ انہیں خان ہاؤس جانے کی اجازت نہیں ہے"۔ ایک

کیپٹن نے زیرو ون سے کہا۔

"آئی نو"...... اتنی دیر بعد زیرو ون نے پہلی مرتبہ زبان کھولی۔ اس کے ساتھی جیپ کو لے کر چلے گئے جبکہ زیرو ون کیبن میں آ گیا۔ جیسے ہی وہ کیبن میں داخل ہوا اس پر کئی قسم کی روشنی پڑی۔ پھر اس کا سپیشل انٹری کارڈ بھی چیک کیا گیا۔

"او کے سر۔ عاطف۔ تم سر کو گیٹ تک چھوڑ آؤ"...... کیپٹن نے پہلے زیرو ون سے کہا اور اس کے بعد اس نے ایک فوجی کو حکم دیا۔

"یس سر۔ آئیے سر"...... اس فوجی نے پہلے کیپٹن سے اور پھر زیرو ون سے کہا۔

زیرو ون اس فوجی کے ساتھ کیبن سے باہر آ گیا اور پھر وہ دونوں خان ہاؤس کی طرف بڑھنے لگے۔ خان ہاؤس کے گیٹ پر پہنچ کر ساتھ آنے والا فوجی واپس چلا گیا۔ وہ گیٹ کے قریب پہنچا تو اسے فلیش لائٹ کی روشنی میں سے گزرنا پڑا۔ یہاں بھی ہر طرف فوجی ہی فوجی تھے۔ یہاں اس سے ایک میجر نے سپیشل انٹری کارڈ طلب کیا اور پھر اسے اندر جانے کی اجازت ملی۔

آئی جی سنٹرل پولیس نے غیر ممالک سے کئی تربیتی کورس کئے ہوئے تھے۔ اس کی پروفیشنل لائف تعریفی اسناد سے بھری ہوئی تھی اس لئے اس کی خان ہاؤس میں ڈیوٹی لگائی گئی تھی۔ اس نے خان ہاؤس کے چند مخصوص حصوں میں گہری نظر رکھنی تھی۔ خان ہاؤس میں داخل ہونے کے بعد وہ ڈیوٹی کاؤنٹر کی طرف بڑھا۔ اس نے

ڈیوٹی کاؤنٹر پر اپنی آمد کے بارے میں بتایا۔ کاؤنٹر پر موجود فوجی نے رجسٹر پر اس کا اندراج کر لیا اور اس کے سینے پر ایک بیج لگا دیا۔ خان ہاؤس میں اس وقت سینکڑوں لوگ موجود تھے۔ زیادہ تعداد فوجیوں کی تھی۔ کمانڈوز بھی تھے۔ سنٹرل انٹیلی جنس کے اہلکار بھی موجود تھے۔ اس نے ایک دو افراد کالے لباس اور کالے نقاب میں بھی دیکھے تھے۔ یہ پاکیشیا سیکرٹ سروس کے ممبرز تھے۔ باقی محکموں کے ملازمین پر تو یہاں کچھ پابندیاں لگی ہوئی تھیں لیکن پاکیشیا سیکرٹ سروس کے ممبران پر کسی قسم کی پابندی نہیں تھی۔ وہ جس وقت چاہتے اور جسے چاہتے روک کر اس سے پوچھ گچھ کر سکتے تھے۔ بلڈنگ کے جس حصے میں چاہتے بلا روک ٹوک جا سکتے تھے۔ انہیں نہ کوئی روک سکتا تھا اور نہ ہی ان سے کوئی سوال و جواب کر سکتا تھا اور اسی وجہ سے انہوں نے یہ مخصوص لباس پہنا ہوا تھا۔ زیرو ون نے بھی یہی لباس پہننا تھا اور اسے یہ لباس کرنل جبران نے مہیا کرنا تھا۔

''ہیلو۔ آئی جی رندھاوا صاحب''...... زیرو ون اپنے اردگرد کا جائزہ لے رہا تھا کہ اسے اپنے عقب سے آواز سنائی دی۔ اس نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو اس کے پیچھے ایک شخص کھڑا تھا۔ اس شخص کے سینے پر ایک ٹیگ لگا ہوا تھا جس پر سنٹرل انٹیلی جنس آفیسر جبران لکھا ہوا تھا۔ دونوں نے مصافحہ کیا۔

''ممکن ہی نہیں کہ ڈیتھ لائن کا ماسٹر یہاں کامیاب ہو

جائے''...... آفیسر جبران نے زیرو ون سے کہا۔

''ریڈ نائٹ کا ڈاکٹر بلیک بھی منہ کی کھائے گا''...... زیرو ون نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ڈیتھ لائن اور ریڈ نائٹ ان کے لئے کوڈ ورڈ تھے اور دونوں نے یہ کوڈ ورڈ ادا کر کے ایک دوسرے کو کنفرم کیا تھا۔

''آیئے۔ انتظامات کا جائزہ لیتے ہیں''...... آفیسر جبران نے کہا اور پھر وہ دونوں ایک طرف بڑھے۔ وہ کچھ دیر تک خان ہاؤس کے مختلف حصوں میں گھومتے رہے۔ پھر زیرو ون نے ریسٹ واچ پر نظر ڈالی۔ گیارہ بج کر دس منٹ ہو چکے تھے۔

''ایکسکیوزمی۔ مجھے واش روم جانا ہے''...... زیرو ون نے کہا۔

''سکس نمبر۔ اوکے اس طرف واش رومز ہیں''...... آفیسر جبران نے سکس نمبر دھیمی آواز میں اور باقی فقرہ اپنی معمول کی آواز میں کہا۔

''تھینک یو''...... زیرو ون نے آفیسر جبران کا شکریہ ادا کیا اور پھر وہ واش رومز کی طرف بڑھا۔ واش رومز ایک قطار میں تھے۔ وہ چھٹے واش روم میں داخل ہو گیا۔ واش روم میں داخل ہو کر اس نے دروازہ بند کیا اور سیدھا واٹر ٹینک کی طرف بڑھا۔ اس نے واٹر ٹینک کا ڈھکن اٹھایا۔ اس واٹر ٹینک میں ایک شاپنگ بیگ رکھا ہوا تھا۔ شاپنگ بیگ مکمل طور پر سیلڈ تھا۔ اس نے شاپنگ بیگ چاک کیا تو اس میں سے ایک کالا لبادہ، کالا نقاب، ایک کاغذ، ایک کٹر،

ایک ٹیپ، ایک خنجر اور ایک مشین پسٹل برآمد ہوئے۔ زیرو ون نے لبادہ پہنا اور نقاب چہرے پر لگایا۔ یہ ویسا ہی لبادہ اور نقاب تھا جیسے پاکیشیا سیکرٹ سروس کے ممبران نے پہنا ہوا تھا۔ لبادہ اور نقاب پہننے کے بعد زیرو ون نے کٹر، ٹیپ، خنجر اور مشین پسٹل جیب میں رکھے اور کاغذ کھول کر پڑھنے لگا۔ کاغذ میں یہ درج تھا کہ اس وقت سرسلطان کہاں ہیں۔ کاغذ پر نقشہ بھی بنا ہوا تھا۔ سرسلطان اس وقت ایک تہہ خانے میں تھے۔ تہہ خانے کا راستہ کس کمرے سے جاتا تھا اور تہہ خانہ کیسے کھلتا تھا یہ بھی کاغذ میں درج تھا۔ زیرو ون نے وہ کاغذ پڑھ کر اس کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کئے اور وہ ٹکڑے فلش میں ڈال کر پانی چلا دیا۔ اب وہ اپنے ایکشن کے لئے مکمل طور پر تیار تھا۔ وہ واش روم سے باہر نکل آیا۔ اب وہ چونکہ سیکرٹ سروس کے مخصوص لباس میں تھا۔ اس لئے اب اسے کوئی روک ٹوک نہیں سکتا تھا۔ وہ نقشے کے مطابق ایک مخصوص حصے کی طرف بڑھا۔ سرسلطان کے کمرے تک پہنچنے کے لئے اس کے پاس صرف ڈیڑھ منٹ تھا کیونکہ ڈیڑھ منٹ کے بعد دس سیکنڈ کے لئے بجلی نے آف ہونا تھا اور اس نے انہی دس سیکنڈوں میں سرسلطان کے کمرے میں داخل ہونا تھا۔

زیرو ون، سرسلطان کی موت کی صورت میں ان کے کمرے کی طرف بڑھ رہا تھا لیکن وہاں موجود افراد نہیں جانتے تھے کہ یہ سرسلطان کی موت ہے۔ وہاں ہر طرف سیکورٹی ایجنسیاں، فوجی اور

کمانڈوز موجود تھے اور زیرو ون نہایت اطمینان سے ان کے درمیان سے گزر رہا تھا۔ ڈیڑھ منٹ پورا ہونے میں ابھی آٹھ دس سیکنڈ باقی تھے کہ وہ اس کمرے کے عقب میں پہنچ گیا جو کمرہ سرسلطان کا تھا۔ یہاں بھی اردگرد کئی لوگ موجود تھے جو انتہائی چوکس تھے۔ زیرو ون وہاں کھڑے ہو کر اردگرد کا جائزہ لینے لگا۔ ابھی وہ جائزہ لے ہی رہا تھا کہ ماحول پر یکا یک تاریکی چھا گئی۔ زیرو ون اسی تاریکی کے انتظار میں تھا۔ جیسے ہی لائٹ آف ہوئی وہ بجلی کی سی تیزی سے کھڑکی کی طرف بڑھا۔ اس نے کھڑکی پر جھک کر شیشے پر ایک جگہ ٹیپ چپکائی اور اس نے گلاس کٹر شیشے پر پھیرا اور شیشے کو انگوٹھے سے دبایا تو شیشے کا چوکور حصہ کٹ کر لٹکنے لگا۔ زیرو ون نے ہاتھ اندر ڈال کر چٹخنی کھولی اور اگلے سیکنڈ میں وہ کمرے کے اندر تھا۔ اس ساری کارروائی میں اسے بمشکل پانچ سیکنڈ لگے تھے۔

اندر کمرے میں باہر سے بھی زیادہ اندھیرا تھا۔ وہ کمرے کا جائزہ لے رہا تھا اور ساتھ ہی اس نے جیب میں بھی ہاتھ ڈالا کہ اچانک جھماکا ہوا اور کمرہ روشن ہو گیا۔ ان کی پلاننگ کے مطابق لائٹ نے دس سیکنڈ کے لئے آف ہونا تھا اور یہ کام آفیسر جبران نے کرنا تھا۔ کمرہ یکدم روشن ہوا تو زیرو ون کی آنکھیں چندھیا گئیں لیکن چونکہ زیرو ون کے پاس زیادہ وقت نہیں تھا اس لئے اس نے فوراً ہی خود کو سنبھالا اور پھر تیزی سے دروازے کی طرف بڑھا۔ دروازے کے قریب دائیں جانب دیوار پر سرسلطان کی تصویر

لگی ہوئی تھی۔ زیرو ون نے وہ تصویر اتار کر بیڈ کی طرف اچھال دی۔ پھر اس نے اس کیل کو دبایا جس پر سرسلطان کی تصویر کا فریم لگا ہوا تھا۔ ایک کے بعد دوسری اور پھر تیسری بار اس نے کیل دبایا تو بائیں دیوار میں ایک خلا پیدا ہو گیا۔ زیرو ون تیزی سے خلا کی طرف بڑھا۔ خلا کی دوسری جانب سیڑھیاں تھیں جو نیچے جا رہی تھیں۔ زیرو ون سیڑھیاں اترنے لگا۔ سیڑھیاں اترتے ہوئے اس نے جیب سے مشین پسٹل نکال لیا۔ وہ انتہائی تیزی سے لیکن احتیاط سے سیڑھیاں اتر رہا تھا۔ اس کے سیڑھیاں اترنے سے آواز بھی پیدا نہیں ہو رہی تھی۔ پھر جیسے ہی وہ سیڑھیاں اتر کر تہہ خانے میں پہنچا وہ چونک پڑا کیونکہ سرسلطان اس کے سامنے کھڑے تھے۔ ان کی آنکھوں میں نفرت کے تاثرات تھے اور ان کے ہاتھ میں ریوالور تھا جس کا رخ زیرو ون کی طرف تھا۔ زیرو ون کو دیکھتے ہی سرسلطان نے ٹریگر دبا دیا۔ ان کے ریوالور پر چونکہ سائیلنسر فٹ تھا اس لئے گولی چلنے کا دھماکا تو نہیں ہوا البتہ شعلہ زیرو ون کی طرف بڑھا لیکن زیرو ون سرسلطان کی انگلی کی حرکت پر ہی بجلی کی سی تیزی سے نیچے بیٹھ گیا۔ گولی زیرو ون کے اوپر سے گزر گئی۔ پھر زیرو ون نے سرسلطان کو فائر کرنے کا دوسرا موقع نہ دیا۔ اس نے مشین پسٹل کا رخ سرسلطان کی طرف کر کے ٹریگر دبا دیا۔ گولی ان کی پسلی توڑتی ہوئی ان کے دل میں جا لگی تھی۔ ان کے حلق سے چیخ بلند ہوئی۔ ریوالور ان کے ہاتھ سے گر گیا اور ساتھ ہی وہ بھی

فرش پر گرتے چلے گئے۔ سرسلطان کو فرش پر گرتے دیکھ کر زیرو ون تیزی سے ان کی طرف بڑھا۔ اب اس کے ہاتھ میں خنجر اور آنکھوں میں وحشت نظر آ رہی تھی۔ وہ تڑپتے ہوئے سرسلطان کے سینے پر سوار ہو گیا۔ اس نے اپنا گھٹنا اس طرح سرسلطان کے سینے پر رکھا کہ سرسلطان کا جسم تڑپ بھی نہیں سکتا تھا۔ پھر زیرو ون نے اپنا خالی ہاتھ سرسلطان کے سر پر رکھا اور خنجر سرسلطان کی گردن پر چلانے لگا۔ اس کا انداز انتہائی وحشیانہ تھا۔ گردن پر خنجر چلتے ہی سرسلطان کی شہ رگ کٹ گئی اور گردن سے خون کا فوارہ ابل پڑا۔ خون سے زیرو ون کے ہاتھ اور کالا لبادہ رنگین ہو گئے لیکن زیرو ون نے اس کی پرواہ نہ کی۔ اس نے شہ رگ کٹنے پر ہی بس نہ کی بلکہ وہ مردہ سرسلطان کی گردن پر تیز تیز خنجر چلانے لگا۔ اس کا انداز وحشت، بربریت اور جنونیت لئے ہوئے تھا۔ ایسا لگ رہا تھا کہ زیرو ون اپنی کسی پرانی دشمنی کی آگ میں پاگل ہو گیا ہے۔ چند ہی لمحوں میں اس نے سرسلطان کا سرتن سے جدا کر دیا۔ پھر وہ سرسلطان کے جسم سے نیچے اترا۔ اس نے سرسلطان کا بریدہ سر بالوں سے پکڑا اور اٹھ کھڑا ہوا۔ اٹھنے کے بعد اس نے سرسلطان کے سر کو ایک طرف اچھال دیا اور پھر خود سیڑھیوں کی طرف بڑھا لیکن ابھی وہ سیڑھیوں کے قریب بھی نہیں پہنچا تھا کہ سیڑھیوں میں چار آدمی دکھائی دیئے۔ پھر اس سے پہلے کہ زیرو ون سنبھلتا چار مشین گنوں سے شعلے نکلے۔ تہہ خانہ دھماکوں سے تھرتھرا اٹھا۔

درجنوں گولیاں زیرو ون کے سینے، منہ اور سر میں گھس گئیں۔ اس کی چیخ بلند ہوئی اور وہ زمین پر گر کر تڑپنے لگا۔ تہہ خانے میں آنے والے مسلح افراد نے زیرو ون کا خاتمہ تو کر دیا تھا لیکن وہ انتہائی بد حواس اور بوکھلائے ہوئے تھے۔ انہوں نے سرسلطان کا سربریدہ بدن دیکھ لیا تھا اور اب ان کی نظروں کے سامنے خون ہی خون تھا۔ پاکیشیا کے بازاروں، گلیوں میں بہتا ہوا خون، ڈاکٹر بلیک یہاں بھی کامیاب ہو گیا تھا۔

عمران آپریشن روم میں داخل ہوا تو بلیک زیرو حسب معمول اپنی کرسی سے کھڑا ہو گیا۔

''کیا ہوا عمران صاحب''...... جب وہ دونوں اپنی اپنی کرسیوں پر بیٹھ چکے تو بلیک زیرو نے پوچھا۔

''ہوتا وہی ہے جو اللہ تعالیٰ کو منظور ہوتا ہے''...... عمران نے سنجیدہ لہجے میں کہا۔

''کک۔ کک۔ کیا مطلب عمران صاحب''...... بلیک زیرو نے یکدم ہی پریشان ہو کر پوچھا۔

''بیٹا ہو تو لوگ خوش ہوتے ہیں اور بیٹی ہو جائے تو لوگ دکھی ہو جاتے ہیں۔ حالانکہ بیٹا ہو یا بیٹی۔ اللہ تعالیٰ کی مرضی سے ہوتے ہیں''...... عمران نے بدستور سنجیدہ لہجے میں کہا تو بلیک زیرو نے اس طرح سانس لیا جیسے غبارے سے ہوا نکل رہی ہو۔

''عمران صاحب۔ میں ڈیتھ ماسٹر کے بارے میں پوچھ رہا

ہوں۔ آپ کا اندازہ تھا کہ ڈیتھ ماسٹر عین اس وقت گرین بلڈنگ پر حملہ کرے گا جو وقت ڈاکٹر بلیک نے سر سلطان کی موت کا دیا ہے اور ڈیتھ ماسٹر نے بھی اسی وقت پر سر سلطان کو قتل کی دھمکی دی ہوئی تھی اور آپ نصف ممبران کو لے کر گرین بلڈنگ گئے ہوئے تھے اور اب وہیں سے واپس آ رہے ہیں''...... بلیک زیرو نے کہا۔

''خاور کے بالوں میں ایچ ڈی فٹ کرنے سے تو اس کا مقصد یہی تھا کہ وہ ہماری گفتگو سن سکے اور ہم نے اس کی یہ چال اسی پر پلٹ دی وہ بیچارہ سمجھا کہ ہم نے فائل آئی ٹن دوبارہ سیکرٹ ریکارڈ رومز میں رکھ دی ہے۔ لہٰذا اس نے اس فائل کے حصول کے لئے گرین بلڈنگ پر دھاوا بولا اور بیچارہ پوری تنظیم سمیت ختم ہو گیا''...... عمران نے مسکراتے ہوئے کہا تو بلیک زیرو کے چہرے پر بھی مسکراہٹ آ گئی۔ اسی وقت ٹیلی فون کی گھنٹی بجنے لگی۔

''کال رسیو کرو''...... عمران نے بلیک زیرو سے کہا تو اس نے ہاتھ بڑھا کر رسیور اٹھا لیا۔

''ایکسٹو''...... بلیک زیرو نے رسیور کان سے لگاتے ہوئے ایکسٹو کے مخصوص لہجے میں کہا۔

''سر۔ میں ملٹری سیکرٹری ٹو پریذیڈنٹ بول رہا ہوں۔ سر سلطان صاحب کا مرڈر ہو گیا ہے۔ پورا ملک غم کے سیلاب میں ڈوب چکا ہے۔ صدر مملکت نے فوری اجلاس بلایا ہے۔ آپ سے گزارش ہے کہ آپ اجلاس میں شریک ہوں''...... دوسری طرف سے صدر

مملکت کے ملٹری سیکرٹری کی مؤدبانہ آواز سنائی دی۔ بلیک زیرو نے عمران کی طرف دیکھا تو عمران نے اثبات کے انداز میں سر ہلا دیا۔

''اوکے۔ میں پہنچ رہا ہوں''...... بلیک زیرو نے سرد لہجے میں کہا اور پھر اس نے رسیور رکھ دیا۔

''میں ایکسٹو بنتا ہوں۔ تم متعلقہ سامان گاڑی میں رکھ دو''۔ عمران نے سنجیدہ لہجے میں بلیک زیرو سے کہا اور پھر وہ وارڈ روب میں آ گیا۔ جہاں ایکسٹو کا مخصوص کالا لباس اور کالا نقاب موجود تھا۔ کیونکہ میک اپ انڈسٹری نے بہت ترقی کر لی تھی۔ اب اصل چہرہ کے لئے نقاب کی ضرورت نہیں تھی۔ دنیا بھر کے سیکرٹ ایجنٹ اور بڑے مجرم میک اپ سے اپنے اصل چہرے کو چھپاتے تھے لیکن یہ لباس ایکسٹو کی شخصیت کا حصہ تھا۔ اس لباس میں رعب و دبدبہ تھا، ہیبت تھی۔ اس لباس کی وجہ سے لوگ ایکسٹو سے دہشت زدہ ہو جاتے تھے۔

بڑے بڑے سرکاری آفیسر، ایکسٹو سے بات نہیں کر سکتے تھے اس لئے عمران نے بحیثیت ایکسٹو یہ لباس ترک نہیں کیا تھا اور نہ ہی وہ کبھی اس لباس کو ترک کرنا چاہتا تھا۔ عمران نے ایکسٹو کا مخصوص لباس پہنا اور پھر وہ گیراج میں آ گیا۔ جہاں ایکسٹو کی مخصوص گاڑی موجود تھی۔ وہ گاڑی میں بیٹھا اور گاڑی سڑک پر آ گئی۔ سڑکوں پر افراتفری پھیلی ہوئی تھی۔ رات کا وقت تھا لیکن

سڑکوں پر دن سے بھی زیادہ رش تھا۔ کئی لوگ حکومت کے خلاف ہو گئے تھے اور وہ حکومت کے خلاف نعرے بازی کر رہے تھے۔ ان کا مطالبہ تھا کہ جس طرح روسیاہ نے ڈاکٹر بلیک کو اپنا حکمران بنا دیا ہے اسی طرح پاکیشیا بھی حکومت ڈاکٹر بلیک کے حوالے کر دے۔ ٹی وی چینلز کی سیٹلائٹ گاڑیاں ان مناظر کو کوریج دے رہی تھیں۔ وہ دکھا رہے تھے کہ لوگ کس قدر خوفزدہ ہو گئے ہیں اور چیخ و پکار کر رہے ہیں۔ عمران یہ مناظر دیکھتا ہوا خان ہاؤس کی طرف بڑھ رہا تھا۔ اسے ایک سڑک پر بچوں کا جلوس بھی نظر آیا۔ بچوں نے پلے کارڈ اٹھا رکھے تھے۔ جن پر مختلف تحریریں درج تھیں۔

”ہمیں جینے دو“۔

”ہم مرنا نہیں چاہتے“۔

”حکومت ڈاکٹر بلیک کے حوالے کر دو“۔

”ہمارا کیا قصور ہے۔ ہمیں کیوں قتل کیا جا رہا ہے“۔

عمران اس جلوس کو دیکھتا ہوا آگے بڑھتا چلا گیا۔ کچھ آگے نوجوانوں کا ایک جلوس تھا۔ انہیں نے بھی پلے کارڈ اٹھا رکھے تھے اور وہ پرجوش نعرے لگا رہے تھے۔

”پاکیشیا زندہ باد۔ ڈاکٹر بلیک مردہ باد“۔

”ہم مر جائیں گے لیکن پاکیشیا کو ڈاکٹر بلیک کے حوالے نہیں کریں گے“۔

”خونی ڈاکٹر بلیک۔ ہائے۔ ہائے“۔

عمران جانتا تھا کہ اس وقت لوگ دو حصوں میں تقسیم ہو گئے ہیں۔ ایک گروہ کا کہنا تھا کہ ہم مرتے ہیں تو مرنے دو لیکن اپنا وطن ڈاکٹر بلیک کے حوالے نہیں ہونا چاہئے لیکن دوسرا گروہ کہتا تھا کہ کروڑوں جانیں بچائی جائیں اور ڈاکٹر بلیک کی بات مان لی جائے۔ عمران کی گاڑی مختلف شاہراہوں سے گزرتی ہوئی پریذیڈنٹ آفس پہنچ گئی۔ عمران نے گاڑی کانفرنس ہال کے گیٹ کے سامنے روکی۔ کانفرنس ہال تک صرف ایکسٹو کی گاڑی ہی آتی تھی۔ باقی تمام گاڑیاں پارکنگ میں کھڑی کی جاتی تھیں۔ انہیں آگے آنے کی اجازت نہیں تھی۔

عمران گاڑی سے ایک باکس کے ساتھ نیچے اترا تو فوجیوں کے بوٹوں کی زور دار دھمک سنائی دی جبکہ وہ کانفرنس ہال کے گیٹ پر پہنچ گیا۔ گیٹ پر متعین فوجی افسر نے اسے سیلوٹ کیا اور پھر اس نے عمران کے لئے گیٹ کھول دیا۔ عمران کانفرنس ہال میں داخل ہوا تو صدر مملکت سمیت تمام لوگ اس کے استقبال کے لئے کھڑے ہو گئے۔ عمران باوقار انداز میں چلتا ہوا اپنی مخصوص کرسی تک پہنچا اور پھر وہ کرسی پر بیٹھ گیا۔ اس کے بیٹھنے کے بعد دیگر شرکاء بھی اپنی اپنی کرسیوں پر بیٹھ گئے۔ عمران نے ان سب کے چہروں کو دیکھا۔ ان سب کے چہرے اترے ہوئے تھے اور آنکھوں میں خوف تھا۔

”جناب ایکسٹو۔ یہ کیا ہو گیا ہے۔ تمام تر انتظامات کے باوجود

ڈاکٹر بلیک کامیاب ہو گیا ہے۔ اب ہمارے ملک کا انجام بھی ایکریمیا اور باچان جیسا ہو گا''...... صدر مملکت نے تمام آداب کو بالائے طاق رکھتے ہوئے پریشان لہجے میں کہا۔ ملک انتہائی نازک موڑ پر کھڑا تھا اس لئے انہوں نے آداب کو نظر انداز کر دیا تھا۔ اس وقت وہ خود کو ایک عام شہری سمجھ رہے تھے۔

''حوصلہ رکھیں جناب۔ انشاء اللہ کچھ نہیں ہو گا''...... عمران نے ایکسٹو کی آواز میں باوقار اور با اعتماد لہجے میں کہا تو ہال میں موجود تمام افراد نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔ ملک تباہی کے دہانے پر کھڑا تھا اور ایکسٹو کہہ رہا تھا کہ کچھ نہیں ہو گا جبکہ ایکریمیا اور باچان کی تباہی وہ اپنی آنکھوں سے دیکھ چکے تھے۔ روسیاہ ڈاکٹر بلیک کی طاقت کے سامنے سرنگوں ہو گیا تھا اس لئے وہ تباہی سے بچ گیا تھا۔ اب اگر وہ روسیاہ کی تقلید کرتے تھے تو بچ سکتے تھے لیکن دوسری صورت میں صرف تباہی اور بربادی تھی لیکن ایکسٹو کہہ رہا تھا کہ حوصلہ رکھیں۔ یہ ایکسٹو اب انہیں بہلا رہا تھا۔ سرسلطان کو تو یہ بچا نہیں سکا تھا۔

اب پاکیشیا کو کیسے تباہ ہونے سے بچا سکتا تھا۔ کئی افراد کے ذہنوں میں یہ باتیں آئیں لیکن فوراً ہی انہوں نے خیالات کو اپنے ذہنوں سے کھرچ ڈالا اور خوفزدہ نظروں سے ایکسٹو کی طرف دیکھا کیونکہ وہ جانتے تھے کہ ایکسٹو ذہن پڑھ لیتا ہے لیکن اب ایکسٹو ان کی طرف متوجہ نہیں تھا بلکہ اپنے ساتھ لایا ہوا باکس کھول رہا تھا

جو اس نے اپنے سامنے والی ٹیبل پر رکھ دیا تھا۔ باکس کھول کر اس نے اس میں سے ایک چھوٹا سا ٹی وی سیٹ نکال کر ٹیبل پر رکھا اور پھر اس نے ٹی وی سیٹ آن کر دیا۔ ٹی وی پر نیوز چینل چل رہا تھا اور پاکیشیا میں ہونے والی افراتفری کو براہ راست دکھا رہا تھا۔ ایکسٹو چند لمحے تو یہ دیکھتا رہا پھر اس نے ٹی وی کا ایریل باہر نکالا اور ٹی وی کے مختلف بٹن دبانے لگا۔ ساتھ ہی اس نے باکس سے ایک ہیڈ فون نکال کر ٹی وی سے منسلک کر دیا۔ ہیڈ فون ٹی وی سے منسلک کرنے کے بعد ایکسٹو نے اپنی مخصوص آواز میں کہا۔

''ہیلو۔ ایکسٹو فرام پاکیشیا۔ ڈاکٹر بلیک۔ میں تم سے بات کرنا چاہتا ہوں۔ کیا تم میری بات سن رہے ہو''...... ایکسٹو نے کہا تو اس کی آواز ٹی وی سے بھی سنائی دینے لگی۔ ایکسٹو نے تین چار بار یہ الفاظ دہرائے۔ ہال میں موجود تمام لوگ ایکسٹو کی اس کارروائی کو حیرت سے دیکھ رہے تھے پھر اچانک ہی ٹی وی سکرین پر کھوپڑی اور ہڈیاں نمودار ہو گئیں۔ ٹی وی کی نشریات رک گئیں۔

''یس مسٹر ایکسٹو۔ میں نہ صرف تمہاری آواز سن رہا ہوں بلکہ ہال میں جتنے بھی لوگ ہیں میں انہیں دیکھ بھی رہا ہوں اور اگر میں چاہوں تو اس وقت ہال کو اڑا کر تم سب کا خاتمہ کر دوں''...... ڈاکٹر بلیک کی غراتی ہوئی آواز سنائی دی تو ہال میں موجود تمام افراد کے چہرے سفید پڑ گئے۔ انہیں اپنی موت سامنے ہی دکھائی دینے لگی۔ ان میں سے اکثر یہ سوچنے لگے کہ کاش وہ کوئی بہانہ کر دیتے اور

اس میٹنگ میں نہ آتے۔

''میں جانتا ہوں ڈاکٹر بلیک کہ تم ایسا نہیں کر سکتے''...... ایکسٹو نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

''سنو مسٹر ایکسٹو۔ ایسا ہو گا اور ضرور ہو گا۔ تم اگر میری غلامی میں آ بھی جاؤ تو تب بھی پاکیشیا کی تباہی لازمی ہے کیونکہ تمہارے آفاق آفندی نے مجھے چیلنج کیا تھا۔ اس نے دعویٰ کیا تھا کہ ایکسٹو سر سلطان کو بچالے گا لیکن تم سر سلطان کو نہیں بچا پائے۔ سر سلطان موت کی اندھیری وادی میں اتر گیا ہے اور اس کی موت کی خبر سنتے ہی میں نے پاکیشیا میں نصب ایٹم بم کی ٹائمنگ آن کر دی ہے اور یہ سزا ہے اس گستاخی کی جو آفاق آفندی نے میرے ساتھ کی۔ اب اگر تم اجلاس میں فیصلہ کر بھی لیتے ہو کہ تم حکومت میرے حوالے کر رہے ہو تو تب بھی تمہیں کوئی فائدہ نہیں ہوگا کیونکہ میں جب اپنے نصب کئے ہوئے ٹائم بموں کی ٹائمنگ آن کر دیتا ہوں تو پھر میں یہاں سے انہیں آف بھی نہیں کر سکتا۔ اب تم لوگ چلاؤ، شور مچاؤ، گڑگڑاؤ، التجائیں کرو، معافیاں مانگو، تمہیں کچھ حاصل نہیں ہو گا۔ تمہارے حصے میں صرف تباہی و بربادی ہی آئے گی''...... ڈاکٹر بلیک کی سرد آواز سنائی دی۔ اس کی بات سن کر ہال میں بیٹھے ہوئے کئی افراد کی چیخیں نکل گئیں اور خوف سے ان کے چہرے بگڑ گئے۔

ان کا تو خیال تھا کہ وہ روسیاہ کی طرح ڈاکٹر بلیک کو اپنا حکمران

بنا لیں گے اور اس تباہی سے بچ جائیں گے لیکن ڈاکٹر بلیک نے ان کی تمام امیدوں پر پانی پھیر دیا تھا۔ ایکسٹو اور ڈاکٹر بلیک کے درمیان ہونے والی باتیں ساری دنیا کے ٹی وی چینلز پر براہ راست دکھائی جا رہی تھیں اس لئے ڈاکٹر بلیک کی بات سن کر دنیا میں تشویش کی لہر دوڑ گئی۔ سب کو یقین ہو گیا کہ اب پاکیشیا تباہی سے نہیں بچ سکتا۔ پاکیشیا میں آناً فاناً خوف کے سیاہ بادل چھا گئے۔ ہر طرف سسکیوں اور آہوں کا طوفان آ گیا۔ عورتوں نے فوراً ہی اپنے بچوں کو اپنے سینے سے لگایا اور دھاڑیں مار مار کر رونے لگیں۔ لاکھ کوشش کے باوجود صدر مملکت بھی اپنے جذبات پر قابو نہ پا سکے اور ان کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے لیکن اچانک ہی ساری دنیا چونک پڑی۔ لوگوں کو اپنی سماعت پر یقین نہ آیا۔ یکدم گہرا سکوت طاری ہو گیا اور لوگوں نے غور سے ٹی وی سکرین کی طرف دیکھا۔

''ڈاکٹر بلیک۔ تم ناکام ہو چکے ہو۔ تمہارے منصوبے خاک میں مل گئے ہیں۔ ڈاکٹر بلیک ایک بار پھر سن لو اور کان کھول کر سن لو کہ تم ذلیل خوار ہو گئے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے سر سلطان نہ صرف زندہ ہیں بلکہ مکمل طور پر صحت مند و توانا ہیں''۔ ایکسٹو کی تیز آواز سنائی دے رہی تھی اور لوگوں کے منہ کھلے کے کھلے رہ گئے تھے۔ ہال میں بیٹھے ہوئے لوگ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر ایکسٹو کو دیکھ رہے تھے۔ یہ بالکل انہونی بات تھی لیکن اس انہونی بات نے ان کے اندر خوشی کی لہریں دوڑا دی تھیں۔ اب جو چیخیں

ہال میں گونجی تھیں وہ خوشی کی تھیں۔ ان کے زرد چہرے یکدم ہی کھل اٹھے تھے۔ ایکسٹو کے الفاظ امرت بن کر ان کے کانوں میں رس گھول گئے تھے۔

''تم جھوٹ بولتے ہو۔ یہ ممکن نہیں ہے''...... ڈاکٹر بلیک کی چیختی ہوئی آواز سنائی دی۔

''نہیں ڈاکٹر بلیک۔ ہمیں جھوٹ بولنے کی ضرورت نہیں ہے۔ ڈاکٹر بلیک تم تکبر میں ابلیس سے آگے نکل گئے۔ تم نے فرعونیت کو پیچھے چھوڑ دیا۔ تم نے وحشت اور بربریت کی حدود کو بھی کراس کر لیا۔ تم نے کروڑوں معصوم اور بے گناہ لوگوں کا خون بہایا۔ تمہارا حساب تو ہونا تھا۔ ڈاکٹر بلیک اور تمہارا یہ حساب پاکیشیا میں ہو گا۔ کیا تم اپنے وعدہ کے مطابق خود کو حکومت پاکیشیا کے حوالے کرو گے یا اپنے وعدے سے پھر جاؤ گے''...... ایکسٹو نے سرد لہجے میں کہا۔

''میں اپنے وعدے سے منحرف نہیں ہوں گا مسٹر ایکسٹو۔ اگر تم نے سرسلطان کے زندہ ہونے کا ثبوت دے دیا تو میں خود کو اور اپنی تنظیم کو تمہارے حوالے کر دوں گا لیکن اتنا سن لو کہ اگر تم ثابت نہ کر سکے تو اب پاکیشیا کے ایک دو شہر نہیں بلکہ پورا پاکیشیا اڑا دوں گا۔ پاکیشیا میں موجود ایک آدمی بھی زندہ نہیں بچے گا''...... ڈاکٹر بلیک نے غراتے ہوئے کہا۔

''ڈاکٹر بلیک۔ مجھے تمہاری بات منظور ہے''...... ایکسٹو نے ٹھوس

لہجے میں کہا۔

''پیش کرو سرسلطان کو''...... ڈاکٹر بلیک نے کہا تو ایکسٹو نے جیب میں ہاتھ ڈال کر سیل فون نکال لیا۔ پھر ایکسٹو نے سیل فون پر نمبر پریس کئے اور سیٹ کان سے لگا لیا۔

''یس۔ کم''...... ایکسٹو نے مختصر سے لفظ کہے پھر اس نے کال کاٹ کر سیٹ واپس جیب میں رکھ لیا۔ اس کے ساتھ ہی ہال میں گہرا سناٹا چھا گیا۔ وہاں موجود لوگ تو ویسے بھی ایکسٹو کے سامنے بول نہیں سکتے تھے اور اب تو حالات ایسے تھے کہ ان کی زبانیں گنگ ہو کر رہ گئی تھیں۔ اس وقت وہاں اتنی خاموشی تھی کہ اگر وہاں سوئی بھی گرتی تو اس کی آواز بھی سب کو سنائی دیتی۔ تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ ہال کا دروازہ کھلا اور تین آدمی ہال میں داخل ہوئے۔ ان تینوں نے ایک صندوق اٹھایا ہوا تھا۔ انہوں نے وہ صندوق ایکسٹو کے سامنے موجود ٹیبل پر رکھ دیا اور اس کے بعد وہ ہال سے نکل گئے۔ ایکسٹو نے صندوق کا ڈھکن کھولا۔ لوگ چونکہ ٹیبل سے نیچے بیٹھے ہوئے تھے اس لئے انہیں صندوق میں براہ راست تو کچھ نظر نہ آیا لیکن ٹی وی سکرین پر صندوق کا اندرونی حصہ نظر آ گیا۔ اندرونی حصے کو دیکھ کر ہال میں پھر کئی چیخیں ابھریں کیونکہ صندوق میں ایک سربریدہ لاش پڑی ہوئی تھی۔ بدن کے ساتھ سر الگ پڑا ہوا تھا۔ ایکسٹو نے وہ سر اٹھا لیا۔ وہ سرسلطان کا تھا۔

''ڈاکٹر بلیک۔ اس سر کو دیکھ رہے ہو''...... ایکسٹو نے سرد لہجے میں اور بلند آواز میں کہا۔

''ہاں۔ میں اس سر کو دیکھ رہا ہوں۔ یہ سر سلطان کا سر ہے''۔ ٹی وی سے ڈاکٹر بلیک کی آواز آئی۔

''تو پھر تم تیار ہو جاؤ کیونکہ تم نے اپنی عقل پر ماتم کرنا ہے اور اپنے تجربے پر لعنت بھیجنی ہے''...... ایکسٹو نے طنزیہ لہجے میں کہا اور اس نے کٹے ہوئے سر کے کانوں کے نیچے انگلیاں پھیریں اور پھر ناخنوں سے اس کی جلد کو نوچنے لگا۔ جلد ہی ایک جھلی ایکسٹو کے ناخنوں میں آ گئی اور وہ اس جھلی کو کھینچنے لگا۔ تھوڑی ہی دیر بعد لوگ یکدم اچھل پڑے کیونکہ اب ان کے سامنے کٹا ہوا سر، سر سلطان کا نہیں بلکہ کسی اور کا تھا۔

''نہیں۔ نہیں۔ یہ نہیں ہو سکتا۔ قطعاً نہیں ہو سکتا۔ تم مجھے دھوکا دے رہے ہو''...... ڈاکٹر بلیک نے چیختے ہوئے کہا۔

''نہیں ڈاکٹر بلیک۔ تمہیں دھوکا نہیں دیا جا رہا۔ تم شکست کھا چکے ہو۔ ہم تمہیں مزید ثبوت بھی دیں گے۔ سر سلطان زندہ ہیں اور جو لاش تم دیکھ رہے ہو وہ ایک ایسے مجرم کی ہے جسے کل پھانسی کی سزا ملنے والی تھی۔ اسے اس ڈرامے کے لئے تیار کیا گیا تھا کہ اگر اس نے حملہ آور کو گولی مار کر ہلاک کر دیا تو اس کی پھانسی کی سزا معاف کر دی جائے گی اور اگر حملہ آور اسے مارنے میں کامیاب ہو گیا تو پھانسی کی سزا اسے ویسے ہی ہونی ہے۔ اس ڈرامے کا حصہ

بن کر اس نے ملک و قوم کی خدمت بھی کرنی ہے اور زندہ بچنے کا چانس بھی ہے اور اس چانس کی وجہ سے اس قیدی نے یہ کردار ادا کرنے کی حامی بھری اور اس نے کردار خوب نبھایا اور تم نے دیکھ لیا کہ پاکیشیا نے تمہیں کس طرح خاک میں ملا دیا ہے''...... ایکسٹو نے مسلسل بولتے ہوئے کہا۔

''تم میرے ساتھ دھوکا کر رہے ہو۔ میں ابھی اس لاش کی چیکنگ کر لیتا ہوں۔ میرے پاس اتنی طاقت ہے کہ میں یہاں بیٹھ کر اس لاش کو چیک کر سکتا ہوں''...... ڈاکٹر بلیک نے اب بھی یقین نہ آنے والے لہجے میں کہا۔ پھر چند سیکنڈوں کے بعد اچانک ہی نیلے رنگ کی روشنی عین لاش کے اوپر نمودار ہو گئی۔ لاش اور بریدہ سر تقریباً پندرہ سیکنڈ تک اس نیلی روشنی میں ڈوبے رہے۔ پھر روشنی غائب ہو گئی۔

''ہونہہ۔ یہ حقیقت ہے کہ یہ لاش سر سلطان کی نہیں ہے''۔ ڈاکٹر بلیک کی بڑبڑاہٹ سنائی دی۔

''ڈاکٹر بلیک۔ مجھے بھی معلوم ہے کہ تم نے نہ ایکریمیا اور باچان کی شخصیات کو مارا ہے اور نہ ہی ہمارے اس آدمی کو۔ اور نہ ہی انہیں مارنے کی تم نے کوششیں کی ہیں''...... ایکسٹو نے کہا۔

''تمہیں کیسے معلوم ہوا''...... ڈاکٹر بلیک کی حیرت زدہ آواز سنائی۔

''ڈاکٹر بلیک۔ یقیناً تمہیں سکتہ ہو گیا ہے۔ مزید سنو کہ تمہارا

اصل نام جونی وارگل ہے اور تم افریقی ہو''...... ایکسٹو نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

''اوہ۔ اوہ۔ تم انسان نہیں ہو شیطان ہو۔ تم میرے بارے میں سب کچھ جانتے ہو''...... کچھ دیر تک تو ڈاکٹر بلیک کی طرف سے خاموش رہی۔ پھر اس کی حیرت میں ڈوبی ہوئی آواز سنائی دی۔

''میں شیطان نہیں ہوں ڈاکٹر بلیک۔ اللہ کا شکر ہے کہ میں انسان ہوں۔ مسلمان ہوں''...... ایکسٹو نے کہا۔

''دنیا میں اربوں انسان رہتے ہیں۔ کوئی بھی میرے بارے میں نہیں جانتا۔ یہاں تک کہ میری تنظیم کے ممبرز بھی میری اصلیت سے ناواقف ہیں لیکن تم سب جانتے ہو۔ کیسے''...... ڈاکٹر بلیک نے چیختے ہوئے کہا۔

''میں تمہارا شاگرد ہوں ڈاکٹر بلیک۔ تم کچھ عرصہ گریٹ لینڈ کی ایک یونیورسٹی میں پروفیسر رہے ہو اور یاد کرو کہ ان دنوں تم نے ایک لیکچر کے دوران کہا تھا کہ تم ایک انوکھی ایجاد پر کام کر رہے ہو اور اس انوکھی ایجاد کو تم نے فیوچر مشین کا نام دیا تھا۔ پھر تم نے ایک دن بتایا کہ تم نے فیوچر مشین بنا لی ہے اور اس میں تم نے اپنے ایک شاگرد کی موت کا منظر دیکھا ہے۔ تمہارا وہ شاگرد تمہاری دی ہوئی تاریخ اور وقت کے مطابق مر گیا اور تم نے اس دن کے بعد یونیورسٹی چھوڑ دی اور غائب ہو گئے۔ غائب ہونے کے بعد یقیناً تم نے اپنی تنظیم ریڈ نائٹ کی بنیاد رکھی اور ساری دنیا پر حکمرانی

کے خواب دیکھے اور ایک طویل عرصہ تک اپنے اس خواب کی تعبیر پانے کی کوشش کرتے رہے''...... ایکسٹو نے تیز لہجے میں کہا۔

''تم جیت گئے ہو مسٹر ایکسٹو اور مجھے شکست فاش ہوئی ہے۔ دراصل میرے ذہن میں سوال ابھرا تھا کہ انسان علم کے ذریعے یہ جان لیتا ہے کہ سورج گرہن اور چاند گرہن کب کب ہوں گے۔ مشین کے ذریعے وہ یہ معلوم کر لیتا ہے کہ ماں کی کوکھ میں پلنے والا بچہ لڑکی ہے یا لڑکا۔ تو پھر اسے مستقبل قریب میں ہونے والے واقعات کا علم بھی ہو سکتا ہے۔ اس پر میں نے فیوچر مشین بنائی اور اسے سو فیصد درست جان لیا۔ حالانکہ انسانی علم ناقص ہے۔ اسی طرح انسان کی بنائی ہوئی چیزوں میں خامیاں بھی موجود ہیں۔ فیوچر مشین نے مستقبل قریب میں ہونے والی اموات تو دکھائیں لیکن یہ نہیں بتایا کہ مرنے والا میک اپ میں ہے۔ میں ان مرنے والے افراد کو دیکھتا تھا کہ اگر دنیا کی کوئی معروف شخصیت سامنے آ جاتی تھی تو میں اس کو نوٹ کر لیتا تھا لیکن گاڈ واقعی عظیم ہے۔ انسان اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا کہ انسان تو تنکے سے بھی زیادہ حقیر ہے۔

میں نے انسانی تاریخ پڑھی ہوئی تھی۔ مجھے علم تھا کہ گاڈ نے نمرود کو کیسے مارا۔ فرعون کا کیا انجام ہوا لیکن میں یہ سب باتیں بھول گیا۔ میں نے بھی فرعون بنا چاہا۔ مسٹر ایکسٹو۔ تم سر سلطان کو دکھا دو۔ اس کے بعد میں اپنے عہد کے مطابق خود کو اور اپنی تنظیم کو

حکومت پاکیشیا کے حوالے کر دوں گا''...... ڈاکٹر بلیک نے مسلسل بولتے ہوئے کہا۔

''ڈاکٹر جونی وارگل۔ ایکسٹو اپنے تمام اساتذہ میں سے سب سے زیادہ تمہاری عزت کرتا تھا کیونکہ تم ذہانت اور قابلیت میں سب سے آگے تھے۔ میں تو تمہاری سلامتی کے لئے دعائیں مانگتا تھا لیکن افسوس کہ تم نے انسانیت کی فلاح کی بجائے انسانیت کی تباہی کے راستے کو اپنا لیا۔ کروڑوں معصوم اور بے گناہ لوگوں کو قتل کر دیا۔ تم اگر انسانیت کی بہتری کے لئے کام کرتے تو اس دنیا کو جنت کی طرح بنا دیتے۔ ڈاکٹر بلیک اگر تم نے ایک دو قتل کئے ہوتے تو تمہیں شاید معاف کر دیا جاتا لیکن تم معافی کے قابل نہیں ہو''۔ ایکسٹو نے کہا۔

''میں جانتا ہوں کہ میں معافی کے قابل نہیں ہوں۔ میں تو کسی کی معمولی سی غلطی پر بھی موت کی سزا دے دیا کرتا ہوں۔ کروڑوں انسانوں کو قتل کر کے میں خود کو کیسے معافی کے قابل سمجھ سکتا ہوں۔ پاکیشیا میرے بارے میں جو فیصلہ کرے گا مجھے منظور ہو گا کیونکہ میں نے یہ عہد کیا تھا اور میں اپنا عہد کبھی توڑ نہیں سکتا۔ تم مجھے سرسلطان دکھاؤ تا کہ میں اپنا وعدہ پورا کروں اور خود کو تمہارے حوالے کر دوں''...... ڈاکٹر بلیک نے سنجیدہ لہجے میں کہا تو ایکسٹو نے ایک بار پھر سیل فون نکالا اور نمبرز پریس کر کے سیٹ کان سے لگا لیا۔

''یس کم''...... ایکسٹو نے مختصراً کہا اور پھر کال منقطع کر کے سیٹ جیب میں رکھ لیا۔

نصف منٹ بعد کانفرنس ہال کا دروازہ کھلا اور سرسلطان ہال میں داخل ہوئے۔ ان کے چہرے پر مسکراہٹ تھی۔ انہیں دیکھ کر ہال میں موجود تمام افراد اپنی کرسیوں سے کھڑے ہو گئے۔ خود صدر مملکت بھی مسکراتے ہوئے کھڑے ہو گئے۔ ہال میں صرف ایک شخصیت ایسی تھی جو کھڑی نہیں ہوئی تھی اور وہ شخصیت تھی ایکسٹو کی۔ ہال میں موجود افراد نے ان کے لئے تالیاں بجائیں۔ انہوں نے ہاتھ ہلا ہلا کر سب کی تالیوں کا جواب دیا اور پھر صدر مملکت کو سلام کرتے ہوئے ایک خالی کرسی کی طرف بڑھے اور کرسی پر بیٹھ گئے۔ جیسے ہی وہ کرسی پر بیٹھے نیلی روشنی آبشار کی مانند ان پر گرنے لگی۔ یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ روشنی کے اس سیلاب میں ڈوب گئے ہوں۔ سرسلطان پر نیلی روشنی پڑتے دیکھ کر کوئی بھی پریشان نہیں ہوا تھا کیونکہ وہ سمجھ گئے تھے کہ ڈاکٹر بلیک سرسلطان کو چیک کر رہا ہے۔ تقریباً نصف منٹ کے بعد نیلی روشنی یکا یک ختم ہو گئی۔

''اوکے۔ میں نے سرسلطان کی چیکنگ کر لی ہے۔ یہ سرسلطان ہی ہیں۔ اب میں پاکیشیا کا قیدی ہوں۔ میں دو گھنٹوں میں پاکیشیا کے دارالحکومت کے گریٹ پارک میں اپنے ساتھیوں کے ساتھ پہنچ رہا ہوں جہاں میں گرفتاری دوں گا۔ دنیا بھر کو یاد رہے کہ ڈاکٹر

بلیک مر تو سکتا ہے لیکن اپنے وعدے سے نہیں پھر سکتا''...... ڈاکٹر بلیک کی پرعزم آواز سنائی دی۔

''ڈاکٹر بلیک۔ ان ایٹم بموں کا کیا بنے گا جو تم نے پاکیشیا میں نصب کئے ہیں''...... صدر مملکت نے پوچھا۔

''میں نے پاکیشیا میں ایک ہی ایٹم بم نصب کیا ہے لیکن یہ اتنا طاقتور ہے کہ پاکیشیا کے تین چار شہروں کو تباہ کر سکتا ہے۔ اس ایٹم بم کا رابطہ میرے ہیڈکوارٹر سے منقطع ہو چکا ہے۔ اب اس سے صرف اسی صورت میں بچا جا سکتا ہے کہ اس کے پاس پہنچ کر اس کا نظام معطل کر دیا جائے اور وہ نظام بھی صرف میں ہی معطل کر سکتا ہوں۔ میں آ رہا ہوں اور آ کر ایٹم بم کو ناکارہ کرتا ہوں''...... ڈاکٹر بلیک کی آواز سنائی دی اور اس کے ساتھ ہی سکرین پر جھماکا ہوا اور سکرین سے کھوپڑی اور ہڈیاں غائب ہو گئیں۔

ہال میں موجود افراد فوراً ہی اٹھے اور ایک دوسرے کو مبارک باد دینے لگے اور ایک دوسرے سے گلے ملنے لگے۔ صدر مملکت نے ایکسٹو کو بھی مبارک باد دی۔ ان کا دل چاہتا تھا کہ اس موقع پر تمام پروٹوکول کو ایک طرف رکھتے ہوئے ایکسٹو سے گلے لگ جائیں لیکن ایکسٹو کی شخصیت ایسی تھی کہ وہ اپنی اس خواہش کو پورا نہیں کر سکے۔ ہال میں ایکسٹو زندہ باد کے نعرے لگ رہے تھے۔ صرف اس ہال میں ہی نہیں بلکہ پورا پاکیشیا ایکسٹو زندہ باد کے نعروں سے گونج رہا تھا۔ دنیا بھر کے ٹی وی چینلز یہ مناظر براہ راست دکھا رہے

تھے۔ دنیا بھر کی سیکرٹ ایجنسیاں اور سیکرٹ ایجنٹس ایکسٹو پر رشک کر رہے تھے۔ ایکریمی اور باچانی حکمران سوچ رہے تھے کہ کاش ایکسٹو ان کے ملک میں ہوتا تو ان کا ملک بھی تباہی سے بچ جاتا۔ روسیاہی بھی شرمندہ تھے کہ وہ ڈاکٹر بلیک کو شکست نہیں دے سکے اور اس کا غلام بننا انہوں نے منظور کر لیا۔ اب تاریخ میں وہ ایک غلام قوم کی حیثیت سے یاد رکھے جاتے۔

ہال میں عید کا سا سماں تھا۔ سر سلطان نے سر عبدالرحمٰن کو گلے لگایا اور پرجوش لہجے میں انہیں مبارک باد دی۔ سر عبدالرحمٰن یہی سمجھ رہے تھے کہ پاکیشیا کے تباہی سے بچ جانے کی خوشی میں سر سلطان انہیں مبارک باد دے رہے ہیں حالانکہ سر سلطان تو انہیں اس بات کی مبارک باد دے رہے تھے کہ ان کے بیٹے نے اتنا عظیم کارنامہ سر انجام دیا تھا کہ تاریخ میں جس کی مثال ملنا ممکن نہیں تھا۔ سر عبدالرحمٰن نہیں جانتے تھے کہ جس بیٹے کو وہ نالائق، آوارہ اور نکما سمجھتے ہیں وہی ایکسٹو ہے جس کی پوری دنیا عزت کرتی ہے اور جس کی دبدبے سے دہشت زدہ رہتی ہے۔

''مسٹر ایکسٹو۔ آپ نے سر سلطان کی حفاظت کے لئے ان کے میک اپ میں کسی اور کو آگے لانے کا پلان کیسے بنایا۔ یہ تو بالکل انوکھا طریقہ تھا''...... صدر مملکت نے کہا۔

''جناب صدر۔ میں نے سابقہ شخصیات کی اموات پر غور کیا تو یہ بات واضح طور پر محسوس ہوئی کہ ان شخصیات کے مرنے میں مجرم

کا کوئی ہاتھ نہیں۔ مجرم کی طرف سے کوشش تک نہیں کی گئی تھی۔ یہ بہت ہی انوکھی بات تھی۔ میں نے اس پر پہلے ہی غور کیا لیکن عقدہ حل نہیں ہو رہا تھا کہ یہ اموات کیسے ہوئیں۔ پھر میں نے ڈاکٹر بلیک کی آواز کو سنا۔ کئی بار سنا تو مجھے محسوس ہوا کہ یہ آواز میں نے کہیں سنی ہوئی ہے۔ پھر میں یہی سوچتا رہا کہ یہ آواز میں نے کہاں سنی ہے تو اچانک مجھے اپنا زمانہ طالب علمی یاد آ گیا جب میں گریٹ لینڈ کی ایک یونیورسٹی میں پڑھ رہا تھا۔ پھر جیسے ہی مجھے یاد آیا کہ یہ آواز پروفیسر جونی وارگل کی ہے تو تمام حقیقت میرے سامنے آ گئی۔ میں جان گیا کہ جونی وارگل عرف ڈاکٹر بلیک نے ان شخصیات کی موت کے منظر اپنی فیوچر مشین پر دیکھے ہیں اور مشین سے تو غلطی ہو سکتی ہے۔ اس نے فیوچر میں سر سلطان کی شکل کے کسی آدمی کا منظر ریسیو کر لیا ہو گا۔ سو میں نے ایک قیدی کو تیار کیا اور یہ پلان مرتب کیا"۔ ایکسٹو نے جواب دیا اور پھر خاموش ہو گیا۔

"سر۔ میرا خیال ہے کہ اب ہمیں گریٹ پارک میں چلنا چاہئے کیونکہ ڈاکٹر بلیک نے گریٹ پارک میں آنا ہے"...... وزیر قانون نے مؤدبانہ لہجے میں صدر مملکت سے کہا۔

"جناب صدر۔ مجھے صرف دس منٹ دیئے جائیں تا کہ میں گریٹ پارک میں انتظامات کرا لوں"...... ہوم منسٹر نے بھی مؤدبانہ لہجے میں کہا تو صدر مملکت نے اسے اجازت دے دی۔ ہوم منسٹر

فوراً ہی ہال سے باہر چلا گیا۔ اس کے باہر جانے کے دس منٹ بعد ایکسٹو اپنی سیٹ سے اٹھا اور وہ بھی ہال سے باہر نکل آیا۔ اس کے پیچھے باقی افراد بھی اٹھے اور پھر ایک بڑا قافلہ گریٹ پارک پہنچ گیا۔ گریٹ پارک میں اعلیٰ شخصیات کے لئے کرسیاں لگا دی گئی تھیں اور اس سے کچھ فاصلے پر خار دار تار بھی لگا دی گئی تھی کیونکہ لوگوں کی ایک بڑی تعداد بھی گریٹ پارک پہنچ رہی تھی۔ فوج کے کئی دستوں نے پورے پارک کو اپنے گھیرے میں لے لیا تھا۔ خار دار تاروں کے قریب بھی فوجی تعینات کر دیئے گئے تھے تا کہ لوگ اسے کراس نہ کریں۔ پارک میں پہلے ہی کئی جگہوں پر ٹی وی سیٹ نصب تھے۔ ان ٹی وی سیٹوں پر پاکیشیا کے ہی مناظر دکھائے جا رہے تھے۔ ملک بھر میں عید کا سماں تھا۔ کچھ دیر پہلے جو چہرے زرد اور دہشت زدہ دکھائی دے رہے تھے اب وہ چہرے کھلے ہوئے تھے اور ان چہروں پر خوشیوں کے پھول کھلے ہوئے تھے۔ لوگ ٹی وی دیکھنے کے ساتھ ساتھ باتیں بھی کر رہے تھے کہ فضا میں گڑگڑاہٹ کی آواز سنائی دی۔ یہ ہیلی کاپٹرز کی آوازیں تھیں جلد ہی بڑے بڑے دو ہیلی کاپٹرز دکھائی دیئے۔ ڈاکٹر بلیک اپنے وعدے کے مطابق پہنچ گیا تھا۔ وہاں موجود لوگوں میں جوش و خروش پیدا ہو گیا۔ نیلے رنگ کے عجیب و غریب ساخت کے ہیلی کاپٹرز زمین پر اترے تو ایک فوجی دستے نے انہیں گھیرے میں لے لیا۔ پھر ہیلی کاپٹرز کے دروازے کھلے اور ان میں سے تقریباً پچیس کے

قریب آدمی نیچے اترے۔ چوبیس آدمی ماتحت لگ رہے تھے جبکہ ایک آدمی کی شخصیت رعب دار تھی۔ عمران نے اسے پہچان بھی لیا۔ وہ جونی وار گل تھا۔ اس کا استاد اور اب ڈاکٹر بلیک۔ ڈاکٹر بلیک اپنے آدمیوں کے آگے آگے چلتا ہوا سٹیج تک آ گیا۔ ایکسٹو اور صدر مملکت کے قریب پہنچ کر اس نے اپنے دونوں بازو آگے بڑھا دیئے۔

''ڈاکٹر بلیک گرفتاری کے لئے حاضر ہو گیا ہے مسٹر ایکسٹو۔ ڈاکٹر بلیک نے اپنا وعدہ پورا کر دیا ہے۔ اس کی تنظیم کے رکن بھی حاضر ہیں۔ کچھ پیچھے آ رہے ہیں اور جو نہ آئے وہ خود ہی ختم ہو جائیں گے۔ یوں میرا وعدہ پورا ہو جائے گا۔ اپنی ناکامی کی صورت میں، میں نے ریڈ نائٹ کو نیست و نابود کرنے کا وعدہ کیا تھا''۔ ڈاکٹر بلیک نے سپاٹ لہجے میں کہا۔ سر عبدالرحمن ہتھکڑی لے کر اس کے قریب کھڑے تھے اور اس انتظار میں تھے کہ صدر صاحب حکم دیں تو وہ انہیں اپنے ہاتھوں سے ہتھکڑی پہنائیں۔ سوپر فیاض اور ان کے چند اور ماتحت ان کے پیچھے کھڑے تھے۔

''ڈاکٹر بلیک۔ پہلے اس ایٹم بم کا کچھ کرو''...... صدر مملکت نے تیز لہجے میں کہا۔ ڈاکٹر بلیک نے جواب دینے کے لئے منہ کھولا ہی تھا کہ فضا میں ایک بار پھر گڑگڑاہٹ ہوئی اور ایک اور ہیلی کاپٹر دکھائی دیا۔ پھر وہ ہیلی کاپٹر بھی نیچے اتر آیا۔ اس ہیلی کاپٹر میں سے صرف ایک آدمی نیچے اترا۔

''باس''...... اس آدمی نے زور سے کہا اور ڈاکٹر بلیک کی طرف دوڑا۔ ڈاکٹر بلیک اس کی طرف دیکھنے لگا۔ کوئی بھی اس کے عزائم سے واقف نہیں تھا۔ سب اس کی طرف غور سے دیکھ رہے تھے۔ کسی نے اسے روکنے کی کوشش بھی نہیں کی کیونکہ وہ ڈاکٹر بلیک کا ساتھی تھا۔ پھر اچانک ہی ایکسٹو اپنی سیٹ سے اٹھا اور اس کی تیز آواز سنائی دی۔

''اسے روکو۔ اسے پکڑو''...... ایکسٹو نے چیخ کر کہا اور پھر اس سے پہلے کہ فوجی اس کی طرف بڑھتے۔ فضا ایک خوفناک دھماکے سے گونج اٹھی یہ دھماکا ریوالور کا تھا۔

ڈاکٹر بلیک نے بٹن دبا کر مشین آف کر دی۔ اس کے چہرے پر سنجیدگی چھائی ہوئی تھی جبکہ آنکھیں اداس اور غم میں ڈوبی ہوئی تھیں۔ وہ اپنے سپیشل روم سے اٹھ کر اپنے آفس میں آ گیا۔ وہ کافی تھکا تھکا سا دکھائی دے رہا تھا۔ وہ اپنی کرسی پر جیسے ڈھے سا گیا۔ چند منٹوں تک تو وہ کرسی پر بے حس و حرکت پڑا رہا پھر وہ سیدھا ہوا اور اس نے انٹرکام کا رسیور اٹھا کر نمبر پریس کیا۔

''رچی۔ میرے کمرے میں آؤ''...... اس نے رسیور کان سے لگاتے ہوئے سخت لہجے میں کہا اور پھر رچی کا جواب سنے بغیر اس نے رسیور واپس کریڈل پر رکھ دیا۔ ایک منٹ بعد کمرے کا دروازہ کھلا اور رچی کمرے میں داخل ہوا۔ اس نے مؤدبانہ انداز میں سلام کیا۔

''رچی۔ تم نے ایکسٹو اور میرے درمیان ہونے والی گفتگو سن لی ہے''...... ڈاکٹر بلیک نے پوچھا۔

''یس باس''...... رچی نے مؤدبانہ لہجے میں کہا۔

''رچی۔ میں ہار گیا ہوں۔ آج ڈاکٹر بلیک ہار گیا ہے''۔ ڈاکٹر بلیک نے رندھی ہوئی آواز میں کہا۔

''نو باس۔ آپ ناقابل شکست ہیں۔ آپ کبھی نہیں ہار سکتے''۔ رچی نے سپاٹ لہجے میں کہا۔

''کیا مطلب ہے تمہارا''...... ڈاکٹر بلیک نے چونکتے ہوئے پوچھا۔

''باس۔ آپ گریٹ پارک کو ہی اڑا دیں بلکہ گریٹ پارک ہی کیا۔ آپ پورے پاکیشیا کو اڑا دیں اور دنیا کو بتا دیں کہ آپ ناقابل شکست ہیں۔ پوری دنیا کو ہر حال میں آپ کے سامنے جھکنا ہے۔ آپ طاقتور ہیں اور ازل سے یہ دنیا طاقتوروں کے سامنے جھکتی چلی آئی ہے''...... رچی نے سنجیدہ لہجے میں کہا۔ اگلے ہی لمحے ڈاکٹر بلیک کا ہاتھ گھوما۔ چٹاخ کی آواز سے کمرہ گونج اٹھا۔ ڈاکٹر بلیک کی آنکھوں سے چنگاریاں سی نکلنے لگیں۔ رچی کے منہ پر ڈاکٹر بلیک کا ہاتھ اتنا سخت پڑا تھا کہ وہ لڑکھڑا کر ایک قدم پیچھے ہٹ گیا تھا۔

''رچی۔ یہ بات تم بھی اچھی طرح جانتے ہو کہ میں نے اپنے اصول اور وعدے پر اپنے حقیقی بیٹے کو قربان کر دیا تھا۔ اولاد جو والدین کو اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز ہوتی ہے۔ اگر میں اپنے بیٹے کو اپنے اصولوں پر قربان کر سکتا ہوں تو خود کو، تمہیں اور اس

تنظیم کو بھی قربان کر سکتا ہوں۔ میرے لئے انسانوں کی کوئی اہمیت نہیں۔ انسان میرے لئے کیڑے مکوڑے ہیں اور اس کا عملی ثبوت میں دے چکا ہوں۔ میں نے کروڑوں انسانوں کو اس طرح لمحوں میں مارا ہے کہ اس طرح مچھروں، مکھیوں کو بھی نہیں مارا جاتا لیکن میرے اصول اور میرے وعدے۔ میرے لئے انسانوں سے زیادہ قیمتی ہیں۔ میں خود کو حکومت پاکیشیا کے حوالے کر رہا ہوں''۔ ڈاکٹر بلیک نے غصیلے لہجے میں کہا۔

''باس۔ میں تو تنظیم کی اور آپ کی بھلائی کے لئے''...... رچی کی بات مکمل نہیں ہوئی تھی کہ ڈاکٹر بلیک دھاڑا۔

''بکواس بند کرو رچی۔ میں غلط مشورہ دینے والوں کو بھی عبرت کا نشان بنا دیا کرتا ہوں''...... ڈاکٹر بلیک نے گرج دار آواز میں کہا۔ پھر اس نے مائیک اٹھایا اور اپنے سامنے رکھی مشین کا بٹن پریس کر دیا۔

''تمام ممبران ہال میں پہنچ جائیں''...... ڈاکٹر بلیک نے تحکمانہ لہجے میں کہا اور پھر اس نے مائیک رکھا اور ایک بار پھر اس نے بٹن پریس کر دیا۔

''تم بھی ہال میں جا کر بیٹھو''...... ڈاکٹر بلیک نے کرخت لہجے میں رچی سے کہا۔

''اوکے باس''...... رچی نے مؤدبانہ لہجے میں کہا اور پھر وہ کمرے سے باہر نکلتا چلا گیا جبکہ ڈاکٹر بلیک ایک بار پھر اپنے سپیشل

روم میں آ گیا۔ جس میں مشینیں ہی مشینیں تھیں۔ وہ کچھ دیر تک اس کمرے میں موجود رہا اور پھر خود بھی ہال میں پہنچ گیا۔ جہاں تمام ممبران پہنچ چکے تھے۔ ڈاکٹر بلیک ہال میں داخل ہوا تو سب احتراماً کھڑے ہو گئے۔ ڈاکٹر بلیک اپنی کرسی پر جا کر بیٹھا اور پھر اس نے دوسروں کو بھی بیٹھنے کا حکم دیا۔ اس نے ہال میں بیٹھے ہوئے تمام افراد کا جائزہ لیا۔ ہال میں اس وقت تقریباً ستر کے قریب آدمی بیٹھے ہوئے تھے۔

''تمام لوگوں نے دیکھ لیا ہو گا کہ میں پاکیشیا سیکرٹ سروس کے چیف ایکسٹو سے شکست کھا گیا ہوں اور میں نے دنیا بھر کے سامنے اعلان کیا تھا کہ اگر کسی ملک نے مجھے شکست دے دی تو میں خود کو اور اپنی تنظیم کو اس ملک کے حوالے کر دوں گا۔ سو، اب میں اپنے وعدے کے مطابق خود کو اور اپنی تنظیم ریڈ نائٹ کو حکومت پاکیشیا کے حوالے کر رہا ہوں۔ تم سب لوگ یہ ہیڈکوارٹر چھوڑ دو اور میرے ساتھ خود کو پاکیشیا کے حوالے کر دو۔ ہیڈکوارٹر میں تم صرف دس منٹ تک رہ سکتے ہو۔ اس کے بعد تمہاری زندگی کی کوئی ضمانت نہیں ہے۔ باہر ہمارے خصوصی ہیلی کاپٹرز موجود ہیں تم ان ہیلی کاپٹرز میں سوار ہو کر پاکیشیا پہنچو''...... ڈاکٹر بلیک نے سپاٹ لہجے میں کہا اور اس کے ساتھ ہی وہ اٹھا اور تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا ہال کے دروازے کی طرف بڑھا۔ کچھ اور لوگ بھی اٹھ کر اس کے پیچھے چلنے لگے۔ لیکن کافی لوگ اپنی جگہوں پر بیٹھے رہے۔ وہ حیران و

پریشان تھے اور فیصلہ نہیں کر پا رہے تھے کہ کیا کریں۔ ڈاکٹر بلیک تیزی سے ہال سے باہر آیا اور مختلف گیلریوں سے گزرتا ہوا اپنے ہیڈکوارٹر کی عمارت سے باہر آ گیا۔ اس نے اس ہیڈکوارٹر پر ایسی ریز پھیلائی ہوئی تھیں کہ کسی چیکنگ سسٹم نے اس بلڈنگ کو چیک نہیں کیا تھا۔ دنیا بھر کے سیکرٹ ایجنٹ سیٹلائٹ اور دیگر تمام وسائل ناکام رہے تھے۔ کوئی بھی ڈاکٹر بلیک کا ہیڈکوارٹر ٹریس نہیں کر سکا تھا۔ اب ڈاکٹر بلیک نے وہ ریز آف کر دی تھیں۔ بلڈنگ سے باہر ایک کھلا میدان تھا جس میں پانچ ہیلی کاپٹرز کھڑے تھے۔ ڈاکٹر بلیک نے اپنے ساتھ آنے والوں کو دیکھا۔ اس کے اندازے کے مطابق ان سب کے لئے دو ہیلی کاپٹرز کافی تھے کیونکہ ہیلی کاپٹرز کافی بڑے تھے۔ وہ انتہائی جدید تھے اور عام ہیلی کاپٹروں سے کئی گنا تیز رفتار تھے۔ ڈاکٹر بلیک اور اس کے ساتھ آنے والے دیگر افراد دو ہیلی کاپٹروں میں بیٹھ گئے اور پھر ہیلی کاپٹرز فضا میں بلند ہوتے چلے گئے۔ جیسے ہی ہیلی کاپٹرز فضا میں بلند ہوئے رچی اپنی کرسی سے اٹھ کر ڈاکٹر بلیک کی کرسی پر جا کر بیٹھ گیا۔

''ممبرز۔ ڈاکٹر بلیک احمق ہے اور وہ اپنی حماقت ہم سب پر مسلط کرنا چاہتا ہے۔ ہم لوگ مجرم ہیں اور بھلا جرائم کی دنیا میں اصول اور وعدے کیا اہمیت رکھتے ہیں لیکن اگر وہ اپنے وعدے کی پابندی کرتے ہوئے خود کو موت کے حوالے کر رہا ہے تو ہم کیوں کریں۔ ہم اس کے وعدے کے پابند نہیں ہے۔ ہم ریڈ نائٹ کو

قائم و دائم رکھیں گے اور ریڈ نائٹ کے ذریعے اس دنیا پر حکومت کریں گے۔ اب تم بتاؤ کہ کیا تم میرا ساتھ دو گے یا ڈاکٹر بلیک کے ساتھ خود کو موت کے حوالے کر دو گے''...... رچی نے جوشیلے لہجے میں تقریر کرتے ہوئے کہا۔

''ہم نہیں مرنا چاہتے۔ تنظیم قائم رہے گی۔ ہم تنظیم کے وفادار رہیں گے''...... چند آوازیں ابھریں۔

''اوکے۔ تو پھر تنظیم کے اصول کے مطابق میں ریڈ نائٹ کا نیا چیف ہوں اور تم سب لوگ میرا حکم مانو گے اور ہمیشہ میرے وفادار رہو گے''...... رچی نے تیز لہجے میں کہا۔

''ہم آپ کو اپنا باس تسلیم کرتے ہیں''...... سب نے بیک وقت کرسیوں سے اٹھ کر کہا اور اگلے لمحے وہ دوبارہ کرسیوں پر بیٹھ گئے لیکن ایک ممبر کھڑا رہا۔

''لیکن۔ لیکن باس''...... اس آدمی نے پریشان لہجے میں کہا وہ اپنی بات مکمل نہ کر سکا۔

''لیکن کیا۔ کیا تم ڈاکٹر بلیک سے ڈر رہے ہو۔ وہ تو وادی اجل کی طرف روانہ ہو گیا ہے اب اس کی واپسی ممکن نہیں اور بالفرض اگر وہ راستے سے واپس بھی آ جاتا ہے تو ہم اسے موت کی سزا دے دیں گے۔ اس کی زندگی اب ہم سب کی موت ہے''...... رچی نے کہا۔

''یہ بات نہیں ہے باس۔ ڈاکٹر بلیک نے ہمیں دس منٹ کا

وقت دیا ہے۔ ہمیں دس منٹ دینے میں اس کی کیا حکمت ہو سکتی ہے''...... اس ممبر نے بدستور پریشان لہجے میں کہا۔

''ڈاکٹر بلیک اب ہیڈکوارٹر سے جا چکا ہے۔ اب بھلا وہ کیا کرسکتا ہے۔ پھر بھی میں سپیشل روم میں جا کر چیک کرتا ہوں''۔ رچی نے کہا اور پھر وہ ہال سے باہر آ گیا۔ ڈاکٹر بلیک کے دیئے گئے دس منٹوں میں سے چھ منٹ گزر گئے تھے۔ رچی کے دل میں بھی اندیشے جنم لے چکے تھے۔ اس نے اپنے قدم تیز کئے اور پھر وہ دوڑنے لگا۔ ڈیڑھ منٹ بعد وہ سپیشل روم میں داخل ہوا اور اس نے ایک مشین آن کی۔ جیسے ہی مشین آن ہوئی اس پر سرخ لکیریں اوپر سے نیچے جلنے لگیں اور ان لکیروں کو دیکھتے ہی اس کے ہوش اڑ گئے۔

''بم''...... اس کے منہ سے بے اختیار نکلا اور اس نے دوڑ لگا دی۔ اب اس کے پاس وقت نہیں تھا کہ وہ ممبرز کو جا کر بتاتا کہ ڈاکٹر بلیک نے ہیڈکوارٹر میں بم نصب کر دیئے ہیں۔ ان کے پھٹنے میں اب صرف پونے دو منٹ باقی تھے۔ اگر وہ ہال کی طرف جاتا تو پونے دو منٹ وہیں پورے ہو جانے تھے۔ پھر ہیڈکوارٹر سے نکلنے کا وقت نہیں ملنا تھا۔ اب وہ طوفانی رفتار سے دوڑ رہا تھا۔ اس کے پیچھے واقعی موت لگی ہوئی تھی اس لئے اس کی رفتار بہت تیز تھی۔ وہ آندھی اور طوفان کی مانند اڑتا ہوا ہیلی کاپٹرز تک پہنچا اور پھر وہ ایک ہیلی کاپٹر میں سوار ہو گیا۔ اس نے ایک لمحہ ضائع کئے

بغیر ہیلی کاپٹر سٹارٹ کیا اور پھر ہیلی کاپٹر اوپر اٹھنے لگا۔ اب دس منٹ پورے ہونے میں صرف چند سیکنڈ باقی تھے۔ جب ہیلی کاپٹر بلند ہوا تو ہیڈکوارٹر کے ہال میں بیٹھے ہوئے افراد کو اس کی آواز سنائی دی۔ وہ یکدم ہی ہال سے باہر نکل آئے۔ ہیلی کاپٹر کو فضا میں بلند ہوتے دیکھ کر انہیں اندازہ ہو گیا کہ رچی فرار ہو رہا تھا اور وجہ بھی انہیں سمجھ آ گئی۔ یکدم ہی ان سب کو موت نظر آ گئی تھی۔ وہ سب چیختے چلاتے ہوئے گیٹ کی طرف دوڑے لیکن ابھی انہوں نے چند قدم ہی اٹھائے تھے کہ خوفناک دھماکے ہونے لگے۔

رچی کا ہیلی کاپٹر کافی بلندی پر پہنچ گیا تھا۔ دھماکوں کی آوازیں سن کر رچی نے نیچے دیکھا۔ ہیڈکوارٹر کی بلڈنگ کے پرخچے اڑ رہے تھے۔ دھویں اور آگ میں انسانی جسم بھی اڑتے ہوئے دکھائی دے رہے تھے۔ یہ منظر دیکھ کر رچی کی آنکھوں میں خون اتر آیا۔

''ڈاکٹر بلیک۔ تو نے سب کچھ تباہ کر دیا۔ اپنے ہاتھوں سے سب کچھ ختم کر دیا لیکن جس ملک کی خاطر تو نے ایسا کیا ہے میں تجھے اجازت نہیں دوں گا کہ تو اس ملک کو تباہ ہونے سے بچا سکے۔ میں تیرے ساتھ ساتھ پاکیشیا کو بھی صفحہ ہستی سے مٹا دوں گا''۔ رچی نے غراتے ہوئے کہا اور پھر اس کی نظریں ہیلی کاپٹر کے کنٹرول پینل پر جم گئیں۔ ہیلی کاپٹر کا رخ پاکیشیا کے دارالحکومت کی طرف تھا۔ غصے اور نفرت کی وجہ سے اُسے سفر کے کٹنے کا اندازہ ہی نہ ہوا۔ وہ اس وقت چونکا جب وہ پاکیشیا کے دارالحکومت

میں پہنچ چکا تھا۔ وہ اپنے ہیلی کاپٹر کو سیدھا گریٹ پارک کی طرف لے آیا۔ جب وہ گریٹ پارک پہنچا تو اس نے تنظیم کے دو ہیلی کاپٹرز دیکھ لئے۔ ڈاکٹر بلیک اور اس کے ساتھ آنے والے افراد وہاں پہنچ چکے تھے۔ اس نے بھی ہیلی کاپٹر کو نیچے اتارا۔ ہیلی کاپٹر نیچے اتارنے سے پہلے ہی اس نے ماحول کا جائزہ لے لیا تھا۔ ایک طرف سٹیج بنا ہوا تھا جس پر چند افراد بیٹھے ہوئے تھے۔ سٹیج کے سامنے بہت سی کرسیاں تھیں۔ ان کرسیوں پر بھی افراد بیٹھے ہوئے تھے۔ کچھ فاصلے پر باڑ لگی ہوئی تھی اور باڑ کی دوسری طرف لوگوں کی کثیر تعداد موجود تھی۔ اس کے علاوہ فوجیوں کی ایک بڑی تعداد تھی جو پارک میں موجود تھی۔ ڈاکٹر بلیک اور تنظیم کے دیگر ممبر سٹیج کے قریب ہی کھڑے تھے۔ رچی ہیلی کاپٹر سے نیچے اترا۔

''باس''...... اس نے ڈاکٹر بلیک کو آواز دی اور پھر اس انداز میں اس کی طرف بھاگا جیسے محبت کے جوش میں بھاگ رہا ہو۔ وہ چند قدم ہی بھاگا تھا کہ اس نے سٹیج پر بیٹھے ہوئے ایکسٹو کو اپنی کرسی سے اٹھتے ہوئے دیکھا۔ ایکسٹو نے نجانے کیا کہا تھا۔ لیکن اسی لمحے رچی نے ڈاکٹر بلیک کا بنایا ہوا ریوالور نکال لیا کیونکہ ڈاکٹر بلیک اس کی رینج میں آ گیا تھا۔ ریوالور نکالتے ہی رچی نے ایک لمحہ ضائع کئے بغیر ڈاکٹر بلیک پر گولی چلا دی۔ یہ مخصوص ریوالور تھا۔ ایک زور دار دھماکا ہوا۔ گولی ڈاکٹر بلیک کے ماتھے میں لگی اور اس کے سر کے پچھلے حصے سے نکل گئی۔ ڈاکٹر بلیک کا بھیجا بھی گولی کے

ساتھ ہی اس کی کھوپڑی سے نکل آیا۔ ڈاکٹر بلیک بغیر کوئی چیخ مارے زمین پر گرا اور فوراً ہی ساکت ہو گیا۔ رچی نے ڈاکٹر بلیک کو نشانہ بنانے کے بعد پاکیشیا کے صدرِ مملکت کی طرف ریوالور کا رخ کیا لیکن اس سے پہلے کہ وہ ٹریگر دباتا۔ بیک وقت کئی دھماکے ہوئے اور رچی کو یوں محسوس ہوا جیسے درجنوں گرم سلاخیں اس کے جسم کے آر پار ہو گئی ہوں۔ وہ زمین پر گرتا چلا گیا اور اس کا ذہن تاریک ہو گیا۔

صرف گریٹ پارک میں ہی نہیں بلکہ پورا پاکیشیا سناٹے کے گہرے کنویں میں ڈوب چکا تھا۔ ڈاکٹر بلیک ایٹم بم کے بارے میں بتائے بغیر مر گیا تھا۔ ایکسٹو نے ڈاکٹر بلیک کے ساتھ آئے ہوئے افراد سے پوچھا لیکن وہ لاعلم تھے۔ ایکسٹو نے ان کی سزائیں معاف کرنے اور انہیں کروڑوں روپے کا انعام دینے کا وعدہ بھی کیا کہ اگر ایٹم بم کے بارے میں معلوم ہے تو بتا دیں لیکن انہیں کچھ معلوم ہوتا تو بتاتے۔ ان کی طرف سے مایوس ہو کر ایکسٹو نے ڈاکٹر بلیک کے لباس کی تلاشی لی۔ اس کی جیب میں کوئی سامان نہیں تھا۔ اس کی ایک جیب سے تصویر نکلی۔ یہ تصویر چار نیزہ بردار وحشیوں کی تھی جنہوں نے ایک شہری عورت کو گھیر رکھا تھا۔ عورت کے چہرے پر خوف جبکہ وحشیوں کے چہرے پر خوشی کے تاثرات تھے۔ ایکسٹو کچھ دیر تک تصویر کو دیکھتا رہا پھر وہ کمشنر کی طرف بڑھا۔

''کمشنر صاحب۔ راک سٹار سینما کی انتظامیہ کو فوراً حاضر کریں۔ آپ خود بھی اس سینما میں پہنچیں۔ کچھ دیر میں میرا نمائندہ خصوصی علی عمران سینما میں پہنچ رہا ہے۔ آپ نے اس کے ہر حکم کی تعمیل کرنی ہے''...... ایکسٹو نے اپنے مخصوص سرد لہجے میں کمشنر کو حکم دیتے ہوئے کہا۔

''یس سر''...... کمشنر نے مؤدبانہ لہجے میں کہا تو ایکسٹو صدرمملکت کی طرف مڑا۔

''آپ بے فکر ہو کر تشریف لے جائیں۔ انشاء اللہ ایکسٹو کی زندگی میں پاکیشیا پر کبھی کوئی آفت نہیں آئے گی''۔ ایکسٹو نے باوقار لہجے میں کہا اور اس کے بعد وہ اس طرف بڑھا جس طرف اس کی گاڑی کھڑی تھی۔ پھر وہ گاڑی میں بیٹھا اور اس کی گاڑی تیز رفتاری سے چلتی ہوئی مین روڈ پر آ گئی۔ کار انتہائی تیز رفتاری سے دانش منزل پہنچ گئی۔ پھر جیسے ہی عمران آپریشن روم میں داخل ہوا۔ بلیک زیرو اس کے احترام میں کھڑا ہو گیا۔

''عمران صاحب۔ ایٹم بم کے بارے میں ڈاکٹر بلیک کچھ نہیں بتا سکا۔ صورت حال کافی تشویش ناک ہو گئی ہے''...... بلیک زیرو نے پریشان لہجے میں کہا۔

''ہاں۔ لیکن تم دعا کرو''...... عمران نے سنجیدہ لہجے میں کہا اس کے ساتھ ہی اس نے ایکسٹو کا مخصوص لباس اتارا اور ٹیلی فون کی طرف بڑھا۔ اس نے رسیور اٹھایا اور تیزی سے نمبرز پریس کرنے

لگا۔

''یس''...... رابطہ ملنے پر دوسری طرف سے مختصراً کہا گیا۔

''ایکسٹو''......عمران نے ایکسٹو کے مخصوص لہجے میں کہا۔

''یس سر۔ حکم سر''...... فوراً ہی دوسری طرف سے بوکھلائے ہوئے لہجے میں کہا گیا۔

''سر داور سے بات کراؤ''......عمران نے سرد لہجے میں کہا۔

''اوکے سر''...... دوسری طرف سے کہا گیا اور پھر ایک ہلکی سی کلک کی آواز سنائی دی۔

''یس۔ داور اسپیکنگ''...... دوسری طرف سے سر داور کی آواز سنائی دی۔

''ایکسٹو''......عمران نے کہا۔

''یس سر''...... اس بار سر داور کی مؤدبانہ آواز سنائی دی۔

''سرداور آپ نے ڈاکٹر بلیک اور میرے درمیان ہونے والی باتیں اور پھر گریٹ پارک میں ہونے والی کارروائی ٹی وی چینلز پر دیکھی ہو گی''......عمران نے پوچھا۔

''جی سر''......سر داور نے مختصراً جواب دیا۔

''سرداور۔ ہم نے ایٹم بم تلاش کرنا ہے۔ آپ تمام ضروری آلات اور متعلقہ ماہرین کو لے کر راک سٹار سینما پہنچ جائیں۔ علی عمران بھی وہاں پہنچ رہا ہے۔ آپ نے علی عمران کی رہنمائی میں ایٹم بم ٹریس کرنا ہے''......عمران نے ایکسٹو کی آواز میں کہا۔

''اوکے سر۔ آپ کے حکم کی تعمیل ہو گی''...... دوسری طرف سے سر داور نے کہا تو عمران نے رسیور رکھ دیا۔

''عمران صاحب۔ ایٹم بم کی تلاش اور ایک سینما گھر میں''۔ بلیک زیرو نے حیران ہو کر کہا۔

''ہاں۔ یہ تصویر دیکھو''......عمران نے کہا اور پھر اس نے ڈاکٹر بلیک کی جیب سے برآمد ہونے والی تصویر بلیک زیرو کی طرف بڑھائی۔

''اوہ۔ یہ تصویر تو ایک پاکیشیائی اداکارہ کی ہے۔ کیا یہ کسی پاکیشیائی فلم کا منظر ہے''...... تصویر کو دیکھ کر بلیک زیرو نے چونکتے ہوئے کہا۔

''ہاں۔ راک سٹار سینما میں فلم لگی ہوئی ہے لو اِن جنگل۔ یہ اسی فلم کا ایک منظر ہے''......عمران نے کہا۔

''لیکن آپ نے یہ تصویر کیوں اٹھائی ہوئی ہے''...... بلیک زیرو نے حیرت بھرے لہجے میں کہا۔

''یہ تصویر ڈاکٹر بلیک کی جیب سے برآمد ہوئی ہے''......عمران نے کہا تو بلیک زیرو کی حیرت میں اضافہ ہو گیا۔

''ڈاکٹر بلیک کی جیب سے، لیکن اس نے یہ تصویر کیوں رکھی ہوئی تھی۔ اوہ۔ اوہ۔ کیا اس تصویر کا کوئی تعلق ایٹم بم سے ہے''۔ بلیک زیرو بات کرتے کرتے یکدم ہی چونکا۔

''تم خود سوچو کہ ڈاکٹر بلیک ہمیں ایٹم بم کے بارے میں بتانے

آیا تھا اور اس کی جیب میں صرف یہی تصویر تھی۔ ڈاکٹر بلیک کو فلمیں دیکھنے کا قطعاً کوئی شوق نہیں تھا کہ تصویر دیکھ کر یہ سمجھ لیا جائے کہ وہ اس پاکیشیائی فلم سٹار کا عاشق تھا اور اسی وجہ سے اس نے اپنی جیب میں یہ تصویر رکھی ہوئی تھی''...... عمران نے کہا۔

''عمران صاحب۔ آپ بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ واقعی اس تصویر کا تعلق ایٹم بم سے ہی ہوسکتا ہے''...... بلیک زیرو نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔

''اوکے۔ میں راک سٹار سینما میں جا رہا ہوں''...... عمران نے کہا اور پھر وہ کرسی سے کھڑا ہو گیا۔ اسے اٹھتے دیکھ کر بلیک زیرو بھی کرسی سے کھڑا ہو گیا۔ چند لمحوں بعد عمران اپنی فیورٹ سپورٹس کار میں بیٹھا تھا اور کار راک سٹار سینما کی طرف بڑھ رہی تھی۔ پھر تھوڑی ہی دیر بعد وہ راک سٹار سینما میں پہنچ گیا۔ کمشنر اور اس کے ساتھ چند دیگر افسران وہاں موجود تھے۔ البتہ ابھی سرداور اور ان کے ساتھی نہیں آئے تھے۔ جیسے ہی عمران کی کار سینما کے انٹر گیٹ کے سامنے رکی کمشنر کار کی طرف بڑھا۔ وہ عمران کو جانتا تھا اور اسے یہ بھی معلوم تھا کہ عمران سرخ سپورٹس کار استعمال کرتا ہے۔ جیسے ہی عمران کار سے نیچے اترا کمشنر نے اسے سلام کیا۔ عمران نے سنجیدہ لہجے میں کمشنر کے سلام کا جواب دیا۔ پھر عمران کی نظر پکچر پبلٹی بورڈ پر گئی۔ بورڈ پر لکھا ہوا تھا آج شب کو اور بورڈ میں بہت سی تصاویر لگی ہوئی تھیں۔ ان میں سے اسی منظر کی ایک تصویر بھی تھی

جس منظر کی تصویر ڈاکٹر بلیک کی جیب سے برآمد ہوئی تھی۔ عمران ابھی اس بورڈ کو دیکھ ہی رہا تھا کہ وہاں ایک وین آ کر رکی۔ وین سے سرداور اور ان کے ساتھی نیچے اترے۔ ان کے پاس بم تلاش کرنے والے آلات بھی تھے۔ رسمی لیکن مختصر سی سلام دعا کے بعد سرداور اور ان کے ساتھیوں نے اپنی کارروائی شروع کر دی۔ عمران بھی ان کے ساتھ ساتھ تھا۔ سینما کی مکمل تلاشی کے بعد ان کے چہروں پر مایوسی سی آ گئی کیونکہ سینما گھر میں ایٹم بم کیا، کوئی کریکر بھی موجود نہیں تھا۔

''عمران بیٹے۔ اب کیا ہو گا۔ تیس گھنٹوں میں سے چار گھنٹے گزر بھی چکے ہیں''...... سرداور نے پریشان لہجے میں کہا۔

''آپ پریشان نہ ہوں۔ اللہ پر بھروسہ رکھیں۔ یہ میٹر اور مشین مجھے دے دیں''...... عمران نے سرداور کو تسلی دیتے ہوئے کہا۔ اس کے بعد وہ واپس اپنی کار میں بیٹھا اور اس کی کار دانش منزل کی طرف بڑھی۔

وہ آپریشن روم میں داخل ہوا تو کافی تھکا ہوا دکھائی دے رہا تھا۔ وہ کرسی پر گر گیا اور اس نے اپنی آنکھیں بند کر لیں۔ بلیک زیرو فوراً ہی کچن میں گیا اور چائے بنا لایا۔ عمران ابھی تک آنکھیں بند کئے بیٹھا تھا۔ بلیک زیرو کی زندگی میں یہ پہلا موقع تھا جب وہ عمران کو اس قدر پریشان دیکھ رہا تھا۔ عمران مضبوط اعصاب کا مالک تھا۔ وہ بڑے بڑے بحرانوں سے ہنستے مسکراتے گزر جاتا تھا۔

عمران موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال دیا کرتا تھا۔ کبھی کوئی مسئلہ، کوئی آفت، کوئی پریشانی عمران کے ماتھے پر بل تک نہیں لاسکی تھی لیکن اب معاملہ تھا کروڑوں انسانوں کی جانوں کا۔ ڈاکٹر بلیک نے کروڑوں معصوم، بے گناہ انسانوں کی موت کا پکا اہتمام کر دیا تھا۔ اگر اسے خود موت کا سامنا درپیش ہوتا تو وہ کبھی بھی پریشان نہ ہوتا لیکن اب کروڑوں انسانوں کی جانیں خطرے میں تھیں اور ایٹم بم کے بارے میں کوئی بھی نہیں جانتا تھا کہ وہ کہاں ہے اور وقت تھا کہ تیزی سے گزر رہا تھا۔

''عمران صاحب۔ آپ تو کبھی کسی معاملے پر پریشان نہیں ہوئے۔ اب کیوں پریشان ہیں''...... بلیک زیرو نے کہا۔

''طاہر۔ میرے آنکھوں کے سامنے چھوٹے چھوٹے بچے آ رہے ہیں۔ وہ بچے جو پاکیشیا کا مستقبل ہیں اور یہ معصوم بچے اس وقت شدید خطرے میں ہیں''......عمران نے کہا۔

''عمران صاحب۔ اگر ان کی موت کا وقت آ گیا ہے تو کیا آپ انہیں بچا سکتے ہیں۔ نہیں عمران صاحب۔ آپ لاکھ کوشش کر کے دیکھ لیں آپ کسی کے لئے کچھ بھی نہیں کرسکیں گے اور اگر ان لوگوں کی موت نہیں آئی تو پھر ڈاکٹر بلیک ایک کیا ایک سو دس ایٹم بم بھی نصب کر دے تو کسی کو نہیں مار سکے گا''...... بلیک زیرو نے کہا۔

''تم ٹھیک کہہ رہے ہو طاہر۔ لیکن جب انسان بیمار ہو جاتا ہے

تو اس کا علاج کرانا فرض ہو جاتا ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے زندگی بچانے کا حکم بھی دیا ہے بلکہ زندگی بچانے کو فرض قرار دیا ہے۔ اس لئے ہم نے تو آخری دم تک کوشش کرنی ہے''......عمران نے سنجیدہ لہجے میں کہا۔ پھر اس سے پہلے کہ بلیک زیرو کچھ کہتا ٹیلی فون کی گھنٹی بجنے لگی۔

''ایکسٹو''...... عمران نے رسیور کان سے لگاتے ہوئے ایکسٹو کے مخصوص لہجے میں کہا۔

''طاہر بیٹے۔ اگر عمران دانش منزل میں موجود ہے تو میری اس سے بات کراؤ''...... دوسری طرف سے سرسلطان کی آواز سنائی دی۔

''میں عمران ہی بول رہا ہوں''......عمران نے سنجیدہ لہجے میں کہا۔ عمران نے آج سے پہلے کبھی بھی اتنے سنجیدہ لہجے میں سرسلطان سے بات نہیں کی تھی۔

''عمران بیٹے۔ صدرِ مملکت پوچھ رہے ہیں کہ ایٹم بم کے بارے میں کچھ معلوم ہوا''...... سرسلطان نے پوچھا۔

''نہیں۔ ابھی تک معلوم نہیں ہوا لیکن آپ صدرِ مملکت سے کہیں کہ وہ حوصلہ رکھیں۔ ہم بم کو ٹریس کر لیں گے''...... عمران نے بدستور سنجیدہ لہجے میں کہا۔

''عمران بیٹے۔ مختلف ممالک کے سربراہان مملکت کے فون آ رہے ہیں۔ وہ صدرِ مملکت کو مبارک باد دینے کے ساتھ ساتھ ایکسٹو

کی کارکردگی کی تعریف بھی کر رہے ہیں اور کئی حکومتوں نے ایٹم بم کی تلاشی میں مدد دینے کی پیش کش کی ہے''...... دوسری طرف سے سرسلطان نے کہا۔

''تعریف کی ہمیں ضرورت نہیں ہے۔ البتہ اگر کوئی ایٹم بم کی تلاشی میں ہماری مدد کرنا چاہتا ہے تو ہم شکریئے کے ساتھ اس آفر کو قبول کرتے ہیں''...... عمران نے کہا۔

''صدرِمملکت ایکسٹو کی رائے جاننا چاہتے ہیں۔ اب میں ان سے کہہ دیتا ہوں کہ اگر کوئی ملک اپنے ماہرین پاکیشیا بھیجنا چاہتا ہے تو وہ بھیج دے''...... سرسلطان نے کہا۔

''اوکے''...... عمران نے کہا تو دوسری طرف سے سرسلطان نے اللہ حافظ کہہ کر رسیور رکھ دیا۔ عمران نے بھی رسیور کریڈل پر رکھا اور اس کے بعد اس نے ڈاکٹر بلیک کی جیب سے برآمد ہونے والی تصویر اپنی جیب سے نکال کر سامنے ٹیبل پر رکھی اور تصویر دیکھنے لگا۔ وہ کافی دیر تک تصویر دیکھتا رہا پھر اچانک کھڑا ہو گیا۔

''عمران صاحب۔ اس وقت کہاں کا ارادہ ہے''...... بلیک زیرو نے عمران کو اٹھتے ہوئے دیکھا تو بولا۔

''گرین سٹوڈیو اور سٹوڈیو میں رات ہی کو کام ہوتا ہے۔ گرین سٹوڈیو ابھی کھلا ہی ہو گا۔ تم دانش منزل کا آٹو سسٹم آن کرو اور میرے ساتھ چلو''...... عمران نے کہا اور اس کے ساتھ ہی وہ آپریشن روم سے باہر آ گیا۔ بلیک زیرو نے دانش منزل کا آٹو سسٹم آن کیا

اور پھر وہ عمران کے پیچھے دوڑا۔ رات نصف سے زیادہ بیت چکی تھی کئی دنوں کی پریشانی کے بعد آج لوگوں کو سکون نصیب ہوا تھا۔ ڈاکٹر بلیک اپنے عبرتناک انجام سے دو چار ہو چکا تھا اور ایکسٹو نے کہہ دیا تھا کہ وہ ایٹم بم کو تلاش کر لے گا اور ایکسٹو پر ان سب کو یقین تھا۔ اس لئے لوگ اب گھروں میں چلے گئے تھے اور اطمینان سے سو رہے تھے۔ سڑکوں پر اس وقت ٹریفک بالکل ہی نہیں تھی۔ اس لئے عمران کی کار انتہائی تیز رفتاری سے سٹوڈیو کی طرف بڑھ رہی تھی۔ ڈرائیونگ سیٹ پر عمران اور ساتھ والی سیٹ پر بلیک زیرو بیٹھا تھا۔ بلیک زیرو نے راستے میں ہی ماسک میک اپ کر لیا تھا۔ تقریباً بیس منٹ کی ڈرائیونگ کے بعد وہ گرین سٹوڈیو پہنچ گئے۔ سٹوڈیو کا مین گیٹ اس وقت بند تھا اور گیٹ کے قریب ایک سیکورٹی گارڈ کرسی پر بیٹھا ہوا تھا۔

''جی صاحب''...... عمران نے کار گیٹ کے قریب روکی تو سیکورٹی گارڈ نے قریب آ کر کہا۔

''گیٹ کھولو''...... عمران نے تحکمانہ لہجے میں اس سے کہا۔

''صاحب۔ آپ کون ہیں اور کس سے ملنے کے لئے آئے ہیں''...... سیکورٹی گارڈ نے پوچھا۔ جیسے سے ہی اس کی بات مکمل ہوئی ۔ رات کے سناٹے میں تھپڑ کی ایک تیز آواز گونجی اور سیکورٹی گارڈ لڑکھڑا کر دو قدم پیچھے ہٹ گیا۔ اسے یہ تھپڑ عمران نے مارا تھا۔

”کافی ہے یا اور تعارف بھی کراؤں“...... عمران نے کرخت لہجے میں کہا۔

”او کے۔ او کے صاحب۔ میں گیٹ کھولتا ہوں“...... سیکورٹی گارڈ نے عمران کے لہجے سے خوفزدہ ہوتے ہوئے کہا اور پھر اس نے گیٹ کھول دیا۔

”کمال جھلا کا آفس کدھر ہے“...... عمران نے بدستور کرخت لہجے میں سیکورٹی گارڈ سے کہا تو اس نے فلم ڈائریکٹر کمال جھلا کے آفس کے بارے میں بتا دیا۔ عمران نے کار آگے بڑھائی اور پھر وہ کمال جھلا کے آفس پہنچ گئے۔ عمران نے کار روکی اور پھر وہ دونوں کار سے نیچے اتر آئے اور آفس کی طرف بڑھے۔ استقبالیہ کمرے میں ایک میز، کرسی اور چند صوفے رکھے ہوئے تھے۔ کرسی پر ایک بدمعاش ٹائپ آدمی بیٹھا ہوا تھا جبکہ ایک سیکورٹی گارڈ بھی وہاں کھڑا تھا۔ دو افراد صوفوں پر بیٹھے ہوئے تھے۔

”ہدایت کار کمال جھلا کہاں ہے“...... عمران نے کرسی پر بیٹھے ہوئے آدمی سے تیز لہجے میں پوچھا۔ عمران کے تیز لہجے پر اس آدمی نے اور سیکورٹی گارڈ نے عمران کو گھور کر دیکھا۔

”ہدایت کار صاحب سے تمہاری ملاقات طے ہے“...... کرسی پر بیٹھے ہوئے آدمی نے منہ بنا کر کہا۔ اس کا منہ بنتا ہی اس کے منہ کو بگاڑ گیا۔ عمران کا بازو پوری قوت سے گھوما اور وہ آدمی کرسی سے اڑ کر دور جا گرا۔ صوفوں پر بیٹھے ہوئے آدمی گھبرا کر کھڑے ہو گئے

جبکہ سیکورٹی گارڈ اپنی گن سنبھالنے لگا لیکن ابھی وہ گن سنبھال ہی رہا تھا کہ بلیک زیرو نے اس سے گن چھین لی اور اس کی کنپٹی پر مکا رسید کر دیا۔ سیکورٹی گارڈ کے لئے یہ ایک مکا ہی کافی رہا۔ وہ بے ہوش ہو کر گر گیا۔

”تم لوگ جاؤ اس وقت“...... بلیک زیرو نے بھی سخت لہجے میں باقی آدمیوں سے کہا۔ وہ سب دروازے کی طرف دوڑے۔

”بولو۔ کہاں ہے کمال جھلا۔ جلدی بولو“...... عمران نے اس آدمی کو گردن سے پکڑتے ہوئے کہا۔ اس کے لہجے میں ایسی درندگی تھی کہ وہ آدمی سہم گیا۔

”وہ۔ وہ اندر ایک اداکارہ کا آڈیشن لے رہے ہیں“...... اس آدمی نے خوفزدہ لہجے میں کہا۔

”جاؤ طاہر۔ اسے یہاں گھسیٹ لاؤ“...... عمران نے بلیک زیرو سے کرخت لہجے میں کہا۔

”او کے“...... بلیک زیرو نے جلدی سے کہا اور پھر وہ اندرونی کمرے کی طرف بڑھ گیا۔

”تم کون ہو“...... عمران نے اس آدمی سے پوچھا۔

”س۔ س۔ سر۔ مم۔ میں آفس انچارج ہوں“...... اس آدمی نے خوفزدہ لہجے میں کہا۔ پھر اسی وقت اندرونی کمرے کا دروازہ کھلا اور بلیک زیرو ایک آدمی کو گردن سے پکڑ کر باہر لے آیا۔ اس آدمی نے صرف ٹراؤزر پہنا ہوا تھا اور عمران کے اندازے کے مطابق یہ

ٹراؤزر بھی اسے بلیک زیرو نے پہننے دیا ہو گا۔ یہ معروف ہدایت کار کمال جھلا تھا۔

''کون ہو تم لوگ''...... ہدایت کار کمال جھلا نے تیز لہجے میں کہا۔

''ہمارا تعلق سپیشل پولیس سے ہے''...... عمران نے سخت لہجے میں اس سے کہا۔

''ہوتا رہے۔ مجھے اس سے کیا۔ میں فلم ڈائریکٹر ایسوسی ایشن کا چیئرمین ہوں۔ میں تمہارے خلاف ایسوسی ایشن کا اجلاس بلاؤں گا''...... کمال جھلا نے دھمکی دیتے ہوئے کہا تو عمران نے اس کے منہ پر تھپڑ رسید کر دیا۔ تھپڑ کھا کر اس کی چیخ بلند ہوئی۔

''ایڈیٹ۔ اس وقت ملک تباہی کے دہانے پر کھڑا ہے۔ جو تباہی ایکریمیا اور باچان میں آئی ہے وہ پاکیشیا میں بھی آنے والی ہے اور تمہیں اس کی پرواہ ہی نہیں۔ تم ان حالات میں بھی اپنی عیاشیوں میں پڑے ہوئے ہو''...... عمران نے کرخت لہجے میں کہا۔

''مجھے معلوم ہے کہ موت ہم سے چند گھنٹے کی دوری پر ہے۔ اسی لئے تو میں نے چند گھنٹوں کی زندگی کو خوب انجوائے کرنے کا فیصلہ کیا ہے''...... کمال جھلا نے کہا تو عمران نے اسے ایک اور تھپڑ رسید کر دیا۔

''ایڈیٹ''...... عمران نے غصیلے لہجے میں کہا اور مزید ایک تھپڑ رسید کر دیا۔

''ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ ان چند گھنٹوں کی مہلت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے تم اپنی اور اپنے وطن کی سلامتی کی دعائیں کرتے۔ توبہ کرتے''...... عمران نے افسوس زدہ لہجے میں کہا۔

''ٹھیک ہے۔ میں اب ایسا ہی کروں گا لیکن تم یہ بتاؤ کہ تم میرے پاس کیوں آئے ہو اور تم نے مجھ پر اس قدر تشدد کیوں کیا ہے''...... کمال جھلا نے منہ بناتے ہوئے کہا۔

''یہ آدمی ٹیڑھی کھیر ہے اسے ہیڈکوارٹر لے جانا پڑے گا''۔ بلیک زیرو نے کرخت لہجے میں کہا۔

''لل۔ لیکن۔ مم۔ میرا قصور کیا ہے''...... ہیڈکوارٹر کا سن کر کمال جھلا کی اکڑ ختم ہو گئی۔

''اس لئے کہ تم ہمارے ساتھ تعاون نہیں کر رہے''...... بلیک زیرو نے بدستور کرخت لہجے میں کہا۔

''میں آپ کے لئے کولڈ ڈرنکس منگواتا ہوں''...... کمال جھلا نے جلدی سے کہا تو عمران نے اسے گھورا۔

''یہ تمہاری فلم'' لو ان جنگل'' کا سین ہے نا''...... عمران نے اسے تصویریں دکھاتے ہوئے کہا۔

''جی ہاں۔ یہ ہیروئن میری نئی دریافت ہے۔ بالکل ینگ لڑکی ہے صرف سترہ سال عمر ہے۔ میری ایک کال پر یہ دوڑی آئے گی۔ آپ اس کا انٹرویو کرنا چاہتے ہیں تو کر لیں۔ یہیں میرے آفس میں یا جہاں آپ چاہیں''...... کمال جھلا نے کہا تو اس کی ایک چیخ

اور بلند ہوئی۔ یہ تھپڑ سابقہ تھپڑوں سے زیادہ سخت تھا۔ تھپڑ کھا کر وہ لڑکھڑایا اور فرش پر گر گیا۔ جیسے ہی وہ فرش پر گرا عمران نے اس کی گردن پر پاؤں رکھا اور گردن پر پاؤں کا دباؤ ڈالا۔ اس کے حلق سے خرخر کی آوازیں نکلنے لگیں۔

”تمہیں میں چھوڑ رہا ہوں لیکن اب اگر تم نے بکواس کی تو تمہاری یہ گردن ٹوٹ جائے گی۔ ایڈیٹ۔ تمہیں احساس ہی نہیں ہو رہا کہ ہم پر اس وقت کتنی بڑی آفت آئی ہوئی ہے“...... عمران نے غراتے ہوئے کہا۔ پھر اس نے کمال جھلا کی گردن سے پاؤں ہٹا لیا۔ عمران کے ایکشن اور غراہٹ پر کمال جھلا اب سہم چکا تھا۔ وہ فرش پر لیٹے لیٹے عمران کو خوفزدہ نظروں سے دیکھنے لگا۔

”کھڑے ہو جاؤ“...... عمران نے کرخت لہجے میں کہا تو وہ فوراً ہی کھڑا ہو گیا۔

”اب بکو کہ یہ سین کہاں فلمایا گیا ہے“...... عمران نے سرد لہجے میں کہا۔

”ناگان جنگل کے شروع میں ایک چشمہ ہے۔ اس فلم میں جتنے بھی جنگل سین ہیں وہ اسی لوکیشن کے ہیں“...... کمال جھلا نے اس مرتبہ صحیح طریقے سے جواب دیتے ہوئے کہا۔

”اوکے۔ تمہیں ہمارے ساتھ چلنا ہو گا“...... عمران نے تحکمانہ لہجے میں اس سے کہا۔

”بہتر سر۔ لیکن مجھے کپڑے پہننے کی اجازت تو دی جائے“۔

کمال جھلا نے مؤدبانہ لہجے میں کہا۔

”صرف ایک منٹ ہے تمہارے پاس“...... عمران نے کہا تو وہ تیزی سے اندرونی دروازے کی طرف دوڑا پھر ایک منٹ بعد ہی وہ واپس آ گیا۔ اب وہ مکمل لباس میں تھا۔

”آؤ۔ ہمارے ساتھ“...... عمران نے اس سے کہا اور پھر وہ مڑا۔ تینوں ہی تیز تیز قدم اٹھاتے ہوئے کار تک آئے اور پھر کار مین روڈ پر آ گئی۔ اب صبح ہو رہی تھی لیکن سڑکیں سنسان تھیں۔ رات گئے تک تو لوگ جاگتے رہے تھے اور پھر ایکسٹو کے وعدے پر کہ ایٹم بم تلاش کر کے ناکارہ کر دیا جائے گا لوگ مطمئن ہو کر سو گئے تھے۔ ایمرجنسی حالت کی وجہ سے حکومت نے پہلے ہی تاحکم ثانی تعطیلات کا اعلان کیا ہوا تھا۔ لہٰذا لوگوں کو دفتر جانے اور بچوں کو سکول جانے کی فکر بھی نہیں تھی۔ حالات کی وجہ سے پرائیویٹ سیکٹر نے بھی چھٹیاں کی ہوئی تھیں۔ عمران کی کار جلد ہی گریٹ پارک میں پہنچ گئی۔ ڈاکٹر بلیک کے تینوں ہیلی کاپٹر ابھی گریٹ پارک میں کھڑے تھے اور کار کو گریٹ پارک میں مڑتے دیکھ کر بلیک زیرو سمجھ گیا تھا کہ ناگان جنگل تک جانے کے لئے عمران ڈاکٹر بلیک کا ہیلی کاپٹر استعمال کرنا چاہتا ہے۔ پھر اس کے خیال کی تصدیق بھی ہو گئی جب عمران نے کار ہیلی کاپٹرز کے قریب روکی۔ ہیلی کاپٹرز کی سیکورٹی کے لئے چند سپاہی اور ایک پولیس انسپکٹر وہاں موجود تھے اور انسپکٹر عمران کو جانتا تھا اس لئے جیسے ہی عمران، بلیک

زیرو اور کمال جھلا ان کے قریب پہنچے تو انسپکٹر نے عمران کو سیلوٹ کیا۔ اس کے ماتحتوں نے بھی اس کی پیروی کی۔ عمران نے انسپکٹر سے حال احوال پوچھا اور پھر وہ تینوں ایک ہیلی کاپٹر میں سوار ہو گئے۔ پائلٹ سیٹ عمران نے ہی سنبھالی اور پھر ہیلی کاپٹر بلند ہوتا چلا گیا۔ کچھ ہی دیر میں وہ ناگان جنگل کے قریب پہنچ گئے۔

''بس سر۔ ہیلی کاپٹر یہیں اتار لیں''...... کمال جھلا نے نیچے دیکھتے ہوئے کہا تو عمران نے ہیلی کاپٹر زمین پر اتار لیا۔ وہاں قریب ہی ایک ریلوے لائن گزر رہی تھی۔ اس سے کچھ فاصلے پر جنگل شروع ہو رہا تھا اور جنگل کے آغاز پر ایک چشمہ تھا۔ فلم کی شوٹنگ کے لئے یہ لوکیشن بہت اچھی تھی۔ عمران اور بلیک زیرو نے ڈیڑھ دو منٹ تک اردگرد کا جائزہ لیا۔ پھر عمران نے بم ٹیسٹ میٹر و مشین آن کی اور میٹر زمین سے لگایا۔ میٹر پر سبز بلب سپارک کرنے لگا۔ جس کا مطلب تھا کہ پچیس مربع فٹ تک زمین کے اندر کوئی بم نہیں ہے۔ اس کے بعد عمران کم از کم سنتالیس فٹ آگے بڑھا اور اس نے ایک بار پھر میٹر زمین پر رکھ دیا۔ آدھ گھنٹے کے اندر اندر انہوں نے جنگل کا سارا حصہ چیک کر لیا لیکن میٹر نے کہیں بھی بم کی نشاندہی نہ کی۔ وہ واپس چشمے کے قریب آ گئے۔ اس کے بعد عمران چیکنگ کرتا ہوا ریلوے ٹریک کی طرف بڑھنے لگا۔ ریلوے لائن کے قریب پہنچ کر عمران نے ایک جگہ میٹر زمین پر رکھا تو سبز بلب کی بجائے میٹر پر سرخ بلب سپارک کرنے لگا۔

''طاہر۔ ایٹم بم مل گیا''...... عمران نے خوشی سے چلاتے ہوئے کہا۔ عمران اس وقت جتنا خوش دکھائی دے رہا تھا بلیک زیرو نے اس سے قبل عمران کو اتنا خوش نہیں دیکھا تھا۔ عمران نے میٹر کی ناب گھمائی اور زمین پر بیٹھ کر آگے بڑھا۔ وہ چار قدم چلا تھا کہ سپارکنگ تیز ہو گئی عمران رک گیا۔ سپارکنگ تیز ہونے کا مطلب یہ تھا کہ وہ بم کی جگہ پر پہنچ گئے ہیں۔ عمران نے پھر ادھر ادھر دیکھا۔ ریلوے لائن اب چار پانچ قدم کے فاصلے پر تھی۔

''طاہر۔ تم نے کھدائی مشین کار سے نکال کر ہیلی کاپٹر میں رکھ دی تھی نا''...... عمران نے پوچھا۔

''جی ہاں۔ میں لاتا ہوں''...... بلیک زیرو نے مؤدبانہ لہجے میں کہا اور پھر وہ ہیلی کاپٹر کی طرف بڑھا۔ چند لمحوں بعد وہ واپس آیا تو اس کے ہاتھ میں کھدائی کی جدید مشین تھی۔ گو کہ یہ مشین چھوٹی تھی لیکن کارکردگی میں بے مثال تھی۔

''دکھاؤ مجھے۔ میں زمین کھودتا ہوں''...... عمران نے بلیک زیرو سے کہا تو بلیک زیرو نے مشین اس کی طرف بڑھا دی۔ عمران نے مشین لی اور زمین کی کھدائی کرنے لگا۔ یہ مشین گھنٹوں کا کام منٹوں میں کر رہی تھی۔ تھوڑی ہی دیر میں وہاں کافی چوڑا اور گہرا گڑھا ہو گیا۔ پھر اچانک عمران کا ہاتھ رک گیا۔ اس کی آنکھوں میں دکھ اور مایوسی کے تاثرات پیدا ہوتے چلے گئے۔ وہ وہیں گڑھے میں بیٹھتا چلا گیا۔

''طاہر۔اب پاکیشیا کا اللہ حافظ ہے''...... عمران کی دکھ میں ڈوبی ہوئی آواز سنائی دی۔ بلیک زیرو نے فوراً ہی گڑھے میں جھانکا۔ گڑھے میں جھانک کر اس کی آنکھوں میں نمی سی آ گئی۔ کمال جھلا کو بھی اب صورت حال کا صحیح اندازہ ہو چکا تھا۔ اس نے بلیک زیرو کی آنکھوں میں نمی دیکھی تو اس نے بلیک زیرو کے کاندھے پر ہاتھ رکھا جیسے اس کا حوصلہ بڑھا رہا ہو۔ وہ ایکسٹو کے بارے میں شاید جانتا ہی نہیں تھا۔ اگر پاکیشیا سیکرٹ سروس کے ممبران یا وہ آدمی جو ایکسٹو کے بارے میں جانتا تھا اس لمحے بلیک زیرو کو دیکھ لیتا تو یقیناً وہ حیرت سے مر جاتا۔ پاکیشیا سیکرٹ سروس کے ممبران کبھی تصور بھی نہیں کر سکتے تھے کہ ایکسٹو کی آنکھوں میں بھی نمی آ سکتی تھی۔ وہ تو یہی سمجھتے تھے کہ ایکسٹو کے سینے میں دل نہیں پتھر ہے لیکن اس وقت ایکسٹو موم کی مانند دکھائی دے رہا تھا۔

گڑھے میں ایک ٹائم بم نظر آ رہا تھا اور شاید یہ ٹائم بم کسی ٹرین کو اڑانے کے لئے کسی تخریب کار نے یہاں لگایا تھا۔ بلیک زیرو نے ٹائم بم اٹھا کر دیکھا اور پھر اس نے ٹائم بم ناکارہ کر دیا۔ ایٹم بم کا کچھ پتا نہیں تھا اور نہ ہی اب اس کے ٹریس ہونے کی کوئی امید تھی۔

سورج کافی بلندی پر آ چکا تھا اور پاکیشیا کے لوگ سہمے سے دکھائی دے رہے تھے۔ پورے ملک پر ایک دہشت طاری تھی کیونکہ ڈاکٹر بلیک کی ایٹم بم سے منسلک گھڑی ٹی وی چینل پر نظر آ رہی تھی۔ جس کا واضح مطلب یہی تھا کہ حکومت پاکیشیا ابھی تک ایٹم بم کو تلاش نہیں کر سکی۔ حکومت کی جانب سے بھی مکمل خاموشی ہو گئی تھی۔ ڈاکٹر بلیک کے ہلاک ہوتے ہی دنیا بھر کے سربراہان کی طرف سے مبارک باد کے پیغام آنے لگے تھے۔ ان پیغامات کے ساتھ اکثر ممالک نے اپنے ماہرین بھیجنے کی پیش کش بھی کی تھی اور ایکسٹو کی رضامندی کے بعد صدر مملکت نے یہ پیش کش قبول کر لی تھی۔

یوں چند گھنٹوں کے اندر اندر ماہرین کی درجنوں ٹیمیں پاکیشیا پہنچ گئی تھیں اور انہوں ایٹم بم کی تلاشی کا کام بھی شروع کر دیا تھا لیکن دوسرے ممالک کے چینلز نے حکومت پاکیشیا کی ناکامی کے

تبصرے شروع کر دیئے تھے۔ ان کے مطابق پاکیشیائی عوام نے منزل پر پہنچ کر دم توڑا تھا۔ کافرستان کے میڈیا نے اس موقع پر بھی اپنی روایت برقرار رکھی تھی اور وہ ایسے پروگرام پیش کر رہے تھے جس سے پاکیشیا میں خوف و دہشت بڑھ رہی تھی۔ ان کے ایک چینل نے تو خبر نشر کر دی تھی کہ ایٹم بم کی تلاش میں ناکامی پر صدرِ مملکت آف پاکیشیا کو دل کا دورہ پڑ گیا ہے اور صدارتی محل میں ڈاکٹروں کی فوج ان کا علاج کر رہی ہے۔ ایک اسرائیلی چینل نے خبر دی کہ پاکیشیا سیکرٹ سروس کے چیف ایکسٹو اور صدر آف پاکیشیا کے درمیان تلخ کلامی ہو گئی ہے کیونکہ پاکیشیا سیکرٹ سروس ایٹم بم کو تلاش کرنے میں بری طرح ناکام ہو گئی ہے۔

اس قسم کی خبروں اور تبصروں نے پاکیشیا میں طوفان کھڑا کر دیا تھا۔ لوگ دارالحکومت سے ہجرت کرنے لگے۔ وہ لوگ جو سوتے وقت پرامید تھے اب وہ بدحواس ہو چکے تھے۔ وہ سمجھ رہے تھے کہ پاکیشیا سیکرٹ سروس یا حکومت کا کوئی قصور نہیں ہے۔ پاکیشیا سیکرٹ سروس نے تو مجرم کو گرفتار کر لیا تھا۔ اب مجرم کچھ بتانے سے قبل مارا گیا تھا تو اس میں پاکیشیا سیکرٹ سروس کا کیا قصور تھا۔ اب پاکیشیا کا دارالحکومت اور اس سے جڑے ہوئے دیگر شہر بہت وسیع تھے۔

درجنوں جنگل، پہاڑ اور میدان تھے۔ ان سب جگہوں پر اتنے محدود وقت میں چیکنگ کر لینا ممکن نہیں تھا۔ لہٰذا انہیں اپنی حکومت

اور پاکیشیا سیکرٹ سروس سے کوئی گلہ نہیں تھا۔ وہ جانیں بچانے کے لئے ہجرت کر رہے تھے لیکن کچھ لوگ ایسے بھی تھے جو ہجرت کے حق میں نہیں تھے۔ ان کا کہنا تھا کہ اگر ان کی موت آ چکی ہے تو پھر چاہے وہ جہاں بھی چلے جائیں بچ نہیں سکیں گے لیکن اگر ان کی موت نہیں آئی تو پھر دارالحکومت میں رہتے ہوئے بھی کوئی انہیں مار نہیں سکتا۔ ان کا خیال تھا کہ وہ کسی دوسرے شہر میں جائیں تو ہو سکتا ہے کہ ڈاکٹر بلیک نے اسی شہر میں ایٹم بم فٹ کیا ہوا ہو۔ دارالحکومت سے دور دراز علاقوں کے لوگ دارالحکومت میں رہنے والے اپنے عزیزوں اور رشتے داروں کو فون کر کے اپنے ہاں بلا رہے تھے۔

اس وقت پاکیشیا قیامت کا منظر پیش کر رہا تھا ہر طرف افراتفری پھیلی ہوئی تھی۔ جو لوگ دارالحکومت سے ہجرت کر رہے تھے ان کی کوشش تھی کہ وہ جلد سے جلد دارالحکومت کو چھوڑ دیں اور کسی محفوظ علاقے میں پہنچ جائیں لیکن پاکیشیا کا کوئی بھی علاقہ اس وقت محفوظ تصور نہیں کیا جا سکتا تھا۔ پاکیشیا میں کئی شہروں میں دیگیں پکا کر خیرات کی جا رہی تھی اور اس کے ساتھ ساتھ دعائیں مانگی جا رہی تھیں۔ کئی لوگ مساجد میں جا کر بیٹھ گئے تھے۔ انہوں نے اپنے اہل خانہ کو ہدایت کر دی تھی کہ حکومت کی طرف سے جیسے ہی اعلان ہو کہ ایٹم بم تلاش کر کے ناکارہ بنا دیا گیا ہے وہ مسجد میں آ کر یہ خوشخبری انہیں سنا دیں۔ ملک بھر میں لاکھوں دیگیں پکا کر خیرات کی

جا رہی تھی اور دعائیں مانگی جا رہی تھیں کہ اللہ تعالیٰ اس مصیبت کی گھڑی کو ٹال دے۔ ملکی اور غیر ملکی میڈیا نے ماحول کو اتنا خوفزدہ بنا دیا تھا کہ وہ لوگ بھی سجدے میں گرے ہوئے تھے جنہوں نے کبھی نماز عید بھی ادا نہیں کی تھی۔ بس اس وقت پاکیشیا میں ایک عجیب سا عالم تھا۔ فضا میں خوف و امید کی آمیزش تھی۔ پھر ٹی وی چینلز نے ماہرین کی ان ٹیموں کو براہ راست دکھانا شروع کر دیا جو ایٹم بم کو ٹریس کر رہی تھیں۔ سینکڑوں مشینیں حرکت میں تھیں۔ سرکاری و غیر سرکاری وسائل اور ذرائع استعمال کئے جا رہے تھے۔ ملٹی نیشنل کمپنیاں اور این جی اوز بھی متحرک ہو چکی تھیں لیکن ابھی تک ایٹم بم ٹریس نہیں ہو سکا تھا۔ عمران اور بلیک زیرو ناگان جنگل سے ناکام واپسی کے بعد دانش منزل پہنچ چکے تھے۔ کمال جھلا کو انہوں نے گریٹ پارک میں ہی چھوڑ دیا تھا۔

"عمران صاحب۔ میں چائے بنا کر لاتا ہوں"...... آپریشن روم میں پہنچ کر بلیک زیرو نے کہا۔ عمران نے اس کی بات کا کوئی جواب نہ دیا۔ بلیک زیرو کچن میں چلا گیا اور چائے بنا لایا۔ چائے کے ساتھ وہ بسکٹ بھی لے آیا تھا۔ اس نے چائے اور بسکٹ عمران کے سامنے رکھ دیئے۔

"عمران صاحب۔ کیا آپ مایوس ہو چکے ہیں"...... بلیک زیرو نے چائے پینے کے دوران پوچھا۔

"مایوسی کو گناہ کہا جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ ہمیں گناہوں سے

بچائے۔ میں ہرگز ہرگز مایوس نہیں ہوں۔ بس سوچ رہا ہوں کہ ڈاکٹر بلیک یہ تصویر اپنے ساتھ کیوں لایا تھا"...... عمران نے کہا۔ پھر اس سے پہلے کہ بلیک زیرو اس کی بات کے جواب میں کچھ کہتا ٹیلی فون کی گھنٹی بجنے لگی۔

"ایکسٹو"...... عمران نے رسیور اٹھا کر کان سے لگایا اور ایکسٹو کے مخصوص لہجے میں بولا۔

"میں سلطان بول رہا ہوں طاہر بیٹے۔ کیا عمران موجود ہے"۔ دوسری طرف سے سرسلطان کی آواز سنائی دی۔

"تو آپ کا کیا خیال ہے کہ میں دارالحکومت سے فرار ہو چکا ہوں۔ بائی دا دے۔ آپ کس شہر سے بول رہے ہیں"۔ عمران نے کہا۔ کافی دیر کے بعد اس کے چہرے پر مسکراہٹ آئی تھی۔

میں بھی دارالحکومت میں ہی ہوں۔ میں نے بھاگ کر کہاں جانا ہے"...... سرسلطان نے کہا۔

"کیا آپ کو موت سے ڈر نہیں لگتا۔ موت اب چند گھنٹوں کی دوری پر ہے"...... عمران نے کہا۔

"میں اپنی زندگی جی چکا ہوں عمران بیٹے۔ اور اگر اب میری موت آ گئی ہے تو میں دنیا کے کسی حصے میں بھی چلا جاؤں موت کے فرشتے نے مجھے نہیں چھوڑنا۔ تم اپنی فکر کرو"...... سرسلطان کی آواز سنائی دی۔

"میں تو فکر میں مبتلا ہوں۔ آ کر دیکھیں کہ میں کتنا دبلا ہو گیا

ہوں''...... عمران نے کہا۔

''میں چشم تصور سے دیکھ رہا ہوں عمران بیٹے کہ تم واقعی فکر میں بہت دبلے ہو گئے ہو لیکن یہ فکر تمہیں اپنی نہیں ہے بلکہ پاکیشیا کے معصوم اور بے گناہ لوگوں کی ہے۔ اب تم بتاؤ کہ ایٹم بم کو تلاش کرنے کے لئے تم نے کیا کیا ہے''...... دوسری طرف سے سرسلطان نے سنجیدہ لہجے میں کہا۔

''ڈاکٹر بلیک کی جیب سے ایک تصویر برآمد ہوئی تھی۔ میں نے اس کے مطابق ایٹم بم ٹریس کرنے کی کوشش کی ہے لیکن مجھے ناکامی ہوئی ہے''...... عمران نے کہا۔

''عمران بیٹے۔ تمہیں معلوم ہے کہ اس وقت دنیا بھر کے اربوں مسلمان دل سے پاکیشیا کی سلامتی کے لئے دعائیں مانگ رہے ہیں۔ اللہ تو اپنے ایک بندے کی دل سے نکلی ہوئی دعا رد نہیں کرتا تو پھر اربوں بندوں کی دعائیں کیسے رد کرے گا۔ مجھے یقین ہے عمران بیٹے کہ تم ناکام نہیں ہو سکتے۔ اللہ تعالیٰ تمہیں ضرور کامیابی سے ہمکنار کرے گا۔ ابھی وقت ہے تم کوشش جاری رکھو''۔ سرسلطان نے کہا۔

''آپ بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ ہماری کوششیں جاری ہیں۔ آپ دعائیں جاری رکھیں''...... عمران نے ایک نئے عزم کے ساتھ کہا۔

''او کے۔ اللہ حافظ''...... دوسری طرف سے سرسلطان نے کہا

اور پھر کال منقطع ہوگئی تو عمران نے بھی رسیور رکھ دیا۔

''عمران صاحب۔ سرسلطان کی باتوں سے تو ایک نیا حوصلہ پیدا ہوا ہے''...... بلیک زیرو نے کہا۔

''ہاں۔ بزرگ ہمیشہ حوصلہ بڑھاتے ہیں''...... عمران نے کہا اور پھر اس نے رسیور اٹھایا اور نمبر پریس کرنے لگا۔

''جولیا سپیکنگ''...... رابطہ ہونے پر دوسری طرف سے جولیا کی آواز سنائی دی۔

''ایکسٹو''...... عمران نے ایکسٹو کے مخصوص لہجے میں کہا۔

''یس چیف۔ حکم''...... دوسری طرف سے جولیا نے مؤدبانہ لہجے میں کہا۔

''تمام ممبران کو ہدایت کر دو کہ وہ تمام دارالحکومت میں پھیل جائیں اور حالات پر نظر رکھیں۔ ممکن ہے کہ انہیں ایٹم بم کے بارے میں کوئی اطلاع مل جائے''...... عمران نے کہا۔

''او کے چیف''...... جولیا نے کہا تو عمران نے رسیور کریڈل پر رکھ دیا۔

''عمران صاحب۔ ڈاکٹر بلیک کے ساتھ جو لوگ آئے ہیں آپ ان سے تو پوچھ گچھ کریں۔ ہو سکتا ہے کہ ان سے کوئی اشارہ مل جائے''...... بلیک زیرو نے کہا۔

''امید تو نہیں ہے لیکن پوچھ گچھ کرنی پڑے گی۔ ہو سکتا ہے کہ کچھ معلوم ہو ہی جائے''...... عمران نے کہا۔

”عمران صاحب۔ کوشش کرنا ہمارا کام ہے اس لئے ہمیں کوشش کرتے رہنا چاہئے“...... بلیک زیرو نے کہا۔

”اوکے۔ میں سنٹرل انٹیلی جنس کے ہیڈکوارٹر جا رہا ہوں“۔ عمران نے کرسی سے اٹھتے ہوئے کہا اور پھر وہ آپریشن روم سے باہر نکلتا چلا گیا۔

اس نے ڈاکٹر بلیک کے تمام گرفتار شدہ ساتھیوں سے پوچھ گچھ کی لیکن ان میں سے کسی کو بھی ایٹم بم کے بارے میں معلوم نہیں تھا۔ عمران وہاں سے اٹھ کر سیکرٹریٹ گیا۔ وہاں سے اس نے باہر سے آنے والے ماہرین کے بارے میں معلومات حاصل کیں اور پھر وہ ماہرین کے ساتھ چیکنگ کرنے لگا۔ وہ کبھی ایک ٹیم کے ساتھ شامل ہو جاتا تو کبھی دوسری کے ساتھ۔ تمام دن یونہی گزر گیا۔ رات ہو گئی۔ اب دارالحکومت پر سناٹا چھا گیا تھا۔ شام سے پہلے تک بہت سے لوگوں کو امید تھی لیکن جیسے ہی سورج نے ڈھلنا شروع کیا۔

لوگوں کی امیدوں کے چراغ بھی گل ہونے لگے۔ میڈیا نے اعلان کر دیا کہ اب پاکیشیا کے بچنے کی کوئی امید نہیں اس لئے لوگ دارالحکومت چھوڑ کر جا رہے تھے۔ رات ہونے پر دوسرے ممالک سے آئے ہوئے ماہرین کی واپسی کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ وہ لوگ مایوس ہو گئے تھے اور اب چونکہ ایٹم بم کے پھٹنے میں بہت کم وقت رہ گیا تھا اس لئے وہ پاکیشیا سے نکل جانا چاہتے تھے تاکہ وہ محفوظ

رہ سکیں۔ انہوں نے دیکھ لیا تھا کہ موت نے اپنے سیاہ پر کھول دیئے تھے اور پاکیشیا پر موت کے ان سیاہ پروں کا سایہ پھیل چکا تھا اور اب پاکیشیا کو تباہی سے کوئی نہیں بچا سکتا تھا۔ عمران تمام دن کے جدوجہد کے بعد دانش منزل کے آپریشن روم میں داخل ہوا تو بلیک زیرو حسب معمول اس کے احترام میں کھڑا ہو گیا۔ عمران بہت تھکا ہوا دکھائی دے رہا تھا۔ عمران کے چہرے کو دیکھتے ہی بلیک زیرو نے اندازہ لگا لیا کہ عمران نے سارا دن کچھ نہیں کھایا پیا۔ عمران اپنی کرسی پر بیٹھا تو بلیک زیرو اس کے لئے چائے بنانے چلا گیا جبکہ اسی لمحے ٹیلی فون کی گھنٹی بجنے لگی۔

”ایکسٹو“...... عمران نے رسیور اٹھا کر کان سے لگایا اور ایکسٹو کے مخصوص لہجے میں کہا۔

”باس۔ جولیا بول رہی ہوں“...... دوسری طرف سے جولیا کی آواز سنائی دی۔

”یس جولیا۔ کس لئے فون کیا ہے“...... عمران نے مخصوص لہجے اور انداز میں کہا۔

”چیف۔ اس وقت تمام ممبرز میرے فلیٹ میں جمع ہیں اور آپ کے حکم کے منتظر ہیں“...... دوسری طرف سے جولیا نے مؤدبانہ لہجے میں کہا۔

”جولیا۔ بحیثیت مسلمان ہماری امیدیں اب بھی قائم ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ ابھی تک ایٹم بم ٹریس نہیں ہو سکا اور ہم کسی خوش

فہمی کا شکار بھی نہیں ہیں۔ لہٰذا اگر تم میں سے کوئی یا تم سب دارالحکومت چھوڑنا چاہتے ہو تو تمہیں اجازت ہے۔ جہاں جانا چاہو چلے جاؤ اور اس مقصد کے لئے اگر تم لوگ ہیلی کاپٹر استعمال کرنا چاہو تو دانش منزل کے ہیلی پیڈ پر آ جاؤ۔ تمہیں ہیلی کاپٹر استعمال کرنے کی بھی اجازت ہے''...... عمران نے سپاٹ لہجے میں کہا۔

''نو چیف۔ ایسا نہیں ہو گا۔ ہم سب اس موضوع پر پہلے ہی بات کر چکے ہیں۔ ہمارا مشترکہ فیصلہ یہ ہے کہ ہم مصیبت کی اس گھڑی میں اپنے دارالحکومت کو تنہا نہیں چھوڑیں گے۔ ہمیں دارالحکومت سے محبت ہے۔ دارالحکومت پر جو مصیبت آئے گی وہی مصیبت ہم پر بھی آئے گی''...... جولیا نے جذباتی لہجے میں کہا۔

''جولیا۔ تم یہ کیوں بھول رہی ہوں کہ سیکرٹ ایجنٹ کو جذباتی نہیں ہونا چاہئے''...... عمران نے کرخت لہجے میں کہا۔

''ج۔ ج۔ جی۔ چچ۔ چیف''...... جولیا نے بری طرح ہکلاتے ہوئے کہا۔ اس کے تو تصور میں بھی نہیں تھا کہ ایکسٹو ایسے موقع پر بھی یہ بات کہہ سکتا ہے۔

''ہاں۔ سیکرٹ ایجنٹ آخری سانس تک حالات سے مایوس نہیں ہوتا اور اپنا فرض ادا کرتا رہتا ہے اور ملک کی سلامتی کے لئے جدوجہد کرنا ہمارا اولین فرض ہے۔ لہٰذا ہم لوگوں نے یہ فرض آخری سانس تک ادا کرنا ہے''...... عمران نے کہا اور پھر اس نے رسیور کریڈل پر رکھ دیا۔ رسیور کریڈل پر رکھنے کے بعد عمران نے ڈاکٹر

بلیک کی جیب سے برآمد ہونے والی تصویر اپنے سامنے ٹیبل پر رکھی اور اسے گھورنے لگا۔ بلیک زیرو اس دوران چائے اور سلائس بنا لایا۔ حالات کی وجہ سے ابھی تک عمران کو بھوک تو نہیں لگی تھی۔ اس کے باوجود بھی عمران نے دو سلائس کھا لئے اور چائے پینے لگا۔ اس دوران عمران کی نظریں مسلسل تصویر پر تھیں اور وہ یہ سوچ رہا تھا کہ اگر اس تصویر کا ایٹم بم سے تعلق نہیں ہے تو پھر ڈاکٹر بلیک اسے خصوصی طور پر اپنے ساتھ کیوں لایا تھا۔

''عمران صاحب۔ بڑے ہدایت کار عموماً تین تین چار چار فلموں کی ہدایات بیک وقت دے رہے ہوتے ہیں اور ان کا طریقہ کار یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے اسسٹنٹ کو کام سمجھا کر دوسری فلم کے سیٹ پر چلے جاتے ہیں اور پھر وہاں تیسری فلم کی شوٹنگ پر۔ یوں کام ان کے اسسٹنٹ کرتے ہیں اور نام ان کا چلتا ہے''...... بلیک زیرو نے کہا تو عمران اس کی بات سن کر اچھل پڑا۔ اس کی آنکھوں میں یکدم چمک پیدا ہو گئی۔ پھر اس کا ہاتھ تیزی سے رسیور کی طرف بڑھا اور اس نے رسیور اٹھا کر نمبرز پریس کئے۔

''ایکسٹو''...... جیسے ہی دوسری طرف سے رسیور اٹھایا گیا عمران نے تیز لہجے میں کہا۔

''یس چیف جولیا۔ سپیکنگ''...... دوسری طرف سے جولیا کی مؤدبانہ آواز سنائی دی۔

''جولیا۔ تم اپنے ساتھ تنویر اور صفدر کو گرین اسٹوڈیو لے جاؤ۔

ہدایت کار کمال جھلا اور فلم ''لو ان جنگل'' کے اسسٹنٹ ہدایت کار اور کیمرہ مین کو ہر حال میں دانش منزل کے ڈارک روم میں پہنچا دو۔ چاہے وہ جہاں کہیں بھی ہوں اور اس کام کے لئے تمہارے پاس صرف ایک گھنٹہ ہے''...... عمران نے بدستور تیز لہجے میں کہا اور پھر اس نے جولیا کا جواب سنے بغیر رسیور رکھ دیا۔ تقریباً چالیس منٹ بعد ٹیلی فون کا گھنٹی بجی تو ان دونوں نے سی ایل آئی کی طرف دیکھا۔ جولیا کے سیل فون کا نمبر فلیش ہو رہا تھا۔

''ایکسٹو''...... عمران نے رسیور اٹھا کر کان سے لگاتے ہوئے ایکسٹو کے مخصوص لہجے میں کہا۔

''چیف۔ جولیا بول رہی ہوں۔ تینوں مطلوبہ افراد اس وقت ہماری تحویل میں ہیں اور ہم دانش منزل کی طرف آ رہے ہیں''۔ جولیا کی آواز سنائی دی۔

''او کے۔ عمران بھی ڈارک روم میں پہنچ چکا ہے۔ وہی ان سے پوچھ گچھ کرے گا''...... عمران نے ایکسٹو کے لہجے میں کہا اور پھر اس نے رسیور رکھ دیا۔ اس کے بعد وہ اٹھا اور ڈارک روم میں آ گیا۔ تھوڑی دیر ہی گزری تھی کہ ڈارک روم میں صفدر، تنویر اور جولیا داخل ہوئے۔ صفدر اور تنویر کے کاندھوں پر ایک ایک بے ہوش آدمی تھا۔ انہوں نے بے ہوش آدمیوں کو کرسیوں پر ڈالا اور تنویر ڈارک روم سے باہر چلا گیا۔

''صفدر۔ انہیں ہوش میں لے آؤ''...... عمران نے سنجیدہ لہجے

میں کہا تو صفدر آگے بڑھا اور اس نے کمال جھلا کے منہ اور ناک پر ہاتھ رکھ دیا۔ اس کے جسم میں جھٹکا لگا تو صفدر نے اسے چھوڑا اور دوسرے آدمی کی طرف بڑھا۔ اس نے دوسرے آدمی کے ساتھ بھی وہی سلوک کیا۔ اس دوران تنویر پھر ڈارک روم میں داخل ہوا۔ اس نے تیسرے آدمی کو کاندھے پر اٹھایا ہوا تھا۔ تنویر نے اسے بھی کرسی پر پھینکا اور پھر اس کے منہ اور ناک پر ہاتھ رکھ دیا۔

''تت۔ تت۔ تم۔ یا۔ یعنی کہ آپ۔ ہم۔ ہم کہاں ہیں''۔ کمال جھلا نے ہوش میں آتے ہی کہا۔

''تم اس وقت ہمارے ہیڈکوارٹر میں ہو اور تمہارے جھوٹ کی وجہ سے تباہی پاکیشیا کے سر پر پہنچ چکی ہے۔ کروڑوں معصوم اور بے گناہ لوگ موت کے سمندر میں غرق ہونے والے ہیں''...... عمران نے سرد لہجے میں کہا۔

''میں نے کوئی جھوٹ نہیں بولا۔ آپ خود چیکنگ کر چکے ہیں''...... کمال جھلا نے احتجاجی لہجے میں کہا۔

''بکواس بند کرو۔ اس سین کا تعلق ایٹم بم سے ہے۔ بتاؤ یہ سین کہاں فلمایا تھا''...... عمران نے کہا۔

''یہ سین ناگان جنگل میں ہی فلمایا گیا ہے''...... کمال جھلا نے بااعتماد لہجے میں کہا۔

''یہ سین تمہاری آنکھوں کے سامنے فلمایا گیا تھا''...... عمران نے تیز لہجے میں پوچھا۔

"اس سین کی ریکارڈنگ کی مکمل تیاری کے بعد میں دوسری شوٹنگز پر چلا گیا تھا۔ یہ سین جمشید جیلانی نے شوٹ کیا ہے"۔ کمال جھلا نے اپنے ساتھی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"یہ جمشید جیلانی ہے تمہارا اسسٹنٹ اور یہ "لو ان جنگل" کا کیمرہ مین ہے"...... عمران نے اس کے ساتھیوں کے بارے میں پوچھا۔

"یس"...... کمال جھلا نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔

"تم بتاؤ جمشید جیلانی۔ تم نے یہ سین کہاں شوٹ کیا ہے"۔ عمران نے سخت لہجے میں جمشید جیلانی سے کہا۔

"سر۔ ہم نے یہ سین ناگان جنگل میں ہی شوٹ کیا ہے"۔ جمشید جیلانی نے کہا۔ جیسے ہی اس کا جملہ مکمل ہوا۔ اس کی چیخ بھی بلند ہو گئی کیونکہ عمران کا بھرپور تھپڑ اس کے منہ پر پڑا تھا۔ وہ الٹ کر کرسی سے نیچے گرا اور اس کا ہونٹ پھٹ گیا۔

"کھڑے ہو جاؤ جمشید جیلانی"...... عمران نے سرد لہجے میں کہا تو وہ کھڑا ہو گیا۔

"میرے ہاتھ میں ریوالور ہے اور یہ ریوالور فلموں کی شوٹنگ میں استعمال ہونے والا نہیں ہے۔ یہ بالکل اوریجنل ریوالور ہے اس کی ایک گولی تمہارا خاتمہ کر سکتی ہے۔ لہٰذا سچ سچ بتاؤ کہ تم نے یہ سین کہاں شوٹ کیا ہے"...... عمران نے سرد لہجے میں کہا۔

"میری بات کا یقین کریں جناب۔ یہ سین"...... اس کی بات

مکمل ہی نہیں ہوئی تھی کہ اس کے منہ سے ایک بار پھر چیخ نکل گئی۔ اس مرتبہ ایک دھماکا بھی ہوا تھا۔ یہ دھماکا عمران کے ریوالور سے ہوا تھا۔ گولی جمشید جیلانی کے کان کے قریب سے گزر گئی تھی۔ جمشید کی چیخ کے ساتھ ساتھ اس کا ایک ہاتھ اپنے کان پر چلا گیا تھا۔

"جمشید جیلانی۔ ہم لوگوں کے نشانے خطا نہیں ہوتے۔ میں نے تمہیں ایک موقع دیا ہے۔ دوسری گولی تمہاری کھوپڑی کے ٹکڑے کر دے گی"...... عمران نے کرخت لہجے میں کہا۔

"سس۔ سس۔ سر۔ کم۔ کم۔ کمال صاحب بہت سخت طبیعت کے ہیں۔ اس لئے مجھے جھوٹ بولنا پڑا۔ شوٹنگ کے بعد جب یونٹ واپس آ گیا تھا تو اس سین میں تکنیکی غلطی تھی۔ اب دوبارہ یونٹ کے ساتھ ناگان جنگل جانا بہت مہنگا تھا اور یہ سین بھی صرف تیس چالیس سیکنڈ کا تھا۔ اس لئے میں نے انہیں بتائے بغیر یہ سین دوبارہ سٹوڈیوز میں شوٹ کر لیا"...... جمشید جیلانی نے خوفزدہ لہجے میں جواب دیا تو عمران نے ایک طویل سانس لیا۔

"اگر تم یہ بات پہلے بتا دیتے تو ہمیں اتنی پریشانیوں سے نہ گزرنا پڑتا"...... کمال جھلا نے اپنے اسسٹنٹ کو گالیاں دیتے ہوئے کہا۔ اس کے ساتھ ہی عمران کی نظر گھڑی کی طرف گئی۔ ایٹم بم پھٹنے میں اب صرف پینتالیس منٹ باقی تھے۔

"چلو۔ دکھاؤ ہمیں وہ جگہ۔ جہاں تم نے یہ سین شوٹ کیا

ہے''...... عمران نے تیز لہجے میں کہا۔ پھر تین کاریں تیز رفتاری سے گرین اسٹوڈیوز کی طرف بڑھنے لگیں۔ سڑک پر چونکہ ایک بھی گاڑی دکھائی نہیں دے رہی تھی لہٰذا ان کی کاریں طوفانی رفتار سے چل رہی تھیں۔ تھوڑی ہی دیر میں وہ اسٹوڈیوز پہنچ گئے۔ اسٹوڈیوز کے مین گیٹ پر بڑا تالا لگا ہوا تھا۔ گیٹ کے قریب بنچ تو رکھا ہوا تھا لیکن سیکورٹی گارڈ موجود نہیں تھا۔ عوام کی اکثریت کی طرح سیکورٹی گارڈ بھی دارالحکومت چھوڑ کر جا چکا تھا۔ وہ سب کاروں سے نیچے اترے اور گیٹ کے قریب پہنچ گئے۔

''میں ملک صاحب کو فون کرتا ہوں۔ وہ ابھی آ جائیں گے''۔ کمال جھلا نے کہا اور اپنی جیب سے سیل فون نکالا اور نمبرز پریس کرنے لگا۔ نمبرز پریس کرنے کے بعد اس نے کال اوکے کا بٹن پریس کیا اور سیٹ کان سے لگا لیا۔

''بیل جا رہی ہے''...... کمال جھلا نے سیل فون کان سے لگاتے ہوئے کہا۔

''فون کوئی نہیں اٹھا رہا۔ لگتا ہے کہ سب لوگ شہر چھوڑ گئے ہیں''...... تھوڑی دیر بعد کمال جھلا نے کہا۔ عمران کے لئے ایک ایک لمحہ قیمتی تھا۔ اب بات گھنٹوں کی نہیں بلکہ منٹوں کی رہ گئی تھی۔

''میں سیل فون پر کال کرتا ہوں''...... کمال جھلا نے کہا اور دوبارہ نمبر پریس کرنے لگا۔

''رہنے دو۔ اتنا وقت نہیں ہے کہ ہم فون کرتے رہیں۔ تنویر۔

تالا توڑ دو''...... عمران نے کرخت لہجے میں پہلے کمال جھلا سے اور پھر تنویر سے کہا تو تنویر نے جیب سے ریوالور نکالا اور اس نے نال ''کی ہول'' سے لگا کر ٹریگر دبا دیا۔ بڑے تالے کے پرخچے اڑ گئے۔ تنویر نے گیٹ کو ٹھوکر ماری تو گیٹ زوردار دھماکے سے کھل گیا۔ وہ سب دوبارہ کاروں میں بیٹھے اور کاریں سٹوڈیو میں داخل ہو گئیں۔

''کہاں ہے وہ جگہ''...... عمران نے بے چینی سے جمشید جیلانی سے پوچھا۔

''اس طرف چلیں سر''...... جمشید جیلانی نے ایک طرف ہاتھ کا اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ عمران نے کار اس طرف موڑ دی۔ جلد ہی وہ درختوں کے ایک جھنڈ کے قریب پہنچ گئے یہ ایک چھوٹا سا جنگل تھا۔ عمران جانتا تھا کہ فلم سٹوڈیوز میں جنگل، میدان، شہر، گاؤں وغیرہ کا ماحول موجود ہوتا ہے۔ اس لئے زیادہ تر فلمیں سٹوڈیوز میں بنائی جاتی ہیں۔ اس طرح سے فلمیں کم بجٹ میں تیار ہو جاتی ہیں۔ البتہ بھاری بجٹ کی فلموں کی شوٹنگ دور دراز کے علاقوں میں ہی کی جاتی ہے۔

''بس سر۔ کار یہیں روک لیں''...... جمشید جیلانی کے کہنے پر عمران نے کار روک لی۔ پھر وہ سب ہی کاروں سے نیچے اترے۔ ان سب کے دلوں کی دھڑکن انتہائی تیز ہو چکی تھی کیونکہ اب وقت بہت ہی کم رہ گیا تھا۔ انہیں جانوں کی پرواہ نہیں تھی۔ انہیں فکر تھی تو

پاکیشیا کی تھی۔ گو کہ دارالحکومت کی آبادی کا پچانوے فیصد سے زائد حصہ ہجرت کر چکا تھا لیکن اس کے باوجود دارالحکومت کا تباہ ہونا پاکیشیا کی ریڑھ کی ہڈی کے ٹوٹنے کے برابر تھا۔ تابکاری اثرات کئی سالوں تک رہنے تھے۔ تباہی صرف دارالحکومت تک محدود نہیں رہنی تھی بلکہ دارالحکومت کے جڑواں شہروں نے بھی تباہ ہو جانا تھا۔

''سر۔ یہ سین یہاں شوٹ ہوا ہے''...... جمشید جیلانی نے ایک جگہ کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ عمران نے اثبات میں سر ہلایا۔ پھر اس نے اپنی کار میں سے بم ٹیسٹ میٹر اور مشین نکالی اور زمین چیک کرنے لگا۔ جلد ہی میٹر پر سرخ بلب جل اٹھا اور سپارکنگ کرنے لگا۔ سرخ لائٹ کو دیکھتے ہی بے اختیار عمران کے منہ سے نعرہ تکبیر بلند ہوا۔ اربوں مسلمانوں کے سجدے بار آور ثابت ہوئے تھے اور دعائیں قبول ہو گئی تھیں۔

عمران نے کھدائی کی جدید مشین اٹھائی اور کھدائی کرنے لگا۔ جلد ہی ایک پائپ نمودار ہو گیا۔ پھر تھوڑی سی مزید کوشش کے بعد ایک بڑی ٹنکی برآمد ہو گئی جس کے ساتھ مختلف میٹر لگے ہوئے تھے اور اس کے ساتھ شیشے کا ایک سلنڈر بھی منسلک تھا۔ ٹنکی کے اوپر ایک گھڑی بھی لگی ہوئی تھی۔ یہ وہی گھڑی تھی جو ٹی وی چینلز پر دکھائی دے رہی تھی۔ ان کے ساتھ ہی ویژن کنٹرول سسٹم کا جال بچھا ہوا تھا۔ یہ وہ ایٹم بم تھا جو پاکیشیا کی تباہی کے لئے نصب کیا گیا تھا۔ اگلے ہی لمحے عمران نے جیب سے اپنا سیل فون سیٹ نکالا

اور تیزی سے نمبرز پریس کرنے لگا۔

''یس عمران بیٹے۔ کیا ایٹم بم ٹریس ہوا''...... دوسری طرف سے فوراً ہی سرداور کی آواز سنائی دی۔

''جی ہاں سرداور۔ ایٹم بم گرین سٹوڈیوز میں نصب ہے اور میں نے کھدائی کر کے اسے برآمد کر لیا ہے۔ اب اس کے پھٹنے میں صرف پندرہ منٹ باقی ہیں۔ اب اگر آپ یہاں پہنچ کر اسے ناکارہ کر سکتے ہیں تو آ جائیں''...... عمران نے کہا اور اس کے ساتھ ہی اس نے کال کاٹ دی۔

''س۔س۔ سر۔ ہم۔ ہمیں اجازت ہے''...... کمال جھلا نے انتہائی وحشت زدہ لہجے میں کہا۔ ایٹم بم دیکھ کر کمال جھلا، جمشید جیلانی اور کیمرہ مین انتہائی خوف زدہ ہو گئے تھے۔

''ہاں۔ تم لوگ جتنی دور جا سکتے ہو چلے جاؤ۔ ہماری ایک کار لے جاؤ''...... عمران نے سنجیدہ لہجے میں کہا۔

''ش۔ شش۔ شکریہ ۔ سر''...... کمال جھلا نے کہا اور پھر وہ تینوں تیزی سے ایک کار کی طرف بڑھے۔ اگلے ہی لمحے کار آندھی اور طوفان کی مانند بیک ہوئی، پھر سیدھی ہوئی اور پھر گیٹ کی طرف بڑھی اور دیکھتے ہی دیکھتے نظروں سے اوجھل ہو گئی۔ پھر دس منٹ ہی گزرے تھے کہ دو بڑی جیپیں وہاں پہنچ گئیں۔ ان جیپوں سے سرداور اور تقریباً پندرہ افراد اور نیچے اترے۔ ان میں سے دس افراد سائنس دان تھے۔ وہ ایٹم بم ناکارہ بنانے والی مشینری ساتھ

لائے تھے۔ سرداور اور دیگر سائنس دانوں نے ایٹم بم کا معائنہ کیا اور پھر ان سب کی آنکھوں میں اندھیرا چھانے لگا۔ سبھی کے چہرے موت کے خوف سے سیاہ پڑ گئے۔ ان میں سے تین سائنس دان تو نیچے گرے اور ساکت ہو گئے۔ وہ نجانے بے ہوش ہوئے تھے یا ان کے دلوں کی دھڑکن ہی تھم گئی تھی۔ جولیا، تنویر اور صفدر کے لئے ان کا یہ عمل نہایت حیران کن تھا لیکن عمران کو اسی بات کی توقع تھی کیونکہ اس نے بھی ایٹم بم کا معائنہ کیا تھا۔ ایٹم بم کے ساتھ شیشے کا سلنڈر لگا ہوا تھا۔

اس شیشے کے سلنڈر کے ساتھ مشین لگی ہوئی تھی اور اس مشین سے ایک تار نکل کر گھڑی سے منسلک ہو رہی تھی۔ اب اس کا انتظام کچھ یوں تھا کہ آخری گھنٹے میں اس مشین سے ایک گیس نکل کر اس سلنڈر میں بھرنا شروع ہو جاتی اور وقت مکمل ہونے پر سلنڈر نے گیس سے بھر جانا تھا اور اس گیس کے بھرتے ہی سلنڈر نے پھٹ جانا تھا اور جیسے ہی سلنڈر نے پھٹنا تھا ایٹم بم نے بھی اسی کے ساتھ پھٹ جانا تھا۔ ایٹم بم اور سلنڈر جڑے ہوئے تھے اور انہیں الگ کرنے کا وقت نہیں تھا۔ الگ کرنے کی کوشش میں بھی سلنڈر پھٹ جانا تھا۔ اس پریشانی کے باوجود بھی سرداور اور دیگر سائنس دانوں نے اپنی کوشش شروع کر دی۔ انہوں نے مختلف شعاعیں سلنڈر پر پھینکیں لیکن ان شعاعوں سے کچھ بھی نہ ہوا۔ عمران نے گھڑی پر نظر دوڑائی اب بم پھٹنے میں صرف دو منٹ بچ

گئے تھے۔ مزید ایک منٹ تک کوششیں کرتے رہنے کے بعد سائنس دان پیچھے ہٹ گئے۔ ان کی آنکھیں بجھ گئی تھیں۔ ان کی زبانوں سے کلمہ طیبہ جاری ہو گیا تھا کیونکہ انہیں اپنی موت کا یقین ہو گیا تھا۔ جولیا، صفدر اور تنویر نے ان کی یہ حالت دیکھی اور انہیں کلمہ طیبہ پڑھتے دیکھا تو وہ بھی کلمہ طیبہ پڑھنے لگے۔ عمران نے جیب سے ریوالور نکالا اور پھر اس نے غم اور غصے کی حالت میں گھڑی پر فائر کر دیا۔ جس پر صرف پچاس سیکنڈ باقی تھے۔ اس کے بعد عمران نے ریوالور پھینکا اور کلمہ طیبہ پڑھتے ہوئے وہ زمین پر لیٹ گیا۔ وہ سب افراد زور زور سے کلمہ طیبہ پڑھتے ہوئے زمین پر لیٹ گئے۔ انہوں نے اپنی آنکھیں بند کر لیں اور خود کو اللہ تعالیٰ کے سامنے محسوس کرنے لگے۔

ایک ایک سیکنڈ قیامت بن کر گزر رہا تھا۔ پھر کافی دیر گزر گئی لیکن دھماکا نہ ہوا۔ وہ دھماکے کا انتظار کرتے رہے۔ صرف پچاس سیکنڈ باقی تھے۔ تو کیا اب تک وہ پچاس سیکنڈ پورے نہیں ہوئے تھے۔ عمران نے آہستہ سے سر اٹھا کر دیکھا۔ وہ سبھی صحیح سالم تھے۔ عمران نے اپنی ریسٹ واچ پر نظر ڈالی۔ تین منٹ زیادہ ہو گئے تھے۔ عمران اٹھ کر کھڑا ہوا تو اس کی حرکت دوسروں نے بھی محسوس کر لی۔ وہ سبھی کھڑے ہو گئے۔ انہوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ پھر ایٹم بم کی طرف دیکھا اور پھر سرداور عمران کی طرف بڑھے اور اسے سینے سے لگا لیا۔

''تم گریٹ ہو عمران بیٹے۔ گریٹ''...... سرداور نے خوشی سے معمور اور جذباتی آواز میں کہا۔

''مم۔ مم۔ میں۔ لل۔ لیکن۔ کیوں سر داور''...... عمران نے بوکھلائے ہوئے لہجے میں کہا۔

''عمران بیٹے۔ تم نے گھڑی تباہ کر کے سارا نظام ہی روک دیا اور جیسے ہی گھڑی کا نظام رکا سوئی آگے بڑھنے سے رک گئی ہے۔ جیسے ہی سوئی رکی مشین سے گیس کی سپلائی رک گئی اور سلنڈر پھٹنے سے بچ گیا ہے اور سلنڈر پھٹنے سے بچا ہے تو ایٹم بم بھی پھٹنے سے بچ گیا ہے''...... سرداور نے تفصیل بتاتے ہوئے کہا۔ سرداور کی بات سنتے ہی وہاں موجود تمام افراد دیوانہ وار عمران سے لپٹ گئے۔

سیکرٹ سروس کے تمام ممبران اس وقت دانش منزل کے میٹنگ ہال میں موجود تھے۔ ایکسٹو نے خصوصی طور پر میٹنگ طلب کی تھی۔ وہ سب مؤدبانہ انداز میں بیٹھے ہوئے تھے جبکہ عمران حسب عادت اپنی کرسی پر سویا ہوا تھا۔ اس کے خراٹے ہال میں گونج رہے تھے لیکن آج تنویر اسے غصے سے نہیں دیکھ رہا تھا کیونکہ عمران کے عمل سے ایٹم بم پھٹنے سے بچ گیا تھا۔

''السلام علیکم ممبرز''...... اچانک ہی ہال میں ایکسٹو کی آواز گونجی اور سب ممبران وعلیکم السلام کہہ کر مستعد ہو گئے۔ جبکہ عمران بدستور خراٹے لیتا رہا۔

''عمران''...... ایکسٹو کی تیز آواز ہال میں گونجی تو عمران یکدم ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا۔

''بچپن کی وادیوں سے کس نے ہمیں پکارا۔ آواز دے دوبارہ''۔ عمران نے اٹھتے ہی گانا شروع کر دیا۔

''عمران۔ کیا تمہیں ہوش نہیں ہے کہ تم کہاں ہو''...... ایکسٹو کی سرد آواز سنائی دی۔

''میں ہوں وہاں جہاں کی مجھے خود خبر نہیں''...... عمران بھلا اتنی آسانی سے کہاں باز آنے والا تھا۔

''ممبرز۔ میں نے یہ میٹنگ اس لئے کال کی ہے کہ کچھ باتوں سے آپ لاعلم ہیں۔ ان باتوں کا جاننا آپ کے لئے ضروری ہے''...... ایکسٹو نے کہنا شروع کیا تو عمران بھی خاموش ہو گیا۔

''اس بار ہمارے مقابلے پر بیک وقت دو عالمی مجرم تھے۔ ڈیتھ ماسٹر جو کافی کائیاں، ذہین اور طاقتور مجرم تھا۔ اسے کافرستان نے پاکیشیا سے ایک اہم فائل آئی ٹن چرانے کا ٹاسک دیا۔ کافرستان یہ فائل اپنے کسی ایجنٹ کے ذریعے نہیں چرانا چاہتا تھا۔ ڈیتھ ماسٹر نے سرسلطان پر کافی دباؤ ڈالا لیکن سرسلطان جیسے لوگ کسی بھی دباؤ کو قبول نہیں کرتے اور نہ ہی انہیں کسی لالچ کے ذریعے سے خریدا جا سکتا ہے۔ اس نے سرسلطان کے خاتمے کا بھی فیصلہ کر لیا اور اپنے ان دونوں مشنز پر اس نے کام بھی شروع کر دیا۔ ڈیتھ ماسٹر کے کام کرنے کا طریقہ یہی ہے کہ وہ بیک وقت مختلف ذرائع استعمال کرتا ہے۔ یہاں بھی اس نے یہی طریقے استعمال کئے۔ ڈیتھ ماسٹر کے کارندوں نے عمران پر بھی قاتلانہ حملہ کیا اور خاور کو بھی اغوا کر لیا۔ پھر انہوں نے خاور کو زندہ حالت میں کنگ روڈ پر پھینک دیا اور اس کی اطلاع بھی عمران کو کر دی۔

دراصل انہوں نے خاور کے بالوں میں جدید ایچ ڈی فٹ کر دیا تھا۔ خاور کو دانش منزل کے میڈیکل روم میں ہی علاج فراہم کیا گیا اور ایچ ڈی کو بھی مارک کر لیا گیا۔ ایچ ڈی کو مارک کرتے ہی میں نے دانستہ عمران کو فون پر ایسی ہدایات دیں جس سے ڈیتھ ماسٹر خود ہی اپنے جال میں پھنس گیا۔ اس نے ایک ہی وقت میں سرسلطان کو قتل کرنے اور فائل آئی ٹن اڑانے کا منصوبہ بنایا۔ اس کے دونوں مشنز ناکامی سے دو چار ہوئے اور اس کی ساری تنظیم کا خاتمہ ہو گیا۔ دوسری طرف ڈاکٹر بلیک تھا جو حقیقتاً انتہائی ذہین اور باصلاحیت انسان تھا۔ تم لوگوں نے اس کے ساتھ میری گفتگو سنی ہو گی۔ وہ میرا استاد تھا اور کاش کہ وہ تخریب کی بجائے تعمیر کی طرف آ جاتا تو پوری دنیا کو جنت کا نمونہ بنا سکتا تھا''۔ ایکسٹو نے مسلسل بولتے ہوئے کہا اور پھر وہ چند لمحوں کے لئے خاموش ہو گیا۔

''اس نے بہت سی عظیم ایجادات کیں۔ اس کی ایجادات میں ایک ڈیتھ فورس ہے۔ یہ روبوٹس پر مشتمل تھی جو لمحوں میں شعاعوں کے ذریعے ایک ملک سے دوسرے ملک میں پہنچ جاتی تھی۔ ڈاکٹر بلیک نے اسی ڈیتھ فورس کے ذریعے مختلف ملکوں میں ایٹم بم نصب کئے۔ یہ ڈیتھ فورس اس کے دیگر کام بھی آسانی سے کر لیتی تھی۔ ڈاکٹر بلیک کی ایک اور انقلابی ایجاد فیوچو مشین تھی۔ یہ مشین مستقبل میں ہونے والی اموات کا منظر دکھاتی تھی۔ ڈاکٹر بلیک ان مناظر کو دیکھتا تھا اور اگر کسی اہم شخصیت کی موت مشین پر آ جاتی تو وہ اسے

ریکارڈ کر لیتا تھا۔ اس نے اس مشین کے ذریعے پوری دنیا پر حکمرانی کرنے کا سوچا اور اس پر عمل بھی کرنے لگا۔ اس نے ایکریمیا اور باچان کے کروڑوں لوگوں کو آناً فاناً ہلاک کر دیا۔ یوں وہ انسانی تاریخ کا بدترین مجرم بنا۔ اس نے پاکیشیا کو بھی اپنی لسٹ میں شامل کرلیا کیونکہ اس نے سرسلطان کی موت کا منظر بھی مشین پر دیکھ لیا تھا لیکن یہ حقیقی سرسلطان نہیں تھے بلکہ ڈیتھ ماسٹر کی کارروائی کے نتیجے میں قتل ہونے والا ایک قیدی تھا۔ ڈاکٹر بلیک کی دھمکی اور ڈیتھ ماسٹر کی کارروائیوں کی وجہ سے میں نے پلاننگ کی تھی۔ سرسلطان کو دانش منزل بلا لیا تھا اور ان کے میک اپ میں ایک قیدی کو خان ہاؤس پہنچا کر سیکورٹی کے تمام انتظامات وہاں کر دیئے گئے تھے۔ اس قیدی کی حقیقت سے صدر مملکت بھی واقف نہ تھے۔ یوں ڈاکٹر بلیک کی مشین نے مستقبل کا جو منظر دکھایا تھا اس منظر میں سرسلطان نہیں بلکہ ان کے میک اپ میں کوئی اور تھا کیونکہ ڈاکٹر بلیک کی فیوچر مشین یہ نشاندہی نہیں کر سکتی تھی کہ مرنے والا میک اپ میں ہے یا بغیر میک اپ کے۔ یوں ڈاکٹر بلیک کو پاکیشیا کے مقابلے میں شکست ہوئی اور اس نے خود کو پاکیشیا کے حوالے کر دیا لیکن اس کے اسسٹنٹ نے اسے قتل کر دیا۔ ڈاکٹر بلیک نے اپنی تمام انقلابی ایجادات کے ساتھ اپنے ہیڈ کوارٹر کو اپنے ہاتھوں تباہ کر دیا تھا۔ ڈاکٹر بلیک اپنے وعدے اور عہد کے مطابق پاکیشیا آ گیا تا کہ ایٹم بم کو ناکارہ کر سکے لیکن اس کے قتل کے بعد ہمارا سکون ختم

ہو گیا کیونکہ وہ ایٹم بم کے بارے میں کچھ نہیں بتا سکا تھا اس کی جیب سے میں نے ایک فوٹو برآمد کیا جو ایک مقامی فلم کا تھا۔ اس فوٹو کے مطابق ہم نے ایٹم بم ٹریس کرنے کی کوشش کی۔ شروع میں ہمیں ناکامی ہوئی لیکن پھر اللہ تعالیٰ کی رحمت اور کرم سے ایٹم بم ٹریس ہو گیا اور یہ اللہ تعالیٰ کا ہی فضل تھا کہ ایٹم بم پھٹنے سے صرف پچاس سیکنڈ پہلے عمران نے غیر ارادی طور پر ایٹم بم سے منسلک گھڑی کو فائر مار کر تباہ کر دیا اور یوں ایٹم بم پھٹنے سے رہ گیا اور اللہ تعالیٰ نے پاکیشیا کو ایک بڑی تباہی سے بچا لیا''۔ ایکسٹو نے مسلسل بولتے ہوئے کہا اور پھر خاموش ہو گیا۔

''اگر تم لوگ کچھ پوچھنا چاہتے ہو تو پوچھ سکتے ہو''...... چند لمحوں کی خاموشی کے بعد ایکسٹو کی آواز دوبارہ سنائی دی۔ عمران نے ادھر ادھر دیکھا کوئی بھی کھڑا نہ ہوا تو عمران کھڑا ہو گیا۔

''لیں چیف۔ میں کچھ پوچھنا چاہتا ہوں''...... عمران نے مؤدبانہ لہجے میں کہا۔

''ہاں بولو۔ کیا پوچھنا ہے تم نے''...... ایکسٹو نے کہا۔

''باس۔ فیوچر مشین سے پوچھ کر بتائیں کہ میرا اور جولیا کا کیا فیوچر ہے۔ یعنی ہمارے بچے کتنے ہوں گے۔ ان میں کاکے کتنے ہوں گے اور کاکیاں کتنی''...... عمران نے بظاہر سنجیدہ لہجے میں کہا۔

''انسان کی جتنی بھی ایجادات ہیں ان میں خامیاں موجود ہیں۔ فیوچر مشین کی اطلاع حتمی تو نہیں ہو سکتی۔ سرسلطان کے بارے میں

تم اس کی کارکردگی دیکھ ہی چکے ہو۔ لہٰذا کبھی بھی مشینوں پر اعتماد نہ کرنا۔ اوکے گڈبائی''...... ایکسٹو کی آواز سنائی دی اور اس کے بعد خاموشی چھا گئی۔

''اچھا۔ تو تم فیوچر مشین سے اپنے اور میرے فیوچر کے بارے میں جاننا چاہتے ہو''۔ جولیا نے عمران کو آنکھیں دکھاتے ہوئے کہا۔

''میں تو اپنے اور تمہارے فیوچر کے بارے میں اچھی طرح جانتا ہوں''...... عمران نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''عمران صاحب۔ کیا جانتے ہیں آپ''...... صدیقی نے پوچھا۔

''یہی کہ جولیا ابھی اپنا سینڈل اتارے گی اور میری طرف اچھالے گی''...... عمران نے معصومیت سے کہا تو سب کے چہروں پر مسکراہٹ آ گئی۔ اس دوران جولیا نے واقعی اپنا جوتا اتار لیا تھا۔

''دیکھا دیکھا۔ میں نے فیوچر کی پیشین گوئی بالکل درست کی ہے نا''...... عمران نے کہا تو جولیا نے اسے جوتا مار بھی دیا۔ عمران یکدم نیچے بیٹھ گیا اور جوتا اس کے پیچھے جا گرا۔

''اب جولیا دوسرا جوتا بھی اتارے گی''...... عمران نے کہا تو جولیا واقعی جوتا اتارنے کے لئے جھکی جبکہ عمران نے چھلانگ لگائی اور ہال سے باہر نکل گیا۔ اسے اپنے پیچھے ممبران کے قہقہے سنائی دیئے۔

ختم شد

نے جب اس دھمکی کو عملی جامہ پہنایا تو کیا نتیجہ برآمد ہوا ـــــ؟

☆ہاٹ لائن۔ ایک بین الاقوامی مجرم تنظیم۔ جس نے عمران، کرنل فریدی، میجر پرمود، کرنل زیدا اور کرنل ڈیوڈ جیسے تجربہ کار سیکرٹ ایجنٹوں کو چکرا کر رکھ دیا۔؟

☆پاکیشیا، کافرستان، بلگارنیہ، اراڈان اور اسرائیل کا مشترکہ دشمن جو انہیں تباہ کرنے کے منصوبے بنا رہا تھا اور ان پانچوں ممالک کے سیکرٹ ایجنٹ اسے تلاش کرنے میں ناکام ہو گئے تھے۔ اس خطرناک دشمن کے بارے میں انہیں آخر تک معلوم نہ ہو سکا۔ کیوں ـــــ؟

☆چیکو معصوم اور بھولی بھالی نظر آنے والی حسینہ، ہاٹ لائن کی سفاک اور سنگدل سیکشن انچارج، جو انسانی گوشت کا قیمہ بنا کر افریقہ کے وحشی قبیلے کو کھلا دیتی تھی۔

☆ٹینا۔ کرنل فریدی کی ساتھی جس نے بے ہوش ٹائیگر پر مشین پسٹل سے فائر کھول دیا۔ کیا ٹائیگر زندہ بچ سکا ـــــ؟

☆جب مجرموں کا کوئی سراغ نہیں مل رہا تھا تو کرنل فریدی پر مایوسی چھا گئی۔ اس مایوسی کا کیا نتیجہ برآمد ہوا ـــــ؟

☆شالما جنگل۔ افریقہ کا خوفناک، ہیبت ناک اور وحشت ناک جنگل جہاں قدم قدم پر موت نے ڈیرے ڈالے ہوئے تھے۔

☆اس خوفناک جنگل میں میجر پرمود اور کرنل فریدی کی ٹیموں کے درمیان خونی ٹکراؤ ہو گیا۔ نتیجہ کیا نکلا ـــــ؟

☆راکا دیوی۔ شاؤ کا قبیلے کی حسین اور خونی دیوی جس کے قدموں میں عمران کو قربان کیا جانے لگا۔

☆عمران راکا دیوی سے اپنی زندگی کی بھیک مانگنے لگا لیکن خونی دیوی بھلا سے کیوں چھوڑ دیتی۔ کیا عمران کو قربان کر دیا گیا ـــــ؟

☆ہاٹ لائن نے کرنل فریدی کو قیمہ بنانے کے لئے اس کے جسم میں کٹر مشین فٹ کر دی۔ کیا کرنل فریدی کا جسم قیمے میں تبدیل ہو گیا ـــــ؟

☆شاکاکانا۔ ایک چالاک وعیار وحشی انسان۔ جس نے کرنل ڈیوڈ کا ساتھی بن کر اس کی اور اس کے ساتھیوں کی موت کا اہتمام کر دیا۔

☆کرنل فریدی کے لئے وہ لمحات کس قدر بے بسی کے تھے کہ جنگلی سردار اس کی ساتھی لڑکیوں ریکھا اور روزا سے شادی کر رہا تھا۔

☆سلور پلان۔ جس کی وجہ سے عمران، کرنل فریدی، کرنل زید اور میجر پرمود ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہو گئے اور وحشی درندوں کی طرح ایک دوسرے پر ٹوٹ پڑے۔

☆جوزف نے کرنل فریدی کو گولیاں مار دیں۔ کیا کرنل فریدی ہلاک ہو گیا؟ کرنل فریدی کو گولیاں مارنے کے بعد جوزف نے خود کو بھی گولیوں سے اڑا دیا؟

سطر سطر سسپنس، لفظ لفظ تحیر، صفحہ صفحہ ایکشن، موڑ موڑ موت کی سنسناہٹ، قدم قدم پر بکھرے خونی واقعات۔ جنگل ایڈونچر، ہنگامہ آرائیاں، پل پل بدلتی سچوئیشنز اور مزاح سے بھرپور ایک لازوال ویادگار اور دلوں پر گہرے نقش چھوڑ دینے والا تہلکہ خیز ناول۔ (تحریر۔ ارشاد العصر جعفری)

ارسلان پبلی کیشنز اوقاف بلڈنگ پاک گیٹ ملتان
Mob 0333-6106573
0336-3644440
0336-3644441
Ph 061-4018666
E.Mail.Address arsalan.publications@gmail.com

عمران سیریز میں مزاح، ایکشن، ایڈونچر اور خوف و دہشت
میں لپٹی ہوئی لازوال داستان

ماورائی نمبر

ڈیول ورلڈ

مصنف
ارشاد العصر جعفری

☆ وحشت و بربریت کے وہ سنسنی خیز لمحات۔ جب تنویر کو اس کے فلیٹ میں قتل کر کے اس کی لاش کو آگ لگا دی گئی۔

☆ ذیلون۔ ایک خطرناک شیطانی عامل، جس نے عمران کو شیطانی عمل سے پاگل کرنے کا منصوبہ بنایا۔ کیا عمران پاگل ہو گیا۔۔۔؟

☆ عمران نے جولیا، صفدر اور خاور کو الٹا لٹکا کر ان کے نیچے آگ لگا دی۔ کیا یہ حرکت عمران نے پاگل ہو جانے کی وجہ سے کی تھی۔ یا۔۔۔؟

☆ ذیلون۔ عمران کے ساتھ موت کا کھیل کھیلنے لگا۔ موت کے اس بھیانک کھیل کا انجام کیا ہوا۔۔۔؟

☆ خوف کے وہ بھیانک لمحات۔ جب عمران اور اس کے ساتھی ریت کے طوفان میں تنکوں کی طرح اڑ گئے۔

☆ دنیا کا خوفناک ترین صحرا۔ صحرائے نشکان۔ جس کے ریتلے طوفان میں عمران اور اس کے ساتھی زندہ دفن ہو گئے۔

☆ زندگی میں پہلی بار عمران کے دل میں موت کا خوف پیدا ہوا کیونکہ وہ موت کو اپنی جانب بڑھتے ہوئے دیکھ رہا تھا لیکن بے بسی کی وجہ سے وہ حرکت کرنے سے بھی قاصر تھا۔

☆ ذیلون۔ جس نے عمران اور اس کے ساتھیوں کی لاشوں کے درمیان فتح ے جشن کا اعلان کر دیا۔

☆ گریٹ لینڈ کی ایجنسیوں نے عمران اور اس کے ساتھیوں کو جاسوسی کے ام میں گرفتار کر لیا۔ کیا عمران اور اس کے ساتھی گریٹ لینڈ کی جاسوسی کر ہے تھے۔۔۔؟

☆ عمران اور اس کے ساتھیوں کو جلتی ہوئی برقی بھٹی میں ڈالا جانے لگا تو؟

☆ عمران۔ شیطانی طاقتوں کے خوف سے ایک کمرے میں چھپ کر بیٹھ گیا۔ رکیا ہوا۔۔۔؟

☆ ہزاروں خونخوار کتوں نے عمران اور اس کے ساتھیوں پر حملہ کر دیا۔ کیا وہ ا حملے سے بچ پائے۔۔۔؟

☆ عمران اور اس کے ساتھی کھلے سمندر میں غوطے کھا رہے تھے کہ مگرمچھوں کی ب بڑی تعداد نے ان پر حملہ کر دیا۔ پھر کیا ہوا۔۔۔؟

☆ جوزف نے جولیا کو بے ہوش کیا اور پھر اس پر تھپڑوں کی بارش کر دی۔ زف نے ایسا کیوں کیا۔۔۔؟

قدم قدم رقص اجل، لمحہ لمحہ خوف و دہشت، سطر سطر سسپنس،
ایکشن اور مزاح سے بھرپور یادگار اور لازوال ناول۔

رسلان پبلی کیشنز
اوقاف بلڈنگ
پاک گیٹ
ملتان
Mob
0333-6106573
0336-3644440
0336-3644441
Ph 061-4018666
E.Mail.Address arsalan.publications@gmail.com

عمران سیریز میں سسپنس اور ایکشن سے بھرپور منفرد ناول

مکمل ناول

گولڈ سرکل

مصنف
ارشاد العصر جعفری

ڈاکٹر گولڈ — ایک ایسا سائنسدان جس نے دنیا بھر کی معیشت کو تباہ کرنے کا منصوبہ بنایا اور پاکیشیا سمیت کئی ممالک اس منصوبے کی لپیٹ میں آگئے۔

ڈاکٹر گولڈ — جس نے پاکیشیا سیکرٹ سروس کو چیلنج کر دیا کہ وہ پاکیشیا کو تباہ کر دے گا۔

ڈاکٹر گولڈ — جو پاکیشیا سیکرٹ سروس کی موجودگی میں پاکیشیا میں کامیاب کارروائیاں کرنے لگا۔

ڈاکٹر گولڈ — جس کے بارے میں دنیا کا کوئی شخص نہیں جانتا تھا۔ عمران اور پاکیشیا سیکرٹ سروس ڈاکٹر گولڈ کی تلاش میں سرگرداں تھی لیکن اس کا کہیں نام و نشان نہیں تھا۔

جوانا — جس نے ایکریمیا واپس جا کر اپنا پرانا پیشہ دوبارہ اختیار کر لیا۔ کیوں؟

جوانا — جس نے گولڈ سرکل کو عمران کے بارے میں معلومات فراہم کر دیں۔

ڈاکٹر گولڈ — جس نے پاکیشیا سیکرٹ سروس کی موجودگی میں پاکیشیا کے مرکزی بینک سے اربوں ڈالرز کے سونے کے ذخائر چوری کر لئے۔ کیسے —؟

عمران، ٹائیگر اور تنویر کو بے ہوش کر کے ان پر فائرنگ کر دی گئی۔ کیا وہ ہلاک ہو گئے؟

جزیرہ مارکن — جہاں قدم رکھتے ہی پاکیشیا سیکرٹ سروس کی ٹیم پر بموں کی بارش کر دی گئی۔ پاکیشیا سیکرٹ سروس کا کیا انجام ہوا —؟

ریاست بالان — ڈاکٹر گولڈ نے اس ریاست کی معیشت مکمل طور پر تباہ کر دی۔

ڈاکٹر گولڈ کی پاکیشیا کے خلاف کامیاب کارروائیوں کا کیا انجام ہوا؟
کیا ریاست بالان کی طرح پاکیشیا کی معیشت بھی مکمل طور پر تباہ ہو گئی؟

ایک یادگار و لازوال ناول جو مدتوں یاد رکھا جائے گا۔